أنا آخر الأنبياء وأنتم آخر الأمم
خوشا مسجد و مدرسہ و خانقاہے
کہ در وے بود قیل و قال محمد

یکم محرم الحرام ۱۴۰۴ھ سے

اسلامی سالِ نو کا آغاز مبارک ہو!

برادرانِ اسلام! اسلامی سنہ ہجری کے بانی، مدبّر، امامِ عدل و حریت، فاتحِ روم و ایران خلیفۂ راشد ثانی سیدنا فاروقِ اعظم عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اسلامی سالِ نو کے آغاز کے لئے یکم محرم کا انتخاب کیوں کیا! اس کے پس منظر میں بڑی بڑی مایۂ ناز حکمتیں اور تاریخی عظمتیں پنہاں ہیں۔ جب آپ ان کا تجزیہ کریں گے تو محرم الحرام آپ کو انہیں فخریہ حقائق کا امین نظر آئے گا۔

دیکھئے نا، محرم الحرام میں ...

- سیدنا حضرت آدمؑ کی توبہ قبول ہوئی
- فرعونی استبداد بحرِ قلزم میں غرق ہوا اور بنی اسرائیل نے فتح حاصل کی۔
- سیدنا حضرت موسیٰؑ پر تورات نازل ہوئی
- سیدنا حضرت ابراہیمؑ پر نارِ نمرود گلزار بن گئی
- سیدنا حضرت نوحؑ کا سفینہ جبلِ جودی سے ہمکنار ہوا
- سیدنا حضرت اسمٰعیلؑ و سیدنا عیسیٰؑ کی ولادت باسعادت ہوئی
- سیدنا حضرت یعقوبؑ کی آنکھیں روشن ہوئیں اور اپنے لختِ جگر سے ملاقات ہوئی
- سرورِ کائنات حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی امّ المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ سے ہوئی۔
- سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام کو زنداں سے رہائی ملی اور تختِ مصر زیرِ قدم آیا
- دو عظیم شہادتیں واقع ہوئیں۔ فیروز ایرانی کے ہاتھوں زخمی ہو کر یکم محرم کو سیدنا فاروقِ اعظم نے اور مجوسی منافقین کوفی فریب کاروں کے ہاتھوں دس محرم کو سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے جامِ شہادت پی کر مایۂ ناز کامیابی حاصل کی اور ابدی راحتوں سے ہمکنار ہوئے

آیئے سالِ نو کا آغاز اس عظیم فرزندِ اسلام کے یومِ شہادت سے کریں جس کی شخصیت و کردار اسلامی تاریخ میں نشانِ عظمت و معیارِ عدل ہے اور جس کا دورِ خلافت بے مثال فتوحات، انقلابی اصلاحات اور منصفانہ اسلامی معاشرہ کی تشکیل میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے

- یکم محرم کو یومِ شہادتِ فاروقِ اعظمؓ اس شان و شوکت سے منایئے کہ یہودیت و منافقت روسیاہ ہو اور فاروقِ اعظمؓ سے آپکی والہانہ وابستگی آنیوالی نسلوں کیلئے قابلِ رشک مثال بن جائے۔ ہماری دعا ہے کہ سالِ نو آپ کیلئے اور عالمِ اسلام کیلئے فوز و کامرانی کا باعث ہو۔ وطنِ عزیز میں ناموسِ صحابہؓ کا تحفظ، مسلمانانِ اہلِ سنت والجماعت کے قومی و ملی حقوق کی نگہداشت اور دورِ خلافتِ راشدہ کے احیاء و ترویج کی جدوجہد میں مجلس تحفظ حقوق اہلِ سنت و جماعت آپکے تعاون و زریں مشوروں سے ہی حصولِ منزل میں کامیاب ہوگی۔ انشاء اللہ

الرشید

جلد نمبر ۱ — نومبر ۱۹۸۱ء

شمارہ نمبر ۱ — محرم الحرام ۱۴۰۲ھ

مدیر اعلیٰ: فاضل حبیب اللہ

مدیر مسئول: عبدالرشید ارشد

معین الرشید: شریف احمد طاہر

شعبۂ کتابت: حزب اللہ خالد

ناشر: عبدالرشید ارشد

سالانہ چندہ : ۲۰/- روپے
فی شمارہ : ۲/- روپے

مقام اشاعت: ۳۲ — شاہ عالم مارکیٹ لاہور

پرنٹر: منہاج الدین اصلاحی
مطبوعہ شرکت پرنٹنگ پریس نسبت روڈ لاہور

SV02

آئینہ مضامین

مؤتمر رشیدیہ

○

جامعہ رشیدیہ کا سالانہ تبلیغی اجتماع عظیم خصوصیات کا حامل ہوتا ہے۔ چنانچہ اوائلِ ذی الحجہ یکم اکتوبر سے ۳ اکتوبر تک جامعہ کا تیسویں سالانہ اجلاس روایات سابقہ کے مطابق جامعہ کے احاطہ میں شبانہ روزانہ منعقد ہوا۔ جس میں ملت کے متعدد اکابر علماء کرام ابناء دارالعلوم فرزندان دیوبند ملک کے مختلف حصوں سے ساہیوال آتے رہے اور تین دن رات اجتماعات میں متنوع مضامین بیان فرماتے رہے اور خطباء ملیہ نے خطبات وخطابات فرمائے۔

○ یکم اکتوبر افتتاحی نشست حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کی صدارت میں شروع ہوئی۔ قاری محمد عبداللہ صاحب نے سبعہ قرأت میں تلاوت فرمائی اور مدیر الجامعہ و مدیر الرشید فاضل حبیب اللہ رشیدی کی دعا سے اجلاس کی کارروائی کا آغاز ہوا۔

○ مدیر "خدام الدین" جناب مولانا علی صاحب نے اصلاح معاشرہ پر تقریر دلپذیر فرمائی۔

○ مدیر "ترجمان اسلام" مولانا زاہد الراشدی صاحب نے اسلامی نظام پر بصیرت افروز خطاب فرمایا۔

○ مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی صاحب نے علماء حق کی تاریخ دارالعلوم دیوبند سے جامعہ رشیدیہ تک بیان فرمائی۔

○ صاحب صدر کے خاندان نے مدرسہ کے لئے "کوٹ خادم علی" میں رقبہ ہبہ کیا۔

○ ۲ اکتوبر جمعہ صبح مولانا حافظ عبدالرحیم صاحب نعمانی بریلوی نے درس قرآن حکیم دیا۔

○ نماز جمعہ سے قبل حضرت مولانا سید منظور احمد صاحب نے ختم نبوت اور جہاد کے عنوانات پر خطاب کیا۔

○ خطبہ جمعہ فاضل خطیب نے پڑھایا۔ بعد الجمعہ نہان جنوبی میاں نذیر احمد صاحب بصدارت چوہدری فضل الٰہی صاحب کے اجتماع میں فضلاء رشیدیہ کو پیر طریقت نمونۂ اسلاف حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب رائپوری مدظلہ نے اپنے دست مبارک سے اسناد و انعامات تقسیم فرمائے۔ اور امیر الجامعہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب مدظلہ رائپوری نے اپنے مخصوص انداز میں اپنے مواعظ حسنہ سے مستفیض فرمایا، اور ضرورت حدیث جیسے اہم موضوع پر روشنی ڈالی۔

○ رات بعد عشاء بصدارت الحاج شیخ محمد صدیق صاحب تیسرا اجلاس شروع ہوا۔ قاری محمد صاحب نے

تجوید جامعہ نے تلاوت فرمائی اور محترم فاروقی صاحب نے فضائل صحابہؓ پر تقریر فرمائی۔

○ آخر میں خطیب العصر حضرت مولانا سید عبدالمجید صاحب ندیم نے معرکۃ الآراء تقریر فرمائی۔ آپ نے تاریخ اسلام کی روشنی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ، خلافت راشدہ پر زبردست خطاب فرمایا۔ رات دو بجے تک آپ کی تقریر کا سلسلہ جاری رہا۔ "شیخ اینڈ کمپنی" نے گیارہ ہزار روپے طلبہ کے خوراک فنڈ میں دیئے۔

○ ۲۴ راکتوبر نماز فجر کے بعد مولانا محمد شریف صاحب وٹو نے درس قرآن کریم دیا۔ اور دوپہر کو ——————

○ مولانا سید امیر حسین صاحب گیلانی کی صدارت میں مولانا عبدالرحیم صاحب اشعر نے مرزائیت پر، مولانا ولی محمد صاحب نے توحید کے موضوع پر اور مولانا عبداللطیف صاحب انور نے جامعہ رشیدیہ اور اس کے اکابر کی تاریخ بیان کی۔

○ آخری تقریر مولانا عبیدالرحمٰن ضیا نے مسئلہ توحید و سنت پر فرمائی جس کو عوام نے بے حد پسند کیا اور بہت متاثر ہوئے۔

○ ظہر کے بعد بصدارت مفتی ضیاء الحسن صاحب حفاظ و قاریان قرآن کو اسناد و انعامات حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب جامعہ اشرفیہ لاہور اور مولانا عبدالقادر آزاد خطیب بادشاہی مسجد لاہور نے تقسیم فرمائے۔

○ حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب نے قرآنی تعلیمات پر تقریر فرمائی۔

○ مولانا عبدالقادر آزاد صاحب نے قرآن کے عنوان پر عظیم خطاب فرمایا۔

○ شام کو مقررین و متکلمین کی کثرت کی وجہ سے بعد نماز مغرب جلسہ و تقریر کا انتظام کرنا پڑا۔

○ مولانا محمد یوسف صاحب بہاولپوری نے صدق و صفا پر وعظ کیا۔

○ رات کے عظیم اجتماع میں مولانا امداد الحسن نعمانی نے تقریر کا آغاز کیا۔ نعمانی صاحب کے بعد مولانا قاری محمد حنیف صاحب ملتانی نے مؤثر وعظ فرمایا۔ آپ نے اسلامی معاشرہ پر خوب سے خوب تر وعظ فرمایا۔ آخری تقریر خطیب پاکستان حضرت مولانا ضیاء القاسمی نے رات دو بجے تک اپنے مخصوص انداز میں ولولہ انگیز تقریر فرماتے ہوئے عصر حاضر کے تمام فتنوں سے خبردار کیا۔

○ اگلے دن صبح اجلاس شروع ہوا اور خطیب ملت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب دینپوری نے اسوۂ خلیل اللہ پر مفصل بیان فرمایا۔ حضرت دین پوری کی دعا پر اجلاس کا اختتام ہوا۔

○ مولانا حبیب اللہ صاحب ناظم جامعہ نے سٹیج سیکرٹری کے فرائض سرانجام دیئے

رضاکاران رشیدیہ نے انتظامات میں بہت جدوجہد کی اور مہمانوں کا خیر مقدم کیا۔

اور مہمانوں کے قیام و طعام کا ہر طرح خیال فرمایا۔

(الاداره)

اشاعتِ اسلام

پروفیسر محمد اسلم صاحب
پنجاب یونیورسٹی ـــ لاہور

برِصغیر پاک و ہند میں

اسلام کی آمد اور تبلیغِ دین

عرب و ہند کے تجارتی تعلقات زمانہ قدیم سے چلے آتے ہیں اور زمانہ قبل از اسلام میں عربوں کے تجارتی جہاز جنوبی ہند کی بندرگاہوں میں رکتے ہوئے جزائر شرق الہند تک جایا کرتے تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بحرین کے گورنر عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کے بھائی حکم بن ابی العاص نے بحری بیڑہ تیار کر کے تھانہ اور بھڑوچ پر حملے کئے۔ ان کے ایک دوسرے بھائی مغیرہ نے دیبل پر بڑا کامیاب حملہ کیا۔ مسلمانوں کو چونکہ بحری جنگوں کا کوئی تجربہ نہ تھا اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بحری جنگوں کی مخالفت کی اور بحرین کے گورنر کو لکھا کہ وہ آئندہ اس قسم کی غلطی کا ارتکاب نہ کریں۔ علامہ بلاذری لکھتے ہیں کہ:

"حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سندھ میں بڑی دلچسپی لیتے تھے اور وہ وہاں کے حالات سے بخوبی واقف تھے"

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے جرنیل المہلب نے متعدد بار سندھ کے سرحدی شہروں پر حملے کئے لیکن انہیں سرحدی چوکیوں سے زیادہ وقعت نہیں دی جا سکتی۔ اموی عہد میں سندھ کے حکمران راجہ داہر نے مکران کے گورنر سعید بن اسلم کو قتل کر کے عربوں کی مخالفت مول لے لی چند سال بعد جب سندھی قزاقوں نے عربوں کے چند جہاز لوٹ لئے تو مجبوراً عربوں کو سندھ پر حملہ کرنا پڑا۔ حجاج بن یوسف نے جو مملکت اسلامیہ کے مشرقی صوبوں کا گورنر جنرل تھا اپنے داماد اور بھتیجے محمد بن قاسم کو فوج دے کر سندھ روانہ کیا اور اس نوجوان فاتح نے سندھیوں کے دلوں پر اپنی تلوار کی دھاک بٹھا دی۔

محمد بن قاسم کا مقصد محض کشور کشائی نہ تھا۔ اس لئے وہ جہاں بھی گیا اس نے تبلیغ اسلام کو بڑی اہمیت دی۔ میر محمد معصوم بھکری کی روایت کے مطابق سب سے پہلے سندھ کی چند قوموں نے اسلام قبول کیا۔ علامہ بلاذری لکھتے ہیں کہ محمد بن قاسم نے دیبل کو فتح کے بعد وہاں چار ہزار مسلمان آباد کئے اور ایک مسجد تعمیر کرائی اسی طرح محمد بن قاسم نے داہر کے دارالحکومت الرور کی فتح کے بعد وہاں بھی ایک مسجد بنائی۔ میر محمد معصوم بھکری کی روایت ہے کہ محمد بن قاسم نے مالِ غنیمت کے خمس سے ہر شہر اور قصبہ میں مساجد تعمیر کرائیں۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ محمد بن قاسم نے ان مساجد کو آباد رکھنے کے لئے پورے سندھ میں مسلمان آباد کئے تھے

حضرت عمر بن عبدالعزیز کو تبلیغ اسلام کا بڑا خیال تھا۔ چنانچہ انہوں نے سندھی امیروں کے نام خط تحریر کرائے جن میں انہوں

دعوتِ اسلام دی گئی تھی۔ ان کی اس دعوت پر جو سندھی اُمراء مشرف باسلام ہوئے ان میں راجہ داہر کا فرزند جے سنگھ خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ عمر بن عبدالعزیزؒ کو سندھی نومسلموں کی تربیت کا اتنا خیال تھا کہ انہوں نے اہم شہروں کی مساجد میں علماء کو خطیب بنا کر بھیجا۔ جب مشہور سیاح ابنِ بطوطہ اپنی سیاحت کے دوران سیہون آیا تو وہاں کے خطیب نے اسے عمر بن عبدالعزیزؒ کا وہ فرمان دکھایا، جس کے جدِ اعلیٰ الشیبانی کو جامع مسجد سیہون کا خطیب مقرر کرنے کا ذکر تھا۔

سندھ میں تبلیغ اسلام کیساتھ ساتھ علومِ اسلامیہ کے مدارس کھل گئے اور پورے ملک میں علوم اسلامیہ کا چرچا ہونے لگا۔ ابوحفص ربیع بصریؒ کا شمار تبع تابعین میں ہوتا ہے آپ امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے اور بڑے ثقہ محدث تسلیم کئے جاتے ہیں اور ان کے شاگردوں میں امام سفیان ثوریؒ اور وکیعؒ جیسے فضلاءِ دہر کے نام آتے ہیں۔ انہوں نے سندھ میں احادیثِ نبویؐ کا درس جاری کیا۔ ابوحفصؒ جیسے بزرگوں نے جو شمع علم سندھ میں روشن کی تھی اس کی ضو سے پورا سندھ روشن ہوگیا اور سندھ نے بڑے نامی گرامی علماء پیدا کئے۔

ابومعشر سندھیؒ کا شمار اُن محدثین میں ہوتا ہے جنہوں نے بغداد جا کر عراقیوں کو حدیث نبویؐ کا درس دیا۔ خلیفہ بغداد کے ہاں ان کی اتنی قدر و منزلت تھی کہ جب ان کا انتقال ہوا تو ان کی نمازِ جنازہ خود خلیفہ بغداد نے پڑھائی۔ اسی طرح سندھ نے ابوعطاء سندھیؒ جیسا قادر الکلام شاعر پیدا کیا جس کے قصائد نے عربی ادب کی مشہور کتاب "الحماسہ" میں عربی شعراء کے قصائد کے ساتھ جگہ پائی۔ اسی عہد میں ابوعلی سندھیؒ نام کے ایک بڑے عابد و زاہد بزرگ ہوئے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ مشہور صوفی بایزید بسطامیؒ نے ان سے تصوف کی تعلیم پائی تھی یاقوت الحموی کی روایت کے مطابق ایک اور سندھی فاضل ابوجعفر محمد بن اسماعیلؒ دیبلی مکہ مکرمہ میں جا بسے تھے ان کا شمار بھی محدثین میں ہوتا تھا۔ ان کے ایک بیٹے ابراہیم کا نام بھی حدیث کے راویوں میں آتا ہے۔ یہ دونوں باپ بیٹا مکہ میں حدیث کا درس دیا کرتے تھے اور ان کی سند سے عرب محدثین حدیثیں روایت کیا کرتے تھے۔ غرض یہ کہ دیکھتے ہی دیکھتے دیبل سے لیکر ملتان تک اسلامی تہذیب و تمدن کی جڑیں بڑی مضبوط ہوگئیں۔

شہرۂ آفاق مؤرخ اور جغرافیہ نویس المقدسی جب "احسن التقاسیم" لکھنے بیٹھا تو اس وقت ملتان کے نواحی قصبات میں حنفی بڑی تعداد میں موجود تھے اور لوگ صلاح و تقویٰ سے آراستہ تھے۔ ابن حوقل نے سندھ کے شہر بلری میں صالح اعمال لوگوں کی موجودگی کی نشاندہی کی ہے۔ البلاذری نے ملتان، کابل اور کشمیر کے درمیان ایک شہر عسیفان کا ذکر کیا ہے۔ وہاں کے ہندو راجہ کا فرزند بیمار پڑا اور اس کی زندگی کے لالے پڑ گئے۔ اس نے اپنے پروہتوں سے دعا کی التماس کی، انہوں نے اپنے معبود کے سامنے شہزادہ کی صحت یابی کی دعا کی جو بے اثر ثابت ہوئی اور شہزادہ راہئ ملک بقا ہوا۔ راجہ نے خفا ہوکر اپنی سلطنت کے تمام بُت مسمار کرا دیئے اور مسلمان تاجروں کو بلا کر ان کے سامنے اسلام قبول کر لیا۔ علامہ بلاذری لکھتے ہیں کہ یہ واقعہ خلیفہ معتصم باللہ کے عہد کا ہے ـــــ عرب تاجروں کی مساعی جمیلہ سے گجرات میں بھی اسلامی اثرات نفوذ کرنے لگے تھے۔ یاقوت الحموی اور ابن حوقل رقمطراز ہیں کہ ساحلِ گجرات پر صیمور نام کی ایک بندرگاہ تھی۔ جہاں بلہرا نامی ایک ہندو راجہ حکمران تھا جو

حکومت کا مسلمانوں کے ساتھ بہت اچھا سلوک تھا اور عرب تجار اس کی مملکت میں آباد ہونے لگے تھے۔ جب [illegible] میں مسعودی بغرض سیاحت چیمور آیا تو وہاں دس ہزار کے لگ بھگ عرب اور مخلوط النسل مسلمان آباد تھے۔ مسلمانوں نے بلہرا کی مملکت میں مساجد تعمیر کرائی تھیں۔ جہاں پانچوں وقت اذان ہوا کرتی تھی۔ مسعودی نے گجرات کے متعدد ساحلی مقامات پر مسلمانوں کی موجودگی کی نشاندہی کی تھی وہ جہاں گیا، مسلمانوں کو فارغ البال اور مرفہ الحال پایا۔

چیمور سے کچھ آگے سندان نام کے ایک شہر کا ذکر ملتا ہے۔ قاضی اطہر مبارکپوری لکھتے ہیں کہ سندان موجودہ مہاراشٹر اور گجرات کے درمیان بمبئی سنٹرل ریلوے اسٹیشن سے شمال کی طرف ۱۴۵ کلومیٹر اور سورت سے جنوب کی طرف ۱۱۰ کلومیٹر پر ایک معمولی اسٹیشن ہے۔ قدیم عرب جغرافیہ نویس اور مورخ اسے سندان لکھتے ہیں۔ مگر آجکل مقامی زبان میں اسے سنجان کہا جاتا ہے۔
ابوالفضل نے بھی آئین اکبری میں سنجان ہی لکھا ہے اور اسے [illegible] کا پرگنہ بتایا ہے۔ قدیم زمانہ میں یہ بلاد ہند کا مشہور شہر اور بندرگاہ تھی اور یہاں بحری تجارت کی عالمی منڈی تھی۔ جب علامہ بلاذری فتوح البلدان لکھنے بیٹھے تو انہیں معلوم ہوا کہ وہاں کی جامع مسجد میں ہارون الرشید کے لئے دعا مانگی جاتی ہے۔

ڈاکٹر تاراچند کی تحقیق کے مطابق بمبئی کے نواح میں چاول، کلیان اور سوپارہ میں ظہور اسلام سے قبل عربوں کی آبادی کا سراغ ملتا ہے۔ ظہور اسلام کے بعد ساحل مالابار پر ایک عربی النسل قوم نوائت آباد ہوئی جن کا پیشہ جہاز رانی تھا۔ جنوبی ہندوستان کے ساحل پر اسلام کی تبلیغ اور علوم اسلامیہ کی اشاعت میں ان کا بڑا ہاتھ ہے۔ ڈاکٹر تاراچند نے کولم میں عربوں کے ایک قدیم ترین قبرستان کا پتہ لگایا ہے جہاں علی بن عثمان نامی ایک شخص کی قبر پر ۱۶۶ھ کا ایک کتبہ نصب ہے۔ اسی طرح بمبئی کے قریب تھانہ میں بھی مسلمان قدیم ایام سے آباد ہیں۔ جب ۱۸۸۲ء میں گزیٹیر آف تھانہ ڈسٹرکٹ مرتب ہوا تو وہاں آٹھ سو سال کی پرانی قبریں موجود تھیں۔ اسی طرح ساحل مالابار پر موپلہ قوم بھی قدیم الایام سے آباد ہے۔ یہ لوگ جہازران تھے اور مصر، عرب اور ہندوستان کے درمیان تجارت کرتے تھے۔ ابن بطوطہ نے ساحل مالابار پر چودھویں صدی کے نصف اول میں سفر کیا تھا اور یہ بات اس کے اطمینان کا باعث تھی کہ پورے علاقہ میں مسلمانوں کی بستیاں موجود تھیں جہاں وہ خوشحال اور فارغ البالی سے زندگی بسر کر رہے تھے۔ جب تک اس علاقہ پر پرتگیزوں نے حملہ نہیں کیا تھا ساحل مالابار پر مسلمان چھائے ہوئے تھے۔

جنوبی ہندوستان کا مشرقی ساحل معبر کے نام سے یاد کیا جاتا تھا یہاں عرب ساتویں صدی میں آباد ہونا شروع ہو گئے تھے۔ عربوں کے تجارتی جہاز جو عرب اور جزائر شرق الہند کے درمیان سامان لایا اور لے جایا کرتے تھے، وہ اکثر یہاں لنگر انداز ہوا کرتے تھے۔ ڈاکٹر تاراچند کی تحقیق کے مطابق یہاں کے مسلمان بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ جب دکن کی ہندو ریاست وجے نگر نے مسلمانوں کی زندگی اجیرن کر دی تو وہ اس علاقے سے ہجرت کر کے جزائر شرق الہند چلے گئے۔ آج جنوب مشرقی ایشیا میں جس قدر مسلمان نظر آتے ہیں وہ انہی مہاجروں کی تبلیغ کا نتیجہ ہیں جو ساحل معبر سے وہاں جا کر آباد ہوئے تھے۔

برصغیر پاک و ہند میں اسلام کے قدم جمانے ہوئے بزرگان دین نے تصنیف و تالیف اور درس و تدریس کا کام شروع کیا تھا

المقدسی کی ملاقات منصورہ میں قاضی ابو محمد المنصوری سے ہوئی تھی جو حضرت امام داؤد ظاہری کے پیرو تھے اور ان کے مسلک کی [illegible] میں انھوں نے متعدد کتابیں لکھی تھیں۔ سلطان محمود کے لاہور پر قبضے سے بہت پہلے یہاں اسماعیل بخاری تفسیر اور حدیث کا درس دیا کرتے تھے۔ مخدوم علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے یہیں اپنی شہرۂ آفاق تصنیف "کشف المحجوب" تحریر فرمائی تھی۔

سلطنت دہلی سے پہلے لاہور میں مولوی اسحاق کا مدرسہ بہت مشہور تھا جہاں سے سلطان کی سرہند جیسے کامیاب مبلغ فارغ التحصیل ہو کر نکلے تھے۔ حسن صغانی لاہوری کا شمار دنیائے اسلام کے نامور علماء میں ہوتا ہے موصوف عربی لغت کے امام مانے جاتے تھے اور عرب بھی ان کے کمال فن کے معترف ہیں۔ ناصر الدین قباچہ نے ملتان میں ایک مدرسہ بنوایا تھا جہاں علامۂ روزگار قطب الدین کاشانی درس دیا کرتے تھے۔

حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی نے ایک چھوٹے سے گاؤں کوٹ کروڑ میں ایک قاری سے ساتوں قرأتوں میں قرآن پڑھنا سیکھا تھا۔ حضرت زکریا کی خانقاہ اپنے زمانہ میں علم و ادب کا گہوارہ سمجھی جاتی تھی۔ سید امیر حسینی نے اسی جگہ "نزہت الارواح" "زاد المسافرین" اور "کنز الرموز" جیسی کتابیں تحریر فرمائی تھیں۔ فخر الدین عراقی جیسے قادر الکلام شاعر نے اپنی زندگی کے بیس سال اسی خانقاہ میں بسر کئے۔ التتمش کے عہد میں بخارا کے ایک عالم ابو توامہ نے سنارگاؤں میں سکونت اختیار کی اور اس شہر کو علم حدیث کا ایک مرکز بنا دیا۔ حضرت نظام الدین اولیاؒ کے پاس ایک بہت اچھا کتب خانہ تھا اور آپ کا ایک مرید کتابوں کی نقلیں تیار کرنے پر مامور تھا۔

آمدم برسر مطلب شمالی ہندوستان میں تبلیغ کا فریضہ صوفیائے کرام نے انجام دیا ان بزرگوں میں سے خواجہ معین الدین اجمیریؒ بڑے کامیاب مبلغ ثابت ہوئے۔ انھوں نے راجستھان کے قلب میں اسلام کی شمع روشن کی جس کی ضو سے پورے ہندوستان سے ظلمت کی گھٹائیں چھٹ گئیں۔

پروفیسر آرنلڈ لکھتے ہیں: آپ اجمیر جاتے ہوئے دہلی میں کچھ عرصے کے لئے ٹھہرے تھے اور اس مختصر سے قیام میں ہی سات سو کافروں کو مشرف بہ اسلام کر گئے۔ ان کے خلفاء نے راجستھان کے متعدد شہروں میں تبلیغی مراکز قائم کئے۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے اس دیار کفر میں مسلمانوں کی بستیاں وجود میں آگئیں۔

شمالی بنگال اور آسام میں تبلیغ اسلام کا فریضہ شیخ جلال الدین تبریزیؒ اور شاہ جلال مجرد سلہٹیؒ نے انجام دیا مؤخر الذکر بزرگ اپنے سات سو مریدین کے ساتھ بنگال میں داخل ہوئے اور انھوں نے سلہٹ کے ہندو حکمران گور گوبند کو شکست دے کر سلہٹ میں قیام فرمایا۔ آپ کے سوانح نگار عبد الجلیل بسمل رقمطراز ہیں کہ آپ جو علاقہ فتح کرتے وہ ایک مرید کی نگرانی میں دے کر خود آگے بڑھ جاتے اور وہ مرید اس علاقہ میں تبلیغ دین کے فرائض پورے کرتا۔ آپ نے اپنے تمام ساتھیوں کو حکم دیا کہ وہ [illegible] کریں تاکہ اس علاقے میں مسلمان آبادی میں اضافہ ہو۔ آپ کے مریدوں نے پورے بنگال اور آسام میں تبلیغی کام [illegible] اور غیر مسلموں کی ایک بڑی تعداد کو مشرف بہ اسلام کیا۔

لاہور میں جن دنوں ابھی ہندوؤں کی حکومت تھی بخارا سے شیخ اسماعیلؒ نام کے ایک بزرگ یہاں آکر مقیم ہو گئے۔ مفتی غلام سرور رقمطراز ہیں کہ وہ جمعہ کے روز وعظ کیا کرتے تھے اور ان کا وعظ اتنا پُر تاثیر ہوا کرتا تھا کہ سیکڑوں کی تعداد میں غیر مسلم کلمۂ توحید پڑھ کر مسلمان ہوا کرتے تھے آپ پہلے شخص ہیں جنہوں نے لاہور میں تفسیر و حدیث کا درس جاری کیا۔

حضرت اسماعیل بخاریؒ کے بعد لاہور میں سید علی ہجویری المشہور داتا گنج بخشؒ تشریف لائے۔ آپ کی توجہ سے لاہور کا ایک نامی گرامی جوگی اپنے چیلوں سمیت مشرف باسلام ہوا۔ آپ نے لاہور میں ہی "کشف المحجوب" قلمبند فرمائی۔ جو تصوف کے موضوع پر فارسی زبان میں اولین کتاب ہے۔

بلخ کے مشہور صوفی ابو اسحاق گازرونیؒ کے بھتیجے شیخ صفی الدین گازرونیؒ (م ۱۰۰۷ء) سلطان محمود غزنوی کی تخت نشینی سے بھی پہلے سابق ریاست بہاولپور کے مشہور روحانی مرکز اوچ میں آکر مقیم ہوئے۔ ان کی تبلیغی کوششوں سے بہت سے غیر مسلم دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ ان کی وفات کے تقریباً ایک صدی بعد شاہ یوسف گردیزیؒ نے ملتان کو اپنی تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز بنایا۔ ان کی سعی و کاوش بار آور ہوئی اور ان کے ہاتھ پر بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا۔

سلطنت دہلی کے قیام سے قبل پنجاب میں سلطان سخی سرورؒ نے بڑا کام کیا تھا اور آج صدیاں گذر جانے کے بعد بھی پنجاب کے جاٹوں پر ان کا اثر نمایاں ہے۔ جنوب مغربی پنجاب میں حضرت بہاؤالدین ذکریا بڑے کامیاب مبلغ ہو گذرے ہیں ان کی سعی و کاوش سے بہت سی غیر مسلم قومیں دائرہ اسلام میں داخل ہوئیں جن میں کھچی قوم قابل ذکر ہے۔ آپ کے ایک مرید حضرت موسیٰ نوابؒ نے بھی کئی ایک غیر مسلم قبائل مسلمان کئے۔ اسی طرح آپ کے ایک اور مرید سید جلال بخاریؒ نے چڈھڑ، سیال، داہر اور کئی ہندو قوموں کو مسلمان کیا۔ ان کے پوتے مخدوم جہانیاں سید جلال الدین جہانگشت کے ہاتھ پر کھرل قوم مشرف باسلام ہوئی۔

حضرت بہاؤالدین کے پوتے شاہ رکن عالم کے مرید شیخ حمید الدینؒ حاکم نے مو مبارک کو اپنی تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز بنایا۔ سکھر اور اوچ کے درمیان میں ان کی سعی و کاوش سے بہت سے گمراہوں نے راہ ہدایت پائی۔ گزیٹیر آف ملتان ڈسٹرکٹ کی روایت ہے کہ مخدوم محمد غوث اوچی کے ایک مرید مخدوم شیر شاہ نے سوا لاکھ کے قریب غیر مسلموں کو دائرہ اسلام میں داخل کیا تھا۔

بابا فرید الدین گنج شکرؒ بھی بڑے کامیاب مبلغ ثابت ہوئے اور ان کی کوششوں سے پنجاب کے بہت سے غیر مسلم قبائل نے اسلام قبول کیا۔ وٹو، سیال اور ٹوانے آپ ہی کی تبلیغ سے متاثر ہو کر مسلمان ہوئے تھے۔ بعض حضرات کے خیال میں جنوبی پنجاب کے غیر مسلموں کو مسلمان کرنے میں آپ کی کوششوں کو بڑا دخل ہے۔

بابا صاحبؒ کے ایک پوتے شیخ تاج الدینؒ نے بیکانیر کے علاقہ میں متعدد راجپوت خاندانوں کو مسلمان کیا جس کی وجہ سے غیر مسلم راجپوت ان کے درپے آزار ہوئے۔ تقسیم ملک سے قبل پانی پت کے نواح میں جو مسلمان راجپوت آباد تھے ان کا کہنا تھا کہ ان کے مورث اعلیٰ امیر سنگھ کو حضرت بو علی قلندر نے مشرف باسلام کیا۔

دکن کا علاقہ سلطان علاؤالدین خلجی اور اس کے نامور جرنیل ملک کافور کی توجہ کا خاص مرکز بنا رہا۔ ان دونوں نے دکن پر جو حملے

سر کئے ان سے دکن کے قلب میں تبلیغ اسلام کے راستے کھل گئے اور بہت سے صوفیاء کرام نے شمالی ہندوستان کو ترک کرکے دکن کو اپنا مسکن بنایا۔ انہی ایام میں سلطان المشائخ نظام الدین اولیاءؒ نے دکن میں تبلیغ اسلام پر خصوصی توجہ دی۔ آپ نے اپنے ایک جلیل القدر خلیفے حضرت برہان الدین غریبؒ کو چار سو درویشوں کے ہمراہ تبلیغ اسلام کے لئے دکن بھیجا۔ سلطان المشائخ کے جانشین حضرت نصیر الدین چراغ دہلیؒ کے خلیفے حضرت بندہ نواز گیسو دراز نے بھی گلبرگہ میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی آپ کی سعی و کاوش سے کفار کی ایک بڑی جماعت نے اسلام قبول کیا۔

جن دنوں صوفیاء کرام دکن پر خصوصی توجہ دے رہے تھے انہی ایام میں سلطان محمد بن تغلق کے دل میں بھی دکن میں تبلیغ اسلام کا خیال آیا۔ اس نے دکن میں اسلام کا ایک مضبوط مرکز قائم کرنے کے ارادے سے دولت آباد کو پایۂ تخت بنایا۔ دولت آباد کی ٹکسال میں اس نے جو سکے مضروب کئے ان پر قبۃ الاسلام اور دارالاسلام کے الفاظ منقوش ہیں جو خصوصی توجہ کے مستحق ہیں۔ سلطان کے دل میں تبلیغ اسلام کا جو جذبہ پایا جاتا تھا اس کی عکاسی اس واقعہ سے بخوبی ہو جاتی ہے کہ ایکبار اس نے حضرت سلطان المشائخ کے مرید شمس الدین کو ٹوکا کر یہ کہا کہ یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ تجھ جیسا عالم بیکار پڑا ہے تمہیں چاہیئے کہ کشمیر جا کر کسی بت خانہ میں ڈیرہ لگاؤ اور اس دیار کے غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دو۔

سلطان محمد بن تغلق کے جانشین سلطان فیروز تغلق نے بھی تبلیغ اسلام میں بڑی سرگرمی دکھائی۔ سلطان اپنی تالیف "فتوحات فیروز شاہی" میں رقمطراز ہے کہ ہمیں توفیق ملی کہ ذمیوں کو دین حق کی طرف رغبت دلائیں۔ ہم نے یہ اعلان کیا کہ کافروں میں سے جو کوئی بھی کلمۂ توحید پڑھ کر اسلام قبول کرے گا جیسا کہ شریعت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں آیا ہے اس سے جزیہ ہٹا لیا جائے گا۔ یہ آواز سب کے کانوں تک پہنچا دی اور ہندوؤں نے فوج در فوج اور گروہ در گروہ اسلام قبول کیا۔ اور اسی طرح آج تک وہ ہر طرف سے آ کر اسلام قبول کرتے ہیں۔

بسا اوقات ایسے مواقع اتفاقیہ پیش آ گئے کہ کسی بزرگ کے ہاتھ پر صدہا غیر مسلم کفر و شرک سے تائب ہوئے۔ جب جہانگیر نے حضرت مجدد الف ثانیؒ کو قلعہ گوالیار میں محبوس کیا تو آپ کی سعی و کاوش سے صدہا قیدی مشرف باسلام ہوئے۔ جب وہ قیدی سزا بھگت کر رہا ہوئے تو ان کی اکثریت سرہند میں حضرت مجدد صاحبؒ کے قرب میں جا بسی۔ پانچ پشتیں گذرنے کے بعد جب صاحبزادہ کمال الدین محمد احسان اپنی تصنیف لکھنے بیٹھے تو ان نو مسلموں کی اولاد ہنوز سرہند میں موجود تھی۔

کشمیر میں حضرت سید بلبل شاہ اور امیر کبیر سید علی ہمدانی کی کوششوں سے بہت بڑی تعداد میں لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے اور آج وادی کشمیر میں جو مسلمانوں کی اکثریت ہے یہ انہی بزرگوں کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ عمل صالح میں محمد صالح کنبو لکھتا ہے کہ کشمیر کے سفر کے دوران جب شاہجہان بھنبر پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ اس جگہ بہت سے ہندوؤں نے مسلمان عورتوں سے شادیاں کی ہوئی ہیں یہ سنتے ہی بادشاہ نے حکم دیا کہ جن غیر مسلموں نے مسلم عورتوں سے شادی کی ہوئی ہے وہ مسلمان ہو جائیں ورنہ ان عورتوں کو ان سے الگ کر دیا جائے گا۔ محمد صالح کی روایت ہے کہ اس موقع پر بہت سے ہندوؤں نے اسلام قبول کر لیا۔

باقی صفحہ ۳۹ پر

فاروقِ اعظمؓ کون تھے؟

- جن کو محبوب خدا نے غلبہ دین اور سطوتِ اسلام کے لئے دربارِ ربوبیت سے طلب کیا۔ (ترجمہ مقبول ص۳۹۶ تفسیر صافی ص۲۴۲)
- جن کو پروردگارِ عالم نے دینی ترقی کے لئے چن کر بھیجا۔ (تاریخ الخلفاء للسیوطی)
- جن کے ایمان لانے سے پہلے جبرئیل امینؑ نے ان کی تشریف آوری کا مژدہ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا۔
- جن کی تشریف آوری پر حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے مرحبا کی آواز بلند فرمائی۔ (غزواتِ حیدری ص۴۲)
- جن کے ایمان سے تمام صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کے ایمان کو تقویت پہنچی۔ (ایضاً 〃)
- جن کی آمد سے مسلمانوں کو خدا کے گھر میں خدا کی عبادت کرنا نصیب ہوئی۔ (ایضاً ص۴۳)
- جن کے ایمان کی خوشی میں زمین نے اظہارِ مسرت کیا۔ (〃 〃)
- جن کے ایمان کی خوشی میں فلکِ نیلی فام نے رقص کیا۔ (〃 〃)
- جن کو کعبہ میں جاتے وقت سب صحابہ کرامؓ سے آگے چلنے کا شرف حاصل ہوا۔ (〃 〃)
- جن کی تشریف آوری کی خوشی میں دیوارِ حرم نے بوجہ افتخار اپنا سر تا پوش کرد گار پہنچایا۔ (〃 〃)
- جن کے قدمِ میمنت لزوم نے زمزم کے آبِ شیریں کو سلسبیل کا ذائقہ حلاوت بخشا۔ (〃 〃)
- جن کے کعبہ میں داخل ہونے اور تکبیر کہنے سے صنم منہ کے بل گر پڑے۔ (〃 〃)
- جن کو فاروقؓ کا لقب دربارِ رسالتؐ سے عطا ہوا۔ (ملہمات)
- بہشتا قطعۂ گل کے پہلے نظر جن کی مٹی کا خمیر بہشت بریں کی مٹی سے بنایا گیا۔ (ترجمہ مقبول)
- جنہوں نے کفر کا طلسم توڑ کے بیت اللہ کے اندر مشرکین کے روبرو نماز کروا دیا۔ (لمعات ص۱۷۱ ج۱)
- خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے جن کے حق میں لَوْ كَانَ مِنْ بَعْدِيْ نَبِيٌّ لَكَانَ عُمَرُ فرمایا۔ (مشکوٰۃ شریف)
- جن کی حکومت عدالت و سیاست کو دیکھ کر سیدنا حضرت علیؓ نے آپ کو مسلمانوں کا ملجا و ماویٰ قرار دیا۔ (نہج البلاغہ ص۳۶۰ ج۲)

اسلامی نظامِ حکومت کے لئے سیدنا فاروقِ اعظمؓ کی اصلاحات قابلِ تقلید ہیں

دینِ ہدیٰ کی عزت و عظمت تمہیں تو ہو

فاروقؓ! فخر و نازِ رسالت تمہیں تو ہو — سرمایۂ خلوص و محبت تمہیں تو ہو

حقا دعائے قلبِ نبوتؐ تمہیں تو ہو — واللہ! کبریاء کی مشیت تمہیں تو ہو

ہے فخر مصطفےٰؐ کو تیرے صدق و عشق پر — نازاں ہے جس پہ تختِ خلافت تمہیں تو ہو

ملت کو تیری ذات سے حاصل ہوا عروج — دینِ ہدیٰ کی عزت و عظمت تمہیں تو ہو

سینوں سے کر کے دور کدورت کو رنج کو — جس نے دیا پیامِ محبت تمہیں تو ہو

کفار کے دلوں میں ہے اب تک ترا ہی خوف — مشہورِ خلق جس کی ہے ہیبت تمہیں تو ہو

تسخیرِ مصر و شام اور ایران و روم سے — جس کی عیاں ہے شوکت و سطوت تمہیں تو ہو

تدبیر و عقل و حکمت و دانش سے بے شبہ — جس نے مٹائے کفر و ضلالت تمہیں تو ہو

کر کے پسر پہ شرع کے فرمان کا نفاذ — جس نے دکھائی شانِ عدالت تمہیں تو ہو

تم ہی رہے مدام شریعت پہ گامزن — اور زیبِ تختِ خلافت تمہیں تو ہو

دے کر شہِ ایران کی دختر حسینؓ کو — جس نے دیا ثبوتِ محبت تمہیں تو ہو

صدیقؓ با نثار کی مانند بعدِ مرگ — جس کو رہا ہے شرفِ معیت تمہیں تو ہو

عشقِ خدا و عشقِ رسولِ خداؐ کے بعد
عابدؔ کے دل میں جس کی ہے الفت تمہیں تو ہو

از: عابد [illegible]

اشفاق ہاشمی

گوشۂ محمود

ایک بوریہ نشین قلندر جس نے شاہی میں فقیری کی

مُفتی محمُودؒ کی یادیں
مُفتی محمُودؒ کی باتیں

مولانا مفتی محمود ۱۹۱۹ء میں ڈیرہ اسماعیل خان سے تیس میل شمال میں ایک دور افتادہ گاؤں پنیالہ میں پیدا ہوئے ابتدائی دینی اور ثانوی تعلیم اپنے گاؤں ہی میں حاصل کی۔ ۱۹۳۳ء میں آپ نے میٹرک کا امتحان امتیازی حیثیت میں پاس کیا۔ بعد میں اعلیٰ دینی تعلیم کے حصول کے لئے برعظیم کے قدیم ترین اور سب سے بڑے دینی ادارے دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے۔ ایک سال بعد آپ نے جامعہ قاسمیہ مراد آباد میں حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد رشید شیخ الحدیث مولانا سید فخرالدین احمد سے حدیث پڑھی۔

مفتی صاحب کی سیاسی زندگی کا آغاز زمانۂ طالب علمی سے ہو گیا تھا۔ دوران تعلیم ہی آپ نے جمعیۃ علماء ہند میں شمولیت اختیار کر لی تھی اور ۱۹۳۶ء میں ۱۹۳۵ء ایکٹ کے تحت ہونے والے عام انتخابات میں جمعیۃ علماء ہند اور مسلم لیگ کی مشترکہ انتخابی مہم میں جو یو پی میں مسلم یونین بورڈ کے نام سے جاری تھی سارے یو پی میں کام کیا اور بیشتر مقامات کا پیدل سفر کیا۔

۱۹۴۱ء میں آپ نے تعلیم سے فراغت حاصل کی تو "ہندوستان چھوڑ دو" کی تحریک زوروں پر تھی۔ انگریز کے خلاف یہ تحریک بڑی اہم اور دور غلامی کی آخری متحدہ تحریک تھی آپ نے اس میں بھرپور حصہ لیا۔ ۱۹۴۲ء میں آپ وطن واپس آگئے۔ اور صوبائی جمعیت کے پلیٹ فارم پر جدوجہد آزادی کی مہم میں مصروف ہو گئے۔ بے پناہ صلاحیتوں کی بدولت جلد ہی جمعیۃ علماء صوبہ کی مجلس عاملہ کے رکن اور آل انڈیا جمعیۃ علماء کے کونسلر منتخب ہو گئے۔ ۱۹۴۵ء میں جب مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے صوبہ سرحد کے طول و عرض کا دورہ کیا تو آپ اس دورے میں حضرت مدنیؒ کے ہمراہ تھے۔ ۱۹۴۶ء آل انڈیا جمعیۃ علماء ہند کی تاریخی کانفرنس لاہور میں آپ نے جمعیۃ علماء سرحد کے نمائندہ کی حیثیت سے شرکت کی۔

قیام پاکستان کے بعد آپ نے ملتان کے ایک بڑے دینی ادارے مدرسہ قاسم العلوم میں صدر مدرس، شیخ الحدیث اور مفتی کی حیثیت سے عملی زندگی کا آغاز کیا۔ افتاء کے سلسلے میں آپ کی شہرت و عظمت ملک اور بیرون ملک تسلیم کی گئی۔ فقہی مسائل

فقہی اور سیاسی مسائل میں اُن کی نکتہ آفرینی اور وسعتِ علمی کو دشمن بھی تسلیم کرتے تھے

میں آپ کی باریک بینی، نکتہ آفرینی، وسعتِ علمی اور بلند نظری آپ کے شدید مخالف بھی مانتے تھے۔ آپ نے اب تک ہزاروں شرعی فتوے جاری کئے جنہیں علمی اور فنی اعتبار سے چیلنج نہیں کیا جا سکا۔ آپ ملک میں موجودہ عربی مدارس کے "وفاق المدارس" کے بانی اور سیکرٹری جنرل تھے جو دینی تعلیم کے فروغ اور نصابِ تعلیم میں عصری تقاضوں کے مطابق تبدیلیاں لانے کا کام سرانجام دیتی ہے۔

حضرت مفتیؒ کی شخصیت کے علمی، تہذیبی اور دینی پہلوؤں کی وسعت کو احاطۂ تحریر میں لانا جوئے شیر لانے سے کم نہیں۔ آپ کا شمار اس صدی کے ممتاز ترین علماء کرام میں ہوتا ہے۔ آپ ایک بلند پایہ مفکر، بیدار مغز محقق، عمدہ مفسر، بہترین ادیب و مؤرخ ہی نہیں بلکہ قانون و سیاست اور سائنس و فلسفہ پر بھی عبور رکھتے تھے۔ آپ کی شخصیت علوم جدیدہ اور قدیمہ کا حسین امتزاج تھی۔ آپ علم و دانش کا ایک عظیم بحرِ بیکراں تھے جس کا کنارہ صوفیا سے بھی آگے ہے۔

مولانا مفتی محمودؒ کئی زبانوں پر عبور رکھتے تھے۔ بالخصوص عربی، فارسی، اردو، انگریزی اور پشتو ادب پر انہیں گہری دسترس حاصل تھی۔ ان کی گفتگو ہمیشہ دلائل و براہین سے آراستہ اور طرزِ تکلم نہایت شستہ اور دلنشین ہوتا تھا۔ برجستگی اور حاضر جوابی آپ کی گفتگو کا خاصہ تھا۔ قول و فعل میں ہم آہنگی اور سچائی کی وجہ سے آپ کی باتیں دل و دماغ پر گہرا اثر چھوڑتی تھیں۔

مفتی صاحبؒ کی شخصیت کے کئی پہلو تھے۔ جہاں تک آپ کی ذاتی گھریلو زندگی کا تعلق ہے وہ نہایت سادہ اور ہر قسم کے تکلف سے خالی تھی۔ کسی قسم کے عالمانہ تکبر و غرور یا قائدانہ امتیاز کا شائبہ تک ان میں نہ تھا۔ معاشرتی زندگی میں صرف شرعی احکام کی پابندی ایک ایسا امر تھا جو آپ کو ایک عام انسان سے ممتاز کرتا تھا ورنہ اپنے رہنے سہنے کھانے پینے اٹھنے بیٹھنے میں آپ ایک عام انسان سے ذرا بھی مختلف نہ تھے۔ غریب سے غریب اور بڑے سے بڑا دولتمند، جاہل سے جاہل اور بڑے سے بڑا فاضل آپ تک بلا روک ٹوک رسائی حاصل کر سکتا تھا۔ آپ ہر کسی سے نہایت خلوص و محبت سے ملتے تھے اور ہر کسی کی بات پوری توجہ سے سنتے تھے۔

مفتی محمودؒ کی شخصیت کا سیاسی پہلو بڑا تابناک اور شاندار روایات کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔ آپ نے برصغیر کی تقسیم سے پہلے سیاست کی پرخار وادی میں قدم رکھا اور برٹش استعمار کے خلاف قومی آزادی کی جدوجہد میں بھرپور حصہ لیا۔ قیامِ پاکستان کے بعد جب سیاست اور معیشت پر مخصوص مفادات کا حامل برطانوی اقتدار کا پیدا کردہ طبقہ مسلط ہو گیا۔ اسلامی جمہوریت انسانی حقوق اور معاشی آزادی کے حامی افراد اور جماعتوں پر قدغنیں لگا دی گئیں اور علماء دین کو ملک کی سیاست سے اخراج کر کے انہیں محض مساجد، مدرسوں اور خانقاہوں تک محدود کر دیا گیا تو مولانا مفتی محمودؒ پہلے شخص تھے جو نہایت ناسازگار حالات میں مالی وسائل اور پروپیگنڈائی ہتھیاروں سے تہی دست ہوتے ہوئے علماء کی سیاسی اہمیت کو ملک بھر میں تسلیم کروانے، سیاسی میدان میں علماء کا سکہ پھر سے رائج کرنے اور ملک میں اسلامی نظام کے عمل کے لئے ۱۹۵۶ء میں سکندر مرزا کی صدارت کے دوران نمودار ہوئے۔

مولانا مفتی محمودؒ نے ۱۹۵۶ء کے وسط میں ملتان میں علماء کا ملک گیر کنونشن بلایا تاکہ حقیقی اسلام کے حامی افراد کو ایک

پلیٹ فارم پر جمع کیا جائے۔ اسی کنونشن میں باقاعدہ طور پر جمعیۃ علماء اسلام کا قیام عمل میں آیا جس کے وہ تاحیات سیکرٹری جنرل رہے۔ پاکستان میں علماء کی ملک گیر سیاسی تنظیم کا قیام اور جمہوری سیاسی جدوجہد کا آغاز مفتی محمودؒ سے ہی ہوا۔ اس لئے آپ کو قائدِ جمعیۃ کہا جاتا ہے۔

اُن کے کردار نے ملکی سیاست پر گہرے اثرات چھوڑے ہیں

مولانا مفتی محمودؒ کی معتدل متوازن اور پرکشش شخصیت کی بدولت جمعیۃ علماء ملک کے سیاسی افق پر ایک ممتاز سیاسی پارٹی کی حیثیت سے اُبھری۔

۱۹۵۸ء کے مارشل لاء نے تمام سیاسی سرگرمیوں کو ختم کر دیا اور سیاسی جماعتوں کو خلاف قانون قرار دیا تو مفتی صاحبؒ نے ملتان میں علماء کا ایک کنونشن بلا کر نظام العلماء کے نام سے ایک نئی جماعت تشکیل دی جس نے فوجی حکومت سے فی الفور اسلامی نظام کے قیام اور جمہوریت کی بحالی کے مطالبات شروع کر دیئے۔

مولانا مفتی محمودؒ مالی وسائل اور ذرائع ابلاغ کی فراہمی نہ ہونے کے باوجود عالی ہمت، استقامت، متانت اور سنجیدگی اور توازن و تسلسل سے سیاسی پیش قدمی کرتے ہوئے ۱۹۶۲ء کے مارشل لاء کے دور کے انتخابات میں ڈیرہ اسماعیل خان سے قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہو گئے اس انتخاب میں مفتی صاحبؒ کی کامیابی اس لحاظ سے پاکستان کی تاریخ میں ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتی تھی کہ علماء جو ملک کی سیاسی زندگی سے کٹ کر رہ گئے تھے ایوان ہائے حکومت میں ان کی نمائندگی نظر آنے لگی اور ایوان اسمبلی میں کتاب و سنت کی آواز بلند ہونے لگی۔

مارچ ۱۹۶۳ء مفتی صاحب نے قومی اسمبلی میں مسلم فیملی لاء آرڈیننس کے خلاف زبردست فاضلانہ اور عالمانہ تقریر کی اور سب نمائندگان ایوان نے مفتی صاحب کی علمیت اور قابلیت کو تسلیم کیا اور ایوب خان کے عائلی قوانین کے خلاف ان کی حمایت کی۔

۱۹۶۸ء میں جب پورے ملک میں سیاسی عمل رکا ہوا تھا ایوب خان اپنے اقتدار کے دس سالہ جشن میں مصروف تھے ان کی حکومت کا تمام تر انحصار انتظامیہ کی قوت نوکرشاہی اور سرمایہ داروں کے گٹھ جوڑ پر تھا اور ان کے تمام اختیارات کا استعمال نوکرشاہی، ان کی اولاد اور ان کے اعزہ و اقربا کے ہاتھوں ہو رہا تھا۔ غیر ملکی قرضوں کے ہاتھوں ملکی معیشت تباہ ہو چکی تھی۔ سیاسی جماعتیں انتشار کا شکار تھیں۔ سیاسی گھٹن کی اس فضا میں لاہور میں علماء نے ملک کے دونوں بازوؤں سے علماء کرام کا ایک عظیم الشان کنونشن منعقد ہوا جس نے ملکی سیاست پر دور رس اثرات چھوڑے، ملک میں پائی جانے والی افسردگی، جمود اور سیاسی تعطل کو ختم کیا۔ اس کانفرنس کے پس منظر میں قومی سطح پر مفتی محمودؒ کی شخصیت زبردست طور پر نمایاں ہوئی۔ مفتی صاحبؒ نے اپنے سامراج دشمن کردار اور سرمایہ داروں، جاگیرداروں کے استحصالی ہتھکنڈوں کے خلاف جدوجہد کی بدولت شہروں، قصبوں، چھوٹے مالکوں، صنعت کاروں، مزدوروں، مزارعوں میں زبردست مقبولیت حاصل کی۔

ایوب خان کی حکومت کے آخری دنوں میں بحالی جمہوریت کے لئے مختلف سیاسی جماعتوں نے ایک مشترکہ محاذ بنایا جس کے قیام میں مفتی صاحب نے بھرپور حصہ لیا۔ ایوب حکومت نے شروع میں جمہوری مجلس عمل کی عوامی جمہوری تحریک کو دبانے کے لئے طاقت استعمال کی مگر بالآخر حکومت کا یہ اقدام ناکام ہوگیا اور ایوب خان نے حالات کے دباؤ سے مجبور ہو کر تمام سیاسی جماعتوں کے رہنماؤں کی گول میز کانفرنس بلائی۔ جمہوری مجلس کی طرف سے کانفرنس میں دو متفقہ مطالبات پیش کئے گئے بالغ رائے دہی کی بنیاد پر انتخابات اور وفاقی پارلیمانی نظام حکومت کا قیام۔ مگر مولانا مفتی محمودؒ نے دستور کو اسلامی تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کے لئے دستور میں ۲۲ اسلامی نکات کو شامل کرنے کا مطالبہ کیا جنہیں تمام مکاتیب فکر کے علماء نے متفقہ طور پر منظور کیا تھا۔

پاکستان کی ۲۳ سالہ تاریخ میں دسمبر ۱۹۷۰ء میں پہلی بار غیر جانبدارانہ انتخابات ہوئے جس میں عوام نے اپنی رائے کا نہایت دیانتداری سے استعمال کیا۔ ان انتخابات میں روٹی، کپڑے اور مکان کے نعرے سے پنجاب اور سندھ میں پیپلز پارٹی کا ایسا سیلاب آیا جس میں ان کے مخالفین خس و خاشاک کی طرح بہہ گئے۔ سرحد اور بلوچستان میں مفتی محمودؒ نے اس سیلاب کے آگے بند باندھا اور ڈیرہ اسماعیل خان میں خود مسٹر بھٹو مفتی محمودؒ کے ہاتھوں شکست کھا گئے۔

۱۹۷۰ء کے عام انتخابات کے نتیجے میں مرکز میں اکثریت رکھنے والی پارٹیوں میں پیپلز پارٹی اور عوامی لیگ میں کشمکش کا آغاز ہوا تو مفتی صاحب نے دونوں متذکرہ جماعتوں کو ایک دوسرے کے قریب لانے کے لئے متعدد بھرپور کوششیں کیں اور اس بات پر زور دیا کہ جمہوریت کے تقاضوں کے مطابق قومی اسمبلی کا اجلاس منعقد ہونا چاہیئے کیونکہ دستور ساز اسمبلی ہی ایک ایسا مقام ہے جہاں باہمی افہام و تفہیم اور مذاکرات کے ذریعے کوئی قابل قبول راستہ نکالا جا سکتا ہے۔

سقوط ڈھاکہ کی ہولناک تباہی کے بعد باقی ماندہ ملک میں جمہوریت کی شمع روشن رکھنے، جمہوری اداروں کو مستحکم بنانے، مارشل لاء کی لعنت کے خاتمے، اسلامی وفاقی اور جمہوری آئین کی تشکیل، صوبائی خود مختاری کے حصول اور صوبوں میں منتخب حکومتوں کے قیام کے لئے مفتی صاحب نے پرجوش اور جدوجہد کی وہ ہماری جدید تاریخ کا بہت بڑا حصہ ہے۔

یکم مئی ۱۹۷۲ء کو مفتی صاحب نے نیپ جمعیت کے مخلوط پارلیمانی قائد کی حیثیت سے صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ کا حلف اٹھایا۔ وزارت سنبھالتے ہی صوبہ سرحد میں شراب پر مکمل پابندی عائد کر دی گئی اور اردو کو صوبے کی سرکاری زبان قرار دیا گیا۔ سود کے خاتمہ کا اعلان کیا، جہیز پر پابندی کا قانون نافذ کیا، قومی تشخص اجاگر کرنے کے لئے قومی لباس اپنایا، خواتین کے لئے پردہ ضروری قرار دیا، نظام تعلیم کو نظریہ پاکستان اور اسلام سے ہم آہنگ کرنے کے لئے [illegible] اصلاحات کیں، [illegible] [illegible] کو [illegible] کیا، [illegible] [illegible] ختم [illegible] [illegible] کا [illegible] [illegible] کیا، [illegible] کی تعمیر و ترقی کے لئے

... استقامت اور سنجیدگی
... کا لازمہ

صوبہ سرحد میں ... ادارہ قائم کیا۔ مفتی صاحب کا دورِ حکومت ساڑھے نو ماہ کے مختصر دور پر محیط تھا مگر آپ نے اس سے اس دوران تاریخی اہمیت کی حامل اصلاحات کیں۔

مفتی صاحب نے ساڑھے نو ماہ تک وزارت کے منصب پر فائز رہنے کے بعد بھٹو حکومت کی جانب سے بلوچستان کی جمہوری حکومت کی بلاوجہ اور غیر آئینی برطرفی کے جمہوریت کش اقدام پر بطور احتجاج صوبے کی وزارت علیا سے استعفیٰ دے دیا۔ پاکستان کی سیاسی تاریخ میں مولانا مفتی محمود پہلے رہنما تھے جنہوں نے اصولی اختلافات کی بنا پر کرسی اقتدار کو ٹھکرا دیا تھا۔ بھٹو نے بہت عرصے تک مفتی صاحب کا استعفیٰ معرض التوا میں رکھا مگر آپ اپنے فیصلے پر ڈٹے رہے۔

مفتی محمود نے ۱۹۷۳ء کے آئین کی تدوین و تشکیل میں دن رات کام کیا۔ انہوں نے آئینی کمیٹی میں حزب مخالف کی جماعت کی نمائندگی کی۔ آئین کو اسلامی اور جمہوری بنانے میں ان کا نمایاں کردار رہا۔ انہوں نے کئی سال تک قومی اسمبلی میں حزب اختلاف کی قیادت کی اور وہ اپنے طویل پارلیمانی تجربے، متوازن سیاسی کردار اور راست گوئی کی بدولت نہایت جرأت سے آئین کی حکمرانی اور قانون کی بالادستی کے لئے جنگ لڑتے رہے۔ انہوں نے بلاخوف و خطر حکومت کے ایوان کے اندر اور باہر ظلم و جبر کے خلاف آواز اٹھائی۔ نومبر ۱۹۷۵ء میں پیپلز پارٹی نے آئین میں چوتھی ترمیم کے بل پر مفتی صاحب کی مخالفت سے گھبرا کر ایف ایس ایف کے ذریعے انہیں زبردستی ایوان نمائندگان سے باہر نکلوا دیا۔

سیاست میں مفتی محمود کا کردار نہایت مثبت تعمیری اور حب الوطنی کے جذبات میں ڈوبا رہا ہے۔ قومی اقدار کے فروغ اور جمہوری اداروں کے نشوونما اور اسلامی نظام حیات کے لئے انہوں نے بڑی طویل جدوجہد کی۔ قومی اور ملکی مسائل کو ہمیشہ انہوں نے ذاتی جماعتی اور علاقائی مسائل پر ترجیح دی۔ وہ ہمیشہ پاکستان کے اتحاد، یک جہتی سالمیت اور بقا کی علامت رہے انہوں نے اصولوں کی خاطر کرسی وزارت سے نکل کر سوئے دار جانے کو ترجیح دی۔ مفتی صاحب نے اپنے پختہ کردار اور سیاسی بصیرت و قابلیت اور سوجھ بوجھ سے اپوزیشن کے اتحاد کی عمارت ایسی بنیادوں پر اٹھائی کہ اسے بڑے سے بڑا آمر بھی منہدم نہ کر سکا۔ مختلف صوبوں کی قیادت کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر کے ان کی سوچوں کو علاقائی سوچوں کی بجائے قومی رنگ دینے کا اہم کارنامہ بھی مفتی محمود صاحب نے ہی انجام دیا۔ چنانچہ ان بے شمار خوبیوں کے باعث سیاسی نشیب و فراز سے نہایت توازن اور اعتدال سے گذرنے کے عمل نے مفتی صاحب کو قومی اتحاد کی صدارت تک پہنچایا۔

مفتی محمود نے قومی اتحاد کی اس عظیم الشان اور تاریخی جدوجہد کی رہنمائی اور قیادت کی جو اس صدی کی سب سے بڑی تحریک تھی جس نے اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی داغ بیل ڈالی اور پاکستان میں نظام اسلام کا راستہ ہموار کیا۔ مفتی صاحب اپنے سیاسی کیریئر میں متعدد بار جیل گئے صرف قومی اتحاد کی تحریک میں دو مرتبہ آپ کو نظر بند کیا گیا۔ مفتی صاحب پاکستان ہی میں متعارف نہ تھے بلکہ انہوں نے مشرق وسطیٰ، افریقہ اور یورپی ممالک کے متعدد تبلیغی اور سیاسی دورے کئے تھے اور بین الاقوامی اجتماعات میں پاکستان کی نمائندگی کی تھی۔

(ریحان) حق مغفرت کرے عجب آزاد بندہ تھا۔

★ نذیر احمد خاں چوہدری

کوہستانِ ہند میں دینی حمیت کی علامت

اکبر الٰہ آبادیؒ

آج سے نصف صدی پہلے ۹ ستمبر ۱۹۲۱ء کو برصغیر کی وہ نامور ہستی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گئی جس نے سالہا سال تک حالاتِ حاضرہ و حوادثِ زمانہ و واقعاتِ عالم پر پھر اس انداز میں رواں دواں تبصرہ جاری رکھا جس کی نظیر دنیا کے کسی اور ملک میں نہیں مل سکتی ——— سید اکبر حسین اکبر الٰہ آبادی اپنی اس خصوصیت کے لحاظ سے "لسان العصر" (یعنی وقت کی آواز، زمانے کی زبان) جس کے تازہ ترین ارشادات و افکارِ عالیہ قریباً نصف صدی تک اس وقت کے ہندوستان کے ہر مؤقر رسالہ اور اخبار کے صفحۂ اوّل پر نمایاں خصوصیت کے ساتھ شائع کئے جاتے تھے اور حضرت اکبر الٰہ آبادیؒ کا تازہ ترین کلام ہمارے ادب و صحافت میں پھر اس عقیدت سے دیکھا جاتا تھا کہ اس کی بہت ہی کم مثالیں آگے مل سکیں گی۔ حضرت اکبر کو یہ بلند و بالا مقام کیسے نصیب ہوا!

اوّل یہ کہ وہ نہایت راسخ الاعتقاد و باعمل مسلمان تھے۔ جو بات کہتے حق کی بات ہوتی تھی، سچائی و صداقت سے بھرپور خلوص سے مزین؛ انہیں اس بات کی پرواہ نہیں تھی کہ آپ ان کی بات کو پسند کرتے ہیں یا نہیں، انہیں تو صرف ما فی الضمیر کو صفحۂ کاغذ پر پیش کرنے سے غرض تھی۔ تحسین و تنقید سے وہ بے نیاز تھے خود فرماتے ہیں:

گو اپنے ساتھ آپ کا ہترانہ لے گیا — اکبر مگر خدا کی گواہی تو دے گیا۔

پس یہ خصوصیت اوّل تھی جس نے کلامِ اکبر کو وہ اعلیٰ درجہ عطا کیا جو صرف دنیا کے حقیقی طور پر بڑے آدمیوں کے نصیبے میں آتا ہے، وہ بھی شاذ و نادر الا ماشاء اللہ، دنیا کے رُخ کے ساتھ ساتھ چلنے کے قائل نہ تھے وہ بہ مستقبل عوام کو سب سے قریب سمجھتے تھے، وہ تو صرف جو دل میں آتا اسے اسی صورت دنیا کے سامنے پیش کرنے پر ایمان رکھتے تھے۔ وہ دنیا کے بہاؤ کے ساتھ نہ بہتے تھے۔ اگر وہ اس کو اچھا سمجھتے تو دھارے کے خلاف چلتے۔

اکبرؒ نے اس زمانے میں ہوش سنبھالا جب سلطنتِ مغلیہ کا اقتدار کلیۃً طور پر ایک غیر ملکی طاقت انگریز کے ہاتھ آ چکا تھا جس نے ضرورتِ وقت کے مطابق یہ پالیسی اختیار کی کہ فرعونی اور سرکشی میں دنیا کے حکمرانوں سے بازی لے جائے اور فرعونیت کا مظاہرہ اور جلال بے پناہ طاقت کے مظاہروں سے ہندوستانیوں کے دلوں پر وہ رعب بٹھاؤ جس کی مثال دنیا کے صفحہ
اکبر الٰہ آبادیؒ نے اس حقیقت کو اپنے مخصوص انداز میں یوں پیش کیا ہے۔

؎ حبیبا مخلص کو وہی سب سے ہے بہتر سمجھا — جو ہر اک گورے کو لفٹنٹ گورنر سمجھا

ملک میں ایسے افراد کی کثرت تھی جو نہ صرف انگریز کی حکومت کو دل سے قبول کرنے کے حامی تھے بلکہ انگریزیت یعنی مغربیت کو اپنا شعارِ زندگی بنا لینے کا بھی درس دیتے تھے کہ ان کی عافیت اسی میں نظر آتی تھی۔ اکبر ان پر بھرپور طنز کے طور پر یہ کہتے تھے :

؎ بہت شوق انگریز بننے کا ہے — تو چہرے پہ اپنے کلٹ کیجئے

وہ بار بار اصرار کرتے تھے کہ نقالی سے قومیں بنتی نہیں بگڑتی ہیں۔ اور مشرق کو تو اپنی روحانی اور اخلاقی اقدار اسقدر بلند و بالاتر ہیں کہ ہم کو انہیں چھوڑ کر کسی نظام کو قبول نہیں کرنا چاہیئے۔ مغربی تہذیب صرف ملمع کاری ہے، اندر سے کھوکھلی ہے اور اصلیت نہیں رکھتی۔ ہم اپنے ٹھوس اور قیمتی اور اعلیٰ قدروں کو چھوڑ کر کیوں خواہ مخواہ غیروں کی نقل بن جائیں۔ خصوصاً ایسے میں کہ یہ غیروں کی پالیسی ہے کہ ہم اپنے اصل مقام سے ہٹ کر ان کے مرید ہو جائیں ایک جگہ فرماتے ہیں :

؎ میرا اسٹو زبان مشرقی ہے شیخ صاحب ہے — کہ وہ موٹر پہ چڑھتے ہیں یہ مرڈے بگڑتا ہے

اکبر کے ہاں بعض اصطلاحات خصوصی معنی رکھتی ہیں۔ شیخ سے مراد وہ مغرب زدہ انگریزی تعلیم و تمدن کے دلدادہ اور مصنوعی ترقی کے خواہشمند افراد ہیں جنہیں اپنی روایات اور اپنی تعلیمات ترک کرنے میں کوئی باک نہیں۔ اگر انہیں وضع جدید سے دنیاوی فائدے حاصل ہو سکتے ہیں۔ ایسے ابن الوقتوں کی ہر زمانے میں مثالیں ملتی ہیں لیکن اس وقت کے ہندوستان میں تو ان کی بھرمار تھی۔ اکبر ان سے بیزار تھے وہ خاص مشرقی تھے اور دل سے مسلمان تھے اس لئے وہ اپنی تہذیب و تمدن اور مذہب کو سب پر فوقیت دیتے تھے۔ وہ محض قدامت پسند نہ تھے وہ زمانے کے بدلتے ہوئے تقاضوں کو تو صرف جانتے تھے بلکہ ان کی ضرورت کے بھی قائل تھے۔ وہ صرف یہ چاہتے تھے کہ جو کچھ بھی تم سیکھو سیکھو لیکن اپنی اصلیت یعنی اسلام کے راستے سے نہ بھٹکو۔ فرماتے ہیں :

؎ کوئی کہتا ہے رکھیو صاحب سے میل — کہ آخر کو گھر میں رہے ریل پیل

کوئی کہتا ہے سب سے ہندو بھلے — میری ناؤ انجمن بھی اس رخ چلے

مگر شیخ سعدی کی ہے ایک بات — مسلمان کو لازم ادھر التفات

خلاف پیمبر کسے رہ گزید — کہ ہرگز بہ منزل نہ خواہد رسید

اکبر کی تعلیم یہ تھی کہ علوم جدیدہ سے پورا فائدہ اٹھاؤ، ترقی کی اکثر منزلیں طے کرو تحقیق و جستجو کی راہیں سر کرو لیکن خدا کو نہ بھولو، نہ اپنی اصلیت کو چھوڑو۔ اپنی اصلیت پر قائم رہنے پر کیا دلآویز نصیحت فرماتے ہیں کہ :

؎ قلزم کی تہ ٹٹولو یا اسٹیمر شپ میں جھولو — تم کو یہی کہوں گا، اللہ کو نہ بھولو

ہندوستان میں اکبر کے زمانے میں نہ صرف انگریز کا سکہ چلتا تھا بلکہ اس کا جادو بھی چلتا تھا۔ اس کی یہ پالیسی بہت کامیاب ہو رہی تھی کہ پہلے ہندوستانیوں کے جسموں پر حکومت کرو، پھر ان کے ذہنوں بلکہ روح تک کو مسخر کر لو۔ کس قدر نکتہ رس شعر ہے جو کہ ہر شناس حالت پہ کہا :

؎ توپ کھسکی پروفیسر پہنچے — جب بسولا ہٹا تو رندا ہے

طاقت کے اظہار سے ہندوستانیوں کو پہلے ایک مرعوب کیا کہ وہ ہندوستانی بہت پست ہے تو جواب مغربی تعلیم کے ذریعے اپنا تسلط اور دل غلام بنالو۔ اس پالیسی کے خلاف اس زمانے میں بہت کم آواز اٹھائی گئی۔ اِن اکبر نے علی الاعلان اسکو فاش کیا اور ان کے برخلاف آواز اٹھائی۔ یہ بڑی جرأت اور مردانگی کا کام تھا۔ انگریزی راج کی برکتوں کے گیت گائے جارہے تھے، انکی نعمتیں گنوائی جارہی تھیں اور اسے بہ دل قبول کرنے پر راغب کیا جارہا تھا۔ اکبر نے کیسے خوبصورت طریقے سے اس پول کو کھولا ہے ایک طویل نظم کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

بہت ہی عمدہ ہے اے ہمنشیں برٹش راج — کہ ہر طرح کے ضوابط بھی ہیں، اصول بھی ہیں
جو چاہے کھول لے دروازہ عدالت کا! — کہ تیل پیچ میں ہے دیکھئے اس کی چول بھی ہے
طرح طرح کے بنالو لباس رنگارنگ — علاوہ رنگ کے ریشم بھی اور وول بھی ہے (wool)
چمک دمک میں چیزیں ہر طرف پھیلی — کہ آنکھ موہے خاطر اگر ملول بھی ہے
جگہ بھی ملتی ہے کونسل میں آنریبل کی — جو التماس ہو عمدہ تو وہ قبول بھی ہے
جب اتنی نعمتیں ہم کو میسر ہوں اکبر — تو حرج کیا ہے جو ساتھ ڈیم فول بھی ہے

(ڈیم فول: اصلی انگریزی نکتہ نگاہ سے ہندوستانیوں کا لقب)

مختصر یہ کہ حق بات کہنے سے اکبر نے کبھی گریز نہیں کیا۔ درحقیقت وہ ان چیدہ چیدہ ہستیوں میں سے تھے جنہوں نے اس نازک دور میں حق گوئی کو اپنا شعار بنایا تھا اور اس طرح ایک نیم مردہ قوم کے جسم میں زندگی کی جنبش و حرارت پیدا کی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ان سب پر اپنی ازلی رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین

دوسری خصوصیت اکبر کی یہ تھی کہ وہ سیاست میں بھی خالص اسلامی خیال رکھتے تھے۔ ان کی معنی خیز شاعری نے مسلمانوں کو حقیقتوں سے روشناس کرادیا تھا کہ وہ ایک مدت سے بھول چکے تھے۔ انکی قادر الکلامی چست بندش اور قافیہ آرائی نے اشعار کو چار چاند لگا دیئے تھے، قافیے کے تو گویا شہنشاہ تھے اور لطف یہ کہ ساری فنی برتری کے باوجود ان کا اکثر کلام سادہ اور روزمرہ کی بول چال کا آئینہ دار ہے۔ الفاظ دلنشیں، خیال اچھوتے اور طرز دلپذیر۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی [illegible] قوم کو پیغام حیات دے رہا ہے، باطل شکنی کی دعوت دے رہا ہے، آزادی کا مژدہ سنا رہا ہے، خدا کے قریب تر ہونے کی تلقین کر رہا ہے، اسے پتہ ہے کہ دور حاضر ایک بت خانہ بن کے رہ گیا ہے جہاں وہ سنت خلیل کے مطابق [illegible] کام کا آغاز کریں گے جس سے باطل کے سارے طلسم ٹوٹ جاتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

کس محفل میں اے اکبر جو تم چپکے تو کیا چپکے — سند یہ ہے کہ اُبھرے نام حق کو لیکے [illegible] چپکے
یہ جگنو بھی تو ہیں روشنی سے ملتے جلتے ہیں — اندھیرا ہو رہا جنگل میں گو وہ جا بجا چپکے

اسلامی تعلیمات کی دلدادگی ان کے اکثر اشعار کی طرۂ امتیاز ہے۔ یہ قطعہ ملاحظہ ہو:

ترقی کی نئی راہیں جو زیر آسماں نکلیں — میاں مسجد سے نکلے اور حرم سے بیبیاں نکلیں

مصیبت میں بھی اب یادِ خدا آتی نہیں اُن کو — دُعا منہ سے نہ نکلی، پاکٹوں سے عرضیاں نکلیں

مسلم ممالک کی حالت پر گریہ کرتے تھے۔ جب اٹلی نے ترکی کے شمالی افریقہ کے علاقوں طرابلس وغیرہ پر حملہ کیا تو مسلمان بالکل بے بس تھے اور ہندوستانی تو قطعاً بے بس تھے۔ اس تلخ حقیقت کی طرف کیسے دلدوز طریقے سے اشارہ کیا ہے۔

نہ لائسنس ہتھیار کا ہے نہ زور — کہ ترکی کے دشمن سے جا کر لڑیں

تہِ دل سے ہم کوستے ہیں مگر — کہ اٹلی کی توپوں میں کیڑے پڑیں

جب جنگ عظیم اول میں برطانیہ نے ایران پر تسلط جمالیا تو اکبر کے دل سے آہ نکلی:

چناں بر درِ محرّ از دل کہ قصے یاد آتے ہیں — تڑپ جاتا ہوں یہ سن کر کہ اب ایران جاتا ہے

اکبر کے کلام میں طنز و مزاح کے نشتروں کے ساتھ ساتھ قوم کی حالت زار پر آنسوؤں کی لڑیاں بھی ملتی ہیں۔ وہ ان سے ایک نئی ملت کی تعمیر کا کام لیتے تھے۔ ان کی کوشش تھی کہ قوم خدا پرست بنے بُت پرست نہ بنے۔ ملاحظہ ہو ان کے دل کی صدا ہے:

کم نظر آتی ہے وہ اب مسجدوں کے فرش پر — قوم نے اتنی ترقی کی کہ پہنچی عرش پر

ایک اور شعر میں فرماتے ہیں:

دل مرا جس سے بہلتا، کوئی ایسا نہ ملا — بت کے بندے ملے، اللہ کا بندہ نہ ملا

پھر کالوں پر گورے بننے کی مضحکہ خیز کوشش پر طنز ملاحظہ ہو:

رنگ چہرے کا تو کالج نے رکھا قائم — رنگِ مذہب میں مگر باپ سے بیٹا نہ ملا

اکبر شروع ہی سے مسلمان قوم کو ایک آزادانہ روش اختیار کرنے کی تلقین کرتے رہے۔ ان کی ملی سیاست وہی تھی جس نے بعد میں اقبالؒ کو مسلمانوں کے لئے ایک علیحدہ وطن کا تصور پیش کرنے کی طرف متوجہ کیا اور قائد اعظمؒ کو پاکستان بنانے کی جدوجہد میں مصروف کیا۔ فرماتے ہیں:

امورِ ملکی کی بحث میں تم بنو گے گر ہندوؤں کے ساتھی — نہ لاٹ صاحب خطاب دیں گے نہ سید احمد سے ملے گا ہاتھی

انگریز کی ہندو نوازی اور مسلمانوں کے تغافل کا کس خوبصورت پیرایہ میں نقشہ کھینچا ہے:

سبزہ ہاکر کو گئیں گائیں کھیل — اونٹ کا منہ پر لپکتے رہ گئے

(گائے سے مراد ہندو، اونٹ سے تہذیب حجازی کے علمبردار یعنی مسلمان)

جب انگریز نے دیکھا کہ ہندو بہت سر چڑھ رہا ہے تو ۱۹۰۶ء کے قریب وائسرائے لارڈ منٹو نے مسلمانوں کے ایک وفد سے شملہ میں ملاقات کی جو نواب محسن الملک مہدی علی خان کی قیادت میں مسلمانوں کے جداگانہ حقوق کا مطالبہ

کر دیا گیا تھا۔ اللہ دین کو بڑی توقیر کی گئی۔ ہندو اس پر کہ خاموش رہ سکتا تھا طعن و تشنیع سے کام لیا حقیقتاً مسلمانوں کو انگریزوں
کے قریب آتے دیکھ کر ہندو مضطرب ہو گیا۔ پنڈت مدن موہن مالویہ جو ہندوؤں کے مسلّم لیڈر تھے انہوں نے بیان بازی کا سلسلہ شروع
کیا، مسلمانوں کی طرف سے جواب دیا گیا۔ حضرت اکبرؔ نے اس سیاسی نکتے کو کس خوبصورتی سے پیش کیا ہے ملاحظہ ہو۔

ڈیپوٹیشن کی خبر سنکر جو دیکھا اس نے خلوت میں — برہمن نے کہا یہ شاخ بید اور ایسے گھبرائے ہیں
کہا مہدی نے بھائی کیوں تمہیں اس درجہ حیرت ہے — تمہارے واسطے یہ کیا محلِ رشک و غیرت ہے
تعجب کیا ہے ہم اس بت کے پہلو میں جو لیٹے ہیں — حرم کے محترم کیا دیر کے خادم سے بیٹھے ہیں
برہمن نے کہا حضرت یہ سب باتیں ہی باتیں ہیں — ابھی یہ وصل کی راتیں نہیں ہیں ان کی گھاتیں ہیں

اس مضمون کا ذکر کرتے کرتے دو شعر عالمی سیاسیات کے بارے میں یاد آرہے ہیں ملاحظہ ہوں:

بندر کے رقص پر کس بات کی میں داد دوں — ہاں مناسب ہے مداری کو مبارکباد دوں

جس طرح دنیا کی بڑی طاقتیں کمزور قوموں کو انگلی کا ناچ نچاتی ہیں وہ سب اہلِ فکر و نظر پر عیاں ہے۔ اقوام متحدہ [illegible]
ہوتی ہے معاہدے بھی ہوتے رہتے ہیں امداد بھی چھوٹے ملکوں کو ملتی رہتی ہے لیکن یہ سب کرتب اس واسطے کئے جاتے ہیں
کہ کمزور ملک عظیم طاقتوں کی مرضی کے مطابق چلیں، یعنی جو ناچ وہ نچوائیں وہ یہ ناچیں جنگ عظیم اول میں [illegible]
کے بعض علاقوں سے انگریز حاکم نے فتوے حاصل کئے اس پر حضرت اکبرؔ نے جو کہا ہے ملاحظہ ہو۔

کٹ گئی ناک حرم میں تو نہیں کچھ پرواہ — تھینک یو دیر میں سننے کے لئے کان تو ہیں

ذرا مطالعہ فطرت سے عرفان کی منزل پر پہنچنے کی اس خوبصورت نظم کو بھی ملاحظہ فرمائیے:

دو تیتریاں ہوا میں اڑتی دیکھیں — اک آن میں سو طرف کو مڑتی دیکھیں
بھولی خوش رنگ و چست نازک پیاری — پہنے ہوئے فطرتی منقش ساری
گو تابع جنبش و برق پروازی — دونوں کے خطوط طیر متوازی
جوڑ ملا کر لیا ہے باہم قائم — وہ میل ہے بلا زیادت و کم قائم
کس بزم سے ایسا کام سیکھ آئی ہیں — پریاں اندر بھی جن کو دیکھ شرمائی ہیں
ان جانوروں میں گرل اسکول کہاں — قدرت کی صنعت میں بھول کہاں
اس سمت اگر خیال انساں لگ جائے — دامانِ نظر بہ رنگِ عرفاں بھر جائے

حاصل کلام یہ کہ اکبر کے پیغام سے زندگی میں تازگی خوبصورتی اور افادیت آگئی ہے وہ اس ہاؤ ہو و ناؤ نوش کے زمانے میں
ہم کو اللہ کے راستے پر چلانے کی کوشش کرتے ہیں۔
شعرا کے متعلق اگر کوئی ضخیم جلدیں بھی ہوں ناکافی ہوں گی۔ میں سمجھتا ہوں جو نذرانہ عقیدت حکیم الامت اقبال مرحوم نے اکبر
[illegible]

محترم ضیاء الدین صاحب لاہوری

ایک غلط فہمی کا ازالہ

سر سید اور علماء کے اختلاف کی بنیاد

سر سید احمد خاں نے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء سے قبل متعدد مذہبی رسائل تصنیف کئے جنہیں قبول عام کا درجہ حاصل ہوا لیکن جنگ آزادی کے بعد جب انہوں نے مذہب سے متعلق جدید نظریات پر مبنی تحریریں پیش کیں تو وہ ہندوستان کے مسلمانوں میں ایک متنازعہ فیہ شخصیت بن گئے ان کی مخالفت اسوقت عروج کو جا پہنچی جب ان کی سرپرستی میں مدرسۃ العلوم علی گڑھ کی بنیاد رکھنے کا فیصلہ کیا گیا۔ بحث و مباحثہ کا یہ سلسلہ دارالعلوم کے قیام کے بعد بھی کافی عرصہ جاری رہا۔ زمانہ کروٹ لے چکا تھا لہٰذا وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ مخالفوں کے طوفان کم ہوتے گئے۔ ایک نسل ختم ہوئی اور دوسری نے جنم لیا جب وہ جوان ہوئی تو گذشتہ واقعات کے پس منظر سے متعلق بہت سی غلط فہمیاں پیدا ہو چکی تھیں یا کر دی گئی تھیں۔ انگریزوں اور ان کے کاسہ لیسوں کا تیار کردہ تعلیمی نظام و نصاب جو کچھ سکھاتا رہا ہم اسے من و عن قبول کرتے رہے اور خود کبھی تحقیق کی زحمت گوارہ نہ کی۔ اگر کوئی کوشش ہوئی بھی تو حقائق کو قبول کرنا ایک کٹھن مرحلہ بن گیا کیونکہ تصویر کا ایک رُخ جو بچپن ہی سے دماغ میں جاگزیں ہو چکا تھا دوسرے رُخ کے واضح ہو جانے کے باوجود اسے رد کرنا اپنی توہین اور حقارت آمیز امر دکھائی دیتا تھا۔ تاہم جنہوں نے حقائق پیش کرنے کی جسارت کی انہیں بوجوہ مصنوعی جذباتی تحریروں کے ذریعے ایسا کرنے سے روک دیا گیا۔ اس ردِ عمل کے نتیجہ میں بہت سے محققین اس موضوع پر تحقیق کرنے کی طرف راغب نہ ہو سکے لہٰذا انشاء پردازی کے زور سے حقائق کو مزید مسخ کر کے رکھ دیا گیا۔

اگر بات یہیں تک محدود رہتی تو بھی کسی حد تک گوارا تھا مگر نہایت افسوس کا مقام ہے کہ ایک منصوبے کے تحت بعض کتابوں میں قطع و برید کی گئی تاکہ جدید نسل کو مکمل اندھیرے میں رکھا جا سکے۔ ان کتابوں میں مولانا حالی کی "حیات جاوید" اور شیخ محمد اکرام کی "موج کوثر" بھی شامل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہم غلط مفروضوں کو حقائق سمجھ کر سینے سے لگائے بیٹھے ہیں۔ اور یہی سبب ہے کہ سر سید کی زندگی کے بہت سے پہلوؤں پر باقاعدہ تحقیق کئے بغیر کسی حتمی رائے تک پہنچنا انتہائی مشکل ہو گیا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ حقائق کی جستجو میں الفاظ کے گورکھ دھندوں پر مبنی مضامین کا سہارا لینے کی بجائے ہم اصل ماخذ تلاش کرنے کی کوشش کریں تاکہ اپنی قومی زندگی کے ماضی کو صحیح طور پر پیش کر سکیں۔

بعض حلقوں کی عادت ہے کہ اس قسم کے متنازعہ امور میں خود تو ایک فریق کو خواہ مخواہ ملعون ٹھہراتے رہتے ہیں مگر جب

اس کے جواب میں اصل حقائق پیش کئے جائیں تو اسے گڑے مُردے اکھاڑنے سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ طرزِ عمل انصاف کے ترازو پر پورا نہیں اترتا۔ گزشتہ واقعات ہمارے لئے تکلیف دہ ہوں یا باعثِ فخر۔ ہمیں اپنی قومی و ملّی زندگی کو صحیح خطوط پر استوار کرنے میں ایک اہم کردار ادا کرنا چاہئیے۔ اگر ہم حقائق سے چشم پوشی کا ارتکاب کریں یا واقعات کو غلط رنگ میں پیش کرکے قبائح کو محاسن اور محاسن کو قبائح قرار دے ڈالیں تو یہ فیصلے ہماری قومی زندگی کا ایک بہت بڑا المیہ ہوں گے اور ہم غلط نہج پر پڑ کر ٹھوکریں کھائیں گے۔ کسی کی برائیوں پر پردہ ڈالنا اور بات ہے انہیں مستحسن صورت میں پیش کرنا بدقسمتی کی انتہا ہے۔ کمزوریاں بہرحال کمزوریاں کہلانی چاہئیں اور اچھائیاں صرف اچھائیاں۔ غلطی غلطی ہے، اگرچہ اس میں کوئی ذاتی غرض شامل نہ ہو بلکہ دوسروں کی بھلائی کے جذبہ میں کی جائے مگر محض اس وجہ سے کہ غلطی کرنیوالے کی رائے خلوص پر مبنی تھی اس پر دیانتدارانہ تبصرہ سے گریز کیا جائے تو وہ غلطی نئی نسل کے سامنے ایک نیک عمل کی صورت اختیار کر جائے گی اور ہم بھٹک جائیں گے۔

شبلی نعمانی کے مطابق:

"اگر لوگوں کا یہ خیال ہے کہ کسی کے معائب دکھانے تنگ خیالی اور بدطینتی ہے لیکن اگر یہ صحیح ہو تو موجودہ یورپ کا مذاق اور علمی ترقیاں سب برباد ہو جائیں۔ پیر ایشائی شاعروں میں کیا برائی ہے سوائے اس کے کہ وہ محض دعویٰ کرتے تھے واقعات کی شہادت پیش نہیں کر سکتے تھے۔" [1]

حقیقت یہ ہے کہ گزشتہ واقعات سے قومیں سبق سیکھتی ہیں اور مستقبل کے لئے بہتر لائحہ عمل تجویز کرتی ہیں۔ مجھے کسی فریق کی تحقیر مطلوب نہیں کون کس حد تک صحیح یا غلط تھا اسوقت اس سے بحث نہیں۔ میرا مقصود صرف یہ ہے کہ تجربات کو جانچ کر دیانتدارانہ تحقیق سے نتیجہ اخذ کر کے کہی جائے۔

جب ہم ہندوستان میں ایک صدی قبل کے دور کی اپنی تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں سر سید اور علماء اسلام میں باہمی کشمکش کا سماں دکھائی دیتا ہے۔ بلاشبہ علماءِ کرام نے اجتماعی و انفرادی طور پر سر سید کی زبردست مخالفت کی۔ اسکا سبب کیا تھا، علماء کی انگریزی تعلیم سے نفرت، انگریزی حکومت کے استحکام کے لئے سر سید کی کوشش یا کچھ اور؟ مشہور محقق شیخ محمد اکرام نے ممدوح کو خراجِ سر سید کی خدمات پر خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے اس موضوع پر بھی روشنی ڈالی ہے وہ لکھتے ہیں:

"اس مخالفت کے متعلق عوام بلکہ خواص میں بھی کئی غلط فہمیاں رائج ہیں۔۔۔ سب سے بڑی غلط فہمی، جو اس بارے میں بہت عام ہے یہ ہے کہ علماء نے سر سید کی مخالفت اس وجہ سے کی کہ وہ مسلمانوں میں انگریزی تعلیم رائج کرنا چاہتے تھے۔ ہم نے سر سید کے موافق اور مخالف تحریروں کا مطالعہ کیا ہے اور ہماری رائے میں یہ خیال غلط

---

[1] "مکاتیب شبلی" حصہ اوّل۔ مطبع شاہی لکھنؤ ۱۹۱۶ء۔ صفحہ ۱۴۲

ہے اور علماء اور اسلام کے ساتھ صریح بے انصافی ہے۔[1]

سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر اس مخالفت کی بنیاد کیا تھی؟ شیخ محمد اکرام اس کے جواب میں اپنی تحقیق کا لب لباب یوں بیان کرتے ہیں:

"اس معمہ کے حل کرنے کے لئے ان مضامین اور فتاویٰ کا مطالعہ کرنا چاہیئے جو سرسید کی مخالفت اور ان کی تکفیر میں شائع ہوئے۔ ان کے پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ علی گڑھ کالج کی مخالفت اس وجہ سے نہیں ہوئی کہ وہاں مغربی علوم پڑھائے جاتے تھے بلکہ اس لئے ہوئی کہ اس کی بناء میں سرسید کا ہاتھ تھا۔ اور سرسید اپنی کتاب اور تہذیب الاخلاق میں معاشرتی اور مذہبی مسائل کے متعلق ایسے خیالات کا اظہار کر رہے تھے جنہیں عام مسلمان اسلام کے خلاف سمجھتے تھے۔ علی گڑھ کالج کے متعلق سخت سے سخت مضامین اور درشت سے درشت فتاویٰ میں یہ نہیں لکھا کہ انگریزی پڑھنا کفر ہے بلکہ یہی ہوتا ہے کہ جس شخص کے عقائد سرسید جیسے ہوں وہ مسلمان نہیں، اور جو مدرسہ ایسا شخص قائم کرنا چاہے اس کی اعانت جائز نہیں۔ شروع شروع میں لوگوں کا خیال تھا کہ سرسید اپنے مدرسے میں ان عقائد کی تبلیغ کریں گے جن کا اظہار وہ اپنے رسائل اور کتب میں کر رہے تھے۔ سرسید نے ایسا نہیں کیا لیکن ان کی تصانیف میں کئی ایسی باتیں ہوتی تھیں جن سے مخالف بلکہ موافق بھی بدظن ہو جاتے تھے۔"[2]

سرسید کے مذہبی خیالات میں تبدیلی کا پہلا عکس ہمیں ان کی تصنیف "تبیین الکلام فی تفسیر التورات والانجیل" میں ملتا ہے۔ اس کے متعلق وہ خود رقمطراز ہیں کہ:

"میری تفسیر پڑھنے والا جا بجا میری تفسیر میں پائیگا کہ میں کچھ پابند نہیں رہا ہوں ان قولوں کا جو کہ یہودی عالم یا عیسائی عالم یا مسلمان عالم بلا تحقیق بطور باپ دادا کے تبرک کے مانتے چلے آتے ہیں۔"[3]

اس کے بعد جب انہوں نے "احکام طعام اہل کتاب" لکھی اور اس میں ذبیحہ کے متعلق اس قسم کے خیالات کا اظہار کیا:

"اگر اہل کتاب کسی جانور کی گردن توڑ کر مار ڈالنا یا سر پھاڑ کر مار ڈالنا ذکاۃ سمجھتے ہوں تو ہم مسلمانوں کو اس کا کھانا درست ہے۔"[4]

تو مسلمان ان کے سخت خلاف ہو گئے۔ سرسید نے ان خیالات کا نہ صرف اظہار ہی کیا بلکہ سفر لندن کے حالات میں اس پر عمل کرنے کا دعویٰ بھی کیا اور جھٹکے اور گردن توڑ کر مارے ہوئے پرند جانوروں کے گوشت کے بارے میں یہ لکھا ہے:

---

۱ "موج کوثر" شیخ محمد اکرام فیروز سنز لاہور ص ۶۷ ۲ ایضاً۔ ص ۷۷، ۷۸

۳ "تبیین الکلام فی تفسیر التورات والانجیل" سرسید، جلد ۲، ذاتی پریس سرسید غازی پور علی گڑھ (۱۸۶۲ء تا ۱۸۶۵ء) ص ۲۶۱

۴ "احکام طعام اہل کتاب" سرسید مطبع منشی نول کشور کانپور (۱۸۶۸ء) ص ۲۷

"میں نے اور ہمارے ساتھیوں نے ان دونوں قسموں کے گوشتوں کے کھانے میں کچھ تامل نہیں کیا اور خوب مزیدار گوشت ہٹن اور بیف اور مرغ و کبوتر کے کھائے" [1]

ان کے خلاف سخت ناراضگی پھیل گئی اور ان کے اس عمل کو ان کے کافر ہو جانے کا ثبوت قرار دیا گیا۔

بعد ازاں "الخطبات الاحمدیہ" کی تصنیف کے دوران لندن سے اپنے عزیز ترین دوست نواب محسن الملک کو خط لکھتے ہوئے اس کے متعلق خود یہ پیشن گوئی کی:

"میرے ہم قوم اس محنت کی جو میں نے اس کتاب کی تصنیف میں کی ہے قدر نہیں کریں گے بلکہ نہایت الزام دیں گے اور کافر بتلائیں گے کیونکہ میں پابند تقلید نہیں رہا ہوں اور شاید دو یا تین مسئلوں میں جمہور سے اختلاف کیا ہے اور چند علماء کی رائے سے اتفاق کیا ہے" [2]

لندن سے واپسی پر انہوں نے دو بڑے کام کئے پہلا تہذیب الاخلاق کا اجراء اور دوسرا مدرستہ العلوم مسلمانان کی تجویز کو عملی جامہ پہنانا۔ تہذیب الاخلاق میں ان کے مضامین "جمہور سے اختلاف" کا سب سے بڑا ذریعہ بنے اور اس کے بعد وہ عمر بھر ان خیالات کی اشاعت میں مصروف رہے۔ شیخ محمد اکرام لکھتے ہیں:

"ان کی سب سے زیادہ مخالفت اس وقت ہوئی جب انہوں نے "تہذیب الاخلاق" جاری کیا۔ اور ان مذہبی عقائد کا اظہار کیا جنہیں عام مسلمان تعلیم اسلامی کے خلاف اور ملحدانہ سمجھتے تھے۔ مثلاً شیطان، اجنہ اور ملائکہ کے وجود سے انکار، حضرت عیسیٰؑ کے بن باپ کے پیدا ہونے یا زندہ آسمان پر جانے سے انکار معجزات عیسیٰؑ و حضرت موسیٰؑ کے معجزات سے انکار وغیرہ وغیرہ۔ سرسید نے اپنے وقت کا بڑا حصہ ان عقائد و خیالات کی تفصیل میں صرف کیا ہے" [3]

مولانا حالیؔ نے "حیات جاوید" میں ان مسائل کی طرف ایک طویل فہرست پیش کی ہے جن میں سرسید نے علمائے جمہور سے اختلاف کیا ہے۔ یہ فہرست کئی صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ اس میں جہاں انبیاء کرام کے معجزات کا ذکر ہے وہ تحریر کرتے ہیں:

"حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ اور تمام انبیاء سابقین کے قصوں میں جس قدر واقعات بظاہر خلاف قانون فطرت معلوم ہوتے ہیں۔ جیسے ید بیضا، عصا کا اژدہا بن جانا، فرعون اور اس کے لشکر کا غرق ہونا، خدا کا موسیٰؑ سے کلام کرنا، پہاڑ پر تجلی کا ہونا، گوسالۂ سامری کا بولنا، ابر کا سایہ کرنا، من و سلویٰ کا اترنا، بنی

---

[1] مسافران لندن، سرسید، مجلس ترقی ادب لاہور (۱۹۶۱) ص: ۴۷

[2] خطوط سرسید، مرتبہ سر راس مسعود، نظامی پریس بدایوں (۱۹۲۴) ص: ۷۱

[3] موج کوثر ص ۷۹-۸۰

کا گہوارہ میں بولنا، خلق طیر، اندھوں اور کوڑھیوں کو چنگا کرنا، مُردوں کو زندہ کرنا، مائدہ کا نزول وغیرہ وغیرہ۔
ان کی تفسیر میں جو کچھ سرسید نے لکھا ہے وہ غالباً پہلے کسی مفسر نے نہیں لکھا[1]"

سرسید نے مندرجہ بالا عقائد کا اظہار ایک صدی قبل کیا۔ ٹھنڈے دل سے سوچنے کا مقام ہے کہ روشن خیالی کے موجودہ دور میں بھی جبکہ اس خطۂ زمین کے مسلمان مغربی علوم کی دولت سے مالا مال ہیں۔ اگر ان خیالات کا اظہار کیا جائے تو اس پر کیا ردِ عمل ہو سکتا ہے؟ لہٰذا سرسید کے زمانے میں ان کی مخالفت ایک فطری امر تھا۔ مخالفین کے ذکر سے قطع نظر خود ان کے دستِ راست نواب محسن الملک کی مخالفت کا حال ان ہی کی زبانی ملاحظہ فرمائیے:

"سچ یہ ہے کہ ہمارے مسلّمہ عقائد سے وہ اختلاف رکھتے تھے اور اس اختلاف کو انہوں نے شدّ و مد کے ساتھ ظاہر بھی کر دیا جس کی وجہ سے تمام مسلمان اور اکثر علماء کو ان کے اسلام پر قائم رہنے میں شبہ تھا اور بعض نے یہاں تک کہ کفر کے فتوے بھی دیئے۔ اور ان کو کیا کہوں، خود مجھ کو بہت سے مسائل میں ان سے اختلاف کرنا پڑا، بحث مباحثے رہتے[2]"

اس کے علاوہ ایک اور لیکچر میں انہوں نے بیان کیا کہ:

"شاید سب سے پہلے میں نے ہی ان کے کفر کا فتویٰ دیا تھا۔ ان کو نیچری اور کرسٹان کہا[3]"

مولانا حالی سرسید کے اتنے معتقد تھے کہ جب انہوں نے سرسید کی سوانح "حیات جاوید" کے نام سے لکھی تو شبلی نعمانی نے اسے "مدلّل مداحی" قرار دیا اور دیگر نقادوں نے بھی اس کتاب میں موافقانہ مبالغہ آرائی کی شکایت کی۔ سرسید سے زبردست عقیدت کے باوجود مولانا حالی نے خود کئی مقامات پر ان سے اختلاف کیا ہے اس اختلاف اور عقیدت کا ملا جُلا اظہار ان کے مندرجہ ذیل بیان سے بخوبی ہوتا ہے جس میں انہوں نے سرسید کی تفسیر القرآن کے متعلق رائے دی ہے:

"سرسید نے اس تفسیر میں جا بجا ٹھوکریں کھائی ہیں اور بعض مقامات پر ان سے نہایت رکیک لغزشیں ہوئی ہیں۔ باایں ہمہ اس تفسیر کو ہم ان کی مذہبی خدمات میں ایک نہایت جلیل القدر خدمت سمجھتے ہیں[4]"

ڈپٹی نذیر احمد دہلوی سرسید کے بہترین رفقاء کار میں شمار کئے جاتے ہیں۔ وہ علی گڑھ تحریک کے ایک ستون تھے۔ سرسید نے کئی موقعوں پر ان کی شاندار الفاظ میں تعریف کی ہے۔ سرسید کے ہم سوار ہونے کے باعث مخالف اخباروں

---

[1] حیات جاوید، الطاف حسین حالی، انجمن ترقی اردو دہلی (۱۹۳۶) حصہ دوم ص ۲۳۵

[2] مجموعہ لیکچرز و اسپیچز، نواب محسن الملک، نول کشور گیس پرنٹنگ ورکس پریس لاہور (۱۹۰۴) ص ۵۰۸

[3] ایضاً ص ۴۱۲

[4] حیات جاوید۔ حصہ اول۔ ص ۲۰۴

میں انہیں "نیچری مہا راجہ" کا خطاب دیا گیا اور سرسید کے مخالفین سے لاہور کی عدالتوں میں ان کو مقدمہ بازی بھی ہوتی رہی۔[1]
انہوں نے خود قرآن مجید کی ایک تفسیر لکھی ہے۔ سرسید کی تفسیر پر ان الفاظ میں رائے زنی کرتے ہیں :

"مگر کوان کے معتقدات بالسر تسلیم نہیں۔ سرسید احمد خاں کی تفسیر ایک دوست کے پاس دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ میرے نزدیک وہ تفسیر "دیوانِ حافظ" کی ان شروح سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی جن کے مصنفین نے سارے دیوان کو کتاب تصوف بنانا چاہا۔ جو معانی سرسید نے منطوق آیات قرآنی سے اپنے پندار میں استنباط کئے اور میرے نزدیک زبردستی ٹھونسے اور چپکائے، قرآن کے منزل من اللہ ہونے سے انکار کرنا سہل ہے اور ان معانی کو ماننا مشکل .... یہ وہ معانی ہیں جن کی طرف نہ خدا کا ذہن منتقل ہوا، نہ جبرئیلؑ حاملِ وحی کا، نہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا، نہ قرآن کے کاتب و مدوّن کا، نہ اصحابؓ کا، نہ تابعین کا نہ تبع تابعین کا، نہ جمہور مسلمین کا۔"[2]

سرسید کے مذہبی نظریات کے متعلق مندرجہ بالا آرا خود ان کے قابل قدر ساتھیوں کی ہیں۔ اور یقیناً یہ نظریات ان کے خلاف فتووں کی بنیاد بنے۔ اس ضمن میں سرسید ایک بزرگ معتقد کو طنزیہ انداز میں لکھتے ہیں :

"میری نسبت تو بسبب میری تصنیفات کے فتوے ہائے کفر ہو چکے ہیں۔ آپ میری تحریرات کو پسند فرماتے ہیں۔ آپ پر بھی فتویٰ ہائے کفر ہو جائیں گے۔"[3]

اور یہی بنیاد علی گڑھ کالج کی مخالفت کا سبب بنی۔ سرسید نے خود ایک تقریر میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا اور کہا :

"جس زمانہ میں اس کالج کی تدبیریں شروع ہوئیں تو ہر جگہ کے لوگوں نے اس کو پسند کیا، اور حنفیہ تک سے اس کی تائید ہوئی اور ہوتی چلی جاتی ہے۔ مگر بعض مذہبی مسائل جو میں نے بیان کئے ان کے لحاظ سے البتہ لوگوں کو کچھ شبہ ہوا اور فتور پڑا۔"[4]

شروع شروع میں جب یہ شبہات بڑھے تو بدگمانی نے جنم لیا جو آہستہ آہستہ صریح مخالفت میں تبدیل ہو گئی۔ مولانا حالی ان کی توضیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"ایک مدت تک سرسید کی نسبت لوگوں کو طرح طرح کی بدگمانیاں رہیں۔ ہزاروں آدمی یہ سمجھتے تھے کہ انگریزوں

---

[1] بحوالہ مضحکات و مطائبات، سرسید، شیر علی خاں سرخوش، مطبوعہ لاہور (طبع اول) حصہ دوم ص ۳۲
[2] موعظۂ حسنہ، ڈپٹی نذیر احمد دہلوی (۱۹۴۳) ص ۱۹۹—۲۰۰ [3] خطوط سرسید۔ ص ۳۲۹
[4] مکمل مجموعہ لیکچرز و اسپیچز، سرسید، مصطفائی پریس لاہور (۱۹۰۰) ص ۱۵۳

تعلیم کی اشاعت سے مسلمانوں کو عیسائی یا لامذہب بنانا منظور ہے اور ہزاروں یہ خیال کرتے تھے کہ مدرسۃ قوم کے فائدے کے لئے قائم نہیں کیا گیا بلکہ اس لئے قائم کیا گیا ہے کہ انگریزی سلطنت کو زیادہ استحکام ہو، اگرچہ اس خیال کا دوسرا جزو صحیح تھا، مگر پہلا جزو اس لئے غلط تھا کہ حالات موجودہ میں مسلمانوں کی قومی زندگی اسی بات پر موقوف ہے کہ انگریزی سلطنت کو زیادہ استحکام ہو۔[1]"

غالباً پہلی بدگمانی سرسید کے ان عزائم کے باعث پیدا ہوئی ہوگی جن کا اظہار انہوں نے کالج قائم کرنے کے اسباب اور مقاصد بیان کرتے ہوئے کیا:

"اصلی مقصد اس کالج کا یہ ہے کہ مسلمانوں میں عموماً اور بالتخصیص اعلیٰ درجہ کے مسلمان خاندانوں میں یورپین سائینس اور لٹریچر کو رواج دے اور ایک ایسا فرقہ پیدا کرے جو از روئے مذہب کے مسلمان اور از روئے خون اور رنگ کے ہندوستانی ہوں۔ مگر باعتبار مذاق اور رائے و فہم کے انگریز ہوں۔[2]"

دوسری بدگمانی کے متعلق یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ سرسید کی مخالفت میں وہ علماء پیش پیش ہوں گے جو انگریزی سلطنت کا استحکام ہندوستان میں نہیں چاہتے تھے۔ شیخ محمد اکرام اس خیال کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"جن لوگوں نے سرسید کے حالات بغور نہیں پڑھے وہ سمجھتے ہیں کہ سرسید کی مخالفت اس دقیانوسی علماء نے جو ہندوستان کو دارالحرب سمجھتے تھے اور سرکار انگلشیہ اور انگریزی تعلیم کے مخالف تھے۔ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ مدرسۃ العلوم کے سب سے بڑے مخالف دو بزرگ تھے اور دونوں معزز سرکاری ملازم۔[3]"

مولانا حالی ان کا تعارف ان الفاظ میں کرواتے ہیں:

"مدرسۃ العلوم کے سب سے بڑے مخالف دو بزرگ تھے جو باوجود ذی وجاہت اور ذی رتبہ ہونے کے علوم دینیہ سے بھی آشنا تھے۔ ایک مولوی امداد علی ڈپٹی کلکٹر کانپور اور دوسرے مولوی علی بخش خان سب جج گورکھپور۔ اگرچہ یہ دونوں صاحب مذہبی خیال کے لحاظ سے ایک دوسرے کے ضد حقیقی تھے یعنی پہلے سخت وہابی اور دوسرے سخت بدعتی۔ اور یہ ایسا اختلاف تھا کہ کسی بات پر دونوں کا اتفاق کرنا محال معلوم ہوتا تھا، باوجود اس کے مدرسۃ العلوم کی مخالفت پر دونوں

۱؎ حیات جاوید ، حصہ دوم ، ص ۲۸۲

۲؎ ایڈریس اور اسپیچس ، متعلقہ ایم اے او کالج علی گڑھ مرتبہ محسن الملک (۱۸۹۸) دیباچہ ص ۲

۳؎ موج کوثر ، ص ۸۰

ہم زبان اور متفق الکلمہ تھے، یہاں تک کہ ہندوستان میں جس قدر مخالفتیں اطراف و جوانب سے ہوئیں ان کا منبع ان ہی دونوں صاحبوں کی تحریریں تھیں۔[۱]"

ان میں سے پہلے بزرگ کے متعلق ان کے خیالات سرسید کی زبانی ملاحظہ فرمائیے:

"مولوی سید امداد علی خاں بہادر جو فضل الٰہی سے ہماری قوم میں ایک بہت بڑے اعلیٰ افسر و رئیس ہیں اور ہمارے بہت بڑے شفیق دوست ہیں۔ مدرسۃ العلوم میں ان کے شریک نہ ہونے سے ہم کو نہایت رنج ہے نیز قوم کی بھلائی میں نقصان ہے۔ اور ہم جب ان سے ملتے ہیں، مدرسۃ العلوم میں شریک ہونے کی التجا کرتے ہیں۔ دربارِ دہلی میں بھی ہم نے ان سے التجا کی۔ انہوں نے فرمایا کہ دو شرط سے ہم شریک ہوں گے۔ اول یہ کہ تہذیب الاخلاق کا چھاپنا بند کر دو یا اس میں کوئی مضمون مذہب کے متعلق مت لکھو۔ دوسرے یہ کہ اپنے عقائد و اقوال سے جو برخلاف علماء متقدمین ہیں توبہ کرو۔[۲]"

دوسرے بزرگ بھی سرسید کی ذات یا انگریزی تعلیم سے نہیں بلکہ ان کے مذہبی خیالات سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔ مولوی علی بخش خاں نواب محسن الملک کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:

"مجھ کو اس وقت بلکہ مدت سے سخت افسوس ہے کہ ہماری قوم میں سر سید احمد خاں صاحب ایک شخص لائق اور نامور اور معزز اور ذی عقل پیدا ہوئے اور ترقیٔ قومی پر آمادہ ہونا ان کا ارادہ ظاہر کیا۔ مگر اپنی خود رائی سے مذہبی دست اندازی و انقلاب دین الیاس کی طبیعت میں جم گیا کہ اصلی غرض فوت ہو گئی اور تمام قوم کو ان سے نفرت پیدا ہو گئی ہے۔ مجھ کو بھی جس قدر مخالفت ہے ان کے خیالاتِ مذہبی سے ہے نہ ان کی ذاتِ خاص یا تعلیم علوم جدیدہ سے۔[۳]"

یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ آیا سرسید کے مخالف علماء سرکار انگریزی کے استحکام کے مخالف تھے یا حامی؟ کیونکہ سرکاری ملازمت میں رہ کر بھی اندرونی طور پر حکومت کا مخالف ہوا جا سکتا ہے۔ سرسید اپنے مضامین میں قومی ہمدردی اور قومی عزت کے الفاظ اکثر استعمال کیا کرتے تھے۔ پہلے بزرگ یعنی سید امداد علی کو انہوں نے ان باتوں کا مخالف قرار دیا۔ اسکی تردید میں سید امداد علی ثبوت کے طور پر اپنی "خیر خواہی سرکار" کا واقعہ یوں بیان کرتے ہیں:

"جس خیر خواہ سرکار کی نسبت یہ سی۔ ایس۔ آئی سید احمد خاں یہ ظن رکھتا ہے کہ وہ ہمدردی کو کفر خیال کرتا ہے

---

[۱] حیات جاوید حصہ دوم : ص ۲۲۵، ۲۲۶

[۲] مقالات سرسید، مجلس ترقی ادب لاہور جلد نہم (۱۹۶۲) ص ۵۶

[۳] تہذیب الاخلاق، علی گڑھ ۱۵ر جمادی الاول (۱۲۹۰) ص ۲

اس تحریر کا محاکمہ میں حکام وقت اور جملہ مسلمانان و اہلِ ہند پر چھوڑتا ہوں کہ آیا جو شخص سینہ سپر ہو کر بہ نظر نمک حلال اپنے آقا کے سینہ پر گولی بانیوں کی کھائے اور ہزار ہا روپیہ کا مال ان سے چھڑائے، اور وہ گولی چھ مہینے بعد ڈاکٹر ریے صاحب بہادر نکالیں کہ جس کا علم مسٹر لو صاحب داماد لیفٹیننٹ گورنر صاحب بہادر اور جینٹ صاحب کلکٹر و مجسٹریٹ متھرا کو پہنچتا ہیں اور اس گولی کا نشان تصدیق ایک تمغہ ہمدردی اور نمک حلالی ملکہ معظمہ کا جس بہادر کے سینہ پر موجود رہے تو انصاف فرمائیے کہ کیا وہ شخص ہمدردی کو کفر سمجھنے والا ہو سکتا ہے؟ [۱]"

قوم عزت کا یہ تمغہ حاصل کرنے والے سید امداد علی ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے دوران انگریزوں کی حمایت میں اپنے محسن کی گولی کھا کر زخمی ہوئے تھے۔ جاں نثاری کے اس عملی ثبوت کے بعد انہیں انگریزی حکومت کا مخالف قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ان ہی بزرگ نے ہندوستان کے تمام مکاتیب فکر کے علماء سے سرسید کے خلاف تکفیر کے فتوے حاصل کئے اور رسالہ "امداد الآفاق برجم اہل النفاق، بجواب پرچہ تہذیب الاخلاق" کے آخر میں شائع کئے۔ مولانا حالی ان فتووں کے مطالعہ کے بعد وضاحت کرتے ہیں:

"مسلمانوں کے جتنے فرقے ہندوستان میں ہیں، کیا سنی، کیا شیعہ، کیا مقلد کیا غیر مقلد، کیا وہابی کیا بدعتی سب فرقوں کے مشہور اور غیر مشہور عالموں اور مولویوں کی ان فتووں پر مہریں یا دستخط ہیں اور خاص کر سنی مولویوں میں سے اکثر نے بہت شرح اور بسط کے ساتھ جواب لکھے ہیں [۲]

آگے چل کر وہ لکھتے ہیں:

"دلی، رام پور، امروہہ، مراد آباد، بریلی، لکھنؤ، بھوپال اور دیگر مقامات کے ساٹھ عالموں اور مولویوں اور واعظوں نے کفر کے فتووں پر مہریں اور دستخط کئے تھے۔ گویا ہندوستان کے تمام اہل حل و عقد کا اس حکم پر اجماع ہو گیا تھا صرف خدا کی طرف سے اس کی تصدیق اور تصویب باقی رہ گئی تھی سو مولوی علی بخش خاں نے یہ کمی پوری کر دی [۳]

یعنی ان دوسرے بزرگ نے حرمین شریفین جا کر مذاہب اربعہ کے مفتیوں سے سرسید کے خلاف فتوے حاصل کئے مولانا حالی نے اپنی کتاب میں ان کا تفصیلی جائزہ لیا ہے۔ سرسید نے ان حصول فتاوی کا ذکر بڑے لطیف پیرائے میں کیا ہے:

---

[۱] مکتوبات و مطائبات سرسید حصہ اول ص ۹۱

[۲] حیات جاوید حصہ دوم ص ۲۵۱

[۳] ایضاً " ص ۳۰۳

باقی صفحہ [illegible] پر ملاحظہ فرمائیں

پندرہویں صدی میں عالم اسلام کیلئے دس نکاتی پروگرام

مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ

ساتویں صدی اور دسویں صدی ہجری میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے جو واقعات اور اسباب بیان کئے گئے ہیں ان سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح ہوگا کہ اسلامی معاشرہ کو ہر دور میں ایسے ربانی حقانی، بیدار مغز عالی ہمت مصلحین اور داعیوں کی ضرورت ہے، جو دعوت الی اللہ اور نفوس قدسیہ کی اصلاح و تربیت کا کام ناسازگار سے ناسازگار ماحول میں انجام دیں، جب اسلامی حکومتیں زیر و زبر ہو رہی ہوں، مادیت اور خواہشات نفسانی کے سیلاب بلا میں لوگ تنکوں کی طرح بہے چلے جا رہے ہوں، مال و دولت کے حصول کی ایک اندھی "ریس" جاری ہو، وہ گرتے ہوئے دلوں کو تھامنے، اللہ تعالیٰ سے ان کو جوڑنے، اور ان میں تازہ ایمان و یقین، محبت اور خوف الٰہی اور اعتماد و توکل پیدا کرنے کے کام میں لگ جائیں، وہ لوگوں کو پست اغراض سے بلند رہنے کا سبق دے رہے ہوں، دنیا کے مال و متاع کی حقارت ان کے دل میں جاگزیں کر رہے ہوں، دولت و حشمت اور سلطنت و قوت کے سامنے سرنگوں اور سجدہ ریز ہوتے ضمیر و ملت فروشی اور ملکوں اور قوموں کا سودا کرنے سے بیزار اور بالاتر بنائیں! اور عقیدہ و اصول کے لئے قربانی اور راہ خدا میں شہادت کی آرزو سینوں میں پیدا کر دیں، ناامیدیوں کے گھٹاٹوپ اندھیرے سے نکال کر رحمت و نصرت الٰہی کی روشنی میں لے آئیں، زوال آمادہ اور کرم خوردہ معاشرہ کو ایسے اہل، طاقتور اور امانت دار اشخاص مہیا کریں جو حکومت کی نازک سے نازک ذمہ داریوں کو سنبھال سکیں، اور اسلام کی سرحدوں کی حفاظت و نگہداشت کر سکیں، یہ وہ ربانی حقانی لوگ ہیں جو اپنے اپنے معاشرہ و ماحول میں وہ خدمت انجام دیتے ہیں، جو خواجہ حسن بصریؒ نے بنوامیہ کے دور میں اور حافظ ابن جوزیؒ حجۃ الاسلام غزالیؒ اور سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ نے عباسیوں کے دور میں انجام دی تھی۔

ان ربانی اشخاص کا وجود ہر ملک اور ہر زمانہ کی بنیادی ضرورت ہے، وہ اس وقت کامیاب و بامراد ہوتے ہیں، جب حکومتیں ناکام و نامراد ہو جاتی ہیں، ان کا نجم دولت و اقبال اس وقت بلند ہوتا ہے جب حکومتوں اور طاقتوں کے فلک بوس جھنڈے سرنگوں ہو جاتے ہیں، اسلامی معاشرہ کے لئے سب سے بڑا خطرہ یہ ہے کہ وہ ان نفوس قدسیہ سے سراسر محروم ہو جائے، بہت سے اسلامی اور عرب ملک جہاں اللہ تعالیٰ نے رزق اور اپنی نعمتوں کے دروازے کھول دئے ہیں، وہاں آج بشدت یہ "روحانی و دعائی خلاء" محسوس ہوتا ہے۔ یہ خلاء [illegible] تنظیم علمی اداروں، سیاسی و اشاعتی سرگرمیوں، فلک شگاف نعروں اور خدمت دین کے بلند بانگ

دھندوں سے صرف نہیں کیا جاسکتا۔

دینی دعوت اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے جو کوششیں دنیائے اسلام کے مختلف گوشوں میں مختلف اندازسے اور اپنی اپنی بصیرت، تجربہ اور حالات کے تقاضہ سے ہو رہی ہیں، ان کو اپنے اپنے مرتبے پر رکھتے ہوئے، اور ان کی کسی نہ کسی درجہ میں افادیت کا اعتراف کرتے ہوئے۔ اس کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ اس پندرہویں صدی ہجری میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور مسلم معاشرہ کو مزید انحطاط و زوال کے خطرے سے بچانے اور نئی صدی ہجری کے چیلنجوں کا مقابلہ کرنے کے لئے کچھ معین نقاط (POINTS) اور چند واضح خطوط (LINES) خواہ ان کی حیثیت اشارات اور عنوانات سے زیادہ نہ ہو) پیش کر دیئے جائیں، شاید باتوفیق اور بلند حوصلہ کارکنوں اور اسلام اور مسلمانوں کے لئے فکرمند جماعتوں کو ان سے کچھ روشنی یا مدد حاصل ہو۔

۱۔ مسلم عوام میں ایمان و عقیدہ کو طاقت پہنچانے (جس کی چنگاریاں اس کے خاکستر میں بہرحال موجود ہیں۔) اور ان کے دینی شعور کو بیدار و متحرک بنانے کی ضرورت ہے، ان مسلم عوام کی اسلام کے ساتھ وابستگی اور اس کے لئے گرم جوشی (خواہ وہ بعض اوقات حالات و حوادث ہی کا نتیجہ ہو۔) ایک ایسی بلند و مستحکم فصیل اور اسلام کا آہنی حصار ہے جس کی بدولت بہت سی مسلم (یا مدعی اسلام) قیادتوں اور حکومتوں کو کھل کر کفر کا راستہ اختیار کرنے اور اپنے ملکوں اور ماتحت مسلم قوموں کو کفر و الحاد کی آغوش میں ڈال دینے کی ہمت نہیں ہوتی، اور اسلام ان تمام سازشوں اور منظم اور وسیع منصوبوں کے باوجود جو اس کو ان ملکوں سے بے دخل کرنے کے لئے اندرون یا بیرون ملک تیار کئے جاتے ہیں ان ملکوں میں زندہ اور کسی نہ کسی درجہ میں فعال اور مؤثر ہے، خدانخواستہ اگر کسی دن یہ حصار ٹوٹ گیا اور مسلم عوام کا رشتہ اور ان کی روحانی اور جذباتی وابستگی اسلام سے ختم ہوگئی تو پھر ان ملکوں میں اسلام کے بقاء و تحفظ کی کوئی ضمانت، اور ان قیادتوں (LEADER SHIPS) اور حکومتوں کے کھل کھیلنے اور اپنے

۱۔ پروفیسر ہٹی HITTI نے (جیسا کہ پروفیسر خلیق احمد نظامی نے اپنی کتاب "تاریخ مشائخ چشت" میں نقل کیا ہے) اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے، وہ لکھتا ہے کہ:

"سیاسی اسلام" کے نازک ترین لمحات میں "مذہبی اسلام" نے بعض نہایت شاندار کامیابیاں حاصل کیں۔"

(HISTORY OF THE ARABS P.475)

یعنی اسلام نے ایک دین اور جاوداں پیغام کی حیثیت سے کامیابی و کامرانی حاصل کی جبکہ اسلام ایک نظام حکومت کی حیثیت سے بعض اوقات شکست و ہزیمت سے دوچار ہوا۔ واضح رہے کہ اسلام میں دین و سیاست کی کوئی تفریق نہیں ہے، جیسا کہ ہٹی کی عبارت سے مترشح ہوتا ہے۔

یہی بات ہالینڈ کے ایک فاضل مورخ لرکے گارڈ FRCIDE LOKKE GAARD نے بھی کہی ہے۔ وہ لکھتا ہے: "گو اسلام کا سیاسی زوال تو بارہا ہوا لیکن روحانی اسلام میں ترقی کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہا۔"

جائے۔ اس لئے کہ جب یہ عصری و مغربی فلسفے [illegible]

اور مطابقت پیدا کرنے اور اسلام کی خالص سیاسی تشریح و تعبیر ہو، اسلام کو ایک نظریۂ حیات ثابت کرنے اور عصری فلسفوں اور سیاسی نظاموں کی سطح پر لے آنے میں شدید احتیاط برتی جائے، اس لئے کہ حکومت و اقتدار اور نظام، فلسفے تغیر و ترقی پذیر چیزیں ہیں لیکن یہ دینی حقائق اور ان کا صحیح عقیدہ اسلام کی دائمی بنیاد اور وہ نقطہ ہے جس سے اس کا آغاز اور انجام مربوط ہے۔ انبیاء علیہم السلام نے اپنے اپنے زمانہ میں انہیں کی دعوت دی۔ اور انہیں کے واسطے سے ان کی ساری جدوجہد اور جہاد تھا۔ اسی طرح ہر ایسی چیز سے احتیاط ضروری ہے جس کی بنیاد ایمان بالآخرۃ پر نہ ہو اور جس سے حصول رضائے الٰہی کا جذبہ کمزور اور ایمان و احتساب کی روح مضمحل ہوتی ہو، اور تقرب الی اللہ زندگی کی اصل غایت نہ سمجھی جاتی ہو، نیز جس کی تعلیم و تلقین اور تفہیم و تشریح سے وہ جاہلیت کی بت پرستی (جو [illegible]) اور شرک اور اس کے تمام اعمال و مظاہر کی قباحت و نفرت کم ہوتی ہو، اور اس کو وہ جاہلیت کی ایسی یادگار سمجھنے کا ذہن پیدا ہوتا ہو جس کا زمانہ لد گیا، اور جس کی اب اس ترقی یافتہ دور میں کوئی گنجائش نہیں ہے[1]

حالانکہ بقول علامہ اقبال ؎

گرچہ پیر ہے مومن، جواں ہیں لات و منات

۳۔ ذات نبوت (علیہ الف الف سلام) سے مسلمان کے روحانی اور جذباتی تعلق پیدا ہونے اور برقرار رہنے کی کوشش، دل میں آپ کے لئے گہری محبت اور مسلم معاشرہ میں عشق نبوی پیدا کرنے کی کوشش جو ایک مسلمان کی نظر میں آپ کو اہل و عیال یہاں تک کہ اپنی ذات سے زیادہ محبوب بنا دے، جیسا کہ صحیح احادیث کے مطابق وہ ایمان کا تقاضہ اور اس کی علامت ہے، اور اس بات پر ذہنی طور پر پورا اطمینان اور اعتماد کہ آپ "خاتم الرسل، ہادئ کل، و امام سبل" ہیں، اور ایسے تمام اثرات سے احتراز جو محبت کے ان سرچشموں کو خشک، بے آب، سنت پر عمل کرنے، اسوۂ رسول کی پیروی اور سیرت کے مطالعہ کے شغف اور اس کے تاثر کو کمزور کر سکتے ہیں، یہی وہ وابستگی اور گرویدگی تھی جس نے عجمی قوموں کو اسلام کے رشتہ سے منسلک اور غیر اسلامی تہذیب اور آزمائشوں میں تحلیل ہو جانے سے محفوظ رکھا۔

یہ پہلو اس زمانہ میں ممالک عربیہ کے لئے خاص طور پر اہمیت رکھتا ہے جہاں [illegible] قوم پرستی کی تحریک، عیسائی اور یورپی مصنفین کی کتابوں اور جدید عرب ادیبوں اور ان [illegible] کے مطالعہ سے عربوں کا ایک طبقہ مقام محمدی سے ناآشنا ہے، اس کو اس ملک کی [illegible]

---

[1] ملاحظہ ہو مصنف کا رسالہ "انسانی و تہذیبی جاہلیت [illegible]" اسلام [illegible] (اسلامک [illegible] انگریزی انٹرنیشنل ایڈیشن)

[2] کسی کام کو [illegible]

۴. ایک ایسی طاقتور، عالمگیر علمی و تحقیقی تحریک، جو تجدید پسندی کا اسلام کے [illegible] استوار کر
سکے۔ اسلامی علوم میں نئی روح پھونک سکے۔ اور اس حقیقت کو ثابت کر سکے کہ اسلامی قانون اور فقہ نہایت
وسیع اور ترقی پذیر قانون ہے۔ وہ ایسے ابدی اصولوں پر قائم ہے، جو کبھی فرسودہ اور ازکار رفتہ نہیں ہو سکتے، جس
میں زندگی کے تغیرات و ترقیات کا ساتھ دینے کی پوری صلاحیت ہے اور جس کی موجودگی میں کسی وضعی، اور انسانی
قانون کی پناہ لینے کی ضرورت نہیں، یہی عصر حاضر کا وہ "تجدیدی" کام ہے جو اسلامی ملکوں، اور موجودہ اسلامی
معاشرہ کو ذہنی و معاشرتی ارتداد سے بچا سکتا ہے۔ اور مغرب زدگی و تجدد کے اس دھارے کو روک سکتا ہے۔
جو عالم اسلام میں اس وقت پوری طغیانی پر ہے۔[1]

۵. اسلامی ممالک اور مسلم معاشرہ میں اس اسلامی تمدن کی کارفرمائی اور جلوہ نمائی کی کوشش جو اسلام کے اصول و
مقاصد، طہارت و عفت، اعتدال، ذوق سلیم، قرآنی تعلیمات، اسوۂ رسول، اور قرون اولیٰ کی اسلامی زندگی اور اسلام
کے مثالی معاشرہ کے بہت سے محاسن کا جامع ہے، کسی ملک اور قوم کا محض عقائد و عبادات سے وابستہ رہنا،
اور اس تمدن سے کنارہ کشی اختیار کر لینا جو ان دینی تعلیمات اور ان کے وسیع، جامع اور لچکدار اصول کے ماتحت پروان
چڑھا ہو اور کسی اجنبی تمدن کا اختیار کر لینا، دین کو عبادت گاہوں اور مذہبی رسوم (RITUALS) میں محدود اور ان
ممالک کو تہذیبی و معاشرتی ارتداد کے خطرے سے دوچار کر دینے کے مترادف ہے۔ جہاں تک ان مسلم ممالک کا
تعلق ہے جو مغربی تہذیب کے زیر اثر ہیں، ان میں دانایان فرنگ کی سازش پورے طور پر کامیاب ہو گئی ہے۔ جنہوں نے
ان ممالک کو چند عبادات اور اسلامی شعائر کو چھوڑ کر بالکل اپنے رنگ میں رنگ لیا ہے۔ اور حکومت کے دفاتر سے
لے کر قومی زندگی کے تمام شعبوں اور اداروں، سکونتی مکانات اور ہوٹلوں میں بعض اوقات یہ پہچاننا مشکل ہو جاتا ہے۔
کہ ہم کسی مسلم ملک میں ہیں، یا کسی خالص مغربی ملک میں۔ ملی تشخص اور دین کے ساتھ زندہ اور طاقتور ربط کے لئے ضروری
ہے۔ کہ اسلام کے لئے پیدا کیا ہوا مخصوص تمدن اور طرز زندگی بھی ان ملکوں میں کارفرما ہو کہ تمدن اور زندگی کا چولی دامن
کا ساتھ ہے۔[2]

۶. عالم اسلام کی اس وقت ایک بڑی ضرورت یہ ہے کہ ایک ایسی فکری قیادت ابھرے جو مغربی تہذیب کا
جرأت، اعتماد اور قوت و اجتہاد کے ساتھ سامنا کرے اور اس تہذیب جدید کے مختلف سانچوں، مکاتب فکر اور
طریقہ ہائے عمل کے درمیان ایک نیا راستہ پیدا کرے، ایسا راستہ جو تقلید، نقل، غلو اور انتہا پسندی سے محفوظ،
ظاہری اشکال، مظاہر اور سطحی نقطۂ نظر سے بلند ہو، حقائق اور وسائل قوت اور مغز کی طرف متوجہ ہو، اور [illegible]

---

[1] تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو مصنف کی اس عنوان پر مستقل تصنیف "نحو التربیۃ الاسلامیۃ الحرۃ" یا اردو کتاب
"اسلامیت و مغربیت کی کشمکش" عنوان "مغربی نظام تعلیم" اور "زہر کا تریاق" ص ۲۲۰ - ۲۴۴

[2] تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو مصنف کی کتاب "اسلامیت و مغربیت کی کشمکش" عنوان [illegible]
کی ضرورت" ص ۱۵۱ - ۱۵۵ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

[illegible] ہے، مغربی تہذیب اور علوم کے متبادل علوم اور ([illegible]) کا اسلامی [illegible]
ایک نئی طاقتور تہذیب کی عمارت تعمیر اور زندگی کا ایک ڈھانچہ تیار کرے جو اس کے مقاصد اس کے عقیدے اور اس کے
اصول و اخلاق کے ساتھ ہم آہنگ ہو، یہ وہ انقلاب انگیز اور مجتہدانہ کام ہے جس کے بغیر عالم اسلام حقیقی طور پر آزاد و
خود کار نہیں ہو سکتا ہے۔

۹۔ ان حکومتوں کو جو مسلم اکثریت کے مالک ہیں دین پسند اور اسلام دوست عناصر سے برسرپیکار ہیں اور وہاں
ایک معنوی و اقتصادی نسل کشی ([illegible]) کی مہم جاری ہے۔ اور اس پر اس ملک کے قائدین اور حکمرانوں کی
(جو کسی فوجی انقلاب کے نتیجہ میں یا کسی سازش کے تحت) حکومت و اقتدار میں آگئے ہیں، بہترین توانائیاں صرف
ہو رہی ہیں۔ نیز بعض ان عرب ممالک کے سربراہوں کو جو دینی حقائق و مفاہیم اور شرعی احکام و نصوص میں ایسی تبدیلی
لانا چاہتے ہیں جو ان کی سیاسی اغراض، شخصی کمزوریوں یا غیر ملکی منصوبوں کی کامیابی میں مدد کر سکیں، یہ باور کرانے کی کوشش
کرنا کہ یہ حکمت عملی بے نتیجہ، قومی سالمیت اور استحکام کے لئے مضر اور انتشار انگیز کوشش ہے جو ہر مسلم ملک میں ناکام
ہو چکی ہے، ان کو ان مقاصد اور کوششوں کی طرف متوجہ کرنا، جو ملک کے لئے حقیقی طور پر مفید اور اس کی طاقت و
حفاظت کا ذریعہ ہیں۔

اس طرح سے ان مسلمان حکومتوں اور ان کے سربراہوں کو جن کے دل میں اسلام کی عزت و محبت ہے [illegible]
اسلامی کے نفاذ اور اسلامی قوانین کے اجراء پر اور اس مقصد کے لئے مناسب فضا اور ماحول تیار کرنے پر آمادہ
کرنا اور اس بات کا یقین دلانا کہ یہ تبدیلی خدا کی طرف سے فتح و نصرت اور معاشرہ میں سعادت و برکت پیدا
ہونے کا موجب ہو گی۔

اس کے ساتھ عالم اسلام میں ایک ایسی مرکزی قیادت کے عالم وجود میں آنے کی [illegible]
کے اسلامی اصول اور "تعاون علی البر والتقوی" کی بنیاد پر قائم ہو، اور اپنی اس کوتاہی اور محرومی پر [illegible]
ندامت کہ اس وقت عالم اسلام خلافت کے اس مرکزی ادارے اور اس مبارک نظام سے محروم ہے جس کے [illegible]
کے مسلمان مکلف بنائے گئے تھے اور جس سے محرومی کا جرمانہ وہ مختلف شکلوں میں ادا کر رہے ہیں۔

۱۰۔ جہاں تک خالص غیر مسلم ممالک کا تعلق ہے وہاں اسلام کا ایسا مؤثر اور معقول تعارف اور اس طرح [illegible]
دعوت کا پیش کرنا جو اسلام کے مزاج اور اس زمانہ اور ان کی قوموں کی نفسیات کے مطابق ہے، اس لئے کہ [illegible]
ممالک میں (صحیح دینی اور روحانی و اخلاقی تعلیم کا خلا موجود ہونے اور تہذیب حاضر کی ناکامی کی [illegible]

[illegible]

نئے روشن امکانات پیدا ہوگئے ہیں، اور اس کی اشاعت کا وسیع میدان پایا جاتا ہے۔

جہاں تک ان ممالک کا تعلق ہے جن میں مسلم اقلیتیں پائی جاتی ہیں وہاں مسلمانوں کو اپنی نئی نسل کی دینی تعلیم کے آزاد و خود کفیل انتظام، اپنے پرسنل لاء کے تحفظ، نئے نئے قوانین کے بارے میں بیدار مغزی اور خودداری کا ثبوت دینے کے ساتھ ان ممالک کی اخلاقی قیادت کے خلا کو پر کرنے کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔ جس کو صرف وہی پر کر سکتے ہیں بلکہ جس کے ذریعہ سے وہ نہ صرف اپنی افادیت و ضرورت ثابت کر سکتے ہیں بلکہ اس بے راہ اختلاط معاشرہ اور ان زوال پذیر ملکوں کے نجات دہندہ اور معمار بن کر ان کے محبوب رہنما اور محترم قائد بھی بن سکتے ہیں[2] اور اسطرح اسلام کے لئے خدمت اور ان مسلمانوں کے لئے عزت و اعتماد کا راستہ کھل سکتا ہے۔ جو مخصوص سیاسی حالات اور گذشتہ تاریخ نے اگر بند نہیں تو سخت دشوار گذار بنا دیا ہے۔

تاریخ انسانی بلکہ درحقیقت نسل انسانی کی اس نئی صدی کے آغاز میں ایسے مردان کار کی طرف ٹکٹکی لگی ہوئی ہے۔ جو نہ صرف اسلام بلکہ عصر حاضر کی ان ضرورتوں کی تکمیل کریں اور ایسے مجتہدانہ اور جرأت مندانہ اقدامات کریں جو تاریخ کے دھارے کو بدل دے، زمانہ کا حقیقت شناس، فراخ نظر اور کشادہ دل مورخ قلم ہاتھ میں لئے ہوئے اس انتظار میں ہے کہ وہ ان کارناموں کو سنہرے حروف سے لکھے اور ان کے انجام دینے والوں کو خراج عقیدت ادا کرے۔

آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا

---

[1] ملاحظہ ہو دینی تعلیمی کونسل اتر پردیش اور مسلم پرسنل لاء بورڈ (مونگیر) کی طرف سے شائع کیا ہوا لٹریچر۔

[2] تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو مصنف کا رسالہ "تحریک پیام انسانیت کے بارے میں ایک اہم انٹرویو" حلقہ پیام انسانیت لکھنؤ۔

مصالحت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے

حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مسلم

خلافت راشدہ برحق ہے

آہ ــــ برادرم حاجی فیض محمد صاحب مرحوم آف کراچی

نمبران۔ سعودی عرب سے اطلاع ہے کہ ہمارے بھائی حاجی فیض محمد صاحب قریشی مرحوم و مغفور حج سے فراغت کے بعد سرزمین حجاز انتقال فرما گئے ــــ آپ نے اپنے جملہ خاندان کو رمضان المبارک میں سعودی عرب بلوا کر عمرے ادا کئے اور مدینہ منورہ میں اعتکاف کرایا۔ پھر حج پر بیوی بچوں سمیت گئے۔ حج کے بعد اچانک انتقال فرما گئے۔

مرحوم کے لئے جامعہ میں قرآن خوانی، ایصالِ ثواب دعائے مغفرت کی جا رہی ہے۔ ادارہ پورے خاندان کے غم میں برابر کا شریک اور دعاگو ہے۔ حضرت فاضل رشیدی ناظم صاحب خبر ملتے ہی کراچی روانہ ہو گئے۔

آہ ــــ حاجی جان محمد خان صاحب مرحوم و مغفور جالندھری آف کمالیہ

مدرسہ رشیدیہ رائے پور سے جامعہ رشیدیہ ساہیوال تک

ہمارے اکابر حضرات رائے پوری بزرگوں کے خصوصی عقیدت مندوں، مصاحبوں نیز جامعہ کے معاونین و ارکین انجمن میں سے تھے

جو گذشتہ ماہ انتقال فرما گئے ــ آہ

مرحوم حاجی صاحب محکمہ تعلیم سے ریٹائرڈ ہونے کے بعد جامعہ سے منسلک ہو گئے تھے اور ہمیشہ مدرسہ کی اعزازی خدمت اور سرپرستی فرماتے نیز جامعہ کے حساب کتاب کا معائنہ فرماتے۔

ہم حاجی صاحب کے جملہ خاندان خصوصاً حافظ اسلم خان صاحب سے تعزیت کرتے ہوئے دست بدعا ہیں کہ اللہ رحیم و کریم حاجی صاحب کی مغفرت فرما کر ان کا صدقہ سایہ جاری رکھے۔ آمین

وَيَرْحَمُ اللّٰهُ عَبْدًا قَالَ آمِيْنًا

مولانا محمد منظور نعمانی

مدیر "الفرقان" کی ایک تقریر کا ماحاصل

دیوبندیت کیا ہے؟

یہ بات ظاہر ہے کہ ہمارے اکابر واساتذہ حضرات علماءِ دیوبند کا کوئی الگ اعتقادی یا فقہی مکتبِ فکر نہیں ہے، عقائد میں ہم اہل سنت وجماعت کے طریقہ پر اور فقہ میں حنفی ہیں۔ البتہ احنافِ اہل سُنّت میں ہمارے اکابر کا ایک خاص رنگ ہے بس اسی کی تعبیر "دیوبندیت" سے کی جاتی ہے اور وہ رنگ مندرجہ ذیل خصوصیات کے اجتماع سے پیدا ہوتا ہے۔

- ○ فقہ حنفی پر اطمینان اور اس کے مطابق فتوے اور عمل کے ساتھ حدیث وسنّت سے خاص تعلق وشغف، نیز دوسرے ائمہ ومجتہدین اور اسی طرح حضرات محدثین کا ادب واحترام اور دل میں ان سب کی عظمت ومحبت۔
- ○ ان فقہی اور علمی خصوصیت کے ساتھ حضرات صوفیائے کرام کی "نسبت" کی طلب وتحصیل یا کم از کم دل میں ان کی عظمت ومحبّت۔
- ○ اس سب کے ساتھ اتباعِ سنّت اور شرک وبدعت سے نفرت اور اس معاملہ میں ایک خاص صلابت وحمیّت۔
- ○ اور پھر اس سب کے ساتھ اعلاءِ کلمۃ اللہ کا جذبہ اور اس راہ میں مرمٹنے کا شوق۔

پس "دیوبندیت" دراصل اسی خاص رنگ کا عنوان ہے جو ان عناصر اربعہ کے اجتماع سے پیدا ہوتا ہے۔ ہمارے اس سلسلہ کے اکابر اور سلاطین مثلاً حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی (نوراللہ مرقدہم) اور ان کے خاص تلامذہ اور مسترشدین ان چیزوں کی جامعیت ہی میں ممتاز تھے ورنہ یہ خصوصیات جداجدا اور دوسرے حلقوں میں بھی پائی جاتی ہیں ..... میں یہ بھی عرض کر دوں کہ "دیوبندیت" کی یہ تحقیق اور اسکا تجزیہ ایک صحبت میں عاجز نے مولانا عبیداللہ سندھی علیہ الرحمۃ سے سُنا تھا۔ اسکے بعد سے جب اور جتنا اس پر غور کیا اتنا ہی اسکو صحیح اور واقع کے مطابق پایا۔ ..... بہرحال طریقِ اہلسنّت اور فقہ حنفی سے وابستگی کے بعد یہی وہ خاص رنگ یا خاص مشرب جس کا عنوان "دیوبندیت" ہے۔ پس جو ہم سے جتنا اس رنگ میں کامل یا ناقص ہے اتنا ہی وہ دیوبندیت میں کامل یا ناقص ہے۔ اور سب سے پہلے میں اقرار واعلان کرتا ہوں کہ میں اپنے حال اور عمل کے لحاظ سے بہت ہی ناقص قسم کا دیوبندی ہوں لیکن الحمدللہ میں نے اصل دیوبندیوں کو دیکھا ہے اور ان کے طریقہ اور ان کے حال پر جینے مرنے کی تمنا وآرزو رکھتا ہوں۔

احب الصالحین ولست منهم لعل الله یرزقنی صلاحًا

بشکریہ "تعلیم القرآن"

Phone
No. 2356
جریدۃ اسلامیۃ شہریۃ تصدر عن الجامعۃ الرشیدیۃ
REGD. L
NO. 8054
MONTHLY. ALRASHID. LAHORE (PAKISTAN)

○ طلبہ مدرسہ کے لئے اعانتی رقومات منی آرڈر کرتے وقت

بنام ناظم اعلیٰ جامعہ رشیدیہ

(اور)

کوپن پر اپنا پتہ صاف تحریر کرتے ہوئے مصرف کی تصریح بھی فرمادیا کریں۔

(تاکہ)

صحیح مصرف پر خرچ ہوسکے

○ جامعہ رشیدیہ کا حساب حبیب بنک غلہ منڈی ساہیوال ناظم جامعہ رشیدیہ کے نام چلتا ہے۔ ڈرافٹ چیک بھیجنے والے حضرات نوٹ فرمالیں!

○ خصوصاً غیر ملکی حضرات توجہ سامی فرماکر براہ راست رقومات ارسال فرمایا کریں!!

جامعہ کا کوئی سفیر یا نمائندہ کسی جگہ مقرر نہیں ہے!!!

(ادارہ)

ھوالرشید
جامعہ رشیدیہ ساہیوال کا دینی و تبلیغی مجلہ
ماھنامہ
الرشید
بادارت
حبیب اللہ رشیدی فاضل دیوبند
مدیر الرشید و ناظم اعلیٰ جامعہ رشیدیہ رجسٹرڈ، ساہیوال پاکستان

بیادگار: حضرت [illegible] فقیر اللہ رائپوریؒ بانی جامعہ رشیدیہ

[ماہنامہ]

الرشید

شمارہ نمبر ۲
صفر المظفر ۱۴۰۲ھ

جلد نمبر ۱۰
دسمبر ۱۹۸۱ء

مدیر اعلیٰ
فاضل حبیب اللہ

مدیر مسئول
عبدالرشید ارشد

معین الرشید
شریف احمد طاہر

ناشر
عبدالرشید ارشد

شعبۂ کتابت
حزب اللہ خالد

سالانہ چندہ : -/۲۰ روپے
فی شمارہ : -/۲ روپیہ

پرنٹر
منہاج الدین اصلاحی
شرکت پرنٹنگ پریس نسبت روڈ لاہور

مقام اشاعت
۳۲/اے شاہ عالم مارکیٹ لاہور

راشدات

فضیلۃ الشیخ السیّد عبد اللہ بن الزاہد حفظہ اللہ

امیر الجامعۃ الاسلامیہ مدینۃ السعودیہ

کا

جامعہ رشیدیہ ورود مسعود

مدینہ یونیورسٹی کے نائب امیر شیخ الجامعہ عبد اللہ بن الزاہد، پاکستان کے دورے میں ضلع ساہیوال وارد ہوئے اور مختلف مدارس کا معائنہ فرمایا۔ جناب شیخ جامعہ رشیدیہ ساہیوال بھی تشریف لائے اور جامعہ رشیدیہ کے مدارس کا معائنہ فرمایا اور اپنی رائے گرامی میں خوب مسرت کا اظہار فرمایا۔

فضیلۃ الدکتور کے ہمراہ جناب حافظ القاری المقری عبد القوی استاذ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ، ڈاکٹر سعید الرزاق صاحب ازہری جامعہ اسلامیہ کراچی، جناب حکیم عبد الرحیم اشرف مدیر جامعہ تعلیمات اسلامیہ فیصل آباد، جناب محترم میاں فضل حق صاحب ناظم اعلیٰ جمعیۃ اہلحدیث وغیرہ بھی تھے۔

جمعیۃ طلباء اسلام، رضاکاران رشیدیہ نے شہر سے باہر تین میل پر سکوٹروں، موٹر سائیکلوں پر شاندار استقبال کیا۔ شیخ الجامعہ کا جامعہ رشیدیہ نمبر ۱ میں میاں نذیر احمد صاحب اور مفتی ضیاء الحسن، میجر رفیع صفدر، چوہدری عبد الستار ایڈووکیٹ، چوہدری عبد الحمید آڑھتی و تاجران غلہ منڈی نے پرتپاک خیر مقدم کیا۔

فضیلۃ الشیخ دار القرآن، درجات تحفیظ القرآن، شعبۂ راشدات کا معائنہ کرتے ہوئے عظیم الشان جلوس کی صورت میں جامعہ رشیدیہ نمبر ۲ نہر پار تشریف لے گئے۔ جامعہ رشیدیہ کلاں سے باہر باب الزاہد، باب اسمٰعیل باب خالد سے گذرتے ہوئے طلبہ رشیدیہ نے معزز مہمان پر پھول برسائے اور اسلامیان ہلدیہ، عمائدین شہر، علماء وزعماء نے عظیم استقبال کرتے ہوئے اہلاً وسہلاً و مرحبا کہا۔

مہمانِ مکرم جامعہ رشیدیہ کی بالائی منزلِ ثانی "دار الطلبہ، دار الاقامہ" کا سنگ بنیاد رکھنے کے لئے دار القرآن کے اوپر تشریف لے گئے اور اپنے دست مبارک سے افتتاح فرماتے ہوئے دعا فرمائی۔

سنگ بنیاد کے افتتاحیہ کے بعد مدیر الجامعہ کی صدارت میں اجلاس عام شروع ہوا۔ تلاوت قرآن مجید استاذ القراء

جناب قاری عبداللہ نے فرمائی۔ بعد ازاں جامعہ ھذا کی طرف سے علامہ غلام رسول صدر المدرسین الجامعہ نے عربی زبان میں خیر مقدم کیا اور مطبوعہ سپاسنامہ پیش کیا۔

(خیر مقدم عربی، اور سپاسنامہ اردو "الرشید ھذا" میں شامل اشاعت ہے۔)

آخر میں جناب شیخ الجامعہ نے عربی میں خطبہ و خطاب فرمایا۔ آپ کے خطاب کا ترجمہ ڈاکٹر عبد الرزاق صاحب نمائندہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان نے فرمایا۔

(شیخ کے خطبہ کا اردو ترجمہ بھی شامل اشاعت ہے۔)

آخر میں آپ نے جامعہ کی ضروریات و خدمات کے اعتراف کے طور پر پچاس ہزار روپے کی اعانت کا اعلان فرمایا —— اجتماع کے بعد دار الکتب ہال میں شیخ ضیف خصوصی اور مہمانان کرام کے اعزاز میں عصرانہ دیا گیا۔ جس میں معززین بلدیہ بھی شامل ہوئے۔

بالآخر ناظم و مدیر الجامعہ، میجر رفیق صفدر، جناب شیخ محمد سعید احمد صاحب نے۔ بس ساہیوال شہر سے تین میل باہر قافلۂ مدینہ سعودیہ کو الوداع کہتے ہوئے ھدیۂ تبریک پیش کیا۔

اور حضرت شیخ، مہمان محترم نے جامعہ ھذا کے لئے اساتذہ عربیہ کا مژدہ سنایا۔"

ہم آخر میں ادارہ اور اسلامیان ساہیوال کی طرف سے شیخ الجامعہ کے ذریعے سعودیہ عربیہ اور شاہ خالد اور شہزادہ فہد، ائمہ حرمین شریفین کے لئے دعاگو اور ان کے شکر گزار ہیں۔

اللہ تعالیٰ سعودیہ عربیہ کا حامی و محافظ و ناصر و معین ہو اور ہر قسم کے شر و فتن و فسادِ زمن سے محفوظ فرمائے۔ ہم مملکت سعودیہ عربیہ کے دینی نظام کی کارگزاریوں سے مطمئن و مسرور ہیں، اور مملکت حجاز مقدس کے لئے ہر قسم کی قربانیوں کا عہد کرتے ہیں۔ (ادارہ)

خاص برائے "جامعہ رشیدیہ"

تمیزِ حق و باطل کا نکھرنا غیر ممکن تھا
نہ ہوتے گر جہاں میں صاحبِ علم و ہنر پیدا

یہ وہ در ہے کہ جس در پر لبیت نور پاتی ہے
یہ وہ گھر ہے کہ ہوتے ہیں جہاں اہلِ نظر پیدا

(شمیم اکبر آبادی)

حامداً ومبسملاً ومصلياً　　　　اهــلاً وسهــلاً ومرحباً

خبـــــر مقــــــدم

علی قدوم صاحب الفضيلة الشيخ عبدالله بن الزائد
نائب الرئيس الجامعة الاسلامية بالمدينة المنورة السعودية

بسم الله الرحمن الرحيم　　　نحمده ونصلی علی رسوله الكريم

اهلاً وسهلاً ومرحبا : ايها الشيخ ! قد بهجتنا بقدومك المبارك فی الجامعة الرشيدية فشكرا لكم خدام الجامعة وسكان بلدة ساهيوال مسرورون جداً فاليوم نفتخر علی ان رئيس الجامعة الاسلامية شرفنا بقدومه من جوار رسول‌الله ﷺ وبلدته الطيبة السيد المكرم زعيم المملكة السعودية العربية !

ضيفنا المحترم الجامعة الرشيدية اولاً كانت فی الهند ثم هاجرت الی باكستان لما قسم الهند ـ فيوضها العلمية جارية من خمس وسبعين سنة فی ضوء القرآن والحديث تعليما وتدريسا ودعوة وارشاداً وافتاءاً لعامة المسلمين ونصابه التعليمی موافق لنصاب دارالعلوم ديوبند ووفاق المدارس العربية الباكستان . وطلابها ينجحون فی الامتحان بدرجة عليا او وسطی وفضلائها يخدمون الدين المتين فی البلاد الاسلامية والممالك الافرنجية . والشيخ رشيد احمد ؒ سانی بانی الجامعة السلفية بالمدينة المنورة كان خريج هذه الجامعة وايضا تخرج كثير من طلاب هذه الجامعة وبعض الاساتذه من الجامعة الاسلامية بالمدينة المنورة الذين يضيئون صدور المومنين باضواء التوحيد والسنة . ويقلعون الشرك والبدعة والالحاد والزندقة .

لا ننسی احسانكم علی العالم الاسلامی . تدعون وترشدون الامة الی كتاب الله تعالی وسنة رسوله ﷺ وتعلمون التوحيد والاسوة الحسنة فی الجامعة الاسلامية هنيئاً لكم علی ذلك الله يبارك فيكم ايتها المشائخ والعلماء والصلحاء ويمتع الملة الاسلامية من فيوضكم المباركة .

السيد المفخم ، قد ارتوی الوف العطاش من عيونها العلمية الصافية الغير الكدرة . والآن اربع مأة من الطالبين يقيمون فی دارالاقامة ويستفيدون من الجامعة وتقيم الجامعة علی

طعامهم وملبوساتهم وجملة حوائجهم الضرورية وتهأبهم الوظائف الشهرية والكتب الدرسية .

مصارفه السنوية تتجاوز على ثمان مأة الف روبية وعامة المسلمين تعين الجامعة على ذالك الخير ليست للجامعة عاصل مستقلة ولا الوظيفة الحكومية .

شعب الجامعة الرشيدية .

اولى : شعبة تحفيظ القرآن الكريم . ثانية : شعبة التجويد والقرأة .

ثالثة : شعبة العلوم الاسلامية وفيها ثمانية صفوف وثلاثة درجات . والدرجة العليا تحتوى على تدريس التفسير والحديث النبوى باللغة العربية .

رابعة : شعبة تعليم النساء التى تشتمل على علوم القرآن والجامعة فروع فى بلدة ساهيوال ومضافاتها .

خامسة : شعبة الدعوة والارشاد واصلاح الاحوال والاخلاق .

سادسة : شعبة النشر والاشاعة .

نشرت تلك الشعبة كتباً مفيدة وتشيع جريدة شهرية "الرشيد" التى تحتوى على مقالات علمية بليغة

ودارالكتب للجامعة تحتوى على ثمانية الف كتب من العلوم المتشعبة والحمد لله الذى هدانا لهذا وما كنا لنهتدى لولا ان هدانا الله .

نحمده ونشكره على ان الجامعة تدعوا الى التوحيد الخالص والاسوة الحسنة نفوراً من البدعات والمحدثات .

فضيلة الشيخ ، شكرا لكم فى خاتمة الكلام وندعو لكم ان يرزقكم الله تعالى الامن والسلامة والاخلاص والاحسان لاشاعة الدين الحنيف ونرجوا من سيادتكم ان لا تنسونا فى دعواتكم الصالحة يتقبل الله تعالى مناومنكم ويوفقنا لما يحبه ويرضى :

فقط ههنا تم منا الكلام
على مصطفانا الوف السلام

منجـــــــــانب فاضل حبيب الله

خادم و مدير الجامعة الرشيدية

بساهيوال (پاكستان)

محرم الحرام ١٤٠٢هـ

حامداً و مبسملاً و مصلیاً ۔ اھلاً و سھلاً و حباً

خیر مقدم

صاحب الفضیلۃ الشیخ عبد اللہ بن الزائد

نائب الرئیس الجامعۃ الاسلامیہ بالمدینۃ المنورۃ السعودیۃ

شیخ الجامعہ!

ادارہ جامعہ رشیدیہ و اسلامیان ساہیوال جناب کے قدوم میمنت لزوم پر صدقِ دل سے مسرت محسوس کرتے ہوئے خیر مقدم کرتے ہیں۔ اور ھدیۂ تبریک و تھنیۃ پیش کرتے ہیں۔

ہم فخر و مباہات کرتے ہیں کہ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے رئیس التعلیمات جامعہ رشیدیہ کے معائنہ کے لئے تشریف فرما ہیں۔ فللّٰہ الحمد و المنہ

سید المحترم! خادم الحرمین الشریفین سعودیہ عربیہ کے ملتِ اسلامیہ پر عظیم احسانات ہیں۔ کہ عالم اسلام کا رابطہ قائم کرتے ہوئے اسلامی دنیا کی راہنمائی کرتا ہے اور اخوتِ دینی کا فریضہ سر انجام دے رہا ہے۔ نیز "کتاب و حکمت" کی تعلیمات کیلئے جامعہ اسلامیہ جیسی عظیم یونیورسٹی قائم و جاری کر کے طلباء علوم کتاب و سنت توحید و حدیث کی راہنمائی کرتا ہے۔

ہم معزز مہمان کے واسطہ سے سعودیہ عربیہ کو مبارکباد پیش کرتے ہوئے سعودیہ عربیہ کے لئے دعاگو ہیں

اُمید ہے کہ ہمارے جذبات و احساسات ارباب حل و عقد سعودیہ اور رئیس الجامعہ، قضاۃ شرعیہ نیز ائمہ حرمین شریفین تک پہنچادیں گے۔

ضیفنا الکریم!

جامعہ رشیدیہ، ہندوستان کا مہاجر ادارہ پاکستان میں مرکزی دار العلوم ہے۔ جو تقریباً پون صدی سے قرآن و حدیث و فقہ اسلامی، دینی تعلیمات، علوم اسلامیہ، فنون عربیہ کی تدریس عربی زبان میں دے رہا ہے۔ خصوصاً ترجمہ و تفسیر القرآن، اور احادیث و فقہ اسلامی کی تعلیمات کا کام نہایت احسن طریق پر سرانجام دے رہا ہے۔

السید المحترم

جامعہ رشیدیہ میں دار العلوم دیوبند نیز وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے نصاب و تعلیم کے مطابق تعلیم کام جاری ہے۔ یہ بات تعارف کے لئے ضروری ہے کہ جامعہ رشیدیہ کے فارغ علماء سے مولانا رشید احمد سلفی بانی جامعہ سلفیہ مدینہ منورہ ہیں۔ جامعہ کے بعض اساتذہ اور طلبہ کی جماعت، جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں درجات تخصص اور اسلامی تعلیم و تربیت کے لئے داخلہ لیتے ہیں ــــ اور ایک جماعت مختلف ممالک اسلامیہ میں بھی مبعوث ہے۔ اور فی الحال بھی جامعہ رشیدیہ کے طلبہ کی جماعت زیر تعلیم ہے۔

جناب والا یہ خبر سُن کر خوش ہوں گے کہ وفاق المدارس العربیہ کے امتحانات سالانہ خصوصاً احادیث کے دورہ میں اکثر طلبا درجۂ علیا اور بعض درجۂ وسطیٰ میں کامیاب ہوتے ہیں۔

شیخ المحترم! جامعہ رشیدیہ میں پاکستان کے سینکڑوں طلباء (اور بعض طلباء باہر سے بھی آتے ہیں) تعلیم حاصل کرنے آتے ہیں جن میں چار سو (۴۰۰) سے لیکر پانچسو (۵۰۰) تک طلباء کے قیام، طعام، ملبوسات، معالجہ، معاشی ضروریات نقد وظائف اور کتب متداولہ کا جامعہ انتظام کرتا ہے۔ جامعہ میں مہمانان رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے شعبہ مطبخ نقد وظائف کے علاوہ بلا معاوضہ طعام دیتا ہے۔ جس میں یومیہ آٹھ سو طلبہ کا کھانا پکتا ہے......

جامعہ کا سالانہ میزانیہ تقریباً آٹھ لاکھ روپیہ ہے۔ یہ اخراجات عامۃ المسلمین کی اعانت سے پورے ہوتے

ہیں۔ جامعہ کو کوئی مستقل آمدنی یا حکومتی اعانت نہ ملے۔

جامعہ میں ابتدائی درجات تحفیظ القرآن، تجوید القرآن سے لیکر دورۂ حدیث تک تعلیمات کے انتظامات ہیں

ہر سال متعدد حفاظ و قاریانِ قرآن اور حدیث کی تعلیمات سے طلباء فارغ ہوتے ہیں۔

جامعہ میں مدرسہ راشدات اور جامعہ کی متعدد شاخیں تحفیظ القرآن مختلف مقامات پر کام کرتی ہیں۔

جامعہ کا کتب خانہ آٹھ ہزار ۸۰۰۰ کتب پر مشتمل ہے۔ جن میں اکثر کتب عربی زبان پر مشتمل ہیں اور

جملہ علوم و فنون کی کتب کا ذخیرہ موجود ہے۔

حضرۃ المعظم!

جامعہ رشیدیہ پاکستان سے اسلامی نظام تعلیمات کے ساتھ تبلیغی تحریری طور پر ماہنامہ "مجلۃ الرشید"

بھی شائع ہوتا ہے اور اسلامی نظام کے قیام کے لئے ساعی و مجاہد ہے۔ آج بھی جامعہ کے بعض مجاہد

طلباء افغانستان میں جہاد کرتے ہیں۔ . . . . .

بحمداللہ جامعہ رشیدیہ کتاب و سُنّت کا داعی، توحید خالص کا قائل، احادیث و سنّت کا

مُبلّغ اور بدعات سے نفور ہے۔

فضيلة الشيخ!

ہم آخر میں پھر سعودیہ عربیہ اور جناب والا کے شکر گزار ہیں اور امید رکھتے ہیں کہ جامعہ رشیدیہ

کے لئے ادعیہ صالحہ فرمائیں گے کہ اللہ کریم ادارہ اور اس کے عملہ واراکین کو خلوص کے ساتھ دینِ حنیف

کی خدمت کی مزید توفیق دے۔ اور اس محنت کو قبول فرمائے۔

فقط مُهنّاتہ منّا الكرام   على مصطفىٰ اكوف السلام

خطابِ شیخ

فضیلۃ الشیخ عبداللہ بن الزائد مدظلہ

وائس چانسلر مدینہ یونیورسٹی فضیلۃ الشیخ عبداللہ بن الزائد نے خطبۂ مسنونہ و حمد و صلوٰۃ کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ مسلمان ایک دوسرے کے مسائل میں باہم تعاون کرتے ہیں۔ اور یہ تعاون استعمار سے ممکن نہیں تھا۔ جب یہ ملک استعمار کے پنجہ میں تھا تو استعمار ہمارے حق میں یہ نہیں سوچ سکتا تھا کہ مسلمانوں کے لئے دینی مدارس کھولے اور دینی اداروں کی اعانت کرے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ یہاں کے مسلمان طبقہ نے تقسیم سے پہلے بھی اپنے مدارس عربیہ کو خود قائم کیا اور ہر قسم کا تعاون کیا اور تقسیم ملک کے بعد بھی انہوں نے اس کی اہمیت کو سمجھا تو جا بجا دینی ادارے قائم کئے اور مسلمان عوام اپنی بساط کے مطابق ہر لحاظ سے ان کی خدمت کر رہے ہیں۔ اس پر ہم اللہ تعالیٰ کا جتنا شکر ادا کریں اتنا ہی کم ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے۔ اور بغیر کسی قوت ظاہریہ اور سیاسی طاقت کے محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ ادارے قائم ہیں اور جاری و ساری ہیں۔ جبکہ آج تک کسی حکومت نے ان اداروں کی سرپرستی نہیں کی۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ استعمار ہمیشہ یہ چاہتا ہے، اور اس کا یہ قاعدہ ہے کہ مسلمان جہالت کے اندھیروں میں پڑے رہیں اور اپنے مذہب و دین سے دور کہیں بھٹکتے پھریں اور ہم اپنی من مانیاں کرتے رہیں لیکن اللہ نے ان کو ناکام بنا دیا ہے اور وہ اپنے ارادوں میں شکست کھا چکے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو، علماء کو اور ان کے عوام کو توفیق دی۔ ساتھ ہی اہل خیر کو توفیق بخشی کہ انہوں نے اس طرف توجہ تام دی تقسیم سے پہلے بھی اور اب بھی جن سے یہ دینی مدارس قائم ہیں جہاں سے کتاب و سنت کی روشنی دنیا کے کونے کونے میں پھیل رہی ہے۔

میں یہاں کے علماء اور مخلص دیندار عوام جو ان اداروں کی دامے درمے سخنے امداد و اعانت کرتے ہیں ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور حکومت پاکستان اور جنرل محمد ضیاء الحق صاحب کا جنہوں نے دین کا بیڑا اٹھایا ہے اور دینی نعرہ لگایا ہے اور میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کو آگے بڑھنے کی زیادہ سے زیادہ توفیق مرحمت فرمائے آمین ثم آمین۔

مجھے یہ روشن اور نورانی چہرے دیکھ کر خوشی ہوئی ہے کہ مسلمانوں کے بچے جنہوں نے اپنے آپ کو دین کے لئے وقف کر رکھا ہے۔ اور یہ اہالیان ساہیوال کے چہرے دیکھ کر مسرت محسوس ہوئی ہے جو دین کے اس معاملہ میں دلچسپی لیتے ہیں اور دین کی خدمت کرتے ہیں۔ اس لئے میں آپ کو اور تمام شہریوں کو بلکہ تمام پاکستانیوں کو اس پر ترغیب دیتا

ہوں کہ وہ اس سے بھی زیادہ دینی اداروں کی خدمت میں آگے آئیں اور دینی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں تاکہ دین کی اس ترقی میں ان کا زیادہ سے زیادہ حصہ ہو۔ اور یاد رکھئے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ جو بھی اس کے راستہ میں خرچ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسکو دنیا میں بھی اس کا بدلہ دیتا ہے اور بہتر بدلہ دیتے ہیں۔ اور اس سے نہ گھبرائیے کہ ان میں خرچ کرنے سے آپ کا نقصان ہوگا۔ آپ کا تعاون اور آپ کا خرچ کرنا ان دینی درسگاہوں کے لئے جن کا کوئی ظاہری سہارا سوائے اللہ تعالیٰ کے نہیں ہے، آپ کے لئے بہت سے اجروں کا سبب ہوگا۔

جامعہ رشیدیہ کے لئے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ (السعودیہ) کی طرف سے میں پچاس ہزار روپے بطور عطیہ پیش کرتا ہوں اور میں اپنی طرف سے اور جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کی انتظامیہ اور جلالۃ الملک شاہ خالد کی طرف سے آپ کو مبارکباد پیش کرتا ہوں اور آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے عظیم الشان کام لیا ہے اور آخر میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان اداروں کو اور ان اداروں کی انتظامیہ اور معاونین حضرات کو نیک توفیق عطا فرمائے اور اس ملک میں دین کا بول بالا ہو، اور ہر طرف قرآن و سنت کی روشنی پھیلے۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

والحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وآلہ واصحابہ اجمعین۔

تاثرات فضیلۃ الشیخ عبد اللہ بن الزائد

امیر الجامعہ مدینہ یونیورسٹی مدینہ منورہ السعودیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

لقد زرت هذه الجامعة (الجامعة الرشيدية) وسررت بمشاهدته و مظاهر النشاط و الجد و تعليم ابناء و بنات المسلمية امور دينهم. و اني اذا اشكر القائمين على هذه الجامعة جهودهم و أسأل الله ان يتقبل مساعيهم بالنجاح وصلى الله عليه وسلم وبارك على عبده ورسوله سيدنا محمد و آله واصحابه

محرم ۲۲ ۱۴۰۲ھ (المدينة المنورة الجامعة الاسلامية)

"آج جامعہ رشیدیہ ساہیوال کی زیارت کا موقعہ ملا۔ عمارات اور جدوجہد سے طالبین وطالبات کو علوم دینیہ سے بہرہ ور کرنے کے مناظر دیکھ کر بہت مسرت ہوئی۔ اس محنت کشی پر میں اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لاتا ہوں اور بارگاہ ایزدی میں دستِ دعا ہوں کہ ان حضرات کی مساعی جمیلہ کو قبولیت سے نوازیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سلامتی اور برکت نازل ہو آپ کے بندے اور رسول ہمارے آقا و مولا محمدؐ اور آپکی آل و اصحاب پر۔"

عبد اللہ بن عبد اللہ الزائد۔

القاسم
دیوبند

مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قاسمی
مدیر "القاسم" — دیوبند

ہندوستان میں علم اور علماء

پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے صدیوں پہلے ہی سے عرب اور ہندوستان کے درمیان تجارتی تعلقات قائم تھے جس کا سلسلہ ظہورِ اسلام کے بعد بھی جاری رہا مسلمان عربوں نے سندھ اور ملیبار سے لیکر گجرات تک ساحلی علاقوں میں اپنی نوآبادیاں بنالیں تھیں جن کے ذریعے اسلام اور اسلامی علوم و ثقافت کی شعائیں سرزمینِ ہند میں پھیلنا شروع ہو گئیں۔[۱]

عہدِ فاروقی میں حضرت حکم بن ابی العاص کی قیادت میں اسوقت کی مشہور ہندوستانی بندرگاہ "تھانہ" پر مجاہدین و مبلغینِ اسلام کا پہلا قافلہ اُترا۔ اس کے بعد تو ساحلِ ہند کا علاقہ مجاہدین و مبلغین کی مستقل چھاؤنی بن گیا، اور تھوڑے تھوڑے وقفہ کے ساتھ اسلامی قافلے آتے رہے جن میں دیدارِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہستیاں بھی شامل رہیں جن کا خاص مقصد ہی یہ تھا کہ جس ملک میں پہنچیں قال اللہ و قال الرسول کی صدائے جاں بخش و روح نواز سے اس میں تازہ زندگی پیدا کر دی۔ اس طرح سرزمینِ ہند آغازِ اسلام ہی سے اسلامی علوم سے یک گونہ آشنا ہو چکی تھی۔

خلافتِ راشدہ کے بعد زمامِ خلافت جب اموی خلفاء کے ہاتھوں میں آئی تو انہوں نے بھی اس دور افتادہ علاقہ پر نگاہ رکھی۔ چنانچہ ۹۳ھ (بزمانہ ولید بن عبدالملک) میں محمد بن قاسم ثقفی کو اس خطہ کا حاکم بنا کر بھیجا گیا انہوں نے اولوالعزمیوں سے پورے سندھ پر اسلام کا پرچم لہرا دیا۔ اسوقت سے یہ علاقہ باقاعدہ اسلامی قلمرو میں شامل ہو گیا۔ اور ۲۵۰ھ تک براہِ راست پایۂ تخت بغداد و دمشق سے اس کا تعلق قائم رہا۔[۲]

ظاہر ہے کہ اس طویل مدت میں تاریخ کے مسلّم اصول کے مطابق فاتح قوم کا اثر و نفوذ مفتوح اقوام کے ہر شعبۂ زندگی میں ہوا ہوگا علاوہ ازیں اس مستحکم ارتباط کی بناء پر دونوں ملکوں میں باہم آبادیوں کا تبادلہ بڑے پیمانے پر ہونا یقینی ہے۔ اس طرح ہندوستان کے مسلمانوں

---

[۱] بعض اہلِ قلم نے لکھا ہے کہ عرب تاجروں کو تبلیغ و اشاعت کے کام سے دلچسپی نہ تھی۔ یہ خیال تحقیق کے سراسر خلاف ہے کیونکہ اکثر مؤرخین سندھ ملیبار اور گجرات کے بارے میں تصریح کرتے ہیں کہ ان علاقوں میں مسلمان تاجروں کے ذریعے اسلام کی اشاعت ہوئی (تفصیل "عرب و ہند عہدِ رسالت میں")

[۲] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "فتوح البلدان" للعلامہ بلاذری و "العقد الثمین فی فتوح الہند" مصنفہ مولانا قاضی اطہر مبارکپوری

کو بالواسطہ حضرات صحابہؓ، تابعین، تبع تابعین اور عرب معلمین سے اسلامی علوم و فنون اور مذہبی تہذیب و تمدن کو اخذ و جذب کی سعادت حاصل ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ اسماء الرجال کی کتابوں میں حجازی، شامی اور عراقی علماء کے دوش بدوش ہندی الاصل علماء اور محدثین بھی نظر آتے ہیں جن میں وہ مبارک ہستیاں بھی ہیں جنہوں نے حضرات صحابہؓ کی صحبتیں بھی اٹھائیں اور ان سے فیض حاصل کیا۔ مثلاً ○ شیخ عبدالرحمٰن بن ابو زید بیلمانی (بیلمان سوراشٹر کی جانب نسبت ہے) جنہوں نے حضرت عثمان غنیؓ اور عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن عمرؓ، امیر معاویہؓ، عمرو بن اوسؓ، عمرو بن عبسہؓ، نافع بن جبیرؓ اور عبدالرحمٰن بن الاعرجؓ جیسے صحابہؓ سے روایت کی۔ شیخ عبدالرحمٰن سے حضرت عمرو بن عبسہ کے قبول اسلام کی روایت سنن نسائی اور طواف وداع سے متعلق حدیث جامع ترمذی میں موجود ہے [1]

○ عبدالرحمٰن سندھی ان کے بارے میں امام بخاریؒ نے تصریح کی ہے کہ انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے درج ذیل حدیث سنی۔

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یاکل ولا یتوضاء من اللحم [2]	ترجمہ:	"نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کھانا کھاتے اور گوشت کھا کر نیا وضو نہیں فرماتے تھے"

○ امام ابو معشر نجیح بن عبدالرحمٰن سندھیؒ متوفی ۱۷۰ھ جنہوں نے مدینہ منورہ میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی ان کے صاحبزادے شیخ محمد بن ابو معشر کا بیان ہے کہ: "کان ابی سندیا اخرم خیاطا" یعنی "میرے والد سندھی تھے ان کے کان چھدے ہوئے تھے اور وہ سلائی کا پیشہ کرتے تھے"۔ خطیب بغدادیؒ نے لکھا ہے کہ نجیح بن عبدالرحمٰن سندھی نے حضرت ابو امامہ سہل بن حنیف کو دیکھا ہے اور محمد بن کعب قرظی، نافع مولی ابن عمر، سعید مقبری وغیرہ سے سماع کیا ہے۔

"وکان اعلم الناس بالمغازی" | "اور وہ مغازی کے سب سے بڑے امام تھے"

انہوں نے مغازی میں ایک کتاب بھی مرتب کی تھی [3]

○ حارث بیلمانی نے حضرت عبداللہ بن عمر سے اکتساب علم کیا تھا وہ ہندی الاصل علماء ہیں۔ جنہوں نے براہ راست صحابہ کرامؓ سے احادیث سماعت فرمائی ہیں اور استفادہ کیا ہے [4]

تیسری صدی کے وسط میں اگرچہ سندھ میں عربوں کی بالادستی ختم ہوگئی پھر بھی وہاں کے دو شہروں منصورہ اور دیبل بکر ملتان میں علی الترتیب ۴۱۶ھ و ۴۵۲ھ تک اسلامی ریاستیں قائم رہیں۔ اس طرح یہ سرزمین پہلی صدی ہجری کے آخر ہی سے اسلام اور اسلامی علوم کے حافظ و محافظ کا گہوارہ بنی رہی۔ اس دور کے مشاہیر علماء محدثین میں خلف بن سالم سندھی ۲۳۱ھ محمد بن ابو معشر

---

[1] العقد الثمین ص ۱۸۷ [2] تاریخ کبیر ج ۳، ۱ ص ۲۹۵ [3] تذکرۃ الحفاظ ج ۱، ص ۲۱۲

[4] العقد الثمین و خلافت امویہ اور ہندوستان، مصنفہ قاضی اطہر مبارکپوری

نجیح سندی م ۲۳۱ھ، عبد بن حمید کسی م ۲۴۹ھ (کچھ کی جانب نسبت ہے) وغیرہ بطورِ خاص قابلِ ذکر ہیں جنہوں نے تیسری صدی ہجری میں اپنی علمی سرگرمیوں سے اس خطۂ ارض کو دار العلوم بنائے رکھا۔ آخر الذکر بزرگ نے صحیح مسلم کی احادیث کی تخریج بھی کی تھی اور محمد بن ابراہیم دیبلی م ۳۲۲ھ، احمد بن عبداللہ دیبلی م ۳۵۴ھ، ابو العباس احمد بن محمد منصوری م ۳۶۳ھ وغیرہ چوتھی صدی کے ان رجالِ علم میں سے ہیں جن سے خود حجاز، عراق اور دمشق و شام کے علماء نے درس لیا ہے۔

اس دور اوّل میں سندھ، دیبل اور ملتان اسلامی علوم و تعلیم کے مرکز رہے۔

عہدِ غزنویہ کے علماء

ساحلی علاقوں سے اسلامی غلبہ کے ختم ہو جانے کے بعد اسلام نے اپنے اثر و نفوذ کے لئے ایک نئی راہ ڈھونڈ نکالی اور بحری راستہ کے بجائے اس مرتبہ درۂ خیبر کو اپنے داخلہ کے لئے منتخب کیا۔ چنانچہ پانچویں صدی کی ابتداء میں سلطان محمود غزنویؒ نے لاہور کو اپنے زیرِ نگیں کر کے اسلامی ہند میں ایک نئے دور کا آغاز کر دیا۔ درحقیقت وسیع اور منظم پیمانہ پر اسلام اور اسلامی علوم کا داخلہ اسی وقت سے ہوا۔ کیونکہ دورِ اوّل میں اسلام کی کرنیں ساحلی علاقوں سے آگے نہ بڑھیں، لیکن اس مرتبہ اس نے رفتہ رفتہ پورے ہندوستان کو اپنی ضیا پاشیوں سے بقعۂ نور کر دیا۔

جس وقت پنجاب پر غزنی حکومت کا تسلط ہوا، اس وقت تمام اسلامی علوم مثلاً حدیث، فقہ، کلام، تصوّف وغیرہ مکمل طور پر مدوّن ہو چکے تھے۔ اور غزنی جو محمود کے عہد میں اسلامی عجم کا سب سے بڑا علمی مرکز تھا ان سب علوم کا گہوارہ بن گیا تھا۔ اس لئے پنجاب جو سلطنتِ غزنی کا ایک ٹکڑا ہو چکا تھا ناممکن ہے کہ دار الحکومت کے ماحول و اثرات سے متاثر نہ ہو۔

اس عہد میں پنجاب کے جس شہر کو علمی تمدنی مرکز بننے کا شرف حاصل ہوا وہ لاہور ہے۔ چنانچہ فتوحاتِ غزنویہ کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ علماء و مشائخ کے قافلے جوق در جوق لاہور کی جانب کھنچے چلے آ رہے ہیں۔ اس عہد کے علماء و محدثین میں شیخ اسماعیل لاہوری م ۴۴۸ھ سے اہلِ ہند کو بطورِ خاص فیض پہنچا۔ یہ حدیث و تفسیر کے متبحر عالم ہونے کے ساتھ ساتھ موثر البیان واعظ بھی تھے۔ بے شمار افراد ان کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے [1]

اس عہد کے لاہوری علماء میں شیخ عبد الصمد بن عبد الرحمٰن لاہوری م ۴۲۹ھ بھی ہیں جن کا چشمۂ علم سمرقند میں تشنگانِ علوم نبوی کو سیراب کر رہا تھا [2] نیز شیخ علی بن عثمان ہجویری المعروف داتا گنج بخش متوفی ۴۶۵ھ جنہوں نے لاہور میں علم و عرفان کی شمع کو اس وقت کے ساتھ روشن کیا کہ آج تک اس کے انوار محسوس کئے جاتے ہیں۔ شیخ نے متعدد کتابیں بھی تصنیف کیں۔ لیکن اب صرف "کشف المحجوب" دستیاب ہوتی ہے جس کے متعلق دارا شکوہ لکھتا ہے:

"کسی کو بھی اس کتاب پر اعتراض نہیں، یہ ایک مرشدِ کامل ہے، فارسی زبان میں فنِ تصوّف پر ایسی کوئی کتاب تصنیف نہیں ہوئی ہے [3]" ان نابغۂ عصر کے علاوہ شیخ ابو الحسن علی بن لاہوری بھی اس دور کی یادگار ہیں جن کا تذکرہ کرتے ہوئے

---

[1] تذکرہ علماء ہند، ص: ۲۳ و مقالات سلیمان ۲: ۲۰ ص: ۴ [2] رجال السند والہند، ص: ۱۷۰ [3] سفینۃ الاولیاء ص [illegible]

[illegible] لکھتے ہیں کہ: العالم المحدث كان فقيهاً اديباً شاعراً كثير الحفظ ان کا شیخ زادہ
[illegible] تھا۔ امام سمعانی نے لکھا ہے کہ میں خود ان سے نہ مل سکا مگر حافظ ابوالفضل محمد بن ناصر سلامی بغدادی کے واسطہ سے
[illegible] کر دیں۔ [illegible] میں لاہور میں وفات ہوئی[1]

لاہور ہی کے ایک اور عالم و محدث محمد بن محمد ہیں جنہیں حدیث کے ساتھ فقہ اور فن مناظرہ میں بھی مہارت حاصل تھی۔
امام ابوالمظفر سمعانی، ابوالفتح عبدالرزاق الملیحی، ابوبکر بن خلف شیرازی، ابواسحاق ابراہیم بن عمر اصبہانی وغیرہ سے انہیں شرف تلمذ حاصل تھا اور امام ابوسعید عبدالکریم سمعانی صاحب الانساب الاشراف جیسے علامۃ العصر کے استاد تھے۔ ۵۰۰ھ کے قریب وفات پائی۔[2] الانساب الاشراف کے مطالعہ سے اس دور کے مزید ہندی علماء کا پتہ چلتا ہے۔ مگر بخوف تطویل انہیں کسی دوسرے موقع کے لئے چھوڑ دیا گیا ہے۔

اب تک کے یہ سارے علماء وہ ہیں جن کے علمی فیوضات و برکات سے ہندوستان کم اور بلادِ اسلامیہ زیادہ مستفیض ہوئے۔
[illegible] ساتویں صدی ہجری میں امام صغانی صاحب مشارق الانوار ہندوستان کے لئے باعث فخر و مباہات بن کر جلوہ افروز ہوئے۔ امام موصوف کا اسم گرامی حسن بن محمد ہے۔ ۵۷۷ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوار سے حاصل کی، پھر یمن، حجاز، عراق وغیرہ جا کر وہاں کے علماء کبار سے علم کی تحصیل و تکمیل کی اور لغت و حدیث کے امام قرار پائے۔ حدیث میں مشارق الانوار کے علاوہ مصباح الدجیٰ فی حدیث مصطفیٰ، الشمس المنیرہ، شرح بخاری اور دو رسالے موضوعات حدیث میں آپ کی علمی یادگار ہیں۔
[illegible] حدیث کے علاوہ لغت اور ادب میں علامہ صغانی کی درج ذیل تصانیف ہیں:

۱۔ العباب الزاخر ۲۰ جلدوں میں ۲۔ مجمع البحرین ۱۲ جلدوں میں ۳۔ الشوارد ۴۔ کتاب اسماء الاسد۔
۵۔ کتاب اسماء الذئب ۶۔ کتاب الافعال۔ ۷۔ کتاب المفعول ۸۔ کتاب الاصغار ۹۔ کتاب العروض۔
۱۰۔ شرح ابیات المفصل ۱۱۔ بغیۃ الصیدان ۱۲۔ شرح القلادۃ السمطیۃ فی توشیح الدریدیہ وغیرہ۔ امام موصوف نے ۶۵۰ھ میں بغداد میں وفات پائی۔

لیکن لاہور کی یہ تمام تر علمی رونق دہلی کے دارالسلطنت ہو جانے کے بعد رفتہ رفتہ منتقل ہو کر دہلی سمٹ آئی اور گو متعدد ادوار میں متعدد المقامات کے اوپر اس کے علم و دانش کی محفلیں ہوتی رہیں دراز تک نہ صرف گرم رہیں بلکہ ان کی دلکشی میں روز افزوں ترقی بھی ہوئی۔ سلطنت دہلی کی بنیاد ایسے زمانہ میں رکھی گئی تھی جبکہ تاتاریوں نے وسط ایشیا کو اپنے پیہم قیامت خیز حملوں سے تہہ و بالا کر کے وہاں سیاسی، سماجی اور علمی نظام کو درہم برہم کر دیا تھا اور علماء و فضلاء کی کثیر تعداد اپنے آبائی اوطان کو چھوڑنے پر مجبور ہو گئی تھی۔ بخارا و بغداد کے یہ لٹے ہوئے تارے ہندوستان کی فضائے علم پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے اور دہلی کو اپنے آغاز سفر

۱۔ نزہۃ الخواطر ج ۱ ص ۸۲

۲۔ رجال السند والہند ص [illegible]

ہند میں علماء و مشائخ کی ایک ایسی جماعت میسر آگئی جس نے اپنی نوا سنجیوں سے پورے ملک کو پُر شور کر دیا۔ سلطان ہند شمس الدین التمش علماء و مشائخ کی صحبت کا بڑا دلدادہ اور گرویدہ تھا۔ جب کسی بزرگ یا عالم کی آمد کی خبر سُنتا تو میلوں تک استقبال کے لئے جاتا اور عزت و احترام سے شاہی محل میں رکھتا۔ سلطان التمش کی اس علم دوستی و علماء نوازی کا یہ اثر ہوا کہ صدہا علماء اور مشائخ اس ملک میں آکر بس گئے۔ اس عہد میں اپنی علمی و روحانی سرگرمیوں سے جن علماء و مشائخ نے ہندوستان کے وقار کو بلند کیا اُن میں سے چند کے نام درج ذیل ہیں:

۱۔ شیخ قطب الدین بختیار کاکی اوشیؒ ۲۔ قاضی حمید الدین ناگوریؒ ۳۔ شیخ بدر الدین اسحاقؒ ۴۔ شیخ جلال الدین تبریزیؒ
۵۔ شیخ سید نور الدین مبارک غزنویؒ ۶۔ قاضی سعید الدین کردیؒ ۷۔ شیخ نظام الدین ابو المؤیدؒ ۸۔ شیخ بدر الدین [illegible]
۹۔ نظام الملک کمال الدین جُنیدیؒ ۱۰۔ شیخ الاسلام نجیب الدینؒ۔

قاضی حمید الدین ناگوریؒ صاحب تصانیف بزرگ تھے۔ مطالعہ نہایت وسیع بالخصوص تصوف میں بڑی گہری نظر رکھتے تھے۔ رسالہ عشقیہ، طوالع الشموس، لوائح اور شرح اسماء حسنیٰ فن تصوف میں آپ کی تصنیفی یادگار ہیں۔

اس عہد میں دینی درسگاہیں اور روحانی خانقاہیں بھی کثرت سے قائم ہوئیں جن میں مدرسہ معزی مدرسہ ناصری حکومت کے زیر انتظام تھے ان کے علاوہ علماء انفرادی طور پر اپنے اپنے مقامات پر تدریس و تعلیم میں سرگرم رہتے تھے۔ بہشتی چشتیہ کی خانقاہوں کے ساتھ مدارس کا ہونا گویا لازمی تھا البتہ سہروردی سلسلہ کی خانقاہوں سے ملحق مدارس کا پتہ نہیں چلتا لیکن اس خانوادہ کے مشہور بزرگ شیخ بہاؤالدین زکریاؒ ملتانی کو تعلیم و تدریس سے نہایت شغف تھا اور انہوں نے اپنی خانقاہ سے ملحق ایک مدرسہ بھی جاری رکھا تھا جس میں وہ خود بھی درس دیتے تھے اور دیگر معلمین کی بھی خاطر خواہ مشاہرہ پر خدمات حاصل کر رکھی تھیں۔ مسجدوں سے ملحق تو مدارس کی اس زمانہ میں نہایت کثرت تھی اور ہر ہر مسجد میں کسی نہ کسی عالم کا درس ضرور ہوتا تھا۔

عہد بلبن میں علوم اسلامیہ

ہم گذشتہ صفحات میں ذکر کر آئے ہیں کہ جس زمانہ میں سلطنت دہلی کی بنیاد پڑی تھی اس وقت اکثر بلاد اسلامیہ تاتاریوں کے تخت و تاراج کی آماجگاہ بنے ہوئے تھے۔ عہد بلبن میں ہلاکو خاں نے اس آگ و خون کے ہنگامہ کو مزید ہوا دی جس نے بغداد کے علمی، سیاسی، معاشرتی نظام کو درہم برہم کر کے رکھ دیا۔ اس لئے اس علاقہ کے باقی ماندہ علماء نے جان بچا کر وہاں سے کوچ کر کے دارالامان ہندوستان کی راہ لی جن کا سلطان بلبن نے بقدر مراتب دل کھول کر عزت افزائی کی۔ اس طرح ہندوستان کی علمی زندگی میں تازہ روح دوڑ گئی اور دہلی رشک بغداد و قرطبہ بن گئی۔ اس دور کے مشاہیر علماء و مشائخ میں سے بعض حضرات یہ ہیں۔

۱۔ شیخ شمس الدین خوارزمی استاذ حضرت نظام الدین اولیاءؒ، ۲۔ شیخ برہان الدین بلخی ۳۔ شیخ برہان الدین بزاز
۴۔ شیخ نجم الدین دمشقی ۵۔ قاضی رکن الدین سامانہ ۶۔ شیخ شرف الدین ولوالجی ۷۔ قاضی ظہیر الدین ۸۔ قاضی [illegible]

عہدِ خلجی میں علمی ارتقاء

سلطان علاؤالدین خلجی خود تو علم سے بے بہرہ تھا مگر اس کا عہد علم و علماء کی کثرت کی بناء پر علومِ اسلامی کا عہدِ زریں کہلانے کا ..... مستحق ہے۔ بقول معاصر مؤرخ جناب ضیاء الدین برنی دارالسلطنت دہلی میں اس وقت چھیالیس علماء ایسے تھے جن کی نظیر دنیا میں ملنی مشکل تھی اور ان میں بعض علماء تو امام غزالیؒ و امام رازیؒ کے ہم پایہ و ہم مرتبہ تھے۔ اس دور کے اہم علماء و مشائخ میں سے چند کے نام یہ ہیں:

۱۔ شیخ ضیاء الدین سنامیؒ، صاحب نصاب الاحتساب ۲۔ شیخ ظہیر الدینؒ بھکری ۳۔ شیخ فرید الدینؒ شافعی ۴۔ سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاءؒ بدایونی ۵۔ قاضی مغیث الدینؒ بیانوی ۶۔ شیخ شمس الدینؒ یحییٰ اودھی ۷۔ شیخ فخر الدینؒ ہانسوی ۸۔ شیخ کمال الدینؒ کوٹلی ۹۔ شیخ علاؤالدینؒ صدر الشریعۃ ۱۰۔ شیخ حمید الدینؒ مخلص ۱۱۔ شیخ نصیر الدینؒ کڑوی وغیرہ

عہدِ تغلق کے علما اور مدارس

اس دور میں اگرچہ دورِ خلجی جیسی علمی شان و شوکت باقی نہیں رہی پھر بھی محمد بن تغلق کی علمی دلچسپیوں کے باعث یہ ایک یادگار دور تھا۔ دیگر شہروں کے علاوہ صرف دہلی میں اس وقت بقول بعض عرب سیاح ایک ہزار مدارس تھے جن میں فیروز شاہ کا مدرسہ اسلامی علوم کی اعلیٰ ترین درسگاہوں میں شامل تھا جسے دیکھنے کے لئے دور دور سے لوگ آیا کرتے تھے۔ اس کے ساتھ مشہور علماء و مشائخ کی ایک خاص تعداد دارالملک میں موجود تھی جن کی علمی سرگرمیوں نے اس دور کو بڑی رونق دی تھی۔ مثلاً شیخ معین الدین عمرانیؒ، انھوں نے تدریس کے علاوہ "کنز الدقائق، حسامی اور مفتاح" پر حواشی لکھے۔ شیخ علاؤالدینؒ اندرپتی، شیخ ضیاء الدینؒ نخشبی جن کی حسبِ ذیل تصانیف ان کی وسعتِ معلومات پر شہادت دے رہی ہیں۔

۱۔ چہل ناموس، ۲۔ سلک السلوک، ۳۔ گریز، ۴۔ لذات النساء، ۵۔ شرح دعائے سریانی، ۶۔ طوطی نامہ،

عہدِ بلبن و علائی دور کی طرح اس عہد میں بھی ممالکِ اسلامیہ سے بکثرت علماء و شعراء آئے اور اپنی علمی کاوشوں اور ادبی سرگرمیوں سے اس عہد کو خوب رونق بخشی۔

الغرض آسمانِ علم کا وہ ہلال جو سندھ و ملتان کے افق پر طلوع ہوا تھا اور آٹھویں صدی ہجری میں دہلی کے مطلع سے بدرِ کامل بن کر پوری سرزمینِ ہند کو اپنی ضیا پاشیوں سے منور کر دیا تھا، یکایک گہن میں آگیا۔ محمود شاہ کے عہد میں تیمور لنگ قیامتِ صغریٰ بن کر دہلی پر نازل ہوا۔ اور تین دن تک اس دارالعلم والامن کے کوچہ و بازار میں قتل و غارتگری کا ہنگامہ اس طرح

۱؎ "فتوح السلاطین" ص: ۱۰۹، ۱۱۰ ۲؎ ان بزرگوں کے احوال کے لئے "اخبار الاخیار" مصنفہ شیخ عبد الحق محدث

۳؎ "نزہۃ الخواطر" ج ۱، ص: ۱۲۰۔

۴؎ تفصیل کے لئے دیکھئے "تاریخ فیروز شاہی" ص: ۹۸ اور اس سے آگے۔

[illegible] عہد سکندری کے مستند علماء کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

شیخ عبداللہ اور شیخ عزیز اللہ تلنبہ، ملتان کے عالم تھے۔ ملتان سے ترک سکونت کر کے دہلی آئے اور علوم معقول کو رواج دیا۔ عزیز اللہ کے علم و استحضار کا یہ عالم تھا کہ مشکل سے مشکل ترین کتابوں کا درس زبانی دیا کرتے تھے۔ انہوں کے تلامذہ میں میاں قائم مشہور تھے۔ ان دونوں بھائیوں کے علاوہ ۱۔ شیخ عبدالرزاق جھنجھانوی ۲۔ مولانا سماء الدین ملتانی نبیرہ مخدوم جہانیاں جہاں گشت ۳۔ شیخ [illegible] ۴۔ سید جلال الدین بدایونی ۵۔ مولانا شعیب دہلوی ۶۔ میاں حامد ملتانی ۷۔ شیخ رزق اللہ دہلوی۔ ۸۔ شیخ حسن طاہر جونپوری وغیرہ اس عہد کے مشاہیر علماء و مشائخ میں سے تھے۔

آخر الذکر بزرگ کو سلطان سکندر نے خود جونپور سے بطور خاص دعوت دے کر بلایا تھا۔

شیخ سید رفیع الدین شیرازی بھی اس عہد کے نامور محدث تھے جنہوں نے معقولات براہ راست محقق دوانی سے اور حدیث حافظ سخاوی سے حاصل کی تھی۔ سلطان سکندر نے انہیں گجرات سے دہلی بلایا، پھر یہاں سے آگرہ منتقل ہو گئے جہاں تمام عمر علوم اسلامیہ کی تعلیم و تدریس میں منہمک رہے۔ شیخ ابو الفتح محدث تھانیسری آپ کے تلمیذ رشید اور جانشین تھے۔

۹۳۲ھ میں بابر نے پانی پت کے میدان میں ابراہیم شاہ لودھی کو شکست دی اور مغل سلطنت کی بنیاد رکھی۔ بابر خود ترکی، فارسی زبان کا فاضل ادیب اور شاعر تھا۔ تزک بابری اس کے تبحر علمی کی یادگار ہے۔ یہ علماء و فضلاء کی بڑی قدر کرتا تھا اور ہمیشہ اپنے ساتھ اہل علم کی ایک خاص تعداد رکھتا تھا۔ اس عہد کے مشاہیر علماء میں درج ذیل شخصیات خصوصی اہمیت کی حامل ہیں:
۱۔ شیخ الاسلام سیف الدین نبیرہ علامہ سعد الدین تفتازانی ۲۔ شیخ حسن متکلم ۳۔ میر جمال الدین محدث ۴۔ شیخ عطاء اللہ شہیدی ۵۔ مولانا شہاب الدین معمائی ۶۔ شیخ ابو الواجد فارغی ۷۔ شیخ زین الدین وغیرہ۔

بابر کے بعد ہمایوں اس کا بیٹا تخت نشین ہوا۔ یہ بھی بڑا علم دوست اور علماء نواز تھا۔ علم ہیئت اور ہندسہ سے اسے خاص شغف تھا۔ اس کے عہد کے دو نئے مدرسے نہایت مشہور تھے۔ ایک شیخ زین الدین کا مدرسہ آگرہ میں اور دوسرا دہلی کا مدرسہ جس میں شیخ حسن تبریزی مدرس تھے۔ ہمایوں کی وفات کے بعد ۹۶۳ھ میں اس کا بیٹا جلال الدین اکبر سریر آرائے سلطنت ہوا۔ یہ خود تو پڑھا لکھا نہیں تھا لیکن اپنے آباؤ اجداد کی طرح علوم و فنون سے کافی دلچسپی رکھتا تھا مگر اس دلچسپی میں علوم دینیہ کا حصہ کمتر ہی تھا۔ اس عہد کے علماء میں: ۱۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی ۲۔ شیخ احمد سرہندی الملقب مجدد الف ثانی ۳۔ شیخ عبدالنبی گنگوہی ۴۔ ملا عبدالقادر بدایونی صاحب منتخب التواریخ ۵۔ میر فتح اللہ شیرازی ۶۔ مخدوم الملک ملا عبداللہ سلطانپوری ۷۔ ملا نظام الدین چشتی ۸۔ ابو الفتح گیلانی ۹۔ شاہ رفیع الدین محدث ۱۰۔ میر مرتضیٰ شریفی ۱۱۔ شیخ مبارک ناگوری ۱۲۔ ابو الفضل ۱۳۔ ابو الفیض فیضی وغیرہ ہر قسم کے علماء و فضلاء تھے جن سے اکبر [illegible] اکبر کے ذہن و مزاج کو بگاڑ کر دین محمدی کے مقابلہ میں دین الٰہی کے نام پر الحاد و زندقہ کو آگے بڑھایا [illegible] مجدد الف ثانی اور شیخ محدث دہلوی نے اپنی مسلسل علمی و عملی کاوشوں سے اس مذہب [illegible]

ہے کہ دس ہزار سے زائد علماء و فضلاء اطراف عالم میں پھیلے ہوئے ہیں جن میں بہت سے افراد بجائے خود ایک شخصیت رکھتے ہیں۔ پھر دارالعلوم کا یہ فیض ہندوستان تک ہی محدود نہیں رہا بلکہ اس کے ابرِ گہربار نے برما، ملیشیا، انڈونیشیا، کابل، بخارا، ایران، پاکستان، ترکی اور افریقہ وغیرہ کے علاوہ خود علوم اسلامیہ کے منبع و مرکز حجاز کو بھی سیراب کیا۔

فضلاء دارالعلوم کی اس کثیر تعداد میں سے چند حضرات کے نام درج ذیل ہیں جس سے دارالعلوم کی ہمہ گیر خدمات کا اندازہ ہوگا۔

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، حضرت مولانا احمد حسن امروہیؒ، حضرت مولانا فخر الحسن گنگوہیؒ، مولانا سید مرتضیٰ حسن چاند پوریؒ، حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ، حضرت سید محمد انور شاہ کشمیریؒ، شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، مولانا مفتی کفایت اللہؒ، مولانا عبید اللہ سندھیؒ، مولانا سید اصغر حسین دیوبندیؒ، مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ، مولانا مفتی عزیز الرحمٰن دیوبندیؒ، مفسر قرآن مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، شیخ الادب مولانا اعزاز علی امروہیؒ، مولانا فخر الدین مرادآبادیؒ، مولانا سید بدر عالم میرٹھیؒ، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ، علامہ محمد ابراہیم بلیاویؒ، مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی، مولانا محمد منظور نعمانی، مولانا شمس الحق افغانی وغیرہ جنہوں نے اپنی علمی دینی سرگرمیوں اور گرانقدر تصنیفات کے ذریعہ برصغیر کو علوم اسلامیہ کا ایک سدا بہار گلستان بنا دیا اور دارالعلوم کے نقش قدم پر چل کر آج سیکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں درسگاہیں علم دین کی خدمت میں مصروف ہیں جنہیں بحقیقت بالواسطہ دارالعلوم ہی کا فیض کہا جائے گا۔

○ حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی ایک بصیرت افروز فقہی تحقیق

معاملات سے متعلق فتویٰ میں توسع

حضرت حکیم الامتؒ کے مواعظ کا ایک مجموعہ زیر مطالعہ تھا۔ اسکے ایک وعظ "آداب المصاب" میں حضرتؒ نے رزق حلال کی اہمیت بیان فرمائی ہے۔ اسی سلسلہ میں حضرتؒ کا یہ ارشاد نظر سے گذرا جس میں امت کے لئے یقیناً بڑی وسعت اور سہولت ہے۔ فرمایا:

"بلکہ اس باب میں میری رائے تو یہ ہے کہ اگر معاملات میں کسی وقت اپنے مذہب میں تنگی ہو اور دوسرے ائمہ مجتہدین کے اقوال میں گنجائش ہو تو عوام کو تنگی میں نہ ڈالا جائے بلکہ دوسرے ائمہ کے قول پر فتویٰ دیدیا جائے ...... میں حضرت گنگوہیؒ سے اس مسئلہ کی صریح تائید حاصل کر چکا ہوں۔"

(وعظ آداب المصاب سلسلہ تبلیغ ص ۱۲۹)

اس دور کے بہت سے اصحاب فتویٰ کے مزاج میں شدت پسندی دیکھی جاتی ہے جو بشیر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و ہدایت اور دین کا مزاج نہیں ہے جو حضرت حکیم الامتؒ کے اس ارشاد سے معلوم ہوتا ہے

— مسند زکریا ندوی (الفرقان)

مسلسل

فاروقِ اعظم کون تھے؟

- جن کے لشکر کو دیکھ کر سیدنا حیدرِ کرارؓ نے "جند اللہ" کا لقب عطا فرمایا۔ (نہج البلاغہ)
- جن کے مذہب کو شیرِ علیؓ نے "دین اللہ" سے تعبیر کیا۔ (" ")
- جن کی "یاساریۃ الجبل" والی آواز نے نہاوند میں غافل فوج کو جگا دیا۔ (طبری)
- جن کے مکتوب کی برکت سے دریائے نیل جاری ہوا۔ اور ایک مشرکانہ رسم کا خاتمہ ہوا۔ (الفاروق)
- جن کی مبارک رائے کے مطابق آیتہ "واتخذوا من مقام ابراہیم مصلّٰی" نازل ہوئی۔ (بخاری شریف)
- جن کی غیرت کی حمایت میں بے پردہ عورتوں کو پردہ ملا۔ (تفسیر ابن کثیر)
- جن کے لفظ "مولا" کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر استعمال کرنے سے آیت "ان اللہ ھو مولٰہ" نازل ہوئی۔
- جن کی دعا پر حرمتِ شراب کا تصریحی حکم نازل ہوا۔ (تفسیر [illegible])
- منافق پر نمازِ جنازہ نہ پڑھنے کے سلسلے میں جن کی رائے کی تائید وحیِ الٰہی نے کی۔
- حضرت سیدہ عائشہ صدیقہؓ کے سلسلے میں سبحٰنک ھٰذا بہتان عظیم کہنے پر موافقتِ قرآن سے [illegible]
- جن کے دور میں مقبوضاتِ اسلام کا رقبہ (۲۲۵۱۰۳۰ مربع میل) تک پہنچ گیا۔
- جنہوں نے حسبکم کتاب اللہ کہہ کر مرادِ نبوتؐ پوری فرمائی۔
- جن کے جواب نے من یھدہ اللہ فلا مضل لہ کی ترجمانی کی۔
- جن کی ہم نوائی اور تصدیق صاحبِ نبوتؐ نے سکوت فرما کر تو اہلِ بیت نے عمل سے ظاہر فرمائی۔
- جن کی غیرت چار دانگ عالم میں مشہور ہوئی۔
- صدیقِ اکبرؓ کے بعد جن کا بلا اختلاف خلافت کے لئے انتخاب ہوا۔
- جو اپنے دورِ خلافت میں اگر ایک طرف ایوان پر زمین بچھا رہے تھے۔ قیصر و کسریٰ کے سفیروں سے [illegible] کر رہے ہیں۔ ایران و مصر کے فاتحین کے نام فرامین جاری کر رہے ہیں، اور حضرت خالدؓ اور [illegible] کر رہے ہیں تو دوسری طرف وہاں پیوند لگا ہوا کرتہ پہن رہے ہیں سر پر پھٹا ہوا عمامہ [illegible]
- جو کسی وقت منبر پر چڑھ کر خدائی احکام سناتے ہیں تو کسی وقت مشکیزہ کندھے پر رکھ کر [illegible] پر [illegible] ہیں۔

فاروقی کمالات

مکاشفات و کرامات

مولانا عبد الشکور دین پوری

ہمارا اور ہمارے اسلاف کا پختہ عقیدہ ہے کہ مصطفےٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر صحابیؓ ولی کامل تھا۔ اولیاء اللہ سے خرقِ عادت کے طور پر جو ظاہر ہوتا ہے اسے کرامت کہتے ہیں۔ تمام صحابہ کرامؓ سے وقتاً فوقتاً کرامات کا ظہور ہوا ہے۔ مگر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کرامات کے لحاظ سے تمام صحابہ کرام سے ممتاز تھے۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

کرامت نمبر ۱۔ سب سے بڑی کرامت آپکی فتوحات، آپ کے زمانہ خلافت میں جو قلیل مدت میں ہوئی ہیں وہ قابلِ رشک و لائق صد تحسین ہیں۔ دس سالہ دورِ خلافت میں ایک ہزار چھتیس شہر فتح ہوئے۔ یہ تائید غیبی و نصرت خداوندی تھی۔ ہادی اعظم مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی پیشگوئی فرمائی تھی۔ قادر مطلق کا ارشاد ہے، لیظہرہٗ علی الدین کلہٖ سبحان اللہ واقعی تمام ادیانِ باطلہ پر حق کا ڈنکا بجا، حق غالب رہا، باطل مغلوب ہوا۔ الحمد للہ علی کل حال۔

۲۲ لاکھ مربع میل کا علاقہ فتح ہوا

کرامت نمبر ۲۔ ایک دن خطیب مسجد نبوی، امام مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم منبرِ پیغمبر اسلام پر خطبہ جمعہ فصیحانہ بلیغانہ بیانہ ارشاد فرما رہے تھے۔ جماعتِ رسول ہاشمی ہمہ تن گوش خاموش ہو کر ارشادات مرادِ پیغمبر حضرت فاروق اعظمؓ سے سن رہے تھے۔ یکایک بلند آواز سے دورانِ خطبہ تین مرتبہ فرمایا:

"یا ساریۃ الجبل" "اے لشکر ساریہ پہاڑ کی طرف دھیان ہے؟"

سامعین حیرت زدہ ہو گئے، متعجب ہو گئے کہ اچانک یہ جملہ کیسے نکلا؟ نہ ربطِ کلام، نہ مضمون ملتا تھا۔ بے تکلف دوست حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے استفادہ فرمایا:

یا امیر المومنین جانشین خاتم النبیین فرمائیے دورانِ خطبہ آپ نے یہ جملے کیسے فرمایا، وضاحت کیجئے ماجرا کیا ہے؟ امام عدل و حریت نے مسکرا کر فرمایا: "ایک لشکرِ اسلام عراق کے مقام نہاوند پر دشمن کے نرغے میں چاروں طرف سے گھرا ہوا تھا، دشمن گھیرا ڈالے ہوئے تھا۔ اہلِ اسلام کے محصور ہونے کا خطرہ تھا ہم نے

فانہ ینظر بنور اللہ کی نگاہِ بصیرت سے یہ منظر دیکھ لیا۔ بے اختیار میری زبان سے یہ جملہ نکلا "یاساریۃ الجبل" اے امیرِ لشکر ذرا عقب میں پہاڑ کی طرف بھی نگاہ ہو، دامنِ پہاڑ میں ہو جاؤ۔

کئی دنوں کے بعد جب لشکرِ اسلام کامران وکامیاب ہو کر واپس ہوا۔ لوگوں نے پوچھا جہاد کیسے رہا۔ کامیابی نصیب ہوئی؟ اور کوئی خاص واقعہ بھی پیش آیا۔ امیرِ لشکر نے فرمایا۔ ہم دشمن کے زغنے میں گھرے ہوئے تھے کہ پہاڑ سے ایک پُرشکوہ اور جلالی آواز آئی "یاساریۃ الجبل" ہم فوراً سنبھل گئے، دشمن کی چال سے باخبر ہو گئے الحمدللہ اسی وقت فتح ونصرت نے قدم چومے، ہم فتحیاب ہو کر لوٹے۔

کرامت نمبر ۳:۔ جب مصر فتح ہوا، اسلامی عَلَم لہرانے لگا، نعرۂ تکبیر کی آواز سے فضا مسحور ہو گئی، اسلام کا ڈنکا بجا، لوگ جنت کی طرف آنے لگے۔ اخلاق، اتفاق شرافت وہدایت کا سبق ملنے لگا۔ اہلِ مصر میں ایک پرانی رسم موجود تھی۔ ہر سال ایک کنواری دوشیزہ بناؤ سنگھار کر کے لاتے جو حسن وجمال کی پیکر ہوتی۔ دریائے نیل کو نذرانہ پیش کرتے۔ ان کا وہم وزعم باطل تھا کہ اس قربانی سے دریا میں پانی زیادہ آئے گا۔ یہ سب اسی لڑکی کا کرشمہ ہوتا۔

نادان اس نوجوان دوشیزہ کا خون بہاتے۔ یہ سراسر جاہلیت تھی، توہم تھا، رواج تھا، غلط تھا، باطل تھا۔ اسلام رسومات ورواج، لغویات، خرافات، بدعات کا قلع قمع کرنے آیا ہے، اسلام نفع ونقصان کا مالک ایک اللہ کو جانتا ہے۔

فاتح مصر حضرت عمرو بن العاص کو جب یہ حال معلوم ہوا فوراً امیر المؤمنین حضرت فاروق اعظمؓ کو اس صورتحال سے آگاہ کیا۔ تو فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے متوکلاً علی اللہ فوری دریائے نیل کے نام مکتوب تحریر فرمایا۔

"بسم اللہ الرحمن الرحیم ھذہ المکتوب من عبد اللہ عمر بن الخطاب الی بحر النیل۔ اما بعد!

فایھا النیل ان کان تجری من امر اللہ فاجر۔ وان کان تجری بنفسک فلا حاجۃ لنا۔"

خواص وعوام تک جب یہ بات پہنچی تو حیران وسرگرداں ہو گئے۔ ایک جم غفیر، انبوہ کثیر غریب وامیر تماشائی بن کر دریائے نیل کے کنارے پہنچ گئے۔ آپس میں چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں کہ آج تک کیا دریا کو بھی کسی نے خط لکھا ہے۔ یہ عجب بات ہے۔ جب یہ خط دریا کے سپرد کیا گیا تو اچانک تلاطم پیدا ہوا۔ پانی کناروں تک آگیا اللہ نے اپنے بندے کی دعا قبول فرمائی۔ کرامتِ فاروقی کا ظہور ہوا، رسمِ جاہلیت کا محو ہوا۔ آج تک عمر فاروقؓ کا مکتوب اثر دکھا رہا ہے۔ فاروق اعظمؓ کی خلافت وشان وشوکت کا چاہے لوگ انکار کریں مگر ان کا علم تو دریا بھی مانتا ہے۔۔۔ اور یہ کرامت تا قیامت زندہ وتابندہ ودرخشندہ رہے گی۔" اقرار کرے یا انکار کرے یہ وفا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کا حکم آگ، پانی، ہوا اور زمین سبھی مانتے ہیں۔ برا ہو تعصب وحسد کا اللہ تعالیٰ سب کو ہدایت فرمائے اور بغض وکینہ حسد سے نجات دلائے۔ آمین۔

یوم فتح

انا فتحنا لک فتحا مبینا

قادیانی امت کا ٹسٹ کیس

غلامانِ محمد کی فیصلہ کن تحریک

قسط اول

آغا شورش کاشمیری کی شہرۂ آفاق تصنیف "تحریک ختم نبوت" کا آخری باب

یکم جون تا ۵ ستمبر تحریک ختم نبوت کی لمحہ بلمحہ کہانی

○

چیف سیکرٹری نے یاد کیا۔ اس نے کتابچہ دیکھ کر تصدیق کی کہ "چٹان" کا فوٹو سٹیٹ درست ہے اور فرمایا کہ اس چیز نے صوبہ بھر میں ایک تحریک کی صورت اختیار کر لی ہے جس سے لاء اینڈ آرڈر کا مسئلہ پیدا ہو گیا ہے۔ مرزا ناصر اور اس کی شوریٰ کے ارکان ہوا کے گھوڑے پر سوار تھے۔ انہوں نے ماضی کے واقعات سے بے نیاز ہو کر اپنا کام جاری رکھا اور نجی محفلوں میں تاثر دیتے رہے کہ ملک کا انقلاب ان کے ہاتھوں میں ہو گا اور وہ اس کی حیثیت حاکم ہوں گے۔ مرزا ناصر نے ربوہ میں عسکری تربیت کا ڈول ڈالا۔ اور جنگ کے تربیتی گھوڑوں کی نمائش پر انعامات کا اعلان کیا۔ اس غرض سے گھڑ دوڑ کی بنا ڈالی۔ اپنے پیروؤں سے ڈھائی کروڑ روپے طلب کئے اور اعلان کیا کہ یہ رقم پانچ کروڑ ہو جائے گی اور یہ اس روپے کی پردہ پوشی کے لئے حیلہ تھا جو عالمی استعمار کی معرفت ربوہ میں آ رہا تھا لیکن اس کا بڑا حصہ غیر ملکی بنکوں کی مد میں محفوظ رہتا تھا۔

مرزا ناصر احمد اور اس کے فرستادہ معتمدوں نے ملک بھر میں تذبذب پیدا کر رکھا تھا، ان کے حوصلے اس قدر بڑھ چکے تھے کہ ان کے فرستادہ مختلف قومی تنظیموں میں داخل ہو کر ان کی خبریں حاصل کرتے اور سیاسی تربیت پاتے تھے۔ اس زمانہ میں بعض سیاسی کارکنوں اور کئی ایک صحافیوں کو بالواسطہ یا بلاواسطہ خرید کیا گیا۔ مرزائی اس حد تک بے لگام ہو گئے تھے کہ اپنی طاقت کے ہلکے ہلکے تجربے کرنے لگے۔ انہوں نے ۱۵ جنوری ۱۹۷۴ء کی صبح کو چونڈہ کی ایک مسجد میں گھس کر اس کے پیش امام کو زدوکوب کیا۔ ایک قادیانی العقیدہ نوجوان رفیق باجوہ تعلیم الاسلام کالج ربوہ میں سٹوڈنٹس یونین کا صدر تھا۔ اس کی طبیعت نے قادیانیت کی سیاہ کاریوں کو دیکھ کر بغاوت کی تو اس کو جان بچانا مشکل ہو گئی۔ اس کے والد کو خلافت ربوہ کی طویل خدمات سے محروم ہونا پڑا، وہ جان بچا کر اپنے گاؤں چونڈہ پہنچے تو انہیں وہاں قتل کرنے کی کوشش کی گئی لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے محفوظ رہے۔ ادھر صلاح الدین ناصر کو سیالکوٹ ... مرزائی سرکاری رسوخ کی بدولت کوئی بھی کارروائی کرنے سے معذور تھے۔ چوہدری ظفر اللہ خاں ۱۸ جنوری

کوہاٹ کے راستے چپ چاپ قادیان گئے۔ وہاں ہندوستان کی حکومت کے سیاسی نمائندوں اور انٹیلی جنس بیورو کے افسر اعلیٰ سے ملاقات کی۔ چٹان نے اسی زمانہ میں اس کا انکشاف کیا، دوسرے کسی اخبار کو یہ توفیق نہ ہوسکی۔

مولانا شمس الدین بلوچستان کی صوبائی اسمبلی میں ڈپٹی سپیکر تھے ان کی عمر ۲۹ برس تھی۔ اہل ربوہ نے قرآن پاک میں تحریف کی اور یہ نسخے بلوچستان میں تقسیم کئے گئے تو اس کے خلاف جولائی ۱۹۷۳ء میں زبردست تحریک چلی۔ ماہ رمضان تک فورٹ سنڈیمن اور اس سے ملحقہ علاقہ نظم و نسق کے اعتبار سے معطل رہا۔ چالیس علماء گرفتار کئے گئے۔ مولانا شمس الحق کو فوج کے زیر حراست بیوند میں رکھا گیا۔ میر غلام قادر لسبیلہ نے ایک روایت کے مطابق آپ کو وزارتِ اعلیٰ کی پیشکش کی کہ نظم و نسق بحال کریں، آپ نے اس پیشکش کو ٹھکرا دیا اور اپنے اس مطالبہ پر قائم رہے کہ محرف قرآن کے تمام نسخے ضبط کئے جائیں اور قادیانی بلوچستان چھوڑ دیں۔ آخر صوبائی حکومت سپر انداز ہوگئی اس نے محرف قرآن کے تمام نسخے ضبط کر لئے اور قادیانیوں کو بلوچستان کو خیرباد کہنا پڑا۔ واقعہ یہ ہوا کہ قادیانی بلوچی مسلمانوں کی تاب نہ لاکر خود ہی رفوچکر ہوگئے۔ کچھ کوئٹہ میں رہ گئے۔

اس دوران مولانا منظور احمد چنیوٹی مکہ مکرمہ گئے اور وہاں ردِّ قادیانیت کی غرض سے قراء صاحبان کے استاذ مقرر ہوئے جو سعودی حکومت کی طرف سے بطورِ مدرس افریقہ کی مختلف ریاستوں کو جا رہے تھے، ان کی مساعی جمیلہ سے سعودی عرب سے وہ تمام قادیانی بھاگ گئے جو ان کے ملازم تھے اور اسرائیل کی خدمت بجالانے پر مامور تھے۔

میرزا ناصر سیاسی چالوں میں مشغول رہا۔ اس نے جماعت احمدیہ کی ایک مجلس مشاورت کو خطاب کرتے ہوئے اعلان کیا کہ جماعتِ احمدیہ کی صد سالہ جوبلی کے فنڈ میں ۹ کروڑ ۵۹ لاکھ سے زائد کے وعدے ہو چکے ہیں۔ صرف انگلستان سے ڈیڑھ کروڑ کے وعدے ہوئے ہیں اس کے علاوہ بیرون ملک کی احمدیہ جماعتوں نے چار کروڑ بارہ لاکھ ۴۵ ہزار ۳ سو ۵۰ روپے کے وعدے کئے ہیں۔ —————— ("الفضل" ربوہ ۳۰ مارچ ۱۹۷۹ء)

ایڈیٹر چٹان نے ہر شمارے میں قادیانی اُمت کے سیاسی محاسبہ کو اپنا شعار بنالیا حتیٰ کہ مرکزیہ مجلس اقبال کے جلسہ میں قادیانیت کے خلاف افکارِ اقبال کی روشنی میں ایک ایسی معرکۃ الآراء تقریر کی جس سے قادیانی ایوانوں میں تھرتھری پڑ گئی۔ مرزائی اخبارات نے ایڈیٹر چٹان کے خلاف طوفان بدتمیزی برپا کیا اور اقتدار کے خواب کی رَو میں اتنی فحش و فاش گالیاں دیں کہ ان کا جہل مرزا غلام احمد کی قبر کا فاتحہ ہوگیا۔ ایڈیٹر چٹان نے ۱۸ اپریل کو منکانہ میں تقریر کرتے ہوئے قادیانیت کے [illegible] تقریر کی اس میں کہا کہ مرزا غلام احمد برطانوی اغراض کا روحانی ایجنٹ تھا قادیان مرزائیت کا مکہ، ربوہ اعصابی مرکز، تل ابیب تربیتی مرکز اور واشنگٹن اس کا بینک ہے ——————

ہمیں یقین تھا کہ مسلمانوں کا
احتجاج قادیانیت کے تابوت
میں آخری کیل ثابت ہوگا

مکہ مکرمہ میں ۱۰ اپریل کو رابطہ عالم اسلامی کے زیر اہتمام دنیا بھر کے ایک سو سے زائد اسلامی تنظیموں کا ایک مشترکہ اجلاس

جب پاکستان نے اسرائیل کو تسلیم نہیں کیا تو حیفہ میں قادیانی مشن کیا معنی رکھتا ہے!

جس اس میں قادیانیت کو ملت اسلامیہ سے خارج قرار دیا گیا۔ اور اس سے متعلق دو ٹوک قرارداد منظور کی گئی کہ اس کا وجود برطانوی استعمار کا پروردہ ہے، اس نے مسلمانوں کے اجتماعی مفاد سے ہمیشہ غداری کی ہے۔ اس کے معابد و مراکز کی تعمیر اسلام دشمن طاقتیں کرتی ہیں۔ اس جماعت کے پیرو نہ صرف یہ کہ محرف قرآن مجید شائع کرتے ہیں؛ بلکہ عرب ریاستوں میں اسرائیل کے ایجنٹ ہیں۔ اس مؤتمر میں فیصلہ کیا گیا کہ اس جماعت کا ہر میدان میں مکمل بائی کاٹ کیا جائے، انہیں اہم سرکاری عہدوں سے الگ کیا جائے اور ان سے وہی سلوک کیا جائے جو دوسرے باطل فرقوں سے روا رکھا جاتا ہے۔ ایک سوالیہ جو تمام مندوبین کی زبان پر تھا کہ جب پاکستان نے اسرائیل کو تسلیم نہیں کیا تو حیفہ میں قادیانی مشن کیا معنی رکھتا ہے؟

مرزا ناصر مسلمانوں میں ہیجان و اضطراب کے باوجود اپنی مہرہ بازی میں مشغول تھا۔ کبھی اس کے فرستادہ ملک کی سیاسی تحریکوں اور تنظیموں میں شامل ہو کر ٹرپ کھیلنا چاہتے اور کبھی مسلمانوں کی مدافعت و مزاحمت یا جوش و جواب کو پرکھنے کے لئے مختلف تجربے کرتے۔ جب انہوں نے محسوس کیا کہ مسٹر ذوالفقار علی کی معرفت ملک کے اسلامی ذہن کو حسب منشا قتل نہیں کرا سکے اور دنیاوی اصطلاح کے مطابق دایاں بازو پر جھاڑو پھری ہے، بلکہ منبر و محراب کی دینی فضا جو ان کی محاسب قوت ہے پہلے سے کہیں تیز ہو رہی ہے حتیٰ کہ اوقاف کی مساجد میں بھی ان کے خلاف وعظ ہوتے ہیں تو وہ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کے خلاف ہو گئے جیسا کہ اس سے پہلے عرض کیا خلیفہ ربوہ کی صدارت میں چند سبکدوش مرزائی جرنیلوں نے جمع ہو کر وزیر اعظم بھٹو کے قتل کی سازش کی ان کے علاوہ بعض دوسرے لوگوں کو بھی قتل کرنے کرانے کا منصوبہ تیار کیا گیا لیکن یہ سب چیزیں مولانا تاج محمود ایڈیٹر لولاک کے مصدقہ ذرائع سے عوام تک پہنچتی رہیں۔ چٹان نے ان تمام عزائم کو اس شد و مد سے عوام کے سامنے رکھا کہ پورا ربوہ حیران رہ گیا کہ اس کے اسرار دروں پردہ تمام احتیاطوں کے باوجود چٹان اور لولاک تک کیونکر پہنچتے ہیں۔ کئی ایک قادیانی اسی شبہ پر ربوہ سے نکال دیئے گئے لیکن مرزا ناصر احمد غالباً اس غلط فہمی میں تھا کہ اس کی جماعت آئندہ پاکستان کی حکمران طاقت ہوگی۔ اس نے لاہور میں اپنی جماعت کو ہدایت دے کر وائی۔ ایم۔ سی۔ اے ہال لاہور میں سیرۃ النبی پر ایک جلسہ کروایا۔ اس کا صدر اپیل کورٹ کے ایڈووکیٹ جنرل راجہ سید اکبر کو بنایا۔ راجہ صاحب ایڈیٹر چٹان کے مقدمہ میں خصوصی شہرت حاصل کر چکے تھے۔ اس جلسہ سے قادیانیوں کا مقصد یہ تھا کہ مسلمان مزاحم ہوں تو ان سے معرکہ رچا لیا جائے اس غرض سے تمام قادیانی غنڈے مسلح ہو کر آئے۔ لیکن قادیانی محاسبہ کمیٹی نے ان تمام نوجوانوں کو سختی سے روک دیا جو سیرۃ النبی کی آڑ میں قادیانیت کی اس نمائش کو ناپسند کرتے تھے اور راجہ سید اکبر کی صدارت سے بیزار تھے۔ مرزائیت کا یہ جلسہ صحرا میں بوندا باندی کی طرح گزر گیا۔ مرزائیوں نے اپنی شرارتوں کو اس حد تک طول دیا کہ ملک غلام مصطفیٰ کھر کو وزارت علیا سے سبکدوشی کو بھی مرزا ناصر احمد کا معجزہ گردانتے ہیں معلوم نہ ہو سکا کہ ان سے ناراضگی کا سبب کیا تھا گو وجہ

سے ملک بھر کو رٹ لکھپت کی طرف مزدوروں کے ایک مظاہرے میں گئے تو راجہ منیر احمد نذیر پاپلے نے اپنی سرکاری حیثیت سے فائدہ اٹھا کر مرزائی نوجوانوں سے حملہ کرا دیا اور بری سے بری زبان استعمال کی۔

مرزائیوں نے ایک بڑا یہ حوصلہ کیا کہ ملک غلام مصطفیٰ کھر ایک دوست کے ہاں لائلپور (فیصل آباد) گئے تو ان کے خلاف ہنگامہ برپا کرایا اور ہنگامہ کرنے والے تقریباً سبھی نوجوان قادیانی تھے۔ ان نوجوانوں نے کھر کی کار پر پتھراؤ کیا۔ غرض ربوہ کی منصوبہ بندی کا خلاصہ یہ تھا کہ مختلف تجربوں کی ترازو میں تول کر مسلمانوں کا وزن معلوم کر لیا جائے کہ اب ان کی طاقت کیا ہے اور وہ کس حد تک مزاحمت و مدافعت کر سکتے ہیں۔ اسی کا حصہ ربوہ ریلوے اسٹیشن پر ۲۹ مئی کا سانحہ تھا۔

مرزا ناصر کی شہ پر نشتر میڈیکل کالج کے تک بھگ ایک سو طلبہ کو مرزائی غنڈوں نے اس بری طرح زدوکوب کیا کہ تیرہ درجن طلبہ ہلکان ہو گئے اور جب گاڑی مرزا غلام احمد کے بزدلوں کی مشق ناز کے بعد لائلپور پہنچی تو غم و غصہ کی ایک طوفانی لہر دوڑ گئی، دیکھتے ہی دیکھتے آنکھوں شہر سے دس ہزار افراد پلیٹ فارم پر جمع ہو گئے۔ ڈپٹی کمشنر اور سپرنٹنڈنٹ پولیس بھی بھاری جمعیت کے ساتھ آ گئے۔ انہوں نے نہایت تدبر و فراست سے صورتحال پر قابو پایا، ورنہ عوام کے جذبات آتش کدہ کے شعلوں کی طرح کھول رہے تھے۔

اس واقعہ کی تفصیلات یہ ہیں کہ ۲۲ مئی کو نشتر میڈیکل ملتان کے ایک سو طلبہ سیاحت کی غرض سے پشاور جا رہے تھے کہ ربوہ اسٹیشن پر انہوں نے ختم نبوت زندہ باد کے نعرے لگائے۔ ان طلبہ میں ایک دو طلبہ قادیانی بھی تھے۔ انہوں نے اپنے آقاؤں کو حسب ہدایت واپسی پر ان طلبہ کی پٹائی کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ جب ۲۹ مئی کو چناب ایکسپریس پشاور سے چلی تو ربوہ کے اوباش تیار ہو گئے اور گاڑی کی آمد سے پہلے تقریباً ۵ ہزار مرزائی لاٹھیوں، کلہاڑیوں، ہاکیوں، خنجروں، تلواروں اور پستولوں سے مسلح ہو کر پلیٹ فارم پر جمع ہو گئے۔ جب گاڑی ربوہ سے پہلے نشتر آباد کے اسٹیشن پر پہنچی تو اس کے قادیانی العقیدہ اسٹیشن ماسٹر نے ربوہ کے ہم عقیدہ اسٹیشن ماسٹر کو طلبہ کی بوگی کا نشان دیا اور تیاری کو مستعد کرنے کے لئے گاڑی کی روانگی میں تاخیر کرائی۔ علاوہ جب گاڑی ربوہ پہنچی تو ان ہزاروں افراد نے طلبہ کی بوگی پر حملہ کر دیا۔ طلبہ نے وحشیانہ ہجوم کو دیکھ کر بوگی کے دروازے بند کر کے انہیں مقفل کر لیں، لیکن درندوں نے دروازے اور کھڑکیاں توڑ ڈالیں اور اندر گھس گئے اور تمام طلبہ کو بری طرح زدوکوب کیا۔ تیس طلبہ بہت زخمی ہوئے۔ نشتر میڈیکل کالج یونین کے صدر ارباب عالم کو اس بری طرح پیٹا کہ وہ بے ہوش ہو گئے۔ ربوہ کے اسٹیشن ماسٹر نے سگنل ہونے کے باوجود گاڑی کو چلنے نہ دیا اور قادیانی غنڈوں کا ساتھ دیتا رہا۔ نوائے وقت کے نامہ نگار کی روایت کے مطابق یہ سارا سانحہ قادیانی سرگروہ کے اشارے پر ہوا کہ گاڑی کا عملہ غیر مسلح تھا۔

پنجاب کے وزیر اعلیٰ نے واقعہ ربوہ کی عدالتی تحقیقات کا حکم دیا اور جسٹس صمدانی کو تحقیقاتی افسر مقرر کیا

اور طلبہ کی نشاندہی کریں۔ ان حملہ آوروں میں تعلیم الاسلام کالج ربوہ کے طلبہ مع اساتذہ، اکثر دکاندار اور کچھ ایک قصر خلافت کے متعلقین تھے۔ انہوں نے طلبہ کی پٹائی کے علاوہ ان کا سامان بھی چھین لیا اور مال غنیمت سے لے گئے۔ دلچسپ پہلو یہ تھا کہ مرزائی اپنے ساتھ ادارہ نصرت کی تین چار سو عورتیں بھی لائے تھے جو طلبہ کی پٹائی پر تالیاں پیٹتیں اور رقص کرتی رہیں۔ جب گاڑی لائلپور پہنچی تو ایک طوفان برپا ہو گیا، مسلمانوں کا احتجاج کھول رہا تھا مولانا تاج محمود ایک ایک اسٹیشن پر پہنچ گئے، عوام کو صبر و تحمل کی تلقین کی اور طلبہ کو یقین دلایا کہ جو زخم ہیں ان کے بدن پر لگے ہیں وہ مرزائیت کے تابوت میں آخری کیل ثابت ہوں گے اور اب اس واقعہ کو کسی قدر نظر انداز نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ ربوہ کے شعبدہ بازوں کو کیفر کردار تک پہنچا کے دم لیں گے۔ اسی وقت مولانا تاج محمود اور مولانا فضل رسول نے ایڈیٹر چٹان کو فون پر ان حالات سے مطلع کیا اور اگلی صبح ایڈیٹر چٹان نے لاہور کے معتمد علماء اور سیاسی زعما کو اپنے دفتر میں اجلاس میں بلوایا۔ اس بھرپور اجلاس میں دھواں دار تقریریں ہوئیں اور اس امر کا فیصلہ کیا گیا کہ دو روز میں سرکردہ علماء کو بلا کر طے کیا جائے کہ آئندہ اقدام کیا ہو گا اور مرزائیت کو اس کے منطقی انجام پر کیونکر پہنچایا جا سکتا ہے۔ لائلپور کے علماء اور مقامی انتظامیہ ڈپٹی کمشنر اور پولیس سپرنٹنڈنٹ نے عوام کے مشتعل جذبات کو ٹھنڈا کیا چناب ایکسپریس زخمی طلبہ کو لیکر ملتان روانہ ہو گئی، وہاں مجروحین کو علاج کے لئے ہسپتال میں داخل کیا گیا۔ ملتان نشتر کالج کے طلبہ نے اپنے ساتھیوں کو دیکھا تو ان کو سخت غصہ آ گیا۔ انہوں نے قادیانی طلبہ کو نرغے میں لے کر طارق ہوسٹل اور سینا ہوسٹل سے قادیانی طلبہ کا سامان باہر نکال کر آگ لگا دی پھر بشیر میڈیکل ہال اور شبستان ہوٹل پر حملہ کر دیا۔ اور کچھ نقصان پہنچایا پولیس نے دونوں اداروں کو بچا لیا۔ ۳۰ مئی کو سانحہ ربوہ کی خبر اخبارات کے ذریعے پورے ملک میں پھیل گئی اور ہر جگہ مرزائیت کے خلاف لہر دوڑ گئی اور قدیم مطالبہ میں گونج پیدا ہو گئی کہ مرزائیت مسلمانوں کا حصہ نہیں، انہیں خارج از اسلام قرار دے کر علیحدہ اقلیت قرار دیا جائے۔ راقم نے ۳۱ مئی سے ۷ ستمبر تک جب مرزائیت کو نیشنل اسمبلی نے اسلام سے خارج قرار دیکر علیحدہ اقلیت قرار دیا۔ اس تحریک کے متعلق تاریخ وار ایک اشاریہ مرتب کیا تھا جس سے واقعات کی رفتار کے علاوہ عوام کے جذبات کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں نے اس جدوجہد میں کیونکر کامیابی حاصل کی اور مرزائیوں کے جماعتی وجود کا تعین کیونکر ہوا۔ تمام روزنامچہ من وعن درج ذیل ہے۔

سانحہ ربوہ کی خبر اخبارات کے ذریعے پورے ملک میں پھیل گئی اور مرزائیت کے خلاف ایک لہر دوڑ گئی

۳۱ مئی: تمام صوبے میں ۳۰ مئی کو ربوہ کے واقعہ پر زبردست مظاہرے ہوئے، اکثر شہروں میں مکمل ہڑتال ہوئی۔ کئی جگہ قادیانیوں کے مکانوں اور دکانوں کو نذر آتش کیا گیا، پولیس کو اکثر جگہ لاٹھی چارج کرنا پڑا، آنسو گیس کے گولے پھینکے اور بعض جگہ فائرنگ بھی کی، جس سے متعدد افراد زخمی ہوئے۔ بعض شہروں میں اکثر مظاہرین کو گرفتار کیا گیا۔ ہر جگہ ربوہ کو کھلا شہر اور مرزائیوں کو اقلیت

قرار دینے کا مطالبہ کیا گیا۔ حکومت سے کہا گیا کہ اس سانحہ کی عدالتِ عالیہ کے کسی جج سے تحقیقات کرائی جائے۔ سرگودھا میں تمام کاروبار بند رہا۔ تاجر، طلبا، مزدور اور شہری سڑکوں پر نکل آئے، مرزائیوں کی دکانوں پر پتھراؤ کیا گیا۔ انہوں نے اپنی کاروں سے ہجوم پر فائرنگ کی۔ بعض طلبہ کو پکڑ کر حبسِ بیجا میں رکھا، زدوکوب کیا اور شدید زخمی کر دیا۔

ڈسٹرکٹ بار ایسوسی ایشن کے وکلاء نے سانحہ ربوہ کے خلاف زبردست احتجاجی جلوس نکالا جس کی قیادت بار کے صدر چوہدری محمد جمیل ایڈووکیٹ نے کی۔ قاری عبد السمیع، رانا ظہور احمد، مفتی محمد طفیل گوندی اور دوسرے رہنماؤں نے مختلف احتجاجی اجتماعات سے خطاب کیا اور حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ سانحہ ربوہ کے تمام مجرموں کو گرفتار کرے اور قرار واقعی سزا دلوائے ورنہ حالات کی ذمہ داری حکومت پر ہوگی۔ پولیس نے ربوہ کے اسٹیشن پر حملہ کرنیوالے ستّر قادیانیوں کو گرفتار کر کے سرگودھا جیل میں بھیجا، جن افراد نے سرگودھا میں مظاہرین پر فائرنگ کی انہیں سٹی پولیس نے زیرِ دفعہ ۳۰۷ مع اسلحہ گرفتار کر لیا تمام شہر میں سخت اضطراب پایا جاتا ہے۔ راولپنڈی شہر کے تمام بازار اور منڈیاں بند رہیں کل صدر بازار کے دکاندار بھی احتجاجی ہڑتال کر رہے ہیں۔ شاہراہ پہلوی پر قادیانیوں کی کمپنی شیزان کے دارالمطالعہ پر تقریباً ڈیڑھ سو لڑکوں نے دھاوا بول دیا۔ اس کے لٹریچر اور فرنیچر کو نذرِ آتش کر دیا۔ لائلپور میں مکمل ہڑتال رہی۔ ایک زبردست ہجوم نے کئی ایک محلوں میں بٹ کر مرزائیوں کی دکانوں کو نذرِ آتش کر دیا۔ تمام کالجوں اور سکولوں نیز زرعی یونیورسٹی کے طلباء نے کلاسوں کا بائیکاٹ کیا۔ اکثر جگہ پر طلبا اور پولیس میں ٹکراؤ ہوا۔ تمام شہر میں سکیورٹی فورس اور ڈسٹرکٹ پولیس گشت کرتی رہی۔ مظاہرین نے اپنے احتجاج و اقدام میں مستعدی جاری رکھی۔ ڈسٹرکٹ بار ایسوسی ایشن نے عدالتوں کا بائیکاٹ کرنے اور احتجاجی جلوس نکالنے کا فیصلہ کیا۔ تمام سیاسی، دینی اور قومی جماعتوں نے مرزائیوں کو مسلمانوں سے الگ کئے جانے کا مطالبہ دہرایا اور حکومت پر زور دیا کہ انہیں خارج از اسلام قرار دینے کا دیرینہ مطالبہ فوری طور پر قبول کرے۔ تمام جماعتوں کا ایک مشترکہ اجلاس کچہری بازار کی جامع مسجد میں منعقد ہوا۔ مفتی زین العابدین، مولانا تاج محمود، مولانا طفیل محمد ضیاء، چوہدری صفدر علی رضوی اور ملک احمد سعید اعوان نے سانحہ ربوہ پر زبردست تقریریں کیں اور مرزائیوں سے متعلق مسلمانوں کا متفقہ فیصلہ صادر کیا۔ اس کے بعد ایک زبردست جلوس نکالا گیا جو حبیب بینک کی بڑی بلڈنگ کے سامنے پُرامن طور پر ختم ہو گیا۔ پولیس نے مظاہرہ کرنے کی بناء پر چالیس افراد کو حراست میں لے لیا جن میں زیادہ تر طلبہ ہیں۔ مرزائیوں کی بہت بڑی تعداد بھاگ کر ربوہ چلی گئی ہے۔ ضلع کے تمام بڑے قصبوں ٹوبہ ٹیک سنگھ، گوجرہ، کمالیہ، سمندری، جڑانوالہ، چک جھمرہ وغیرہ میں زبردست احتجاجی مظاہرے ہوئے ایک مرزائی کی دکان کے تجارتی سامان کو نقصان پہنچایا گیا۔ گوجرہ میں چوہان میڈیکل سٹور، رفیق میڈیکل سٹور، سنگر کی ایک ایجنسی اور کپڑے کی ایک دکان کو جلا دیا گیا۔ شہر میں دفعہ ۱۴۴ نافذ کر دی گئی۔ پولیس نے اب تک ۵۰ افراد کو گرفتار کیا ہے اور کئی جگہ اشک آور

حکومتِ پنجاب نے تحفظِ امنِ عامہ آرڈیننس کے تحت اخبارات پر پابندی عائد کر دی

پنجاب اسمبلی میں حزبِ اختلاف نے مطالبہ کیا کہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے

گرفتاریاں جاری کر دی ہیں۔ چک جھمرہ میں زبردست احتجاجی مظاہرے کئے گئے اس کی نواحی بستیوں میں بھی احتجاج کا زور دیکھا گیا۔ اکثر جگہ مرزائیوں کی دکانوں اور مکانوں کا سامان جلا کر راکھ کر دیا گیا۔ مقامی مرزائی جماعت کے امیر کا جنرل سٹور لوٹ کر آگ لگا دی گئی۔ یہ آگ اتنی پھیلی کہ لائلپور سے فائر بریگیڈ نے پہنچ کر قابو پایا لیکن اسوقت تک پورا سٹور اور دکان جل کر راکھ کا ڈھیر بن چکی تھی۔ ہجوم کو اس قدر غصہ تھا کہ مرزائیوں کے گھروں اور دکانوں کے دروازے کھڑکیاں اور چھتیں تک اکھاڑ کر نذرِ آتش کر دیں علاقے کے بجلی گھر کا ایس ڈی او مرزائی تھا اس کے گھر پر حملہ کیا اور سامان نکال کر آگ لگا دی۔ جڑانوالہ میں مکمل ہڑتال کی گئی۔ مطالبات کا اعادہ کیا گیا۔ رحیم یار خان میں مکمل ہڑتال ہوئی اور ایک زبردست جلوس کا اعادہ کیا گیا جھنگ میں جمعیۃ علمائے اسلام کے زیرِ اہتمام احتجاجی جلوس نکالا گیا۔ سارا شہر بند رہا۔ سلانوالی میں مظاہرے ہوئے حتیٰ کہ طالبات نے بھی جلوس نکالا، تمام قصبے ہڑتال کی۔ خانیوال میں نوجوانوں اور طالب علموں نے زبردست مظاہرہ کیا اور بلاک نمبر ۱۱ میں واقع احمدیہ لائبریری کو آگ لگا دی، ایک مرزائی عورت نے ہجوم پر فائرنگ کی عوام نے پتھراؤ کیا۔ پولیس نے حالات کو بگڑنے سے بچا لیا، شہر میں ہڑتال رہی سیکورٹی پولیس کے مسلح دستے گشت کر رہے تھے۔ کئی ایک نوجوانوں کے علاوہ طالب علم رہنما طارق جاوید کو گرفتار کر لیا گیا۔ کھاریاں میں دو میل لمبا جلوس نکالا اور پُرامن مظاہرے کے بعد منتشر ہو گیا۔ ساہیوال میں ۱۲ بجے دوپہر سے مکمل ہڑتال ہے تمام تنظیموں کے مشترکہ اجلاس میں مرزائیوں کو اقلیت قرار دینے اور سانحہ ربوہ کی تحقیقات کرنے کا مطالبہ کیا گیا۔ چنیوٹ میں زبردست جلوس نکالا گیا۔ شاہ میڈیکوز کے قادیانی العقیدہ مالک کے مکان کی چھت سے جلوس پر شدید خشت باری کی گئی جس سے ہجوم بے قابو ہو گیا اور شہر میں مرزائیوں کی تمام دکانوں کو شاہ میڈیکوز سمیت نذرِ آتش کر دیا گیا ایک قادیانی العقیدہ دندان ساز کے مکان سے جلوس پر اندھا دھند فائرنگ کی گئی جس سے متعدد طلبہ زخمی ہو گئے تین کی حالت نازک بیان کی جاتی ہے۔ شہر میں مکمل ہڑتال ہے جو کل بھی جاری رہے گی۔ گجرات میں ڈسٹرکٹ بار ایسوسی ایشن اور مختلف دینی رہنماؤں نے زبردست ردِ عمل کا اظہار کیا کئی ایک جلوس نکالے گئے اور حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ اس سلسلے میں مسلمانوں کے مطالبات کو بلا تاخیر منظور کرے۔ ملتان میں انتظامیہ نے کالج کے ہوسٹل بند کرا دیئے اور طلبہ کو فوری طور پر گھروں کو چلے جانے کا حکم سنا دیا۔ تمام شہر میں ڈسٹرکٹ پولیس کے ہمراہ سیکورٹی فورس گشت کر رہی ہے۔ پولیس نے چھ طالب علم لیڈروں کے علاوہ کئی ایک افراد کو دفعہ ۱۴۴ کی خلاف ورزی اور ڈیفنس آف پاکستان رولز کے تحت گرفتار کیا ہے شہر میں ایک ہفتے کے دن سے ہڑتال ہے۔ ڈسٹرکٹ بار ایسوسی ایشن نے ربوہ کو کھلا شہر قرار دینے اور سانحہ ربوہ کے حقیقی مجرموں پر کھلی عدالت میں مقدمات قائم کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔
پنجاب اسمبلی میں حزبِ اختلاف کے ارکان نے سانحہ ربوہ کے پیشِ نظر حکومت سے مطالبہ کیا کہ مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت

قرار دیا جائے، انہیں کلیدی آسامیوں سے سبکدوش کر دیا جائے اور ربوہ سانحہ کی تحقیقات اعلیٰ سطح پر ہو۔ مجرموں کو عبرتناک سزا دی جائے۔ اس بحث میں ۱۲ ارکان نے حصہ لیا۔ علامہ رحمت اللہ ارشد نے اپوزیشن کی طرف سے شاندار الفاظ میں مرزائیت کا تجزیہ کیا۔ سید تابش الوری نے معرکۃ الآراء تقریر کی۔ ملک خداداد بندیال نے پر جوش خیالات کا اظہار کیا۔ حاجی محمد سیف اللہ نے مسلمانوں کے جذبات کی نمائندگی کی۔ مخدوم زادہ حسن محمود نے بھی تائیدی تقریر کی۔ حافظ علی اسد اللہ نے اقرار کیا کہ مرزائی پاکستان میں بھی اسرائیل قائم کرنا چاہتے ہیں۔ میاں خورشید انور، چوہدری امان اللہ خان، زادہ خان، محمد دستگیر ہاشم نے اپوزیشن کے دوسرے لیڈروں کی ہمنوائی میں تحریک ہائے التواء کی تائید کی لیکن سپیکر نے یہ کہہ کر اجازت نہ دی کہ مسئلہ عدالت میں پیش کر دیا گیا ہے۔ اس پر حزب اختلاف کے ارکان نے کھڑے ہو کر ختم نبوت زندہ باد کے نعرے لگائے۔

آج پھر قادیانیت کے مسئلے کو ایک تحریک کی شکل دینے کے لئے دفتر چٹان لاہور میں مقامی علماء و زعماء کا ایک اہم اجلاس ہوا جس میں سیاسی جماعتوں کے نمائندے بھی شریک ہوئے۔ اس میں اجلاس کو ایک وسیع شکل دینے کا فیصلہ کیا گیا۔ گورنمنٹ کالج اسلامیہ کالج اور ایم اے او کالج کے طلبہ نے احتجاجی مظاہرے کئے۔ دفعہ ۱۴۴ کی خلاف ورزی کرنا چاہی تو پولیس نے آنسو گیس چھوڑ کر انہیں منتشر کر دیا۔ یونیورسٹی نیو کیمپس کے ہوسٹلوں میں سے قادیانی طلباء کو مسلمان طلباء نے نکال کر بھگا دیا۔ لاہور کے تجارتی مراکز میں ہڑتال رہی اور نصف دن کے بعد تمام مارکیٹیں بند ہو گئیں، کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج، فاطمہ جناح میڈیکل کالج، انجینئرنگ یونیورسٹی اور دوسرے تمام کالجوں کی سٹوڈنٹس یونینوں نے ربوہ کی جارحیت کے خلاف احتجاج کیا اور قادیانیوں کے مسلمانوں سے الگ کئے جانے کا مطالبہ دہرایا۔ جمعہ کے روز تمام کالج احتجاجاً بند رہے۔ تمام شہر میں مرزائیت کے خلاف غم و غصہ کی لہر دوڑ رہی تھی، تمام ہوسٹل بند کر دیئے گئے۔ قادیانی طلبہ بھاگ گئے۔ پنجاب یونیورسٹی کو ماتحت کالجوں سمیت غیر معینہ عرصہ کے لئے بند کر دیا گیا۔

مسٹر جاوید ہاشمی سابق صدر پنجاب یونیورسٹی سٹوڈنٹس یونین نے طلبہ کو پر امن رہنے اور احتجاج کو منظم کرنے کی تلقین کی۔ مسٹر رامے وزیر اعلیٰ پنجاب نے واقعہ ربوہ کی عدالتی تحقیقات کا حکم دے دیا۔ چیف جسٹس سردار محمد اقبال نے مسٹر جسٹس کے ایم صمدانی کو تحقیقاتی افسر مقرر کیا۔ راقم نے مقامی زعماء کے ساتھ شہر کا دورہ کیا اور مسلمانوں کے جذبات سے آگاہ [illegible] تمام مکتبہ خیال پر مشتمل مجلس عمل قائم کرنے کے لئے مولانا [illegible] اور مولانا محمد شریف جالندھری کے مشورہ سے [illegible] اطراف کو تار دیئے گئے۔ راقم نے اس سلسلہ میں [illegible] کے اور مسلمانوں کے تمام فرقوں کی طرف سے تحفظ [illegible] یقین دلایا [illegible]

پنجاب اسمبلی میں حزب اختلاف نے اپنی نشستوں سے اٹھ کر ختم نبوت زندہ باد کے نعرے لگائے

حافظ مسعود الحسن رشیدی
فاضل اشرفیہ

تذکرۂ بزرگان

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

اسلام کی چودہ صدیوں میں ہر صدی میں کچھ ایسے لوگ اُبھرتے رہے جنہوں نے اسلام کے اصُول معتقائد اور اساس اعمال کو ہر قیمت پر زندہ رکھا اور اس تاریخ میں کوئی ایسا دور نہیں آیا جب قرآن کی تعبیر اور اسلام کی تصویر تماما تحریف کی نذر ہو چکی ہو۔ ورنہ اسلام ایک زندہ مذہب نہیں رہتا۔ پھر یہ ایک مجموعہ دساتیر ہے، زندگی کا تسلسل نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر زمانہ میں ایسے افراد پیدا کئے جن کی زندگی اظہار حق اور ابطال باطل کے لئے وقف رہی۔ ناسازگار حالات اور الحاد کی لہریں انہیں ایک انچ بھی شاہراہ عظیم سے نہ ہٹا سکیں۔ یہ پاک شخصیتیں گو علی الانفراد معصوم نہیں مگر ان کا مجموعی موقف ضرور معصوم رہا ہے۔ یہی اسباب کی وہ دنیا ہے جس کے ذریعے دین کی ابدی حفاظت ہوئی۔ اور اللہ پاک کا وعدہ پورا ہوا: انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون "بے شک ہم نے قرآن پاک اُتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنیوالے ہیں" (پ ۱۴ : سورۃ الحجر)

اسلامی تاریخ کا ایک ایک صفحہ ہزاروں ہزار ہیروں اور موتیوں سے بھرا پڑا ہے اور ان میں جو بھی نظر آتا ہے مع اپنی خصوصیات کے لحاظ سے بڑا ہی نظر آتا ہے۔ محدثین ہوں یا مفسرین، فقہاء ہوں یا متکلمین، صوفیاء ہوں یا عارفین، حکماء ہوں یا اصولیین، اخباری ہوں یا مؤرخین، غزات ہوں یا مجاہدین، خلفاء ہوں یا سیاسیین اُمت کے جس دور پر بھی نگاہ ڈال جائے وہ بیس تیس، پچاس نہیں، ہزاروں کی تعداد میں نظر پڑیں گے اور سب اپنے اپنے رنگ کا ہر ایک بڑا ہی نظر پڑے گا۔ جو ایک ہو کر بھی ایک اُمت کے برابر ہوگا: آج جس گراں قدر ہستی کا ذکر کیا جا رہا ہے ان کے متعلق بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کی پوری زندگی کتاب و سنت کی اشاعت و تبلیغ اور ملک و ملت کی آزادی کے لئے وقف تھی اور اس فریضہ کو ادا کرتے ہوئے انہوں نے اپنی پاکیزہ زندگی میں علم و بصیرت، تقویٰ و ایثار، جہد و عمل اور خلوص و للّٰہیت کی ایسی تابندہ و درخشندہ روایات قائم کی ہیں جس کی بہت کم مثالیں تاریخ عالم میں ملتی ہیں۔ وہ عظیم شخصیت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

آپ ۵۳۲ھ ایران کے علاقہ سیستان میں پیدا ہوئے لیکن آپ کی تعلیم و تربیت خراسان میں ہوئی آپ کے والد کا نام شریف غیاث الدین سنجری تھا۔ آپ ہندوستان کے امام الطریقت تھے۔ آپ ہی سے ہندوستان میں علوم معرفت پھیلا اور سلسلہ چشتیہ ہندوستان میں آپ سے ہی پھیلا، اور ہندوستان میں جتنے لاکھ آدمی آپ کے ہاتھ پر [illegible]

آپ کا نسب اوپر کی طرف گیارہ پشت پر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے اور نیچے کی طرف شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے ہوتا ہوا حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی بانی دار العلوم دیوبند اور حضرت شاہ عبد الرحیم رائے پوری سے نسلی ور نسلی آگے چلا آتا ہے۔ فللہ الحمد

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا ہر مدعی کیواسطے دار و رسن کہاں

آپ کے کمالات لامتناہی ہیں، حتیٰ کہ کہتے ہیں کہ جس پر نظر ڈالتے تھے۔ صاحب معرفت ہو جاتا تھا علوم ظاہریہ وباطنیہ دونوں میں کمال حاصل تھا۔ آپ پندرہ سال کے تھے کہ یتیم ہو گئے۔

سلوک کی ابتدا تقسیم وراثت میں آپ کے حصے میں ایک باغ اور ایک پن چکی آئی جس کی آمدنی سے آپ بسر اوقات کرتے تھے۔ ایک روز آپ اپنے باغ میں تشریف فرما تھے اور درختوں کو پانی دے رہے تھے کہ ایک مجذوب شیخ ابراہیم قندوزی باغ میں تشریف لائے۔ حضرت نے بڑے تپاک سے ان کا خیر مقدم کیا، ایک سایہ دار درخت کے نیچے انکو بٹھایا اور انگوروں کا خوشہ ماحضر کے طور پر پیش کیا۔ قلندر بابا نے برغبت تمام یہ انگور کھائے اور حضرت خواجہ کی مہمان نوازی اور ذوق و شوق سے خوش ہو کر ایک کھانے کی چیز اپنی بغل سے نکال کر چباؤ اور حضرت کو کھلا دی۔ تذکرہ نگار لکھتے ہیں کہ اس کے کھاتے ہی انوار الٰہی جلوہ گر ہوئے اور حضرت کا دل دنیا سے متنفر ہو گیا۔ تمام جائیداد منقولہ و غیر منقولہ فروخت کر کے مساکین میں تقسیم کی اور ثمرقند کا رخ کیا۔ وہاں حفظ قرآن اور تعلیم علوم ظاہری میں مشغول رہے اس سے فراغت کے بعد عراق تشریف لے گئے اور قصبہ ہارون میں پہنچ کر خواجہ ہارون سے بیعت ہو گئے۔ ایک عرصہ دراز تک ان کی خدمت میں رہے اور کمال مجاہدہ اور ریاضت کے بعد ان سے خرقہ خلافت حاصل کیا۔

اتباع سنت کا ایک واقعہ حضرت حکیم الامت مولانا سید اشرف علی تھانوی اپنے ملفوظات میں تحریر فرماتے ہیں کہ میں نے بزرگان سلف کے تذکرے دیکھے ہیں۔ ان کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ ان کی حالت اور طرز وہ نہ تھا جو آج کل کے اکثر مشائخ کا ہے ان تمام مشائخ کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ اتباع شریعت کو وصول الی اللہ کے لئے چنداں ضروری نہیں سمجھتے اور ان کا اعتقاد ہے کہ شریعت اور ہے اور طریقت اور ہے بلکہ بزرگان سلف کا حال تقویٰ، طہارت اور اتباع سنت میں صحابہؓ کا سا تھا۔ چنانچہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کا قصہ لکھا ہے کہ آپ وضو کرنے میں ایک خلال کرنا بھول گئے تو غیب سے آواز آئی کہ محبت رسول کا دعویٰ اور سنت ترک؟ آپ نے فوراً توبہ کی کہ آئندہ ایسی حرکت نہیں کروں گا اور لکھا ہے کہ آپ کی یہ حالت تھی کہ جہاں آپ کی

یہ پاک شخصیتیں گو علی الانفراد
معصوم نہیں
مگر ان کا مجموعی موقف ضرور
معصوم رہا ہے

کہ آپ ؒ نے اُٹھتے کہ قیامت کو اس کی سزا نہ ہو تو اتباعِ سُنّت میں ان حضرات کا یہ حال تھا جو حضرات صحابہؓ کا تھا۔

مہتمم دار العلوم دیوبند حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہٗ تحریر فرماتے ہیں کہ :

"اولیاء اور صوفیاءِ عظام کا طبقہ علماءِ دیوبند کی رُو سے امت کے لئے رُوحِ رواں کی حیثیت رکھتا ہے جس سے اس اُمّت کی باطنی حیات وابستہ ہے جو اصل حیات ہے۔ اس لئے علماءِ دیوبند ان کی محبت و عظمت کو تحفظ ایمان کے لئے ضروری سمجھتے ہیں مگر غلو کیساتھ اس محبت و عقیدت میں انہیں ربوبیت کا مقام نہیں دیتے۔ ان کی تعظیم شرعاً ضروری ہے۔ لیکن اس کے معنی عبادات کے نہیں لیتے کہ انہیں یا ان کی قبروں کو سجدہ و رکوع یا طواف و نذر یا منت و قربانی کا محل بنا لیا جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ سیدنا حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ، حضرت سید احمد کبیر رفاعیؒ، حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ، حضرت علی ہجویریؒ، حضرت شیخ معین الدین چشتی اجمیریؒ اور حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے بجیہ خلفین۔ اور ان کے فیوض سے زندگی کے خاکوں میں اتباعِ سنت کا رنگ بھرنے والے یہی بزرگان کرام ہیں۔

ان حضرات کا فیض رُوحانی اعمال تسخیر سے نہیں، اعمالِ سنت سے قائم ہے۔ یہ حضرات باقاعدہ چشتی، سُہروردی نقشبندی اور قادری نسبتوں سے انتساب رکھتے ہیں۔ بلکہ اگر انصاف سے دیکھا جائے تو حکمت اور تزکیۂ نفس کا یہ رستہ اب صرف اسی ملک کے لوگوں سے آباد ہے۔ یہ حضرات علم و عمل ہر دو ابواب میں اسا دو پہلو قائم رکھتے ہیں۔

خوارق و کرامتؒ

حضرت شیخؒ کی کرامات کافی ہیں، لیکن صرف ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے :

ایک مرتبہ آپؒ سفر میں ہرات تشریف لے گئے وہاں ایک شیعی امیر تھا وہ اسقدر متعصب تھا کہ حضرات ثلاثہؓ کے نام پر اگر کوئی شخص نام رکھتا تھا تو وہ اسکو قتل کرا دیتا تھا۔ حضرت شیخؒ کا گذر اس کے خاص باغ میں کو ہوا۔ آپؒ لبِ حوض تشریف فرما ہوگئے۔ وہ شخص باغ میں آیا۔ اور حضرتؒ کو لبِ حوض دیکھ کر غضبناک ہو کر کسی تکلیف دہی کا ارادہ کیا ــــــ حضرتؒ نے اس پر ایک نگاہ ڈالی وہ بیہوش ہو کر گر گیا۔ حضرت شیخؒ نے اس پر حوض کا پانی ڈالا جس سے وہ ہوش میں آ گیا، لیکن اس حالت میں کہ سنت معتقد تھا اور مع اپنے ارکین کے حضرتؒ سے بیعت ہوا، اور خلافت ظاہری و باطنی سے آپکا جانشین امیر ہوا۔ پھر ایک بڑی رقم نذرانہ کی پیش کرنا چاہی مگر حضرتؒ نے یہ فرمایا کہ یہ مال تمہارا تھا نہیں حق نے واپس کر دیا۔ اس سفر میں بہت سی کرامتیں حضرت سے صادر ہوئیں۔ حضرت کثیر المجاہدہ تھے۔ ستر سال رات کو نہیں سوئے۔

○

ہمہ غافل از حکمِ دین و شریعتؒ
ہمہ بے خبر از خُدا و پیمبرؐ
نہ ہرگز کسے دیدہ ہنجارِ قبلہ
نہ ہرگز شنیدہ کسی اللہ اکبر

آپ کے کمالات بیان و تحریر سے باہر ہیں۔ آپ کے کمال کی انتہا ہے کہ آپ کے شیخ آپ کی صحبت پر فخر کرتے تھے۔ سیر الاولیا میں بھی آپ کی دینی اور تبلیغی کامیابی کی نسبت لکھا ہے۔

دوسری کرامت یہ کہ آپ کے آنے سے پہلے تمام ہندوستان میں کفر و بت پرستی کا رواج تھا اور ہند کا ہر ایک سرکش انسان بتکم انا الاعلیٰ کا دعویٰ کرتا تھا اور اپنے آپ کو اللہ کا شریک سمجھتا تھا اور وہ سب پتھر، ڈھیلے، درخت جانور اور گائے کو سجدہ کرتے تھے۔ کفر کی تاریکی سے ان کے دلوں کے تالے اور بھی مضبوط ہو رہے تھے۔

آپؒ کے ہند میں تشریف لانے سے جو کہ اہل یقین کے آفتاب اور در حقیقت معین الدین تھے اس ولایت سے کفر کی تاریکی نورِ اسلام سے روشن و منور ہو گئی۔

جود و سخاوت

حضرت خواجہ قطب الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے نقل ہے کہ میں بیس سال حضرت کی خدمت میں رہا ہوں، کبھی کسی کو حضرتؒ نے انکار نہیں فرمایا۔ جب کوئی شخص مانگنے آتا حضرت مصلیٰ کے نیچے ہاتھ ڈال کر جو اس سوالی کی قسمت میں ہوتا وہ اس کو مرحمت فرما دیتے۔

ارشادات: آپؒ کا مقولہ ہے کہ معرفت حق کی علامت ہے کہ خلقت سے بھاگتے رہے۔ فرماتے کہ اہل معرفت کی عبادت پاس انفاس ہے اور شقاوت کی علامت یہ ہے کہ آدمی مبتلائے معصیت ہو اور پھر بھی اپنے آپ کو مقبول سمجھے۔

حضرتؒ کا مقولہ ہے کہ بیس سال میں نے حضرت شیخ کی خدمت سے نفس کو مہلت نہیں دی، نہ رات کی خبر تھی نہ دن کی۔ حضرت شیخؒ نے جب میری خدمت کی طرف توجہ فرمائی تو وہ بے انتہا نعمت عطا فرمائی کہ اس کا بیان نہیں ہو سکتا اور فرمایا جو کچھ ملتا ہے خدمت سے ملتا ہے۔

اگر کچھ مرتبہ چاہے تو کر خدمت فقیروں کی   نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

کسی نے آپ سے پوچھا کہ مرید ثابت قدم کب ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جب فرشتہ بیس سال تک کوئی گناہ نامۂ اعمال میں نہ لکھے۔

وفات: اجمیر فتح کرنے کے بعد غوری کے نائب السلطنت قطب الدین ایبک نے اجمیر کی حکومت رائے پتھورا کے لڑکے کو خراج کے وعدے پر تفویض کی تھی لیکن جب اس کے چچا نے اسے شکست دے کر اجمیر سے نکال دیا تو ایبک نے پھر اس شہر کو فتح کر کے یہاں ایک مسلمان گورنر مقرر کیا۔ سب سے پہلے گورنر سید حسین مشہدی تھے۔

اب حضرت خواجہؒ کے کام میں کوئی رکاوٹ نہ رہی۔ آپ دلجمعی سے یادِ الٰہی میں مشغول ہو گئے۔ ... کے پاس استفاضہ فیض یا روحانی رہنمائی کے لئے آتا تو اس کی آپ ہر طرح سے مدد و امداد فرماتے۔

آپ کی وفات سلطان التمش کے دور میں ہوئی اور تاریخ وفات بقول جمہور ۶ رجب ... ہے ... [illegible]

حافظ مظفر محسن

ایک دعوت
ایک تحریک

عالمی تبلیغی اجتماع کے ایمان افروز نظارے جنہیں حافظ مظفر محسن نے دیکھا اور قلمبند کیا۔

ہمارے ملک کے اخبارات میں یہ خبر نظر سے گذری تو دل دہل کر رہ گیا کہ چارسدہ سے رائیونڈ کے سالانہ اجتماع میں شرکت کی غرض سے آنے والے مسافروں سے بھری ہوئی بس کالا شاہ کاکو کے قریب حادثے کا شکار ہو گئی، کچھ افراد شہید ہو گئے اور بہت سے شدید زخمی ہو گئے۔ یہ حادثہ ڈرائیور کی غفلت کے باعث پیش آیا۔ وہ لوگ ایک مقدس مشن پر جا رہے تھے کہ بلاوا آ گیا۔ یہ تو قسمت کی بات ہے کہ کچھ لوگ چند میل کے فاصلے پر رہتے ہوئے بھی اس عظیم اجتماع میں شریک نہ ہو پائے، بلکہ ان کا نہیں تفرقہ بازی پھیلانے اور تبلیغ دین کا کام کرنے والوں کے خلاف زہر اگلنے میں مصروف ہیں، اور دوسری طرف وہ لاکھوں لوگ ہیں جو ہزاروں میل کی مسافت طے کر کے رائیونڈ صرف اس لئے پہنچے کہ دین کے لئے کچھ کام کر سکیں۔ امریکہ سے مسلمان آئے ہوئے ہیں، بھارت سے بھی بہت سے لوگ آئے ہیں اور ایسے ہی دنیا کے ۳۵ کے قریب ممالک ہیں کہ جہاں سے مختلف رنگ و نسل اور زبان سے تعلق رکھنے والے لاکھوں افراد ہیں جو اس عظیم اجتماع میں شریک ہوئے۔ جدھر آنکھ اٹھائیں بسوں، کاروں، موٹر سائیکلوں اور پیدل چلنے والوں کے قافلے آ رہے ہیں۔ عام زندگی میں دیکھنے میں آیا ہے کہ کوئی معمولی سی تقریب ہو تو کئی کئی دن اخبارات میں خبریں اور اشتہارات چھپوائے جاتے ہیں، اشتہارات لگا لگا کر لوگوں کو یاد دہانی کرائی جاتی ہے مگر یہ ایک ایسی تقریب ہے کہ جس کی نہ تو اخبارات میں خبریں چھپتی ہیں نہ ہی ریڈیو ٹیلی ویژن پر اعلان ہوتے ہیں اور نہ ہی اشتہارات کے ذریعے بیان کی جاتی ہیں۔ بلکہ یہ خبر سینہ بسینہ لوگوں تک پہنچتی ہے اور پھر نہ صرف یہ کہ سرحد اور بلوچستان کے دور دراز علاقوں سے لوگ آتے ہیں بلکہ دنیا کے کونے کونے سے لوگ جذبۂ اسلامی سے سرشار اس مقدس تقریب میں شرکت کے لئے جوق در جوق پہنچتے ہیں۔ ان کے سامنے کوئی دنیاوی لالچ نہیں ہوتا، وہ یہ کام کسی عہدے کے حصول کے لئے یا کسی کو دکھانے کے لئے نہیں کرتے بلکہ وہ طویل سفر محض اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے طے کرتے ہیں۔ آنے والوں میں جوان بھی ہیں بچے بھی اور بوڑھے بھی، ہر دل خوشی سے سرشار ہے، آنکھوں میں ایک انوکھی چمک ہے اور دلوں میں خدمت دین کا جذبہ موجزن ہے۔

پھر دلوں کو یاد آ جائے گا پیغام سجود
پھر جبیں خاک حرم سے آشنا ہو جائے گی

سرکار دو جہاں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ کیونکہ نبوت کے دروازے بند ہو گئے اور اب تبلیغ دین کا مقدس فریضہ اُمتِ محمدیہ کو سنبھالنا ہے۔ بلاشبہ یہ کام اسی جذبے اور لگن کے ساتھ ہو رہا ہے کہ جس جذبے اور لگن کے ساتھ آپ کے صحابہؓ کیا کرتے تھے۔ اس کا ثبوت اس اجتماع میں ملتا ہے کہ جہاں لاکھوں لوگ گویا کہ انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہے مگر نظم و ضبط ایسا کہ جس کی مثال نہیں ملتی۔ ہر چہرے پر مسکراہٹ، ہر دل میں محبت، ہر عمل میں ایثار و قربانی کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ کوئی بھی مرحلہ ہو، ہر کام اس خوش اسلوبی سے ہو رہا ہے کہ جیسے حقیقی بھائی ہوں اور ہر بھائی کی یہی خواہش ہے کہ دوسرے کو اس سے کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ یہ کوئی جنگ کا موقع تو نہیں مگر پھر بھی جذبہ جنگِ بدر کا سا کہ ایک آدمی وضو کی غرض سے لوٹا پکڑتا ہے اور پانی بھر کے لاتا ہے۔ نظر پڑتی ہے کہ ایک بزرگ بھی لوٹا پکڑے پانی بھرنے جا رہے ہیں۔ وہ اپنا بھرا لوٹا ان بزرگ کو تھما دیتا ہے اور خود دوبارہ پانی لینے چل پڑتا ہے۔ نماز کا وقت آتا ہے تو کتنی کتنی فراخ لمبی سطریں بنتی ہیں جن میں سندھی، بلوچی، افغانی، امریکی، جاپانی، پٹھان، ہندوستانی غرض ہر رنگ و نسل کے لوگ ایک ساتھ کھڑے ہیں۔ اللہ اکبر کی ایک صدا بلند ہوتی ہے اور لاکھوں سر اللہ رب العزت کی بارگاہ میں جھک جاتے ہیں:

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز — نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز
بندہ و صاحب و محتاج سبھی ایک ہوئے — تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

عام زندگی میں یہ چیز مشاہدے میں آئی ہے کہ کہیں سو دو سو افراد ایک جگہ اکٹھے ہو جائیں تو نظم و ضبط کا مسئلہ بن جاتا ہے اور کبھی کبھی تو پولیس کو بھی بلانا پڑتا ہے۔ مگر یہاں لاکھوں کا ہجوم ہے مگر سب کام نہایت عمدہ طریقے سے ہو رہے ہیں۔ کوئی عالم دین اسٹیج سے تقریر کر رہے ہیں تو مجمع پر خاموشی طاری ہے سب ہمہ تن گوش ہیں۔ مولانا [illegible] کا خطاب ہو رہا ہے عالم اسلام کے اتحاد کی بات ہوتی ہے، صحابہ کرام کے واقعات اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات بیان کئے جا رہے ہیں، بہت سی آنکھوں میں آنسو جھلملا رہے ہیں اور کبھی کبھی تو لوگ بھرائی ہوئی آوازیں روئے لگتے ہیں۔ اجتماع کا وہ لمحہ [illegible] کہ جب لاکھوں ہاتھ اللہ جل شانہٗ کے حضور پھیلتے ہیں۔ عالم اسلام کی سربلندی کے لئے مسلمانوں کے اتحاد کی دعائیں ہوتی ہیں۔

آج عالم اسلام بہت سے مسائل سے دوچار ہے، قبلۂ اول دشمن یہودیوں کے قبضہ میں ہے، افغانستان [illegible] مسلمان اسلام دشمنوں کے ظلم و ستم کا شکار ہیں۔ فلسطین و کشمیر کے مسلمان آزادی کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ ان حالات میں ضرورت تو اس بات کی ہے کہ مسلمان ایک ہو کر ان تمام خطرات کا ڈٹ کر مقابلہ کریں مگر افسوس کہ بہت سی جگہوں پر مسلمان آپس میں ہی دست و گریباں ہیں۔ اور اسلام دشمن طاقتیں خوشی کے شادیانے بجا رہے ہیں۔

عراق و ایران کی جنگ کتنی مدت سے جاری ہے ہزاروں جانیں اور کروڑوں روپے کا نقصان ہو چکا ہے [illegible] کس [illegible] کا نتیجہ ہے۔

[illegible]

...میں اور دوسری بہت سی بزرگ ہستیوں نے جس مقدس کام کی یہاں سے ابتداء کی اسی کی یہ برکت ہے کہ آج یہ قصبہ دنیا بھر کے مسلمانوں کا دوسرا بڑا اسلامی مرکز بن چکا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق حج کے مقدس اجتماع کے بعد مسلمانانِ عالم کا یہ دوسرا بڑا اجتماع ہوتا ہے۔

۱۰/ ستمبر کو دوپہر کے وقت آخری اجتماعی دعا ہوئی جس میں لاکھوں لوگوں نے شرکت کی۔ اس کے بعد مختلف جماعتیں ترتیب دی گئیں جو اندرون اور بیرون ملک تبلیغ کے لئے روانہ ہو گئیں۔ اجتماع میں جو سب سے بڑی چیز دیکھنے میں آئی وہ اتحاد و اتفاق محبت اور بھائی چارہ ہے۔ گویا کہ سب کے دلوں میں ایک دوسرے کے لئے خلوص و محبت کا جذبہ موجود ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق دنیا بھر کے مسلمان ایک جسد کی مانند ہیں کہ جسم کے کسی عضو کو تکلیف ہو تو سارا جسم درد محسوس کرتا ہے۔ کیا ہی اچھا ہو کہ دنیا بھر کے مسلمان ایسے ہی متحد ہو جائیں جیسے کہ ایک جسم ہو۔ اپنے چھوٹے چھوٹے اختلافات کو ختم کر کے اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے ہوئے زندگی گزاریں۔ پھر نہ تو ہمیں سپر پاور سے ڈرنا ہوگا اور نہ ہی ایٹم و ہائیڈروجن بموں کی ہمارے سامنے کوئی حیثیت ہوگی۔ کیونکہ جذبۂ ایمانی تمام دنیاوی طاقتوں سے مضبوط ہے۔

اس تین روزہ عظیم الشان اجتماع کے اختتام پر جب لوگ اپنے اپنے گھروں اور مختلف علاقوں میں تبلیغی سفروں پر روانہ ہو رہے تھے تو وہ یہاں سے ایک بہت بڑی دولت بھی اپنے ساتھ لے جا رہے تھے۔ وہ سکون و محبت اتحاد اور بھائی چارے کی دولت تھی۔ بقول اقبال مرحوم

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے نیل کے ساحل سے لے کر تابخاکِ کاشغر

اس اجتماع میں نوجوانوں کی بہت بڑی تعداد بھی شریک تھی ملک بھر کے مختلف دینی مدارس کے طلبہ کالجوں اور یونیورسٹیوں کے سٹوڈنٹس اور میڈیکل کالجوں کے طلبہ بھی کثیر تعداد میں شریک تھے۔ (ریحان)

زبانِ حالِ دیوبندیت

بمکہ بینی از توحید نورے بہ یثرب از رسول اللہ نورے
گر این دو شہر ایمان را ندیدے چہ دیدی گرد این دنیا رسیدے

انقلاباتِ جہاں واعظِ رب ہیں سن لو!
ذرے ذرے سے صدا آتی ہے فافہم فافہم! (حضرت شیخ الہند)

صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق صاحب کا ایک تاریخی اسلامی کارنامہ

تحفظ ناموسِ صحابہؓ آرڈیننس

MONTHLY . AL RASHID LAHORE

تشکراً و امتناناً

من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ

جامعۃ الاسلامیہ ' مدینہ یونیورسٹی کے امیر الجامعہ

فضیلۃ الشیخ عبداللہ بن الزائد نے جامعہ رشیدیہ کی بالائی منزل ثانی

"دار الطلبۃ"

کا سنگ بنیاد اپنے دست مبارک سے رکھتے ہوئے جامعہ کی ضروریات کا

اعتراف فرمایا

فضیلۃ الشیخ نے جامعہ کیلئے پچاس ہزار روپے کی خطیر رقم کا اعلان فرمایا۔

ادارہ ھذا سعودیہ عربیہ ، جامعہ اسلامیہ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے یہ رقم

دار الاقامہ کی تعمیرات میں صرف کر رہا ہے وللہ ولی التوفیق

تقبل اللہ منہم سعیہم مشکوراً وجزاہم اللہ احسن الجزاء

فی الدارین خیراً

مدیر الرشید و ناظم اعلیٰ
منجانب قاری حبیب اللہ رشیدی
حامعہ رشیدیہ ساہیوال پاکستان

عملہ ادارہ اسلامیہ

أنا خاتم النبيين لا نبي بعدي

میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں (حدیث نبوی)

أنا آخر الأنبياء وأنتم آخر الأمم

میں آخری نبی ہوں، اور تم آخری اُمت (حدیث نبوی)

بیادگار: حضرت مولانا حافظ مفتی فضیح اللہ رحمہ اللہ رائپوری بانی جامعہ رشیدیہ

ماہنامہ

الرشید

مدیر اعلیٰ
فضل حبیب اللہ

مدیر مسئول
عبدالرشید راشد

معین الرشید
شعلہ کتابت

شریف احمد طاہر
حزب اللہ خالد

مقام اشاعت

ناشر: عبدالرشید راشد

ترتیب

ادارہ الرشید

نعت عقیدت بحضور ختمی مرتبت

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند

الٰہی کس سے بیاں ہو سکے ثنا اس کی　کہ جس پہ ایسا تری ذاتِ خاص کا ہو پیار

جو تو اسے نہ بناتا تو سارے عالم کو　نصیب ہوتی نہ دولت وجود کی زنہار

تو فخرِ کون و مکاں زبدۂ زمین و زماں　امیرِ لشکرِ پیغمبراںؑ شہِ ابرار

تو بوئے گل ہے اگر مثلِ گل ہیں اور نبی　تو نورِ شمس ہے گر اور نبی ہیں شمس نہار

حیاتِ جاں ہے تو ہیں اگر وہ جانِ جہاں　تو نورِ دیدہ ہے گر ہیں وہ نورِ دیدۂ بیدار

جہاں کے سارے کمالات ایک تجھ میں ہیں　تیرے کمال کسی میں نہیں مگر دو چار

امیدیں لاکھوں ہیں لیکن بڑی امید ہے یہ　کہ ہو سگانِ مدینہ میں میرا نام شمار

جیوں تو ساتھ سگانِ حرم کے تیرے پھروں　مروں تو کھائیں مدینے کے مجھ کو مرغ و مار

جو یہ نصیب نہ ہو اور کہاں نصیب میرے　کہ میں ہوں اور سگانِ حرم کے تیرے قطار

اڑا کے باد میری مشتِ خاک کو پسِ مرگ　کرے حضورؐ کے روضے کے آس پاس نثار

ولے یہ رتبہ کہاں مشتِ خاک قاسم کا
کہ جائے کوچۂ اطہر میں تیرے بن کے غبار

[illegible]

(ادارہ)

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

؎ نماز اچھی، روزہ اچھا، حج اچھا، زکوٰۃ اچھی
مگر میں باوجود اِن کے مسلماں ہو نہیں سکتا
نہ جب تک کٹ مروں میں خواجۂ یثربؐ کی عزت پر
خدا شاہد ہے کامل میرا ایماں ہو نہیں سکتا

(ظفر علی خانؒ)

اُسوۂ حسنہ، سیرتِ طیبہ، سُنّتِ طاہرہ، حدیثِ مُقدسہ ایسے متعدد و مختلف عنوانات، پاکیزہ حالات پر مشتمل صادقہ موضوعات ہیں جو جوامع الکلم ہیں۔ اسوۂ حسنہ ہماری جملہ مشکلات کا حل ہیں۔ سیرت طیبہ سے ہماری سیرتیں بنتی ہیں، سنت سے عملی زندگی بنتی ہے اور حدیث پاکؐ سے ہمارے ایمان کی تکمیل ہوتی ہے۔ مقامِ نبوت یعنی ختم نبوۃ کلامِ نبوت یعنی اقوال و افعال رسالت مآبؐ پر ایمان لائے بغیر کوئی انسان مسلمان نہیں ہو سکتا۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ مُحمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہی بتایا اور دُنیا میں پہنچایا۔ خُدا کی توحید حضرت مُحمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سِکھائی۔ قرآن حکیم بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہی پڑھا یا اور اسلام کی تعلیمات کا حق تبلیغ بھی آپؐ ہی نے ادا کیا۔

ہمارے دینی، دُنیاوی مسائل کا آخری حل، آخری نبی و آخری رسول کے اقوال، افعال، تقریر و حدیث ہی ہے۔
ہمارے اخلاق حدیثِ پاک سے سنورتے ہیں۔ ہمارا کردار رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے ہی بُلند ہوتا ہے۔
ہمارے عقائد آپ ہی کی تقریر سے صحیح ہو سکتے ہیں۔ توحید رسولِ کریمؐ کی زبان سے ثابت اور قرآن نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واسطہ ہی سے ہم تک پہنچا۔ گویا توحید و قرآن حدیث سے ثابت ہے، اسی واسطے حدیث دین میں حجت ہے اگر حدیث کو حجت نہ مانا جائے تو قرآن کا حجت ہونا کیسے ثابت ہوگا؟
علیٰ ھٰذا ختمِ نبوت محمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام بایں معنی کہ خاتم النبیین والمرسلین کے بعد تا قیامت کوئی نیا نبی پیدا نہ ہوگا اور نہ کسی رسُول کی نئی بعثت ہوگی؛ صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم جو حیات ہیں ان کا نزول برحق ہے مگر وہ بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اُمتی بن کر نازل ہوں گے اور آخری نبی کی شریعت پر عمل فرمائیں گے۔

سب سے پہلے خاتم النبیینؐ کی مُہر توڑنے والا مسیلمہ کذاب تھا۔ جو کلمہ پڑھتا، قرآن کی تلاوت کرتا اور نماز کا بھی پابند تھا مگر چونکہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مدعی نبوت ہوا اس لئے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فتویٰ کی روشنی میں اکثر صحابہ کرامؓ مہاجرین و انصار اور تابعین نے اس کے کلمہ کو نظر انداز کرتے ہوئے اس کو بالاتفاق کافر و مرتد قرار دیتے ہوئے اس سے جہاد کیا، اور سب سے پہلی تحریک ختم نبوت میں سینکڑوں صحابہ کرامؓ نے جام شہادت نوش فرمایا، اور بالآخر مدعی نبوت مرتد کو واجب القتل قرار دیتے ہوئے کیفرِ کردار تک پہنچایا۔ لقاشیں پاکستان ڈاکٹر اقبال مرحوم نے اس مسئلہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عصر حاضر کے متنبی کے متعلق یوں فرمایا:

عصر من پیغمبرے ہم آفرید　　آنکہ در قرآن بغیر از خود ندید

اور ڈاکٹر مرحوم نے فرمایا:

وہ نبوت ہے مسلماں کے لئے برگِ حشیش　　جس نبوت میں نہیں قوت و شوکت کا پیام

اُمت میں دوسرا فتنہ منکرین حدیث پرویزیت کا ہے۔ سب سے پہلے صاحبِ لولاک کی حدیث (نامہ مبارک) کو چیرنے والا پرویز کسریٰ تھا جس نے حضور نبی رحمت، رسولِ معصوم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نوشتہ مکتوب کو ریزہ ریزہ کرنے کی ناپاک سعی کی تھی جبکہ آپ کا قاصد صحابی پیامِ رسالت اور پیغامِ نبوت لیکر قیصر کے دربار میں گیا تھا۔

جناب ڈاکٹر اقبال مرحوم اسی پرویزی فتنہ کے متعلق فرماتے ہیں:

نامۂ آں رحمت للعالمین　　کرد چاک از کبر پرویز لعین
در جہاں آنکہ پرویزی کند　　نامہ ہائے مصطفیٰؐ را مے درد

سیرۃ، سُنت، حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واجب الاطاعت ہیں۔ قرآن عظیم نے رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے متعلق متعدد مقامات اور مختلف آیات میں تاکید و صراحت فرماتے ہوئے یہاں تک حکم دے دیا کہ "من یطع الرسول فقد اطاع اللہ اور وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ"

ڈاکٹر اقبال مرحوم اس کا شکوہ فرماتے ہیں۔ ذرا خط کشیدہ الفاظ پر غور فرمائیے!

کون ہے تارکِ آئینِ رسولِ مختارؐ　　مصلحت وقت ہے کس کے عمل کا معیار
کس کی آنکھوں میں سمایا ہے شعارِ اغیار　　ہوگئی کس کی نگاہ طرزِ سلف سے بیزار

ناظرین با تمکین، آئینِ رسولؐ، مصلحتِ وقت، شعارِ اغیار، طرزِ سلف چاروں الفاظ پر غور و فکر فرما کر غریب علامہ اقبال مرحوم کے شکوہ کو صحیح سمجھنے کی کوشش فرمائیں۔ ورنہ گستاخی مُعاف اکثر بیادِ اقبال جدید اسلام طلوع کرنیوالے کلام اقبال سے ناآشنا ثابت ہوئے ہیں۔

آخر میں محبانِ رسول اور عاشقانِ نبی کریم اپنا محاسبہ کرنا چاہیئے کہ دعویانِ محبت کہاں تک اپنے اقوال و افعال میں صادق اور حق بجانب ہیں۔ صرف دعوئ عشق اور نعرۂ محبت کافی نہیں جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ بصورتِ مقدسہ کو اپنایا نہ جائے اور جب تک آپ کی پاکیزہ زندگی کو عملی جامہ نہ پہنایا جائے اور جب تک اپنی سیرت و صورت نبی رحمت، رسول دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و صورت کے مطابق نہ بنائی جائے اس وقت تک اسلام کامل اور ایمان مکمل نہیں۔

شاعرِ اسلام جناب ابوالاثر حفیظ جالندھری سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مخصوص انداز میں لکھنے کے ساتھ محبت و عقیدت کا پیام اسطرح پیش فرماتے ہیں:

؎ محمدؐ کی محبت دینِ حق کی شرطِ اوّل ہے — اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے۔

اور حفیظ جالندھری کی تمنائے نجات اس شعر سے پوری ہو جائے گی انشاء اللہ العزیز!

؎ ترا در ہو مرا سر ہو ترا دل ہو مرا گھر ہو — تمنا مختصر سی ہے مگر تمہید طولانی

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ

صحابہ کرام، نشانِ رسالت، دلائلِ نبوت ہیں۔ کارنامۂ نبوت اور راہنمائی رسالت کے لئے یہ رباعی خوب ہے:

؎ دُر فشانی نے تیری قطروں کو دریا کر دیا — دل کو روشن کر دیا آنکھوں کو بینا کر دیا
خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے — کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کر دیا

اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ

ہمارے نبی محمود اور کائنات کے رسول مسعود کی تعلیمات میں دو چیزیں نمایاں نظر آتی ہیں، اتحاد و جہاد!
اتحاد و اخوت سیرت کی اہم تعلیمات ہیں۔ رسول اللہ صلوٰۃ اللہ علیہ دنیا کے انسانیت اور اسلامیانِ عالم کے لئے امن و سلامتی، صلح و آشتی کے پیغامات دینے آئے تھے۔ آپ نبی وصل تھے، رسولِ فصل نہ تھے۔

آج آپ کی اُمت منتشر و پریشان حال ہے۔ حضور کی سیرت کا پیغامِ محبت یہی ہے کہ مسلمانوں کے تمام فرقوں اور جماعتوں کو آپس میں اتفاق و اتحاد کی پالیسی اختیار کرنا چاہیئے۔ باہمی نزاع و اختلافات اور مخاصمتوں کو ترک کر دینا چاہیئے کہ یہ ایک مستقل عذاب ہے۔ خصوصاً حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویانِ عشق و محبت کو آپ کے ارشادات کی ایسی

مخالفت نہ کرنی چاہیے جس سے ملت میں اختلافات پیدا ہوں۔

حضرات صحابہ کرام کے اختلافات سے متعلق حالی نے خوب کہا ہے:

اگر اختلاف ان میں باہم دگر تھا
تو بالکل مدار اس کا اخلاص پر تھا

جھگڑتے تھے، لیکن نہ جھگڑوں میں شر تھا، خلاف آشتی سے خوش آیند تر تھا۔

اور ڈاکٹر اقبال مرحوم فرما گئے:

منفعت ایک ہے اِس قوم کی نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبی، دین بھی، ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی، اللہ بھی، قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی، ہوتے جو مسلمان بھی ایک

(فاضل خطیب رشیدیہ کے ایک خطبہ کا اقتباس)

قاسمی برادری کیلئے

دارالعلوم سے ایک صدا

۱ - شید

دعوتِ اتحاد عمل

تعالوا الیٰ کلمۃ سواء بیننا وبینکم

جماعتِ دیوبند اس صدی میں "مجدد" کا مقام رکھتی ہے۔ دارالعلوم دیوبند کے اکابر نے علم و عمل کی ہر میدان و محاذ میں تجدیدی کارنامے سرانجام دیئے ہیں۔ محدث عصر حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاءِ سنت اور رد بدعات کے میدان میں ایک مجدد کی طرح عظیم کام کیا۔ مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے تصوف و سلوک کو محدثات سے پاک کرنے اور طریقت کو سنت کے قالب میں ڈھالنے کے لئے بہت بڑا کام کیا۔ مجاہدِ اعظم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے خدمتِ حدیث و تصوف کیساتھ جہادِ حق کے محاذ پر اعلیٰ ترین مثال قائم کی۔ حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے علم حدیث کی خدمت میں عالم اسلام سے اپنا لوہا منوایا اور دنیا کے سب سے بڑے فقہی مسلک کے لئے حدیث کی اسناد و حجیت پیش فرمائی۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی نے تبلیغ و دعوت کی ایسی داغ بیل ڈالی کہ آج پوری دنیا میں اصول دین کی دعوت کا جال پھیلا ہوا ہے۔

یہ تمام حضرات حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کے لائق ترین تلامذہ تھے۔ جنہوں نے چودھویں صدی میں ایک عظیم مجدد کا کام سرانجام دیا۔ اور یہ صدی ان اکابر کے مجددانہ کارناموں سے روشن رہی ہے۔ سطحی نظر رکھنے والوں کے نزدیک اکابر دیوبند کے کاموں میں اختلاف پایا جاتا ہے لیکن حقیقت میں ہمارے بزرگوں نے علم و عمل اور اصلاح و جہاد کے مختلف میدانوں میں اپنے اپنے ذوق اور اپنے اپنے دائرہ عمل میں قابل تحسین جدوجہد فرمائی اور امت کو اس صدی کے فتنوں سے محفوظ رکھا۔

> یہ صدی اکابرِ دیوبند کے مجددانہ
> **کارناموں**
> سے روشن رہی ہے!

اس بیان کا مطلب یہ ہے کہ اکابر دیوبند کی جدوجہد کا تنوع اور رنگارنگی، یہ ضرورت دین کے تحت تھی، ذہنی اغراض اس میں کارفرما نہیں تھے اور اسی رنگارنگی میں جماعتِ دیوبند کا کمال پوشیدہ ہے۔ اگر مولانا مدنی بیعت کی غرض سے آنیوالوں کو حضرت تھانوی کے پاس جانیکی ہدایت کرتے تھے اور اسرار

کے بعد کسی کو بیعت فرماتے تھے، تو مولانا تھانویؒ کا یہ حال تھا کہ خانقاہ کے اندر کسی کو مولانا مدنیؒ کی شان میں ایک لفظ کہنے کی مجال نہ تھی، فوراً اُسے خانقاہ سے باہر نکلوادیا کرتے جو مولانا مدنیؒ کیلئے سوءِ ادب کا کوئی لفظ منہ سے نکال دیتا تھا۔

مسلم لیگ اور کانگریس کا کتنا زور تھا، قوم کی قوم بانٹی ہوگئی تھی، ایک دوسرے کو بے ایمان اور قوم فروش کہا جاتا تھا مگر یہ اکابرِ دیوبند کا دینی اخلاص تھا، للہیت تھی کہ وہ حضرات اس اختلاف کو رائے کا اختلاف سمجھتے تھے۔ غرض اور عناد کا اختلاف شدت پیدا کرتا ہے۔ اجتہادی اختلاف صحابہ کرامؓ اور ائمہ ھدیٰ کے درمیان بھی رہا ہے اور دین و سیاست کے جزوی معاملات میں یہ اختلاف ہمیشہ رہے گا۔

اختلاف امتی رحمة ..... "میری اُمت کا اختلاف رحمت ہے"

اسی قسم کے اختلاف کی طرف اس حدیث میں اشارہ ہے، حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے متعلق آتا ہے کہ آپ فرماتے تھے "بعض مسئلوں میں ائمہ کا اختلاف ہوتا ہے اس سے مجھے خوشی ہوتی ہے کہ اس میں امت کے لئے عمل کی آسانی کا سامان ہے۔"

دیوبند کا اصل مشن

حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ نے دار العلوم کے اجلاس صد ... سالہ میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا "اس درسگاہ کی تین چار اہم خصوصیات ہیں:

دار العلوم دیوبند کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے اختلافی مسائل کے بجائے توحید و سُنّت پر اپنی توجہ مرکوز کی، اور یہ وراثت و امانت ہے جو امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور حضرت سید احمد شہیدؒ کے وسیلے سے اسکو ملی ہے اور ابھی تک اسے عزیز ہے۔"

حکیم الامت حضرت تھانویؒ، شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ اپنے اپنے خاص طرز اور اسلوب سے اسی کے لئے ہمیشہ سوز اور لگن رہی کہ ہندوستانی مسلمان اپنی خصوصیات اور ملی تشخصات کیساتھ اس ملک کے اندر باقی رہیں اور قرآن و سُنّت کو سینے سے لگائے رکھیں، اختلافی مسائل چھیڑنے کے بجائے توحید و سُنّت پر زور دیں۔

دیوبند کا یہی پیغام اور اس کی یہی خصوصیت رہی ہے کہ ان حضراتِ اکابر نے ملت کے اصلی سرمایہ کو بچانے میں معاونت کی اور اختلافی مسائل کو عوام کے سامنے نہیں لائے۔"

ایک اتفاقی قابلِ قدر واقعہ

حضرتِ اقدس سیدی و مرشدی مولانا مدنی قدس اللہ اسرارہم جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس کے لئے تشریف لے گئے۔ آپکو معلوم ہوا کہ قریبی شہر میں تبلیغی جماعت کا اجتماع ہے حضرتؒ نے رفقاء و کارکنان سے فرمایا کہ تبلیغی جماعت کے اجتماع اور حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی زیارت کے لئے چلو حضرتؒ بنفسِ نفیس اور جماعت چل پڑے۔

اُدھر حضرت مولانا محمد الیاسؒ کو علم ہوا کہ قریب میں جمعیۃ علماء ہند کا اجلاس ہے۔ آپ نے فرمایا کہ حضرت مدنیؒ کی زیارت اور جمعیۃ کے اجلاس کے لئے چلو۔ حضرت کاندھلویؒ ایک جماعت کو ہمراہ لیکر ادھر سے روانہ ہوگئے۔ دونوں حضرات

کاراستہ میں اجتماع و اتفاق ہوگیا۔۔۔ سبحان اللہ یہ کیسا عبرت آموز سچا واقعہ ہے۔

ان فی ذٰلک لعبرۃ ۰ وفی ذٰلک فلیتنافس المتنافسون ۰

استدعا

ع شاید کہ اُتر جائے تیرے دل میں میری بات

فی الوقت ہند و پاک و بنگلہ دیش کے جملہ دیوبندی طبقات کو سابقہ و حالیہ جملہ ذاتی مخالفتوں اور جزوی، فروعی اختلافات کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنے اکابر کے مسلکِ حقہ اور دینی مشن کا تحفظ کرنا چاہیئے اور بزرگوں کی قربانیوں کو ضائع ہونے سے بچایا جائے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ہمارے اکابر علمائے حقانی و مشائخ ربانی نے ملک و ملت کے لئے جو عظیم قربانیاں دی تھیں اُن قربانیوں کا یہی تقاضا ہے کہ ہم جملہ اہلِ حق کو اپنے اختلافات بھول کر باہمی تعاون کے اصول پر دارالعلوم دیوبند کے علمی سرمایہ کو بچانا چاہیئے۔

خصوصاً ہندوستان کے اور پاکستان کے دیوبندی اداروں کو اس وقت اپنے جذبات اور تقاضوں کو دبانا چاہیئے "اختلافِ رائے" کے باوجود "اتحادِ عمل" کی شدید ضرورت ہے اور مسلک کے تحفظ کے لئے جملہ قوتوں کو مجتمع کرنا چاہیئے۔

ایک تجویز و پیشکش

ادارہ الرشید نے دارالعلوم دیوبند، فضلاءِ دارالعلوم و ابناءِ دیوبند کی جو حقیر و خطیر خدمات سرانجام دیں۔۔۔۔ اسی جذبہ کے تحت غریب تجویز و عجیب پیشکش ہے کہ اوّلاً ہند و پاک، بنگلہ دیش اور حرمین شریفین کے علماء و فضلاءِ دیوبند کو ان اُمور و مسائل کے لئے ایک عالمی مؤتمر طلب کرنی چاہیئے۔ ایسی مؤتمر اگر پاکستان کے مُقدر میں ہو تو جامعہ رشیدیہ ساہیوال اسکے لئے اپنی تمامتر خدمات پیش کرتا ہے اور مدیر الجامعہ ہر قسم کی قربانیوں کے لئے حاضر ہے۔

ثانیاً:۔ متحدہ پاکستان کے علماءِ دیوبند کو ایک نمائندہ وفد کی صورت میں دارالعلوم دیوبند حاضری دینی چاہیئے اور سرزمین دارالعلوم حاضر ہو کر اپنی تمامتر کاوشوں کو بروئے کار لانیکی مساعی کرنا چاہیئے۔۔۔۔۔ ورنہ

ـــــ نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستاں والو ـــــ تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

ثالثاً:۔ یہ کہ کم از کم پاکستان کے علماءِ دیوبند و ابناءِ دیوبند کے مندرجہ ذیل جملہ اداروں کو آنیوالے خدشات اور منڈلانیوالے خطرات اور باطل فرقوں کے مکروہ عزائم کا مقابلہ کرنے کیلئے وقت کے تقاضوں کو پورا کرنا چاہیئے۔

ہماری جماعتوں سے مُراد جمعیۃ و نظام العلماء، مجالس احرار، مجلس تحفظِ ختمِ نبوت، سوادِ اعظم اہلسنت، تنظیم اہلسنت، تحفظِ حقوق اہلسنت، اشاعت التوحید والسنۃ، خدام صحابہ، وفاق المدارس العربیہ، اور تبلیغی جماعت وغیرہ ہیں۔

اگر یہ جملہ جماعتیں اور ان کے قائدین و کارکنان سر جوڑ کر مل بیٹھنے کو تیار ہوں تو جامعہ رشیدیہ ایسا دیوبندی اجتماع

کرنا چاہتا ہے۔ ایسی دیوبندی توثیر کے متعلق ابناء دیوبند کیا فرماتے ہیں؟
ع چیست یاران طریقت بعد ازیں تدبیر ما .....

"ادارہ الرشید جملہ اکابر و اصاغر، نوجوانانِ پاکستان، رضاکارانِ دیوبند اور اپنی دینی جماعتوں کے جوابات باصواب کا منتظر ہے"

؎ من آنچہ شرط بلاغ است با تو میگویم
تو خواہ از سخنم پند گیر یا ملال

ان ارید الا الاصلاح ، ما استطعت و ما توفیقی الا باللہ۔

آخری بات

بعض حضرات کو اکابر علماء دیوبند سے خدا واسطے کا بیر ہے کہ ایک صاحب نے تکفیر کا بیڑا اٹھایا اور نہ صرف علماء دیوبند بلکہ اپنے سوا جملہ مسلمانوں کے طبقات اور فرقوں اور جماعتوں کی تکفیر کی حتیٰ کہ اعاظم رجال سرسید، شبلی، ابوالکلام آزاد، مسٹر محمد علی جناح اور ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم کو بھی کافر قرار دیا۔ ان کے تکفیری آرے سے کوئی جماعت، فرد نہ بچ سکا۔

؎ ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں
اور تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں

ان بکھرن کو ایسے میں خوش نہ ہونا چاہیئے۔ اور اپنی انسانیت، شرافت، اسلامیت کا ثبوت دینا چاہیئے۔ اور پاکستان میں جو اودھم مچا رہے ہیں ان کو اپنے عمل سے باز آجانا چاہیئے۔ ورنہ حاجی امداد اللہ شاہ کات افلہ، مولانا گنگوہیؒ کے خادمانِ رشید، حضرت شیخ الہندؒ کے رضاکاران، حضرت تھانویؒ کے مریدان باصفا، شیخ العرب والعجم حضرت سید مدنیؒ کی فوج، علامہ عثمانیؒ کے دلدادہ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے جاں نثاران، حضرت سہارنپوریؒ کے تلامذۂ ارشد، حضرت رائپوریؒ کے خلفاء حضرت لاہوریؒ کے تلامذۂ راشد عالم اسلام میں زندہ جاوید ہیں۔ خصوصاً برصغیر میں مدنی فوج کے سپاہی، بخاری کے نام لیوا موجود ہیں اس دیوبندی قافلہ کو دنیا کی کوئی طاقت نہیں مٹا سکتی ....

بقول "ایوب" ہم یہاں ایک دیوبند کو رو رہے تھے پاکستان میں گھر گھر دیوبند موجود ہے!
مذہبی جماعتیں، دینی ادارے، اسلامی مدارس، عربی دارالعلوم، علمی و ملی جامعات نیز سیاسی حلقے زندہ و تابندہ ہیں

اصحاب مایوس نہ ہوں ؎ تندیٔ باد مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لئے

اسلئے کہ ؎ تو سید کی امانت سینوں میں ہے ہمارے
آساں نہیں مٹانا نام و نشاں ہمارا

اور ؎ باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم
سو بار کر چکا ہے تو امتحاں ہمارا

(الرشید)

ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب

سیرت نبویؐ کا پیغام

عصرِ حاضر کے نام[1]

یہ پیغام وہی ہے جو اسلام کا پیغام ہے اور یہ صرف عصر حاضر کے لئے نہیں بلکہ آنے والے ہر فرد اور ہر دور کے لئے ہے جو ربّ المشارق والمغارب نے اپنے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے بھیجا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف جامع ترین شخصیت کے مالک تھے۔ بعض غیر مسلم مفکرین نے بھی یہی تسلیم کیا ہے مثلاً جیسا کہ دوسروں کے علاوہ پروفیسر آر۔ ڈبلیو۔ جے آسٹن نے ایک مضمون میں خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا ہے کہ:

"He is the archetype or norm of humanity par excellence in whom all aspects of being unique (unite) at the centre are in perfect harmony and balance." (P. 68 'The Prophet of Islam' in the Book The challenge of Islam ed. by Altaf Gohar. 1978)

بلکہ آپ کو خاتم النبیین ہونے کے لحاظ سے جملہ علوم نبوت بدرجہ اتم حاصل تھے۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی تحقیق و تشریح کے مطابق جملہ علوم نبوت یا کمالات نبوت آپ کو عطا ہوئے۔ یہ کمالات ہیں رشد و ہدایت، علم و حکمت اور تدبّر و سیاست و ملکداری، اور یہ وہ کمالات ہیں جو عطیۂ ایزدی ہیں اکتسابی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سوشیالوجی کے جدید نامور ماہرین ان کمالات کو (CHARISMA) کا نام دیکر اسے محیر العقول سمجھتے ہیں۔ دراصل ان علوم کی دریافت کے لئے وہ آنکھیں اور دل مطلوب ہیں جو علم ظاہری سے نہیں نورِ ایمان سے منور ہوں۔

آج حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کا یوم ولادت باسعادت ہے اس کا تقاضا ہے، نیز اس فضا کا بھی ہے جو مملکتِ خداداد پاکستان میں پیدا ہو چکی ہے تقاضا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو داخلی اور خارجی طور سے سارے عالم

---

[1] فاضل مضمون نگار یونیورسٹی آف ڈرہم (برطانیہ) میں تقابل مذاہب اور تصوف کے استاد ہیں۔

سنبھالا جائے۔ اگرچہ چودہ صدیاں گزر کر اب اسلام پندرھویں صدی میں داخل ہو چکا ہے لیکن دنیا کو اور خود عالم اسلام کو علوم نبوت یعنی نبوی رشد و ھدایت، علم و حکمت، تدبیر و ملکداری اور نظام معاشرت و سیاست کی بالکل اسی طرح ضرورت ہے جس طرح ظہور قدسی کے وقت تھی۔ کیونکہ آپ تا قیامت بشیر بھی ہیں اور نذیر بھی۔ چونکہ حضور کی نظر میں دین خیر خواہی کا نام ہے۔ چنانچہ فرمایا: اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃ۔ اس لئے اس خیر خواہی کے ساتھ یہ امر لازم ہو جاتا ہے کہ مذکورہ حقائق کو تمام عالم میں پھیلا دیا جائے جو حضور کی سیرت اور اسوۂ حسنہ اور تعلیم میں ہیں۔ تاکہ دنیا راحت و اطمینان اور فلاح دارین حاصل کر سکے ——— یاد رہے کہ عصر حاضر کی ترکیب میں مغربی تہذیبی دنیا بھی شامل ہے اور سارا مشرق اور عالم اسلام بھی اس سلسلے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کو دو آیتوں میں سمٹایا جا سکتا ہے۔ مسلمانوں کے لئے لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ اور باقی عالم (عامۃ الناس) کے لئے وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔ بنیادی پیغام دو نکتوں میں جمع کیا جا سکتا ہے۔ پہلا نکتہ یہ ہوگا کہ اے مسلمانانِ عالم متفق و متحد ہو جاؤ، تفرقہ و انتشار سے بچو۔

بقول اقبال مرحوم ؎ ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاکِ کاشغر

اس وقت عالم اسلام کی جو حالت ہے وہ یقیناً تشویشناک ہے۔ مسلم اقوام اپنی داخلی کوتاہیوں اور زیادہ تر درآمد شدہ اجنبی تصورات سے مغلوب ہو کر نفاق و افتراق کی بُری حالت میں ہیں جو اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً کی رُوح کے منافی رویہ ہے۔ اسوقت مسلم ممالک نے جن بنیادوں پر خود کو تقسیم کیا ہوا ہے وہ سراسر غیر مناسب ہیں۔ چنانچہ افغانستان سے لیکر عرب اور افریقہ تک عام طور پر باہمی بے تعلقی کا عالم ہے۔ لہٰذا قدرتی طور سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اُمّت کو آج بھی وہی فرمائیں گے جو برسوں سے فرمایا تھا۔ اور اتحاد کی نعمت کی بشارت دے کر افتراق سے بچنے کی تلقین کریں گے اور یہ حُسنِ اتفاق ہے کہ حال ہی میں صدر مملکت، جنہیں قدرت نے بہت سی جگہ اپنے دین کی پاسبانی اور ترجمانی کا شرف بخشا ہے۔ بتقاضائے آیتِ کریمہ وَاِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَہُمَا ایران اور عراق کے مابین مصالحت کرانے کے لئے ایک اور خیر سگالی مشن انجام دے کر واپس لوٹے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے۔

جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اتحاد واقعی ایک نعمتِ عظمیٰ ثابت ہوا تھا اور آپ کی اُمّت دیکھتے دیکھتے ساری دُنیا پر چھا گئی تھی، آج بھی نعمت اتحاد و اتفاق اپنے اندر ویسے ہی روشن امکانات رکھتی ہے۔ بلا شبہ چودھویں صدی میں زوال کے سائے گہرے رہے ہیں مگر پندرھویں صدی جملہ قرائن کی رُو سے اُمید افزاء صدی ہے۔ یہ اس شرط سے ہے کہ مسلمان اپنے روحانی رشتوں کو اپنے اتحاد کی اساس دے لیں اور اسی تعلق

اِسوقت مسلم ممالک نے جن بُنیادوں پر
خود کو تقسیم کیا ہوا ہے وہ سَراسر
غیر مناسب ہیں!

کے تابع وسائلِ مادی کی تنظیم کرکے خود کو ایک بنیانِ مرصوص بنالیں۔

دوسرا نکتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کا یہ ہوگا کہ اے مسلمانانِ عالم اپنے اصل نصب العین یعنی دعوتِ حق کو فراموش نہ کرو اور موعظۂ حسنہ اسلام کو آج کے دور میں آج کی زبان اور آج کے محاورے میں پیش کرو اور حکمت تسخیرِ کائنات سے بہرہ مند ہو جاؤ۔ دوسروں کی ٹیکنالوجی سے مرعوب ہو کر نہیں بلکہ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ کے علاوہ ایمان و یقین، اعمالِ صالحہ اور یومِ آخرت کے ایقان سے مستحکم ہو کر، اس اصول پر آگے بڑھو جس کا درس سیرتِ نبوی میں ملتا ہے۔ وہ درس خدا کے ارشاد: وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا میں ہے۔

یہ تو رہا سادہ سا پیغام حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مسلمانانِ عالم کے نام جس کی تفصیلات قرآن مجید الگ بھی ہیں اور یکجا بھی ہیں جنہیں مصری فاضل محمد حسین ہیکل نے اپنی کتاب "حیاتِ محمدؐ" میں یکجا جمع کر دیا ہے۔
(دیکھئے مذکورہ کتاب: ص ۵۴۱، ۵۳۵)

یہ گویا ایک منشورِ انسانیت ہے جو مسلمانوں کے علاوہ سارے عالم کے لئے بھی ہے۔ اس میں سب نیکیاں جمع ہیں اور اسلام عبارت اسی عمل بالمعروف اور اجتناب عن المنکر سے ہے۔ اس میں حقوق اللہ، حقوق العباد اور دیگر اکثر معاشرتی ملقیات موجود ہیں۔ جو زندگی میں پاکیزگی، توسط، حسنِ معاملہ اور ثروتِ قلوب پیدا کرتی ہے۔ اور معاشرے کو اس بے آہنگی سے بچاتی ہیں جو مغربی دنیا میں روز بروز بڑھتی جاتی ہے مگر اس کا ذکر آگے آئے گا۔ (حضورؐ کے دوسرے معاشرتی و اخلاقی احکام کے لئے یکجا دیکھئے۔ مولانا بدر عالم کی کتاب "ترجمان السنۃ" ج ۲، ۳)

موضوع کا عنوان تقاضا کرتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے حوالے سے عصرِ حاضر (یعنی مغرب) کے فکری و معاشرتی احوال پر بھی کچھ گفتگو کی جائے اور یہ بتایا جائے کہ حضور کی تعلیمات سے مغرب کس طرح مستفید ہو سکتا ہے۔

یہ امر واقعہ ہے کہ مغرب سائنس اور ٹیکنالوجی میں انتہائی ترقی تک پہنچ چکا ہے لیکن ان عظیم الشان ترقیات کے باوجود جیسا کہ ان کے ادب اور فکری کتابوں سے معلوم ہوتا ہے وہاں کے افراد سخت بے اطمینانی میں مبتلا ہیں۔ ایسا نظر آتا ہے کہ ان کے بنیادی تصورات کسی خاص قسم کے عدمِ توازن کا شکار ہو چکے ہیں اور انہیں واقعی کسی ایسے پیغام کی ضرورت ہے جس سے ان کے معاشرے کا توازن بحال ہو جائے اور ہمارا یقین یہ ہے کہ وہ پیغام رحمت حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات (قرآن مجید اور سیرتِ نبویہ) میں موجود ہے۔ رحمت سے مراد کیا ہے؟ اس لفظ کا مادہ رحم (ر ح م) ہے۔ اور رحیم، رحمان بھی مفسرین اور عام عرب زباں شناسوں کے

یہ گویا
ایک منشورِ انسانیت ہے جو مسلمانوں
کے علاوہ سارے عالم
کے لئے بھی ہے

نزدیک کمالات رحمت سے ہیں۔ "رحم مادر" کی ترکیب کے حوالے سے اس کے مفہوم میں بہت سے جذبات محبت و تربیت آگئے ہیں۔ اس کے معنی محبت و شفقت، نرمی اور عفو و درگذر ہیں۔ لیکن درحقیقت یہ اس کے محدود معنی ہیں۔ رحمت بہت وسیع لفظ ہے جو خداوند تعالیٰ نے اپنے لئے بھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی ارشاد فرمایا ہے۔ غور و تدبر سے یہ نتیجہ نکالنا بے جا نہ ہوگا کہ اس لفظ میں جملہ پدرانہ اور مادرانہ، معلمانہ اور مربیانہ محبتیں اور شفقتیں جمع ہیں جن کا کل احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔ مختصراً رحمت، شواہد ربوبیت کا مظہر اور سرمایۂ بہجت و سعادت بھی ہے اور فرد اور معاشرہ کے جملہ دکھوں کی دوا بھی، اس میں تسلی اور مداوائے غم بھی ہے مگر مربیانہ تربیت اور معلمانہ بشارت کے ساتھ انذار بغرض اصلاح بھی ہے۔ بہرحال رحمت کا غالب عنصر وہ سلوک ہے جس سے قلب انسانی دکھ سے نجات پاکر اطمینان حاصل کرسکے بلکہ اس سے بڑھ کر قلوب میں شادابی کی کیفیت پیدا ہو جائے۔ جو یک گونہ توانائی اور نشو و نما کی صلاحیت کی بھی ضامن ہو۔ لہٰذا حضور ﷺ کے پیغام میں یہ سب باتیں موجود ہیں جن کا ذکر ہوا۔

"رحمۃ للعالمین" کے مصنف قاضی سلیمان منصور پوری نے اپنی کتاب کی جلد سوم (صفحہ ۲ و بعد) میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ سے حضور ﷺ کے رحمۃ للعالمین ہونے کے ۴۶ سوانحی نمایاں شواہد پیش کئے ہیں جو یہیں آپ نے ان سب غیر معمولی شفقتوں اور بے نظیر مہربانیوں کا تذکرہ کیا ہے جو خدائے تعالیٰ کے آخری پیغمبر نے کیں اور ان سے ان سب کمالات نبوت (رشد و ہدایت اور خیر خواہئ عام) کا ثبوت ملتا ہے جن کا اس سے قبل ذکر آچکا ہے۔ چند مثالیں ہی کافی ہوں گی۔ آپ نے اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ پر عمل کیا اور کرایا۔ آپ نے وَلَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا پر عمل کیا اور کرایا۔ آپ نے فتح مکہ کے بعد فرمایا: فَاذْهَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَآءُ۔

ان مثالوں کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جملہ تعلیمات میں تسلی، آسودگی، عدل اور رواداری جیسے شواہد رحمت بھی پائے جاتے ہیں۔

سوال کیا جا سکتا ہے کہ مغرب سائنس اور ٹیکنالوجی میں ناقابل یقین کمال تک پہنچ چکا ہے تو اس صورت میں مغرب کو کسی بیرونی پیغام کی ضرورت ہی کیا ہے؟ یہ دعویٰ مغرب کے اکثر مفکر کرتے بھی ہیں لیکن خود مغربی ادب یہ ظاہر کرتا ہے کہ ان سب مذکورہ ترقیات کے باوجود مغرب قلبی اطمینان سے محروم ہے اور امریکہ و یورپ کے معاشروں میں بے دردی اور بے یقینی کے بحران بھی پیدا ہو گئے ہیں جو پریشانیوں کا موجب ہیں۔ اس لئے پیغام اور رہنمائی کی ضرورت واضح ہے۔

اگر مجھ سے پوچھا جائے کہ مغرب کی یہ پریشانیاں کیا ہیں؟ جن سے ان کے اپنے مصنفوں کے بیان کے مطابق بھی انکار نہیں کیا جا سکتا: تو میں عرض کروں گا کہ اس وقت مغرب کی بڑی اور مرکزی

اس میں تسلی اور مداوائے غم بھی ہے
مگر مربیانہ تربیت اور معلمانہ بشارت
کے ساتھ انذار بغرض اصلاح بھی ہے

پریشانیاں دو ہیں، جو باقی سب پر محیط ہیں۔

اوّل خوف؛ یعنی کسی خوفناک عالمگیر جنگ کا مسلسل خوف اور اس کے ہمراہ وسائل زندگی کا تدریجی طور پر کم ہو کر ختم ہو جانے کا اندیشہ۔

دوم قحط بالفت و رفاقت و محبت جو کرب تنہائی اور خود بیزاری (ALIENATION) پر منتج ہوتا ہے اور بقول غالب ؎

سایہ میرا مجھ سے مثل دود بھاگے ہے اسدؔ
پاس مجھ آتش بجاں کے کس سے ٹھہرا جائے ہے

اب ان دونوں خوفوں کے اسباب کیا ہیں؟

ٹوائن بی نے مغربی انتشار قلبی کی صرف علامتوں کا ذکر کر کے بات ختم کر دی ہے کہ مغرب کی صرف دو بڑی کمزوریاں ہیں۔ ایک RACIAL DISCRIMINATION اور دوسری ALCOHOLISM اور شپنگلر نے تو اپنے تدوری (CYCLIC) فلسفۂ اقوام سے زوال مغرب کی اصل بیماری کا ذکر گول ہی کر دیا ہے لیکن بات اتنی ہی نہیں یہ کہانی طویل ہے۔ علامہ ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم کہہ گئے ہیں؎

عجب آں نیست کہ اعجاز مسیحا داری
عجب آں نیست کہ بیمارِ تو بیمار تر است

دَر اصل مغربی بیماری کا آغاز اس تصورِ زندگی سے ہوا کہ دین اور دُنیا دونوں الگ الگ حقیقتیں ہیں۔ رفتہ رفتہ مادی فلسفوں کی بدولت ماورائی روحانی سب سلسلوں کا انکار ہوتا گیا۔ ڈیکارٹ نے ہر وسیلۂ علم و زندگی کو منتشر کر کے جزاء و سزا اور عقبیٰ اور رحمت کے پیچھے ہوئے جملہ وسائل سے انسان کو مایوس محروم کر دیا۔

اور اب آخری نقطۂ نظر ہے AUTONOMY OF MAN اور خواہشات نفس کی بے روک تسکین۔ یہ دراصل انسان کا غرورِ نفس جس کا ذکر قرآن مجید کی آیت یَا اَیُّھَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّکَ بِرَبِّکَ الْکَرِیْمِ قدرت نے مغرب کو ایک نعمت سے نوازا تھا جس کا نام ہے سائنس، لیکن اس نے سائنس کو بے محور فلسفہ بنا کر اپنی خدائی کے دعوے شروع کر دیئے اور کہا کہ مذہب اور دین کی ضرورت نہیں کیونکہ سائنس ہر شے کے لئے کافی ہے (فاضل محمد قطب نے اسے یوں ادا کیا ہے کہ خرابی کی انتہا یہاں ہوئی کہ مغرب کے فلسفیوں نے سائنس کو MYTH بنا دیا۔

(دیکھئے ان کا مضمون در کتاب THE CHALLENGS OF ISLAM جہاں ڈاروِن، فرائیڈ اور مارکس کے خیالات کا تجزیہ کیا گیا ہے۔)

بہر حال جب تجزیئے سے ثابت ہوا کہ سائنس برحق تو ہے لیکن صرف جزوی حقیقتوں کا ادراک کر سکتی ہے یعنی کلی حقیقت کا نہیں (جس کا ادراک مذہب ہی کر سکتا ہے)، تو اس تجربے سے آہستہ آہستہ ضمیر طرازان فکر کو محسوس ہونے لگا

ایک نہایت ہی وسیع دُنیا ہے۔ اس کے داخلی قلبی دکھوں کا علاج سائنس کے پاس نہیں تو مایوسی پھیلنے لگی۔ جان وتن کی تفریق سے تشکیک اور دل پژمردہ ہوتے گئے۔ اب قریب ہو کر آپ دلوں کو ٹٹولیں گے تو اکثر مغربی لوگ اندر سے دکھی نظر آئیں گے (چنانچہ ۱۹۴۰ء تا ۱۹۸۰ء کا مغربی ادب اسی کرب واضطراب کا آئینہ دار ہے) معاشرتی اور تخلیقی ادب کے آئینے میں یہ تصویر دیکھنی ہو تو ہارورڈ کے پروفیسر T.W BELL کی کتاب CULTURAL CONTRADICTIONS OF CAPITALISM اور صحیا بالڈ کی کتاب BEYOND DESPAIR اور MAGER کی کتاب RELTGION AND THE MODERN MIND. کے اوراق پر نظر ڈالئے اور خود دیکھئے کہ پریشانی، محرومی اور تخریبی احساس کس خطرناک حد تک بڑھ چکا ہے۔

غرض مغرب یا عصر حاضر کے دو بڑے بحران یہی ہیں، اول خوف جنگ اور اندیشۂ خوف قحط وسائل۔ دوم کرب تنہائی اور خاتمۂ محبت ورفاقت۔ یہ سب مادی فلسفوں کے نتائج ہیں جن میں خدا کا سہارا ختم کر دیا گیا اور تن کی خواہشات کی تسکین اور عیش امروز ہی کو سب کچھ سمجھ لیا گیا۔ ایمان باللہ اور ایمانیات سے اِنکار، دین اور دنیا کی جُدائی مغرب کا سب سے بڑا المیہ ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بنیادی پیغام مغرب (عصر حاضر) کے نام عَود اِلی الایمان ہے۔

ایمان FAITH کی اس ضرورت کا احساس دوسری جنگ عظیم کے فوراً بعد کی مغربی شعوریات میں بھی آہستہ آہستہ پیدا ہونا گیا تھا جس کا ظہور کئی شکلوں میں ہوا ہے۔ اس کے علمبردار پال ٹلخ FAUL TILLICH جیسے مغربی متکلمین اور داخلیت کے فلسفی بیوبر RUBER جیسے بھی ہیں۔ ایک مذہبی مفکر J.B. MAGEE نے ایک مبسوط کتاب RELIGION AND THE MODERN MIND میں جدید ذہن کا شرح وبسط سے تجزیہ کر کے FATTH کو مغرب کی سب سے بڑی ضرورت قرار دیا ہے۔ اور ایک اور مُصنّف نے اپنے ایک مضمون IT IS TIME TO REMINT WEST کے عنوان سے یورپ کو تنبیہ کی ہے کہ تباہی سے بچنا ہے تو خدا سے تعلق پیدا کرو۔

غرض ایمانیات کے حق میں آمادگی پائی جاتی ہے اور حضور کے پیغام کے لئے یہ وقت ہر طرح موزوں معلوم ہوتا ہے۔ کاش عصر حاضر دینِ اسلام اور سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ٹھنڈے دل اور بے تعصبی سے نظر ڈال سکے۔ حضور کی تعلیم وتلقین TOTALITY کلیت (دین اور دُنیا، تن اور روح کی جامعیت) کی طرف رجعت کی دعوت دے رہی ہے تاکہ مغرب نے سخت محنت کے بعد جو مادی ترقی کی ہے وہ ضائع نہ ہو جائے۔

میں نے اوپر جس تفریق کا ذکر کیا ہے وہ صرف نظری معاملہ نہیں، بلکہ اس کے عملی نتائج وثمرات نے ساری دُنیا کو عذاب میں مبتلا کر رکھا ہے اسی تفریق کے تصور سے قومیت کا تصور پیدا ہوا ہے جس نے نسل انسانی کو پارہ پارہ کر دیا ہے اور اب ہر قومیت دوسری قومیت سے گرم یا سرد جنگ میں مبتلا ہے۔ سرمایہ داری اور اشتراکی استبداد یہ بھائی کے

نتیجے ہیں۔ قرآن مجید کی تعلیمات میں شعوب و قبائل کی عصبیت اور ان کی باہمی جنگ کو (جن کی بنیاد پر آج قومیتیں ابھر رہی ہیں) "آگ" قرار دیا گیا ہے اور الفت و رفاقت باہمی کو (بربنائے وحدتِ انسانی) نعمت قرار دیا گیا ہے۔ آج بھی دنیا حضور کی دی ہوئی اس نعمت کی بڑی شدت سے ضرورت مند ہے۔ آیتِ قرآنی یہ ہے:

وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا (آل عمران ۱۰۳)

ترجمہ: "اور اللہ کے اس احسان کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ پھر اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی پس تم اس کی مہربانی سے آپس میں بھائی بھائی ہو گئے اور تم جہنم کے کنارے پر پہنچ چکے تھے۔ پھر اس نے تم کو اس سے بچا لیا۔"

اس مسئلے کا ایک پہلو اور بھی پہلو اور بھی ہے اور وہ یہ کہ صرف تن اور حواس کی زندگی پر زور دینے کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ اخلاقیات میں [illegible] کا انکار کر دیا گیا ہے لہٰذا اخلاقی اقدار ختم ہو گئی ہیں۔ لہٰذا جبلتوں اور نفسانی خواہشات پر کوئی کنٹرول نہیں رہا۔ اسی سے وہ معاشرتی اور انفرادی انارکی نمودار ہوئی ہے جو مغرب میں عریانی جنس پرستی اور "اینگری بوائے" اور "بار بیرک ڈراما" جیسی کجروی کو جنم دے رہی ہے۔ اب زندگی چونکہ تعیش کا دوسرا نام ہے اس لئے دولت پرستی اور زراندوزی (سرمایہ داری یا تکاثر) واحد مقصدِ حیات بن گیا ہے چنانچہ اسی کے نتیجے میں استعمار و استحصال عام ہو کر اب دنیا رقابتوں کا مرکز ہے اور دنیا دو مستقل بلاکوں میں تقسیم ہو گئی ہے۔

قرآن مجید نے تکاثر، اسراف و ترف کی سخت مذمت کی ہے اور اب بھی دنیا کو معاشرتی امن کی ضرورت ہو گی تو اسے تن پرستی اور تکاثر سے اجتناب کر کے توسط کی زندگی کو اپنانا ہوگا۔ اور اقتصاد کو جس کے معنی میانہ روی ہیں۔ اقوامِ عالم کا ضروری معاشرتی معاشی رویّہ بنانا پڑے گا۔

مقصد یہ کہ حضور کی تعلیمات کی رو سے ایک متوسط معاشی نظام ہی دنیا کے معاشی و معاشرتی مصائب کا علاج ہے۔ اسلام کے نزدیک مال و دولت یا مناسب سرمایہ کا حصول بری چیز نہیں لیکن سرمایہ داری فی الحقیقت بری ہے اسی طرح انسان کی آزادی معاش کو سلب کر لینا بھی مذموم ہے۔ حضور کی معاشی تعلیم میانہ روی کی دعوت دیتی ہے اور مغرب کے ان دونوں دبستانوں کو حضور کی دعوت پر غور کرنا چاہیئے۔

لہٰذا اسلام اور حضور کی تعلیم اقتصاد کی طرف بلاتی ہے جس میں سرمایہ داری کے وہ ہولناک مظاہر بھی نہ ہوں جو یورپ اور امریکہ میں نمودار ہوئے ہیں اور اجتماعی پیداوار کے نام سے فرد کی آزادی اور اس کی محنت کا جس طرح استحصال کیا جاتا ہے وہ بھی نہ ہو۔

اس کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم کردہ نظام کو کیوں نہ دیکھ لیا جائے۔ اس پر یقیناً ایک عادلانہ عالمگیر معاشی

نظام تیار کیا جا سکتا ہے جس میں ہر کوئی خوش دلی سے کمائے اور بانٹ کر کھائے۔

میرا خیال ہے کہ مغربی مفکرین نے اسلام کے خاندانی نظام کا بغور مطالعہ نہیں کیا ورنہ یہ محبت و تعاون کے علاوہ معاشی کفالت عمومی کی ایک عملی صورت ہے۔ اس کے علاوہ مغرب اگر اسلامی شورائی اصول کی روشنی میں اپنی جمہوریت کا بھی تجزیہ کرے تو وہ یقیناً اس نتیجے پر پہنچے گا کہ اقتدار کی پسند یا تقویٰ پر یا عقل پر ہونی چاہیئے۔ اکثر کا اصول طفل تسلی سے کم نہیں۔ اس معاملے میں اسلام کا مطالعہ یقیناً زیادہ عملی اور منصفانہ نتائج پیدا کرے گا۔

اسلام کا ایک اہم عقیدہ وحدت نسل انسانی ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ

بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً ‎(۴۔ النساء)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اسی عظیم تصور پر زور دیتی ہے اور اس معاشرتی اشتراک کی روادار ہے جس میں کسی غیر مسلم معاشرے سے بھی مشترک اصولوں کی بنیاد پر تعاون کیا جا سکتا ہے۔

اس کا ثبوت میثاق مدینہ ہے۔ (جس کے ذریعے آپ نے یہودیوں کے ساتھ شہریت میں اشتراک کیا) اسکے علاوہ آپ نے معاصر سلاطین کے نام جو مکاتیب لکھے ان میں كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ کے اصول کو دہرایا۔

آپ نے قرآن مجید کی مشہور آیتِ کریمہ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ کے مضمون کے مطابق انسان کی اکرمیت کی بنیاد تقویٰ اور شرافت کو بنایا، اور خطبہ حجۃ الوداع میں تو صاف اعلان کیا کہ کسی عربی کو عجمی پر اور کسی احمر کو اسود پر ترجیح حاصل نہیں، صرف تقوے کی بنیاد پر کوئی شخص افضلیت حاصل کر سکتا ہے محض رنگ و نسل وغیرہ کافی نہیں، اسلام کی تاریخ میں ہندوستان اور مصر کے غلام بھی سلاطین بنتے دکھائی دیتے ہیں۔ یہ اسی قرآنی تعلیم کا نتیجہ تھا۔

آج کے دور میں کبھی کھلا اور کبھی کنایۃً سفید فام اقوام اپنے رنگ اور دوسرے اوصاف کو وجہ تفاخر بناتی ہیں لیکن حضور کی تعلیم اس کے خلاف ہے اور آپ نے اپنی زندگی میں اس کے عملی ثبوت بھی پیش کئے ہیں۔ اسی اصول یا عقیدے کی بنیاد پر اسلام کو PLURALISM جیسی کوئی مشکل پیش نہیں آئی۔ امریکہ چاہے تو نسلی مسئلے کا حل اسلام کی تعلیم کے ذریعے کر سکتا ہے۔

وحدتِ نسل انسانی کے تصور کے اندر سے مغرب کے بعض مفکر تمام عالم کی واحد ریاست کا تخیل پیش کرنے کے مدعی ہیں، اور حقوق عامہ کے معاملے میں سبقت کا دعویٰ بھی کرتے ہیں اور کنگ جان کے میگنا کارٹا (۱۲۱۵ء) کو اوّلین دستاویز حقوق اور بعد کی متعدد وحدت آفرین تجویزوں مثلاً چین لیگ پالیک آف نیشنز اور موجودہ یونائیٹڈ نیشنز وغیرہ بطور مثال تذکرہ کرتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ واحد عالمی ریاست کے نصب العین کا سنگ بنیاد حضور نے میثاق مدینہ کے علاوہ خصوصی طور سے خطبہ حجۃ الوداع میں رکھا تھا۔ جن مثالوں کا اوپر ذکر آیا ہے وہ یا تو محدود تھیں یا ناقابلِ عمل تھیں۔ کیونکہ ان کی

باقی صفحہ ۲۸ پر

مولانا ابوالکلام آزاد

؎ اِک رَاز کہ دَرسینہ نہانست نہ وعظ است — بَردار تواں گفت بہ منبر نہ تواں گفت

عزیزانِ ملت! ماہِ ربیع الاول کا ورود تمہارے لئے جشنِ مسرت کا ایک پیغام عام ہوتا ہے۔ کیونکہ تم کو یاد آجاتا ہے کہ اس مہینے کے ابتدائی ہفتوں میں خدا کی رحمت عامہ کا دنیا میں ظہور ہوا۔ اور اسلام کے داعیِ برحق کی پیدائش سے دنیا کی دائمی غمگینیاں اور سرگشتگیاں ختم ہوگئیں۔ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم۔

تم خوشیوں سے معمور ہو جاتے ہو، تمہارے اندر خدا کے رسولِ برحقؐ کی محبت و شیفتگی ایک بے خودانہ جوش اور محویت پیدا کر دیتی ہے، تم اپنا زیادہ سے زیادہ وقت اسی کی یاد میں، اسی کے تذکرے میں اور اسی کی محبت کی لذت و سُرور میں بسر کرنا چاہتے ہو۔

تم اس کے ذکر و فکر کی مجلسیں منعقد کرتے ہو، ان کی آرائش و زینت میں اپنی محنت و مشقت کی کمائی بے دریغ لُٹاتے ہو، خوشبودار اور تر و تازہ پھولوں کے گلدستے سجاتے ہو، نوری شمعوں کے خوبصورت فانوس اور برقی روشنی کے بکثرت کنول روشن کرتے ہو، عطر اور گلاب کی مہک اور اگر کی بتیوں کا بخور جب اہلِ مجلس کو اچھی طرح معطر کر دیتا ہے تو اس وقت مدح و ثنا کے زمزموں اور درود و سلام کے مقدس ترانوں کے انداز سے اپنے محبوب و مطلوبِ مقدسؐ کی یاد کو ڈھونڈتے ہو اور بسا اوقات تمہاری آنکھوں کے آنسو اور تمہارے پُرمحبت دلوں کی آہیں، اور اس کے اسمِ مبارک سے والہانہ عشق کرتیں اور اس کے عشق سے حیاتِ روحانی حاصل کرتی ہیں۔

پس کیا مبارک ہیں وہ لوگ جنہوں نے اپنے عشق و شیفتگی کے لئے ربّ السموات والارض کے محبوب کو چنا،
اور کیا مطہر و پاک ہیں وہ زبانیں جو سیدالمرسلین و رحمۃ للعالمینؐ کی حمد و ثنا میں زمزمہ سنج ہوئیں!!

؎ مصلحت دیدِ من آنست کہ یارانِ ہمہ کار — بگذارند و خمِ طرۂ یارے گیرند

انہوں نے اپنے عشق و شیفتگی کے لئے اس کی محبوبیت کو دیکھا جس کو خود خدا نے اپنے چاہتوں اور محبتوں سے ممتاز کیا اور ان کی زبانوں نے اس کی مدح و ثنا کی، جس کی مدح و ثنا میں خود خدا کی زبان اس کے ملائک اور قدسیوں کی

زبان اور کائناتِ ارضی کی تمام پاک روحوں اور ہستیوں کی زبان ان کی شریک و ہمنوا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔

ظہور و مقصدِ ظہور ماہ ربیع الاوّل کی یاد میں ہمارے لئے جشن و مسرت کا پیام اس لئے تھا کہ اسی مہینے میں خدا کا وہ فرمانِ رحمت دنیا میں آیا جس کے ظہور نے دنیا کی شقاوت و حرمانی کا موسم بدل دیا ظلم و طغیان اور فساد و عصیان کی تاریکیاں مٹ گئیں، خدا اور اس کے بندوں کا ٹوٹا ہوا رشتہ جڑ گیا، انسانی اخوت و مساوات کی یگانگت نے دشمنیوں اور کینوں کو نیست و نابود کر دیا اور کلمۂ کفر و ضلالت کی جگہ کلمۂ حق و صداقت کی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔

قَدْ جَآءَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَّکِتٰبٌ مُّبِیْنٌ یَّھْدِیْ بِہِ اللّٰہُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَہٗ سُبُلَ السَّلٰمِ۔

"اللہ کی طرف سے تمہاری جانب ایک نورِ ہدایت اور کتابِ مبین آئی۔ اللہ اس کے ذریعہ اپنی رضا چاہنے والوں کو سلامتی اور زندگی کی راہوں پر ہدایت فرماتا اور ان کے آگے صراط مستقیم کھولتا ہے۔"

لیکن دنیا شقاوت و حرمان کے دَور سے پھر دو چار ہو گئی۔ انسانی شر و فساد اور ظلم و طغیان کی تاریکی خدا کی روشنی پر غالب ہونے کے لئے پھیل گئی۔ سچائی اور راستبازی کی کھیتیاں نے پامالی پائی اور انسانوں کے بے راہ گلہ کا کوئی رکھوالا نہ رہا۔ خدا کی وہ زمین جو صرف خدا کے لئے تھی غیروں کو دیدی گئی اور اس کے کلمۂ حق و عدل کے غمگساروں اور ساتھیوں سے اس کی سطح خالی ہو گئی۔

ظھر الفساد فی البر و البحر بما کسبت ایدی الناس

"زمین کی خشکی اور تری دونوں میں انسانوں کی پیدا کی ہوئی شرارتوں سے فساد پھیل گیا اور زمین کی صلاح و فلاح غارت ہو گئی۔"

پھر آہ! تم اس کے آنے کی خوشیاں تو مناتے ہو پھر اس کے ظہور کے مقصد سے غافل ہو گئے ہو۔ اور وہ جس غرض کے لئے آیا اس کے لئے تمہارے اندر کوئی ٹیس اور چبھن نہیں۔ یہ ماہ ربیع الاوّل اگر تمہارے لئے خوشیوں کی بہار ہے تو صرف اس لئے کہ اسی مہینے میں دنیا کی خزاں اور ضلالت ختم ہوئی اور کلمۂ حق کا موسم ربیع شروع ہوا۔ پھر اگر آج دنیا کی عدالت سموم ضلالت کے جھونکوں سے مرجھا گئی ہے تو اے غفلت پرستو!

"تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ بہار کی خوشیوں کی رسم تو مناتے ہو مگر خزاں کی پامالیوں پر نہیں روتے۔"

آئینِ شریعت اس موسم کی خوشیاں اس لئے تھیں کہ اسی میں اللہ کی عدالت کی وہ آئینِ شریعت کو فاران پر نمودار ہوئی جس میں سیر کی چوٹیوں پر صاحبِ تورات کو خبر دی گئی تھی اور جو مظلومی کے آنسو بہانے مسکینی کی آہیں نکالنے ذلت و نامرادی سے ٹھکرائے جانے کے لئے دنیا میں نہیں آئی تھی بلکہ اس لئے آئی تھی کہ اعدائے حق و عدالت ناکامی کے آنسو بہائیں، دشمنانِ الٰہی مسکینی کے لئے چھوڑ دیئے جائیں ضلالت و شقاوت، نامرادی و ناکامی کی ذلت سے ٹھکرائی جائے اور سچائی اور راستی کا عرش عظمت و جلالت نصرتِ الٰہی

باقی صفحہ ۴۴ پر

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

قند مکرر

ھو الشاف ما عرفتہ یقیناً

ظہورِ قدسی

شبلی نعمانی

چمنستان دہر میں بارہا رُوح پرور بہاریں آچکی ہیں، چرخ نادرہ کار نے کبھی کبھی
بزم عالم اس سروسامانی سے سجائی کہ نگاہیں خیرہ ہو کر رہ گئیں

لیکن آج کی تاریخ وہ تاریخ ہے جس کے انتظار میں پیرِ کہن سالِ دہر نے کروڑوں برس صرف کردیئے۔ سیارگانِ فلک اسی دن کے شوق میں ازل سے چشم براہ تھے۔ چرخِ کہن مدت ہائے دراز سے اسی صبح جاں نواز کے لئے لیل و نہار کی کروٹیں بدل رہا تھا۔

کارکنانِ قضا و قدر کی بزم آرائیاں، عناصر کی جدت طرازیاں، ماہ و خورشید کی فروغ انگیزیاں، ابر و باد کی تردستیاں، عالم قدس کے انفاس پاک، توحیدِ ابراہیمؑ، جمالِ یوسفؑ، معجز طرازی موسیٰؑ، جاں نوازی مسیحؑ سب اسی لئے تھے کہ یہ متاع ہائے گراں شہنشاہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں کام آئیں گے۔

آج کی صبح وہی صبح جاں نواز، وہی ساعتِ ہمایوں، وہی دور فرخ فال ہے۔ ارباب سیر اپنے محدود پیرایۂ بیان میں لکھتے ہیں: "آج کی رات ایوانِ کسریٰ کے چودہ کنگرے گر گئے۔ آتشکدۂ فارس بجھ گیا، دریائے ساوہ خشک ہو گیا"۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایوانِ کسریٰ ہی نہیں بلکہ شانِ عجم شوکتِ رُوم، اوجِ چین کے قصر ہائے فلک بوس بھی گر پڑے۔ آتشِ فارس ہی نہیں بلکہ جحیم شر، آتشکدۂ کفر، آذرکدۂ گمرہی سرد ہو کر رہ گئے۔ صنم خانوں میں خاک اُڑنے لگی، بتکدے خاک میں مل گئے، شیرازۂ مجوسیت بکھر گیا، نصرانیت کے اوراقِ خزاں دیدہ ایک ایک کر کے جھڑ گئے۔ توحید کا غلغلہ اٹھا، چمنستانِ سعادت میں بہار آگئی، آفتابِ ہدایت کی شعاعیں ہر طرف پھیل گئیں۔ اخلاقِ انسانی کا آئینہ پرتوِ قدس سے چمک اٹھا۔ یعنی یتیم عبد اللہ، جگر گوشۂ آمنہ، شاہِ حرم، حکمرانِ عرب، فرمانروائے عالم، شہنشاہِ کونین:

شمسۂ نہ مسندِ ہفت اختران	ختم رسل خاتم پیغمبران
احمدِ مرسل کہ خرد خاکِ اوست	ہر دو جہاں بستۂ فتراکِ اوست
اُمّی و گویا بہ زبانِ فصیح	از الفِ آدمؑ و میم مسیحؑ

عالم قدس سے عالم امکان میں تشریف فرمائے عزت و اجلال ہوئے!

یا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا	عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ
ھُوَ الْحَبِیْبُ الَّذِیْ تُرْجٰی شَفَاعَتُہٗ	لِکُلِّ ھَوْلٍ مِّنَ الْاَھْوَالِ مُقْتَحِمِ

مدرسہ نبویہ اور علوم رسالت کے طلبہ

حضرت علامہ
سید سلیمان ندوی
رحمۃ اللہ علیہ

حضرات! ——— عرب کے اس اُمّی معلم کی درسگاہِ نبوت کا مطالعہ فرمائیں۔۔۔۔

یہ علوم نبوت و رسالت کے وارث اور امین صحابہؓ ہیں ———

یہ کون طالب علم ہیں؟ ← یہ حضرت صدیق اکبرؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ، حضرت علی المرتضیٰؓ جناب طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہم مکہ کے قریشی طالب علم ہیں ———

—— یہ کون ہیں؟ ابوذرؓ اور انیسؓ ہیں، یہ مکہ سے باہر تہامہ کے غفاری کے ہیں۔ یہ کون ہیں؟ یہ ابو ہریرہؓ اور طفیل بن عمروؓ ہیں، یمن سے آئے ہیں اور دوس قبیلہ کے ہیں۔ یہ کون ہیں؟ یہ ابو موسیٰ اشعریؓ اور معاذ بن جبلؓ ہیں یہ یمن سے آئے ہیں اور دوسرے قبیلوں سے ہیں یہ کون ہیں؟ یہ ضماد بن ثعلبہؓ ہیں قبیلۂ ازد کے ہیں۔ یہ کون ہیں؟ یہ خباب بن الارتؓ قبیلہ تمیم کے ہیں، یہ منقذ بن حبانؓ اور منقذ بن عائذؓ ہیں، عبدالقیس کے قبیلہ سے ہیں اور بحرین سے آئے ہیں، یہ عبیدؓ و جعفرؓ عمان کے رئیس ہیں، یہ فروہؓ ہیں یہ معان یعنی حدود شام کے رہنے والے ہیں، یہ کالے کالے کون ہیں؟ یہ بلالؓ ہیں ملک حبش والے، یہ کون ہیں یہ صہیبؓ رومی کہلاتے ہیں، یہ کون ہیں، یہ سلمان فارسیؓ ایران سے ہیں، یہ فیروز دیلمیؓ ہیں، یہ سیبختؓ اور مرکبوذؓ ہیں نسلاً ایرانی ہیں۔

حدیبیہ کی صلح ۶ھ میں وہ عہد نامہ مرتب کراتی ہے جو اسلام کا عین منشا ہے یعنی قریش اور مسلمان دونوں فریق جنگ موقوف کردیں اور مسلمان جہاں چاہیں اپنی دین کی دعوت دیں۔ اس دلنواز کامیابی کے بعد پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کیا؟ اسی سال ۶ھ میں تمام قوموں کے سلاطین اور امراء کے نام دعوتِ اسلام کے خطوط بھیجے اور ان کو خدا کا پیغام پہنچایا، دحیہ کلبیؓ ہرقل قیصرِ روم کے دربار میں، عبداللہ بن حذافہ سہمیؓ خسرو پرویز شہنشاہ ایران کے دربار میں، حاطب بن بلتعہ مقوقس عزیز مصر کے یہاں، عمرو بن اُمیہ حبش کے بادشاہ نجاشی کے پاس شجاع بن وہب الاسدی شام کے رئیس حارث غسانی اور سلیط بن عمروؓ رؤساء یمامہ کے درباروں میں پیغمبر اسلامؐ کے خطوط لیکر جاتے ہیں کہ محمدؐ کی درسگاہ میں داخلہ کا اذنِ عام ہے۔

حضرات! اس واقعہ سے درسگاہ محمدیؐ کی جامعیت کا یہ پہلو نمایاں ہوتا ہے کہ اس میں داخلہ کے لئے رنگ و روپ، ملک و وطن، قوم و نسل اور زبان و لہجہ کا سوال نہ تھا بلکہ وہ دنیا کے تمام خاندانوں، تمام قوموں، تمام ملکوں اور تمام زبانوں کے لئے عام تھی۔

ع صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کیلئے

ہمارا مسلک و نظریہ

جہاں روشن است از جمالِ محمدؐ دلم زندہ شد از وصالِ محمدؐ

خوشا چشم کو بنگرد مصطفےٰ را خوشا دل کہ دارد خیالِ محمدؐ

○

اب آؤ! اس درسگاہ کی حیثیت اور درجہ کا پتہ لگائیں۔ کیا وہ اسکول اور کالج ہے جہاں ایک ہی فن کی تعلیم ہوتی ہے یا اس کی حیثیت ایک جامع اور درسگاہ اور عظیم الشان یونیورسٹی کی ہے۔ جہاں ذوق، مناسبتِ طبع اور استعداد کے مطابق ہر ملک کے لوگوں کو اور ہر قوم کے افراد کو الگ تعلیم ملتی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعلیم گاہ کو دیکھو، وہاں صرف فوج کے سپاہی اور پوشع جیسے فوجی افسر اور قاضی اور کچھ مذہبی عہدہ دار پائے جاتے ہیں، حضرت عیسیٰؑ کے طالب علموں کو تلاش کرو، چند زہد پیشہ فقراء و فلسطین کی گلیوں میں ملیں گے، مگر محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں کیا نظر آئے گا! ایک طرف اصحمہ حبش کا نجاشی بادشاہ، فروہ معان کا رئیس، ذوالکلاع حمیر کا رئیس، عامر بن شہر قبیلہ ہمدان کا رئیس، فیروز دیلمی اور مرکبودین کے رئیس، عبید و جعفر عمان کے رئیس۔ دوسری طرف بلال و یاسر، صہیب، خباب، عمار اور فکیہہ (رضی اللہ عنہم) کے سے غلام اور حضرت سمیہؓ، لبینہؓ، زنیرہؓ، نہدیہؓ اور ام عبیسؓ کی سی لونڈیاں ہیں۔ غور سے دیکھو! امیر و غریب، شاہ و گدا، آقا و غلام سب ایک صف میں کھڑے ہیں۔

ایک طرف عقلائے روز، اسرارِ فطرت کے محرم، دنیا کے جہانبان اور ملکوں کے فرمانروا اس درسگاہ سے تعلیم پاکر نکلتے ہیں۔ ابوبکر صدیق رضؓ ہیں، عمر فاروق رضؓ ہیں، عثمان غنی رضؓ ہیں، علی مرتضیٰ رضؓ ہیں، معاویہ بن ابی سفیانؓ ہیں جنہوں نے مشرق سے مغرب تک، افریقہ سے ہندوستان کی سرحد تک فرمانروائی کی اور ایسی فرمانروائی جو دنیا کے بڑے سے بڑے شہنشاہ اور حکمران کی سیاست و تدبر اور نظم و نسق کے کارناموں کو منسوخ کر دیتی ہے۔ ان کے عدل و انصاف کے فیصلے، ایرانی دستور اور رومی قانون کو بے اثر کر دیتے ہیں اور دنیا کی سیاسی و انتظامی تاریخ میں وہ درجہ حاصل کر لیتے ہیں جن کی مثال پیش نہیں کی جاسکتی۔

دوسری طرف خالد بن ولیدؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، ابوعبیدہ بن جراح رضؓ، عمرو ابن العاصؓ پیدا ہوتے ہیں جو مشرق و مغرب کی دو ظالم و گنہگار اور انسانیت کے لئے لعنت سلطنتوں کا چند سال میں مرقع الٹ دیتے ہیں اور دنیا کے وہ فاتح اعظم اور سپہ سالارِ اکبر ثابت ہوتے ہیں جن کے فاتحانہ کارناموں کی دھاک آج بھی دنیا میں بیٹھی ہوئی ہے۔ سعد رضؓ نے عراق و ایران کا تاج شہنشاہی اتار کر اسلام کے قدموں پر ڈال دیا۔ خالدؓ اور ابوعبیدہؓ رومیوں کو شام سے نکال کر ابراہیمؑ کی موعودہ زمین کی امانت مسلمانوں کے سپرد کر دی۔ عمرو بن العاصؓ نے فرعون کی سرزمین وادیٔ نیل رومن شہنشاہی کے ہاتھوں زبردستی چھین لی، عبداللہ بن زبیر رضؓ اور ابن ابی سرح رضؓ نے افریقہ کا میدان دشمنوں سے چھین لیا۔ یہ مشہور اور فاتح سپہ سالار ہیں جن کی قابلیتوں کو زمانہ نے تسلیم کیا ہے اور تاریخ نے ان کی بزرگی کی شہادت دی ہے۔

تیسری طرف باذان بن ساسان رضؓ (یمن)، خالد بن سعیدؓ (صنعاء)، مہاجر بن امیہؓ (کندہ)، زیاد بن ولیدؓ (حضرموت)، عمرو بن حزم رضؓ (نجران)، یزید بن ابی سفیان (تیماء)، علاء بن حضرمیؓ (بحرین) وغیرہ جیسوں وہ صحابہؓ ہیں جنہوں نے صوبوں

اور شہروں کی کامیاب حکومت کی اور خلقِ خدا کو آرام پہنچایا۔

چوتھی طرف علماء اور فقہاء کی صف ہے، عمر بن خطابؓ، علی بن ابی طالبؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت اُم سلمہؓ، ابی بن کعبؓ، معاذ بن جبلؓ، زید بن ثابت ابن زبیرؓ وغیرہ ہیں جنہوں نے اسلام کے فقہ و قانون کی بنیاد ڈالی اور دُنیا کے مقننین میں انہوں نے خاص درجہ پایا۔

پانچویں صف عام ارباب روایت و تاریخ کی ہے مثلاً ابو ہریرہؓ، ابو موسیٰ اشعریؓ، حضرت انس بن مالکؓ حضرت ابو سعید خدریؓ حضرت عبادہ بن صامتؓ، حضرت جابر بن عبداللہؓ، حضرت براء بن عازبؓ وغیرہ سینکڑوں صحابہ ہیں جو احکام و وقائع کے ناقل اور راوی ہیں۔

ایک چھوٹی جماعت ان ستر صحابہؓ (اہل صفہ) کی ہے جن کے پاس سر رکھنے کے لئے مسجد نبویؐ کے چبوترے کے سوا کوئی جگہ نہ تھی، بدن پر کپڑوں کے سوا دنیا میں ان کی کوئی ملکیت نہ تھی، وہ دن کو جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاتے اور اُن کو بیچ کر خود کھاتے اور کچھ خدا کی راہ میں دیتے اور رات کو طاعت و عبادت میں بسر کرتے۔

ساتواں رُخ دیکھو، ابو ذرؓ ہیں جن کی مانند آسمان کے نیچے اُن سے زیادہ حق گو کوئی پیدا نہیں ہوا، ان کے نزدیک آج کا کل کے لئے اُٹھا رکھنا بھی شانِ توکل کے خلاف تھا۔ اُن کو دربارِ رسالت سے مسیح الاسلام کا خطاب عنایت فرمایا۔ سلمان فارسیؓ ہیں جو زہد و تقویٰ کی تصویر ہیں، عبداللہ بن عمرؓ ہیں جنہوں نے تیس برس کامل طاعت و عبادت میں گزارے اور جب ان کے سامنے خلافت پیش ہوئی تو فرمایا کہ اگر اس میں مسلمانوں کا ایک قطرہ بھی خون گرے تو مجھے منظور نہیں۔ مصعب بن عمیرؓ ہیں جو اسلام سے پہلے قاقم و حریر کے کپڑے پہنتے اور ناز و نعمت میں پلے تھے اور جب اسلام لائے تو ٹاٹ اوڑھتے تھے اور پیوند لگے کپڑے پہنتے تھے۔ اور جب شہادت پائی تو کفن کے لئے پورا کپڑا بھی نہ ملا، پاؤں پر گھاس ڈال کر دفن ہوئے۔ عثمان بن مظعونؓ جو اسلام کے پہلے صوفی کہلاتے ہیں، محمد بن مسلمہؓ ہیں جو فتنہ کے زمانہ میں کہتے تھے کہ اگر کوئی مسلمان تلوار لیکر میرے حجرے میں مجھے قتل کرنے کو داخل ہو جائے میں اس پر وار نہ کروں گا۔ ابو درداؓ ہیں جن کی راتیں نمازوں میں اور دن روزوں میں گزرتے تھے

ایک اور طرف دیکھو! یہ بہادر کارپردازوں اور حرب کے مدبرین کی جماعت ہے اس میں طلحہؓ ہیں، زبیرؓ ہیں، مغیرہؓ ہیں، مقدادؓ ہیں، سعد بن معاذؓ ہیں، سعد بن عبادہؓ ہیں، اسد بن حضیرؓ ہیں، عبدالرحمٰن بن عوفؓ ہیں۔ کاروباری دنیا میں دیکھو تو مکہ کے تاجر اور بیوپاری اور مدینہ کے کاشتکار اور کسان بھی ہیں۔ اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور سعد بن زبیرؓ جیسے دولت مند بھی ہیں۔

ایک جماعت حق کے شہیدوں اور بے گناہ مقتولوں کی ہے جنہوں نے خدا کی راہ میں اپنی عزیز جانیں قربان کیں مگر حق کا ساتھ چھوڑنے پر راضی نہ ہوئے، حضرت خدیجہؓ کے پہلے شوہر سے فرزند ہالہ تمیمی سے تمیمہ

کفار کے ہاتھ سے اذیت سہتے سہتے گئے، سمیہؓ حضرت عمارؓ کی والدہ محترمہ ابوجہل کی برچھی کھا کر ہلاک ہوئیں، حضرت یاسرؓ کفار کے ہاتھ سے اذیت اٹھاتے اٹھاتے مرگئے، حضرت خبیبؓ نے سولی پر جان دی، حضرت زیدؓ نے تلوار کے سامنے گردن جھکائی، حرام بن ملحانؓ اور ان کے ۶۹ رفقاء نے بیر معونہ پر عصیہ پر رعل اور ذکوان کے قبائل کے ہاتھوں بےکسی کے ساتھ جام شہادت پیا، واقعہ رجیع میں حضرت عاصمؓ اور ان کے سات رفیقوں کے بدن بنو لحیان کے سو تیراندازوں کے تیروں سے چھلنی ہوئے، ۷ھ میں ابن ابی العوجاءؓ کے ۴۹ ساتھی قبیلہ بنو سلیم کے ہاتھوں شہید ہوئے، حضرت کعب بن عمر غفاریؓ مع اپنے ساتھیوں کے ذات اطلاح کے میدان میں شہید ہوئے دنیا کے ایک مشہور مذہب کو صرف ایک سولی پر ناز ہے لیکن دیکھو کہ اسلام میں کتنی سولیاں، کتنے مذبح اور کتنے مقتل ہیں۔

تلوار کی دھار ہو کہ برچھی کی انی، یا سولی کی لکڑی، بہرحال یہ ایک آنی تکلیف ہے اس سے زیادہ استقلال اور اس سے زیادہ صبر و آزمائش کی وہ زندگیاں ہیں جو سالہا سال حق کی مصیبتوں میں گرفتار رہیں جنہوں نے آگ کے شعلوں اور گرم ریت کے فرش پر آرام کیا اور پتھر کی سلوں کو اپنے سینوں پر رکھا جن کے گلوں میں رسیاں ڈال کر گھسیٹی گئیں اور جب پوچھا گیا تو وہی محمدؐ کا کلمہ ان کی زبانوں پر تھا۔ شعب ابی طالب کی قید میں تین برس تک جنہوں نے طلح (ایک درخت) کے پتے کھا کھا کر زندگی بسر کی یعنی سعد بن ابی وقاصؓ وہ کہتے ہیں کہ ایک رات بھوک کی شدت سے ایک سوکھا چمڑا مل گیا تو اسی کو دھو کر آگ پر بھون کر اور پانی میں ملا کر کھایا، عتبہ بن غزوانؓ کہتے ہیں کہ ہم سات مسلمان تھے ان غیر فطری غذاؤں سے کھا کھا کر ہمارے منہ زخمی ہو گئے۔ خبابؓ جب اسلام لائے تو کافروں نے ان کو دہکتے ہوئے کوئلوں پر لٹا دیا یہاں تک کہ یہ دہکتے ہوئے کوئلے انہی کی پیٹھ کے نیچے ٹھنڈے ہو گئے۔ بلالؓ دوپہر کی جلتی ہوئی ریت پر لٹائے جاتے اور سینہ پر پتھر کی سل رکھدی جاتی۔ ان کے گلے میں رسی ڈال کر ان کو گلی گلی گھسیٹا جاتا ابو فکیہہؓ کو ان کے پاؤں میں رسی ڈال کر زمین پر گھسیٹا گیا، ان کا گلا دبایا گیا، ان کے سینہ پر اتنا بھاری پتھر رکھا گیا کہ زبان نکل پڑی، عمارؓ جلتی ریت کے فرش پر لٹائے گئے اور مارے جاتے، حضرت زبیرؓ کو ان کا چچا چٹائی میں لپیٹ کر ناک میں دھواں دیتا، سعد بن زیدؓ رسیوں میں باندھ کر پیٹے جاتے، حضرت عثمانؓ کو ان کے چچا نے رسی میں باندھ کر پیٹا۔ یہ سب کچھ تھا مگر جو نشہ چڑھ چکا تھا وہ اُترتا نہ تھا۔ یہ کیسا نشہ تھا؟ یہ ساقیؐ کوثر کے خمخانۂ جاوید کا نشہ تھا۔

عزیزو! غور کا مقام ہے، یہ وہی وحشی عرب، وہی بت پرست عرب، وہی بداخلاق عرب ہیں، یہ کیا انقلاب ہو گیا تھا۔ ایک اُمّی کی تعلیم، جاہل عربوں کو عاقل، روشن دل، روشن دماغ اور متمدن کیونکر بنا گئی۔ ایک نبی پیغمبر کا ولولۂ تبلیغ کسمپرس عربوں کو سپہ سالار اور بہادر بنا کر نئے زور و قوت کا خزانہ کیسے عطا کر گیا جو خدا کے نام سے بھی آشنا نہ تھے وہ ایسے شب زندہ دار، عابد، متقی اور طاعت گذار کیونکر ہو گئے۔ تم نے درس گاہ

مسجدِ نبوی یا مدینہ یونیورسٹی کی پوری سیر کرلی، ہر رنگ اور ہر مذاق کے طالب علم دیکھے۔ متقی بھی دیکھے، فوجی بھی دیکھے، غریب اور مسکین بھی دیکھے، شاہ و امیر بھی دیکھے، غلام بھی دیکھے آقا بھی دیکھے، لڑنے والے بھی، مرنے والے بھی، راہِ حق کے شہیدوں کو بھی دیکھا۔ تم نے کیا فیصلہ کیا؟ اس کے سوا کیا فیصلہ ہو سکتا ہے کہ محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات انسانی کمالات اور صفاتِ حسنہ کا ایک کامل مجموعہ تھی اور یہ سب انہی کی جامعیت کی نیرنگیاں اور جلوہ آرائیاں تھیں جو کبھی صدیق رض و فاروق رض ہو کر چمکتی تھیں، کبھی ذی النورین رض اور مرتضیٰ رض ہو کر نمایاں ہوتی تھیں، کبھی خالد اور ابو عبیدہ اور کبھی سعد و جعفر طیار ہو کر سامنے آتی تھیں، کبھی ابن عمر، ابوذر، سلمان اور ابو الدرداء ہو کر مسجد و محراب میں نظر آتیں، کبھی ابن عباس، ابی ابن کعب، زید بن ثابت اور عبداللہ بن مسعود کی صورت میں علم و فن کی درسگاہ اور عقل و حکمت کا دبستان بن جاتی تھیں اور کبھی بلال و صہیب اور عمار و خبیب کی امتحان گاہوں میں تسلی کی روح اور تسکین کا پیام بن جاتی تھیں۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) گویا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجودِ مبارک آفتابِ عالم تاب تھا جس سے اونچے پہاڑ، نیچے میدان، بہتی نہریں، سرسبز کھیت اپنی اپنی صلاحیت اور استعداد کے مطابق تابش اور نور حاصل کرتے تھے یا ابرِ باراں تھا جو پہاڑ اور جنگل، میدان اور کھیت، ریگستان اور باغ ہر جگہ برستا تھا اور ہر ٹکڑا اپنی اپنی استعداد کے مطابق سیراب ہو رہا تھا اور قسم قسم کے درخت اور رنگا رنگ پھول اور پتے جم رہے تھے۔ اور اُگ رہے تھے۔

ان نیرنگیوں کیساتھ اور اس اختلافِ استعداد کے باوجود ایک چیز تھی جو مشترک طور سے سب میں نمایاں

اِک
عرب نے
آدمی کا
بول بالا
کردیا

کس نے ذرّوں کو اُٹھایا اور صحرا کردیا
کس نے قطروں کو ملایا اور دریا کردیا

کس کی حکمت نے یتیموں کو دیا دُرِّ یتیم
اور غلاموں کو زمانے بھر کا مولا کردیا

شوکتِ مغرور کا کس ذات نے توڑا طلسم
منہدم کس نے الٰہی قصر و کسریٰ کردیا

آدمیت کا غرض ساماں مہیا کردیا
اِک عرب نے آدمی کا بول بالا کردیا

جتی ، وہ ایک بجلی تھی جو سب میں کوند رہی تھی ، ایک روح تھی جو سب میں تڑپ رہی تھی ۔ وہ بادشاہ ہوں یا گدا ، امیر ہوں یا غریب ، حاکم ہوں یا محکوم قاضی ہوں یا گواہ ، افسر ہوں یا سپاہی ، استاد ہوں یا شاگرد ، عابد و زاہد ہوں یا بیوپاری ، غازی ہوں یا شہید توحید کا نشہ ، اخلاص کی روح ، قربانی کا ولولہ ، خلق ہدایت اور رہنمائی کا جذبہ اور بالآخر ہر کام میں خدا کی رضا طلبی کا جوش ہر ایک کے اندر کام کر رہا تھا ۔ وہ جو کچھ بھی ہوں جہاں بھی ہوں اور جو بھی کر رہے ہوں یہ فیضان حق سب میں یکساں اور برابر تھا ، راستوں ، رنگوں اور مذاقوں کا اختلاف تھا مگر خدا ایک تھا قرآن ایک تھا ، رسول ایک تھا اور قبلہ ایک تھا ۔ ہر رنگ ہر راستہ اور ہر کام سے مقصود دنیا کی درستی ، خلق کی ہمدردی ، خدا کے نام کی اونچائی اور حق کی ترقی تھی اور اس کے سوا کوئی چیز ان کے پیش نظر نہ تھی ۔

دوستو ! میں نے آج کی تقریر میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت جامعیت کی نیرنگیاں مختلف پہلوؤں سے دکھائیں ۔ اگر تم مطالعۂ فطرت کے بعد یقین رکھتے ہو کہ یہ دنیا انسانی مزاجوں اور انسانی صلاحیتوں اور استعدادوں کے اختلاف کا نام ہے تو یقین کرو کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جامع شخصیت کے سوا اس کا کوئی آخری ، دائمی اور عالمگیری راہنما نہیں ہو سکتا ۔

اسی لئے اعلان فرمایا :- ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ط
" اگر تم کو خدا کی محبت کا دعویٰ ہے تو آؤ میری پیروی کرو "
اگر تم سپہ سالار ہو اور سپاہی ہو تو میری پیروی کرو ، اگر تم استاد اور معلم ہو تو میری پیروی کرو ، اگر دولتمند ہو تو میری پیروی کرو ، اگر غریب ہو تو میری پیروی کرو ، اگر قوم کے خادم ہو تو میری پیروی کرو ۔ غرض جس نیک راہ پر بھی ہو اور اس کے لئے بلند سے بلند اور عمدہ سے عمدہ نمونہ چاہتے ہو تو میری پیروی کرو ۔

بقیہ : عصر حاضر کے نام

بنیاد صرف مادی تھی اور وہ اس روحانی کشش سے خالی تھیں جو قلوب میں پائیدار الفت پیدا کر سکتی ہو ۔
(کتاب UNIFICATION OF M... کے آخری باب کے اوائل اسلامی تعلیمات سے متاثرین)
بالیقین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اور سیرت ہی ایک پائیدار دستور العمل ہے جو کسی واحد عالمی ریاست کے خواب کی عملی تشکیل کر سکتی ہے کیونکہ یہ رب العالمین اور جمیع الناس کے اصول پر مبنی ہے ۔
جس دن مغرب ان بنیادی اصولوں کو تسلیم کر لے گا اس کے جملہ اقتصادی ، معاشی ، معاشرتی اور تعزیراتی نظام خود بخود خدا ترسی ، انصاف عدل ، رفاقت و مساوات اور توسط کے اصولوں پر چلنے لگیں گے ، گویا زمین پر اللہ کی حاکمیت قائم ہو جائے گی ۔
(ذکر و فکر)

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

ادارہ

آخری نبی کے آخری حج کے آخری

خطبات

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ ٭ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا ٭
فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَاسْتَغْفِرْہُ ؕ اِنَّہٗ کَانَ تَوَّابًا ٭ (پ ۳۰)

"جب اللہ کی مدد آگئی اور فتح مکہ ہوا، تم نے دیکھ لیا کہ لوگ دینِ خداوندی میں فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں۔ اب تم اللہ کی یاد میں مصروف ہو جاؤ اور استغفار کرو، بیشک وہی توبہ قبول کرنے والا ہے۔"

آخری حج کی تیاری

جب یہ سورت نازل ہوئی تو پیغمبرِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی مرضی کو پا لیا کہ اب وقتِ رحلت قریب آگیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سے پہلے خانہ کعبہ میں تطہیرِ حرم کا آخری اعلان کر چکے تھے کہ آئندہ کسی مشرک کو اللہ کے گھر میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ہوگی اور کوئی برہنہ شخص خانہ کعبہ کا طواف نہیں کر سکے گا۔ حضورؐ نے ہجرت کے بعد فریضۂ حج ادا نہیں فرمایا تھا۔ اب ۱۰ھ میں آرزو پیدا ہوئی کہ سفرِ آخرت سے پہلے تمام امت کے ساتھ مل کے آخری حج ادا کر لیا جائے۔ بڑا اہتمام کیا گیا کہ کوئی عقیدت کش ہمرکابی کی سعادت سے محروم نہ رہ جائے۔ حضرت علی المرتضیٰؓ کو یمن سے بلوایا گیا، قبائل کو آدمی بھیج کر ارادہ پاک کی اطلاع دی گئی، تمام ازواجِ مطہراتؓ کو رفاقت کی بشارت سُنائی، حضرت فاطمۃ الزہراؓ کو تیاری کا حکم دیا۔ ۲۵ ذیقعدہ کو مسجد نبویؐ میں جمعہ ہوا، اور ۲۶ ذیقعدہ کو روانگی کا اعلان ہو گیا۔ جب ۲۶ کی صبح منور ہوئی تو چہرۂ انور سے روانگی کی مسرتیں نمایاں تھیں، غسل فرمایا، لباس تبدیل کیا اور بعد از ظہر حمد و شکر کے ترانوں میں مدینہ منورہ سے باہر چلے۔ اس وقت ہزارہا خدام امت اپنے نبی رحمت کے ہمرکاب تھے یہ قافلۂ مقدس مدینہ منورہ سے چھ میل دور ذی الحلیفہ پہنچ کر رُکا اور شب بھر اقامت فرمائی۔

دوسرے روز حضورؐ نے پھر غسل فرمایا، حضرت عائشہ صدیقہؓ نے خود اپنے ہاتھوں جسمِ پاک پر عطر ملا۔ راہ سپار ہونے سے پہلے آپ پھر اللہ کی حاضری میں کھڑے ہو گئے اور بڑے درد و گداز سے دو رکعتیں ادا فرمائیں، پھر قصوا پر سوار ہو کر احرام باندھا اور ترانۂ لبیک بلند کیا: لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ

میں ایک صدائے حق کی اقتداء میں ہزارہا خدا پرستوں
صدائیں بلند ہونے لگیں، آسمان کا جوف حمد خداکی صداؤں سے
بھر گیا اور دشت و جبل توحید کے ترانوں سے گونجنے لگے
حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ حضور سرورِ عالم کے آگے پیچھے اور
دائیں بائیں جہاں تک انسان کی نظر کام کرتی تھی انسان ہی انسان
نظر آتے تھے۔ جب اونٹنی کسی اونچے ٹیلے سے گزرتی تو تین تین
مرتبہ صدائے تکبیر بلند فرماتے۔ آوازہ نبی کے ساتھ لاکھوں آوازیں
اٹھتیں اور کاروانِ نبوت کے سروں پر نعرہ ہائے تکبیر کا
ایک دریا رواں جاری ہو جاتا۔ سفر مبارک نو روز جاری رہا ۴ر
ذوالحجہ کو طلوع آفتاب کے ساتھ مکہ مکرمہ کی عمارتیں نظر آنے لگیں
اور ہاشمی خاندان کے معصوم بچے اپنے بزرگ کائنات کی تشریف
آوری کی ہوائیں کر اپنے اپنے گھروں سے دوڑتے ہوئے نکل
آئے تھے کہ چہرۂ انوار کی مسکراہٹوں کیساتھ لپٹ جائیں۔
ادھر سرورِ عالم شفقت مشفق کی تصویر بن رہے تھے حضور
پاکؐ نے اپنے معصوم اور کمسن بچوں کے چہرے دیکھے تو جوش
محبت سے جھک گئے اور کسی کو اونٹ کے آگے بٹھا لیا اور
کسی کو پیچھے سوار کر لیا۔ تھوڑی دیر بعد کعبۃ اللہ کی عمارت نظر
پڑی تو فرمایا۔ "اے اللہ خانہ کعبہ کو اور زیادہ شرف و امتیاز
عطا فرما۔"
معمارِ حرم نے سب سے پہلے کعبۃ اللہ کا طواف فرمایا
پھر مقام ابراہیمؑ کی طرف تشریف لے گئے اور دوگانہ شکر
ادا کیا۔ اسوقت زبانِ مبارک پر یہ آیت جاری تھی۔
وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى ؕ
اور مقامِ ابراہیم کو سجدہ گاہ بناؤ۔
کعبۃ اللہ کی زیارت کے بعد صفا اور مروہ کے پہاڑوں
پر تشریف لے گئے یہاں پر آنکھیں کعبۃ اللہ سے دوچار ہوئیں تو
زبانِ پاک سے ارگھبر بار کی طرح کلماتِ توحید و تکبیر جاری ہوگئے
"لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ
لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ
قَدِيْرٌ ۝ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ اَنْجَزَ وَعْدَهٗ
وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ ۝
خدا صرف خدا معبود برحق کوئی اس کا شریک نہیں
ملک اس کا، حمد اس کے لئے، وہی جلاتا ہے وہی مارتا ہے
اور وہی ہر چیز پر قادر ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس
نے اپنا وعدہ پورا کر دیا۔ اس نے اپنے بندے کی امداد فرمائی
اور اکیلے نے تمام قبائلی جمعیتیں پاش پاش کر دیں۔
۸ر ذالحجہ کو منیٰ میں قیام فرمایا۔ ۱۰ر کو جمعہ کے روز
نمازِ صبح ادا کر کے منیٰ سے روانہ ہوگئے اور وادیٔ نمرہ میں آ
ٹھہرے۔ دن ڈھلے میدانِ عرفات میں تشریف لائے تو
ایک لاکھ ۲۴ ہزار خدا پرستوں کا مجمع سامنے تھا اور زمین
سے آسمان تک تکبیر و تہلیل کی صدائیں گونج رہی تھیں۔ اب
سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم قصواء پر سوار ہو کر آفتابِ عالمتاب کی
طرح کوہِ عرفات کی چوٹی سے طلوع ہوئے تاکہ خطبہ حج ارشاد
فرمائیں۔ پہاڑ کے دامن میں عائشہؓ اور صفیہؓ، علیؓ و فاطمہؓ
ابوبکرؓ، عمرؓ، خالدؓ اور بلالؓ، اصحابِ صفہؓ اور عشرہ مبشرہؓ
اور دوسری سینکڑوں اسلامی جماعتیں اور قبائلی جمعیتیں جلوہ فرما تھیں
اور پہلی ہی نظر میں یہ معلوم ہوجاتا تھا کہ والیٔ امت اپنی امت کے
موجودات لے رہے ہیں اور محافظ حقیقی کا اسکا جائزہ پیش فرما رہے ہیں۔

خطبہ حجۃ الوداع

رسول اللہ کے آخری آنسو جو اس اُمت کے غم میں

سب سے حجۃ الوداع کے خطبہ میں جمع ہیں۔ اسوقت دولت و حکومت کا سیلاب مسلمانوں کی طرف اُمنڈا چلا آ رہا تھا اور رسولؐ کا غم یہ تھا کہ دولت کی یہ فراوانی آپؐ کے بعد آپ کی اُمت سے رابطہ اتحاد کو پارہ پارہ کر دے گی۔ اسی لئے اتحاد ملت کا موضوع اپنے سامنے رکھ لیا اور پھر دردِ نبوت کی پوری توانائی اسی موضوع پر صرف فرما دی۔ پہلے نہایت ہی دردانگیز الفاظ میں 'قیام اتحاد' کی اپیل کی پھر فرمایا کہ پسماندہ طبقات کو شکایت کا موقع نہ دینا تاکہ حصار اسلام میں کوئی شگاف نہ پڑ جائے۔ پھر اسباب نفاق کی تفصیل پیش کر کے ان کی بیخ کنی کا عملی طور پر سروسامان فرمایا۔ پھر واضح فرمایا کہ جملہ مسلمانوں کے اتحاد کا مستقل سنگ اساس کیا ہے؟ آخری وصیت یہ فرمائی کہ ان ہدایات کو آئندہ نسلوں میں پھیلانے اور پہنچانے کے فرض میں کوتاہی نہ کرنا۔ خاتمہ تقریر کے بعد حضورؐ نے اپنی ذاتی سرخروئی کے لئے حاضرین سے شہادت پیش کرتے ہوئے اسطرح بار بار اللہ کو پکارا کہ مخلوق خدا کے دل پگھل گئے آنکھیں پانی بن گئیں اور روحیں جسموں کے اندر تڑپ تڑپ کر الامان اور الغیاث کی صدائیں بلند کرنے لگیں، حمد و صلوٰۃ کے بعد خطبہ حج کا پہلا دردانگیز فقرہ یہ تھا۔

اے لوگو! میں خیال کرتا ہوں کہ آج کے بعد میں اور تم اس اجتماع میں کبھی دوبارہ جمع نہیں ہوں گے، اس ارشاد سے اجتماع کی غرض و غایت بے نقاب ہو کر سب کے سامنے آ گئی اور جس شخص نے بھی یہ ارشاد مبارک سُنا تڑپ کر رہ گیا، اب اصل پیغام کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا۔

امن و سلامتی

"اے لوگو: تمہارا خون، تمہارا مال اور تمہارا ننگ و ناموس اسطرح ایک دوسرے پر حرام ہے جس طرح یہ دن (جمعہ) یہ مہینہ (ذالحجہ) اور یہ شہر (مکہ مکرمہ) تم سب کیلئے قابل حرمت ہے"

اسی نکتے پر زور دیکر ارشاد فرمایا۔

اے لوگو! آخر تمہیں بارگاہ ایزدی میں پیش ہونا ہے وہاں تمہارے اعمال کی باز پرس کی جائے گی، خبردار میرے بعد گمراہ نہ ہو جائیو، کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنا شروع کر دو، رسول پاکؐ کی یہ دردمندانہ وصیت زبان پاک سے نکلی اور تیر کی طرح دلوں کو بیند گئی۔ اب ان نفاق انگیز شگافوں کی طرح توجہ دلائی جن کے پیدا ہونے کا خدشہ تھا۔ یعنی یہ کہ اقتدار اسلام کے بعد غریب اور پسماندہ گروہوں پر ظلم کیا جائے گا"

حقوق العباد

اس سلسلہ میں فرمایا۔ اے لوگو! اپنی بیویوں کے متعلق اپنے اللہ سے ڈرتے رہنا۔ تم نے نام خدا کی ذمہ داری سے انہیں زوجیت میں قبول کیا ہے اور اللہ کے نام پر ان کا جسم اپنے لئے حلال بنایا ہے۔ عورتوں پر تمہارا یہ حق ہے کہ وہ غیر کو تمہارے بستر پر نہ آنے دیں اگر وہ ایسا کریں کہ تم اسے ایسی مار مارو جو نمایاں نہ ہو۔ اور عورتوں کا حق تم پر یہ ہے کہ انہیں با فراغت کھانا کھلاؤ اور بافراغت کپڑا پہناؤ"

مساوات

اس سلسلہ میں فرمایا۔ اے لوگو! اپنے غلاموں کو جو خود کھاؤ گے وہی کھلانا جو خود پہنو گے وہی پہنانا۔

عرب میں فساد و خون ریزی کے بڑے بڑے موجبات دو تھے۔ ادا و سُود کے مطالبات اور مقتولوں کے انتقام۔ ایک شخص دوسرے شخص سے اپنے قدیم خاندانی سُود کا

جاتا تھا۔ یہ ایک عام بات تھی اور یہی جھگڑا پھیل کر خون کا سیلاب بن جاتا تھا۔ ایک آدمی دوسرے آدمی کو قتل کر دیتا تھا۔ اس سے نسلاً بعد نسل قتل و انتقام کے سلسلے جاری ہو جاتے تھے۔ رسول اللہ انہیں دونوں اسباب فساد کو پامال فرماتے ہیں۔

اے لوگو! آج میں جاہلیت کے تمام قواعد و رسوم کو اپنے قدموں سے پامال کرتا ہوں، میں جہالت کے قتلوں کے جھگڑے ملیامیٹ کرتا ہوں اور سب سے پہلے اپنے خاندانی مقتول ربیعہ بن حارث کے خون سے جسے ہذیل نے قتل کیا تھا دست بردار ہوتا ہوں۔ میں زمانہ جاہلیت کے تمام سودی مطالبات باطل قرار دیتا ہوں اور سب سے پہلے خود اپنے خاندانی سود، سے دست بردار ہوتا ہوں"۔

سود اور خون کے قرض معاف کر دینے کے بعد فردِ عدالت لغاق کی طرف متوجہ ہوئے اور وراثت، نسب، معروضیت اور ضمانت کے تنازعات کے متعلق فرمایا۔

اب اللہ تعالیٰ نے ہر ایک حقدار کا حق مقرر کر دیا ہے لہٰذا کسی کو وارثوں کے حق میں وصیت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بچہ جس کے بستر پر پیدا ہو اسکو دیا جائے اور زناکاروں کے لئے پتھر ہیں اور ان کی جواب دہی اللہ پر ہے، جو لڑکا باپ کے سوا کسی دوسرے نسب کا دعویٰ کرے اور غلام اپنے مولا کے سوا کسی طرف اپنی نسبت کرے ان پر خدا کی لعنت ہے۔ عورت شوہر کے بلا اجازت اس کا مال صرف نہ کرے قرض ادا کئے جائیں۔ عاریت واپس کی جائے۔ عطیات لوٹائے جائیں اور ضامن تاوان ادا کرنے کا ذمہ دار ہے۔

اہل عرب کے نزاع اور اسباب نزاع کا دفعیہ ہو چکا تو اس بین الاقوامی تفریق کی طرف توجہ فرمائی جو صدیوں کے بعد عرب و عجم یا گورے اور کالے کے نام سے پیدا ہونے والی تھی۔ ارشاد فرمایا۔

ہاں اے لوگو! تم سب کا خدا بھی ایک ہے اور تم سب کا باپ بھی ایک ہی ہے لہٰذا کسی عربی کو عجمی پر، کسی سرخ کو سیاہ پر، کسی سیاہ کو سرخ پر کوئی پیدائشی برتری یا امتیاز حاصل نہیں ہوگا۔ ہاں افضل وہی ہے جو پرہیزگاری میں ہو۔ ہر مسلمان دوسرے کا بھائی ہے، اور تم مسلمان ایک برادری ہیں"۔

اتحاد اسلام کی مستقل اساس کی طرف راہنمائی فرمائی۔

اے لوگو! میں تم میں وہ چیز چھوڑے جا رہا ہوں کہ اگر تم نے اسے مضبوطی کے ساتھ پکڑے رکھا تو تم کبھی گمراہ نہیں ہوگے وہ چیز اللہ کی کتاب قرآن مجید ہے۔

ختم نبوت

اتحاد امت کے عملی پروگرام کی طرف راہنمائی فرمائی۔

ایھا الناس، انہ لا نبی بعدی ولا امۃ بعدکم

(او کما قال)

"اے لوگو! میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے اور نہ تمہارے بعد کوئی نئی اُمت ہے۔ پس تم سب اپنے اللہ کی عبادت کرو، نماز پنجگانہ کی پابندی کرو، رمضان کے روزے رکھو، خوش دلی سے اپنے مال کی زکوٰۃ نکالو، اللہ کے گھر کا حج کرو، حکام اُمت کے احکام مانو اور اپنے اللہ کی جنت میں جگہ حاصل کرو"۔ آخر میں فرمایا۔

وانتم تسألون عنی فما انتم قائلون

ایک دن اللہ تعالیٰ تم لوگوں سے میرے متعلق گواہی طلب کرے گا، تم اسوقت کیا جواب دوگے؟

اسوقت مجمع عام سے پرجوش صدائیں بلند ہوئیں
انا ... قد بلغت و ادیت و نصحت
اے اللہ کے رسول! آپ نے تمام احکام پہنچا دیئے
اے اللہ کے رسول! آپ نے فرض رسالت ادا کر دیا۔ اے
اللہ کے رسول! آپ نے کھرے کھوٹے کو الگ کر دیا۔
اسوقت حضور سرور عالم کی انگشت شہادت آسمان
کی طرف اٹھی۔ ایک دفعہ آسمان کی طرف انگلی اٹھاتے
جاتے تھے اور دوسری دفعہ مجمع کی طرف اشارہ فرماتے
تھے اور کہتے جاتے تھے۔

اللھم اشھد : اے خدا خلق خدا کی گواہی سن لے،
اللھم اشھد : اے اللہ مخلوق خدا کا اعتراف سن لے،
اللھم اشھد : اے اللہ گواہ رہنا۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا :
جو لوگ موجود ہیں وہ ان لوگوں تک، جو یہاں موجود
نہیں ہیں، میری ہدایت پہنچاتے چلے جائیں ممکن ہے کہ
آج کے بعض سامعین سے وہ پیام تبلیغ کے سننے والے
اس کلام کی محافظت کریں۔"

تکمیل دین و اتمام نعمت

خطبہ حج سے فارغ ہوئے تو جبریل امین وحی تکمیل
دین اور اتمام نعمت کا تاج لیکر آئے اور یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی
الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم
نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا ؕ
آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا، تم پر
اپنی نعمت مکمل کر دی اور دین اسلام پر اپنی رضامندی کی مہر لگا دی۔
سرکار دوعالم نے جب لاکھوں کے مجمع میں اتمام نعمت
اور تکمیل دین، فطرت کا یہ آخری اعلان فرمایا تو آپ کی سواری
کا سامان ایک روپے کے زیادہ قیمت کا نہ تھا۔ اختتام خطبہ
کے بعد حضرت بلال نے آذان بلند کی اور حضور نے ظہر اور
عصر کی نماز ایک ساتھ پڑھائی۔ یہاں سے ناقہ پر سوار ہو کر
موقف میں تشریف لائے اور دیر تک بارگاہ الٰہی میں کھڑے
دعائیں کرتے رہے۔ جب غروب آفتاب کے قریب ناقہ
ہجوم خلائق میں سے گزری تو آپ کے خادم اسامہ بن زید
آپ کے ساتھ سوار تھے اور کثرت ہجوم کے باعث لوگوں میں
اضطراب سا پیدا ہو رہا تھا۔ اسوقت حضور ناقہ کی مہار کھینچتے
جاتے تھے اور زبان مبارک سے ارشاد فرماتے تھے کہ

السکینۃ ایھا الناس، السکینۃ ایھا الناس
لوگو آرام کے ساتھ، لوگو آرام کے ساتھ

مزدلفہ میں نماز مغرب ادا کی اور سواریوں کو آرام
کے لئے کھول دیا گیا، پھر نماز عشاء کے بعد لیٹ گئے اور
صبح تک آرام فرماتے رہے۔
محدثین لکھتے ہیں کہ عمر بھر میں یہی شب ہے جس
میں آپ نے نماز تہجد ادا نہیں فرمائی۔ ۱۰ ذالحجہ کو ہفتہ کے
روز جمرہ کی طرف روانہ ہو گئے اسوقت آپ کے چچیرے بھائی
فضل بن عباس آپ کے ساتھ سوار تھے۔ ناقہ قدم بہ قدم
جا رہی تھی۔ چاروں طرف ہجوم تھا لوگ مسائل پوچھتے تھے اور
آپ جواب دیتے تھے۔ جمرہ کے پاس ابن عباس نے
کنکریاں چن کے دیں تو آپ نے انہیں پھینکا اور ساتھ ہی
ارشاد فرمایا۔
اے لوگو! مذہب میں غلو کرنے سے بچتے رہنا تم
سے پہلی قومیں اس سے برباد ہوئیں ۔ پھر تھوڑی دیر

کے بعد فراقِ اُمت کے جذبات تازہ ہو جاتے تھے آپ اسوقت ارشاد فرماتے تھے۔ "اسوقت حج کے مسائل سیکھ لو میں نہیں جانتا کہ شاید اس کے بعد مجھے دوسرے حج کی نوبت آئے۔

میدان منیٰ اور غدیرِ خم کے خطبات

یہاں سے میدان منیٰ میں تشریف لائے، ناقہ پر سوار تھے، حضرت بلالؓ مہار تھامے کھڑے تھے۔ اسامہ بن زید پیچھے بیٹھے کپڑا تان کر سایہ کئے ہوئے تھے۔ آگے پیچھے اور دائیں بائیں مہاجرین، انصار، قریش اور قبائل کی صفیں دریا کی طرح رواں تھیں اور ان میں ناقہ نبوی کشتی نوحؑ کی طرح ستارہ نجات بن رہی تھی اور ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ باغبان ازل نے قرآن کریم کے انوار سے صدق و اخلاص کی جو نئی دنیا لسائی تھی، اب وہ شگفتہ و شاداب ہو چکی تھی حضورؐ نے اس دورِ جدید کی یاد تازہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

"آج زمانے کی گردش دُنیا کو پھر اسی نقطۂ فطرت پر لے آئی جب کہ اللہ تعالیٰ نے تخلیق ارض و سما کی ابتداء کی تھی"

پھر ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب کی حرمت کا اعلان کرتے ہوئے مجمع کو مخاطب کر کے فرمایا۔

پیغمبر انسانیت:۔ آج کونسا دن ہے؟

مسلمان:۔ اللہ اور رسولؐ بہتر جانتے ہیں۔

پیغمبر انسانیت:۔ (طویل خاموشی کے بعد) کیا آج قربان کا دن نہیں ہے؟

مسلمان:۔ بے شک قربانی کا دن ہے۔

پیغمبر انسانیت:۔ یہ کونسا مہینہ ہے؟

مسلمان:۔ اللہ اور رسولؐ بہتر جانتے ہیں۔

پیغمبر انسانیت: طویل خاموشی کے بعد کیا یہ ذوالحجہ نہیں ہے؟

مسلمان:۔ بے شک یہ ذوالحجہ ہے۔

پیغمبر انسانیت:۔ یہ کونسا شہر ہے؟

مسلمان:۔ اللہ اور رسول بہتر جانتے ہیں۔

پیغمبر انسانیت:۔ طویل خاموشی کے بعد کیا یہ بلدۃ الحرام نہیں ہے؟

مسلمان:۔ بے شک یہ بلدۃ الحرام ہے۔

اس کے بعد فرمایا۔

مسلمانو! تمہارا خون، تمہارا مال، تمہاری آبرو اسی طرح محترم ہیں جس طرح یہ دن، یہ مہینہ اور یہ شہر محترم ہیں تم میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو۔ اے لوگو! تمہیں اللہ کے دربار میں حاضر ہونا ہے وہ تم سے تمہارے اعمال کی بازپرس کرے گا۔ اگر کسی نے جرم کیا تو وہ خود جرم کا ذمہ دار ہوگا۔ باپ بیٹے کے جرم کا ذمہ دار نہیں اور بیٹا باپ کے جرم کا ذمہ دار نہیں۔ اب شیطان اس بات سے مایوس ہو گیا ہے کہ تمہارے اس شہر میں کبھی اس کی پرستش کی جائے گی۔ ہاں تم چھوٹی چھوٹی باتوں میں اسکی پیروی کرو گے تو وہ ضرور خوش ہوگا۔ اے لوگو! توحید، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج یہی جنت کا داخلہ ہے، میں نے تمہیں حق کا پیغام پہنچا دیا ہے۔ اب موجودہ لوگ یہ پیغام ان لوگوں تک پہنچاتے رہیں جو بعد میں آئیں گے۔

یہاں سے قربان گاہ میں تشریف لائے اور تریسٹھ ۶۳ اونٹ خود ذبح فرمائے اور ۳۷ کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ذبح کروایا اور ان کا گوشت اور پوست سب خیرات کر دیا۔ پھر عبداللہ بن عمرؓ کو طلب کر کے سر کے بال اتروائے اور یہ موئے مبارک تبرکاً تقسیم ہوئے۔ یہاں سے اُٹھ کر خانہ کعبہ کا طواف فرمایا اور زمزم پی کر منیٰ میں واپس تشریف لے گئے

اور ۱۲ ذوالحجہ تک وہیں اقامت فرمائی۔ ۱۳ کو خانہ کعبہ کا آخری طواف کیا اور انصار و مہاجرین کے ساتھ مدینہ منورہ کی طرف مراجعت فرمائی۔ جب غدیر خم میں پہنچے تو صحابہ کو جمع کیا اور ارشاد فرمایا:۔

"اے لوگو! میں بھی بشر ہوں، ممکن ہے اللہ کا بلاوا اب چلا آجائے اور مجھے قبول کرنا پڑے، میں تمہارے لئے دو مرکز ثقل قائم کر چلا ہوں۔ ایک اللہ کی کتاب ہے جس میں ہدایت اور روشنی ہے۔ اسے مضبوطی اور استواری کے ساتھ پکڑلو۔ دوسرا مرکز میرے اہلِ بیت ہیں۔ میں اپنے اہلِ بیت کے بارہ میں خدا ترسی کی وصیت کرتا ہوں۔

گویا یہ اجتماع امت کے لئے اہل وعیال کے حقوق واحترام کی وصیت تھی تاکہ وہ کسی بحث میں اُلجھ کر حضور علیہ السلام کے مختصر خاندان کے ساتھ بے لحاظی کا سلوک نہ کریں۔ مدینہ کے قریب پہنچ کر رات ذوالحلیفہ میں ٹھہرے اور دوسرے دن مدینہ منورہ میں داخل ہو گئے۔ محفوظ و مامون حمد کرتے ہوئے اور شکر بجالاتے ہوئے۔

سفر بقا کی تیاری

حضور سرورِ عالم مدینہ منورہ میں پہنچ کر تسبیح تحمید و استغفار کی تعمیل میں مصروف ہو چکے تھے۔ بارگاہِ ایزدی کی حاضری کا شوق روز بروز بڑھتا جاتا تھا صبح و شام معبودِ حقیقی کے ذکر و یاد کی طلب تھی اور بس۔

رمضان المبارک میں ہمیشہ دس روز کا اعتکاف فرماتے۔ سنہ ۱۰ھ میں ۲۰ روز کا اعتکاف فرمایا۔ ایک دن حضرت فاطمہ بتول تشریف لائیں تو ان سے فرمایا۔

"پیاری بیٹی اب مجھے اپنی رحلت قریب معلوم ہوتی ہے" انہیں ایام میں شہدائے اُحد کی شکلیں و بے کسی کی شہادت اور مردانہ وار قربانیوں کا خیال آگیا تو گنج شہیداں میں تشریف لے گئے اور بڑے درد و گداز سے اُن کے لئے دعائیں کیں، نمازِ جنازہ پڑھی اور انہیں اس طرح الوداع کہی جسطرح ایک بزرگ شفیق اپنے کمسن بچوں سے پیار کرتا ہے اور پھر انہیں الوداع کہتا ہے۔ یہاں سے واپس آئے تو ممبر نبوی پر جلوہ طراز ہوئے اور ارباب صدق و صفا سے نہایت دردمندانہ لہجہ میں مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا۔

"دوستو! اب میں تم سے آگے منزل آخرت کی طرف چلا جا رہا ہوں تاکہ بارگاہِ ایزدی میں تمہاری شہادت دوں۔ واللہ مجھے یہاں سے وہ اپنا حوض نظر آرہا ہے جسکی وسعت ایلہ سے جحفہ تک ہے۔ مجھے تمام دنیا کے خزانوں کی کنجیاں دے دی گئی ہیں۔ اب مجھے یہ خوف نہیں کہ تم میرے بعد شرک کروگے البتہ میں اس سے ڈرتا ہوں کہ کہیں دُنیا میں مبتلا نہ ہو جاؤ اور اس کے لئے آپس میں کشت و خون نہ کرو۔ اس وقت تم اسی طرح ہلاک ہو جاؤ گے جسطرح پہلی قومیں ہلاک ہوئیں۔"

کچھ دیر کے بعد قلب صافی میں حضرت زید بن حارثہ کی یاد تازہ ہو گئی انہیں حدودِ شام کے عربوں نے شہید کر دیا تھا۔ ارشاد فرمایا۔ "اسامہ بن زید فوج لیکر جائیں اور اپنے والد کا انتقام لیں۔

ان ایام میں خیال مبارک زیادہ تر گزرے ہوئے نیاز مندوں ہی کی طرف مائل محبت تھا۔ ایک رات آسودگانِ بقیع کا خیال آگیا۔ یہ عام مسلمانوں کا قبرستان ہے۔ جو شہر

محبت سے آدھی رات کو اٹھ کر وہاں تشریف لیگئے اور عام امتیوں کے لئے بڑے سوز سے دعا فرماتے رہے، پھر یہاں کے روحانی دوستوں سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ انا بکم لاحقون ۔ میں اب جلد تمہارے ساتھ شامل ہو رہا ہوں۔

ایک دن مسجد نبوی میں پھر مسلمانوں کو یاد فرمایا، اجتماع ہوگیا تو ارشاد فرمایا۔

مسلمانو! مرحباً۔ اللہ تعالیٰ تم سب پر اپنی نعمتیں نازل فرمائے، تمہاری دل شکستگی دور فرمائے۔ تمہیں دولت امن وعافیت سے شادکام فرمائے۔ میں اسوقت تمہیں صرف خوف خدا وار تقا کی وصیت کرتا ہوں۔ اب اللہ تعالیٰ ہی تمہارا وارث اور خلیفہ ہے اور میری تم سے اپیل اسی کے خوف کے لئے ہے اس لئے کہ میرا منصب نذیر مبین ہے۔ دیکھنا اللہ کی بستیوں اور بندوں میں تکبر اور برتری اختیار نہ کرنا۔ یہ حکم ربانی ہر وقت تمہارے ملحوظ خاطر رہنا چاہیئے۔

تلک الدار الاخرۃ نجعلہا للذین لا یریدون علواً فی الارض ولا فساداً والعاقبۃ للمتقین۔

یہ آخرت کا گھر ہے، ہم یہ ان لوگوں کو دیتے ہیں جو زمین پر غرور اور فساد کا ارادہ نہیں کرتے آخرت کی کامرانی پرہیزگاروں کیلئے ہے۔

پھر فرمایا۔ الیس فی جہنم مثوی للمتکبرین۔ کیا تکبر کرنے والوں کا ٹھکانہ دوزخ نہیں ہے؟ آخری الفاظ یہ ارشاد فرمائے ا۔

"سلام تم سب پر اور ان سب لوگوں پر جو واسطہ اسلام سے میری بیعت میں داخل ہوں گے"

علالت کی ابتداء

۲۹ر صفر بروز شنبہ ایک جنازے سے واپس تشریف لا رہے تھے کہ اثنائے راہ میں سر کے درد سے علالت کا آغاز ہوگیا۔ حضرت ابو سعید خدری فرماتے تھے کہ سرکار دوجہاں کے سر مبارک پر رومال بندھا تھا۔ میں نے ہاتھ لگایا۔ یہ اسقدر جل رہا تھا کہ ہاتھ کو برداشت نہ ہوتی تھی۔ دو شنبہ تک اشتداد مرض نے مرض اقدس پر زیادہ قابو پالیا اس واسطے ازواج مطہرات نے اجازت دیدی کہ اب حضور کا قیام حضرت عائشہ صدیقہ رضی کے ہاں کر دیا جائے۔ اسوقت مزاج اقدس پر ضعف اس قدر طاری تھا کہ خود قدموں سے چل کر حجرۂ عائشہ تک تشریف نہیں لے جاسکے۔ حضرت علی رضی اور حضرت عباس رضی نے رسول کردگار کے دونوں بازو تھامے اور مشکل سے حجرۂ عائشہ میں تشریف لائے۔ حضرت صدیقہ رضی نے فرمایا کہ نبی خدا جب کبھی بیمار ہوتے تھے تو اپنے ہاتھوں پر دم کر کے جسم مبارک پر ہاتھ پھیر لیتے۔

اذہب الباس رب الناس واشف انت الشافی لا شفاء الا شفاؤک شفاءً لا یغادر سقماً۔

اے مالک انسانیت! خطرات دور فرما دے، اے شفا دینے والے تو شفا عطا فرما دے، شفا وہی ہے جو تو عنایت فرمائے، وہ صحت عطا کر کہ کوئی تکلیف باقی

نور ہے۔

اس مرتبہ میں نے یہ دُعا پڑھی اور نبی خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں پر دم کر کے یہ چاہا کہ جسمِ اطہر پر مبارک ہاتھ پھیر دوں مگر حضورؐ نے ہاتھ پیچھے ہٹا لیے اور ارشاد فرمایا۔

اللھم اغفرلی والحقنی بالرفیق الاعلیٰ

ترجمہ:۔ اے اللہ معافی اور اپنی رفاقت عطا فرما دے

وفات سے پانچ روز پہلے

وفات اقدس سے ۵ روز پہلے (چہار شنبہ) پتھر کے ایک ٹب میں بیٹھ کر سر مبارک پر پانی کی سات مشکیں ڈلوائیں، اس سے مزاج اقدس میں خنکی اور تسکین سی پیدا ہو گئی، مسجد میں تشریف لائے اور ارشاد فرمایا۔

"مسلمانو! تم سے پہلے ایک قوم گزر چکی ہے جس نے انبیاءؑ و صلحا کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا تھا تم ایسا نہ کرنا پھر فرمایا" ان یہود و نصاریٰ پر خدا کی لعنت ہو جنہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنایا۔ پھر فرمایا مسلمانوں وہ قوم اللہ کے غضب میں آجاتی ہے جو قبور انبیاء کو مساجد بنا دے، پھر فرمایا دیکھو میں تم کو اس سے منع کرتا ہوں، دیکھو اب پھر یہی وصیت کرتا ہوں" اے اللہ تو گواہ رہنا اے اللہ تو گواہ رہنا، پھر یہ ارشاد فرمایا۔ حق تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اختیار عطا فرمایا ہے کہ وہ دنیا و مافیہا کو قبول کر لے یا آخرت کو مگر اس نے صرف آخرت ہی کو ہی قبول کر لیا ہے"

یہ سن کر رمز شناس نبوت حضرت صدیق اکبرؓ آنسو بھر لائے اور رونے لگے اور کہا۔

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارے ماں باپ ہماری جانیں اور ہمارے زر و مال آپ پر قربان ہو جائیں"

لوگوں نے ان کو تعجب سے دیکھا کہ حضورؐ تو ایک شخص کا واقعہ بیان فرما رہے ہیں۔ پھر اس میں رونے کی کیا بات ہے؟ مگر یہ بات انہوں نے کبھی جو رو رہے تھے۔ حضرت صدیقؓ کی اس بے کلی نے خیال اشرف کو دوسری طرف مبذول کر دیا۔ ارشاد فرمایا۔

"میں سب سے زیادہ جس شخص کی دولت اور رفاقت کا مشکور ہوں وہ ابو بکرؓ ہیں۔ اگر اس اُمت میں سے کسی ایک شخص کو اپنی دوستی کے لئے منتخب کر سکتا تو وہ ابو بکرؓ ہوتے۔ لیکن اب رشتۂ اسلام میری دوستی کی بنا ہے اور وہی کافی ہے مسجد کے رُخ پر کوئی دریچہ ابو بکرؓ کے دریچے کے سوا باقی نہ رکھا جائے"

انصار مدینہ حضور کے زمانہ علالت میں برابر رو رہے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عباسؓ وہاں سے گزرے تو انہوں نے انصار کو روتے ہوئے دیکھا، دریافت کرنے پر انہوں نے فرمایا۔ آج ہمیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبتیں یاد آ رہی ہیں" انصار کی اس دردمندی اور بے کلی کی اطلاع شمع مبارک تک پہنچ چکی تھی ارشاد فرمایا۔

"اے لوگو! میں اپنے انصار کے معاملہ میں تم کو وصیت کرتا ہوں، عام مسلمان روز بروز بڑھتے جائیں گے مگر میرے انصار کھانے میں نمک" کی طرح رہ جائیں گے یہ لوگ میرے جسم کا پیرہن اور میرے سفر زندگی کا توشہ ہیں۔ انہوں نے اپنے فرائض ادا کر دیئے مگر ان کے حقوق باقی ہیں۔ جو شخص اُمت کے نفع اور نقصان کا متولی ہو اس کا فرض ہے کہ وہ انصار کی قدر افزائی کرے اور جن

انصار سے لغزش ہو جائے ان کے متعلق درگذر سے کام لے۔" حضورؐ نے حکم دیا تھا کہ حضرت اسامہؓ بن زید شام پر حملہ آور ہوں اور اپنے شہید والد کا انتقام لیں اس پر منافقین کہنے لگے ایک معمولی نوجوان کو اکابر اسلام پر سپہ سالار منتخب کر دیا گیا ہے اس سلسلے میں پیغمبر مساوات نے ارشاد فرمایا۔ "آج اسامہؓ کی سرداری پر تم کو اعتراض ہے اور کل ان کے باپ زیدؓ کی سرداری پر تم کو اعتراض تھا۔ خدا کی قسم وہ اس منصب کے مستحق تھے اور یہ بھی، وہ بھی مجھے سب سے زیادہ محبوب تھے اس کے بعد یہ بھی سب سے زیادہ محبوب ہیں۔" پھر فرمایا۔ حلال و حرام کی تمیز کو میری طرف منسوب نہ کرنا میں نے وہی چیز حلال کی ہے جسے قرآن نے حلال کیا ہے اور اسی کو حرام قرار دیا ہے جسے خدا نے حرام کیا ہے۔"

اب آپ اہل بیت کی طرف متوجہ ہوئے کہ کہیں رشتۂ نبوت کا غرور انہیں سعی عمل سے بیگانہ نہ بنا دے۔ ارشاد فرمایا۔

اے رسول کی بیٹی فاطمہؓ، اسے پیغمبر کی پھوپھی صفیہؓ خدا کے ہاں کیلئے کچھ کر لو۔ میں تمہیں خدا کی گرفت سے نہیں بچا سکتا۔"

یہ خطبۂ دو، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری خطبہ تھا جس میں حضورؐ نے حاضرین مسجد کو خطاب فرمایا اختتام کلام کے بعد حجرہ عائشہؓ میں تشریف لے آئے۔ شدت مرض کی حالت یہ تھی کہ عالم بے تابی میں کبھی ایک پاؤں پھیلاتے تھے اور کبھی دوسرا سمیٹتے تھے، کبھی گھبرا کر چہرہ انور پر چادر ڈال لیتے تھے اور کبھی الٹ دیتے تھے۔ ایسی حالت میں حضرت عائشہؓ صدیقہ نے زبان مبارک سے یہ الفاظ سنے۔

لعن اللہ الیہود والنصاریٰ ۰ الخ

ترجمہ:۔ یہود و نصاریٰ پر خدا کی لعنت ہو کہ انہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو عبادت گاہیں بنا لیا ہے۔

وفات سے چار روز پہلے

وفات سے چار روز پہلے (جمعرات) حضرت عائشہؓ سے فرمایا۔" اپنے والد ابوبکرؓ اور اپنے بھائی عبدالرحمٰن کو بلا لیجئے۔" اسی سلسلہ میں فرمایا۔" دوات کاغذ لے آؤ میں ایک تحریر لکھا دوں جس کے بعد تم گمراہ نہیں ہو گے۔ یہ شدت مرض میں حضور سرور عالم کا ایک خیال تھا۔ حضرت فاروقؓ نے یہ رائے ظاہر کی کہ حضورؐ کو اس حالت میں تکلیف دینا مناسب نہیں ہے۔ اب تکمیل شریعت کا کوئی ایسا نکتہ باقی نہیں رہا۔ جس میں قرآن کافی نہ ہو۔ بعض دوسرے صحابہؓ نے اس سے مطابقت نہ کی، جب شور زیادہ ہوا تو بعض نے کہا خود حضورؐ سے ہی دریافت کر لیا جائے، ارشاد فرمایا۔

"مجھے چھوڑ دو، میں جس مقام پر ہوں وہ اس سے بہتر ہے جس کی طرف تم مجھے بلا رہے ہو۔ اسی روز تین وصیتیں فرمائیں۔

۱۔ کوئی مشرک عرب میں نہ رہے۔
۲۔ سفیروں اور وفود کی بدستور عزت و مہمانی کی جائے۔
۳۔ قرآن پاک کے بارے میں کچھ ارشاد فرمایا جو راوی کو یاد نہیں رہا۔"

سرکار پاکؐ علالت کی تکلیف اور بے چینی کے باوجود گیارہ روز تک مسجد میں برابر تشریف لاتے رہے جمعرات کے روز مغرب کی نماز بھی خود پڑھائی اور اس میں سورۂ

مرتبہ سلامت تلاوت فرمائی عشاء کے وقت آنکھ کھولی اور دریافت فرمایا کیا نماز ہو چکی؟ مسلمانوں نے عرض کیا، مسلمان حضورؐ کے منتظر بیٹھے ہیں، لگن میں پانی بھروا کر غسل فرمایا اور پھر ہمت کر کے اٹھے مگر غش آگیا۔ تھوڑی دیر بعد پھر آنکھ کھولی اور فرمایا کیا نماز ہو چکی ہے؟ لوگوں نے فرمایا۔ یارسول اللہ مسلمان آپ کا انتظار کر رہے ہیں اس دفعہ پھر اٹھنا چاہا مگر بے ہوش ہو گئے۔ کچھ دیر کے بعد پھر آنکھ کھولی اور پھر وہی سوال دہرایا۔ کیا نماز ہو چکی ہے۔ لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ سب لوگوں کو حضورؐ ہی کا انتظار ہے۔ تیسری مرتبہ جسم مبارک پر پانی ڈالا اور جب اٹھنا چاہا تو پھر غشی آگئی آفاقہ ہونے پر ارشاد فرمایا ابوبکرؓ نماز پڑھائیں۔"

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ ابوبکرؓ نہایت رقیق القلب آدمی ہیں جب وہ آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو نماز نہیں پڑھا سکیں گے، ارشاد فرمایا "وہی نماز پڑھائیں۔" حضرت عائشہؓ کا خیال تھا کہ جو شخص رسول اللہ کے بعد امام مقرر ہوگا لوگ اُسے لازماً منحوس خیال کریں گے۔ روایت ہے کہ اسوقت صدیق اکبرؓ وہاں نہیں تھے، اسوقت حضرت عمرؓ کو آگے بڑھایا گیا، مگر حضورؐ نے تین مرتبہ فرمایا نہیں، نہیں، نہیں۔ ابوبکرؓ ہی نماز پڑھائیں گے۔"

رسول اللہ کا ممبر چند روز قبل خالی ہو چکا تھا۔ آج رسول اللہ کا مُصلیٰ بھی خالی ہو گیا تھا۔ جب حضرت ابوبکرؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ کھڑے ہوئے تو عالم یاس نے مسجد نبویؐ پر اپنے پردے تان دیئے اور مسلمانوں کے دل بے اختیار رو دیئے اور ابوبکر صدیقؓ کے قدم بھی لڑکھڑا گئے

چونکہ رسول اللہؐ کے ارشاد کے ساتھ توفیق الٰہی شامل تھی اس لئے یہ کٹھن گھاٹی بھی گذر گئی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حیات پاک نبوی میں اسی طرح سترہ نمازیں پڑھائیں۔

وفات کے دو روز پہلے

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ظہر کی نماز پڑھ رہے تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت نے سبک کی طرف رجوع کیا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت عباسؓ کے کندھوں پر سہارا لیتے ہوئے جماعت میں تشریف لے آئے نمازی نہایت بے قراری کے ساتھ حضورؐ کی طرف متوجہ ہوئے اور صدیق اکبرؓ مصلے سے پیچھے ہٹ گئے مگر حضورؐ نے دست مبارک سے اشارہ فرمایا پیچھے مت ہٹو۔ پھر حضرت صدیقؓ کے برابر بیٹھ گئے اور نماز ادا کرنے لگے، حضور علیہ السلام کی اقتداء صدیق اکبرؓ کرتے تھے اور صدیق اکبرؓ کی اقتداء تمام مسلمان مقتدی کرتے تھے۔ یہ پاک نماز اسی طرح مکمل ہوگئی اور حضور علیہ السلام حجرۂ عائشہؓ میں تشریف لے گئے۔"

وفات سے ایک روز پہلے

مخدوم انسانیت جو قیدِ دُنیا سے آزاد ہو رہے تھے صبح بیدار ہوئے تو پہلا کام یہ کیا کہ سب غلاموں کو آزاد فرمایا یہ تعداد میں چالیس تھے پھر اثاث البیت کی طرف توجہ فرمائی اس وقت کاشانۂ نبوی کی ساری دولت صرف سات دینار تھے۔ حضرت عائشہؓ سے فرمایا انہیں غریبوں میں تقسیم کر دو مجھے شرم آتی ہے کہ رسول اپنے اللہ سے ملے اور دولت دینار پڑی ہو۔ اس ارشاد پر گھر کا گھر صاف کر دیا۔ آخری رات کاشانۂ نبوی میں چراغ جلانے کے لئے تیل تک موجود نہیں تھا۔ یہ ایک پڑوسی عورت سے ادھار لیکر کام چلایا گیا۔ گھر میں کچھ

ہتھیار باقی تھے انہیں مسلمانوں کو ہبہ کر دیا گیا۔ زرہ نبوی تیس صاع جو کے عوض ایک یہودی کے پاس رہن تھی چونکہ ضعف لمحہ بہ لمحہ ترقی پذیر تھا اس واسطے بعض دردمندوں نے دوا پیش کی مگر انکار فرمایا۔ اسی وقت غشی کا دورہ آگیا اور تیمارداروں نے منہ کھول کر دوا پلا دی۔ افاقہ کے بعد جب احساس ہوا تو فرمایا کہ اب یہی دوا ان پلانے والوں کو بھی پلائی جائے یہ اس لئے کہ جس وجود باسعود کی صحت کے لئے ایک دل گرفتہ دنیا دعائیں کر رہی تھی وہ اپنے اللہ کی دعوت کو قبول کر چکا تھا کہ اب اسمیں نہ دعا کی گنجائش باقی تھی نہ دوا کی۔

یوم وفات

۹ ربیع الاول دوشنبہ کو مزاج اقدس میں قدرے سکون تھا، نمازِ صبح ادا کی جا رہی تھی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد اور حجرہ کا درمیانی پردہ سرکا دیا۔ اب چشمِ اقدس کے رُوبرو نمازیوں کی صفیں مصروفِ رکوع و سجود تھیں۔ سرکار دو عالم نے اس پاک نظارے کو جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک تعلیم کا نتیجہ تھا بڑے اشتیاق سے ملاحظہ فرمایا اور جوشِ مسرت سے ہنس پڑے، لوگوں کو خیال ہوا کہ مسجد میں تشریف لا رہے ہیں۔ نمازی بے اختیار ہو گئے۔ نمازیں ٹوٹنے لگیں اور حضرت صدیق اکبرؓ جو امامت کرا رہے تھے پیچھے ہٹنا چاہا مگر حضور نے اشارہ مبارک سے سب کو تسکین دی اور چہرہ انور کی ایک جھلک دکھا کر پھر حجرہ کا پردہ ڈال دیا۔ اجتماع اسلام کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جلوہ زیارت آخری تھا۔ اور شاید یہ انتظام بھی خود قدرت کی طرف سے ہوا کہ رفیقانِ صلوٰۃ جمال جہاں آرا کی آخری جھلک دیکھتے جائیں ۹ ربیع الاول

کو حالت صبح ہی سے نہایت عجیب تھی ایک سورج بلند ہو رہا تھا اور دوسرا غروب ہو رہا تھا۔ کاشانۂ نبوی میں پے در پے غشی کے بادل آتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود اطہر میں چھا گئے۔ ایک بے ہوشی گزر جاتی تھی دوسری پھر وارد ہو جاتی تھی۔ انہیں تکلیفوں میں پیاری بیٹی کو یاد فرمایا۔ وہ مزاج اقدس کا یہ حال دیکھ کر سنبھل نہ سکیں، سینہ مبارک سے لپٹ گئیں اور رونے لگیں، بیٹی کو اس طرح بدحال دیکھ کر ارشاد فرمایا میری بیٹی نہ روؤ، میں دنیا سے رخصت ہو جاؤں تو انا للہ وانا الیہ راجعون کہنا۔ اس میں ہر شخص کے لئے سامان تسکین موجود ہے۔

حضرت فاطمہؓ نے پوچھا کہ آپ کے لئے بھی، تو آپ نے فرمایا "ہاں" "اسمیں میری بھی تسکین مضمر ہے۔"

جس قدر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا درد و کرب بڑھ رہا تھا حضرت فاطمہؓ کا کلیجہ بھی کٹتا جا رہا تھا۔ رحمۃ العالمین نے ان کی اذیت کو محسوس کر کے کچھ کہنا چاہا تو پیاری بیٹی نے سرور کائنات کے لبوں سے اپنے کان لگا دیئے۔ آپ نے فرمایا "بیٹی میں آج دُنیا کو چھوڑ رہا ہوں، فاطمہؓ بے اختیار رو دیں، اور پھر فرمایا میرے اہلِ بیت میں تم سب سے پہلے مجھے ملو گی، فاطمہؓ بے اختیار ہنس دیں کہ یہ جدائی قلیل ہے پیغمبر انسانیت کی حالت نازک ترین ہوتی جا رہی تھی۔ یہ حال دیکھ کر حضرت فاطمہؓ نے کہنا شروع کیا واکرب اباہ، ہائے میرے باپ کی تکلیف، ہائے میرے باپ کی تکلیف" فرمایا۔ فاطمہؓ آج کے بعد تمہارا باپ کبھی بے چین نہیں ہوگا، حسن اور حسین بہت غمگین ہو رہے تھے انہیں پاس بلایا، دونوں کو چوما، پھر ان کے احترام کی وصیت فرمائی۔ پھر

ازواجِ مطہرات کو طلب فرمایا اور انہیں نصیحتیں فرمائیں۔ اسی دوران میں ارشاد فرماتے تھے۔

"مع الذین انعم اللہ علیہم"

ان لوگوں کے ساتھ جن پر خدا تعالیٰ نے انعام کیا ہے۔

کبھی ارشاد فرماتے۔

"اللھم نعم الرفیق الاعلیٰ"

اے خداوند! بہترین رفیق

پھر حضرت علیؓ کو طلب فرمایا۔ آپؐ نے سرِ مبارک کو گود میں رکھ لیا۔ انہیں بھی نصیحت فرمائی پھر ایک دم اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا۔

الصلوٰۃ الصلوٰۃ وما ملکت ایمانکم

نماز، نماز، لونڈی، غلام اور پسماندگان۔

اب نزع کا وقت آپہنچا تھا حضرت رحمۃ للعالمینؐ حضرت عائشہؓ کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے تھے، پانی کا پیالہ پاس رکھا تھا اس میں ہاتھ ڈالتے تھے اور چہرۂ انور پر پھیرتے تھے۔ روئے اقدس کبھی سرخ ہو جاتا تھا اور کبھی زرد پڑ جاتا تھا۔ زبان مبارک آہستہ آہستہ حرکت کر رہی تھی۔

لا الٰہ الا اللہ ۔ ان للموت سکرات ۔

"خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور موت تکلیف کے ساتھ ہے"

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک تازہ مسواک کے ساتھ آئے تو حضور پاکؐ نے مسواک پر نظر جما دی۔ حضرت عائشہؓ سمجھ گئیں کہ مسواک فرمائیں گے۔ ام المؤمنینؓ نے دانتوں میں نرم کر کے مسواک پیش کی اور آپ نے بالکل تندرستوں کی طرح مسواک کی۔ دہن مبارک پہلے ہی طہارت کا سرمایا تھا۔ اب مسواک کے بعد اور بھی مجلیٰ ہو گیا۔

تو یکلخت ہاتھ اونچا کیا کہ گویا کہیں تشریف لے جا رہے ہیں اور پھر زبانِ اقدس سے نکلا۔

بل الرفیق الاعلیٰ، بل الرفیق الاعلیٰ، بل الرفیق الاعلیٰ ۔ اب کوئی نہیں صرف اسی کی رفاقت منظور ہے تیسری آواز پر ہاتھ لٹک آئے۔ پتلی اوپر کو اٹھ گئی اور روح شریف عالمِ اقدس کو ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گئی۔

اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد وبارک وسلم۔

۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ (دوشنبہ) کا دن اور چاشت کا وقت تھا۔ عمر مبارک قمری حساب سے ۶۳ سال اور چار دن ہوئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

صحابہ کرامؓ میں اضطرابِ عظیم

خبرِ وفات کے بعد مسلمانوں کے جگر کٹ گئے، قدم لڑکھڑا گئے، چہرے بجھ گئے، آنکھیں خون بہانے لگیں، ارض و سما سے خوف آنے لگا، سورج تاریک ہو گیا۔ آنسو بہتے تھے اور تھمتے نہیں تھے، کئی صحابہ حیران و سرگرداں ہو کر آبادی سے نکل گئے۔ کوئی جنگل کی طرف بھاگ گیا، جو بیٹھا تھا بیٹھا رہ گیا اور جو کھڑا تھا اسے بیٹھ جانے کا یارا نہ ہوا۔ مسجدِ نبویؐ قیامت سے پہلے قیامت کا نمونہ پیش کر رہی تھی۔

حضرت صدیقِ اکبرؓ تشریف لائے اور چپ چاپ حجرہ عائشہ صدیقہؓ میں داخل ہو گئے۔ یہاں رحمۃ للعالمینؐ کی میت پاک رکھی تھی۔ حضرت صدیقِ اکبرؓ نے چہرۂ اقدس سے کپڑا اٹھا کر پیشانی پر بوسہ دیا پھر چادر ڈھک دی اور رو کر کہا "حضورؐ پر میرے ماں باپ قربان! آپ کی زندگی بھی پاک تھی اور آپ کی موت بھی پاک ہے واللہ اب آپ پر

دو موتیں وارد نہیں ہوں گی اللہ نے جو موت لکھ رکھی تھی آج
آپ نے اس کا مزہ چکھ لیا اور اب اس کے بعد موت ابد
تک آپ کا دامن نہ چھو سکے گی۔"

جب حضرت صدیق اکبرؓ مسجد نبویؐ میں تشریف لائے
تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نہایت بے بسی سے نڈھال ہو کر
کھڑے تھے اور بڑے جوش و درد سے یہ اعلان کر رہے تھے:

"منافقین کہتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم انتقال
فرما گئے ہیں، واللہ آپ نے وفات نہیں پائی۔ آپ اللہ تعالیٰ
کی بارگاہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح طلب کئے گئے
ہیں جو چالیس روز غائب رہ کر واپس آ گئے تھے اس وقت بھی
حضرت موسیٰؑ کی نسبت یہی کہا جاتا تھا کہ آپؑ وفات
پا گئے ہیں۔ خدا کی قسم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی انہیں کی
طرح دنیا میں واپس تشریف لائیں گے اور ان لوگوں کے
ہاتھ پاؤں کاٹ دیں گے جو آپؐ پر وفات کا الزام لگاتے ہیں"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عمرؓ فاروق کا
کلام سنا تو فرمایا "عمرؓ سنبھلو، اور خاموش ہو جاؤ۔ جب حضرت عمرؓ
اپنی وارفتگی میں بہتے چلے گئے تو صدیق اکبرؓ نہایت ہی
دانشمندی کے ساتھ ان سے الگ ہٹ گئے اور خود گفتگو
شروع کر دی۔ جب حاضرین مسجد بھی حضرت عمرؓ کو چھوڑ کر
اُدھر متوجہ ہو گئے تو آپ نے پہلے حمد و ثنا بیان کی اور فرمایا

"اے لوگو! تم میں سے جو محمدؐ کو پوجتا تھا وہ سمجھ لے کہ
محمدؐ وفات پا چکے ہیں اور جو شخص خدا کا پرستار ہے وہ
جان لے کہ خدا تعالیٰ زندہ ہے اور وہ کبھی مرنے کا نہیں اور
حقیقت خود قرآن پاک نے واضح کر دی ہے:"

وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل ۰ الخ

نہیں ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم مگر ایک رسول۔ ان سے پہلے
رسول گزر چکے ہیں کیا اگر وہ مر جائیں یا شہید ہو جائیں تو تم دین
سے برگشتہ ہو جاؤ گے، جو شخص برگشتہ ہو جائے گا وہ
اللہ تعالیٰ کو کچھ نقصان نہ پہنچا سکے گا، اور اللہ تعالیٰ عنقریب
شکر گزاروں کو اجر دے گا۔

اس آیت مبارکہ کو سن کر سب مسلمان چونک پڑے
حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم ہم لوگوں کو ایسا معلوم ہوا
کہ یہ آیت اس سے پہلے نازل ہی نہیں ہوئی تھی۔ حضرت
عمرؓ فرماتے ہیں حضرت ابوبکرؓ سے یہ آیت سن کر میرے
پاؤں ٹوٹ گئے اور کھڑے رہنے کی قوت باقی نہ رہی،
میں زمین پر گر پڑا اور مجھ کو یقین ہو گیا کہ واقعی حضورؐ رحلت
فرما گئے ہیں۔" حضرت فاطمہؓ غم سے نڈھال تھیں۔

پیارے باپ نے دعوت حق کو قبول کر لیا اور فردوس
بریں میں نزول فرمایا ــــ آہ وہ کون ہے جو جبریلؑ امین کو
اس حادثہ کی اطلاع کر دے۔"

الٰہی فاطمہؓ کی روح محمدؐ کی روح کے پاس
پہنچا دے، الٰہی مجھے دیدار رسولؐ کی مسرت عطا فرما دے
الٰہی مجھے اس مصیبت کے ثواب سے بہرہ ور کر دے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دل و جان
پر غم کی گھٹائیں چھا گئیں اور زبان اخلاق نبویؐ کی ترجمانی کر
رہی تھی۔

"حیف، وہ نبی جس نے محل پر فقیری کو چن لیا جس نے
تونگری کو ٹھکرا دیا اور مسکینی قبول کر لی۔
آہ۔ وہ دین پرور رسولؐ جو امت عاصی کے غم میں ایک
پوری رات بھی آرام سے نہ سویا۔"

آہ۔ وہ صاحب خلق عظیم جو ہمیشہ آٹھوں پہر نفس سے جنگ آزما رہا۔

آہ۔ وہ اللہ کا پیغمبر جس نے ممنوعات کو کبھی آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔

آہ۔ وہ رحمۃ العالمین جس کا باب فیض فقیروں اور حاجتمندوں کیلئے ہر وقت کھلا رہتا تھا۔

جس کا رحیم دل اور پاک ضمیر کبھی دشمنوں کی ایذا رسانی سے غبار آلود نہ ہوا۔

جس کے موتی جیسے دانت توڑے گئے اور اس نے پھر بھی صبر کیا۔

جس کی پیشانی کو زخمی کیا گیا اور اس نے پھر بھی دامن عفو ہاتھ سے نہ چھوڑا۔

آہ۔ کہ آج اسی وجود سرمدی سے ہماری دنیا خالی ہے۔"

تجہیز و تکفین

سہ شنبہ سے تجہیز و تکفین کا کام شروع ہوا فضلؓ بن عباس اور اسامہؓ بن زید پردہ تان کر کھڑے ہوگئے اور انصار نے دروازہ پر پہنچ کر آواز دی کہ ہم رسول اللہ کی آخری خدمت گذاری میں اپنا حصہ طلب کرنے آئے ہیں، حضرت علیؓ نے اوس بن خولی انصاری کو اندر بلایا، وہ پانی کا گھڑا بھر کر لائے تھے حضرت علیؓ نے جسم مبارک سے سینہ لگا رکھا تھا حضرت عباسؓ اور ان کے صاحبزادے جسم مبارک کی کروٹیں بدلتے تھے اور حضرت اسامہ بن زیدؓ اوپر سے پانی ڈالتے تھے، حضرت علیؓ غسل دے رہے تھے اور کہہ رہے تھے۔

"میرے ماں باپ قربان، آپ کی وفات سے وہ دولت گم ہوگئی ہے جو کسی دوسری موت سے گم نہیں ہوتی۔ آج نبوت، اخبار غیب اور نزول وحی کا سلسلہ کٹ گیا ہے۔ آپ کی وفات تمام انسانوں کیلئے یکساں مصیبت ہے۔ اگر آپ صبر کا حکم نہ دیتے اور گریہ زاری سے منع نہ فرماتے تو ہم دل کھول کر آنسو بہاتے لیکن پھر بھی یہ دکھ لاعلاج ہوتا، اور یہ زخم لازوال رہتا۔ ہمارا درد بے درماں ہے، ہماری مصیبت بے دوا ہے۔

اے حضور میرے والدین آپ پر قربان، جب آپ بارگاہ الٰہی میں پہنچیں تو ہمارا ذکر فرمائیں اور ہم لوگوں کو فراموش نہ کریں۔

تین سوتی سفید کپڑوں میں کفن دیا گیا، چونکہ وصیت پاک یہ تھی کہ آپ کی قبر ایسی جگہ نہ بنائی جائے کہ اہل عقیدت اسے سجدہ گاہ بنالیں اس لئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے کے مطابق حجرۂ عائشہؓ میں قبر کھودی گئی جہاں آپ نے انتقال فرمایا تھا۔ حضرت طلحہؓ نے قبر کھودی، چونکہ زمین میں نمی تھی اس واسطے وہ بستر جس میں وفات پائی تھی قبر میں بچھا دیا گیا۔ جب تیاری مکمل ہوگئی تو اہل ایمان نماز کے لئے ٹوٹ پڑے چونکہ جنازہ حجرے کے اندر تھا اس واسطے باری باری جماعتیں اندر جاتی تھیں اور نماز جنازہ ادا کرتی تھیں۔ اس نماز میں امام کوئی نہ تھا۔ پہلے کنبہ والوں نے نماز جنازہ پڑھی۔ پھر مہاجرین نے پھر انصار نے۔ مردوں نے الگ جنازہ پڑھا، عورتوں نے الگ اور بچوں نے الگ۔ یہ سلسلہ رات اور دن برابر جاری رہا۔ اس لئے تدفین مبارک چہار شنبہ کی شب کو یعنی رحلت پاک سے ۳۲ گھنٹے بعد عمل میں آئی۔ جسم مبارک کو حضرت

علیؓ، فضل بن عباسؓ، اسامہ بن زیدؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے قبر میں اُتارا۔ اور آخر اس علم کے چاند، دین کے سورج اور ارتقاء کے گلزار کو اہلِ دُنیا کی نگاہ سے اوجھل کر دیا۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون ۔

متروکات

صاحب سیرۃ النبی نے کتنا اچھا لکھا ہے حضورؐ کے اپنی زندگی ہی میں اپنے پاس کیا رکھتے تھے جو مرنے کے بعد چھوڑ جاتے۔ پہلے ہی اعلان فرما چکے تھے۔

لا نورث ما ترکنا صدقۃ ۔

ہم نبیوں کا کوئی وارث نہیں ہوتا ہم جو کچھ چھوڑیں وہ صدقہ ہے۔

عمرو بن حویرثؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے مرتے وقت کچھ نہ چھوڑا۔ نہ درہم نہ دینار نہ لونڈی اور نہ کچھ اور، صرف اپنا سفید خچر، ہتھیار اور کچھ زمین تھی جو عام مسلمانوں پر صدقہ کر گئے۔

آثار متبرکہ چند یادگاریں صحابہ کے پاس باقی رہیں، حضرت ملیکہ کے پاس موئے مبارک تھے، حضرت انسؓ بن مالکؓ کے پاس موئے مبارک کے علاوہ نعلین مبارک اور ایک لکڑی کا ٹوٹا ہوا پیالہ تھا۔ ذوالفقار حضرت علیؓ کے پاس تھی، حضرت عائشہؓ کے پاس وہ کپڑے تھے جن میں انتقال فرمایا۔ مہر منور اور عصائے مبارک صدیق اکبرؓ کو تفویض ہوئے ان کے علاوہ سب سے بڑی نعمت اور دولت جو عرش عظیم سے بھی زیادہ بیش قیمت تھی آپ اس پوری انسانیت کو عطا کر گئے۔ یہ نعمت عظیم اللہ کی کتاب قرآن ہے

" ترکت فیکم امرین لن تضلوا بعدی

ما تمسکتم بھما کتاب اللّٰہ و سنتی "

ترجمہ: " تمہارے درمیان میں دو چیزیں ایسی چھوڑی ہیں کہ اگر تم ان پر عمل کرتے رہو تو میرے بعد کبھی گمراہ نہیں ہو گے۔ وہ ہے قرآن مجید اور میری سُنت "

بقیہ : تذکارِ مقدس

کامرانیوں اور اقبال و فیروزی کی فتحمندی کے ساتھ تمام کائنات ارضی میں اپنی جبروتیت و قدوسیت کا اعلان کرے بس وہ اللہ کے ہاتھ کی چمکائی ہوئی تلوار تھی جس کی ھیبت و قہاریت نے باطل پرستی کی تمام طاقتوں کو لرزا دیا اور کلمۂ حق کی بادشاہت اور دائمی فتح کی بشارت تمام دُنیا کو سُنائی۔

ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہٗ علی الدین کلّہ و لو کرہ المشرکون۔

" وہ خدا ہی ہے جس نے اپنے رسول کو دنیا کی سعادت کے قیام اور ضلالت کی مقہوریت کے لئے دین حق کیساتھ بھیجا تاکہ وہ اسے تمام دینوں پر غالب کرے۔

پس اس کی حقانیت کی طاقت ہی آخر میں دائمی اور عام فتح پانیوالی ہے اگرچہ مشرکوں پر ایسا ہونا بہت ہی شاق گذرے۔"

اللّٰھم صلی علیٰ محمد و علیٰ آلہ و اصحابہ اجمعین ۔

سیرتِ طیبہ

ع۔ آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم الشان کام کا اندازہ کرنے کے لئے دیکھو کہ اسلام کا بیج کیسے پاک قلوب میں بویا گیا تھا جو نیک پھل لائے تھے۔ نجاشی ملک حبشہ، جیفر ملک عمان، اکیدر شاہ دومۃ الجندل، نجد کے وحشی تہامہ کے بدو اور یمن کے مسکین درویش بدوش کھڑے ہونے پر نازاں تھے۔

عبداللہ بن سلام یہودیت، اور ورقہ بن نوفل عیسائیت، اور عثمان بن طلحہ ابراہیمیت کی مسندہائے امامت چھوڑ کر اسلام کے خادم شمار کئے جانے پر مفتخر ہیں۔

یہودیوں کا زر خرید غلام سلمان فارسی من اھل البیت کے درجہ پر فائز ہو جاتا ہے اور بت پرستوں کے زر خرید غلام بلال حبشی کو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جن کی سطوت و ہیبت سے قیصر و کسریٰ کے اندام پر لرزہ تھا سید، سید، آقا، آقا کہہ کر پکار رہے ہیں۔

دشمن دوست بن گئے اور جاں ستاں جاں نثار ثابت ہوئے، وہ عمرو بن عاص جو حبشہ میں نجاشی کے پاس قریش کا سفیر بن کر گیا تھا کہ مسلمانوں کو بطور قیدی مجرموں کے حاصل کرے، چند سال کے بعد وہی عمان کے بادشاہ کے پاس داعی اسلام بن کر جاتا ہے اور ہزاروں اشخاص کے مسلمان ہو جانے کی بشارت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لاتا ہے۔

وہی خالد بن ولید جو جنگ اُحد میں بت پرستوں کے رسالہ کی کمان کرتا ہے مسلمانوں کو تباہ کرنا اپنی زندگی کا اعلیٰ مقصد سمجھتا تھا پھر اس کے بعد حاضر ہوتا ہے، لات و عزیٰ کے مندروں کو اپنے ہاتھوں سے گراتا اور اسلامی فتوحات میں کمانڈر انچیف جنرل کا عہدہ پاتا ہے، وہی عروہ بن مسعود جو حدیبیہ میں آنحضرت ﷺ کو مکہ میں داخل ہونے سے روکنے کیلئے قریش کا سفیر بن کر آیا تھا خود بخود مدینہ میں حاضر ہوتا ہے اور اپنی قوم میں دعوت اسلام کی اجازت حاصل کر کے اسی خدمت میں اپنی جان قربان کر دیتا ہے۔

وہی سہیل بن عمرو معاہدہ حدیبیہ میں بت پرستوں کی جانب سے کمشنر معاہدہ تھا اور جس نے عہد نامہ میں اسم پاک محمد ﷺ کیساتھ لفظ رسول اللہ کے لکھے جانے پر انکار کیا تھا وفات نبوی ﷺ کے بعد بیت اللہ میں کھڑے ہو کر اسلام کی صداقت اور دین آپ ﷺ کی تائید میں ایسی زبردست تقریر کرتا ہے جو سینکڑوں دلوں میں سکینت اور ایمان بھر دیتا ہے، وہی عمر جو تلوار لیکر گھر سے آنحضرت ﷺ کا سر قلم کرنے کیلئے چلا تھا وفات نبوی ﷺ کے دن ننگی شمشیر لیکر کہہ رہا ہے کہ جو کوئی حضور ﷺ کے بارے میں کہے گا کہ وفات پا چکے ہیں میں اس کا سر

قلم کرے گا، وہی ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب جو حقیقی چچا کا بیٹا ہو کر آنحضرتؐ کی ہجو میں اشعار کہا کرتا تھا جذبۂ توفیق سے خدمت
میں حاضر ہوتا ہے اور جنگ حنین میں وہی اکیلا رکاب نبوی تھامے نظر آتا ہے۔

وہی ابوسفیان بن حرب جو سات برس تک برابر آنحضرتؐ کے مقابلہ میں فوجیں اور مسلمانوں کے خلاف آتش فساد بھڑکاتا
رہا اسلام لاتا اور نجران کے عیسائی علاقہ پر اسلام کا حاکم بنا کر بھیجا جاتا ہے، وہ طفیل دوسی جو کانوں میں روئی کی ڈاٹ لگا کر پھرتا تھا
کہ محمدؐ کی آواز کان میں نہ پہنچے بالآخر اپنے وطن میں گھر گھر پھرتا اور محمدؐ کی آواز پہنچاتا تھا، وہ عبد یالیل ثقفی جس نے طائف میں ظالموں
اور بچوں کو پتھراؤ کرنے کیلئے نبی کریمؐ کے پیچھے لگایا تھا آخر کار مدینہ حاضر ہوا اور وہاں سے اپنی قوم کے پاس جوہر ایمان و یقین لایا۔
بریدہ بن الحصیب سلمی جو قریش سے سو شتر سرخ کے انعام کا وعدہ لیکر حضورؐ کی گرفتاری کیلئے ستر سواروں کا دستہ لیکر آیا چند گھنٹہ بعد نبی عربی کا علمبردار بن گیا۔

آپ مسیح علیہ السلام کی طرح جھٹلائے اور ستائے گئے پھر بھی صابر و شاکر ہی پائے گئے، آپ نے یحییٰ علیہ السلام کی طرح صبر و شکیبائی کے
ساتھ گھاٹی میں تین سال تک مصیبت کاٹی اور پھر آپ کا دل خدا کی شاکر گزاری سے لبریز اور زبان ستائش گری سے زمزمہ سنج رہی۔

آپ نے ابراہیمؑ کی طرح نافرمان قوم سے علیحدگی اختیار کی، مادر وطن کو چھوڑ کر شجرۂ طیبہ اسلام لگانے کیلئے پاک زمین کی تلاش میں
رہ نورد اور شب ہجرت میں داؤدؑ کی طرح دشمنوں کے زغہ سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ اور یونسؑ کی طرح جنہوں نے
تین دن مچھلی کے پیٹ میں رہ کر پھر نینوی میں اپنی منادی کو جاری کیا تھا غار ثور کے شکم میں تین دن رہ کر پھر مدینہ طیبہ
میں کلمۃ اللہ کو بلند فرمایا، آپ نے موسیٰؑ کی طرح جنہوں نے بنی اسرائیل کو فرعون مصر کی غلامی سے آزاد کرایا تھا شمالی عرب کو
شاہ قسطنطنیہ کے بند ملوکیت سے اور مشرقی عرب کو کسریٰ ایران کے حلقۂ غلامی سے اور جنوبی عرب کو شاہ حبش
کے طوق بندگی سے نجات دلائی۔

آپ نے یوسف علیہ السلام کی طرح اپنے ایذا رسان و ستم پیشہ برادران مکہ کے لئے نجد سے بتوسط ثمامہ بن
اثال غلہ بہم پہنچایا اور بالآخر فتح مکہ کے دن لا تثریب علیکم الیوم کا مژدہ سنا کر اذھبوا انتم الطلقاء
کے ارشاد سے انہیں پابند منت و احسان بنایا۔

وقت واحد میں آپ موسیٰؑ کی طرح صاحب حکومت تھے اور ہارونؑ کی طرح صاحب امامت بھی۔
ذات مبارک میں نوحؑ کی طرح سرگرمی، ابراہیمؑ جیسی نرمی، یوسفؑ کی طرح درگذری، داؤدؑ کی سی فتوحات،
ایوبؑ کا صبر، سلیمانؑ کی سی سطوت، عیسیٰؑ کی سی خاکساری، یحییٰؑ کا سا زہد، اسماعیلؑ کی سی سبک روحی
کامل ظہور بخش تھی۔ ؎

اے کہ بر تخت سیادت ز ازل جا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

رحمۃ للعالمین ؛ ج ؛ اوّل ـــــ از ؛ قاضی محمد سلیمان منصورپوری

خلق عظیم

— جناب کوثر نیازی صاحب

خُلقِ حَسَن

انسان کامل محسنِ انسانیت حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کا پیغام عام کیا۔ تو آپؐ نے جس بات کو اپنی دلیل بنایا وہ یہ تھی کہ: فقد لبثت فیکم عمرا من قبلہ افلا تعقلون۔ "اے میری قوم کے لوگو میں تم میں اس سے پہلے ایک بڑی لمبی مدت گزار چکا ہوں، کیا تمہیں عقل نہیں آتی"۔

مطلب آپؐ کے فرمانے کا یہ تھا کہ میں تمہارے درمیان کوئی غیر معروف شخصیت نہیں ہوں، تم مجھے اچھی طرح جانتے ہو، میری چالیس سالہ زندگی تمہارے سامنے ہے۔ تم مجھے اچھی طرح جانتے ہو اور مجھے صادق و امین کہہ کر یاد کرتے ہو میرے شب و روز تمہارے لئے ایک کھلی ہوئی کتاب کی مانند ہیں۔ میں نے کسی کو دھوکا نہیں دیا۔ کسی سے جھوٹ نہیں بولا۔ غریبوں کی مدد کی، یتیموں کے سروں پر دستِ شفقت رکھا، محتاجوں کی دست گیری کی، جب تم سب تسلیم کرتے ہو کہ میری زندگی میں کوئی عیب نہیں، کوئی دغا نہیں، کوئی خطا نہیں تو پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ چالیس سال اس طرح گزارنے کے بعد یک لخت بدل جاؤں اور غلط بات کہہ کر تمہیں مبتلائے فریب کروں۔

تاریخ بتاتی ہے کہ جب آپؐ نے اہلِ مکہ کے سامنے یہ دلیل پیش کی تو وہ سب لاجواب ہو گئے۔ ان میں سے کسی کو یہ جرأت نہ ہو سکی کہ وہ آپؐ کی زندگی کے کسی گوشے پر انگلی اٹھائے اور یہ لوگ انگلی اٹھاتے بھی کیسے اس انسان کامل کی عظمت کردار کا یہ عالم تھا کہ چاند میں داغ دھبے ہو سکتے ہیں برگِ گل پر گرنے والی شبنم میں کثافت ہو سکتی ہے لیکن اس کے قول و عمل میں حرف گیری کی کہیں کوئی گنجائش نہ تھی۔ نتیجہ کیا نکلا جو صاحبان فکر و نظر تھے جن کے دلوں پر تالے نہیں پڑ چکے تھے، جن کی عقلیں زنگ سے محفوظ تھیں، وہ آئے اور آپؐ کے کردار کی عظمت دیکھ دیکھ کر حلقہ بگوش اسلام ہوتے چلے گئے۔ ایسے بھی تھے جنہوں نے اس روئے روشن پر نظر ڈالی اور بے اختیار پکار اٹھے کہ خدا کی قسم یہ چہرہ کسی جھوٹے کا نہیں ہو سکتا۔

اور یہ تو وہ تھے جو ماننے والے تھے، ماننے کے ارادے سے آئے تھے۔ جو دشمن تھے اور دشمن بھی ایسے کہ خون کے پیاسے۔ خود ان کا طرزِ عمل یہ تھا کہ ابوسفیان قیصر روم کے دربار میں پہنچا اس مشن پر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اور ان کے ساتھیوں کے خلاف اس کی امداد حاصل کرے۔ بادشاہ نے بھرے دربار میں دریافت کیا "اے سردارِ قریش جس کے خلاف مدد لینے آئے ہو اور جس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اس پر ایمان لانے کے بعد کبھی کسی نے اس کا ساتھ بھی چھوڑا ہے؟ ابوسفیان نے جواب دیا۔ نہیں۔ پھر پوچھا کیا اس نے کبھی جھوٹ بولا ہے؟ اور جب یہ سوال پوچھا جا رہا تھا تو ابوسفیان اس کی نزاکت کو خوب سمجھتا تھا اُسے خبر تھی کہ اگر میں نے اثبات میں جواب دیا تو میرا مشن ناکام ہو سکتا ہے مگر وہ جسارت کیسے کرتا کہ روزِ روشن کو شبِ تار کہتا۔ اس کے ہم وطن دربار میں موجود تھے وہ اس کا جھوٹ پکڑ لیتے۔ ابوسفیان کو اعتراف کرنا پڑا کہ اس نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ اس پر قیصرِ روم نے عجیب بات کہی۔

اس نے کہا "ابوسفیان سنو! جس نے کبھی بندوں کے معاملہ میں جھوٹ نہیں بولا وہ خدا کے معاملے میں کبھی جھوٹ نہیں بول سکتا۔"

یہ تھی وہ عظمتِ کردار کہ بالآخر خود دشمن بھی جس کے آگے سر جھکانے پر مجبور ہو گئے، مخالفتوں کے طوفان اُٹھے لیکن جھاگ کی طرح بیٹھ گئے، آندھیاں آئیں لیکن نسیمِ سحری میں تبدیل ہو گئیں، کانٹوں نے سر اُٹھایا لیکن پھول بن کر خوشبو دینے لگے۔ پورا عرب زیرِ نگیں ہو گیا اور وہ جو کل تک دشمنِ جاں تھے وہی آپؐ کے پسینہ پر خون گرانے کے لئے تیار ہو گئے۔

حضرت انسؓ حضورِ پُرنورؐ کے خادمِ خاص تھے اور بچپن ہی سے آپؐ کی خدمت کا شرف پالیا تھا۔ انہوں نے اپنا ایک دلچسپ قصہ بیان کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کام کے لئے بھیجا یہ میرے بچپن کے دن تھے۔ راستے میں لڑکے کھیل رہے تھے میں وہاں کھڑا ہو کر ان کا کھیل دیکھنے لگا اتنے میں حضورؐ تشریف لے آئے اور پیچھے سے میری گردن پکڑی۔ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو آپؐ مسکرا رہے تھے۔ پھر بڑے پیار اور محبت سے فرمانے لگے "اے انس میں نے تجھے جس کام کے لئے کہا تھا اُسے کر کے آ" میں نے عرض کی بہت اچھا۔ یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد حضرت انسؓ نے فرمایا میں نے نو برس تک حضورؐ کی خدمت کی ہے۔ اس ساری مدت میں مجھے یاد نہیں آتا کہ کبھی آپؐ نے میرے کسی کام پر یہ فرمایا ہو کہ یہ کیوں کیا ہے یا کسی کام کے نہ کرنے پر مجھ سے دریافت کیا ہو کہ یہ کیوں نہیں کیا۔"

یہی حضرت انسؓ ایک دوسری روایت میں ایک اور واقعہ بیان کرتے ہیں۔ فرمایا ایک دفعہ ایک غریب بڑھیا نے راہ چلتے حضورؐ کا راستہ روک لیا اور کہنے لگی مجھے آپ سے کچھ کام ہے۔ آپؐ نے فرمایا اے ماں گلی کے جس کنارے پر بیٹھ کر بات کرنی چاہو وہاں بیٹھ جاؤ۔ چنانچہ وہ ایک جگہ بیٹھ گئی۔ آپؐ بھی اس کے پاس بیٹھ گئے۔ یہاں تک کہ جو کچھ اس کو آپؐ سے کہنا تھا وہ کہہ چکی تب آپؐ وہاں سے رخصت ہوئے۔"

اس میں شک نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے خدام کے ساتھ اس طرح گھلا ملا رہنا اس وجہ سے تھا کہ ہر شخص

باقی ص ۹۳ پر

دار العلوم دیوبند کے اساتذہ و طلبہ سے مولانا سید صدیق احمد صاحب باندوی مدظلہ کا خطاب

لائق صد احترام حضراتِ اساتذہ کرام!

چھوٹا منہ بڑی بات، یہ سیاہ کار ہرگز اس کا تصور نہیں کر سکتا تھا کہ اپنے بڑوں کی موجودگی میں بڑوں کے بارے میں لب کشائی کرے، مگر وقت کی نزاکت اور یہاں کی موجودہ صورتِ حال نے ملک میں جو مسموم فضا پیدا کر دی ہے جس سے دار العلوم کی عظمت مجروح ہو رہی ہے اس نے آپ حضرات کی خدمت میں چند معروضات پیش کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔

یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عنایتِ خاصہ سے دار العلوم کے آغاز ہی سے اسکو ایسے حضرات کی سرپرستی اور اس قسم کے اساتذہ کرام کی خدمات حاصل رہی ہیں جو علمی رسوخ، عملی پختگی، بلند کرداری، دیانت و تقویٰ، شب بیداری، اور آہ سحرگاہی جیسے اوصاف و کمالات کی بناء پر مرجع خلائق تھے۔ ان کے زمانہ میں کسی فتنہ نے اگر سر اٹھایا بھی تو ان کے اخلاص و للہیت نے اس کا فوراً ہی سدِ باب کر دیا اور دار العلوم پر کسی قسم کی آنچ نہیں آنے دی۔ ان کا اختلاف اللہ ہی کے لئے ہوتا تھا۔ اس لئے اس کے دُور ہونے میں بھی دیر نہیں لگتی تھی۔ انہوں نے کبھی بھی اپنی عزت اور وقار کے لئے دار العلوم کی عزت کو قربان نہیں کیا ـــــ لیکن افسوس کیساتھ اسکا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ آج وہ جوہر نمایاں طور پر نظر نہیں آ رہا۔ اللہ ربّ العزت نے دار العلوم جیسے مرکز کی خدمت کی نعمت سے آپ حضرات کو نوازا ہے۔ اگر اس نعمت کی قدر دانی نہ کی گئی، اور اس کا حق ادا نہ کیا گیا تو بہت اندیشہ ہے کہ یہ نعمت کہیں چھن نہ جائے۔ جو ذاتِ حق نعمت دینے پر قادر ہے وہ ناقدری کی بنا پر چھین لینے پر قادرِ مطلق ہے۔ تاریخ کے واقعات اس پر شاہد ہیں جن کا آپ حضرات کو مجھ سے زیادہ علم ہوگا۔ اس لئے گذارش ہے کہ درج ذیل باتوں پر اچھی طرح توجہ دیجائے؛

○ اپنے اندر کسی قسم کے استحقاق کا دعویٰ نہ ہو، جو خدمت بھی سپرد کی جائے اسکو انعام خداوندی کے لئے پوری دیانت کے ساتھ انجام دیا جائے۔ اللہ کے یہاں مناصب اور اقتدار کی ہرگز قدر نہیں، وہاں سے جو کچھ ملتا ہے اخلاص اور قربانی پر ملتا ہے۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ ارشاد اپنے اکابر و اساتذہ سے بارہا سنا گیا ہے کہ "ہم کو تو دین کی خدمت کرنی ہے، چاہے کوئی بغدادی قاعدہ پڑھوائے یا بخاری شریف"۔

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ مشہور ہے کہ اگر کوئی طالب علم دین ہمارے سر پر جوتے لگائے لیکن

وہ ہم سے علم دین حاصل کرنے پر راضی ہو تو ہم یہ سودا کرنے پر تیار ہیں۔"

غور فرمائیں، اکابر کے ان فرمودات میں ہمارے لئے اخلاص وللّٰہیت اور تواضع و بےنفسی کا کیسا سبق ہے۔ یقین کیجئے تکبر اور جاہ پسندی کی بنیاد پر فتنہ پیدا ہوتا ہے جو کبھی بھی ختم نہیں ہوتا۔

○ اتحاد و اتفاق سے ایک دوسرے کا احترام کرتے ہوئے کام کریں، اختلاف و انتشار کے ساتھ خداوند کریم کی تائید باقی نہیں رہتی۔ اس کی نحوست کے بارے میں آپ حضرات قرآن و حدیث میں پڑھتے پڑھاتے رہتے ہیں۔ خود ہم اپنے دلوں کا جائزہ لیں کیا اختلاف کے بعد جو احترام ایک عالم دین اور خادم دین کا ہونا چاہئے وہ باقی رہتا ہے! کیا ضمانت ہے کہ ہم حدود سے تجاوز نہ کریں گے؟ اب تک کی توقعات تو اس کے خلاف شہادت دے رہی ہیں۔ وہ کونسا رذیلہ ہے جس کا اس موقع پر ارتکاب نہ کیا گیا ہو، کیا صفحات کے صفحات اور کالموں کے کالم ایک دوسرے کے عیوب اچھالنے اور افترا پردازی میں نہیں رنگے گئے، کیا ہم نے اپنی جلوت و خلوت کے قیمتی اوقات غیبتوں اور عیب جوئیوں میں صرف نہیں کئے!!؟ ہم نے تو وہ وہ حرکتیں کی ہیں جس کی ایک عامی یا جاہل بھی ہمت نہیں کرسکتا جبکہ کہ وہ خدا اور آخرت کو نہ بھلائے۔

○ طلبہ کے ساتھ شفقت اور نرمی کا معاملہ کیا جائے، یہ بگڑے ہوئے ماحول سے آتے ہیں۔ بہت سے ایسے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں جن کو اس سے پہلے علم دین کی ہوا تک نہیں لگی ہوتی۔ اس کے برعکس ڈاکہ زنی، چوری اور بدکاری ان کا پیشہ رہا ہے اور اب بھی ہے، علاقے کے علاقے دین سے ناآشنا ہیں۔ ان پر محنت کرکے انکو کسی قابل بنانا ہے۔ تحمل اور صبر کیساتھ انکو تنہائی میں بلاکر ان کی غلطیوں پر آگاہ کرکے راہ راست پر لانا ہے۔ اللہ کی ذات سے بہت کچھ امید ہے کہ ہمارے تھوڑے سے مجاہدے اور نفس کشی سے ان کی زندگی بن جائے گی اور یہ اپنے علاقے کے لئے وہ دین کے خادم و محافظ بن جائیں گے ہمارے آپ کے اکابر نے یہی کیا تھا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ "میں تمہارے لئے ایسا ہی ہوں جیسا کہ باپ اپنی اولاد کے لئے ہوتا ہے، تم سب میرے لئے میری دینی اور روحانی اولاد ہو" آپ کے سامنے ہے۔ یہ ارشاد ہم کو دعوت دیتا ہے کہ استاد اور مربی کے اندر باپ جیسی شفقت ہونی چاہئے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "استاد کو بردبار اور حلیم الطبع ہونا چاہئے۔"

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ "جب تک تیرا غصہ باقی ہے اپنے آپ کو اہل علم میں شمار نہ کر۔"

استاذ الکل حضرت مولانا مملوک علی رحمۃ اللہ علیہ کا حال یہ تھا کہ جب کوئی طالب علم بیمار پڑتا تو خود اس کی قیام گاہ پر جاکر عیادت کرتے۔ حالانکہ اس زمانہ میں طلبہ ایک جگہ نہیں رہتے تھے بلکہ مختلف مساجد اور مکانوں میں قیام ہوتا تھا۔

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ کے حالات میں ہے کہ ایک سال ترمذی شریف مسجد میں درس دے

رہے تھے کہ یکایک بارش شروع ہوئی اور طلبہ اپنی اپنی کتابیں لیکر اندر چلنے لگے تو حضرت قدس سرہ نے ان سب طلباء کے جوتے اٹھائے اور حفاظت کی جگہ رکھے۔

امام سفیان ابن عیینہؒ ایک مرتبہ کسی بات پر طلبہ سے ناراض ہو گئے اور فرمایا میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ ایک ماہ تک درس نہ دوں۔ یہ سنکر ایک طالب علم نے عرض کیا "اے ابو محمد آپ نرمی فرمائیے اور قولِ حسن فرمائیے، آپ اسلاف کرام کی پیروی فرمائیے اپنے حلقہ نشینوں کے ساتھ اچھا سلوک کیجئے کیونکہ آپ بقیۃ السلف ہیں اللہ اور اسکے رسول کے علم کے امین ہیں۔" امام موصوف نے یہ بات سُنی تو نرم پڑ گئے اور رقت طاری ہوگئی، بہت دیر روتے رہے اور یہ شعر پڑھا:

خلت الدیار فسدت غیر مسود
ومن الشقاء تفردی بالسودد

یعنی بستیاں خالی ہو گئیں تو میں بغیر اسکے کہ مجھے سردار بنایا جاتا سردار بن گیا اور تنہا میری سرداری میرے لئے بڑی آزمائش ہے۔"

محترم حضرات! اگر دارالعلوم کے اساتذہ اور ارباب انتظام جو واقعی بقیۃ السلف اور اللہ اور اس کے رسول کے علم کے امین ہیں، یہ اسلاف کا نمونہ نہیں بن سکتے تو پھر کن سے امید کی جائے؟ یہاں کا خیر اور شر دونوں ہی متعدی ہیں۔ آپ حضرات اگر سلف صالحین کا نمونہ بنیں، ان جیسے اخلاق اپنے اندر پیدا کریں تو دنیا کے لئے اچھا نمونہ بن سکتے ہیں اور آپ کے تلامذہ بھی اسی کی پیروی کریں گے۔

محترم حضرات! مجھے اس بات کا بخوبی احساس ہے کہ میں نے اپنی حد سے بڑھ کر یہ گستاخی کی ہے لیکن میرے دل کی سوزش اور اللہ کے حضور جواب دہی کی فکر نے مجھے اس کے لئے مجبور کیا ہے۔ امید ہے مجھے معذور سمجھکر معاف فرمائیں گے۔

آخر میں پھر گذارش ہے کہ اگر اسوقت آپ حضرات نے ایثار و قربانی سے کام لیا، نفس کو کچل کر صلح و صفائی کر لی، ان سب کی معافی تلافی کر کے ایک دل ہو گئے، جو منصب اور استحقاق کا وسوسہ اسوقت رکاوٹ کا ذریعہ بنا ہوا ہے اس سے آنکھ بند کر لی اللہ اور رسول کو خوش کرنے کے لئے دارالعلوم اور اس کی جماعت کے کھوئے ہوئے وقار کو واپس لانے کے لئے، امت سے ذلت و رسوائی کا دھبہ دُور کرنے کے لئے نفس کشی سے کام لیا تو انشاء اللہ آپ کی عزت کا سکہ دلوں میں بیٹھ جائے گا اور اللہ تعالیٰ وہ تمام چیزیں بھی عطا فرمائے گا جن کو آپ چاہتے ہیں۔ جو اللہ کے واسطے اپنی عزت قربان کر دیگا اللہ پاک دونوں جہان میں اس کو سرخروئی عطا فرماتا ہے۔ جو اللہ کے لئے کچھ کرتا ہے اللہ اس کے لئے سب کچھ کرنے کو تیار ہے۔ یہ سنۃ اللہ اور اس کا وعدہ ہے۔

خدارا اسی مجلس میں اپنے سینوں کو پاک کر لیجئے اور شیطان کی تمام کوششوں کو ناکام اور خاک میں ملا کر دُنیا کو دکھا دیجئے کہ اگر ہم سے بربنائے بشریت وہ ہو سکتا ہے جو اب تک سُنا اور دیکھا گیا ہے تو ہم خدا کی اطاعت اور فرمانبرداری کا بھی جذبہ اپنے اندر رکھتے ہیں۔ ہم دینِ محمدی کے لئے اور اپنے اکابر کی روایات کو زندہ رکھنے کے لئے ہر قربانی کے لئے تیار ہیں۔

ہم آپس میں ایک ہونا بھی جانتے ہیں اور دوسرے کی عزت پر اپنی عزت کو قربان کرنا بھی جانتے ہیں۔

خدا کی قسم اگر آپ حضرات نے یہ نمونہ دکھا دیا اور اس پر صدقِ دل سے عمل کیا تو نہ صرف یہ کہ آپ کی عزت دوبالا ہوگی، بلکہ دار العلوم کا کے وقار میں چار چاند لگ جائیں گے اور ہم سب دُنیا کے سامنے منہ دکھانے کے لائق ہو جائیں گے اور کہہ سکیں گے کہ دار العلوم اب بھی اپنے دامن میں ایسے قیمتی جواہر رکھتا ہے جن کی بے نفسی، ایثار و قربانی، نفس کشی اور اخلاص و للّٰہیت کا جذبہ دنیا کے لئے نمونۂ ہدایت ہے۔

میرے محترم بزرگو! اللہ پاک نے تو آپ کے ہاتھ میں دُنیا کی زمامِ قیادت دے رکھی ہے۔ آپکو پوری دنیا میں کام کرنا ہے اور اپنی ذات کو پوری دُنیا کے لئے بہترین نمونہ بنانا ہے۔ آپ نے دار العلوم کی سیادت و قیادت اور اسکے مناصب ہی کو صرف اپنی عزت اور وقار کا مسئلہ کیوں بنا رکھا ہے۔ آپ کی عظمت اور جلالِ شان دار العلوم کے کسی منصب کی محتاج نہیں۔ آپ جیسے حضرات بھی اگر فانی مناصب کے لئے رسہ کشی کریں گے تو پھر دُنیا والوں کو بے نفسی اور اخلاص و للّٰہیت کا سبق کون دے گا۔ آپ حضرات سلاطینِ اُمت ہیں اپنے کو سنبھالئے اور دوسروں کو بچائیے۔

عزیز طلبہؓ سے خیر خواہی کی باتیں

میرے عزیز بھائیو! آپ حضرات اچھی طرح جانتے ہیں کہ دنیا میں ہر چیز کے حاصل کرنے کے لئے کچھ ضوابط ہیں۔ کچھ چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو اس کے لئے موقوف علیہ کا درجہ رکھتی ہیں جن کے بغیر اسکا حصول نہیں ہوسکتا، ان اُمور میں اساتذہ کا احترام اولیت کا درجہ رکھتا ہے۔ تمام شرائط موجود ہوں لیکن جس طالبِ علم کے اندر اس کا فقدان ہے وہ کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"علم حاصل کرو اور علم کے لئے متانت و وقار پیدا کرو، جس سے علم حاصل کرو اُس سے خاکساری برتو"۔

ایک حدیث میں ہے کہ استاذ کی عزت کرنا تعظیمِ خداوندی میں داخل ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اس کا غلام ہوں جس نے مجھے ایک حرف سکھایا، اگر وہ چاہے تو مجھے فروخت کردے، اگر چاہے تو غلام رکھے یا آزاد کردے۔

میرے بھائیو! حضرت علیؓ تو ایک حرف سکھانیوالے اُستاذ کو اپنے اوپر ہر طرح کا اختیار دیں، خود کو اسکا غلام سمجھیں، اور جن اساتذہ سے ہم نے کئی کئی برس میں ہزارہا صفحات کتابوں کے پڑھے ہیں ان کی ایک بات برداشت کرنے کو تیار نہیں، ان کی شان میں گستاخیاں کرتے ہیں۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ احترام میں اپنے استاذ کا نام نہ لیتے تھے اور ہم اپنے اساتذہ کی ہجو میں قصیدے لکھتے ہیں اور ان کی توہین میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتے، اسطرح سرشار ہوجاتے ہیں کہ ہم کو اپنے خاتمہ کا بھی اندیشہ نہیں ہوتا۔

حضرت حمادؒ امام ابو حنیفہؒ کے استاذ ہیں۔ خود حضرت حمادؒ کی ہمشیرہ عاتکہ فرماتی ہیں کہ جسوقت امام ابو حنیفہؒ ہمارے

بھائی سے پڑھتے تھے اس زمانہ میں ہمارے گھر کا سب کام کرتے تھے حتیٰ کہ ہمارے گھر کی روئی تک دھنتے تھے۔ اس خدمت نے ان کو امامت کے منصب پر فائز کیا تھا۔ پہلے آدمی کسی کا غلام بنتا ہے، پھر دنیا کا امام ہوتا ہے۔

جو طلبہ اپنے اساتذہ کا ادب کرتے ہیں اس کی خدمت کو سعادت سمجھتے ہیں اللہ تعالیٰ انکو دینی اور دنیوی عزت سے سرفراز کرتا ہے۔ ایسے ہی طلباء فراغت کے بعد دین کی اشاعت کرتے ہیں جن سے ہزاروں بندگانِ خدا کو ہدایت نصیب ہوتی ہے وہ زمین پر مانند ستاروں کے ہوتے ہیں ان کی صحبت میں ایسی تاثیر ہوتی ہے کہ برس ہا برس کا پاپی گناہوں سے توبہ کرکے خداوند تعالیٰ کی معرفت کا نور قلب کے اندر پیدا کرتا ہے۔ وہ اساطینِ امت ہوتے ہیں جن پر آسمان و زمین فخر کرتے ہیں، وہ جس زمین پر قدم رکھتے ہیں گمراہی دور ہو جاتی ہے اور ہدایت کی راہیں کھل جاتی ہیں۔

آج بھی اللہ تعالیٰ جن حضرات سے دین کی خدمت لے رہا ہے ان کی طالب علمی کا زمانہ اگر دیکھا جائے تو یہ جوہر ان میں نمایاں نظر آئے گا کہ انہوں نے ہمیشہ اپنے اساتذہ کا ادب ملحوظِ خاطر رکھا۔

حضرت علامہ انور شاہ کاشمیریؒ کے ایک شاگرد بنگالی جو اسوقت اپنے علاقہ کے شیخ الاسلام ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں نہ تو ذہین تھا اور نہ پڑھنے ہی میں محنت زیادہ کی تھی، البتہ حضرت شاہ صاحب کی خدمت کرتا تھا۔ ان کی دعاؤں کا ثمرہ ہے کہ اللہ نے یہ منصب عطا فرمایا۔ آج اساتذہ کی خدمت تو درکنار خود اُن کو مدارس کی خدمت سے علیحدہ کرنے کی اسکیمیں طلبہ بناتے ہیں۔

میرے بھائیو! آپ کے والدین نے آپ کو دار العلوم اس لئے نہیں بھیجا کہ یہاں کے نظم و نسق میں آپ دخیل ہوں آپ یہاں علم دین حاصل کرنے کے لئے آئے ہیں۔ اس مقصد کو ہر وقت سامنے رکھئے ایسی کوئی حرکت نہ کیجئے کہ جس سے اس میں رخنہ پڑے۔ آپ کا وقت بڑا قیمتی ہے اگر اس قسم کے خرافات میں ضائع کیا تو پھر اس کی تلافی نہیں ہو سکتی۔

دار العلوم اللہ کا بہت بڑا انعام ہے جو مقبولین کی دعاؤں اور گریہ زاری کے نتیجہ میں امت کو عطا کیا گیا، جو بھی اسکو نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گا اسکو دونوں جہانوں کا خسارہ اٹھانا پڑے گا۔

آپ حضرات نے اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کے سامنے اپنے انجام کو نہ سوچا۔ موت، قبر، حشر سبھی کو بھلا دیا آپنے اپنے اساتذہ اور محسنوں کے ساتھ وہ رذیل حرکتیں کیں جو ایک عامی اور جاہل اپنے دشمنوں کیساتھ بھی نہیں کرتا۔ کیا دار العلوم کے احسانات اور اساتذہ کی خدمات کا یہی صلہ ہوتا ہے؟ آپ کی ان حرکات پر پوری ملت اضطراب میں ہے سب کی گردنیں غیروں کے سامنے نیچی ہو گئیں اور سب کو ذلت و رسوائی اٹھانی پڑی ہے۔ آپ حضرات سے تو یہ توقع تھی کہ آپ امت کے لئے نمونہ بنیں گے لیکن اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔

آپ کی ان حرکات پر
پوری ملت
اضطراب میں ہے۔

آپ دیانتداری سے خود فیصلہ کریں کہ ان حالات میں آپ کا دار العلوم کے مطبخ سے کھانا اور دار العلوم کے کمروں میں رہنا یہ دار العلوم اور پوری امت کیساتھ خیانت نہیں؟ قوم اپنی رقوم دار العلوم میں اس لئے دیتی ہے کہ ان طلبہ پر خرچ کی جائے جو علم دین حاصل کر رہے ہیں

اور خواہش مند ہوتے کی استطاعت نہیں رکھتے جو دارالعلوم سے نکل کر قوم کے لئے ہدایت کا ذریعہ ثابت ہوں۔ ان لوگوں کے لئے نہیں کہ بھی جو دارالعلوم میں رہ کر فساد برپا کریں جس سے پوری ملت رسوا اور ذلیل ہو۔ اگر آپ کے کچھ مطالبات ہیں تو کیا ان کے لئے یہی طریقہ کار ہے؟ اس سے پہلے طلبہ کیا اپنی اپنی درخواست نہیں پیش کیا کرتے تھے اور کیا طلباء کے جائز مطالبات کو پورا نہیں کیا گیا؟

آپ ادب و احترام کیساتھ اپنی ضرورتیں بڑوں کے سامنے رکھتے۔ اگر وہ وقتی طور پر نہ بھی پوری کی جاتیں تو سمجھتے کہ ہمارے مطالبات صحیح نہیں۔ ہماری مصلحت ہمارے بڑے خوب بہتر سمجھ سکتے ہیں۔ مجھ کو اطمینان کر رہتے تو کیا آپ کے بڑے آپ کی ضروریات کا لحاظ نہ کرتے؟

میرے بھائیو! ذرا ماضی پر نظر ڈالئے۔ کیا آپ کو ایسے طلبہ کا حال نہیں معلوم جنہوں نے مولی کے پتے کھا کر علم حاصل کیا رات بھر سڑکوں کی لالٹینوں کی روشنی میں کتابوں کا مطالعہ کیا اور سخت سردی میں سوکھی چٹائیوں میں لپٹ کر رات بسر کی۔ زمانہ نے دیکھا کہ ان حضرات نے ایک ایک علاقہ کو سیراب کیا۔ دنیا میں وہ آفتاب اور ماہتاب بن کر چمکے۔ آج وہ دروازہ بند نہیں ہو گیا لیکن اپنے اندر ایسے اوصاف تو پیدا کئے جائیں۔

آج مدارس میں جسقدر آسائش اور راحت کا انتظام کیا جاتا ہے اس پر بجائے شکر کرنے کے اسکی ناقدری کیجاتی ہے۔ اب اس میں غفلت نہ برتیے جو ہوا اس پر ندامت ہو، جسے بھی آپ سے تکلیف پہنچی ہو اس سے معافی مانگنے میں تاخیر نہ کیجئے جب تک اسکو راضی نہ کرلیں اسوقت تک کھانا پینا حرام سمجھئے۔

اس سے بڑھ کر اور دکھ کی بات کیا ہو سکتی ہے کہ آپ کی ناعاقبت اندیشی سے دارالعلوم کی عظمت میں بٹہ لگا اور وابستگان دارالعلوم کو انتہائی ذلت کا سامنا کرنا پڑا۔ آئندہ کے لئے خداوند کریم سے عہد کیجئے کہ تازندگی اس قسم کی کوئی حرکت نہ کریں گے۔ طالب علم اگر واقعی طالب علم بنکر رہے تو اس کی ضروریات غیب سے پوری ہوں، مدارس والے کیا پوری کر سکتے ہیں ان کے بس میں کیا ہے۔ آپ اپنے اندر اوصاف کیوں نہیں پیدا کرتے؟

مگر آپ کو تو دن رات اسکیمیں بنانے، بڑوں کو گالیاں دینے، نظام کو درہم برہم کرنے ہی سے فرصت نہیں! یاد رکھئے ادنیٰ ترین مخلوق کو ستانے والا انعام خداوندی کا مستحق نہیں ہو سکتا تو پھر اساتذہ اور اکابر کی بے عزتی کرنے والے کا کیا حشر ہوگا۔ اس کا جواب آپ کا ضمیر دے گا۔

ہو سکتا ہے آپ کو میری یہ باتیں ناگوار گذری ہوں۔

لیکن خدارا آپ اپنے اساتذہ اور اکابر سے معافی مانگ کر اور ہر ممکن تدبیر سے ان کو خوش کر کے اپنی زندگی بنائیے اور ساری امت کو ذلت کے گڑھے سے نکالئے۔

(ندائے سنت)

از افادات شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

فروعی اختلافات میں

ائمہ مسالکؒ کا لائحہ عمل

ترجمہ : مولانا عبد القیوم فاضل حقانی

کون ہے جو اس حقیقت سے بے خبر ہو، سب جانتے ہیں کہ آج امتِ مسلمہ کے صرف معتقد اور اہم شخصیات ہی نہیں بلکہ جماعتیں ادارے، تعلیم گاہیں اور مختلف مسالک سے تعلق رکھنے والے علماء و فضلاء بھی فروعی مسائل معمولی باتوں اور جزئیاتِ اعمال میں الجھ کر زندگی اسلام اور دین کے مقاصد سے بعید تر ہوتے جا رہے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ہر دور میں بالخصوص عہدِ حاضر میں ملت اسلامیہ ذہنی، عملی، اعتقادی اور نتیجۃً ایک خطرناک سیاسی بحران سے دوچار ہے حالانکہ اسلام وحدت و یگانگت اور اخوت و اتحاد کی تعلیم دیتا ہے۔ "وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا"

تعجب ہے ان لوگوں پر جو مذہب سے منسوب ہو کر بھی اور پھر مذہب و مسلک اور ائمہ مسالک ہی کے نام سے ملت اسلامیہ کی وحدت کو پارہ پارہ کر رہے ہیں جبکہ اس وقت ہر طرف کفر اور الحاد اور فرق باطلہ حق اور اہلِ حق کو مٹانے کی جن گھناؤنی اور خطرناک سازشوں میں مصروف ہیں ایسے نازک حالات میں تمام مسلمانوں بالخصوص علماء کرام کو خواہ وہ کسی بھی مکتبِ فکر سے تعلق رکھتے ہوں، آپس میں فروعی اختلافات میں اُلجھنے کے بجائے ایک اور متحد ہو کر ان فرق باطلہ اور طاغوتی طاقتوں کا مقابلہ کرنے کی اشد ضرورت ہے لیکن افسوس ہے کہ فروعی مسائل میں اختلاف کی وبا روز بروز پھیلتی جا رہی ہے اور پھر فروعات میں اس قدر تشدد کہ فریقِ مخالف کی ہر طرح توہین و تذلیل بلکہ تکفیر تک کی جاتی ہے۔

ذیل میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی عظیم المرتبت تصنیف "الانصاف فی بیان سبب الاختلاف" کے ایک اقتباس کا ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے جس میں انہوں نے سلف اور ائمہ مسالک کی حیرت انگیز رواداری، اعتدال، حق پرستی، تواضع اور خلوص و للّٰہیت کا ذکر کیا ہے جو مسلمانوں کے موجودہ دورِ انحطاط و انتشار (جو فروعات میں تشدد اور فرقہ بندی فتنہ پرستی کا دور ہے) میں علماء طلباء اور دین و مسلک کے نام سے کام کرنے والے کے لئے پختہ اصول، بہترین نشانِ راہ، مفید لائحہ عمل اور تمام مسلمانوں کو ایک مرکزِ خیال پر جمع کرنے اور نقطۂ وحدت پر لانے کا نسخۂ اکسیر ہے۔

بات یہ ہے کہ صحابہؓ، تابعینؒ اور ان کے بعد کے اصحابؒ ایسے بھی تھے جو نماز میں بسم اللہ پڑھتے تھے اور ان میں ایسے بھی تھے جو نہیں پڑھتے تھے کچھ بآوازِ بلند پڑھتے تھے اور کچھ نہیں پڑھتے تھے۔ بعض فجر کی نماز میں

دُعائے قنوت پڑھتے تھے اور بعض نہیں پڑھتے تھے۔ بعض پچھنے لگوانے نکسیر پھوٹنے اور قے کے بعد تجدیدِ وضو ضروری سمجھتے، اور بعض ضروری نہیں سمجھتے تھے۔ بعض اصحاب جنسی عضو کو ہاتھ لگانے اور خواہش نفسانی کے ساتھ عورت کو مس کرنے پر نیا وضو ضروری سمجھتے تھے جبکہ بعض اس کے قائل نہیں تھے؛ اس کے باوجود وہ ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھتے۔ مثال کے طور پر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ساتھیؒ اور امام شافعیؒ وغیرہ مدینہ کے اماموں کے پیچھے نماز پڑھتے تھے، حالانکہ اہل مدینہ نماز میں بسم اللہ پڑھتے ہی نہ تھے، نہ سراً نہ جہراً۔

ہارون الرشید نے پچھنے لگوانے کے بعد نماز کی امامت کی، امام ابویوسفؒ نے ان کے پیچھے نماز پڑھی، اور نماز کو بعد میں لوٹایا نہیں۔ امام مالکؒ نے یہ فتویٰ دیا تھا کہ پچھنے لگوانے کے بعد تجدیدِ وضو ضروری نہیں۔

امام احمد بن حنبل کی یہ رائے تھی کہ نکسیر پھوٹنے اور پچھنے لگوانے کے بعد نیا وضو کرنا چاہیئے۔ ان سے پوچھا گیا کہ اگر امام کے جسم سے خون نکلے اور وہ نیا وضو نہ کرے تو کیا آپ اس امام کے پیچھے نماز پڑھیں گے؟ انہوں نے جواب دیا "کیسے ممکن ہے کہ میں امام مالک اور سعید بن المسیب کے پیچھے نماز نہ پڑھوں!

بیان کیا جاتا ہے کہ امام یوسفؒ اور امام محمدؒ عیدین میں حضرت ابن عباسؓ کے مسلک کے مطابق تکبیر کہا کرتے تھے حالانکہ دونوں کا مسلک انکے برعکس تھا، وجہ یہ تھی کہ خلیفہ ہارون الرشید کو یہ بات پسند تھی کہ عیدین کی نماز میں ان کے دادا (عبداللہ بن عباسؓ) کی تکبیریں ہوا کرتی تھیں۔

امام شافعیؒ نے امام ابوحنیفہؒ کے مقبرہ کے قریب نماز فجر پڑھی تو دُعائے قنوت کو اَدَباً واحتراماً ترک کر دیا اور فرمایا کہ کبھی اہلِ عراق کے مسلک پر بھی عمل کر لیتے ہیں۔ جب خلیفہ منصور حج کے لئے گیا تو امام مالکؒ سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ نے جو یہ کتاب (مؤطا امام مالکؒ) تصنیف کی ہے اس کے بہت سے نسخے نقل کراؤں اور مسلمانوں کے ہر علاقہ میں ایک ایک نسخہ بھیجدوں اور حکم دوں کہ وہ اس کتاب پر عمل کریں، اور اسے چھوڑ کر کسی اور طرف نہ جائیں۔ امام مالکؒ نے جواب دیا "اے امیر المؤمنین ایسا نہ کیجئے کیونکہ لوگوں کے پاس اصحاب کے اقوال اس سے پہلے پہنچ چکے ہیں اور انہوں نے احادیث نبویؐ سُنی ہیں اور روایات بیان کی ہیں، اور ہر قوم نے وہ بات لے لی جو اس تک پہلے پہنچی اور لوگوں کے اختلاف کے باوجود انہوں نے اس پر عمل کیا اس لئے ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیجئے اور اس پر عمل کرنے دیجئے جو ہر علاقے والوں نے اپنے لئے اختیار کر لیا ہے۔

یہ قصہ ہارون کی طرف بھی منسوب ہے کہ ہارون الرشید نے امام مالک سے بطور مشورہ کہا کہ آپ کی تدوین کردہ "مؤطا" کو کعبہ میں لٹکا دیا جائے اور لوگوں سے کہدیا جائے کہ اسکے مطابق عمل کریں؟ تو انہوں نے اسکی اجازت نہ دی کیونکہ فروعی مسائل میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ خود مختلف الرائے تھے اور اسی حالت میں وہ مختلف علاقوں میں پھیلے، یہ انہی کے طریقے ہیں جو کہ مختلف علاقوں میں نافذ ہیں۔ ہارون الرشید نے کہا "اے ابوعبداللہ (کنیت امام مالکؒ) خدا تعالیٰ آپ کو عمل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے"

(الحق)

فرقہ بندی اور اس کا انجام

اعجاز احمد ساگر

فرقہ بندی کا فتنہ تاریخ عالم میں صدیوں سے چلا آرہا ہے اور موجودہ دور میں مزید بڑھتا جا رہا ہے جو ہمارے لئے بہر لحاظ سے خطرناک نتائج کا حامل ہے۔ فرقہ بندی کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ جب کوئی قوم تعلیم خداوندی سے روگردانی اور اپنی نفسانی خواہشات کی اندھا دُھند تقلید شروع کر دے تو اس میں افتراق و انتشار (فرقہ بندی) جنم لیتے ہیں اور یہ فرقہ بندی تنازعہ اور تنازعہ نزاع کو جنم دیتا ہے جو قوم اور ملک کی ہلاکت و بربادی کا باعث ہوتا ہے۔ اس سے اس بات کا واضح ثبوت فراہم ہوتا ہے کہ تعلیمات خداوندی جو فطری اور اجتماعی تقاضوں کے عین مطابق ہیں ان سے انحراف قوموں کی تباہی اور ہلاکت کا سبب بن جاتا ہے۔

قرآن مجید اور کتب تاریخ میں قوموں کی تباہی کی مندرجہ ذیل واقعات درج ہیں۔ مثلاً حضرت نوح علیہ السلام کی قوم جن کو انہوں نے آج سے کتنے سو سال پہلے تعلیماتِ الٰہیہ سے بیدار کرنے کی کوششیں کیں اور ان کی اصلاح کرنی چاہی مگر اس قوم نے تعلیمات الٰہی سے روگردانی کی اور بالآخر غرق کر دی گئی۔ حضرت ہودؑ اور حضرت صالحؑ کی قومیں عاد اور ثمود نے اللہ تعالیٰ کی تعلیم کو نہ مانا تو برباد کر دی گئیں؛ اسکے بعد حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو بھی غرق کر دیا گیا۔ انکے بعد شعیبؑ اور موسیٰؑ کے مخالفین وغیرہ کو بھی تباہ کر دیا گیا۔

الغرض قرآن مجید میں بنی اسرائیل کی تباہی کے کئی مراحل درجہ بدرجہ ذکر کئے گئے ہیں۔ اور تباہی و بربادی کے یہ سب واقعات اللہ تعالیٰ کی تعلیمات سے روگردانی کرنے کی وجہ سے عمل میں آئے۔ اس کے علاوہ عربوں کے باہمی اختلافات کے حالات قبل از ظہورِ اسلام بھی باعثِ عبرت ہیں۔ ظہورِ اسلام سے پہلے ہر قبیلہ دوسرے قبیلہ سے برسرپیکار تھا اور ان سب کی جدا جدا الگ الگ خداؤں کی پرستش تھی۔ قبائل کے درمیان بیسیوں برس لڑائیاں چلتی رہتی تھیں اور ایک جھگڑا کئی کئی پشتوں تک چلتا تھا قومی، نسلی و وطنی تعصب قوموں پر مسلط ہو چکا تھا اور وہ آپس کے جھگڑوں میں الجھ کر اپنی اجتماعی حیثیت اور طاقت کھو چکے تھے ظہورِ اسلام کے بعد ان لوگوں کی حالت سدھر گئی اور انہیں احساس ہونے لگا کہ ہم واقعی غلطی پر تھے۔

دورِ اُمیّہ کے زوال پذیر ہونے کے ساتھ ہی فرقہ بندی اور نسلی تعصب بیدار ہوا لیکن اسکے بعد دورِ عباسیہ سے اس بڑھتی ہوئی فرقہ بندی کو دبایا نہ جا سکا۔ آخر کار اسکا خاتمہ ہلاکو خان کے ہاتھوں ہوا اور کافی عرصہ تک ترکوں کی حکومت [illegible] کی جنگ میں ترکوں کی خلافت بھی پارہ پارہ ہو گئی۔ الغرض مسلمانوں کو انہی اسباب نے کمزور کر دیا۔

چنانچہ مسلمانوں کی یہ مشکلات اس وقت تک حل نہیں ہو سکتیں جب تک ہم قرآن پاک اور اسوۂ حسنہ کو اپنا رہنما نہیں بنا لیتے خواہ ہم زبردست ایٹمی قوت بھی بن جائیں کیونکہ ہمارے لئے باہمی اخوت اور بھائی چارے کی سخت ضرورت ہے اور [illegible]

سے لئے صرف دو ہی چیزیں ہیں۔ ایک قرآن پاک پر عمل اور دوسرے اسوۂ حسنہ کی پیروی۔ یہی وہ دو اہم چیزیں ہیں جن پر اگر مسلمان ثابت قدم ہو کر چل پڑیں تو دنیا کی کوئی طاقت انہیں نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

"تم میرے بعد گمراہ نہیں ہو سکتے جب تک۔ ان دو نسخوں پر عمل کرتے رہے، یعنی کتاب اللہ اور سُنّتِ رسول"۔

یہ تو تھے عالمِ اسلام اور عرب ممالک کے واقعات۔ اب ذرا سرزمینِ ہند کی تاریخ پر مختصر نظر ڈالتے ہیں۔ قاسم کی فتح یا غزنوی کا عروج قوتِ ایمانی کی ہم کی وجہ سے تھا ہندوؤں کا انتشار نہیں۔

مغلیہ دور کا بانی اوّل ظہیر الدین بابر تھا۔ یہ دور طویل مدت تک چلتا رہا لیکن مغلیہ دور کے متعدد حکمرانوں نے سوائے [illegible] کے مسلمانوں کے لئے کوئی بہتر کام نہ کیا بلکہ ان کے دور میں طرح طرح کے ہندوانہ اور مشرکانہ رسومات جاہل عوام میں مقبول ہو گئیں اور رفتہ رفتہ انہیں مذہب کا درجہ حاصل ہو گیا۔

فیضی نے اکبر کو دینِ الٰہی کے ذریعے ایک۔ نئے اور ملحدانہ راستہ پر لگا دیا۔ اور اس طرح کی نہ جانے کتنی خرافات کا ظہور ہوا ان کی نااہلی اور خانہ جنگی کی وجہ سے آخر کار ان کا خاتمہ ہو گیا۔

لیکن شاہ ولی اللہؒ اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کے چند جانثار ساتھیوں نے فرقہ بندی کو روکنے کے لئے اور مسلمانوں کی اصلاح کے لئے اپنا تن من قربان کر دیا۔ لیکن ان کی قربانیوں کی یہ کوششیں بھی فرقہ بندی کی نذر ہو گئیں۔

اور پھر مسلمانانِ ہند نے آخر کار ہندوؤں کی ریشہ دوانیوں سے تنگ آکر اپنی اجتماعیت کو بروئے کار لاتے ہوئے اپنی اصلاح کی ٹھانی اور ایک آزاد و خود مختار مملکت کا مطالبہ کر دیا۔ اور خدائے بزرگ و برتر نے اپنی امت کے پرستاروں کی غلطیوں کو نظر انداز کرتے ہوئے ان کی یہ دُعا بھی قبول و منظور فرمائی اور مسلمانانِ ہند کو ایک علیحدہ خطۂ زمین پاکستان کے روپ میں عطا کر دیا تا کہ وہ آزاد رہ کر اپنے خدا اور رسول کی بندگی و ارشادات پر عمل پیرا ہو سکیں۔

لیکن آج تیس پینتیس سال بعد نہ تو ہم نے خُدا سے کئے ہوئے وعدے کا صحیح طور پر ایفا کیا ہے اور نہ ہی ہم اپنی الگ روایات قائم کر سکے ہیں بلکہ مزید انتشار میں چلے گئے ہیں۔

آج ایک حصہ سے محرومی بھی ہمارے اس قومی انتشار کی ایک کڑی ہے لیکن اس کے باوجود ہم نے اپنے ماضی کی غلطیوں کا ازالہ نہیں کیا اور نہ ہی ہم اپنے کئے پر پشیمان ہوئے۔

ہمیں خدائے ذوالجلال سے دُعا کرنی چاہیئے کہ وہ ہمیں ہماری فرقہ وارانہ تباہی سے بچائے اور اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کی توفیق و ہمت عطا فرمائے۔ آمین۔

ہمیں خود بھی چاہیئے کہ ہم عمل پیرا ہو کر فرقہ بندی کو روکنے کے لئے کوشش کریں۔

اور اس اصول کو اپنا لیں کہ ہم صرف اور صرف مسلمان ہیں۔

ہمارا خدا ایک، رسولؐ ایک، کتاب ایک اور کلمہ بھی ایک ہے۔

رفیق الاسلام

وفاق المدارس العربیہ نے ڈاکٹر عبداللہ الزاید کی تجاویز پر عملدرآمد شروع کردیا

دوسرے مسالک فکر کے مدارس کی تنظیم سے رابطہ قائم کرنے کا فیصلہ، وفاق کے وفود ملک کا دورہ کریں گے۔

کراچی، ۱۰ دسمبر (روزنامہ جنگ) پاکستان کے دینی مدارس عربیہ پر مشتمل وفاق المدارس العربیہ نے مدینہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر شیخ عبداللہ الزاید کی اس تجویز کو عملی شکل دینے کے سلسلہ میں باقاعدہ اقدامات شروع کردیئے ہیں جس میں انہوں نے پاکستان میں دینی تعلیم دینے والے تمام مسالک فکر کے مدارس عربیہ اسلامیہ کو ایک پلیٹ فارم پر جمع ہونے کے لئے کہا تھا۔ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی مجلس عاملہ کا اجلاس گذشتہ شب مولانا محمد ادریس میرٹھی کی صدارت میں جامعہ علوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی میں منعقد ہوا۔ وفاق المدارس نے اس تجویز کے سلسلے میں دیگر مکاتب فکر کے مدارس کی تنظیموں سے رابطہ قائم کرنے کا فیصلہ کیا۔ اجلاس نے شیخ عبداللہ بن الزاید کی اس تجویز کو بے حد سراہا اور اس کی بھرپور تائید کی۔ اور کہا کہ دینی مدارس کے اس مجوزہ اتحاد سے ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ کی راہ ہموار ہوگی اور مدارس کے اتحاد سے علماء کا اتحاد اور علماء کے اتحاد سے عوام کے اتحاد کی بنیاد فراہم ہوگی۔ اجلاس میں مزید طے کیا گیا کہ ملحقہ مدارس کے معائنہ اور رابطہ کے استحکام کے لئے صوبہ سرحد اور پنجاب کا دورہ ربیع الاول کے پہلے ہفتے میں کیا جائے صوبہ سرحد کا دورہ کرنے کے لئے مفتی احمد الرحمن (کراچی) مولانا محمد اسعد تھانوی، ملتان سے مفتی انور شاہ اور مولانا عبدالواحد (کوئٹہ) پر مشتمل وفد تشکیل کیا گیا۔ صوبہ پنجاب کے لئے مولانا سلیم اللہ، مولانا محمد حنیف (ملتان) مولانا فاضل حبیب اللہ رشیدی (ساہیوال) اور مولانا عبدالمجید پر مشتمل وفد تشکیل دیا گیا۔ گذشتہ سال وفاق کے وفد نے سندھ، بلوچستان کا جو دورہ مکمل کیا تھا اس پر اطمینان کا اظہار کیا گیا۔ اجلاس میں مولانا محمد شریف جالندھری مرحوم رکن عاملہ کی وفات پر اظہار تعزیت کیا گیا جن کا انتقال اس سال حج کے موقع پر مکہ مکرمہ میں ہوگیا تھا۔ مولانا محمد حنیف جالندھری مہتمم مدرسہ خیر المدارس ملتان کو ان کی جگہ رکن مجلس عاملہ مقرر کیا گیا۔

خیر السوانح

جامع الخیرات والحسنات، حضرت مولانا الحاج خیر محمد صاحبؒ بانی مدرسہ خیر المدارس جالندھر / ملتان کی سوانح خیر الحیات تشنۂ تکمیل ہے۔ مقام مسرت ہے کہ حضرت الخیر قدس اللہ سرہم کے نبیرہ فاضل شریف مولانا حافظ محمد حنیف صاحب زید مجدہ مہتمم خیر المدارس ملتان بطور اتمہ پدرانہ کہ پسر تمام کند حیات خیر کی تکمیل فرما رہے ہیں۔ حضرت المعظم کے تلامذہ، مسترشدین، اہل علم و قلم حضرات مہتمم خیر المدارس سے رابطہ

وفاق المدارس العربیہ پاکستان ملتان

۱۷ صفر المظفر ۱۴۰۲ھ

محترم المقام حضرۃ مہتمم صاحب دام مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ معلوم رہے کہ سماحۃ الشیخ عبد اللہ بن عبد اللہ الزاید نائب رئیس جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ نے ۱۱ نومبر سے ۱۰ دسمبر ۱۹۸۱ء تک وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی دعوت پر وفاق کے اکثر فوقانی مدارس کا دورہ اور معائنہ کیا، اور جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے ساتھ وفاق کے نصاب تعلیم کا معادلہ منظوری اور بعض دیگر اہم امور کا وعدہ کیا۔ وفاق کے نمائندہ کی حیثیت سے مولانا ڈاکٹر عبد الرزاق صاحب سکندر استاذ جامعۃ العلوم الاسلامیہ کراچی نے نائب رئیس کے ساتھ دیوبندی، بریلوی اور اہلحدیث تینوں مکتب فکر کے مدارس کا دورہ کیا اور ترجمانی کی۔ ان امور پر غور کرنے کے لئے ۱۲ صفر المظفر ۱۴۰۲ھ مطابق ۱۰ دسمبر ۱۹۸۱ء کو جامعہ علوم اسلامیہ کراچی میں وفاق کی مجلس عاملہ کا اجلاس منعقد ہوا۔ جس میں وفاق کو مؤثر بنانے کے لئے چند تجاویز مرتب کی گئیں۔ اور طے پایا کہ وفاق کے فوقانی مدارس کا ایک اہم اجلاس بلایا جائے۔

چنانچہ صدر الوفاق حضرت مولانا محمد ادریس صاحب مدظلہ کے حکم سے آپ کو اطلاع دی جاتی ہے کہ مورخہ ۲۹ ربیع الاول ۱۴۰۲ھ مطابق ۲۵ جنوری ۱۹۸۲ بروز سوموار صبح آٹھ بجے مدرسہ خیر المدارس ملتان میں وفاق سے ملحق فوقانی مدارس کا اہم اجلاس ہوگا جس میں آپ کی شرکت لازمی ہے لہٰذا آپ ضرور تشریف لاویں طعام وقیام وفاق کی جانب سے ہوگا۔ بستر موسم کے مطابق ہمراہ لائیں۔ اپنے مدرسہ کا سالانہ چندہ اور فہرست طلبہ دورۃ حدیث ضرور ساتھ لائیں۔ آمد اور گاڑی سے مطلع فرمائیں۔ شکریہ:

ایجنڈا

○ فضیلۃ الشیخ عبد اللہ بن عبد اللہ الزاید کی تجاویز اور جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے ساتھ وفاق کے معادلہ وغیرہ امور پر غور۔ ○ ڈاکٹر مولانا عبد الرزاق صاحب کی رپورٹ پر غور۔ ○ سالانہ امتحان میں تمام فوقانی مدارس کی شرکیت کا فیصلہ۔ ○ وفاق کے تحت وسطانی درجات کے امتحانات پر غور کرنا۔ ○ سالانہ چندہ کی وصولی۔ ○ وفاق کو مؤثر بنانے کے لئے مفید تجاویز اور عملی اقدامات پر غور کرنا۔

محمد ادریس ہوشیارپوری

ناظم وفاق المدارس العربیہ پاکستان
جامعہ قاسم العلوم ملتان

اجلاس: ۲۵ جنوری ۱۹۸۲ء صبح آٹھ بجے
مقام: خیر المدارس بیرون دہلی گیٹ ملتان شہر

فتوحات فاروقیہؓ

مولانا عبدالشکور دین پوری ـــــ صدر مجلس تحفظ اہل سنت ـــــ پاکستان

گذشتہ شمارہ میں کرامات فاروقیہؓ کے عنوان سے مختصر خاکہ پیش خدمت کیا گیا تھا، وہ ایک جھلک تھی ورنہ کرامات فاروق اعظمؓ بھی لاتعداد ہیں لیظھرہ علی الدین کلہ کا حقیقی مصداق دعائے پیغمبر فاروق اعظمؓ ہے۔ رب العزت نے ان گنت صلاحیتوں سے نوازا تھا، بیک وقت جرنیل بھی تھے صدر بھی تھے، امام بھی تھے خطیب بھی، قاضی بھی تھے حاجی بھی، بادشاہ بھی تھے رہنما بھی، پہریدار بھی تھے سپہ سالار بھی، مبلغ بھی تھے معلم بھی۔

تمام سلطنت کے اصول فاروق اعظمؓ کا کارنامہ ہیں۔ اذان کا تقرر ہجری سن کا آغاز، مردم شماری، رابطہ کے لئے سڑکوں کا جال اور ڈاک کا نظام رائج کیا۔ مساجد تعمیر کرائیں، محکمہ قضاۃ قائم کیا، امام و خطباء کی تنخواہ مقرر کی، اہل بیت کا وظیفہ جاری کیا، ہر نوزائیدہ بچہ کا وظیفہ مقرر کیا، بیت المال قائم کیا، فوج کا محکمہ، پولیس کا محکمہ، سی آئی ڈی کا محکمہ قائم کیا۔ فوجی چھاؤنیاں تعمیر کرائیں، قرآن مجید کو یکجا جمع کرایا، تراویح باجماعت مقرر کیں، مؤذن و خادم مسجد کی تنخواہ مقرر کی اہل اللہ کرام کو اعزاز بخشا، مدارس قائم کئے، درس قرآن و حدیث کو ہر مسجد و مکتب میں جاری کیا۔ گورنروں سے محاسبہ کیا، فوج میں تعلیم کا سلسلہ جاری کیا۔ تین سو فوجی حافظ قرآن موجود تھے۔

تمام حکمران اور سلطنتیں فاروق اعظمؓ کی ممنون ہیں، محسن اعظم خلیفہ ثانی ہیں کہ جنہوں نے یہ راستہ وضع کیا۔ ساڑھے دس سالہ دور حکومت میں دور خلافت میں ایک ہزار چھتیس ۱۰۳۶ شہر فتح کئے۔ پانچسو شاندار اور مضبوط قلعے فتح کر کے اسلامی جھنڈا لہرایا۔ چار ہزار مساجد قصبات میں تعمیر کرائیں، ۹۰۰ سو جامع مساجد مفتوحہ علاقہ میں تعمیر کرائیں۔ تقریباً ستر ہزار صحابہ کرام اہل بیت عظام کے بچے مدارس سے حفاظ و قاری تیار ہوئے۔

صرف دمشق کی جامع مسجد میں حضرت ابوالدرداءؓ کا درس سننے کے لئے اٹھارہ ہزار افراد روزانہ شامل درس ہوتے تھے حالانکہ جب پیغمبر اسلام تشریف لائے تو یہ آدمی خواندہ تھے۔

سبحان اللہ تحصیل علم کا ذوق و شوق عام کر دیا۔

۲۲۰۰۰۰ لاکھ مربع میل تک اسلام کا پرچم لہرایا۔

ذمیوں کا خاص خیال فرمایا، اہل کتاب سے حسن سلوک کیا۔ عبداللہ بن مسعودؓ نے سچ فرمایا کہ:

کان اسلام عمر فتحاً و کان ھجرتہ نصراً و کان خلافتہ رحمۃً رضی اللہ عنہ

(از حضرت شاکر سیالکوٹی)

انتخابؐ لاجوابؐ

ہمارے کرم فرما، ملت کے شاعر، الحاج چوہدری احمد الدین صاحب شاکر سیالکوٹی کا منظوم کلام ملک کے جرائد میں مختلف ناموں سے شائع ہوتا رہا۔ نظم ذیل حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی خاص پسندیدہ ہے، چنیوٹ کی ایک مجلس میں حضرت شاہ صاحب کو دوسرے شعر پر وجد طاری ہو گیا۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ان شاء اللہ شاکر کی نجات کے لیے یہی کافی ہے کہ اس میں شان رسالت، ختم نبوت کے عقیدے کا اظہار ہے۔

اے کہ تیرا وجود ہے بزم جہاں میں انقلاب
کفر کی ظلمتوں کو ہے، تیرا ظہور آفتاب

خاتم انبیاؑ کی شان، ہے وہم وگماں سے بھی بلند
یعنی خدا کا انتخاب، انتخاب لاجواب

عشق سے دل کو بھر دیا، تیری نظر نے کر دیا
راز حیات بے حجاب، لطف حیات بے نقاب

موج کرم کے لطف سے حسن ازل نکھر گیا
اب زوال کے جوش سے باقی نہ رہ سکے حباب

تیری شفاعتیں شہا! عام بھی ہیں، مدام بھی
میرے گناہ بے شمار، میرے قصور بے حساب

سجدہ ہو یا نیاز ہو، سوز ہو یا گداز ہو
شاکر بے نوا ہو گر تیرے حضور باریاب

بقیہ: خلق حسن

بے تکلفی کے ساتھ آپ سے گفتگو کر سکے اور کسی روک ٹوک کے بغیر جس معاملے کے متعلق چاہے سوال کرے۔ آپؐ چونکہ مکمل شریعت لیکر آئے تھے اس لئے ضروری تھا کہ ہر شخص کو اس بات کا موقع دیں کہ وہ جو چاہے دریافت کرے جو شک اور شبہ اس کے دل میں پیدا ہو، اُسے دور کرے مگر اس کیساتھ ساتھ آپ کا ایک بے تکلف دوست کی حیثیت سے ملنا ہم کو اس حقیقت کا بھی درس دیتا ہے کہ انسان خواہ کتنے ہی بلند مرتبے پر پہنچ جائے اُسے کبھی متکبر نہیں ہونا چاہئیے۔ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم دین و دنیا کے شہنشاہ ہیں اور آپؐ کی حکومت کا سکہ نہ صرف اجسام پر بلکہ انسانوں کے قلوب پر اور اذہان پر اور اُن کی ارواح نفوس پر ثبت ہے۔ مگر آپؐ کی عجز و انکساری کا یہ عالم تھا کہ جب آپ اپنے کفش برداروں میں تشریف فرما ہوتے تو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ کا کہنا ہے کہ حاکم و محکوم کا حجاب بالکل اُٹھ جاتا اور دیکھنے والا یہ اندازہ ہی نہ کر سکتا کہ آقا کون ہے اور غلام کون! خادم کون اور مخدوم کون اور تابع کون اور متبوع کون؟"

الرشید

کے

نقشِ اول

دار العلوم دیوبند نمبر ۱۳۹۶ھ

مطلوبہ از:
مکتبہ رشیدیہ لاہور ساہیوال

نقشِ ثانی

مسئلہ قومیت

مدنی و اقبال نمبر ۱۳۹۸ھ

ہدیہ لاگت صرف: -/۲۵ روپے

نقشِ ثالث

تاریخ دار العلوم دیوبند

"دار العلوم دیوبند صد سالہ تاریخ کے آئینہ میں"

ہدیہ لاگت صرف: -/۲۵ روپے

کے بعد

فیضان دار العلوم دیوبند نمبر ۱۴۰۱ھ

منصۂ شہود پر آکر ارباب علم و بصیرت، علمی و ملی حلقہ، عوام و خواص سے خراج تحسین حاصل کر رہا ہے ——— داعی اتحاد الرشید کا مقصد تبلیغ دین، اشاعت اسلام اور مسلک دار العلوم دیوبند کا تحفظ۔

ہدیہ لاگت: -/۵ روپے صرف، محدود نسخے بچا پائیں۔ رشیدی، قاسمی، حسینی اور دیوبندی برادری سے امید واثق ہے کہ فیضان نمبر کی نشر و اشاعت میں ممد و معاون بن کر ادارہ الرشید کی سرپرستی فرمائیں گے۔

* طاہر رشیدی مدیر معاون الرشید

Phone
NO. 2356

جریدہ اسلامیہ شہریۃ تصدر عن الجامعۃ الرشیدیۃ

REGD. L
NO. 8054

MONTHLY. ALRASHID. LAHORE PAKISTAN

فاضل حبیب اللہ رشیدی
جامعہ رشیدیہ ساہیوال

ھوالرشید
أنا خاتم النبيين لا نبي بعد
أنا آخر الأنبياء وأنتم آخر الا
دینی وتبلیغی مجلہ
جامعہ رشیدیہ ساہیوال
ماہنامہ
الرشید
فاضل حبیب اللہ

راشدات ○ عبدالرشید ارشد

سُنّتُ اللّٰہ

اس کائنات ارضی میں حضرت آدم علیہ السلام سے نبی خاتم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک ہزاروں برس کا عرصہ ہے اس عرصہ میں دنیا میں کتنی ہی قومیں اُبھریں اور کتنی ہی فنا ہوئیں۔ بہت سی اقوام کا قرآن پاک میں ذکر ہے۔ اور یہ ایک ایسی تاریخ ہے کہ جس کی صداقت شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان اقوام کا ذکر سبق و نصیحت کے لئے کیا ہے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ جھوٹ اور سچ یا اطاعت و نافرمانی کا کیا انجام ہے۔ حق و صداقت کا علم انبیاء و مرسلین لیکر آتے رہے اور پھر جن افراد یا اقوام نے ان کی دعوت پر لبیک کہا ان کے حصے میں ہمیشہ کی عزت رہی اور جنہوں نے تکذیب کی ان کی بھی تاریخ بنی۔ لیکن ان کی تاریخ ذلت و نامرادی کی ہے۔

حضور علیہ السلام سے لیکر آج تک اُمتِ مسلمہ کی تاریخ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے طفیل زندہ ہے اور ایسی اسناد اور دلائل سے ثابت ہے کہ کسی دوسری قوم کو یہ چیز میسر نہیں اور یہ اعجاز اللہ کے آخری کلام کا ہے کہ اس کے لانے والے نبی اور اسکو ماننے والی اُمت اپنی تاریخ میں ایک تسلسل اور ربط کیساتھ تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہے اور بلا مبالغہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس اُمت کے مشاہیر اور طبقات کے متعلق اتنی کتب لکھی جا چکی ہیں کہ جن کی فہرست کے لئے ہزاروں ہزار صفحات درکار ہیں۔ صرف برصغیر کی کتب اور افراد ہی کا تذکرہ اگر کیا جائے تو وہ کئی مجلدات پر مشتمل ہو سکتا ہے جبکہ سینکڑوں کتب اسوقت صرف اسی عنوان پر موجود ہیں۔ غرض اس تمہید سے یہ ہے کہ جو لوگ تاریخ میں کام کرتے ہیں ان کا نام اور کام تاریخ زندہ رکھتی ہے۔

برصغیر کی تاریخ میں سنہ ۱۹۲۰ء سے لیکر سنہ ۱۹۴۷ء قیام پاکستان تک ایک جماعت جمعیۃ علمائے ہند تھی جو آج بھی ہندوستان میں موجود ہے۔ اس نے ملتِ اسلامیہ کے لئے تاریخ ساز کردار ادا کیا اور نہ صرف برصغیر کے لئے بلکہ پورے عالم اسلام کے لئے ہر وقت مستعد و فعال رہی بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ جس طرح اسلام پوری انسانیت کیلئے فوز و فلاح کا پیغام ہے اور وہ بہت سی اقدار میں غیر مسلموں تک کے لئے ہمدردی اور خیر سگالی کے جذبات رکھتا ہے اسی طرح جمعیۃ علماء ہند بھی پوری دنیا کو دکھی انسانیت کے لئے غور و فکر اور کام کرتی رہتی تھی۔ ہندوستان میں اور بھی بہت سی سیاسی جماعتیں تھیں لیکن تقویٰ و طہارت اور پاکیزگیٔ افکار و اعمال کی بنا پر یہ جماعت ممتاز ترین تھی اور اس کی

تاسیس کے وقت اہلِ سُنّت کے تمام اکابر علماء موجود تھے (اصولی طور پر اہلسنت کا لفظ جب بولا جائے تو اس میں صحابہؓ کو ماننے والے تمام لوگ شریک ہوسکتے ہیں اور اصل فرقے دو ہی ہیں شیعہ اور سُنّی) ہندوستان کے کسی بھی مسئلہ کو اُٹھا کر دیکھئے جمعیۃ علماء ہند نے بہت ٹھوس اور مضبوط موقف اختیار کیا۔

۱۹۴۰ء سے پہلے ہندوستان کی سیاست میں زیادہ عمل دخل جمعیۃ علماء ہند اور ان کے ساتھیوں کا تھا اور اسکی آواز کو تقریباً تمام مسلمانانِ ہند کی آواز سمجھا جاتا تھا یہاں تک کہ ۱۹۳۶ء کے الیکشن میں مسلم لیگ اور جمعیۃ علماء ہند ایک ہی پلیٹ فارم پر تھیں لیکن ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء قرار دادِ پاکستان پاس ہونے پر ایک نئی پالیسی سامنے آئی اور ہندوستان متحد رہے تو اس میں مسلمانوں کا زیادہ مفاد ہے اور قیامِ پاکستان سے قبل یہ اختلاف کفر تھا نہ جرم۔ اُمتِ مسلمہ کی تاریخ مسائلِ احکامِ مذہبی کے اختلافات کی خبر دیتی ہے اور یہ تو ایک خالص سیاسی نظریہ تھا۔

بہرحال مسلم اکثریت نے قرار دادِ پاکستان کے حق میں ووٹ دیئے اور برصغیر جب آزاد ہوا تو مسلم اکثریت کی رائے کا احترام کرتے ہوئے پاکستان کا قیام معرضِ وجود میں آیا۔ جب تک کسی کام کے کرنے کا فیصلہ نہیں ہوجاتا اسوقت تک اختلاف ٹھیک ہے لیکن جب فیصلہ ہوجائے تو پھر اس فیصلہ کو ماننا شریعت کا حکم ہے بشرطیکہ وہ فیصلہ قرآن وسُنّت کے احکام کی خلاف ورزی پر منتج نہ ہوتا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ قیامِ پاکستان کے بعد صدر جمعیۃ علماء ہند حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے اپنے ان تمام متوسلین کو جو پاکستان میں رہتے تھے پاکستان میں رہ کر پاکستان کے استحکام کے متعلق ہدایات دیتے رہے اور یہ بات ریکارڈ پر موجود ہے کہ آپ نے حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کو لکھا کہ اب آپ سیاسی رہنمائی کے لئے حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی طرف رجوع فرمائیں۔ اسی طرح مولانا ابوالکلام آزادؒ بھی اپنے تمام عقیدتمندوں کو اور ملنے والوں کو یہی فرمایا کرتے۔ اور اسیطرح کا ایک فقرہ ان کا بہت مشہور ہے جو انہوں نے کئی ایک احباب کو کہا کہ میرے بھائی! پاکستان نہ بنتا تو اور بات تھی لیکن اب اس کا بن کر بگڑنا تو پورے عالمِ اسلام کی بدنامی ہے۔

الحمدللہ جمعیۃ علماء ہند نے مسلم لیگ یا پاکستان کی تحریک کے لئے کام کرنیوالوں کی شدت سے مخالفت تو کی لیکن کسی کی تکفیر نہیں کی۔ لیکن ایک گروہ ۱۹۴۷ء کے قبل تک اکابر مسلم لیگ بشمول دوسرے زعماءِ ملت کی تکفیر میں مشغول رہا لیکن ۱۹۴۶ء میں ہوا کا رُخ دیکھ کر کہ مسلم لیگ نے یہ جنگ جیت لی ہے ایک کانفرنس کر کے ہاں میں ہاں ملادی اور یہاں تک کہا کہ اب اگر مسلم لیگ بھی اس موقف سے ہٹے گی تو ہم اس پرچم کو لیکر آگے بڑھیں گے۔ اور ایک جماعت نے تحریکِ پاکستان کی نہ مخالفت کی نہ موافقت، خاموش رہی۔ لیکن اب یہ دونوں جماعتیں مسلم لیگ سے بھی زیادہ اپنا حق جتاتی ہیں جو حقائق کے خلاف ہے۔

قیامِ پاکستان کے بعد جمعیۃ علماء ہند کے اکثر وبیشتر اکابر انڈیا ہی میں رہ گئے لیکن پاکستان میں ان کے معتقدین کی تعداد کم از کم ایک کروڑ تو ضرور تھی کیونکہ ۱۹۴۵-۴۶ء کے انتخابات میں تقریباً ۲۵ فیصد ووٹ مسلم لیگ کو نہیں ملے تھے

... قیام منتقل کر کے مجلس کی تاریخ لکھ رہے ہیں جس کی پانچ جلدیں بازار میں آچکی ہیں۔ اور شاید تین جلدیں اور مکمل اور جس جماعت نے پاکستان بنایا اس جماعت کی تاریخ ابھی تک پوری مرتب نہیں ہے بلکہ مسلم لیگ کا ہر لیڈر جو اپنی سرگزشت لکھتا ہے تو وہ اس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش زیادہ کرتا ہے کہ قیام پاکستان میں اس کا سب سے زیادہ حصہ ہے۔ تقریباً ہر سیاسی لیڈر نے اپنی سیاسی سرگزشت لکھی لیکن اپنی محسن جماعت مسلم لیگ کی تاریخ پر کسی نے توجہ نہ دی۔

بہرحال یہاں ان سطور سے مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ سب پر غالب رہتا ہے اور یہی اس کی ایک علامت ہے تحریک پاکستان کے دوران وہ جماعت کامیاب ہوئی جو ۱۹۴۶ء سے پہلے کاغذی زیادہ تھی اور عملی و فعال کم تھی اور دوسری جماعتیں جو فعال و سرگرم اور مستعد تھیں وہ شکست کھا گئیں لیکن پاکستان بننے کے بعد پاکستان کو بنانے والی جماعت جوڑ توڑ سے بڑی مشکل سے چند سال کام کر سکی اس کے بعد اس کا جو حشر ہوا وہ ہمارے سامنے ہے۔ اصل میں افراد اور جماعتیں کسی خاص کام کے لئے کسی خاص وقت کے لئے ہوتی ہیں ان کا اپنا مشن یا کام جب پورا ہو جاتا ہے تو پھر ان پر طبعی موت طاری ہو جاتی ہے اور یہی اللہ کا قانون ہے اس کے بعد جس کی تاریخ کو زندہ رکھنے کا حق ہے وہ زندہ رہتی ہے اب مسلم لیگ کے اہل قلم کو چاہئے کہ وہ مسلم لیگ کی صحیح تاریخ لکھیں کہ یہ وقت کی اہم ضرورت ہے اور اس کے لئے ایک بورڈ بنایا جائے جو مسلم لیگ کی ابتداء سے لیکر اب تک یا قیام پاکستان تک تمام ریکارڈ کو حاصل کرے اور پھر اسکو ترتیب وار جمع کر کے شائع کرے جس طرح کہ "جمعیۃ علماءِ ہند" کتاب میں کیا گیا ہے، اس کے سالانہ اجلاسوں کے جو خطبات صدارت اور قراردادیں موصوف کو میسر آئیں وہ انہوں نے من و عن شائع کر دی ہیں۔

فجزاہما اللہ احسن الجزاء .....

ارشد

فاضل رشیدی

مقالہ سیرۃ النبی

مصیبت میں غیروں کے کام آنیوالا
مرادیں غریبوں کی بر لانے والا

صوبائی سیرت کانفرنس لاہور منعقدہ ۱۹ ، ۲۰ جنوری ۱۹۸۳ء میں پڑھی جانیوالی فاضل رشیدی کی تقریر، جو ایک حادثہ میں زخمی ہوجانے کے سبب نہ ہو سکی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم۔

برادران اسلام!

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا — مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا — وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
فقیروں کا ملجا، ضعیفوں کا ماویٰ — یتیموں کا والی، غلاموں کا مولیٰ
خطا کار سے درگزر کرنے والا — بد اندیش کے دل میں گھر کرنے والا
مفاسد کو زیر و زبر کرنے والا — قبائل کو شیر و شکر کرنے والا
اُتر کر حرا سے سوئے قوم آیا — اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا
وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوتِ ہادی — عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی
اک آواز میں سوتی بستی جگا دی — نئی اک لگن سب کے دل میں لگا دی

آج کل کی دنیا میں غریب و امیر آجر و اجیر کا مسئلہ بین الاقوامی صورتِ حال اختیار کر گیا ہے۔ آئیے آج کی صحبت و مجلس میں "امام الانبیاء خاتم النبیین والمرسلین حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کی روشنی میں غریبوں، مزدوروں کی دنیا کے مسائل کا حل تلاش کریں۔

سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکۃ المکرمہ غارِ حرا کی روشنی سے بیتِ خدیجہ رضی اللہ عنہا تشریف لائے

تو جناب خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ کی سیرت و صورت، اسوۂ حسنہ کا نقشہ بخاری شریف باب بدء الوحی میں یوں پیش کیا
"آپ صلی اللہ علیہ وسلم جوڑنے والے، صلہ رحمی کرنیوالے، غریبوں، مزدوروں کی دنیا کا بوجھ اٹھانے والے ہیں۔
بیواؤں کی خبر گیری کرنیوالے، یتیموں کے وارث اور مسکینوں کے لئے سہارا ہیں"
اور صفا کی چوٹی پر تبلیغ کے لئے کھڑے ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کردار و اخلاق اور سیرت کے متعلق سوالات کئے تو پوری قوم نے آپ کی صداقت، امانت اور شرافت کا متفقہ نعرہ بلند کیا۔
اس نبی اُمّی نے اپنا بچپن مزدوروں کی قیادت کرتے ہوئے، بکریوں کو چرانے کی گلہ بانی سے شروع کیا۔ جوان ہوئے تو تجارت و مزدوری کرکے تاجروں کو مع النبیین والصدیقین والشہداء والصالحین کے مقام پر فائز المرام فرمایا۔

صادق القول صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث حجیت ہے:
"اعطوا الاجیر اجرہٗ قبل ان یجف عرقہٗ یعنی مزدور کو مزدوری اسکے پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرو"
اور صاحب علم و عمل صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدوروں کی دنیا کو ایسا معاش دیا کہ خود اپنے ہاتھ سے دودھ دوہتے، کپڑا اصلاح کرتے، اپنا جوتا خود گانٹھ لیتے اور گھر کا کام کاج حتیٰ کہ صفائی خود فرماتے۔
اور فرمایا: الطہور شطر الایمان تاکہ دنیا میں کسی مزدور کو اس کے پیشے کی بناء پر ذلیل نہ سمجھا جائے۔

وقت کی قلت کی بناء پر صرف اشارات کرتا ہوں کہ آپؐ نے بیت اللہ کی عمارت، مسجد نبوی کی تعمیر اور ازواجِ مطہرات کے حجرات کی تعمیرات اور غزوۂ خندق میں خندق کی کھدائی اور پتھروں کو توڑنا، نیز جہاد کے اسفار میں صحابہؓ کے ساتھ کام میں ہاتھ بٹاتے ہوئے جنگل سے لکڑیاں چن کر لانا وغیرہ امور سر انجام دیئے۔ اس لئے مزدوروں کی دنیا کے مسائل کا حل محض اسلام اور صرف اسوۂ حسنہ میں مضمر و منطبق ہے۔
لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ۔

آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری وصایا میں ردِّ شرک کرتے ہوئے،
"الصلوٰۃ وما ملکت ایمانکم" پر زور دیا کہ نماز کی پابندی کرو اور اپنے ماتحت مزدور اور چھوٹے طبقہ سے مساویانہ سلوک کرو بلکہ یہاں تک فرمایا کہ جو خود پہنو وہی ان کو پہناؤ، جیسا خود کھاؤ ویسا ہی انکو کھلاؤ۔

آخر میں اپنا بیانِ سیرت ختم کرتے ہوئے پیغمبرِ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں ایک شاعر مغلوب
باقی صفحہ ۲۴ پر

افاداتِ
حضرت العلام
خالد محمود صاحب
ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی
مانچسٹر

آدابِ الحدیث

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔ امابعد!

آج کا موضوع بحث حدیث کو قبول کرنے، سننے سنانے، اس کے پڑھنے پڑھانے اور اس کی طلب میں پیش نظر رکھے جانے والے آداب ہیں۔ گذشتہ موضوعات میں یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اس جہت کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، اور صحابہ کرامؓ کی شخصیات کریمہ اس جہت کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحبت یافتہ اور تربیت یافتہ ہیں، حدیث کے موضوع ہیں۔ اب اس سے یہ بات سمجھنا آسان ہوگئی کہ حدیث کا ادب کیا ہے اور حدیث سننے سنانے اور پڑھنے پڑھانے کے آداب کیا ہیں!

جو ادب حضورؐ کا ہے
وہی آپ کی حدیث کا ہے

جو ادب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے، وہی آپ کی احادیث کا ہے، اور جو ادب صحابہ کرامؓ کا ہے وہی ادب ان کے آثار و سنن کا ہے۔ جو عظمت اللہ رب العزت کی ہے وہی اسکے کلام کریم کی ہے سو ادب حدیث ادب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی ایک پہلو ہے۔ اور آثار صحابہؓ کی توقیر و تعظیم فیضِ رسالتؐ ہی کی تعظیم و تکریم ہے اور ان کا احترام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل "تزکیہ صحابہؓ" کا ہی ایک اکرام ہے۔

جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی و بے ادبی کفر ہے اسی طرح آپ کے ارشادات کی بے ادبی و گستاخی بھی کفر ہے۔ اور جس طرح صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی بے ادبی گمراہی کی انتہا ہے ان کے آثار و ارشادات سے الرجرا ہی بھی ایک کھلی ضلالت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر ارشاد اور ہر طریقے کو قبول کرنا ضروری ہے خواہ ہماری عقل میں آئے یا نہ آئے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ ہماری عقل اسکو سمجھنے سے قاصر ہو لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی بات غلط ہو۔ آپ کے ہر ارشاد کے آگے سر تسلیم خم کرنا ضروری ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی بات کے بارے میں دل میں کسی قسم کا ثقل اور حرج وغیرہ نہ ہونا چاہیئے۔ ورنہ ایمان قائم نہ رہ سکے گا۔ قرآن کریم میں ہے:

فلا وربك لا يؤمنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم ثم لا يجدوا في
انفسهم حرجا مما قضيت ويسلموا تسليما ۝ (پ ۵ النساء)

(ترجمہ) "قسم ہے تیرے رب کی وہ مومن نہ ہوں گے یہاں تک کہ تجھ کو منصف جانیں اس جھگڑے میں جو ان میں اٹھے، پھر نہ پاویں اپنے جی میں تنگی تیرے فیصلے سے اور تیرے فیصلے کو قبول کریں خوشی سے۔"

حدیث کو قبول کرنیکا جذبۂ اطاعت

آیت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی حدیث کو قبول کرنے میں دل میں تنگی نہ ہونی چاہیئے۔ مومن کو چاہیئے کہ آپ کے ہر ایک حکم کو خوشی کے ساتھ دل سے قبول کرے اور آپ کے ہر حکم کو ظاہراً و باطناً تسلیم کرے۔ ایسا نہ کرے گا تو اس کے ایمان کا کہیں اعتبار نہیں۔ قرآن کریم میں ہے:

فلیحذر الذین یخالفون عن امرہ ان تصیبھم فتنۃ او یصیبھم عذاب الیم۔

ترجمہ: "سو ڈرتے رہیں وہ لوگ جو خلاف کرتے ہیں اس کے حکم کا کہ آپڑے ان پر کوئی فتنہ یا پہنچے انکو کوئی دردناک عذاب۔" (پ ۱۹ : النور : ع ۹)

ایک یہودی اور ایک منافق میں کسی بات پر جھگڑا ہوا۔ فیصلے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم بنایا گیا۔ جب دونوں آپ کی خدمت میں آگئے اور مقدمہ پیش کیا تو آپ نے اس یہودی کے حق میں فیصلہ دیدیا۔ وہ منافق اس فیصلے سے مطمئن اور راضی نہ ہوا، اس نے کہا کہ حضرت عمر فاروقؓ کی خدمت میں چلتے ہیں۔ حضرت عمرؓ کو فیصلہ کرنے سے پہلے اس یہودی نے بتا دیا کہ ہم حضور علیہ السلام کے پاس سے آرہے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے حق میں فیصلہ دیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اس منافق سے اس بات کی تصدیق کی۔ پھر حضرت عمرؓ تلوار لیکر آئے اور اس منافق کو تہہ تیغ کر ڈالا۔ اس مقتول کے اولیاء نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت میں مقدمہ دائر کیا کہ انہوں نے ایک مسلمان کو بلاوجہ قتل کیا ہے۔ جب یہ استغاثہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا تو آپ کی زبان مبارک سے بھی بے ساختہ یہ الفاظ نکلے:

ماکنت اظن ان عمر یجترئ علی قتل رجل مومن۔

ترجمہ: "مجھے گمان تک نہ تھا کہ عمر بھی کسی مومن کے قتل کی جسارت کرے گا۔" (تفسیر جلالین ص۱۶۳)

لیکن جب مذکورہ آیت کریمہ (فلا وربک لا یومنون الخ) کا نزول ہوا تو حقیقت واضح ہوگئی کہ وہ شخص مومن ہی نہ تھا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گمان حضرت عمرؓ کے بارے میں بالکل درست تھا کہ وہ کبھی قتل مومن کے مرتکب نہ ہو سکتے تھے۔

حضرات مفسرین نے اس آیت کریمہ کے تحت یہ بات لکھی ہے کہ یہ حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک کیساتھ ہی نہیں، آپ کے بعد آپ کی شریعت مطہرہ کا فیصلہ آپ کا ہی فیصلہ شمار ہوگا۔ سو یہ حکم قیامت تک اسی طرح جاری رہے گا۔ آپ کے زمانہ مبارک میں خود بلاواسطہ آپ سے رجوع کیا جاتا تھا۔ اور آپ کے بعد آپ کی شریعت مطہرہ کی طرف رجوع جاری رہیگا اور یہ حقیقت میں آپ کی طرف ہی رجوع ہے۔ فردوہ الی اللہ والرسول (پ۵ النساء) پر اب اسی صورت میں عمل ہو سکتا ہے کہ قرآن کریم کی طرف رجوع اللہ کی طرف رجوع سمجھا جائے اور حدیث کی طرف رجوع خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع مانا جائے۔ ورنہ یہ آیت اس باقی امت کے لئے بیکار ہو کر رہ جائیگی۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آداب حدیث پر باقاعدہ گفتگو سے پہلے ادب رسالتؐ اور ادب صحابہؓ پر کچھ اصولی گفتگو کر لی جائے کیونکہ یہی حضرات حدیث کا موضوع ہیں اور ان کا احترام واکرام ادب حدیث کو مستلزم ہیں۔

ادبِ رسالت قرآن پاک کی رو سے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر حکم کو دل سے قبول کرنا ضروری ہے اور اس کے بغیر کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا۔ تو یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب دل سے بھی اس قدر ہونا چاہیئے کہ مجال ہے آپ کی کسی بات کے بارے میں تنگی آئے۔ قرآن کریم میں ہے کہ آواز تک آپ کی آواز سے اونچی نہ ہو:

یاایھا الذین امنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجھروا لہ بالقول کجھر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون ○ (پ ۲۶: الحجرات)

ترجمہ: "اے ایمان والو اپنی آوازیں بلند نہ کرو نبی کی آواز سے اور آپ سے تیز آواز کے ساتھ نہ بولو جیسے تم آپس میں ایک دوسرے سے بولتے ہو۔ اندیشہ ہے کہ کہیں تمہارے اعمال ضائع نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر نہ ہو۔"

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں حضرت رسالت مآب کا ادب بتایا ہے۔ اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اپنے نبی کے آداب سکھلائے ہیں کہ تمہیں اپنے نبی کی توقیر و احترام عزت و اعظام اس قدر کرنا چاہیئے کہ تم اپنے سارے کاموں کو خدا اور اس کے رسول کے پیچھے رکھو۔ اس آیت میں ارشاد ہوا کہ نبی کی آواز پر اپنی آواز بلند نہ کرو جیسے ایک دوسرے سے بے محابا بات کرتے ہو۔ اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اونچی آواز کرنا ایک قسم کی بے ادبی اور گستاخی ہے۔

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں:

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں شور نہ کرو، اور جیسے آپس میں ایک دوسرے سے بے تکلف چہک کر بات کرتے ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ طریقہ اختیار کرنا خلافِ ادب ہے۔ آپ سے خطاب کرو تو نرم آواز سے، تعظیم و احترام کے لہجہ میں۔ ادب و شائستگی کے ساتھ۔ دیکھو ایک مہذب بیٹا اپنے باپ سے، لائق شاگرد استاد سے، مخلص مرید پیرو مرشد سے اور ایک سپاہی اپنے افسر سے کس طرح بات کرتا ہے۔ پیغمبر کا مرتبہ تو ان سب سے کہیں بڑھ کر ہے۔ آپ سے گفتگو کرتے وقت پوری احتیاط رکھی جائے مبادا بے ادبی ہو جائے اور آپ کو تکدر پیش آئے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ناخوشی کے بعد مسلمان کا ٹھکانہ کہاں ہے ایسی صورت میں تمام اعمال ضائع ہونے اور ساری محنت رائیگاں جانے کا اندیشہ ہے۔"

(فوائد القرآن ص ۶۸۴)

حضرت شیخ الاسلام کی اس تفسیر میں علماء دیوبند کا موقف روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ یہ حضرات رسالت کا ادب و احترام کس طرح مانتے ہیں۔ اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ نبی کا درجہ اپنے بڑے بھائی کا سا نہیں۔ باپ، استاد، پیرو مرشد اور اپنے افسر و آقا ہر ایک سے بڑھ کر ہے۔ حضرت مولانا محمد اسماعیل شہید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا عقیدہ بھی یہی تھا۔

"بشر کے حق میں رسالت سے بڑا کوئی مرتبہ نہیں، اور سارے مراتب اس سے نیچے ہیں۔" (تقویۃ الایمان ص ۱۵)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ لکھتے ہیں کہ :

"ہمارے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) سارے جہان کے سردار ہیں کہ اللہ کے نزدیک ان کا مرتبہ سب سے بڑا ہے اور اللہ کے احکام پر سب سے زیادہ قائم ہیں اور لوگ اللہ کی راہ سیکھنے میں ان کے محتاج ہیں" (تقویۃ الایمان ص۵۵)

آپ اس سے پہلے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں لکھ آئے ہیں :

"سب انبیاء و اولیاء کے سردار پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور لوگوں نے ان کے بڑے بڑے معجزے دیکھے انہیں سے سب اسرار کی باتیں سیکھیں اور سب بزرگوں کو انہیں کی پیروی سے بزرگی حاصل ہوئی" (تقویۃ الایمان ص۲۱)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں کسی پہلو سے کوئی گستاخی اور بے ادبی نہ ہونے پائے اس کے لئے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کو ایک بڑا خطرہ قرار دیتے ہیں :

"خطرہ اس لئے ہے کہ رسول کی شان میں گستاخی یا ان کی آواز پر اپنی آواز کو بلند کر کے غالب کرنا ایک ایسا امر ہے جس سے رسول کی شان میں گستاخی اور بے ادبی ہونے کا احتمال ہے جو سبب ہے ایذاء رسول کا"

(معارف القرآن، جلد ۸ ص ۱۰۲)

حضرات صحابہ کرامؓ اس آیۃ شریفہ کے نزول کے بعد بہت احتیاط سے آپ کے ساتھ کلام کرتے تھے اور ڈرتے تھے کہیں ان کی آواز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے بلند نہ ہو جائے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضوان اللہ تعالیٰ علیہم جیسے اکابر صحابہ کرام بھی آپ سے بات کرتے ہوئے جھجکتے تھے کہا ہابا ان یکلماہ (بخاری شریف ج ۲ ص۷۱۸) یہ دونوں حضرات بھی ہیبت کھاتے تھے کہ آپ سے کلام کریں۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ صحابہؓ کے ہاں دربار رسالت کا عزو احترام اور توقیر و احترام کتنا تھا۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضورؐ سے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی قسم اب تو میں آپ سے اس طرح بات کروں گا جس طرح کوئی سرگوشی کرتا ہے۔ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ اسی طرح آہستگی سے بات کرتے تھے کہ بعض اوقات حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی بات سن نہ پاتے جب تک کہ دوبارہ استفہام نہ فرماتے۔

(تفسیر ابن کثیر پ ۲۶ ص۲۰۶)

قرآن کریم آپ کی تعظیم و توقیر کا ان الفاظ میں حکم دیتا ہے :

انا ارسلناک شاھدا و مبشرا و نذیرا ۝ لتؤمنوا باللہ و رسولہ وتعزروہ وتوقروہ ۔

ترجمہ : "ہم نے تجھ کو بھیجا احوال بتانے والا اور خوشخبری اور ڈر سنانے والا تاکہ تم اللہ پر اور اس کے رسول پر یقین لاؤ اور اس کی نصرت کرو، اور اس کی عظمت قائم رکھو اور خدا کی پاکی بولو صبح و شام" (الفتح پ ۲۶ ، ۸، ۹)

یہ حکم خداوندی بتا رہا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر اور آپ کا اکرام و احترام ہر بندۂ مومن کے لئے لازم ہے

یہ تعظیم ایمانی اور قلبی حدود میں تو ہے ہی کہ بدون اس کے مومن ہونے کا تصور ہی نہیں ہو سکتا لیکن بیرونی حدود میں بھی تعظیم درکار ہے کہ آپ کی آواز سے آواز بلند نہ کرے۔ آپ کو اپنوں جیسوں کی طرح نہ جانے، آپ کی ہر پکار پر لبیک کہے، آپ کے ہر حکم کو اپنے لئے واجب العمل جانے، اس کے انکار کو کفر جانے اور اس کے ترک کو گناہ سمجھے۔ رہا موضوع بدنی تعظیم کا تو آپ کے لئے دست بستہ قیام رکوع اور سجدہ نہ کرے۔ بدنی تعظیم اتنی ہی کرے جتنی چھوٹے درجے کے انسان بڑے درجے کے انسانوں کی کرتے چلے آتے ہیں۔

بعد الوفات آپ کے ادب واحترام کی صورت

جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں آپ کے روبرو اونچی آواز سے کلام کرنا گویا اپنے اعمال کو ضائع کرنا ہے اسی طرح آپ کے اس دنیا سے روپوش ہونے کے بعد بھی آپ کے کلام یعنی احادیث کریمہ کے سامنے اونچی آواز نہ کرنی چاہیئے۔ شیخ الاسلام حضرت عثمانیؒ لکھتے ہیں:

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضورؐ کی احادیث سننے اور پڑھنے کے وقت بھی یہی ادب چاہیئے اور جو قبر شریف کے پاس ہو تو وہاں بھی ان آداب کو ملحوظ رکھے نیز آپ کے خلفاء و علماء ربانیین اور اولوالامر کے ساتھ درجہ بدرجہ اسی ادب سے پیش آنا چاہیئے۔" (فوائد القرآن ص۶۸۴)

جس طرح بعد وفات آپ کی احادیث کریمہ کے سامنے اونچی آواز کرنے سے منع فرمایا ہے اسی طرح آپ کے تمام اعمال اور آپ کی سنتوں اور آپ کے احکام سے تجاوز کرنا بھی بے ادبی اور گستاخی سمجھا جائیگا اور یہ حکم قیامت تک کے لئے ہے۔ یہ حکم قیامت تک باقی رہے گا منسوخ نہیں ہوا۔ لہٰذا سنتوں سے آگے بڑھنا اور آپ کے احکام سے تجاوز کرنا بعد وفات بھی ایسا ہی ہے جیسا کہ حالت حیات میں تھا اس میں کوئی فرق نہیں۔ (مدارج النبوۃ جلد ۱ ص۵۱۲)

حضرت قاضی ابوبکر بن عربی فرماتے ہیں کہ:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم اور ادب آپ کی وفات کے بعد بھی ایسا ہے جیسا کہ حیات میں تھا اسی لئے بعض علماء نے فرمایا کہ آپ کی قبر شریف کے سامنے بھی زیادہ بلند آواز سے سلام و کلام کرنا ادب کے خلاف ہے۔"

(معارف القرآن جلد ۸ ص۱۰۱)

یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دو شخصوں کو مسجد نبوی میں بلند آواز سے کلام کرتے سنا تو آپ نے انکو منع فرمایا کیونکہ اس حالت میں آپ کا ادب واحترام قائم نہ رہ سکتا تھا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں بلند آواز سنی اور دریافت فرمایا تو معلوم ہوا کہ مسجد مقدس میں دو اشخاص آواز بلند کر رہے ہیں۔ آپ نے انکو بلایا اور فرمایا تم لوگوں کو پتہ نہیں کہ تم کہاں بیٹھے ہو۔ فرمایا کہ یہ مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ کسی نے کہا کہ حضرت یہ دونوں اہل طائف ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تم لوگ باہر سے نہ آئے ہوتے تو میں تمہیں دُرّوں کی سزا دیتا۔ (مواہب الرحمٰن پ۲۶ ص۱۲۲)

لو کنتما من اھل المدینۃ لاوجعتکما ترفعان اصواتکما فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ترجمہ: "اگر تم اس شہر کے رہنے والے ہوتے تو میں تمہیں بدنی سزا دیتا تم حضورؐ کی مسجد میں اپنی آواز بلند کر رہے ہو۔"

(مشکوٰۃ شریف (رواہ البخاری) وفی روایۃ ان مسجد نا ھذا لا یرفع فیہ الصوت)

فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ میں مناط کلام مسجد نہیں بلکہ مسجد یایں نسبت ہے کہ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا روضۂ انور ہے اور اس میں آواز بلند کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اکرام واحترام کے خلاف ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس امت میں صحابہ کرامؓ کا درجہ ہے۔ یہ حضرات بھی جیسا کہ گذارش کیا جا چکا ہے حدیث کا موضوع ہیں لہٰذا ان کی تعظیم وتکریم بھی تبعاً لازم ہے۔ قرآن کریم کی روشنی میں اس کی بھی ایک جھلک ملاحظہ ہو:

مقام صحابہؓ قرآن پاک کی رُو سے جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب بایں جہت کہ آپ اللہ کے رسول ہیں سب پر لازم ہے اسی طرح صحابہ کرامؓ کا ادب بھی بایں جہت کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحبت یافتہ اور تربیت یافتہ ہیں سب پر لازم ہونا چاہیئے۔ صحابہ کرامؓ کی عزت وعظمت اور ان کے تقویٰ قلوب کے بارے میں قرآن کریم میں ہے:

ان الذین یغضون اصواتھم عند رسول اللہ اولئک الذین امتحن اللہ قلوبھم للتقوٰی لھم مغفرۃ واجر عظیم ۝ (پ ۲۶: الحجرات: ع ۱)

ترجمہ: "جو لوگ دبی آواز سے بولتے ہیں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس وہی ہیں جن کے دلوں کو جانچ لیا ہے (اللہ نے ادب کے واسطے سے) ان کے لئے معافی ہے اور بڑا ثواب۔"

یہ خدا کی گواہی ہے کہ صحابہ کرامؓ کے دل تقویٰ کی دولت سے مالا مال تھے اللہ نے انہیں پوری طرح جانچ لیا تھا جو باتیں پہلے ان سے ہو چکیں ان پر مغفرت کا وعدہ دے دیا اور آئندہ اعمال پر ان کے لئے اجر ہی اجر کی بشارت دی اور فرمایا کہ وہ بڑا اجر پائیں گے۔ تقویٰ کی بات اس طرح ان کے دلوں کے ساتھ لازم کی کہ گویا وہ ان کا جوہر ذات ہے اور حق یہ ہے کہ وہی حضرات ان کے زیادہ حقدار تھے۔ قرآن کریم میں ہے:

الزمھم کلمۃ التقوٰی وکانوا احق بھا واھلھا (الفتح: پ ۲۶، ع ۲)

ترجمہ: "اور لازم کر دیا ان کے ساتھ کلمہ تقویٰ اور وہی اس کے زیادہ حقدار تھے اور اس کے اہل تھے۔"

کلمہ تقویٰ سے ان کی بصیرت چمک اٹھی تھی اور ادب رسالت سے ان کی بصیرت آسمان عروج پر پہنچی تھی اب ان کا ہر فعل اور ہر قول حقیقتہً علم رسالت کا ہی ترجمان تھا اور جو کچھ ان کا اجتہاد تھا اس کا مدار بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہی رہی تھی۔

قرآن کریم جس احترام سے صحابہ کرامؓ کا ذکر کرتا ہے اس سے لازم ہے کہ ان کی روایات، ان کے ارشادات اور ان کے اعمال کو اسی عقیدت وبصیرت سے قبول کیا جائے جو عقیدت ان کی قرآن کریم مسلمانوں کے دلوں میں بٹھاتا ہے۔ اگر ان حضرات کی ذوات مقدسہ

مسدق وصفات حدیث کا موضوع نہ ہوتیں تو قرآن کریم اس طرح انہیں آئینہ عظمت میں نہ اتارتا۔ حق یہ ہے کہ یہی حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کی سنن ونوامیس کے حافظ و وارث تھے ؎

مات رسول اللہ فیہا و بعدہ بسنتہ اصحابہ قد تاذبوا
وفرق سبیل العلم فی تابعیہم وکل امرئ منہم لہ فیہ مذہب

(التمہید لابن عبدالبر جلد ۱ صفحہ ۳)

حضورؐ کی وفات کے بعد آپ کے صحابہ آپ کے طریقے پر چلے اور علم کی راہیں ان کے تابعین میں بٹ گئیں اور ان میں سے ہر مرد ایک مستقل مسلک پر چلنے لگا۔

مقام صحابہؓ تاریخ کے آئینہ میں: مولانا ابوالکلام آزادؒ نے صحابہؓ کی تاریخ کا نقشہ کس ایجاز سے کھینچا ہے۔ اسے دیکھئے: "محبت ایمان کی اس آزمائش میں صحابہ کرام جس طرح پورے اترے اس کی شہادت تاریخ نے محفوظ کر لی اور وہ محتاج بیان نہیں۔ بلا شائبہ و مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ دنیا میں انسانوں کے کسی گروہ نے کسی انسان کے ساتھ اپنے سارے دل اور اپنی ساری روح سے ایسا عشق نہیں کیا ہوگا جیسا صحابہؓ نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے راہ حق میں کیا۔ انہوں نے اس محبت کی راہ میں وہ سب کچھ قربان کر دیا جو انسان کر سکتا ہے اور پھر اسی کی راہ سے سب کچھ پایا جو انسانوں کی کوئی جماعت پا سکتی ہے"۔

شرح مقام — ورضوا عنہ: رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ "اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے" اس مقام کا ایک پہلو قابل غور ہے جس پر لوگوں کی نظریں نہیں پڑیں یعنی ورضوا عنہ پر کیوں زور دیا گیا؟ اتنا کہہ دینا کافی تھا کہ اللہ ان سے خوشنود ہوا کیونکہ ان کے اعمال اللہ کی خوشنودی ہی کے لئے تھے۔ یہ بات خصوصیت کے ساتھ کیوں کہی گئی کہ وہ بھی اللہ سے خوشنود ہوگئے؟

اس واسطے کہ ایمان و اخلاص کا اصلی مقام بغیر اس کے نمایاں نہیں تھا۔

انسان جب کبھی کسی مقصد کی راہ میں قدم اٹھاتا ہے اور مصیبتوں سے دوچار ہوتا ہے تو دو طرح کی حالتیں پیش آتی ہیں کچھ لوگ جوانمرد اور باہمت ہوتے ہیں وہ بلا تامل ہر طرح کی مصیبتیں جھیلتے ہیں لیکن انکو جھیلنا جھیل لینا ہی ہوتا ہے۔ یہ بات نہیں ہوتی کہ مصیبتیں نہ رہی ہوں عیش و راحت ہو گئی ہو کیونکہ مصیبت پھر مصیبت ہے۔ باہمت آدمی کڑوا گھونٹ بغیر کسی جھجک کے پی لے گا لیکن اس کی کڑواہٹ کی بدمزگی محسوس ضرور کرے گا۔ لیکن کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جنہیں صرف باہمت ہی نہیں کہنا چاہیئے بلکہ اس سے بھی زیادہ کچھ کہنا چاہیئے۔ ان میں صرف ہمت و جوانمردی ہی نہیں بلکہ عشق و شیفتگی کی حالت پیدا ہو جاتی ہے وہ مصیبتوں کو مصیبتوں کی طرح نہیں جھیلتے بلکہ عیش و راحت کی طرح ان سے لذت و سرور حاصل کرتے ہیں۔ راہ محبت کی ہر مصیبت ان کے عیش و راحت کی ایک نئی لذت بن جاتی ہے۔ اگر اس راہ میں کانٹوں پر لوٹنا پڑے

تو کانٹوں کی چبھن میں انہیں ایسی راحت ملتی ہے جو کسی کو پھولوں کی سیج پر لوٹ کر نہیں مل سکتی۔ حتیٰ کہ اس راہ کی مصیبتیں جس قدر بڑھتی جاتی ہیں اتنی ہی زیادہ ان کے دل کی خوشحالیاں بھی بڑھتی جاتی ہیں۔ ان کے لئے صرف اس بات کا تصور کہ یہ سب کچھ کسی کی راہ میں پیش آرہا ہے اور اس کی نگاہیں ہمارے حال سے بے خبر نہیں عیش و سُرور کا ایک ایسا بے پایاں جذبہ پیدا کر دیتا ہے کہ اس سرشاری میں جسم کی کوئی کلفت اور ذہن کی کوئی اذیت محسوس ہی نہیں ہوتی۔

یہ بات سُننے میں عجب معلوم ہوتی ہوگی لیکن فی الحقیقت اتنی عجیب حالت نہیں بلکہ انسانی زندگی کے معمولی واردات میں سے ہے اور عشق و محبت کا مقام تو بہت بلند ہے۔ بوالہوسی کا عالم بھی ان واردات سے خالی نہیں۔

حریف کاوشِ مژگانِ خونریزش نہ ناصح | بدست آور رگِ جانے و نشتر را ٹکن

سابقون الاوّلون کی محبت ایمانی کا یہی حال تھا۔ ہر شخص جو ان کی زندگی کے سوانح کا مطالعہ کرے گا بے اختیار تصدیق کرے گا کہ انہوں نے راہِ حق کی مصیبتیں صرف جھیلی ہی نہیں بلکہ دل کی پوری خوشحالی اور روح کے کامل سُرور کیساتھ اپنی پوری زندگیاں ان میں بسر کر ڈالیں۔ ان میں سے جو لوگ اول دعوت میں ایمان لائے تھے ان پر شب و روز کی جانکاہیوں اور قربانیوں کے پورے ۲۳ برس گزر گئے لیکن اس تمام مدت میں کہیں سے بھی یہ بات دکھائی نہیں دیتی کہ مصیبتوں کی کڑواہٹ ان کے چہروں پر کبھی کھلی ہوں۔ انہوں نے مال و علائق کی ہر قربانی اس جوش و مسرت کے ساتھ کی گویا دنیا جہان کی خوشیاں اور راحتیں ان کے لئے فراہم ہو گئی ہیں اور جان کی قربانیوں کا وقت آیا تو اس طرح خوشی خوشی گردنیں کٹوا دیں گویا زندگی کی سب سے بڑی خوشی زندگی میں نہیں موت میں تھی۔ (ترجمان القرآن حصہ دوم ص۱۴۳)

ادبِ رسالت اور عظمتِ صحابہؓ کے اس مختصر تمہیدی مضمون کے بعد آداب الحدیث کے کچھ اصول ملاحظہ کیجئے اس کے بعد آداب حدیث ترتیب وار گذارش ہوں گے۔ واللہ ولی التوفیق وبیدہ ازمۃ التحقیق۔ (باقی آئندہ)

ایک علمی تقریر

حضرت مولانا حکیم عبدالرشید محمود (ننھو میاں) نبیرہ حضرت قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہی سرپرست عالمی مؤتمر ابناء قدیم دارالعلوم دیوبند اپنے تبحر علمی، وسعت معلومات، کثرت مطالعہ، دقت نظر اور اخلاص و للّٰہیت کے اعتبار سے اپنے ہم عصر علماء میں ایک امتیازی شان کے مالک ہیں۔ کل ہند مؤتمر کے اجلاس منعقدہ ۲۴ر جمادی الثانی ۱۴۰۱ھ کے کھلے اجلاس میں مولانا موصوف نے موقع کی نزاکت سے علم کی حقیقت و فضیلت سے متعلق ایک مبسوط بصیرت افروز تقریر فرمائی تھی جسے عزیز گرامی مولوی حبیب الرحمٰن نے قلمبند کر لیا تھا قارئین "الرشید" کے افادہ کے لئے شائع کی جا رہی ہے۔

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ و نؤمن بہٖ و نتوکل علیہ و نعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا من یھدیہ اللّٰہ فلا مضل لہ و من یضللہ فلا ھادی لہ و نشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہٗ لا شریک لہ و نشھد ان سیدنا و مولٰنا محمداً عبدہٗ و رسولہٗ ۰

تمہید

حضرات میں نہ تو صاحب علم ہوں اور نہ مقرر ہوں۔ دارالعلوم میں چند سال رہا ضرور ہوں مگر میں نے یہاں پڑھا لکھا کچھ نہیں اس لئے کہ دارالعلوم میں جتنے بھی حضرات تھے وہ حضرت نانوتویؒ اور حضرت گنگوہیؒ کے متوسلین و منتسبین میں سے تھے۔ انھوں نے غایت تلطف کی نگاہ سے دیکھا اور جس طرح ناز پروردہ اولاد نالائق رہتی ہے میں بھی ان حضرات کے غایت تلطف میں رہ کر جیسا نالائق آیا تھا ویسا ہی واپس ہو گیا۔ البتہ علم کی عظمت اور علماء کی وقعت تو میرے سینہ میں کسی راسخ فی العلم سے کم نہیں ہے مگر جہاں تک علم کا تعلق ہے افسوس کہ وہ مجھے نہیں آیا۔

مجھے حیا آرہی ہے کہ اس علماء و طلباء کے مجمع میں آپ سے خطاب کروں مجھے اکبرؔ کی بات یاد آگئی۔

اکبر الٰہ آبادی کو کسی نے باہر سے لکھا کہ یہاں ایک مولوی صاحب ہیں وہ کہتے ہیں کہ اکبر میرے شاگرد ہیں۔

حضرت اکبر نے اس کے جواب میں لکھا کہ مولوی صاحب سچ فرماتے ہیں جس زمانہ میں مولوی صاحب یہاں تھے تو میں ان سے علم سیکھتا اور وہ مجھ سے عقل۔ مگر ہم دونوں کی بدقسمتی کہ نہ مجھے علم آیا نہ انہیں عقل۔

بزرگو! ایسے ہی میرا حال ہے۔ لیکن وہ حدیث سامنے آگئی: جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الدنیا ملعونة وما فیہا الا ذکر اللہ وما والاہ او عالم او متعلم کہ یہ دُنیا اور دنیا میں جتنی بھی چیزیں ہیں یہ سب قابلِ لعنت ہیں سوائے اللہ کے ذکر کے اور اس کے متعلقات کے اور عالم و طالبِ علم کے۔" اور یہ تو ضمنیاً عالم و ذکر جبکہ ماوالاہ میں داخل ہے۔ کیونکہ ماوالاہ کے اندر بڑی وسعت ہے اور اس کے ساتھ پھر عالم اور طالب علم۔

اِس پر مجھے ایک واقعہ یاد آیا؛ حضرت گنگوہیؒ کے یہاں ایک بڑا مجمع علماء کا مہمان تھا اور اتفاق سے نواب چھتاری بھی آئے تھے۔ دسترخوان جب بچھنے لگا تو حضرت شیخ الہندؒ آہستہ سے دسترخوان سے کھسکنے لگے اس خیال سے کہ بھائی نواب صاحب حضرت کے تو مرید ہیں اور معتقد بھی ہیں ہم مولوی ملّانوں، کھدر پوشوں، چٹائی پر بیٹھنے والے، دوپلی اوڑھنے والے لوگوں کے ساتھ کھانا کھانا نواب صاحب شاید پسند نہ کریں، گھر کی بات ہے ہم پھر کھالیں گے۔ نواب صاحب ہیں گورنروں، وائسرائوں کیساتھ کھانا کھانیوالے ہیں۔ حضرت نے اسے محسوس کرلیا، فوراً فرمایا میاں مولوی محمود حسن آپ کہاں چلے، بھائی آپ کے ساتھ کھانا کھانا اگر نواب صاحب کو ناگوار ہوگا تو نواب صاحب دسترخوان سے اُٹھ جائیں گے۔ مجھے نواب صاحب سے کیا لینا ہے؟ آپ لوگوں کے ساتھ میری زندگی اور موت کا سوال ہے آپ ہی تو میرے اصول و فروع ہیں۔

درگورِ برم از سرِ گیسوئے تو تارے
تا سایہ کند برسرِ من روزِ قیامت

بھائی تم مجھے چھوڑ کے کہاں چلے۔ حضرت شیخ الہندؒ جلدی سے بیٹھ گئے کہ حضرت کچھ اور نہ فرمائیں۔ مگر حضرت تو فرما چکے جو فرمانا تھا۔ تو بزرگوار! یہ عالم اور طالب علم، آپ حضرات علماء اور طلباء یہاں جمع ہیں۔ آپ ہی ہمارے اصول و فروع ہیں۔ ہم آپ سے واسطہ نہ رکھیں، تعلق نہ رکھیں، ربط نہ رکھیں تو کس سے رکھیں اور آپ ہی ہمارے لئے وجہ جذب اور کشش نہ ہوں گے تو اور کیا چیز ہوسکتی ہے۔ اب میں سوچتا ہوں کہ بیان کیا کروں۔ ذہن میں یہ آتا ہے کہ یہ ایک علمی مرکز ہے کچھ علم ہی کے متعلق آپ حضرات کے سامنے عرض کروں۔

فضیلتِ علم دیکھئے آپ یہ خیال فرمائیے کہ اس اُمت کا نبیؐ ہی اللہ تعالیٰ کی صفتِ علیم و خبیر سے سیراب ہوا اس لئے اس کا خصوصی معجزہ الکتاب قرآن مقدس علم الاولین والآخرین ہے۔ اسی لئے اس کی اُمت میں علم و علماء کی کثرت ہے، مصنفات و مؤلفات کی کثرت ہے، علوم و فنون کی کثرت ہے اور یہ کلیہ مشہور ہوگیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کسی بندہ کو علم سے بڑھ کر کوئی زینت نہیں عطا کی۔

اور دیکھئے واقعہ یہ ہے کہ علم ایک مرکزی صفت ہے بہت سی صفات ہیں وہ آپس میں مختلط ہوجاتی ہیں لیکن علم ایک ایسی صفت ہے جو ان کے درمیان خطِ امتیاز کھینچ کر سب کو الگ الگ کر دیتی ہے۔ ہوسکتا ہے ایک شخص ایک عمل کو دیکھتا ہو اور سمجھتا ہو کہ یہ شجاعت ہے اور واقعتاً وہ قلبی قساوت ہو، ہوسکتا ہے کہ سمجھتا ہو یہ سخاوت ہے مگر وہ اسراف و تبذیر ہو، ہوسکتا ہے کہ ایک عمل کو سمجھتا ہو کہ مسامحت ہے اور واقعتاً وہ مداہنت ہو۔ علم ان کے درمیان خطِ

امتیاز کھینچ دیتا ہے جس سے ہر چیز الگ الگ ہو جاتی ہے۔ اور یہ بھی یاد رکھئے کہ اللہ جل جلالہٗ وعم نوالہ کی چار صفات ہیں اور چار ہی کمالات ہیں۔ صفاتِ اربعہ خاصہ حیات، علم، قدرت، قیومیت۔ اور کمالات اربعہ خاصہ ابداع، خلق، تدبیر، تدلّی دیکھئے۔ یہاں حیات کے بعد سب سے پہلے علم ہی ہے اور علم ہی سے ناشی ہے قیومیت بھی اور علم ہی سے ناشی ہے ابداع بھی، خلق بھی، تدبیر بھی تدلّی بھی۔ علم دراصل ایک مرکزی صفت ہے۔ تمام صفات اپنی کارگذاری میں صفت علم ہی کی محتاج ہیں اور خود صفتِ علم اپنی کارگذاری میں کسی صفت کی محتاج نہیں۔ شاید کوئی شخص یہ کہے کہ صفت علم اپنی کارگذاری میں صفتِ عقل کی محتاج ہے اسی لئے مشہور ہے کہ یک من علم را دہ من عقل باید مگر ایسا نہیں ہے۔ عقل تو درحقیقت اس کا محل ہے اسی لئے ذوی العقول میں علم کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ غیر ذوی العقول میں نہیں۔

ایک علمی نکتہ ایک خاص بات ملاحظہ ہو وہ یہ کہ علم نبوت اور صدیقیت کے قبیل سے ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ نے ایک جگہ تحریر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا اور اس میں دو قوتیں رکھیں۔ ایک قوت عاقلہ ایک قوت عاملہ۔ عاقلہ کا کمال نبوت ہے اور عاملہ کا کمال عصمت ہے۔ وہ بھی انبیاء علیہم السلام کے لئے ثابت ہے۔ پھر چونکہ نری قوت عاقلہ اور قوت عاملہ کافی نہیں تھی اس لئے کہ عقل مجرد کا وجود اس دنیا میں پایا ہی نہیں جاتا۔ اقبال نے خوب کہا تھا کہ

ع خرد کے پاس خبر کے سوا کچھ اور نہیں

مجھے حضرت تھانویؒ کی بات یاد آتی ہے حضرت نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ بھائی جب ہم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات دیکھتے ہیں اور پڑھتے ہیں، جب حضرات صحابہ کرام کی سوانح دیکھتے ہیں اور پڑھتے ہیں تو ایک دفعہ تو یہ تمنا پیدا ہوتی ہے کہ کاش ہم بھی اس دور پر سعادت میں ہوتے اور ہم بھی گوکہ جمال نبوت دیکھتے لیکن واقعہ یہ ہے کہ ہمیں اس کی توقع نہیں ہے کہ اگر ہم اس زمانہ میں ہوتے تو کون سے کیمپ میں ہوتے۔ حزب مخالف کی صف میں ہوتے یا حزب موافق کی۔ اس لئے کہ حضراتِ صحابہؓ جن مصائب سے جن شدائد سے جن مصائب سے دوچار ہوئے ہمیں امید نہیں کہ ہم ان مصائب سے گذرتے تو ثابت قدمی کے ساتھ گذرتے۔ بس ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے کہ اس نے ہم کو تقلیدی مسلمان بنایا، خدا کرے کہ ہم تحقیقی مسلمان بھی بن جائیں، یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے ہم کو استدلالی مسلمان بنایا خدا کرے کہ ہم وجدانی وکشفی مسلمان بن جائیں اور یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے کہ اس نے ایک ایسے نبی کی امت میں پیدا کیا جن کی تربیت ہی صفتِ علیم وخبیر کے ساتھ کی گئی۔ سید الانبیاء والمرسلین اور خاتم الانبیاء والمرسلین کی امت میں پیدا کیا۔ خیر امت ہم کو بنایا یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہونا۔ اور اس نبی کا امتی ہونا جن کا وصفِ خاص ہی علم وخبر ہے۔ ایک بہت بڑا فخر بہت بڑی سعادت اور بہت بڑا مجد ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کو یہ قرآن مقدس عطا ہوا اور سنت علیم و خبیر سے آپ کی سیرابی کی گئی۔

قرآنی علوم بزرگو! یہ صحیفہ مقدس قرآن مجید جو ہم کو عطا ہوا اگر اس کی غایت ترتیب و تلخیص کی جائے تو یہ صرف ذکر ہے؛ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ فرمایا گیا اور ذکر بمعنی التذکیر بھی آتا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ التذکیر کی تین اقسام ہیں؛ التذکیر بآلاء اللہ، التذکیر بایام اللہ، التذکیر بالموت و بما بعد الموت۔ اور فرمایا کہ التذکیر بآلاء اللہ اسوقت تک مکمل نہیں ہو سکتی جب تک کہ طبعیات پر آدمی کی نظر نہ ہو۔ اور التذکیر بایام اللہ اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا جب تک کہ تاریخ پر آدمی کی نظر نہ ہو۔ قوموں کے عروج و زوال، ارتقاء و انحطاط سے واقفیت نہ ہو۔ اور التذکیر بالموت و بما بعد الموت اُسوقت تک مکمل نہیں ہو سکتا جب تک کہ کتاب مقدس و مبین اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر پوری نظر نہ ہو۔ اور حضرات اگر اس کتاب مقدس قرآن کی ذرا وسیع معنی میں تلخیص کی جائے تو یہ پانچ امور پر مشتمل نظر آتا ہے۔

- ○ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ۔
- ○ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ۔
- ○ كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ
- ○ ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ۔
- ○ إِنْ عَلَيْكَ إِلَّا الْبَلَاغُ فَهَلْ عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ، وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ، يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ۔

یہی وجہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں خطاب عام فرمایا اور اس کے بعد ارشاد فرمایا: الا هل بلغت کیا میں نے پہنچا دیا! ہر طرف سے آواز بلند ہوئی "بلی یا رسول اللہ" آپ نے آسمان کی طرف انگشت شہادت اٹھا کر عرض کیا اللّٰھم اشھد اللّٰھم اشھد "اے اللہ گواہ رہیو، گواہ رہیو کہ میں نے آپ کے بندوں کو وہ سب کچھ پہنچا دیا جو آپ نے مجھ پر نازل فرمایا"

مقاصد نبوت ان پانچوں میں نمبر اول کو مقاصد نبوت بنا کر متعدد مقامات پر بیان فرمایا گیا، کہیں فرمایا: ربنا وابعث فیھم رسولا منھم یتلوا علیھم ایاتہ و یزکیھم و یعلمھم الکتاب والحکمۃ، کہیں فرمایا لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیھم رسولا منھم یتلوا علیھم ایاتہ و یزکیھم و یعلمھم الکتاب والحکمۃ کہیں فرمایا ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منھم یتلوا علیھم ایاتہ و یزکیھم و یعلمھم الکتاب والحکمۃ ان آیات سے مقاصد نبوت چار معلوم ہوئے۔

تلاوت کتاب، تعلیم کتاب، تعلیم حکمت اور تزکیۂ نفوس۔

رجال اُمت کی خدمات

تمام صحابہؓ و تابعینؒ اتباع تابعینؒ، فقہاء و محدثین اور اس کے بعد محققین، صوفیاء نے اپنی عمریں انہی مقاصد کی خدمت میں گذاریں۔ مقصد اوّل تلاوتِ کتاب اس کی تکمیل حضراتِ قراء نے فرمائی۔ تجوید و قرأت اس کی شرح و ایضاح ہیں۔

مقصد دوم یعنی تعلیم کتاب : اس کی تکمیل حضراتِ مفسرین نے فرمائی۔

تعلیم حکمت : اس کی تکمیل حضرات فقہاء اور محدثین نے فرمائی۔ اس لئے کہ فقہاء ہی اعلم بالسنۃ ہیں۔۔۔

رہا تزکیہ نفوس اس کے حامل حضرات صوفیاء کرام ہوئے۔ پھر حضرات محدثین نے الفاظِ حدیث کی حفاظت فرمائی اور رواۃ و رجال کی تحقیق اور جرح و تعدیل کے اُصول وضع کئے۔ ایک لاکھ سے زیادہ رواۃ و رجال کے کوائف کا ذخیرہ مرتب کیا جو انہیں زندہ جاوید بنا گیا۔ آج دُنیا کے کسی مذہب کے پاس نہ اس کی آسمانی کتاب محفوظ ہے نہ اس کے کسی نبی اور رسُول کی سیرت محفوظ ہے اور نہ رواۃ و رجال کا سلسلہ محفوظ و منضبط ہے۔ یہ شرف مسلمان کو حاصل ہوا کہ اس کی آسمانی کتاب بھی محفوظ ہے، سینوں میں بھی سفینوں میں بھی۔ انکے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا ایک ایک صفحہ ایک ایک سطر اور ایک ایک حرف محفوظ ہے اور رواۃ و رجال کا ذخیرہ بھی مرتب ہے اسی لئے تو فرمایا گیا تھا لا تحرک بہ لسانک لتعجل بہ ان علینا جمعہ و قرآنہ اسی لئے فرمایا گیا تھا کہ انا لہ لحافظون اور ایک خاص احتیاط ملاحظہ ہو :

طالب علم غور سے سُنیں کہ نزولِ وحی کے وقت خاص طور پر اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام ظاہری حواس اور قوای کو معطل کرنا پسند کیا گیا۔ تاکہ مرادِ حق غیر مرادِ حق سے مختلط نہ ہو جائے۔ پھر محدثین نے الفاظِ حدیث کی حفاظت فرمائی اور فقہاء نے معانی حدیث کی حفاظت فرمائی۔ اس طرح احکام بھی محفوظ ہو گئے اور زنادقہ روزگار اور ملاحدہ روزگار اور تجدد پسندوں کی دست و برد سے ہمیشہ کے لئے صیانت ہو گئی۔ اللہ اکبر۔

حضرات صوفیاء کی خدمات

اب رہا تزکیۂ نفوس اس کے حامل صوفیاء کرام ہوئے کہ جنھوں نے اس نسبتِ احسانی کی پاسبانی کی اور قلوب کے تصفیہ، تزکیہ، تجلیہ اور تطہیر سے اصلاح سیرت و اخلاق کی ذمہ داری لی اور رسُوخ فی الذکر کے ساتھ تہذیب اخلاق اور اکتساب احسان کو اپنا موضوع قرار دیا۔ قرونِ اولیٰ میں یہ خود بخود میسر تھا مابعد القرون میں ایک مستقل شعبہ بنا۔

علم تصوّف کی جامعیت مطلوب ہے

اور ایک خیر اُمت نے تو اسکو ایک نہایت خوبصورت سلسلۃ الذہب میں مرتب کر کے دکھلایا۔ فرمایا لا دین الا بالعلم و لا علم الا بالکتاب و لا کتاب الا بمراد سبحانہٗ و تعالیٰ و لا یتبین مرادہ الا بسنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و لا یتضح السنۃ الا بکلام الفقہاء و لا یفید کلام الفقہاء الا بالانصباغ و لا یلوح الانصباغ الا بالتزکیۃ و لا یتاتی التزکیۃ الا بمعیۃ الشیوخ و لا المعیۃ

الا باتباعہم اسی لئے بزرگوں کی اولاد، بزرگوں کے خدام بزرگوں کی بیویاں باوجودیکہ ان کو قرب و معیت حاصل ہوتی ہے لیکن چونکہ وہ قرب و معیت مشروط و مقید بالاتباع ہے اور وہ انہیں نصیب نہیں ہوتا اسی وجہ سے اکثر کورے کے کورے بلکہ کورِ زِ رہتے ہیں۔ اب دیکھئے ایک طرف تو یہاں علماء کو تنبیہ ہو گئی کہ نرے علم پر نازاں نہ ہوں، نرا علم خشک کھجور کی طرح ہے، دوسری طرف صوفیاء کو بھی تنبیہ ہو گئی کہ جب تک علم نہیں کچھ نہیں۔ اس لئے کہ علم سابق المعرفۃ نہیں مگر معرفت سابق العلم ہے۔ حضرت سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ جس زمانہ میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے یہاں حاضر ہوئے اکثر یہ شعر پڑھتے ہوئے آئے :

ے تیری نظر میں ہیں تمام میرے گذشتہ روز و شب مجھ کو نہ تھی خبر کہ ہے علم نخیل بے رطب
تازہ میرے ضمیر میں معرکۂ کہن ہوا عشق تمام مصطفےٰ عقل تمام بولہب

دونوں کو جمع کرنے کی ضرورت ہے بعض بزرگوں نے کہا ہے من تفقہ ولم یتصوف فقد تفسق و من تصوف ولم یتفقہ فقد تزندق ومن جمع بینہما فقد تحقق جس نے تفقہ حاصل کیا یعنی علمِ ظاہر اور تصوف حاصل نہیں کیا وہ ذرا خشک سا رہے گا۔ تصوف کے نام سے بعض لوگوں کو چڑ ہے۔ آپ اسے احسان تزکیہ کہہ لیجئے اور جس نے تصوف تو حاصل کیا احسان و تزکیہ کیطرف تو کچھ چلا لیکن علم ظاہر حاصل نہیں کیا وہ زندیق ہو کر رہے گا اور جس نے دونوں کو جمع کر لیا وہ تحقیق کے مرتبہ پر پہنچ گیا اسکی مثال اس شخص جیسی ہے جو کسی کے یہاں مہمان بن کر گیا تھا میزبان نے اس سے کہا بھائی میرے یہاں کچھ تھوڑا سا دودھ ہے اور کچھ گھی ہے آپ دودھ سے روٹی کھانا پسند کریں گے یا گھی سے مہمان تھا ذرا ہوشیار کہا میں تو گھی سے چپڑ کر دودھ سے کھاؤں گا۔

دودھ کی فوقیت

حضرت اقدس مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے یہاں درس میں طالب علموں نے ایک دفعہ سوال کیا کہ حضرت علم ظاہر بہتر ہے یا علم باطن اور یہ سوال دراصل اس سے متاثر ہو کر کیا کہ بعض جاہل صوفیاء کہا کرتے ہیں کہ علمِ ظاہر محض ایک حجاب ہے جواب میں حضرت نے فرمایا کہ تمہیں بتلاؤں دودھ بہتر ہے یا گھی! طالب علم بہت خوش ہوئے کہ مطلب کی بات ہوئی۔ کہا ہاں حضرت گھی بہتر ہے۔ حضرت نے فرمایا اگر گھی بہتر ہوتا تو جنت میں دودھ اور شہد کی نہر تو ہے گھی کی بھی نہر کوئی ہوتی! کتنا معقول جواب ہے۔ اور فرمایا یاد رکھو دودھ کے اندر تین چیزیں ہیں۔ اگر یہاں اطباء موجود ہوں گے تو میری تصدیق کریں گے۔ دودھ میں تین جز ہیں ایک مائیت ہے وجعلنا من الماء کل شیئ حیی فرمایا گیا دوسرے اس میں جبنیت ہے یعنی دودھیت و لبنیت جو موجب تغذیہ ہے تیسرے اس میں ہلکی سی دسومت اور روغنیت ہے جو بدن کی بھٹی میں جلنے کے کام آئے اگر کوئی شخص ساری عمر دودھ ہی دودھ پیتا رہے تو اس کے تغذیہ کے لئے کافی ہے لیکن اگر گھی کھانا شروع کرے تو دو تین وقت سے زیادہ نہیں کھا سکتا کہ اس کے ہضوم اربعہ بگڑ جائیں گے۔ مجھے یاد آیا ایک جوان لڑکا اٹھارہ بیس سالہ بہت مضبوط

مجسٹریٹ نے اسکو کسی جرم میں جیل کی سزا کردی تو وہ مجسٹریٹ کے قدموں میں گر پڑا اور کہا کہ سرکار مجھے جیل کی سزا نہ دیں اور جرمانہ جتنا چاہیں کر دیں۔ کہا کیوں! اس نے کہا کہ جب سے پیدا ہوا ہوں دودھ کے سوا کچھ کھایا پیا ہی نہیں، میرے باپ نے پچاس بھینسیں میرے لئے ریزرو کر رکھی ہیں کہ اگر پچیس دودھ سے بھاگیں گی تو پچیس تو رہیں گی اور جیل میں دودھ مجھے کہاں ملے گا میں تو مر جاؤں گا۔

اسی وجہ سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ دودھ ہی ایک ایسی چیز ہے جو کھانے اور پینے دونوں کا کام دیتی ہے۔ سبحان اللہ۔

علم کی اہمیت علماء محققین کی نظر میں

تو بزرگو! آپ اسے خیال فرمائیے حضرت امام غزالی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ جو لوگ علم ظاہر کی تحقیر کرتے ہیں وہ واجب القتل ہیں اگرچہ اس کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ جو علم باطن کی طرف متوجہ نہیں ہوتے وہ نبوت کی حقیقت کو نام کے سوا جان نہیں سکتے۔ امام غزالی علیہ الرحمہ نے یہ فرمایا اور امام محمد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں لوگو! اس علم کی قدر کرو یہ پچاس ہزار سال کی مسافت سے تم تک پہنچا ہے۔ حضرت مجدد سرہندی علیہ الرحمہ نے ایک دفعہ شیخ نظام الدین بلخیؒ کو ایک والا نامہ لکھا اور اسمیں تحریر فرمایا کہ میں نے سنا آپ کے یہاں تصوف کی بہت مذاکرت ہوتی ہیں میری رائے یہ ہے کہ تصوف مذاکرت کی چیز نہیں ہے معاملت کی چیز ہے۔ آپ کے یہاں فقہ ظاہر کی مذاکرت ہونی چاہیئے چونکہ وہ مذاکرت کی بھی چیز ہے اور معاشرت کی بھی، اور اس کے بعد کیسی قیمتی چیز ارشاد فرمائی اہل علم اس کی قدر کریں۔ فرمایا کہ صوفیاء کے علوم احوال ہیں اور احوال میراثِ اعمال ہیں اور اعمال موقوف علی العلم ہیں اور علم دو مجاہدوں کے درمیان ہے ایک تحصیل علم دوسرا استعمال علم كانوا يتعلمون الهدى كما يتعلمون العلم سلف صالحین جس طرح علم حاصل کرتے تھے اسی طرح استعمال بھی سیکھتے تھے۔

ایک واقعہ

حضرت مجدد علیہ الرحمہ کا قول "احوال میراث اعمال ہیں" پر مجھے ایک واقعہ یاد آیا۔ ہمارے حضرت گنگوہیؒ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ حضرت شیخ عبدالقدوس قطب العالم قدس سرہٗ ایک دفعہ عشاء کے بعد اپنے کسی مرید سالک کو ذکر حدادی تعلیم کرنے کے لئے اُٹھے۔ حدادی میں کیا ہوتا ہے۔ لا الٰہ پر کھڑے ہو گئے اور الا اللہ پر بیٹھ گئے۔ لا الٰہ الا اللہ لا الٰہ الا اللہ یکسوئی پیدا کرنے کا ایک طریقہ ہے تو حضرت نے جو بتانا اور تعلیم کرنا شروع کیا اپنے اس سالک طالب کو تو خود اس میں اسقدر گویا استغراق ہو گیا کہ ساری رات گذر گئی صبح کو اذان پر حضرت کو اس حالت سے افاقہ ہوا۔ حضرت گنگوہیؒ نے یہ واقعہ بیان فرما کر ارشاد فرمایا کہ اللہ اکبر جس شخص کا ذکر اتنا لمبا ہوگا اس کا حال کتنا لمبا ہوگا۔ اور بزرگو! میں اپنے حال سے اس کی مثال دیتا ہوں۔ میں سفر بہت کم کرتا ہوں کبھی اتفاق سے سفر کی نوبت آجائے اور دس بارہ گھنٹے ریل میں گذر جائیں تو جب گھر آتا اور سوتا ہوں تو چونکہ میرا ذکر لمبا ہو گیا اور

میرا اعمال بھی لمبا ہو جاتا ہے کہ ساری رات سوتے ہوئے میں چھکا چھک، چھکا چھک ہی کی آواز سُنتا رہتا ہوں۔ میرا ذکر لمبا ہو گیا تو میرا اعمال بھی لمبا ہو گیا، یہ بالکل ظاہری نفسیاتی چیز ہے اعتیادی طبعی بات ہے۔ اور میں تو کہتا ہوں ہمارا پورا تصوف اور طریقت یہ بالکل علم النفس اور نفسیاتی فنی چیز ہے پھر فرمایا یاد رکھنے کی چیز ہے طلباء اسے محفوظ رکھیں کہ صوفیاء کے علوم ہیں احوال اور احوال ہیں میراث اعمال اور اعمال ہیں موقوف علی العلم اور علم ہے دو مجاہدوں کے درمیان ایک تحصیلِ علم، ایک استعمالِ علم بچی تلی بات ہے۔

اور امام غزالیؒ نے جہاں یہ چیز لکھی ہے کہ جو شخص علم ظاہر کا انکار کرے وہ واجب قتل ہے۔ وہیں پر یہ ارشاد بھی فرمایا کہ فمن لم یرزق منہ شیئًا بالذوق فلیس یدرك حقیقة النبوة الا الاسم کہ جس شخص نے تصوف کا ذائقہ نہیں چکھا، نبوت کی حقیقت کو نام کے سوا جان ہی نہیں سکتا۔ بڑا دعویٰ ہے آگے فرماتے ہیں: ومما بان لی بالضرورة من ممارسة طریقتھم حقیقة النبوة و خاصیتھا اور ان طرق صوفیاء و طرقِ معمول و متداول بین الصوفیہ پر عمل کرنے سے مجھے نبوت کی حقیقت اور اس کی خاصیت کا علم ہوا۔

بقیہ: مقالہ سیرۃ النبیؐ

کس نے ذرّوں کو اُٹھایا اور صحرا کر دیا — کس نے قطروں کو ملایا اور دریا کر دیا
کس کی حکمت نے یتیموں کو کیا دُرِّ یتیم — اور غلاموں کو زمانے بھر کا مولیٰ کر دیا
شوکتِ مغرور کا کس ذات نے توڑا طلسم — منہدم کس نے الٰہی قصرِ کسریٰ کر دیا
آدمیت کا غرض ساماں مُہیا کر دیا — اِک عرب نے آدمی کا بول بالا کر دیا

فقط ھٰھنا تم منا الکلام
علیٰ مصطفٰنا الوف السلام

بقیہ: تاریخ جمعیۃ علماء ہند

اُمید قوی ہے کہ ارباب ذوق اولین فرصت میں اس نادرۂ روزگار کتاب کو حاصل کر کے استفادہ فرماتے ہوئے حالات کا جائزہ فرمائیں گے اور دوسرے ایڈیشن کی زحمتِ انتظار سے دوچار ہونے سے محفوظ رہ سکیں گے۔ کتابت، طباعت اور جلد وغیرہ بھی اچھی ہے البتہ بعض جگہ کتابت کی غلطیاں محسوس ہوتی ہیں امید ہے کہ آئندہ ایڈیشن میں تلافی کر دی جائے گی۔ (ادارہ)

تاثیرِ صحبت — صحبت باِ اولیاء

بیان از حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحب مدظلہ قاسمی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ۔

بزرگانِ محترم ! یہ آیت جو میں نے تلاوت کی ہے اس میں حق تعالیٰ نے ایک بہت اہم اصول بیان فرمایا ہے جس پر انسان کی دینداری کی بقاء موقوف ہے اور اگر کوئی دیندار بننا چاہے تو اس کے لئے اس پر عمل کرنا ضروری ہے اور اتنی سی بات اور عرض ہے کہ آج تقریروں، جلسوں، پروپیگنڈوں اور لٹریچر کی کمی نہیں ہے لیکن اس کے باوجود مسلمانوں کی دینی حالت تنزل میں ہے اور صرف دین ہی نہیں بلکہ دُنیا کے اعتبار سے بھی تنزل میں جا رہے ہیں۔ آخر اسکی کیا وجہ ہے؟ اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ جب تک مرض کے اسباب معلوم نہ ہوں اسوقت تک مرض کا علاج ناممکن ہے۔

اب دین میں کمی اس وجہ سے تو نہیں کہ علم کی کمی ہو۔ کیونکہ اس زمانے میں جتنے ذرائع علم کے اشاعت کے موجود ہیں وہ پہلے موجود نہیں تھے اور آج جو اجلاس و جلسے ہوتے ہیں وہ بھی ایسے ہوتے ہیں کہ جن میں ہزار دو ہزار تک لوگ موجود ہوتے ہیں اور بعض جلسوں میں تو لاکھوں تک تعداد پہنچ جاتی ہے، بلکہ آج کل تو تمام دُنیا ایک جلسہ گاہ بنی ہوئی ہے۔

ایک شخص جو ریڈیو میں بولتا ہے تو مشرق سے مغرب تک اس کی آواز پہنچتی ہے اور صرف دنیاوی باتیں ہی نہیں بلکہ دینی باتیں بھی مختلف ممالک سے سُنی جا رہی ہیں اور آپ کا ریڈیو پاکستان روز ترجمہ قرآن مجید و تفسیر و حدیث نشر کرتا ہے اور مسائل تو بچہ بچہ جانتا ہے لیکن باوجود اسکے دین میں وہ پختگی نہیں جو پہلے زمانہ میں تھی۔

دوسرا ذریعہ نشرِ علم کا قلم ہوتا ہے اور اس کی بھی آج کمی نہیں ہے۔ قلم کی علماء نے گیارہ اقسام لکھی ہیں پہلی قلم لوحِ محفوظ والا قلم ہے جس کے متعلق حدیث میں ہے "خلق اللہ القلم فقال لہ اکتب قال ما اکتب قال ما کان وما یکون"۔ اور ایک قلم وہ ہے جس سے روزانہ کے حالات لکھے جاتے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شبِ معراج میں جب عرش کے قریب پہنچے تو قلموں کی کھسکھساہٹ سُنی تو آپ نے جبرئیلؑ سے پوچھا کہ یہ کس کی آواز ہے تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ یہ دفتر ہے جس میں مخلوق کے روزانہ واقعات کو قلم بند کیا جاتا ہے، اور ایک انسان دن میں لاکھوں حرکتیں کرتا ہے۔ نہ معلوم وہ کتنا بڑا دفتر ہوگا۔

ایک قلم وحی ہے، وہ یہ کہ وحی آئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن ثابتؓ یا کسی اور صحابی کو بلوا کر لکھائی،

اور اسی قلم پر ہمارے دین کی بقاء ہے۔ ایسے ہی اگر حدیث کی کتابت نہ ہوتی تو اتنی کتب بھی ہمارے پاس موجود نہ ہوتیں۔

پس یہ ذخیرۂ احادیث اور قرآن مجید قلم کے ذریعہ سے ہی محفوظ کئے گئے ہیں جن کی وجہ سے آج ہم چھوٹے چھوٹے پمفلٹوں میں نماز، روزہ، حج وغیرہ کے احکامات شائع کرتے ہیں۔

ایک قلم تصوّف ہے جس سے تصوّف کے ضروری مسائل اور تزکیہ نفس کے طریقے محفوظ کئے جائیں۔

ایک قلم سیاست ہے جس سے تمام سیاسی معاملات محفوظ کرلئے جاتے ہیں۔ غرض دین کے سلسلے میں آج جتنی قلمکاریاں ہیں وہ پہلے زمانہ میں نہیں تھیں۔ امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ دنیا میں کوئی قوم تصنیف میں مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ حجاز کے کتب خانے ملاحظہ فرمائیے تو ان میں لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں کتابیں محفوظ ہیں۔ اندلس کے کتبخانہ کے متعلق ایک عیسائی عورت اپنی کتاب میں لکھتی ہے کہ تعصب کی بناء پر عیسائیوں نے یہ ارادہ کیا کہ مسلمانوں کا لٹریچر ضائع کردیا جائے چنانچہ حکومت کی طرف سے اس کام کے لئے ایک کمیشن مقرر ہوا جس کا کام یہ تھا کہ کتب خانوں کو جلایا جائے یا دریا برد کیا جائے۔ یہ مہم کوئی پچاس برس تک جاری رہی، تاتاریوں نے حکومت کے کتبخانہ کو دریا میں ڈالا تو ایک پل بن گیا۔ لکھا ہے کہ ایک ماہ تک دریا کا پانی سیاہ رہا۔ جب ایک کتبخانہ کی حالت یہ ہے تو باقیوں کا کیا عالم ہوگا۔

انجیل کے شباب کے زمانہ میں بھی عیسائی اتنے کتب خانے نہ بنا سکے اور نہ ہی یہود تورات کے زمانہ شباب میں ایسے کتب خانے بنا سکے۔ اور پھر جو تصانیف انہوں نے کی ہیں وہ بھی مسلمانوں کی برکت سے ہیں۔ اُندلس میں مسلمانوں نے جو یونیورسٹیاں بنائی تھیں موجودہ یورپ کی ترقی انہیں کی رہین منت ہے، وہیں سے یورپ کے لوگ پڑھ کر گئے اور اپنے ملک میں علم میں ترقی کی، اسی کی برکت ہے کہ آج عیسائی اس قابل ہیں کہ تصنیف کرسکیں۔ اور ان کو اقرار ہے کہ یہ مسلمانوں کے فیض سے ہے۔

الغرض مسائل کی اشاعت کثرت پر ہے لیکن باوجود اس کے دین مسلمانوں میں پھیلتا نہیں اور نہ ہی سلف کی طرح ایمان میں مضبوطی ہے اور نہ ہمارا دل ایسا ہے کہ اعمال صالحہ اس کی طبیعتِ ثانیہ بن جائیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہماری معاشرت کی غیر اسلامی ہے۔ اور ماحول بھی غیر اسلامی بن گیا۔

دارالعلوم دیوبند میں دو ہزار کا عملہ ہے ممکن نہیں کہ وہاں کوئی بے نماز ہو اذان ہوتے ہی سب کے سب ہر طرف سے دوڑتے ہیں۔ یہ تمام ماحول کا اثر ہے ورنہ وہاں کوئی نماز کے متعلق کہنے والا نہیں ہوتا۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ ہر کام پہلے ریاء ہوتا ہے پھر عادت بن جاتی ہے۔ حدیث میں ہے:

"اپنے بچوں کو نماز کا حکم دو جبکہ وہ سات سال کے ہو جائیں، اور سزا دیکر نماز پڑھاؤ جبکہ دس سال کے ہو جائیں" تو یہ سزا دیکر نماز پڑھانا حقیقی نماز نہیں، کیونکہ وہ ڈر کے مارے نماز پڑھتا ہے، یہاں تک کہ سجدہ کرتے ہوئے بھی ایک آنکھ سے دیکھتا رہے گا۔ جب دیکھا کہ باپ نہیں ہے، تو بھاگ جائے گا لیکن جب اسکو عادت پڑ جائے گی اور تعلیم ہوگیا

تو خیال کرے گا کہ یہ بہت ضروری چیز ہے یوں یہی عبادت ہو جائے گی۔ عارف رومی فرماتے ہیں کہ:

؎ بہر دنیا بہر دین و بہر نام　　اللہ اللہ کردہ باید والسلام

اس لئے نمازی کو اس وجہ سے نہیں دیکھنا چاہئے کہ شاید ریاء ہو۔

حضرت سفیان ثوریؒ جو فقہ کے امام ہے مگر ان کا مذہب مدون نہیں ہوا فرماتے ہیں کہ "ہم نے علم غیر اللہ کے لئے طلب کیا، لیکن علم تو صرف اللہ تعالیٰ کا ہو کر رہا"۔ ظاہر کا اثر باطن پر بھی پڑتا ہے۔ اگر ایک آدمی عورتوں کا لباس زیب تن کرلے تو چند دن کے بعد اس کا دل چاہیے گا کہ وہ کلام بھی عورتوں کی طرح کرے بلکہ تمام حرکات عورتوں کی طرح کرے اور اگر کوئی آدمی بتکلف علماء کا سا لباس پہن لے تو پہلے وہ مخلوق کی خاطر بہت سے گناہوں سے بچے گا۔ ایسے ہی اگر کوئی شخص درویشوں کا لباس پہنیگا تو اس کا اثر قلب پر ہوگا اور اگر کوئی کفار کا سا لباس پہننا شروع کردے تو چند دنوں میں اور افعال بھی کفار کی طرح ہی کرنے لگے گا۔ حدیث شریف میں ہے۔ "تم کو رونا اگر نہ آئے تو رونے کی شکل بنالو"۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوۂ حنین سے آرہے تھے کہ راستہ میں ایک جگہ دیہات کے بہت سے بچے مسلمانوں کے لشکر کے پاس جمع ہو گئے۔ ان میں ابومحذورہ رضی اللہ عنہ بھی تھے جب مؤذن نے اذان کہی تو ان بچوں نے بھی نقل اُتارنی شروع کی تو حضورؐ نے کہا کہ ان کو پکڑ لاؤ۔ ابومحذورہؓ ان میں بڑے تھے ان کو بھاگتے ہوئے شرم آئی، باقی تمام بچے بھاگ گئے۔ یہ کھڑے رہے۔ ان کو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر کیا گیا تو حضورؐ نے فرمایا کہ اسی طرح نقل اُتارو اور کہو اللہ اکبر اللہ اکبر حضرت ابومحذورہ نے کہدیا۔ پھر آپ نے فرمایا کہو اشھد ان لا الٰہ الا اللہ، تو ان کو تامل ہوا کیونکہ اس میں توحید کا اقرار تھا لیکن انہوں نے دبے لفظوں میں کہدیا۔ پھر آپ نے کہا کہ زور سے کہو اشھد ان محمد رسول اللہ۔ تو اس میں ابومحذورہ کو اور بھی تامل ہوا۔ کیونکہ توحید کے تو مشرکین مکہ کسی درجہ قائل بھی تھے۔ چنانچہ وہ کہتے تھے "لبیک اللھم لبیک لاشریک لک" اور قرآن میں ہے قل من رب السمٰوٰت السبع ورب العرش العظیم۔ یعنی اگر آپ ان سے یہ پوچھیں کہ ساتوں آسمانوں اور زمین کو اور اس بڑے عرش کو کس نے پیدا کیا تو ضرور کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔ لیکن رسالت کے تو وہ منکر تھے ہی، اور سارا جھگڑا رسالت نہ ماننے کا ہی تھا اس لئے ابومحذورہ پہلے تو چپ ہو گئے مگر پھر دبے لفظوں میں کہدیا اشھد ان محمد رسول اللہ حضور نے کہا زور سے کہو تو انہوں نے زور سے کہدیا۔ اب ابومحذورہ نے یہ اذان اسلام کی حالت میں نہیں کہی تھی محض نقالی کی تھی لیکن اس کا اثر دل پر ہوا اور کہا یا رسول اللہ اب تو میں آپ کا ہوں۔ اب اذان میں ایک تو شوافع اور احناف کا اختلاف ہے شوافع کہتے ہیں کہ ترجیع سنت اذان میں ہے احناف کہتے ہیں کہ یہ تعلیم ہے۔ یہ تو فقہاء کے اختلاف ہیں۔ لیکن میرا مطلب یہ ہے کہ ابومحذورہ نے جب ظاہر سے اسلام کا اقرار کیا تو اس کا اثر دل میں اُتر گیا، اور اسلام قبول کر لیا۔ اسی لئے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اگر رونا نہ بھی آئے تو رونے کی شکل بنالو۔ پس اگر نماز کو دل بھی چاہے تو بھی نماز پڑھو

اور یہ چیزیں ماحول سے پیدا ہوتی ہیں۔ اگر ماحول اچھا ہو تو بچے بھی نمازی بن جاتے ہیں۔

آپ کو یاد ہوگا کہ مطالبۂ پاکستان کے وقت بچوں کے کھیل بھی جلسے اور جلوس بن گئے تھے کیونکہ ماحول ہی ایسا تھا۔ حضرت الورشاہ رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے ایک نوجوان طالب علم آیا اور جلدی سے نماز پڑھ کر چل دیا تو حضرت نے پوچھا کہ تم نے نماز اچھی طرح سے کیوں نہ پڑھی تو اس کے منہ سے نکلا کہ حضرت میں چھوٹی کتابیں پڑھتا ہوں، تو حضرت کو غصہ آیا اور فرمایا کہ یہ مسائل تو ماں باپ سے ورثہ میں ملتے ہیں، ان میں کتابوں کی ضرورت نہیں، لیکن یہ جب ہوتا ہے جبکہ ماں باپ بھی ایسے ہی ہوں، عیسائی ذہنیت کا ماحول بن جائے تو دل بھی اسی طرح مائل ہو جاتا ہے۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ایک شادی کے سلسلے میں تھانہ بھون گئے تو خیال ہوا کہ حضرت حاجی صاحبؒ کی زیارت بھی کر لوں۔ چنانچہ گئے تو حضرت حاجی صاحبؒ کو معلوم ہو گیا کہ یہ فطرتِ سلیمہ رکھتے ہیں تو آپ نے پوچھا کہ آپ کسی سے بیعت بھی ہوئے یا نہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں تو پھر حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا مجھ سے ہی بیعت ہو جاؤ۔ حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ اس شرط پر بیعت ہو جاؤں گا کہ آپ مجھے ذکر و شغل کا حکم نہ فرمادیں۔ حاجی صاحبؒ نے فرمایا کہ میں نے تو بیعت ہونے کو کہا ہے ذکر کرنے کو تو کہا ہی نہیں اور وعدہ فرمایا کہ نہیں کہوں گا اور بیعت فرما لیا۔ اور ساتھ ہی فرمایا کہ دو تین دن کے لئے یہاں ٹھہر جاؤ۔ آپ وہیں ٹھہر گئے۔ جب رات کو لوگ تہجد ادا کرنے اٹھے تو حضرت گنگوہیؒ کو شرم محسوس ہوئی اور آپ نے بھی اٹھ کر نمازِ تہجد پڑھ لی، پھر جب لوگوں کو دیکھا کہ ذکر و شغل میں مصروف ہیں تو آپ بھی ذکر میں مشغول ہو گئے۔ دوسرے دن پھر یہی حالت دیکھی۔ اور تیسرے دن خود بخود اٹھ کر نمازِ تہجد خوشی خوشی پڑھی اور ذکر میں مشغول ہو گئے۔ تیسرے روز حضرت حاجی صاحبؒ سے ملے اور کہنے لگے حضرت آپ نے تو سب کچھ ہی کر دیا۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا کہ بھائی میں نے تو کہا ہی نہیں اور نہ وعدہ خلافی کی۔ اب آپ جا سکتے ہیں تو حضرت گنگوہیؒ نے کہا کہ اب تو میں نہیں جاتا۔ چالیس دن وہاں ٹھہرے اور خلافت لے کر واپس آئے۔

پس یہ عبادت پہلے ریاء ہوئی پھر عادت بنی عبادت بنی اور ساتھ ہی خلافت بھی مل گئی۔

میرا اپنا مشاہدہ ہے کہ جب میری عمر آٹھ برس تھی کہ گنگوہ کی مسجد میں بہت سے لوگ کپڑے دھونے آتے تو ماحول سے متاثر ہو کر جب کپڑے کو زمین پر مارتے تو اِلَّا اللہ بھی ضرب کے ساتھ کہتے تھے حالانکہ انکو پڑھنے کا حکم نہ دیا گیا تھا۔ مقولہ مشہور ہے "ہر چہ در کان نمک رفت نمک شد"۔

حضراتِ صحابہ کرامؓ کا ایک ماحول تھا کہ جو بھی اس میں آتا متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا اور انکا ماحول بھی بہت قوی تھا۔ انبیاءؑ کے بعد انہی کا درجہ تھا۔ امت کا اجماع ہے "الصحابۃ کلہم عدول"۔ اور وہ معصوم تو نہ تھے محفوظ ضرور تھے، امت کا اتفاق ہے کہ کوئی شخص غوث بن جائے، قطب بن جائے لیکن ادنیٰ صحابی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ ایسے ماحول سے ابوجہل جیسا بدبخت ہی متاثر ہوئے بغیر رہ سکتا ہے۔ ورنہ جبری طور پر تو وہ بھی مانتا تھا۔ چنانچہ اپنے گھر میں کہتا تھا کہ

بات تو ٹھیک ہے لیکن اگر ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مان لیں تو پھر ان کی غلامی کرنی پڑے گی۔ اگر ایک گھرانہ یہ عہد کرے کہ ہم غیبت وغیرہ گناہ چھوڑ دیں گے تو ان کے ماحول میں جو داخل ہوگا انہی کی طرح ہو جائے گا۔

حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ ایک سیاسی مفکر تھے، روس کے انقلاب میں وہیں تھے فرماتے ہیں کہ میں اسٹالن سے ملا اور اسلامی نظام حکومت اور اس کے اصول مع دلائل اس کے سامنے پیش کئے تو سٹالن نے کہا کہ یہ بالکل ٹھیک ہے اور اگر دنیا میں کوئی نظام جاری ہوا تو اسلام ہی جاری ہو کر رہے گا۔ لیکن یہ بتائیے کہ اسکا کوئی عمل دنیا میں بھی موجود ہے؟ مولانا اس پر خاموش ہو گئے۔ تو دنیا آج قول کو نہیں دیکھتی بلکہ فعل کا مطالبہ کرتی ہے۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ "آدمی کا قول اس کے فعل کے موافق ہوا تو نجات پا گیا اور جس کا قول فعل کے موافق نہ ہوا سو وہ ہلاک ہو گیا"

اسلامیہ جمہوریہ کا اعلان کیا گیا لیکن دنیا اس قول کو نہیں دیکھتی بلکہ عمل کو دیکھنا چاہتی ہے۔ اس لئے ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم دنیا کے سامنے ایک عملی نقشہ پیش کریں۔ ایک بڑے سے بڑا عالم ہو لیکن جب تک وہ اپنے کہے کے مطابق عمل نہ کرے تو اسکو اپنے قول میں تذبذب رہتا ہے۔

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آنے میں نماز روزہ وغیرہ کی پابندی تو تھی ہی لیکن یہ بھی شامل دستور تھا کہ کوئی کسی کے لئے موجب اذیت نہیں ہوگا۔ تھانہ بھون کی خانقاہ میں کسی صاحب کا رومال گر پڑا۔ اور تین دن تک وہیں پڑا رہا کسی نے وہاں سے نہ اٹھایا، نہ ماحول کی وجہ سے کسی کو چرانے کی جرأت ہوئی۔ حجروں میں تالا لگانے کا دستور ہی نہ تھا۔ آج حجاز کی حکومت ہے اور بادشاہ کا جذبہ یہ ہے کہ اسلامی قانون نافذ ہو۔ اب ایک عورت بھی مع زیورات کے سفر کرتی ہے تو اسکو کسی قسم کا اندیشہ نہیں ہوتا۔ تلواروں اور بندوقوں میں ڈر پیدا نہیں ہوتا، پولیس اور ہتھیاروں کی کمی نہیں لیکن دنیا میں فسق وفجور کی کثرت ہو رہی ہے۔ ہم حج پر گئے تو دیکھا کہ چند بوریاں کھجور کی پڑی ہیں ایک آدمی نے پولیس کو اطلاع دی کہ فلاں جگہ کھجور کی بوریاں پڑی ہیں، پولیس نے کہا کہ یہ ٹھیک ہے، لیکن یہ کیسے پتہ چلا کہ ان میں کھجوریں ہیں، معلوم ہوا کہ تم نے ٹٹول کر دیکھی ہیں اور چرانے کا موقع تلاش کرتا رہا۔ اس شخص کو اسپر بھی سزا ملی۔

تو میں عرض کر رہا تھا کہ دین کا اثر اس وجہ سے نہیں کم ہوا کہ علم نہیں، بلکہ معاشرہ خراب ہے اس لئے پہلے ماحول اور معاشرہ کی اصلاح کرنی چاہئیے۔ آج خیر خواہی سے ہی اسلامی نظام حکومت کا مطالبہ ہو رہا ہے اور حکومت بھی خیر خواہی سے ہی اسکو نافذ کرنا چاہتی ہے لیکن تمام کام قانون ہی سے نہیں ہوتے۔ یہ جو زنا ہو رہا ہے، کونسی حکومت زنا کا اعلان کر رہی ہے آج بھی چوری وزنا جرم ہے قانوناً۔ گویا آج بھی بعض اسلامی نظام نافذ ہے لیکن چوری اور زنا آج بھی ہو رہے ہیں اور جب آج بھی قانون کی خلاف ورزی ہو رہی ہے تو کل اسلامی قانون کے نفاذ میں بھی ہوتی رہے گی۔ اسلئے تمام کام حکومت پر ہی نہیں چھوڑنا چاہئیے اور کم از کم جتنے اجزاء اسلامی قانون کے نافذ ہیں ان پر تو عمل کرنا چاہئیے۔ (الارشاد والصدیق)

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی کفائت کا لحاظ فرمایا ہے۔ تخیروا لنطفکم وانکحوا الاکفاء (ابن ماجہ) "اپنے نطفہ کے لئے اچھی لڑکی کے رشتہ کا انتخاب کرو اور اپنی برابری کے لوگوں میں شادی کرو" مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک دوسری حدیث میں برابری کی یہ تشریح فرمائی ہے: اذا جاءکم من ترضون دینہ وخلقہ فانکحوا (جامع ترمذی) "جب تمہارے پاس ایسے لڑکے کا رشتہ آئے جس کے دین واخلاق کو تم پسند کرتے ہو تو لڑکی کا نکاح اس سے کردو" یہ کفائت اور مساوات کن کن چیزوں میں ہونی چاہیئے؟ مختلف احادیث کی روشنی میں ائمہ اربعہ کی آراء اس میں مختلف ہو گئی ہیں جن کی کچھ تفصیل درج ذیل ہے۔

کفائت کن چیزوں میں ہونی چاہیئے

ائمہ اربعہ میں امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ نکاح پر کفائت (برابری) "۶" چیزوں میں ضروری سمجھتے ہیں:

○ اِسلام ○ دیانت و تقویٰ ○ نسب ○ مال ○ پیشہ ○ مرض اور عیوب سے خالی ہونا[1]

مگر امام مالکؒ صرف دو چیزوں میں برابری کا لحاظ کرتے ہیں۔ ایک دین، یعنی ان کا دین وایمان درست ہو، دوسرے صلاح و تقویٰ، یعنی بداخلاق و بدکردار نہ ہو۔

بعض تمدنی ومعاشرتی مصالح کے پیش نظر ائمہ ثلاثہ نے دین واخلاق کے ساتھ دوسری چیزوں میں بھی برابری کا لحاظ کیا ہے لیکن امام مالکؒ کی رائے میں ایک مسلمان کے لئے اصل دین اور صلاح و تقویٰ ہے اسی سے برابری بھی پیدا ہوتی ہے اور اسی سے مناسبت بھی۔ اسی لئے ان دو خوبیوں کے بعد اب تیسری چیز کے لحاظ کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر دوسری چیزیں بھی حاصل ہوں تو فبہا، مگر ان کے نزدیک وہ انتخاب کا معیار نہ بنائی جائیں۔ جہاں تک ائمہ ثلثہ کی رائے کا تعلق ہے اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ انہوں نے اِسلام سے ذہنی اور عملی لگاؤ کو ضروری قرار نہیں دیا ہے بلکہ انھوں نے دین کیساتھ بعض دوسری چیزوں کا لحاظ اس لئے کیا ہے کہ تجربے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر ان کا بالکل خیال نہ کیا جائے تو میاں بیوی میں مودت رحمت کی رُوح پیدا نہیں ہوتی۔ ایسا نہیں ہے کہ ائمہ ثلاثہ ایک ممتاز سید یا صدیقی یا فاروقی خاندان کے نیک اور دیندار لڑکے پر ترجیح دیتے ہیں بلکہ ان کے نزدیک ایک خاندان میں بھی اسی لڑکے یا لڑکی کو ترجیح دیجائے گی جو دیندار بھی ہو اور جس کا اخلاق و کردار اچھا ہو۔ کفائت میں ائمہ ثلاثہ نے جن چیزوں کا لحاظ کیا ہے ہم ان میں سے ہر ایک کی تشریح کرنے کے بعد پھر امام مالکؒ کی رائے اور ان کے دلائل بیان کریں گے۔

اِسلام یعنی عورت و مرد کے رشتہ نکاح میں سب سے پہلے جو چیز دیکھی جائے گی وہ یہ ہے کہ دونوں عقیدے کے لحاظ سے مسلمان ہیں یا نہیں؟ اگر رشتۂ اِسلام ان دونوں میں نہیں تو پھر رشتۂ نکاح قائم نہیں ہو سکتا۔ ایک شخص جو

---

[1] مستقل عیوب جسمانی سے خالی ہونے کی شرط کا تعلق نفس کفائت سے نہیں، بلکہ اس کا لحاظ ہر صورت میں کیا جائیگا۔

نسبی اور خاندانی برتری کے احساس اور تفاخر میں پہلے کے مقابلے میں اب مسلمانوں میں بہت کمی آگئی ہے اور برادریوں کی جو مصنوعی دیوار قائم ہو گئی ہے وہ گری تو نہیں مگر ذہنی طور پر بڑی حد تک کمزور ضرور ہو گئی ہے مگر خاندانی اور نسبی تفاخر کی جگہ اب سیاسی و معاشی برتری، مال و دولت کی خواہش اور تعلیم کی ہم آہنگی اور حسن و جمال نے لے لی ہے اور ادھر کچھ دنوں سے سیاسی مفاد کے پیش نظر حکمران طبقہ کے لوگ برادریوں کی تقسیم اور طبقاتی عصبیت کو نئے سرے سے ہوا دیئے جا رہے ہیں جس سے نئے نئے فتنے پیدا ہو رہے ہیں اور پیدا ہونے کے امکانات پیدا ہو گئے ہیں مگر افسوسناک بات یہ ہے کہ دین و اخلاق ہمارے ہند و پاک مسلم معاشرہ میں نہ تو پہلے معیار شرافت تھا نہ اب ہے خاص طور پر اسوقت ہندوستان میں غیر مسلموں کا ایک طبقہ جو ہندو معاشرے سے دور ہو کر اسلامی معاشرے میں داخل ہونے کی کوشش کر رہا ہے، اس میں بہت سے اسباب کے ساتھ معاشرتی اونچ نیچ اور اونچی ذات کے ہندوؤں کا نسبی تفاخر سب سے بڑا رول ادا کر رہا ہے۔ اس میں بہت سے اسباب کے ساتھ معاشرتی وجوہات بھی ہیں۔

ان حالات میں مسلمانوں کے اندر سے اس ذہنیت کو ختم کرنے کی شدید ضرورت ہے تاکہ اسلام میں داخل ہونیوالوں کو اسلامی معاشرہ میں وہی اونچ نیچ اور تنگی و نسبی تفاخر محسوس نہ ہو جس سے بے نیاز ہو کر اس نئے معاشرہ میں داخل ہو رہے ہیں۔ اس مضمون میں اسی پہلو کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ شریعت نے شادی بیاہ میں برابری و کفائت کا جو لحاظ کیا ہے اس کا حقیقی مفہوم کیا ہے؟ اور اس کے بارے میں ائمہ فقہ کی رائے کیا ہے؟

میاں بیوی کے تعلقات کو زیادہ سے زیادہ خوشگوار بنانے کے لئے شریعت نے نکاح میں دوسری قیود کے ساتھ یہ بھی قید لگا دی ہے کہ رشتہ قائم کرنے میں دینی اخلاقی معاشی اور معاشرتی مناسبت کا بھی لحاظ کیا جائے ورنہ اس رشتہ میں استواری اور خوشگواری پیدا ہونا مشکل ہے اور جب یہ بات پیدا نہ ہو گی تو پھر نکاح کا اصل مقصد یعنی ایک اچھے خاندان کا وجود میں آنا فوت ہو جائے گا، اسی مناسبت اور برابری کو اسلامی شریعت میں کفائت کہتے ہیں۔ کفائت کے لفظی معنی برابری کے ہیں۔

قدیم زمانہ سے کافر و مشرک ہے اور ایک شخص مسلمان کے گھر میں پیدا ہوئے مگر اسلام کے کسی بنیادی عقیدے سے منحرف ہو گیا ہے تو نکاح کے معاملہ میں دونوں برابر ہیں ان کے ساتھ یہی نہیں کہ کسی مسلمان لڑکی کا رشتہ قائم نہیں ہو سکتا بلکہ یہ نکاح کے سلسلہ میں وکیل اور گواہ بھی نہیں بن سکتے۔ اسی طرح اگر کوئی لڑکی عقیدہ کے اعتبار سے مسلمان نہ ہو تو کسی مسلمان لڑکے سے اس کا رشتہ قائم نہیں ہو سکتا۔

دیانت و تقویٰ شرافت و دیانت اور تقویٰ میں برابری کا مطلب یہ ہے کہ ایک آدمی صرف عقیدے کے اعتبار سے مسلمان ہے مگر اس کا عمل عقیدہ و فکر کے مخالف ہے تو وہ لڑکی یا لڑکا اس لڑکی یا لڑکے کے (کفوء) برابر نہیں ہو سکتے۔ جس کا عقیدہ بھی درست ہو اور عمل بھی، جو ذہنی و فکری لحاظ سے بھی مسلمان ہو اور عملی اعتبار سے بھی، چنانچہ صاحب ھدایہ لکھتے ہیں کہ: لانہ من اعلی المفاخر والمرأۃ تعیر بفسق الزوج فوق ما تعیر بضعۃ نسبہ یعنی کیونکہ دیانت و تقویٰ سب سے زیادہ عزت و فخر کی چیز ہے اور عورت کے لئے شوہر کا کم نسب ہونا اگر عار کی بات ہے تو اس کا فاسق و فاجر ہونا اس سے بھی زیادہ عار کی بات ہے۔" (ھدایہ ص۳۲۰ ج۲ کتاب النکاح)

غور فرمائیے کہ وہ فقہاء جنہوں نے رشتہ نکاح میں نسب و خاندان کا لحاظ رکھا ہے انہوں نے بھی اسلام پر عقیدے کے ساتھ اسکے مطابق عمل کو کتنا ضروری قرار دیا ہے مگر اب مسلمانوں میں نسب ہی کی اہمیت باقی رہ گئی ہے اور دین و تقویٰ ان کے نزدیک کوئی قابلِ لحاظ چیز ہی نہیں رہی، بلاشبہ یہ اسلام کی روح کے خلاف اور قدیم جاہلیت کا بقیہ ہے۔

مال کفوء کے سلسلہ میں مال کا بھی اعتبار کیا گیا ہے۔ یعنی لڑکی اگر مالدار اور خوشحال گھرانے کی ہو تو حتی الامکان اس کا رشتہ کسی مفلس و بے صلاحیت کے ساتھ نہ کرنا چاہیئے۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جب تک اسے کسی دولت مند اور لکھ پتی کا رشتہ نہ ملے تو لڑکی کو بٹھائے رکھے اور مال کے لحاظ سے کم درجہ کے آدمی سے اس کا نکاح نہ کرے بلکہ مال کے لحاظ سے مطلب صرف یہ ہے کہ "وھو ان یکون مالکا للمھر والنفقۃ" (ھدایہ ص۳۲۰ ج۲) "جو لڑکا مہر ادا کرنے اور بیوی کا خرچ اٹھانے کی قدرت رکھتا ہو وہ مالدار لڑکی کا کفوء ہو سکتا ہے۔" یعنی اگر نکاح کے وقت مہر کی ادائیگی اور ایک مہینہ تک کا خرچہ اس کے پاس موجود ہو تو ایسا شخص مالدار لڑکی کا کفوء ہے اور اگر اسوقت اس کے پاس کچھ بھی نہ ہو مگر بظاہر اس میں یہ صلاحیت موجود ہے تو صحیح اور مفتی بہ قول کی بناء پر وہ بھی مالدار لڑکی کا کفوء ہو سکتا ہے۔ فتح القدیر میں ہے: الصحیح انہ اذا کان قادراً علی النفقۃ علی طریق الکسب۔ (" صحیح یہ ہے کہ جب وہ کما کر بیوی کو کھلانے پہنانے پر قادر ہو تو اس کا کفوء ہو سکتا ہے۔" اسی طرح در مختار میں ہے وصحیح فی المجتبیٰ الاکتفاء بالقدرۃ علیھا بالکسب۔ مجتبیٰ میں اس قول کو صحیح کہا گیا ہے کہ صاحب مال لڑکی کے کفوء ہونے کے لئے بس اتنا کافی ہے کہ وہ کما کر بیوی کا خرچہ اٹھانے کی قدرت رکھتا ہو۔

پیشہ ایک پیشے کے لوگوں کا رہن سہن اور طرزِ معاشرت عموماً ایک ہی طرح کا ہوتا ہے اسی لئے ہم پیشہ لوگوں کے ہاں شادی بیاہ کرنے میں سہولت بھی ہوتی ہے اور میاں بیوی میں اس کی وجہ سے مناسبت بھی رہتی ہے اور بسا اوقات

ہم پیشہ ہونے کی وجہ سے معاشی اعتبار سے بھی دونوں کو سہولت ہوتی ہے اس لئے ائمہ ثلاثہ نے رشتہ نکاح میں اس کا اعتبار و لحاظ کرنے کی بھی اجازت دی ہے۔ مگر اسلامی نقطۂ نظر سے یہ سمجھنا سخت غلطی ہے کہ کسی پیشہ کے ساتھ ذلت یا عزت چمٹی ہوئی ہے کہ جہاں کسی نے دو ایک پشت کوئی خاص پیشہ کیا بس وہ ذلیل ہو گیا۔ اب یہ کتنی ہی خوبیوں کا مالک کیوں نہ ہو جائے پیشے کی ذلت اس کے ساتھ لگی رہتی ہے۔ چنانچہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے جو روایت زیادہ صحیح طریقے سے مروی ہے وہ یہی ہے کہ دائمی طور پر کوئی قابلِ اعتبار نہیں ہے۔ ھدایہ میں ہے کہ: ان الحرفة لیس بلازمة و یمکن التحول عن الخسیسة الی النفیسة منها۔ "پیشہ کسی کے ساتھ چمٹا نہیں رہتا بلکہ ایک آدمی معمولی پیشہ چھوڑ کر کوئی دوسرا پیشہ اختیار کر سکتا ہے"۔ یہ بھی ملحوظ رہے کہ پیشوں کا معیار زمانہ کے حالات کے ساتھ بدلتا بھی رہتا ہے۔ ضروری نہیں ہے کہ ایک پیشہ جو کسی زمانہ میں صرف پست درجہ کے لوگ اختیار کرتے ہوں وہ ہمیشہ ایسے لوگوں کا پیشہ ہو سکتا ہے کہ حالات زمانہ کی تبدیلی سے اہلِ علم اور باعزت لوگ بھی ان کو کرنے لگیں۔ ہمارے زمانہ میں یہ ہو رہا ہے کہ جوتا بنانا نہایت گھٹیا لوگوں کا پیشہ تھا لیکن اب اہلِ علم، گریجویٹ اور شرفا اس طرح کا کام کر رہے ہیں۔

نسب: نسب کے شرف اور اس کی فضیلت کا اعتبار بھی شریعت میں کیا گیا ہے لیکن یہ سمجھ لینا کہ یہ شرف اور فضیلت دائمی نہیں بلکہ اضافی ہے۔ یعنی یہ سمجھ لینا چاہئے کہ یہ شرف اور فضیلت دائمی نہیں

یعنی یہ سمجھ لینا کہ فلاں خاص برادری کے اندر جو پیدا ہو گیا ہے وہ ہمیشہ ذلیل رہے گا، اور جو ایک دوسرے خاندان کے اندر پیدا ہو گیا وہ ہمیشہ اور بہرحال معزز ہی رہے گا صحیح نہیں ہے بلکہ یہ جاہلی تصور تھا جس کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مذمت فرمائی ہے۔ آپ نے اپنے آباؤ اجداد پر فخر کرنے والوں کی مذمت کرتے ہوئے آخر میں فرمایا: قد اذھب عنکم عصبیة الجاھلیة و فخرھا بالآباء انما ھو مومن تقی او فاجر شقی "اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کا کبر و نخوت اور آباء و اجداد پر فخر کو مٹا دیا ہے۔ اب انسانوں کے دو ہی طبقے ہیں یا تو وہ پاکباز مومن ہو گا یا پھر بدبخت گنہگار"۔

شرعی نقطہ نظر سے نسب کا یہ شرف اسی وقت تک باقی رہتا ہے جب تک اس میں شرف و فضیلت کے اوصاف باقی رہیں، عام طور پر ہمارے ہاں برادریوں اور خاندانوں کے پیشوں اور معاشرتی تفاوت یا نسبی تعلق کی بنا پر جو تقسیمیں ہو گئی ہیں، مثلاً کوئی سید ہے کوئی شیخ، صدیقی ہے اور کوئی فاروقی، کوئی مغل ہے کوئی پٹھان، کوئی راعی ہے کوئی سنار کوئی درزی اور کوئی جولاہا ہے، پیشے کام یا نسب کی اس تقسیم کو ایک ایسی مستقل چیز سمجھ لیا ہے، خواہ دوسری برادریوں اور خاندانوں کا کوئی کتنا ہی پڑھا لکھا اور صالح لڑکا یا لڑکی کیوں نہ ہو اس کا نکاح دوسری برادری کے لڑکے یا لڑکی سے کرنا ننگ و عار سمجھا جاتا ہے بلکہ بعض برادریوں میں تو ایسا شخص برادری سے خارج قرار دے دیا جاتا ہے۔ یہ اسلام کی روح کے بالکل منافی ہے اور جن ائمہ اور فقہاء نے اس کا کسی درجہ میں اعتبار کیا ہے انہوں نے بھی اسکو کوئی دائمی چیز نہیں سمجھا ہے اور اس سلسلہ میں ھدایہ کی عبارت ہم نقل کر چکے ہیں۔ فقہ حنفی کی دوسری مشہور کتاب درمختار میں موجود ہے کہ اگر چمڑا پکانے والا اپنا پیشہ چھوڑ کر تجارت

کرنے لگے تو وہ خصوصیات جن کی بناء پر اس کی حیثیت کو کمتر سمجھا جاتا ہے اس میں باقی نہیں رہیں تو وہ پھر کسی تاجر کا بھی کفو ہوسکتا ہے۔" (ص ۱۴۹، ۸، ج ۲) اس سے معلوم ہوا کہ کسی پیشہ کی وجہ سے نسب میں ذلت پیدا نہیں ہوتی، بلکہ ان خصوصیات کی وجہ سے ذلت پیدا ہوتی ہے جو اس پیشے کے ساتھ مخصوص ہو کر رہ گئی ہیں۔ مثلاً رہن سہن بات چیت وغیرہ میں جہالت علم وفضل کی کمی وغیرہ لیکن اگر کوئی اس پیشے کو خصوصیات سے پاک کر دے تو پھر وہ اس کا مصداق قرار نہیں دیا جائے گا۔ چنانچہ اگر نسب کے اعتبار سے ایک شخص سید یا صدیقی ہو مگر جاہل اور بدکردار ہو، دوسرا پٹھان، انصاری یا اور کسی برادری کا ہو مگر صاحب علم وفضل ہو تو کفوء کے اعتبار سے اس جاہل صدیقی سے بڑھا ہوا سمجھا جائیگا۔ صاحب درمختار اسکی وجہ بیان کرتے ہیں:

"یہ کہنا کس طرح صحیح ہوسکتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ اور حسن بصریؒ جیسے ائمہ جو عربی النسل نہیں ہیں وہ کسی جاہل قریشی یا کسی ایسے عربی بدو کی لڑکی کے کفوء نہیں ہوسکتے جس کو پیشاب کرنے کی بھی تمیز نہیں ہے۔"

پھر کہتا ہے کہ اسی رائے کو ابن ہمامؒ صاحب فتح القدیر اور صاحب النہر وغیرہ نے بھی اختیار کیا اور پسند کیا ہے۔

صاحب فتح القدیر امام ابویوسفؒ اور امام ابوحنیفہؒ کی رائے نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"اگر کسی صالح آدمی کی لڑکی کا نکاح کسی فاسق وفاجر سے کر دیا جائے تو ولی کو اسکو فسخ کرنے کا اختیار ہوگا۔"

ان فقہی تصریحات سے اندازہ ہو گیا کہ جن ائمہ اور فقہاء نے نسب، مال اور پیشے کا اعتبار کیا ان کے نزدیک بھی انکی حیثیت مستقل نہیں بلکہ اضافی ہے۔ ہندوستان اور پاکستان وغیرہ میں کام اور پیشہ کی وجہ سے برادریوں اور خاندانوں کی مستقل طور پر جو تقسیم ہو گئی ہے اور یہ تقسیم مستقل اور دائمی طور پر عزت وشرف کا سبب بن گئی ہے۔ وہ اسلامی نقطۂ نظر سے صحیح نہیں ہے اور اسکی اصلاح اور تبدیلی کی ضرورت ہے۔ مگر یہ کام حکمت سے اور تدریجی طور پر ہی ہوسکے گا۔ دین کے ساتھ خاندانی مزاج اور طریق معاشرت وغیرہ کو یک لخت نظر انداز کر دینے میں دوسرے مفاسد پیدا ہونے کا خطرہ بھی ہے اور اس سے اچھے اور پاکیزہ معاشرہ کی بنیاد پڑ جانے کے بجائے اس میں کمزوری اور ناخوشگواری آنے کا اندیشہ ہے اس لئے اس بگڑی ہوئی صورت حال کی اصلاح کرنے کے لئے جو سعی وکوشش ہوگی اس میں حکمت اور تدریج کا قدم قدم پر لحاظ رکھنا ہوگا۔ جس طرح آجکل عرب ملک میں اور ملیشیا وغیرہ میں نسب، خاندان اور برادری کی اس تقسیم کا کوئی وجود نہیں ہے۔ پاک وہند میں ہندوؤں کے اثر سے ہمارے اندر یہ چیزیں پیدا ہوئیں جسے زمینداری اور جاگیرداری کے تفاخر نے مزید ہوا دی۔

امام مالکؒ کا نقطۂ نظر امام مالکؒ کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اسلام میں اگر کسی انسان کو عزت وشرف کا حق حاصل ہے تو وہ دین وتقویٰ کے لحاظ سے محض نسب، مال یا حسن وجمال اور پیشے کی وجہ سے کسی کو صاحب عزت وشرف قرار نہیں دیا گیا ہے۔ قرآن میں ہے "اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تم کو مختلف قوموں اور خاندانوں میں بانٹ دیا تاکہ تم اس امتیاز کی وجہ سے ایک دوسرے کو پہچان سکو، اللہ کے یہاں تم میں سے وہی زیادہ معزز ومکرم ہے جو زیادہ متقی اور پرہیزگار ہے۔" (سورۂ حجرات) یعنی جغرافیائی تقسیم یا اختلاف زبان کی وجہ سے یا تمدن کی یک

بنیادی ضرورت تقسیم کی اور پیشہ کی وجہ سے جو لوگ مختلف گروہوں اور قبیلوں میں بٹ گئے ہیں وہ تقسیم محض ایک تعارف کے لئے ہے تاکہ ایک دوسرے کو پہچانا اور ان کی خصوصیات کو معلوم کیا جا سکے۔ اس تعارف کی وجہ سے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ کون قریب کون بعید ہو سکتا ہے اور اسی علم کی بناء پر اعزہ و اقارب کے حقوق کی ادائیگی کی ذمہ داری ڈالی گئی ہے ورنہ یہ تقسیم شرف و عزت کا ذریعہ نہیں ہے نہ مغربی کو مغربی ہونے کی وجہ سے اور نہ مشرقی کو مشرقی ہونے کی وجہ سے فوقیت حاصل ہے نہ عربی کو عربی ہونے کے وجہ سے مستقلاً عجمی پر فوقیت ہے نہ ایشیائی کو یورپین پر نہ یورپین کو افریقی پر، نہ گورے کو کالے پر۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے قرآن کی آیت ان خفتم ان لا تقسطوا فی الیتامیٰ کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ عام طور پر لوگ ایسی لڑکیوں سے شادی کرنے سے گریز کرتے تھے جو غریب اور کم رتبہ ہوں۔ ان کی بجائے مال و جمال والی یتیم لڑکی کو اس لئے پسند کرتے تھے کہ مال و جمال دونوں حاصل ہوگا۔ اس طرز عمل پر تنبیہ کی گئی اور اسی لئے قرآن پاک میں بار بار کہا گیا ہے۔ المومنون والمومنات بعضھم اولیاء بعض۔ "مومن اور مومنہ ایک دوسرے کے قریبی ہیں"

خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان آیات کی تشریح ان الفاظ میں فرمائی ہے: الناس سواسیة کاسنان المشط لا فضل لعربی علی عجمی وانما الفضل بالتقویٰ "تمام لوگ انسان ہونے کی حیثیت سے برابر ہیں جس طرح کنگھی کے دندانے برابر ہوتے ہیں، کسی عربی کو عجمی پر فوقیت نہیں ہے شرف و فضیلت صرف تقویٰ کی وجہ سے ہے"

آپؐ نے نسب کی حیثیت واضح کرتے ہوئے فرمایا کہ: "یہ تمہارے انساب کسی کے لئے عار یا عیب نہیں، بلکہ تم میں سے ہر شخص آدمؑ کی اولاد ہے جس میں تھوڑا بہت فرق ہوتا ہے مگر اس کے باوجود سب برابر ہیں"

یہی بات آپ نے اور زیادہ واضح الفاظ میں اپنے آخری حج یعنی حجۃ الوداع کے موقع پر لاکھوں عربوں اور عجمیوں کے مجمع میں فرمائی تھی۔

"اے لوگو! خبردار، تمہارا رب ایک ہے اور تم سب کا باپ بھی ایک ہے۔ یاد رکھنا کہ نہ کسی عربی کو عجمی پر اور نہ عجمی کو عربی پر فوقیت حاصل ہے، اور نہ گورے کو کالے پر اور نہ کالے کو گورے پر۔ مگر تقویٰ کی وجہ سے تمام انسان آدمؑ کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے پیدا کئے گئے تھے"

یہ خطاب فرما کر آپ نے صحابہؓ سے پوچھا ھَلْ بَلَّغْتُ کیا میں نے تم تک خدا کا پورا پیغام پہنچا دیا؟ صحابہ کرامؓ کے مجمع نے یک زبان ہو کر جواب دیا۔ "بیشک آپ نے ہم تک پیغام خداوندی پہنچا دیا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ جو لوگ یہاں پر موجود ہیں وہ یہ باتیں دوسروں تک پہنچائیں جو یہاں موجود نہیں ہیں" غور فرمائیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنی اہمیت کیساتھ یہ بات فرمائی۔

گزشتہ شمارہ میں "انتخاب لاجواب" کے عنوان سے نعت کے دوسرے شعر میں سہو قلم سے غلطی ہو گئی قارئین درست فرمالیں شعر کا دوسرا مصرعہ یوں ہے: "خاتم انبیاء کی شان، وہم وگمان سے ہے بلند"

قابلِ قدر خدمات انجام دے رہے ہیں

مدینہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر شیخ عبداللہ بن الزاید کا انٹرویو

مدینہ یونیورسٹی (جامعۃ الاسلامیۃ المدینۃ المنورہ) کے وائس چانسلر شیخ ڈاکٹر عبداللہ الزائد ۱۱ر نومبر کو پاکستان کے مدارس اور جامعات کا معائنہ کرنے کے لئے صدرِ پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق صاحب کی دعوت پر بحیثیت نمائندہ وزیر اعظم سعودیہ عربیہ ولی عہد جلالۃ الملک شہزادہ فہد پاکستان تشریف لائے۔ انہوں نے ۹ر دسمبر تک ملک بھر کے مدارس العربیہ اسلامیہ کا معائنہ کیا۔ ان کے دورہ کے اختتام پر اس دورہ کے متعلق دیگر مسائل پر گفتگو ہوئی، جو کہ افادہ عام وخاص کے لئے پیش کی جا رہی ہے۔

سوال ! آپ نے یہ دورہ نجی حیثیت سے کیا یا پاکستانی حکومت نے اس دورہ کی آپ کو دعوت دی ؟

جواب ! صدرِ پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق صاحب نے سعودی عرب کے وزیر اور ولی عہد شہزادہ فہد سے یہ خواہش ظاہر کی کہ پاکستان میں ہم نظام اسلام کی طرف جو پیش رفت کر رہے ہیں اس میں ہمیں ایسے افراد کی ضرورت ہے جو کہ نظام اسلام کو سمجھتے ہوں اور اس کی جزئیات سے واقفیت رکھتے ہوں اور ایسے افراد کی تیاری کے لئے سعودی عرب کا تعاون بہت ضروری ہے۔ کیونکہ سعودی عرب میں ایک عرصہ سے جو نظام نافذ ہے وہ سب سے زیادہ اسلامی نظام کہلانے کا مستحق ہے اور خصوصاً نظام قضاء تو بالکل اسلامی ہے اس لئے آپ یا آپ کا کوئی نمائندہ پاکستان کا دورہ کرے تاکہ اس سلسلہ میں تعاون کی فضا تیار ہو سکے۔ اس خواہش کے جواب میں شہزادہ فہد جو کہ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے چانسلر ہیں ان کے نمائندہ کی حیثیت سے پاکستان آیا ہوں !

سوال ! آپ نے پاکستان کے کن کن شہروں کا دورہ کیا ؟

جواب! میں نے کراچی، فیصل آباد، ساہیوال، لاہور، اوکاڑہ، چنیوٹ، ربوہ، ملتان، راولپنڈی، گوجرانوالہ، اسلام آباد، پشاور، اکوڑہ خٹک، ایبٹ آباد، مظفرگڑھ، سیالکوٹ اور آزاد کشمیر وغیرہ کے مدارس و جامعات کا دورہ کیا۔

سوال! آپ نے کسی خاص مکتبہ فکر کے مدارس کا دورہ کیا یا تمام مدارس کا معائنہ کیا؟

جواب! میرے دورہ کا مقصد کسی خاص مکتبہ فکر کے مدارس کا معائنہ نہیں تھا بلکہ پاکستان میں دینی علوم کی ترویج و تعلیم کے طریقہ کار کو دیکھنا تھا اور یہ اسی وقت ممکن تھا جبکہ ہر مکتبہ فکر کے مدارس کا معائنہ کیا جاتا۔ اس سلسلے میں نے دیوبندی، اہلحدیث اور بریلوی تینوں مکاتیب فکر کے مدارس کا معائنہ کیا اور ان کا تفصیلی مطالعہ کیا۔

سوال! اس دورہ کے دوران آپ کن مدارس سے متاثر ہوئے!

جواب! ویسے تو یہ تمام مدارس اپنے لحاظ سے اور استطاعت کے مطابق بہت زیادہ کام انجام دے رہے ہیں اور تقسیم پاکستان سے قبل اور بعد انہی مدرسوں کا یہ کارنامہ ہے کہ انہوں نے دینی علوم کی حفاظت و اشاعت میں بھرپور کردار ادا کیا اور میں ان تمام مدارس سے بہت متاثر ہوا ہوں۔ لیکن پھر بھی جن مدارس نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا ان میں دیوبندی مکتبہ فکر کے مدارس سرفہرست ہیں۔ کیونکہ دیوبندی مدارس میں میں نے وحدت و یکسانیت دیکھی اور غالباً اسکی وجہ یہ ہے کہ تمام مدارس ایک تنظیم وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے ساتھ ملحق ہیں۔ میں نے ان کے نظام تعلیم اور طریقہ کار میں یگانگت پائی اور اس چیز نے مجھے بہت زیادہ متاثر کیا کہ بغیر کسی دباؤ یا بنیادی لالچ کے یہ مدارس دینیہ ایک طریقہ کار کے مطابق چل رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے پورے پاکستان کے دینی مدارس کی ایک تنظیم بنانے کی ایک تجویز پیش کی (اسکی تفصیل اگلے سوال میں ملاحظہ ہو) لیکن اس کے ساتھ ہی میں ایک وضاحت کرتا ہوں کہ مدارس اور جامعات کے نام کے سلسلے میں احتیاط ملحوظ رکھنا چاہیئے۔ جو مدارس ابتدائی درجات تک محدود ہیں انکو جامعات کہنا درست نہیں کیونکہ جامعہ ایک ایسے تعلیمی ادارے کا نام ہے جو ایک خاص شرائط رکھتا ہو۔ اس لئے جو مدارس اعلیٰ پایہ کے ہیں ان کے نام کے ساتھ جامعہ کہنا درست ہوگا۔ اور اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ نام کے مطابق اور کام کی حیثیت سے اس تعلیمی ادارہ سے برتاؤ کیا جا سکے گا۔

سوال! کیا آپ مدارس العربیہ کے نصاب تعلیم سے مطمئن ہیں؟

جواب! جہاں تک نصاب کا تعلق ہے اس میں ہمیشہ سے تبدیلیاں آتی رہتی ہیں اور کسی بھی زمانہ میں کوئی نصاب ایسا نہیں رہا جس میں تبدیلی ممکن نہ ہو۔ پاکستان کے علماء کرام نے جو نصاب تیار کیا ہے وہ پاکستان کے ماحول سے یقیناً مناسبت رکھتا ہوگا اور یہاں کے لحاظ سے یقیناً اچھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے اثرات ہمیں اچھے محسوس ہوئے۔ لیکن میری رائے میں اس میں تبدیلی کی ضرورت اب محسوس کی جا رہی ہے لیکن تبدیلی ایسی نہیں جو کہ اس کی ہیئت کو تبدیل کر دے بلکہ علوم عصریہ کی جو ابتدائی معلومات ہیں ان کا اضافہ کر دینا چاہیئے۔ تاکہ جب ایک طالب علم مدرسہ سے علم دین کی سند لیکر فارغ ہو تو ضرورت کے مطابق ساتھ ساتھ علوم عصریہ سے بھی کچھ واقفیت رکھتا ہو اور ان علوم سے بالکل بے بہرہ نہ ہو۔ اسی طرح فنی علوم آجکل

کی دنیا میں بہت اہمیت اختیار کر گئے ہیں۔ اگر علماء کرام دینی علوم کیساتھ ساتھ ان علوم کو بھی حاصل کریں تو تعلیم سے فراغت کے بعد وہ نہ صرف ایک عالم دین بن جائیں گے بلکہ ان کے پاس کوئی نہ کوئی ہنر بھی ہوگا اور اسطرح وہ تعلیم سے فراغت کے بعد رزقِ حلال حاصل کرنے کی فکر سے بھی آزاد ہو جائیں گے اور ان کی اس فنی تعلیم سے جہاں دنیا کو علوم دین کا فائدہ ہو رہا ہوگا وہاں ملک کی تعمیر و ترقی میں بھی ان کا مکمل ہاتھ ہوگا۔

سوال: آپ کی رائے میں ان مدارس میں کن اصلاحات کی ضرورت ہے؟

جواب: ان مدارس میں سب سے اہم چیز آپ کا اتحاد ہے۔ اسوقت تک جو میں نے مدارس وجامعات دیکھے ان میں سوائے وہ مدارس جو "وفاق المدارس العربیہ پاکستان" سے منسلک ہیں تمام مدارس آزاد اور تنہا کام کر رہے ہیں۔ ان میں کوئی تنظیم وربط نہیں۔ بلکہ ہر مدرسہ خود ہی ایک تنظیم کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا اتحاد نہ ہونے کی وجہ سے ان کا اثر اتنا زیادہ وسیع نہیں اور نہ ہی ان کے قیام میں ترتیب ہے اور اسی لئے میں نے مختلف جگہوں پر یہ تجویز پیش کی کہ جسطرح "وفاق المدارس العربیہ پاکستان" قائم ہے اور اس کے ساتھ دیوبندی مکتبۂ فکر کے بہت سارے مدارس ملحق ہیں۔ اسی طرح یا تو اسی وفاق کو وسیع کر دیا جائے اور اس وفاق میں پاکستان میں دوسرے مکاتیب فکر کے مدارس بھی شامل ہو جائیں اور پھر ایک وسیع تنظیم بنا کر اس کا نام "وفاق المدارس العربیہ الاسلامیہ پاکستان" رکھ دیا جائے یا اسی طرح کی کوئی اور تنظیم بنا کر تمام اہل حق مکتبۂ فکر کے مکاتب اس میں شامل ہوں۔ کیونکہ دیکھا یہ گیا ہے کہ ان مدارس میں اتحاد اور یگانگت نہ ہونے کی بناء پر عوام میں اتحاد اور یگانگت کی کمی محسوس کی گئی ہے۔

سوال: اسقدر اختلافات کے باوجود ان مدارس کا اتحاد کس طرح ممکن ہے؟

جواب: میرے نزدیک یہ اختلاف اتنا شدید اختلاف نہیں جو ان کو یکجا نہ کر سکے۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ سوائے چند فروعی مسائل کے ان کے درمیان کوئی اور اختلاف نہیں۔ عقائد تقریباً یکساں ہیں۔ وحدانیت خدا پر اتفاق، رسالت اور ختم نبوت پر اتفاق، قرآن اور احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اتفاق اگر اختلاف ہے تو صرف فقہی مسائل پر اور یہ فقہی مسائل ایسے نہیں جنہیں نظر انداز نہ کیا جا سکتا ہو۔ اس لئے سردست ان امور میں یکسانیت پیدا کی جائے جو کہ اختلافی نہیں، پھر آہستہ آہستہ اس اتحاد کو وسیع کر کے ایک ایسا لائحہ عمل تیار کر لیا جائے جو کہ اس اختلاف کی خلیج کو ختم کر دے۔

سوال: آپ نے پاکستان کا دورہ کیا۔ آپ کی رائے میں پاکستان کے ان مدارس کے طلبہ "آپ کی مدینہ یونیورسٹی جامعۃ اسلامیہ" میں داخلہ لے سکتے ہیں؟ اور ان کے درمیان اسناد کی برابری ہو سکتی ہے؟

جواب: پاکستانی عوام کے اسلامی جذبات کی ہر شخص تعریف کرتا ہے اور اس کی وجہ ان کی اسلام کے لئے قربانیاں ہیں پاکستان

تمام مکاتیب فکر کے
مدارس
کو ایک تنظیم میں منسلک کر دیا جائے

کو یہ فخر حاصل ہے کہ یہ اسلام کے نام پر معرضِ وجود میں آیا اور مسلسل کئی سالوں تک پاکستانی عوام پاکستان بننے کے بعد اسلامی نظام کے لئے جدوجہد کرتے رہے۔ چونکہ میرا براہِ راست تو زیادہ تعلق عوام سے نہیں رہا کیونکہ میرے دورے کا مقصد مدارس اور جامعات دینیہ کا دورہ کرنا تھا مگر ان جامعات کے ملاحظہ و معائنہ کرنے سے یہاں کے عوام کی ذہنیت کا خود بخود اندازہ ہوگیا کیونکہ یہ مدارس اور جامعات ہی لوگوں کو فکری اثاثہ مہیا کرتے ہیں اور ان کا صحیح راستہ پر متعین ہونا عوام کا صحیح راستہ پر متعین ہونا ہے اور چونکہ میرا تاثر ان مدارس کے بارے میں بہت اچھا رہا ہے تو اس کی بناء پر یہاں کے عوام کے بارے میں بھی میرے تاثرات بہت ہی اچھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے ان جذبات میں زیادہ ترقی عطا فرمائے۔

سوال: پاکستان میں اسوقت اسلامی نظام کی طرف پیش رفت ہو رہی ہے آپ کی رائے میں اسوقت کن امور کے نفاذ کی فوری ضرورت ہے؟

جواب: اس بات کا تعین کرنا کہ کن امور کی فوری ضرورت ہے اور کن میں تاخیر ہو سکتی ہے یہ تو پاکستان کے علماء اور مفکرین کا کام ہے کیونکہ وہ یہاں کی صورتحال کو زیادہ محسوس کر سکتے ہیں اور یہاں کی ضروریات سے زیادہ واقف ہیں۔ لیکن میرے خیال میں اسوقت تک جو اقدامات ہوئے ہیں اور جس طرح پیش رفت کی جا رہی ہے۔ اگر اخلاص کے ساتھ اسی انداز میں کام ہوتا رہے تو اُمید ہے کہ پاکستانی عوام بہت جلد اس خواب کی تعبیر پالیں گے جو قیام پاکستان کے بعد سے دیکھ رہے ہیں۔ مثال کے طور پر عدالتی اُمور میں شعبہ قضا کا قیام اسوقت تک اس میں بہت کم کام ہوا ہے مگر جتنے قاضی تیار ہوتے ہیں اور انہیں محکموں میں رکھا جاتا ہے تو جلد ہی یہ محکمہ اسلامی اصولوں کے مطابق ڈھل جائے گا۔ شراب کی حرمت، سود کا خاتمہ یہ تو ہو چکے ہیں مگر رقص اور ناچ گانے پر پابندی ایسی چیز ہے جس کا فوری نفاذ ضروری ہے۔ کم از کم ٹیلی ویژن پر عورتوں کے رقص وغیرہ پر جلد پابندی لگا دی جائے اور اسی طرح دیگر نشریاتی ادارے بھی فحاشی سے پاک ہو جانے چاہئیں۔ اگر ان خطوط پر اسی طرح کام ہوتا ہے تو جلد ہی اسلامی نظام کو عملی شکل میں دیکھا جا سکتا ہے۔

سوال: موجودہ دور میں فحاشی اور عریانی عام ہے اور منکرات کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ اس صورتِ حال میں جدید نسل کو اسلامی تعلیمات کی طرف کس طرح راغب کیا جا سکتا ہے؟

جواب: اس سلسلہ میں تین طریقے ہیں۔ حکومتی سطح پر، تعلیمی سطح پر، علماء کرام اور مفکرین کی سطح پر۔ چونکہ حکومت کے پاس ہر چیز کی مدافعت کے لئے ایک قوت ہوتی ہے اور ہر چیز کی قوت کا قوت سے دفاع ممکن نہیں بلکہ قوت کا استعمال ایک انتہائی پہلو ہے اس لئے حکومت کی سطح پر ضرورت اس بات کی ہے کہ وہ اپنے تمام ذرائع لوگوں کی ذہن سازی پر استعمال کرے ان کو برائیوں سے نفرت اور اچھائیوں کی طرف راغب کرے۔ اسی طرح اچھے کاموں کی طرف راغب کرنے کے لئے تمام نشریاتی اداروں کو استعمال میں لانا چاہئے۔ دوسرا طریقہ تعلیمی سطح پر۔ نصاب تعلیم میں ایسا مواد شامل کیا جائے جو جدید نسل کو صحیح راستہ پر لگائے۔ اسی طرح علماء اور مفکرین اس کام کو اپنا مشن بنالیں کہ انہوں نے نوجوان نسل کی اصلاح اسلامی خطوط پر کرنی ہے۔

مرتبہ
پروین روزینہ
ریسرچ فیلو قومی ادارہ برائے
تحقیق تاریخ و ثقافت

تبصرہ

دستاویزات مرکزی اجلاس ہائے عام ۱۹۱۹ء، ۱۹۴۵ء

تاریخ جمعیۃ علمائے ہند

جلد اوّل

ناشر: قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت پوسٹ بکس نمبر ۱۲۳۰ اسلام آباد۔ قیمت ۹۵ روپے

برصغیر کی تاریخ میں علماء کا کردار اتنا واضح ہے کہ اس کا انکار چڑھتے سورج کا انکار ہے۔ علماء کی خدمات کے مختلف دائرے ہیں جن میں سے ایک دائرہ ان خدمات کا ہے جو ملک میں اسلامی تشخص قائم رکھنے اور انگریزی استبداد سے ملک کی آزادی کی جدوجہد سے متعلق ہے۔ پھر یہ دائرہ اتنا وسیع ہے کہ اس پر کام کرنا ایک ادارے یا اکادمی کا کام ہے فرد واحد اس کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ اس دائرہ کو اگر تقسیم کیا جائے تو ایک باب ان خدمات پر مشتمل ہوگا جو جمعیۃ علماء ہند کے عنوان سے سامنے آئے گا۔

جمعیۃ علماء ہند ۱۹۱۹ء میں قائم ہوئی اور برصغیر کے تمام ذمہ دار علماء اس میں شامل تھے اور عجیب بات یہ تھی کہ اس میں کسی قسم کی مسلکی تفریق کا کوئی لحاظ نہ تھا۔ دیوبند سے بریلی اور بدایوں نیز امرتسر تک تمام مسالک کے علماء اس پلیٹ فارم پر موجود تھے اور یہ ادارہ اسی شان سے ایک عرصہ تک مصروفِ عمل رہا۔ ابتداء ہی میں اس کی صدارت کا سہرا دیوبند کے ایک فرزند مولانا مفتی محمد کفایت اللہ شاہجہانپوری ثم دہلوی قدس سرہٗ کے سر باندھا گیا تو ناظم عمومی اسی دبستان کے ایک فرزند مولانا احمد سعید دہلوی مرحوم تھے۔ حضرت مفتی صاحبؒ کے بعد حضرت شیخ العرب والعجم مولانا السید حسین احمد مدنی علیہ الرحمہ صدر قرار پائے۔

جمعیۃ علماء کی اس جرأت و عظمت کا کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ اس نے ایسے وقت میں آزادیٔ کامل کا نعرہ بلند کیا جب کانگریس جیسی جماعت ہنوز اس رُخ پر جانے کا سوچ رہی تھی اور مسلم لیگ تو ابھی کسی شمار و قطار میں نہ تھی جمعیۃ نے ۱۹۱۹ء سے ہی ہر سال ملک کے مختلف حصوں میں شاندار اجتماعات کا اہتمام کیا جس میں امرتسر، دہلی، لاہور، کلکتہ جیسے اہم شہر شامل تھے اور ہر سال ملک کی کوئی نامور شخصیت اجلاس کی صدر ہوتی تھی۔ جن شخصیات نے مختلف وقتوں میں ان اہم اجلاسوں کی صدارت کی اُن میں شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ، مولانا عبدالباریؒ فرنگی محلی، مولانا ابوالکلام آزادؒ، مولانا

ابوالمحاسن سجاد بہاریؒ، علامہ معین الدین اجمیریؒ، مولانا عبدالحق مدنیؒ، مولانا حبیب الرحمان عثمانیؒ، علامہ سید سلیمان ندویؒ اور شیخ العرب والعجم مولانا مدنی علیہ الرحمہ شامل تھے۔ یہ خطبات صدارت اور ان اجلاسوں میں منظور ہونیوالی تجاویز نے ملک کی تاریخ بنانے میں اہم رول ادا کیا۔ جمعیۃ کے اکابر و کارکن محض جلسے جلوسوں تک محدود نہ تھے بلکہ انھوں نے ہر نازک موڑ پر قوم کی صحیح اور بھرپور رہنمائی کی۔ اسمبلی کے اندر اور باہر کسی موقع پر یہ حضرات نہ چوکے ــــ اور ان کی کارکردگی کا اندازہ ان تفصیلات سے ہو سکتا ہے جو اسمبلی میں پیش ہونے والے مختلف بلوں اور دستوری ترامیم کے سلسلے میں مرتب ہونیوالی رپورٹوں پر مشتمل ہے۔

اسے اتفاق کہئے کہ جمعیۃ علماءِ ہند تقسیم ملک کے مسئلہ پر مسلم لیگ کی پالیسی سے متفق نہ ہو سکی اور اس نے آزادی کے بعد ملک میں مختلف اقوام کے حقوق کے تحفظ کے سلسلہ پر ایک ایسا فارمولا پیش کیا جس کی اصابت کو چیلنج کرنا آسان نہ تھا

بہرحال جو ہوا سو ہوا لیکن یہ تو ضروری تھا کہ ماضی کی تاریخ کے حوالے سے ان خطباتِ صدارت، تجاویز اور دستاویزات کو محفوظ کر دیا جائے جن کے نتائج میں جمعیۃ علماءِ ہند کے کردار کو جانا اور پرکھا جا سکتا ہے۔ یہ کام کون کرتا؟ وہ مظلوم طبقہ جو اس قافلہ کا راہی تھا۔ اسکو یہاں کے تھڑدلوں کی ناوک افگنی کا شکار ہونا پڑا۔ حتّٰی کہ وہ حضرات جو کام نہ کر سکے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کسی کے خلوص کو رائیگاں نہیں جانے دیتا اس لئے ان بلند شان محبت کی تاریخ کے تحفظ کے لئے ایک سرکاری ادارہ سے کام لیا۔ قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت نے سبھی جماعتوں کے سلسلہ میں اس نوع کا کام شروع کرا رکھا ہے لیکن جس ادارہ کی تاریخی دستاویزات سب سے پہلے مارکیٹ میں آئیں وہ جمعیۃ علماءِ ہند ہے۔ اور یہ بات اکابر و کارکنان جمعیۃ کی خدمات کی عنداللہ مقبولیت کا نتیجہ ہے۔ اس ادارہ کی ایک ریسرچ اسکالر نے پیش لفظ، مقدمہ، آٹھ ابواب ضمیمہ جات پر مشتمل اس کتاب کی پہلی جلد تیار کر دی ہے۔ پیش لفظ میں تو موصوفہ نے اپنی کاوشوں کا ذکر کیا ہے جن کی بنیاد پر انہوں نے یہ جرأت کی۔ مقدمہ میں جمعیۃ علماء کا تعارف کرایا گیا ہے اور آٹھ ابواب میں اجلاس دہلی ۱۹۲۰ء، اجلاس لاہور ۱۹۲۱ء، اجلاس گیا ۱۹۲۲ء، اجلاس کوکناڈا ۱۹۲۳ء، اجلاس مرادآباد ۱۹۲۵ء، اجلاس کلکتہ ۱۹۲۶ء اور اجلاس پشاور ۱۹۲۷ء کے خطبات استقبالیہ، خطباتِ صدارت اور تجاویز پر مشتمل ہیں۔ ضمیمہ جات میں حوادثِ مالابار ۱۹۲۲ء کی تحقیقاتی رپورٹ مسودہ فرائض و اختیارات، امیر الشریعت ترکِ موالات کے سلسلہ میں پروگرام۔ نہرو رپورٹ پر تنقید ۱۹۳۱ء کا فارمولا اور ۱۹۳۹ء کا فارمولا شامل ہے۔ دوسری جلد پر انشاء اللہ بعد کی دستاویزات آئیں گی۔ یہ جلد آپ کے سامنے ہے اور ہمارے خیال میں مرتبہ نے بڑی ہمت، لگن اور محنت سے یہ کام کیا ہے اور وہ بلاشبہ مستحق تبریک ہیں۔ اس کتاب سے جمعیۃ علماء ہند کی کارکردگی، اسکی خدمات اور اسکی تجاویز و سیاسی روح کو سمجھنا بہت آسان ہو جائیگا اور ایک خاص طبقہ نے جو زہر چکانی کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے اس کا مناسب طریق سے سدباب ہو سکیگا۔ ہم ایک بار پھر مس پروین روزینہ اور ادارہ کے ارباب حل و عقد کی خدمت میں ہدیۂ تبریک پیش کرتے ہیں اور دعا گو ہیں کہ ان کی محنت بار آور ہو اور سلسلہ میں وہ مزید پیش رفت کر سکیں کہ یہ قوم پر بڑا احسان ہے۔

باقی صفحہ ۲۳ پر

وفاق المدارس کی سند جامعۂ اسلامیہ مدینہ منورہ کی سند کے مساوی قرار پا جائے گی

ملتان۔ ۲۵ جنوری۔ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے فوقانی مدارس کا ایک اجتماع ۲۵ جنوری کو مدرسہ خیر المدارس ملتان میں زیر صدارت مولانا محمد ادریس میرٹھی صدر وفاق المدارس منعقد ہوا جس میں پورے ملک سے تقریباً ساٹھ مدارس کے مہتمم حضرات نے شرکت کی۔ خیر المدارس ملتان کے مہتمم مولانا محمد حنیف جالندھری نے سپاسنامہ پیش کیا اور ملک کے کونہ کونہ سے آنیوالے علماء کا شکریہ ادا کیا۔ وفاق المدارس کے ناظم اعلیٰ مولانا سلیم اللہ خاں نے رپورٹ پیش کرتے ہوئے کہا کہ وفاق کی شوریٰ کے اجلاس منعقدہ شعبان ۱۴۰۱ھ کے فیصلہ کے مطابق جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے وائس چانسلر کو دعوت دی گئی اور شیخ عبداللہ الزائد نے وفاق سے منسلک مدارس کا پورے ملک میں دورہ کیا اور مدارس کی کارکردگی کو سراہا، وفاق کی اہمیت پر زور دیا اور وفاق المدارس کی سند کا جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کی سند سے معادلہ کا وعدہ کیا وفاق کے ۱۴۰۲ھ کے امتحانات کے انعقاد پر غور کیا گیا اور طے کیا گیا کہ ۱۴۰۲ھ شعبان کے پہلے ہفتے میں امتحانات کا انعقاد کیا جائے [illegible]امتحانات صفر کے پہلے ہفتے میں منعقد کئے جائیں گے۔ فیصلہ کیا گیا کہ وفاق المدارس کی تقریباً ایک ہزار مدارس کے مہتمم حضرات پر مشتمل مجلس شوریٰ کا اجلاس ۲۸، ۲۹ مارچ ۱۹۸۲ء کو دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پشاور میں منعقد کیا جائیگا مولانا اسعد تھانوی مہتمم مدرسہ اشرفیہ نے مدرسہ تفہیم القرآن نواب شاہ کے بارے میں قرارداد پیش کی کہ پچاس سال سے قائم شدہ دینی مدرسہ تفہیم القرآن کو بلدیہ نواب شاہ اسکی عمارت سے خالی کرنے کے متعلق فیصلہ کو فی الفور واپس لے اور مدرسہ کو حسب سابق خدمت انجام دینے دیا جائے۔ یہ قرارداد متفقہ طور پر منظور کی گئی۔ مولانا محمد جمیل خان نے قرارداد پیش کی کہ جامعہ عثمانیہ شورکوٹ کے واقعہ کی پر زور مذمت کی جاتی ہے مولانا عبدالمجید، مولانا فاضل حبیب اللہ رشیدی، مولانا محمد اجمل، مولانا ظفر احمد قاسم مولانا محمد حنیف جالندھری، قاری عبدالسمیع اور چیئرمین بلدیہ شورکوٹ چوہدری محمد صابر پر مشتمل وفد تشکیل دیا گیا۔ اجلاس نے کوئٹہ کے مدرسے رحیمیہ کے مہتمم مولانا عبدالستار شاہ مدرسہ رشیدیہ کے مہتمم مولانا محمد یعقوب شاہ مدرسہ مفتاح العلوم کے مہتمم مولانا عبدالباقی اور دیگر علماء کی اس ماہ ربیع الاول میں گرفتاری اور ان پر مقدمات کے قیام پر گہری تشویش کا اظہار کیا۔

MONTHLY. ALRASHID. LAHORE

اعلامیہ رشیدیہ

حسب دستور آئندہ سے جملہ مراسلات مدرسہ

رقومات، منی آرڈر، چیک، ڈرافٹ وغیرہ

بنام: مطیع اللہ رشیدی ناظم ادارہ جامعہ رشیدیہ رجسٹرڈ ساہیوال

کے نام آنے چاہئیں۔ پورا پتہ اور مصرف کی تصریح ضروری ہے ——— !

ادارہ جامعہ رشیدیہ رجسٹرڈ ساہیوال کا حساب کتاب

حبیب بینک غلہ منڈی ساہیوال چالو ہے۔

اکاؤنٹ نمبر ۳۹۴/

مطیع اللہ رشیدی ناظم جامعہ رشیدیہ ساہیوال

معارشیدیہ ساہیوال کا دینی تبلیغی مجلہ
ماھنامہ
الرشید
لاہور

بادارت
فاضل حبیب اللہ رشیدی فاضل دیوبند
مدیر الرشید و ناظم اعلیٰ جامعہ رشیدیہ جیسٹرڈ ساہیوال پاکستان

ان اسلا

ماہنامہ ا شید لاہور ○ ترجمان جامعہ رشیدیہ ساہیوال

سے لے کر عہد بہ عہد اکابر رجال اور دینی شخصیتوں کا ایمان افروز تذکرہ

اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام اہلِ بیتِ عظام تابعین تبع تابعین ائمہ

محدثین ائمہ صوفیہ اولیاء و مشائخ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین خصوصاً برصغیر کے

صوفیاء علماء، زعماء کی خدمات کا حسین مرقع عصرِ حاضر سے سید الاولین و الآخرین

النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک سلاسل اربعہ تصوف و فقہ اور سندِ حدیث کا اتصال

صفحات سے زائد ۲۰×۳۰/۸ سائز پر یہ عظیم الشان نمبر عنقریب منظرِ عام پر آرہا ہے

دفتر ماہنامہ "الرشید" ۳۲-اے شاہ عالم مارکیٹ لاہور
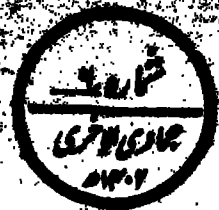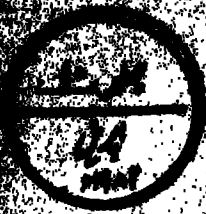
عبدالرشید ارشد

قیام نماز کے متعلق ترجیحات

صدرِ مملکت کی توجہ کیلئے

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن پاک میں مختلف جگہ مختلف انداز میں اس مضمون کو بیان فرمایا ہے کہ اگر لوگ اللہ تعالیٰ
کے نازل کردہ احکام کی اتباع کریں گے تو ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی چیز ملے گی کہ جس کے سامنے محاورہ کی
زبان "آسمان سے من برسنا" بھی ماند پڑ جاتی ہے ۔ مثلاً ایک جگہ فرمایا :
ولو انھم اقاموا التوراۃ والانجیل وما انزل الیھم من ربھم لاکلوا من فوقھم ومن تحت
ارجلھم ۔ ترجمہ : اور اگر وہ قائم رکھتے توریت اور انجیل کو اور اسکو جو کہ نازل ہوا ان پر ان کے رب
کی طرف سے تو کھاتے اپنے اوپر سے اور اپنے پاؤں کے نیچے سے"
اب دیکھئے کہ یہاں "من فوقھم" سے مراد آسمان ہے اور "من ارجلھم" سے مراد ہے کہ زمین اپنے خزانے اگل
دے سکتی ہے لیکن یہ تب ہے جب لوگ "انزل اللہ" پر زبانی کلامی ایمان ہی نہ لائیں بلکہ اقرار باللسان وتصدیق بالقلب
کے ساتھ اعمال بالجوارح کا بھی ثبوت دیں ۔ پاکستان کی نظریاتی سرحدیں اور نظریاتی اساس کا وعظ سنتے سنتے مسلمانانِ
پاکستان کے کان تھک ہی نہیں پک بھی چکے ہیں اور یہ وعظ سب سے زیادہ اخبارات وجرائد کرتے ہیں
جن میں ہم بھی شامل ہیں ۔ مولوی وعظ میں تو یونہی بدنام ہے جو وعظ اخبارات کے ذریعے مضمون نگار اور اداریہ
نویس حضرات کرتے ہیں اس کے سامنے تو مولوی گونگا نظر آتا ہے لیکن دوسری طرف انہی اخبارات کے دفاتر میں
اگر جا کر دیکھا جائے کہ ان کے عملہ میں کتنے فیصد حضرات نماز کا اہتمام کرتے ہیں تو دیکھنے والوں کو زبردست مایوسی
ہوگی ۔ (جو حضرات وقت نکال کر نماز پڑھ لیتے ہیں ان سے ہم معذرت خواہ ہیں) حالانکہ نظریاتی اخبارات کو اپنے
عملہ کی ملازمت کی شرائط میں ایک ایسی شرط کا اضافہ کرنا چاہیئے کہ ہمارے دفتر کا ہر ملازم نماز باوقت باجماعت پڑھنے
کا پابند ہوگا ۔ اخبارات کے علاوہ دوسرے اداروں کو بھی اس کا اہتمام کرنا چاہیئے ۔ دوسرے شہروں کا ہمیں علم
نہیں ۔ لاہور جہاں قرارداد پاکستان پاس ہوئی تھی اس ہزاروں فرموں فیکٹریوں دکانوں کے شہر میں ہمارے علم میں
صرف ایک یا دو دکانیں ایسی ہیں کہ جو نماز کے وقت بند ہوتی ہیں ۔ جب حال یہ ہے تو پھر ہم کس منہ سے یہ کہہ
سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں کامیابی عطا فرمائے گا ، اللہ تعالیٰ نے تو کامیابی کی شرط نماز کو قرار دیا ہے ۔

ہم نے پاکستان بنتے ہوئے نعرہ لگایا تھا کہ "پاکستان کا مطلب کیا۔ لا الٰہ الا اللہ" اور اس نعرہ کا جواب جمہور مسلمانوں نے پاکستان کے حق میں ووٹ دیکر دیا اور پاکستان کا مطالبہ منظور ہو گیا۔ اگرچہ پاکستان کا مطالبہ منوانے کے لئے مسلمانوں کو کوئی قربانی نہ دینا پڑی، ووٹ سے فیصلہ ہو گیا لیکن اللہ تعالیٰ نے اتنے بڑے انعام کو عطا کرتے وقت قربانی کی اور وہ قربانی شاید تاریخ کی سب سے بڑی قربانی تھی اور مسلمانوں نے یہ قربانی دیتے وقت ذرا حزن و ملال محسوس نہیں کیا بلکہ خندہ پیشانی سے اسکو قبول کیا اور عوام الناس کا خیال تھا کہ پاکستان پاک سرزمین ہوگی اور بقول شخصے ایک آدمی کا خط کیساتھ پاکستان آنا ہوا اس سوچ میں محو تھا کہ جب پاکستان "پاک سرزمین" ہوگی تو ہم کہاں براز کیا کریں گے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ لوگوں کے پاکستان کے متعلق کیا جذبات و احساسات تھے۔ انہوں نے اپنے گھروں کو چھوڑا مال و اسباب کو چھوڑا۔ سینکڑوں برس جس سرزمین پر وہ اور ان کے آباؤ اجداد سجدہ ریز ہوتے چلے آرہے تھے اور ہزارہا مساجد بنائی تھیں ان کی قربانی دی اور واہگہ پہنچنے پر اللہ اکبر کا نعرہ لگاتے ہوئے ایک انتہائی روحانی خوشی سے انہوں نے اس طرح پاکستان میں قدم رکھا گویا مسجد میں داخل ہو رہے ہیں۔ انہیں خالی ہاتھ ہونے کی کوئی پرواہ نہ تھی۔ لیکن چھ ماہ کا عرصہ گذرا ہوگا کہ زمینوں اور مکانوں کے متعلق ایسا چکر چلا کہ ہر آدمی بھول بیٹھا کہ ہم نے پاکستان کیوں بنایا تھا۔ اگر یہ اندازہ لگایا جائے کہ غیر مسلم اس طرف کتنی زمین چھوڑ کر گئے ہیں اور ہم اس طرف کتنی چھوڑ کر آئے تھے تو میرا خیال ہے کم از کم ۱/۲ کا فرق ہوگا۔ کہ ہماری زمین اس طرف کم تھی اور غیر مسلموں کی اس طرف زیادہ (اگر ہم یہ بات غلط کہہ رہے ہوں تو ہمیں اس پر متنبہ فرما دیا جائے ہم معذرت کیساتھ الفاظ واپس لے لیں گے) لیکن ہوا یہ کہ لوگوں نے جعلی فردیں بنا کر حکام کو رشوت دیکر اپنی اراضی سے زیادہ اراضی الاٹ کرالی اور بعض ایسے لوگوں نے دو دو تین تین مربع زمین حاصل کرلی کہ جن کی کوئی زمین نہ تھی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ زمین کے لاکھوں یونٹ فاضل یعنی زائد ہو گئے اور زمین ختم ہو گئی اور وہ لاکھوں یونٹ اب حکومت کے پاس ہیں جن کا معاوضہ غالباً دس روپے فی یونٹ کے حساب سے ملیگا۔

اسی طرح مکانوں کے متعلق کلیم کی درخواستیں لی گئیں۔ لوگوں نے جھوٹے سچے کلیم داخل کرا کر لاکھوں کے کلیم منظور کرا لئے اور اس طرح شہروں کے مکانوں کو حاصل کر لیا۔ حالانکہ یہ بھی حقیقت ہے کہ مسلمانوں کی ہندوستان میں شہروں کی آبادی کم تھی اور ادھر ہندوؤں کی زیادہ تھی۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ مملکت خداداد پاکستان میں کارخانے لگتے گئے۔ تجار، حکام اور دوسرے پیشہ ور حضرات کے بنگلے کنالوں بلکہ ایکڑوں میں بنتے گئے اور حیرانی کی حد تک تعمیرات میں اضافہ ہوا لیکن افسوس کہ انسانوں کے سینوں میں جو دل ہیں وہ بے آباد ہوتے گئے یہاں تک کہ پاکستان دولخت ہو گیا لیکن قدرت کے اس زبردست زناٹے کے تھپڑ پر بھی ہمیں کوئی عبرت حاصل نہ ہوئی اور ہم من حیث القوم دین اور عمل سے دور ہوتے چلے گئے اور تعجب کا مقام یہ ہے کہ ایک خدا ترس عالم دین نے پردے اور عورتوں کے فرائض کے متعلق ایک بات کہدی تو

جس کے خلاف مردوں اور عورتوں نے کراچی میں جلوس نکالا اور آج تک بیان بازی جاری ہے ۔ اور تماشہ یہ کہ بنگلہ دیش (سابق مشرقی پاکستان) میں حالیہ مارشل لاء کے بعد چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کی طرف سے ہدایت جاری ہوئی ہے کہ خواتین مناسب پردے کا اہتمام کریں اور نوجوان اپنے سروں کے بالوں کو ٹھیک کریں ۔ ہمارے ایک پڑوسی اسلامی ملک ایران میں جو زبردست انقلاب آیا ہے (اگرچہ ہمیں اس کے بعض اقدامات سے اختلاف ہے) اس نے وہاں کے معاشرے کو جس ڈگر پر ڈال دیا ہے ہم اس سے کوئی سبق حاصل نہیں کرتے ۔ حالانکہ ایران میں برقعہ پہننا قانونًا جرم تھا لیکن اب اسی ایران میں ایسے سخت اسلامی قوانین نافذ ہو رہے ہیں کہ حیرانی ہوتی ہے کہ ایران ایسے آزاد اور مغرب زدہ ملک میں لوگوں نے کس طرح ان احکامات کی تعمیل کی ہے جبکہ ہمیں ہر طرف یہ نعرہ سنائی دیتا ہے کہ تدریجًا اسلام نافذ کیا جائے گا ۔ اور ارتقائی منازل یکدم طے نہیں کی جا سکتیں ۔ لیکن ۱۹۴۷ء سے لیکر ۱۹۸۲ء تک ۳۵ سال ہو گئے قوم (الا ماشاء اللہ) مادر پدر آزاد ہو گئی لیکن اب بھی محض وعدوں سے بہلایا جا رہا ہے اور عمل کہیں نظر نہیں آرہا ہے ۔ غرض ہم مسلمان ہو کر خدائی وعدوں پر کیوں یقین نہیں کرتے ؟ شروع میں ایک قرآنی آیت نقل کی گئی ہے یہاں ایک دوسری آیت نقل کی جاتی ہے ملاحظہ ہو :

ولو انہم آمنوا واتقوا لفتحنا علیہم برکات من السماء والارض

ترجمہ : " اگر وہ ایمان لائیں اور پرہیزگاری اختیار کریں تو ہم آسمان و زمین کی برکتوں کے دروازے ان پر کھول دیں گے "

ہم اپنے رب کے وعدوں پر عمل کر کے تو دیکھیں جس نے ایک جگہ فرمایا ہے کہ :

لئن شکرتم لازیدنکم ترجمہ

آج کی صحبت میں صدر مملکت کی خدمت میں اسلام کے اولین فریضہ نماز کے متعلق چند گذارشات پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں ـــــ یہ ٹھیک ہے کہ ڈنڈے کے زور سے نماز نہیں پڑھائی جا سکتی لیکن اگر ایک حکم کے ذریعے لوگوں کے سیونگ اکاؤنٹ سے زکوٰۃ کاٹنے کا حکم دیا جا سکتا ہے (کہ جس کی بعض جزئیات کے متعلق علماء کو اختلاف بھی ہوا اور ابتک ہے) تو نماز کے متعلق ایک ایسا ہی ضابطہ کیوں جاری نہیں کیا جا سکتا ۔ ہمارا خیال تھا کہ اگر انتخابات ہو گئے تو اس میں امیدواروں کے متعلق ہمارے نیک نام صدر نمازی ہونا شرط قرار دیں گے اور پھر جب وفاقی مجلس شوریٰ کے متعلق سُنا کہ بن رہی ہے تو پورا یقین تھا کہ یہاں تو ساری مرضی صدر صاحب کی ہے یقینًا ایسے لوگ مجلس میں لئے جائیں گے جو کم از کم نماز کے پابند ضرور ہوں گے لیکن جب ان کا اعلان سُنا تو معلوم ہوا کہ اکثریت ایسی ہے جو نمازی نہیں ہے ہمارا خیال ہے کہ اگر صدر صاحب یہی ایک قدم اٹھا لیتے تو اس سے بہت سی برکات کا نزول ہوتا لیکن افسوس کہ سیاسی خاندان دیکھے گئے مگر ان کا اسلامی عمل نہ دیکھا گیا ۔ قومی تشخص کے لئے قومی لباس پر بڑا زور دیا جا رہا تھا ؟ کیا یہ نماز سے زیادہ ضروری ہے ۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ قوم کی اصلاح کی جائے اور اس کا پہلا زینہ نماز ہے اس کے بعد دوسرے زینے طے کئے جائیں ـــــ تو ہماری گذارشات اس ضمن میں یہ ہیں :-

① تمام ملازمین کے متعلق یہ شرط لگادی جائے کہ اس کا ایک وصف ضروری نماز ہوگا۔ اور اسی کی بناء پر ترقی و تنزل ہوگا۔ اور تمام ملازمین سے نماز سُنی جائے کہ ان کو آتی ہے یا نہیں۔ اور ایسا کرنے سے پہلے پندرہ بیس دن وقفہ دیا جائے۔ اور نئے ملازم کی صفات میں ایک صفت نماز کی پابندی ہو اور اس سے باقاعدہ نماز سنی جائے۔

② گورنمنٹ ٹھیکیداروں کو ٹھیکے دیتی ہے۔ ٹھیکے دینے میں ایک شرط لگادی جائے کہ کسی ایسے شخص کو کسی ایسی چیز کا ٹھیکہ نہیں دیا جائیگا جو خود نمازی نہ ہو اور اس کے متعلقہ عملہ والے کارندے نمازی نہ ہوں۔

③ بسوں پر پابندی لگادی جائے کہ وہ ایک خاص وقت پر جب کہ نماز کا وقت ہو ضرور کسی جگہ وقفہ کریں جہاں لوگ نماز پڑھ سکیں۔ اور ٹرانسپورٹروں پر یہ ذمہ داری لگادی جائے کہ وہ ایسی جگہوں پر صفوں اور وضو کا اہتمام کریں۔

④ ٹرینوں کے متعلق بھی ایسا ہی اہتمام کیا جائے کہ جہاں نماز کا وقت ہو وہاں ٹرین کے ٹھہرنے کا وقفہ زیادہ ہو اور اس جگہ وضو اور صفوں کا اہتمام اور اگر اس کے لئے اس جگہ پر دو تین ملازمین ریلوے میں صرف اسی اہتمام کے لئے بھرتی کئے جائیں کہ وہ اس کا اہتمام کریں۔ اور اگر کوئی ٹرین لیٹ ہوجائے تو جہاں نماز کا مقررہ وقت آجائے وہیں قریب کے کسی اسٹیشن پر اسے ٹھیرایا جائے تاکہ تمام مسلمان مسافر باجماعت نماز ادا کرسکیں۔

⑤ اخبارات جو نظریہ پاکستان کا بہت زیادہ کام کرتے ہیں ان کو اس نظریاتی اساس کو خود ہی عملی شکل دینا چاہیئے کہ ان کا سارا عملہ نماز باجماعت کا اہتمام کریں۔ ایمرجنسی کام کے لئے تھوڑے لوگ دفتر میں باقی رہیں اور جب باقی عملہ نماز پڑھ کر واپس آجائے تو یہ لوگ بھی نماز پڑھ لیں۔ لیکن اگر اخبارات اسکا اہتمام نہ کریں تو حکومت ایسے اخبارات کو سرکاری اشتہارات نہ دے اور دوسرے لوگوں اور فرموں کو بھی ہدایت کرے کہ وہ ایسے اخبارات کو اشتہارات نہ دیں اور ایسی فرموں کی حوصلہ افزائی کی جائے جو حکومت کے کہنے پر اسکا اہتمام کریں۔

⑥ جمعہ کی نماز چونکہ بغیر جماعت کے ہوتی ہی نہیں لہذا پورے ملک میں نماز جمعہ کا ایک وقت مقرر کردیا جائے اور اس وقت پورے ملک میں کاروبار بند ہو اگر کچھ لوگ کاروبار بند نہ کریں تو ان کا چالان کیا جائے۔ بعض لوگ اعتراض برائے اعتراض کی بناء پر یہاں کہیں گے کہ اسکا مطلب یہ ہوا کہ ان اوقات میں ٹرینیں اور ہوائی جہاز بھی رُک جائیں گے تو ایسا نہیں کہ ہوائی جہاز اور ریلوں میں سفر کرنیوالے بیشتر حضرات مسافر ہوتے ہیں اور مسافر پر جمعہ واجب نہیں ہے۔

اور قیام نماز کے لئے سب سے بڑا اصل یہ ہے کہ تمام بڑے حکام کو نماز کا پابند بنایا جائے کہ وہ نماز نہیں پڑھتے یہ چند سرسری ترجیحات ہیں جو نماز کے بارے میں قیام پاکستان پر ہی اختیار کرنا ضروری تھیں لیکن اگر آج تک اسکا اہتمام نہیں ہوا تو پھر اس پر فوری عمل ہونا چاہیئے اور ہمارا خیال ہے کہ نماز کے بارے میں ان ترجیحات پر عملدرآمد کے بارے میں کسی بھی مسلمان کو اختلاف نہ ہوگا۔ پھر نہ جانے اسکا اہتمام کیوں نہیں کیا جاتا۔ موجودہ صدرِ مملکت جو خود مردِ مؤمن پابند صوم وصلوٰۃ ہیں، کے دور میں اگر قیام نماز کے متعلق اقدامات نہیں کئے جائیں گے تو پھر آسمان سے فرشتے تو نہیں اتریں گے جو اس کا اہتمام کرائیں گے۔

استفادہ: حضرت شیخ الجامعہ ——— تحریر: (مولانا) مطیع اللہ رشیدی

نماز کا حکیمانہ و معجزانہ نظامِ تربیت

نماز مومن کے لئے اس محبت کرنے والی ماں سے بھی زیادہ پناہ لینے، سر چھپانے اور آرام پانے کی جگہ اور اس کی گود سے بھی زیادہ راحت رساں اور جنت بداماں ہے جو ایک یتیم ضعیف، عاجز بے سہارا اور لاڈلے بچہ کے لئے ہر وقت کھلی رہتی ہے اور جب بھی بچہ کو کسی قسم کے گزند اور نقصان کا خطرہ ہوتا ہے، کوئی اسے چھیڑتا اور پریشان کرتا ہے یا اسکو بھوک و پیاس ستاتی ہے یا وہ کسی چیز سے سہم جاتا ہے تو فوراً ماں سے چمٹ جاتا ہے اور اس کی گود میں بیٹھ کر سمجھ لیتا ہے کہ وہ سب سے محفوظ ہو گیا۔ اسی طرح نماز بھی مومن کی سب سے بڑی پناہ گاہ ہے اور جائے قرار ہے۔ یہ وہ مضبوط رسی ہے جو اس کے اور اس کے رب کے درمیان پھیلی ہوئی ہے۔ یہ اس کی روح کی غذا، درد کا درماں، زخم کا مرہم، بیماری سے شفاء اور بندہ کا سب سے بڑا ہتھیار اور سہارا ہے اللہ پاک کا ارشاد ہے:

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ۝

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی مسئلہ کا سامنا ہوتا تھا تو آپ فوراً نماز کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پریشانی درپیش ہوتی تو فوراً نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے۔ (ابوداؤد)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب کبھی رات کو تیز ہوا چلتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کا رخ فرماتے اور جب تک ہوا تھم نہ جاتی وہیں تشریف رکھتے۔ اسی طرح جب سورج یا چاند گرہن ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں مشغول ہو جایا کرتے تھے یہاں تک کہ گرہن دور ہو جاتا۔ (الطبرانی)

ابوداؤد میں روایت ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں ایک دن بڑا اندھیرا چھا گیا تھا۔ میں نے حضرت انسؓ سے دریافت کیا کہ کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی ایسا ہوا کرتا تھا۔ انہوں نے فرمایا کہ توبہ توبہ اگر کبھی زور کی آندھی بھی آتی تھی تو ہم بھاگ کر مسجد میں پناہ لیتے تھے۔

نماز میں جسم، عقل اور قلب تینوں کی نمائندگی ہے

نماز ایک ایسا عمل ہے جس میں جسم، عقل اور قلب سب شریک ہیں۔ جسم کے حصہ میں قیام، رکوع

اور مجبور کرتا ہے۔ زبان کے حصہ میں تلاوت تسبیح آتی ہے عقل کے حصہ میں فکر و تدبر آیا ہے قلب کے حصہ میں خشوع و انابت رقت و کیفیت آتی ہے۔ انسان جسم عقل اور دل تینوں چیزوں کا مجموعہ ہے۔ اسی لحاظ سے نماز میں جو دین کا سب سے بڑا مظہر ہے انسانی فطرت کے تمام بنیادی شعبوں اور نمایاں پہلوؤں کی نمائندگی موجود ہے حکمت الٰہی۔ شریعت ربانی نے نماز کا جو لطیف و عمیق اور جامع و مانع نظام قائم کیا ہے اس سے مقصود صرف یہ ہے کہ اس کے ذریعہ انسان اپنے مقصدِ عبودیت کی تکمیل کر سکے اس کے اندر اخلاص غایت درجہ کا خضوع و تذلل استغاثہ و ابتہال اور تعلق مع اللہ کی صفات پیدا ہوں وہ ماسوا اللہ سے منقطع ہو جائے اور ہر اس شخص کے خلاف اعلان بغاوت کر دے جو اللہ تعالیٰ کی الوہیت و ربوبیت اس کی عظمت و کبریائی، اس کی اطاعت و حکم مطلقہ میں حصہ دار بننا چاہتا ہو اور زبان حال یا قال سے اپنی پرستش کی دعوت دیتا ہو، اور اپنے طرز عمل سے اس کا خریدار ہو۔ نماز کا مقصد یہ ہے کہ نفس انسانی میں ایک ایسی روحانی قوت نیا ایمان اور قلب کو روشن کر دینے والا نور پیدا ہو جائے جس کے ذریعے انسان ہر قسم کے فتنوں اور ترغیبات کا مقابلہ کر سکے۔ نفس کے شر اور اس کے مکر سے محفوظ رہے اور اس کی کمزوریوں پر قابو پا سکے۔

نماز کو تکبیر یعنی اللہ اکبر کے حکم سے شروع کرنے کا حکم ہے۔ یہ وہ بلیغ واضح فیصلہ کن اور ہر عہد اور ہر ملک اور ہر معاشرہ کے لئے قابل فہم کلمہ ہے جس کے سامنے بڑے بڑے ظالم حکمران دیو پیکر انسان اور خود انسانوں کے تراشے ہوئے بت خاک کا ڈھیر بن جاتے ہیں اور ان کی جھوٹی خدائی کا طلسم پاش پاش ہو جاتا ہے بشرطیکہ کہنے والا اس اللہ اکبر کو فہم و شعور اور یقین و اعتماد کے ساتھ ادا کرے اور خدائی عظمت کے بڑائی اس کے معنی سمجھتے ہوں کہ اس کی چوٹ کہاں کہاں اور کس کس پر پڑتی ہے۔ دراصل یہ پتھر کے بت یا وہ ہستیاں جن کی عبادت کی جاتی ہے اور وہ اشیاء جن کو مقدس سمجھا جاتا ہے اور کائنات کی وہ قوتیں جن کے سامنے انسان اپنا سر جھکانے لگتا ہے اور سیاسی رہنما یا حکام جن کی آنکھ بند کر کے ان سب کے درمیان قدر مشترک عظمت و کبریائی تفوق و ترفع اور استعلاء و استیلاء کا جذبہ ہے۔

یہ بلیغ و مختصر مگر انقلاب آفرین کلمہ وربک فکبر اور اللہ اکبر ان تمام کے غرور و تعلی کے قلعوں جہالت کے تمام فریبوں خرافات کا قلع قمع کر دیتا ہے اور ظلم و فساد کے ایک ایک مرکز کو جڑ سے اکھیڑ کر پھینک دیتا ہے۔

حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ کو ایرانی فوج کے سپہ سالار رستم کی طرف قادسیہ میں قاصد بنا کر بھیجا۔ رستم کا دربار اس سے پہلے خوب آراستہ کیا گیا تھا، ریشمی پردوں اور گدیوں ہیرے یاقوت اور دوسرے قیمتی موتیوں کی خوب نمائش کی گئی تھی، رستم کے سر پر تاج اور بہت قیمتی پوشاک تھی وہ ایک سونے کے تخت پر بیٹھا تھا۔ ربعی بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے پرانے کپڑوں اور تلوار و ڈھال کے ساتھ ایک پستہ قد گھوڑے پر سوار دربار میں داخل ہوئے اور فرش اور قالین کے ایک حصے کو روندتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔ پھر اترے اور انہیں گاؤ تکیوں میں سے ایک میں اپنا گھوڑا بے تکلف باندھ دیا، پھر ہتھیار لگائے زرہ پہنے سر پر خود رکھے ہوئے رستم کی طرف بڑھے تو

باقی ص ۱۳۰ پر

قسط ثانی

آداب الحدیث

از
حضرت العلامہ خالد محمود صاحب
ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر

آداب حدیث قرآن کریم کی رو سے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے کا فوری حق یہ ہے کہ جس وقت اور جدھر بلائیں سب اشغال چھوڑ کر اُدھر ہی پہنچ جائے۔ حدیثِ رسول کوئی ایسی بات نہیں کہ اس پر فوری دھیان نہ کیا جائے حدیث کا پہلا ادب یہ ہے کہ اس پر فوری توجہ دی جائے دیر نہ کرے۔ قرآن کریم یہ آداب یوں سکھاتا ہے: یا ایھا الذین آمنوا استجیبوا للہ وللرسول اذا دعاکم لما یحییکم

ترجمہ: اے ایمان والو حکم مانو اللہ کا اور رسولؐ کا جس وقت وہ بلائیں اس کام کی طرف جس میں تمہاری زندگی ہے۔"

(پ ۹ الانفال ع ۳)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد و عمل یا بلاوا ایسی چیز نہیں جس سے مومن ایک لمحہ کے لئے بھی پہلو تہی یا رُوگردانی کرے۔ قرآن کریم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے پر فوراً لبیک کا حکم دیتا ہے اور حضورؐ کا بلانا صرف آپ کا ہی بلانا نہیں خدا کا بلانا بھی شامل ہے۔ سو قرآن کریم کی روشنی میں حدیث رسولؐ کا ادب یہ ہے کہ اس کے حکم پر فوراً لبیک کہی جائے اسی میں مومن کی زندگی ہے اور اس کے آداب میں سے ہے کہ مومن حدیث کے سامنے مطیع و منقاد ہو جائے کہ اے آقا میں بسر و چشم حاضر ہوں۔ اب یہ بات مومن کی مرضی پر نہیں کہ حدیث کو تسلیم کرے یا نہ کرے یا اس سے کسی طرح پیچھے رہے۔ ہاں حدیث کے حدیث ہونے میں شک ہو تو یہ ایک علمی اختلاف ہوگا۔ حدیث کے ادب و احترام سے سرتابی نہ ہوگی۔

ادب حدیث خود حدیث کی رو سے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین میں بیٹھے کوئی حدیث بیان فرما رہے تھے کہ ایک شخص (کوئی اعرابی) آیا اور اس نے آپ کے دورانِ بیان ہی ایک سوال کر دیا۔ آپ نے اس کی طرف توجہ نہ فرمائی اور حدیث برابر بیان فرماتے رہے جب بات پوری کر چکے تو فرمایا وہ شخص کہاں ہے جو قیامت کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔۔۔۔ الخ (صحیح بخاری، جلد ۱ ص ۱۴)

آپ کے طرزِ عمل سے حدیث کے احترام کا پتہ چلا کہ حدیث جب بیان ہو رہی ہو تو اور کوئی بات درمیان میں نہ

لانی چاہیئے کہ وہ بات خود دین کی ہی کیوں نہ ہو۔ پوری حدیث آگے اس بحث میں آئے گی کہ حدیث کے بیان کے دوران کسی اور طرف توجہ نہ کرے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام میں ایک دفعہ ان کے حالات کے تفاوت سے غنیمت تقسیم فرما رہے تھے ظاہر ہے کہ ہر ایک کے حالات پیش نظر اس کے لئے مقدار مختلف تھی اور اسی لئے آپ نے اسے کسی اور کے سپرد نہ کیا تھا بلکہ خود ہی تقسیم فرما رہے تھے کہ اچانک ذوالخویصرہ تمیمی نے کہا حضورؐ! عدل فرمائیے، برابر تقسیم کیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ویلک من یعدل اذا لم اعدل "تیری بربادی، میں عدل نہ کرونگا تو اور کون کریگا" (بخاری شریف جلد ۹ ص ۲۱)

اور ایک روایت میں ہے کہ یہ بھی فرمایا: انا امین من فی السماء یاتینی خبر السماء صباحا و مساءً "میں تو آسمان والے کا امین ہوں صبح و شام میرے پاس آسمانی خبریں آتی ہیں"

یعنی آسمانی باتوں میں تو مجھے امین سمجھا جاتا ہے تو کیا ان دنیوی امور میں کوئی بات خلاف امانت و دیانت مجھ سے ہو سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ ذوالخویصرہ کے اس اعتراض پر آپ ناراض ہوئے۔ آپ نے اس شخص کے بارے میں یہ بھی فرمایا:

انہ یخرج من ضئضئ ھذا قوم یتلون کتاب اللہ رطبا لا یجاوز حناجرھم یمرقون من الدین کما یمرق السھم من الرمیة۔ (بخاری شریف، جلد ۵، ص ۲۰۷)

ترجمہ: اس کی پشت سے ایک ایسی قوم نکلے گی جو کتاب اللہ کی تلاوت میں ہر وقت رہیں گے لیکن تلاوت ان کے حلق سے نیچے اتر کر دل تک، نہ جاسکے گی، دین سے اسطرح نکل جائیں گے جس طرح تیر کمان سے نکل جاتا ہے۔

آپ کی یہ پیشگوئی بالکل درست نکلی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں بے ادبی کا ارتکاب کرنیوالا خوارج کا مورث اعلیٰ بنا۔ نبی کی بات کے سامنے یہ جسارت بالکل ناجائز تھی، نبی کی تو شان یہ ہے کہ اس کے سامنے آپس میں بھی کوئی جھگڑا نہ ہونا چاہیئے۔ جھگڑا کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یا آپ کی طرف توجہ نہیں یا کسی کو آپ کی حدیث کو قبول کرنے میں تردد ہو رہا ہے۔

سیدنا حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: ولا ینبغی عند نبی تنازع (بخاری، جلد ۱ ص ۱۱)

ترجمہ: "اور نبی کے پاس تنازع نہ ہونا چاہیئے" بلکہ اگر کہیں آپس میں اختلاف ہو جائے تو اس کا فیصلہ نبی کی ذات اقدس سے لینا چاہیئے۔ اس اختلاف کو ہی آپ کی طرف منسوب کر دینا کسی بدنصیب کی فکر ہی ہو سکتی ہے۔

آداب حدیث عمل صحابہؓ کی رو سے

جن حضرات نے حلقہ نبوت میں تربیت پائی تھی ان سے زیادہ حدیث کا احترام کرنیوالا کون ہو سکتا ہے۔ حضرت عمرو بن میمون تابعی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی خدمت میں ہر جمعرات کو حاضر ہوتے تھے آپ ایک رات کا واقعہ نقل کرتے ہیں: فلما کان ذات عشیة قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فنکس قال فنظرت الیہ فھو قائم محللة ازرار قمیصہ قد اغرورقت عیناہ وانتفخت اوداجہ قال "او دون ذالک او فوق ذالک" - او قریبا من ذالک

او شبيهًا بذالك ۔ (سنن ابن ماجہ صہ) ترجمہ: ایک رات آپ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا تھا آپ حضورؐ کی حدیث بیان کرتے سرنگوں ہو گئے تھے پھر میں نے آپ کی طرف دیکھا کہ آپ کھڑے ہیں بٹن کھلے ہیں آنکھیں آنسوؤں سے تر ہیں، رگیں پھولی ہوئی ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے زیادہ یا کم فرمایا یا اس کے قریب قریب یا اس سے ملتی جلتی بات فرمائی تھی۔ اس حلقہ ارشاد میں جب حدیث رسول کا اتنا ادب تھا کہ مجال ہے کوئی بات خلاف مراد رسول صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کی زبان سے نکلے، تو ظاہر ہے کہ ہماری مجالس اور ہمارے مدارس میں بھی حدیث کیسے ادب و احترام سے روایت کی جاتی ہے

صحابہ کرامؓ جنہوں نے حلقۂ نبوت میں تربیت پائی تھی وہ حدیث کے احترام میں جھکے جاتے تھے۔ جب حضورؐ کی کوئی حدیث سامنے آتی وہ جھٹ اپنی بات چھوڑ دیتے۔ ایک دفعہ حضرت کعب احبار اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما میں کسی موضوع پر اختلاف ہو گیا۔ کعب احبار کی تورات کی ایک یادداشت صحیح نہ تھی۔ حضرت ابوہریرہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے خلاف روایت کر رہے تھے۔ حضرت کعبؓ نے جب تورات کھول کر روایت ابوہریرہؓ کو درست پایا، فوراً پکار اٹھے۔ حضرت ابوہریرہؓ کا صحتِ حدیث پر اصرار اور اس کے مقابلہ میں تورات کی بات کو نہ ماننا اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ صحابہؓ کے ہاں حدیث کی اہمیت اور اسکا ادب کتنا تھا صدق رسول صلی اللہ علیہ وسلم آنحضرتؐ نے سچ فرمایا؛

(سنن نسائی، جلد ۱، صہ ۲۱۰)

حضرت عمرو بن میمون فرماتے ہیں کہ: "میں ابن مسعودؓ کے پاس ایک سال تک برابر آتا جاتا رہا مگر ان کو کسی وقت بھی بے تعظیمی سے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے نہیں سنا اور جبکہ ایک دن بے خیالی میں ان کی زبان پر یہ جاری ہو گیا تو وہ اتنے روئے کہ ان کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا اور وہ پسینہ پسینہ ہو گئے۔ (مدارج النبوۃ جلد ۱ صہ ۵۴۱)

حضرت انس بن مالکؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جب کوئی حدیث نقل کرتے تو محض اس لئے کہ نادانستہ طور پر کوئی بات خلاف مرادِ مصطفٰے زبان سے نہ نکل گئی ہو۔ آخر میں کہہ دیتے "او کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" (سنن ابن ماجہ) (یا جیسا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو) یعنی میری بات اگر کسی پہلو سے صحیح نہ ہو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بات تو یقیناً صحیح اور برحق ہے وہاں میری بات رہنے دو۔

آداب الحدیث عمل ائمہ کی رو سے

افضل التابعین حضرت سعید بن المسیبؒ (۹۳ھ) کا حدیث کے لئے احترام ملاحظہ ہو: "حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضرت سعید بن المسیبؒ کے پاس آیا اور اس نے ان سے ایک حدیث دریافت کی تو وہ ایک پہلو پہ لیٹے ہوئے تھے فوراً اٹھ کر بیٹھ گئے اور حدیث بیان کی۔ اس شخص نے کہا مجھے اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ آپ تکلیف اٹھائیں اور اٹھ کر بیٹھیں انہوں نے فرمایا میں اسے مکروہ جانتا ہوں کہ پہلو پر لیٹے لیٹے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کروں (مدارج النبوۃ [illegible])

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ادب حدیث ملاحظہ ہو:

"جو لوگ حضرت امام مالکؒ کے پاس آتے تو پہلے ان کی باندی باہر آتی اور پوچھتی کہ تم شیخ سے مسائل شرعیہ پوچھنے آئے ہو یا حدیث؟ اگر لوگ کہتے کہ ہمیں مسائل دریافت کرنے ہیں تو امام مالکؒ فوراً باہر تشریف لے آتے اور ان کو مسائل کا جواب ارشاد فرماتے اور اگر لوگ کہتے کہ ہم لوگ حدیث معلوم کرنے آئے ہیں تو آپ پہلے غسل خانہ تشریف لیجاتے غسل کرتے اور بدن پر خوشبو ملتے اور نئے کپڑے پہنتے اور اپنا چغہ جو سیاہ یا سبز ہوتا زیب تن کرتے اور عمامہ سر پر رکھتے اور ایک تخت بچھایا جاتا، پھر باہر تشریف لاتے تخت پر خشوع و خضوع سے بیٹھتے بخور جلایا جاتا جب تک حدیث کے بیان سے فارغ نہ ہوتے اسی ہیئت کے ساتھ بیٹھے رہتے۔" (مدارج النبوۃ جلد ۱ ص ۵۴۲)

حدیث کی سماعت کے وقت مجلس کا احترام

حدیث کی سماعت کے وقت محدث کے سامنے بڑے ادب و احترام سے بیٹھے۔ حضرت امام بخاریؒ نے باب باندھا ہے باب من برک علی رکبتہ عند الامام او المحدث یعنی جو شخص امام اور محدث کے سامنے تلمذ کا شرف حاصل کر رہا ہو اُسے دو زانو ہو کر بیٹھنا چاہیئے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حدیث بیان فرما رہے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک خاص کیفیت طاری تھی۔ آپؐ نے فرمایا سَلُوْنِی (مجھ سے کچھ پوچھ لو) اس پر حضرت عمرؓ فوراً دو زانو ہو گئے فبرک عمر علی رکبتہ (بخاری شریف جلد ۱ ص ۲۲ مصر) امام بخاریؒ نے اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ جب حدیث بیان ہو تو اپنی ہیئت اور انداز نشست میں بھی ادب کا خیال رکھتے اور دو زانو بیٹھے۔

بلکہ علماء تو یہ لکھتے ہیں: "جس مجلس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث پڑھی یا بیان کی جا رہی ہوں اس میں بھی شور و شغب کرنا بے ادبی ہے کیونکہ آپ کا کلام جس وقت آپ کی زبان مبارک سے ادا ہو رہا ہو اس وقت سب کیلئے خاموش ہو کر اس کا سننا واجب اور ضروری تھا اسی طرح بعد وفات جن مجلسوں میں آپ کا کلام سنایا جاتا ہو وہاں بھی بدستور شور و شغب کرنا بے ادبی ہے۔" (معارف القرآن جلد ۸ ص ۱۰۱)

حضرت ابو ابراہیم یحییٰ فرماتے ہیں: "ہر مسلمان پر فرض ہے کہ جب وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرے یا اس کے سامنے حضور کا ذکر کیا جائے تو وہ خشوع و خضوع کا اظہار کرے اور بدن کو ساکن کرکے جنبش تک نہ دے اور خود پر ہیبت و جلال طاری کرے۔ گویا کہ اگر وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو ہوتا اور اس وقت جو ادب فرض تھا وہی ادا کرتا تو اس وقت بھی ویسا ہی ادب کرے۔" (مدارج النبوۃ جلد ۱ ص ۵۲۵)

لیجئے حضرت عبدالرحمن بن مہدیؒ (۱۹۸ھ) کا حال بھی ملاحظہ ہو:

جب ان کے سامنے حدیث پڑھی جاتی تو لوگوں کو خاموش رہنے کا حکم دیتے اور فرماتے لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی اور فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی قرأت کے وقت خاموش رہنا اسی طرح فرض ہے جس طرح

کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام فرمانے کے دوران خاموش رہنا اور سننا فرض تھا۔ (مدارج النبوۃ جلد ۱ ص ۵۲۹)

خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح مقام رسالت کا ادب ہے اسی طرح حدیث رسالت لائق احترام ہے آپ کی احادیث کریمہ کا ادب انتہائی لازمی ہے جہاں حدیث پڑھی پڑھائی جاتی ہو وہاں اونچی آواز نہ کرے اور خلاف ادب ذرا شور و شغب نہ کرے آداب حدیث میں یہ پہلا ادب ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے سامنے اپنی بات نہ چلائیے

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی بات کا فیصلہ فرمادیں تو کسی مرد مومن یا مومنہ عورت کو یہ حق نہیں رہتا کہ آپ کے ارشادات کے سامنے وہ اپنی بات چلائیں۔ قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے: وما کان لمؤمن ولا مؤمنۃ اذا قضی اللہ ورسولہ امرا ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم (پ ۲۲ الاحزاب، ع ۶)

ترجمہ: "اور نہیں کسی مردِ مومن کے لئے اور نہ کسی مومن عورت کے لئے اپنے معاملے کا کوئی اختیار بعد اس کے کہ خدا اور اس کا رسول اس کام کے بارے میں کوئی فیصلہ صادر کریں"۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں: "ادبِ نبوی میں سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد و عمل پر اپنی رائے سے اعتراض اور شک و شبہ نہ کرو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول سے اپنی رائے پر اعتراض اور شک و شبہ کرلو اور قیاس سے نص کا مقابلہ نہ کرو بلکہ قیاس کو نص کے تابع کرو اسے اس کے مطابق بناؤ۔ قیاس کے صحیح ہونے کی شرط بھی یہ ہے کہ وہ نص کے مقابلہ میں نہ ہو"۔ (مدارج النبوۃ جلد ۱ ص ۵۱۴)

حافظ ابن قیم فرماتے ہیں کہ رسول کی آواز سے اپنی آواز اونچی کرنا جب عمل کو اکارت کر دیتا ہے تو اس کے احکام کے سامنے اپنی رائے کو مقدم کر دینا اعمالِ صالحہ کے لئے کیونکر تباہ کن نہ ہوگا"۔ (ترجمان السنۃ جلد ۱ ص ۱۴۲ نقلاً عن اعلام الموقعین ج ۱ ص ۴۲)

حدیث رسول سامنے آئے تو اس سے بڑی سند نہ مانگئے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پیش کردی جائے تو مغرب زدہ لوگ بعض اوقات کہتے ہیں کہ یہ بات قرآن میں کہاں ہے؟ انہیں حدیث سے بڑی سند کی ضرورت ہوتی ہے مگر یہ بات صحیح نہیں ہے حدیث کو خود ایک بڑی دلیل سمجھنا چاہیئے جسے اور دلیل کی حاجت نہیں نہ اس پر کسی بالاسند کا تقاضا کیا جانا چاہیئے۔

حضرت مقدام بن معدی کرب کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یوشک الرجل متکئا علی اریکتہ یحدث بحدیث من حدیثی فیقول بیننا و بینکم کتاب اللہ عز وجل فما وجدنا فیہ من حلال استحللناہ وما وجدنا فیہ من حرام حرمناہ الا وان ما حرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثل ما حرم اللہ۔

ترجمہ: قریب ہے کہ ایک شخص جسکے پاس میری حدیث بیان کی جارہی ہو اپنے صوفے پر ٹیک لگائے (بڑے تکبر سے) کہے ہمارے تمہارے لئے اللہ کی کتاب ہی ہے اس میں جسے حلال کیا گیا اسے ہم حلال سمجھیں گے اور جو چیز اس میں ہم حرام پائیں

ایسے ہی حرام سمجھیں گے۔ خبردار بیشک جو چیز اللہ کے پیغمبر نے حرام بتلائی وہ ایسے ہی ہے جیسے وہ چیز جسے اللہ نے حرام بتایا۔ (ابن ماجہ ص۳)

معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تحلیل و تحریم سب امر الٰہی کے تحت ہی بیان فرماتے تھے۔ آپ اللہ کے نام پر کچھ بیان فرمادیں یا اللہ کا نام لئے بغیر حلال و حرام کی کوئی بات کہیں۔ سب کا منبع و مرکز وحی الٰہی ہے متلو ہو یا غیر متلو پیغمبر کا اس میں اپنا دخل نہیں ہوتا۔

اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ صحابہ کرامؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمائی ہوئی تمام باتوں کو قرآن کے اس فیصلے کی رُو سے کہ ما اتاکم الرسول فخذوہ و ما نھاکم عنہ فانتھوا (پ۲۸ الحشر، ع۱) قرآنی تعلیمات ہی سمجھتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک شخص کو سلے ہوئے کپڑوں میں محرم دیکھا تو منع فرمایا۔ اس نے قرآن کریم سے دلیل پوچھی تو آپ نے یہی آیت کریمہ پڑھی کہ جو چیز تمہیں رسول دے اُسے لے لو اور جس چیز سے اس نے روکا اس سے رُک جاؤ۔ (مواہب الرحمٰن پ۲۸، ص۱۲۷ و ترجمان السنہ، جلد ۱)

اسی طرح آپ نے ایک مسئلہ کے بارے میں حدیث پڑھی تو ایک عورت نے ایسا ہی سوال کیا آپ نے پھر وہی آیۃ کریمہ تلاوت فرمائی یعنی یہ کہ قرآن کی رُو سے پیغمبر کی ہر بات تمہارے لئے سَنَد ہے۔ (مشکوٰۃ شریف ص۳۸۱)

اس قسم کی روایات پتہ دیتی ہیں کہ صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو خُدا کی بات ہی سمجھتے تھے جب حدیث کے پیش ہونے پر قرآن کی سند طلب کرنا بے فائدہ ہے تو جو لوگ حدیث پیش ہونے کے بعد پھر اس پر عقلی دلائل مانگتے ہیں وہ مقام حدیث سے کس قدر بے خبر ہیں۔ حق یہ ہے کہ صحیح حدیث سامنے آجائے تو کوئی اور سند مانگنے کا تصور بھی ذہن میں نہ آنا چاہیئے۔

آنحضرت نے مذکورہ بالا حدیث میں منکر حدیث کا نقشہ جس صورت میں کھینچا ہے اس سے اس کی تکبر کی حالت عیاں ہے۔ معلوم ہوا کہ سند حدیث پر اکتفانہ کرنا متکبرین کا شعار ہوگا۔ ایک طریق میں یہ الفاظ بھی ہیں: الا یوشک رجل بشبعان علی اریکتہ یقول علیکم بھٰذا القراٰن (رواہ ابوداؤد والدارمی معناہ) "خبردار ہو قریب ہے کہ ایک سیر شدہ (امیر) آدمی اپنے صوفے پر ٹیک لگائے کہے تمہیں اسی قرآن کی پابندی کرنی ہے جو اس میں حلال ہے اسے ہی حلال جانو اور جو اس میں حرام ہے اسے ہی حرام سمجھو" انتہیٰ

حضرت عرباض بن ساریہؓ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا: ایحسب احدکم متکئا علی اریکتہ یظن ان اللہ لم یحرم شیأ الا ما فی ھٰذا القراٰن (مشکوٰۃ ص۲۹) ترجمہ: کیا تم میں سے کوئی شخص صوفے سے ٹیک لگائے اس گمان میں ہوگا کہ حرام صرف وہی کچھ ہے جو قرآن میں ہے۔

حدیث کے مقابل کسی کی بات نہ ماننے

ائمہ اربعہ جن کی اجتہادی اُمور میں امت میں تقلید جاری ہوئی اور جن کا قول ان کے مقلدین کے ہاں حجت اور سند سمجھا جاتا ہے ان سب کا یہ

ارشاد ہے کہ حدیث صحیح سامنے آجائے تو ہماری بات فوراً چھوڑ دو۔ حدیث کے مقابل کسی کی بات مانے جانے کے لائق نہیں۔ حضرت علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

فقد صح عنه انه قال اذا صح الحديث فهو مذهبي وقد حكى ذالك ابن عبد البر عن ابي حنيفة وغيره من الائمة .... و نقله ايضاً الامام الشعراني عن الائمة الاربعة ولا يخفى ان ذالك لمن كان اهلاً للنظر في النصوص و معرفة محكمها من منسوخها (رد المحتار جلد اصفحہ ۹۳)

ترجمہ: حضرت امام صاحب سے صحیح طور پر ثابت ہو چکا کہ آپ نے فرمایا جب کوئی حدیث صحیح ثابت ہو جائے تو وہی میرا مذہب ہے

عبد البر نے بھی یہی امام ابو حنیفہؒ اور دوسرے اماموں سے نقل کیا ہے۔ امام شعرانی نے ائمہ اربعہ سے یہی نقل کیا ہے اور یہ بات مخفی نہیں کہ یہ اس کے لئے ہے جس کی نصوص (کتاب وسنت) پر نظر ہو اور محکم اور منسوخ کو سمجھتا ہو۔ یہ صحیح ہے کہ اس شخص میں جو حدیث کے بالمقابل اپنے امام کی بات چھوڑ رہا ہے حدیث سمجھنے کی پوری اہلیت ہونی چاہیئے۔ جو لوگ حدیث کے محض ترجمے پڑھ کر ائمہ کی بات کو ٹھکرانے لگتے ہیں اور فن حدیث اور اس خاص موضوع کی دیگر روایات پر نظر نہیں رکھتے انہیں چاہیئے کہ محض اپنی رائے سے اس روایت کو حدیث نہ سمجھیں بلکہ بات سمجھنے کے لئے راسخ العلم علماء کی طرف رجوع کریں تاہم یہ پھر بھی ضروری ہے کہ ان کے سامنے جو حدیث پیش ہو اس کے مقابل کوئی کلمہ جسارت زبان پر نہ آجائے۔ ہاں جس وسیع النظر عمیق العلم عالم کی دوسری احادیث پر بھی پوری نظر ہو اور پھر وہ دیانتداری سے محسوس کرے کہ اس میں میرے امام کی بات واقعی حدیث کے مقابل ہے تو پھر صرف حدیث ہی ہے جس کی اتباع کی جائے قول امام کو حدیث کے سامنے کوئی وزن حاصل نہیں نہ مقلدین کے ہاں امام شریک فی الرسالۃ سمجھا جاتا ہے۔ سو اس صورتحال میں فقہ کی تعلیم یہی ہے کہ وہ شخص امام کی بات چھوڑ دے اور حدیث کی بات مانیں۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ (۳۲۱ھ) اور امام کرخیؒ جیسے سادات حنفیہ نے اسی اصول پر کئی مواقع میں قول امام کو چھوڑا ہے۔ ہر وقت ملحوظ رہے کہ مقلدین کے ہاں قول امام ہرگز حدیث کے مقابلے میں نہیں لیا جاتا نہ ان کے ہاں ان کا امام معصوم سمجھا جاتا ہے اصول برحق یہی ہے کہ حدیث کے مقابل کسی کی بات نہ مانی جائے۔ یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ضروری نہیں کہ اگر کچھ علماء نے کسی حدیث کے باعث قول امام چھوڑا ہو تو ضروری نہیں کہ اور سب علماء بھی ان کے ہم خیال ہو جائیں۔ ہو سکتا ہے کہ ان دوسرے علماء راسخین کو کچھ اور احادیث ایسی مل گئی ہوں کہ انہیں قول امام کی صحت پھر محقق ہو گئی ہو۔ علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ (۹۷۳ھ) لکھتے ہیں کہ ائمہ کا یہ ارشاد کہ حدیث کے بالمقابل ہماری رائے چھوڑ دو انہی لوگوں کے لئے ہے جو فہم حدیث میں اونچے درجے کے عالم ہوں۔ جو حدیث جانتے ہی نہیں انہیں حق نہیں کہ محض ترجمہ پڑھ کر مجتہدین پر بحثیں کرنے لگیں۔ اور ان کے فیصلوں پر جلد بازی میں خلاف حدیث ہونے کا فتویٰ دینے لگیں۔

حدیث کو وحی سمجھکر پڑھا اور سُنا جائے

قرآن وحی متلو ہے اور حدیث وحی غیر متلو ہے لیکن اس کا سرچشمہ اور مخزن و منبع بھی اللہ رب العزت کی ہی ذات ہے حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

(قال) ان الناس یقولون اکثر ابوھریرۃ و لو لا آیتان فی کتاب اللہ ما حدثت حدیثا ثم یتلو ان الذین یکتمون ما انزلنا من البینات ..... الی قولہ الرحیم۔ ان اخواننا من المھاجرین کان یشغلھم الصفق بالاسواق وان اخواننا من الانصار کان یشغلھم العمل فی اموالھم و ان ابا ھریرۃ کان یلزم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشبع بطنہ یحضر ما لا یحضرون و یحفظ ما لا یحفظون (بخاری ج۱ ص۲۲)

ترجمہ: بیشک لوگ کہتے ہیں کہ ابوہریرہ بہت حدیثیں روایت کرتا ہے۔ قرآن کریم میں اگر یہ دو آیتیں نہ ہوتیں تو میں کوئی بھی حدیث بیان نہ کرتا۔ پھر آپ نے وہ آیتیں پڑھیں (۱) بیشک جو لوگ ہدایت اور ان روشن باتوں کو جو ہم نے اُتاریں چھپاتے ہیں بعد اس کے کہ ہم نے لوگوں کے لئے بیان کر دیا وہ ایسے ہیں کہ اللہ ان پر لعنت کرتا ہے اور سب لعنت کرنیوالے بھی ان پر لعنت کرتے ہیں۔ (۲) مگر وہ لوگ جنہوں نے توبہ کی اور (جو چھپایا تھا) بیان کر دیا سو میں ان کی توبہ قبول کرتا ہوں اور میں تواب قبول کرنیوالا رحم کرنے والا ہوں۔ (پ۲ البقرہ ع ۱۹) (حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا) ہمارے مہاجر بھائیوں کو مارکیٹوں میں آنے جانے کی مصروفیت رہتی اور انصار بھائیوں کو کھیتی باڑی کی مصروفیت روکے رکھتی اور ابوہریرہ (یعنی میں) پیٹ بھر کر کے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس پکڑے رہتا اور جہاں اور نہ جا سکتے وہاں بھی جاتا اور جو باتیں اور یاد نہ رکھ سکتے انہیں بھی یاد رکھتا (سو اس لئے وہ زیادہ حدیثیں روایت کرتا ہے۔)

اس روایت میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے صریح طور پر حدیث کو رب العزت کے ما انزلنا (جو ہم نے نازل کیا) میں داخل سمجھا ہے۔ آپ کے اس ارشاد پر صحابہ و تابعین میں سے کسی کا انکار ثابت نہیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ حضرات حدیث کو وحی الٰہی سمجھ کر پڑھتے اور پڑھاتے اور سُنتے اور سُناتے تھے اور حضرت حسان بن عطیہؒ نے تو اس پر جبرئیلؑ کے آنے کی بھی صراحت کر دی ہے۔

(قال) کان جبریل علیہ السلام ینزل علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالسنۃ کما ینزل علیہ بالقرآن و یعلمہ ایاھا کما یعلمہ القرآن (قواعد التحدیث من فنون مصطلح الحدیث للشیخ جمال الدین القاسمی رحمہ اللہ)

ترجمہ: حضرت جبرئیل علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم (کے قلب مبارک پر) سنت لیکر بھی اسی طرح اترتے تھے جسطرح قرآن کریم لیکر نزول فرماتے اور آپ کو سُنت بھی اسی طرح سکھاتے تھے جسطرح آپ کو قرآن سکھاتے تھے۔

حدیث پڑھنے میں ادب کو ملحوظ رکھے

قراءت حدیث کے وقت جب بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی آئے وہاں صلی اللہ علیہ وسلم ضرور ساتھ کہے اور جہاں انبیاء کرام علیہم السلام میں سے کسی کا نام آئے وہاں بھی علیہ السلام پڑھے اور جب صحابہؓ اور اُمّہات المؤمنین کا نام گرامی آئے وہاں ترضی (رضی اللہ عنہ کہنا)

کی پوری پابندی کرے۔

حدیث باوضو پڑھنا مستحب ہے

قرآن مجید تو وحی متلو ہے جسے بغیر وضو چھونا منع ہے لا یمسه الا المطھرون۔ حدیث شریف غیر متلو ہے، سو مستحب ہے کہ اسے بھی بغیر وضو نہ چھوئے بلکہ وضو سے ہی پڑھے اور پڑھائے۔ اکابر علماءِ امت حدیث باوضو ہی پڑھاتے رہے ہیں۔

تابعی کبیر حضرت قتادہؒ (۱۱۸ھ) کے بارے میں مروی ہے: لقد کان یستحب ان لا تقرأ الاحادیث التی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم الا علی وضوء۔ (المصنف لعبدالرزاق ص۳۴۴ وشرح السنۃ للبغوی ص۶)
ترجمہ: آپ مستحب سمجھتے تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث باوضو ہی پڑھیں۔

حضرت امام مالکؒ (۱۷۹ھ) کا عمل بھی ملاحظہ کیجئے: کان مالک بن انس لا یحدث بحدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا وھو علی وضوء اجلالاً لحدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (جامع بیان العلم ابن عبدالبر ۲/۱۹۹)
ترجمہ: امام مالک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث جب بھی بیان کرتے تو وضو سے ہوتے۔ آپ کا یہ عمل حدیثِ رسولؐ کی اجلال شان کے لئے تھا۔

حضرت امام لیث مصری (۱۷۵ھ) بھی حدیث کی کتابت طہارت وضو کے ساتھ کرتے تھے (مدارج النبوۃ ص۵۴۳) سلف صالحین بے وضو حدیث بیان کرنے کو ناپسند کرتے تھے۔ حضرت اعمش (۱۴۷ھ) سے جب وضو نہ ہو سکتا تو تیمم ہی کر لیتے تھے (مدارج النبوۃ ص۵۴۲) حضرت امام بخاری کے بارے میں تو مشہور ہے کہ ہر حدیث کی تخریج سے پہلے غسل کرتے اور دو رکعت صلوٰۃ الاستخارہ پڑھتے تھے۔ (فضل الباری ص۱۱ للشیخ العثمانیؒ)

اس سے آپ اندازہ کریں کہ اس دور میں حدیث کا کس قدر احترام ہوتا تھا اور مومنین کس طرح شریعت کے اس چشمہ زلال پر دل وجان سے قربان ہوتے تھے۔

حدیث رسولؐ کو احادیث صحابہؓ سے علیحدہ نہ کرے

اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حدیث کے عملی گواہ سمجھتے ہوئے ان کی مرویات کو روایات نبوی کے ساتھ ہی بیان کرے جہاں دو مختلف حدیثیں بظاہر مختلف یا متعارض ملیں تو وہاں صحابہ کے عمل سے فیصلہ لازم جانے۔

امام ابوداؤد السجستانی (۲۷۵ھ) کہتے ہیں: اذا تنازع الخبران عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ینظر الی ما عمل به اصحابه من بعده (بذل المجہود فی حل ابی داؤد ص۲۷۶) ترجمہ: جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دو مختلف خبریں ملیں تو دیکھا جائیگا کہ آپ کے بعد آپ کے صحابہؓ نے کس پر عمل کیا یعنی وہ سنت باقیہ ہوگی اور دوسری جانب منسوخ یا مخصوص بالحالۃ سمجھی جائیگی۔

حضرت امام مالکؒ سے بھی سن لیجئے: اذا جاء حدیثان مختلفان عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم وبلغنا ان ابابکر وعمر عملا باحدھما وترکا الآخر کان فی ذلک دلالۃ علی ان الحق فیما عملا به۔
(مقدمہ اوجز المسالک ص۱)

حضرت صالح بن کیسان کہتے ہیں کہ میں اور امام ابن شہاب زہریؒ (۱۲۴ھ) سماع حدیث اور طلب علم میں ساتھی تھے ہم دونوں نے حدیث لکھنے کا فیصلہ کیا اور حدیث لکھتے رہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو احادیث ہم تک پہنچیں ہم نے لکھیں پھر امام زہریؒ نے کہا: "نکتب ایضاً ما جاء عن اصحابہ فقلت لولیس بسنۃ فقال بل ھی سنۃ (قال) فکتب ولم اکتب فانجح وضیعت۔

ترجمہ: ہم وہ روایات بھی لکھیں جو صحابہ سے آئی ہیں۔ میں (صالح) نے کہا نہیں وہ تو سُنّت نہیں۔ امام زہری نے کہا وہ بھی سُنّت ہیں۔ (صالح نے کہا) سو زہری نے تو (روایات صحابہ بھی) لکھیں اور میں نے نہ لکھیں، زہری کامیاب گئے اور میں ضائع ہوا۔

صالح بن کیسان کا یہ اعتراف بتلا رہا ہے کہ اب وہ بھی اس عقیدے پر آگئے تھے کہ اعمال صحابہ سنت ہیں اور انہیں بھی اُمت تک پہنچانا ضروری ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ ان نفوس قدسیہ کے آثار کو بھی حدیث کا ہی سرمایہ سمجھا جائے اور ان کا اس درجہ احترام ہو کہ ان کا عمل تعامل بھی دین کا پورا ماخذ کہا جائے، اور ان کا وہی احترام ہو جو صحابہ کرامؓ کا ہو سکتا ہے۔

امام مالک، امام احمد، امام بخاری، امام دارمی، امام مسلم، امام ابوداؤد، امام ابوعوانہ، امام ترمذی، امام نسائی، امام طحاوی اور امام بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین وغیرہم من الائمۃ الکرام نے اپنی حدیث کی کتابوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات واعمال کیساتھ ساتھ صحابہ کرامؓ کے آثار روشن کو بھی بڑی وقیع جگہ دی ہے اور بڑی تفصیل سے انہیں ذکر کیا ہے اور جگہ جگہ ان سے روایات کی ہیں؟ سو جو ان سے بے پرواہ رہا اس نے اپنے علم کو ضائع کیا۔

حضرت امام شعبیؒ (۱۰۳ھ) فرماتے ہیں:

ما حدثوک عن اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فخذوا بہ و ما قالوا برأیہم فبل علیہ

ترجمہ: علماء کرام تمہارے سامنے جو بات صحابہؓ سے روایت کریں تو اسے لے لو اور جو بات وہ اپنی طرف سے کہیں تو اُسے جانے دو۔

امام اہل الشام امام اوزاعی (۱۵۷ھ) نے بقیہ بن الولید کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:

یا بقیۃ العلم ما جاء عن اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم و ما لم یجئ عن اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم فلیس بعلم۔

ترجمہ: اے بقیہ! علم وہی ہے جو اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے آئے اور جو ان سے نہیں آیا وہ علم ہی نہیں۔

سو صحابہ کا ادب وہی ہے جو ایک مسلمان کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دائرہ فیض کا ہو سکتا ہے یہی وہ دائرہ ہے جس کا ہر نشان مرکز سے برابر نسبت رکھتا ہے حق یہ ہے کہ صرف انہی حضرات کے ذریعہ مرکز سے تعلق قائم رہ سکتا ہے کیونکہ یہ دائرہ اس مرکز نبوت پر ہی تو کھچا ہے۔

صحابہ کرامؓ کی روایت پر رائے زنی سے بچے

حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے پوچھا گیا کہ جب صحابہ کرامؓ کسی مسئلہ میں خود مختلف ہوں تو ان میں غور کرنا کہ کس کی بات درست ہے کیا جائز ہے؟
تو آپ نے فرمایا: "نہیں" تم جس کی چاہو پیروی کر لو۔ لیکن ان میں سے کسی کے موقف پر رائے زنی نہ کرو۔

اذا اختلف اصحاب رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فی مسألة هل یجوز فیه ان ننظر فی اقوالهم لنعلم مع من الصواب منهم فنتبعه؟ فقال لی لا یجوز النظر بین اصحاب رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فقلت کیف الوجه فی ذالک؟ قال تقلد ایهم احببت۔ (جامع بیان العلم وفضلہ از حافظ ابن عبد البر (۴۶۳ھ) جلد ۲ صفحہ ۱۱۲)

ترجمہ: صحابہ کرامؓ کا جب کسی مسئلہ میں اختلاف ہو تو کیا جائز ہے کہ ہم ان کے اقوال کا جائزہ لیں کہ راستی کس کے پاس ہے کہ ہم اس کی پیروی کریں؟ تو آپ نے فرمایا اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جائزہ لینا جائز نہیں۔ میں نے کہا پھر کیا کریں آپ نے فرمایا ان میں سے جس کی بات پسند ہو اس کی تقلید کریں۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کے استاذ ہیں۔ انہوں نے صحابہ کرامؓ کی روایات سے تمسک کرنے میں وہی موقف اختیار کیا ہے جو حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کا ہے۔ (جامع بیان العلم جلد ۲ صفحہ ۸۳) ہر دو صحابہؓ کے فیصلوں کو اپنے لئے حجت اور سند سمجھتے ہیں اور اعتقاد رکھتے تھے کہ ان کی بات پر امت کو رائے زنی کی اجازت نہیں ہے۔

حدیث اور اصول حدیث کے امام ابن صلاحؒ بھی لکھتے ہیں کہ صحابہؓ کی خصوصیت ہے کہ ان میں سے کسی کی عدالت پر سوال نہیں کیا جا سکتا۔ سب کے سب عادل ہیں اور امت کے لئے سند ہیں۔

لکونهم علی الاطلاق معدلین بنصوص الکتاب والسنة واجماع من یعتد به فی الاجماع من الامة قال تعالی کنتم خیر امة اخرجت للناس۔ (علوم الحدیث للامام ابن صلاح صفحہ ۲۶۴)

یہ ایک طے شدہ مسئلہ ہے کہ قرآن وسنت کی نصوص قطعیہ اور ان لوگوں کے اجماع سے جن کا اجماع امت میں معتبر ہے یہ ثابت ہے کہ صحابہ علی الاطلاق عادل تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم بہترین امت ہو جو باقی لوگوں کے لئے سند ہو۔

صحابہؓ روایت میں تائید سے مستغنی ہیں

محدثین کے ہاں راوی کتنا ہی ثقہ کیوں نہ ہو کثرت ثقات سے روایت میں اور قوت آجاتی ہے مگر صحابی چونکہ خود سند ہے اس لئے اس کی کتنی ہی تائید کیوں نہ ہو ان کی ذوات عادلہ تائید سے مستغنی ہیں۔ جب ایک صحابی کوئی حدیث روایت کرلے تو اس کی تصدیق کے لئے دوسرے کے پاس جانا بالکل بے ضرورت ہے۔ صحابی کی بات خود اپنی جگہ ایسی قوی ہے کہ اسے مزید تائید کی ضرورت نہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر اپنے بیٹے کو نصیحت فرمائی حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے حضرت

سعد بن ابی وقاص سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث سن کر مزید تسلی چاہی تھی۔

اذا حدثك شيئاً سعدٌ عن النبي صلی اللہ علیہ وسلم فلو تسأل عنہ غيرہ ۔ (صحیح بخاری جلد ۱ ص۳۲)

ترجمہ: جب سعد تیرے سامنے حضور کی کوئی حدیث بیان کریں تو اس کے بارے میں کسی اور سے پوچھنے کی کوئی حاجت نہیں۔

روایت حدیث کے وقت کسی اور طرف توجہ نہ کرے

حدیث شریف پڑھتے پڑھاتے سنتے سناتے وقت کسی کی طرف توجہ ہی نہ کرے اور درمیان قرأت حدیث یا سماع حدیث میں کسی کی بات کا جواب نہ دے۔ حضرت امام بخاری نے اپنی صحیح میں باب باندھا ہے: باب من سئل علماء وهو مشتغل في حديثه فاتم الحديث ثم اجاب السائل یعنی اگر کوئی تم سے اس حال میں کوئی مسئلہ دریافت کرے کہ تم حدیث نبوی میں مشغول ہو تو تم پر لازم ہے کہ پہلے حدیث کا اتمام کرو۔ پھر اس سائل کا جواب دو۔ یہی ادب حدیث ہے۔ اس لئے کہ اگر تم نے حدیث کو درمیان میں چھوڑا اور دوسرے کی بات کا جواب دیا تو تمہارے عمل نے یہ ثابت کیا کہ تم حدیث نبوی پر کسی اور کی بات مقدم سمجھ رہے ہو۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ ایک مجلس میں حدیث بیان کر رہے تھے کہ ایک شخص آیا اور اس نے پوچھا قیامت کب آئے گی؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پہلی بات میں ہی مصروف رہے۔ جب آپ اپنی حدیث پوری کر چکے تو دریافت فرمایا سائل کہاں ہے؟ اس اعرابی نے کہا یا رسول اللہ میں یہاں ہوں فرمایا جب امانتیں ضائع ہونے لگیں تو قیامت کا انتظار کرو۔ اس نے پوچھا امانتوں کا ضائع ہونا کیسا ہوگا؟ آپ نے فرمایا: اذا وسد الامر الى غير اهله فانتظر الساعة (بخاری شریف ص۲۳)

ترجمہ: جب کام ان لوگوں کے سپرد ہونے لگے جو اس کے اہل نہیں تو قیامت کا انتظار کرو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل مبارک سے ثابت ہوا کہ حدیث کو نامکمل چھوڑ کر دوسرے کی طرف متوجہ ہونا ادب حدیث کے خلاف ہے۔ یہ حدیث اس بحث میں بھی پیش کی جا سکتی ہے کہ حدیث کا ادب خود دربار رسالت میں کتنا تھا۔

حضرت امام مالکؒ کا عمل اس بارے میں کیا تھا۔ اسے حضرت ابو قتادہؓ سے سنیئے!

"امام مالکؒ ہمارے سامنے حدیث بیان کر رہے تھے تو ان کو بچھو نے سولہ مرتبہ ڈنک مارا اور امام مالکؒ کا رنگ متغیر ہو گیا چہرہ زرد پڑ گیا مگر حدیث کو درمیان میں قطع نہیں فرمایا۔ جب بیان حدیث سے فارغ ہو گئے اور جب سب لوگ روانہ ہو گئے تو میں نے ان سے عرض کیا اے ابو عبد اللہ (امام مالکؒ کی کنیت) میں نے آج آپ کا عجیب حال پایا؟ امام مالکؒ نے فرمایا کہ آج حدیث پڑھاتے وقت بچھو نے سولہ جگہ ڈنک مارا مجھے اس سے تکلیف ہو رہی تھی۔ لیکن میں حدیث کے اجلال و تعظیم کی بناء پر صبر کرتا رہا (مدارج النبوۃ جلد ۱ ص۵۲۲)

مطالعہ حدیث کے وقت کتاب کا احترام

حدیث سننے سنانے پڑھنے پڑھانے تک یہ معاملہ نہیں بلکہ آداب میں سے یہ بھی ہے کہ کتب حدیث کا بھی بڑا احترام کرتے تھے۔

حدیث کی کتابوں پر کسی کی کتب بھی نہ رکھتے تھے کتب احادیث کو اپنے سے نیچے نہ رکھے نہ زمین پر بغیر کوئی کپڑا بچھائے۔ وکتب حدیث پر پھلانگ لگا کے جائے، کتب حدیث جس پر رکھی جاتی ہے اس کا ادب بھی ملحوظ رہے یہ نہ ہو کہ اس کے اوپر پیر رکھ دے یا پھلانگ کر چلا جائے۔ عام کتب کی طرح نیچے لٹکائے ہوئے نہ چلے بلکہ سینے کے ساتھ لگائے ہوئے چلے۔ مطالعہ حدیث کے وقت بھی اس کا خاص اہتمام کرے کہ کسی طرح بے ادبی نہ ہو جائے۔ محدثین عظام اور علماء کرام کا معمول تو یہاں تک رہا ہے کہ کتب حدیث کے مطالعہ کے وقت بھی اس کا اتنا ادب کرتے تھے کہ کتاب کا حاشیہ دیکھنے کے لئے الٹ پلٹ یا آگے پیچھے نہ کرتے تھے بلکہ حدیث اور کتاب کے احترام اور ادب میں خود اٹھ اٹھ کر جایا کرتے تھے۔ دارالعلوم دیوبند کے محدث شہیر حضرت مولانا علامہ انورشاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا ادب حدیث ملاحظہ کیجئے؛

کتاب کو مطالعہ میں کبھی اپنے تابع نہیں کیا جس نشست پر بیٹھ کر کتاب کا مطالعہ کرتا ہوں اگر حاشیہ دوسری جانب ہوتا ہے تو کتاب کو گردش دیکر حاشیہ اپنے سامنے کرنے کی کوشش نہیں کی کتاب کی ہیئت بدلے بغیر خود اپنی نشست بدل کر حاشیہ کی جانب آبیٹھتا ہوں۔ (نقش دوام ص۱۰۸)

جونپور کے حضرت مولانا عبدالقیوم ایک جگہ لکھتے ہیں؛

تحصیل علم کے لئے جس طریقہ سے استاذ کی تعظیم وتکریم ضروری ہے کتاب کی بھی تعظیم ضروری ہے لہٰذا کتاب کی طرف پاؤں نہ پھیلائے مراتب کتاب کا لحاظ رکھے حدیث کی کتابوں پر تفسیر کے علاوہ کسی دوسری کتاب کو نہ رکھے اور کسی کتاب پر کوئی دوسری چیز نہ رکھنا چاہیئے۔ (مقدمہ شرح مشکوٰۃ ص۱۰۶)

بلکہ حضرت شمس حلوانی تو یہاں تک فرما گئے کہ جو کچھ مجھ کو علم نصیب ہوا وہ تعظیم کی بدولت یہاں تک کہ میں نے کوئی کاغذ بلا وضو نہیں چھوا۔ (مقدمہ شرح مشکوٰۃ ص۱۰۵)

اساتذہ حدیث کا ادب واحترام

اساتذہ حدیث کا احترام بایں جہت کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم واقوال ہم تک پہنچا رہے ہیں اور یہی وارثین انبیاء ہیں بہت ہونا چاہیئے ان کی عزت وعظمت کا خوب خیال رکھے اور کوشش کرے کہ حدیث میں انہی لوگوں کو استاد بنائے جن کے دین پر اعتماد ہو۔

حضرت امام ابن سیرینؒ فرماتے ہیں؛

ان ھذا العلم دین فانظروا عمن تاخذون دینکم (مسلم شریف جلد ا ص)

ترجمہ؛ بیشک یہ علم دین ہے سو دیکھا کرو کہ کن لوگوں سے تم اپنا دین حاصل کرتے ہو۔

حضرت عقبہ بن نافع نے اپنے بیٹے کو نصیحت فرمائی تھی۔ یا بنی لا تقبلوا الحدیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا من ثقۃ۔ (التمہید لابن عبدالبر جلد ا ص۴۵) ترجمہ؛ اے میرے بیٹو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث

کسی معتمد آدمی سے ہی لیا کرو۔"

اور حق یہ ہے کہ اس سے بڑی جہالت کی قباحت کیا ہوگی کہ انسان علم کے بغیر مسئلہ بتائے اور غیر معتمد لوگوں سے حدیث لے لے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے حضرت قاسم بن محمد (۱۰۱ھ) جو اپنے دور کے سب سے بڑے عالم تھے فرماتے ہیں: اقبح من الجهل ان اقول بغير علم او احدث عن غير ثقة۔ (التمهيد لابن عبد البر ص۴۲)

ترجمہ: "میں اونٹ سے بدتر ہوں گا اگر بغیر علم کے کوئی بات کہوں یا غیر معتمد سے حدیث بیان کروں۔"

خلیفہ راشد سیدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: اذا كتبتم الحديث فاكتبوه باسناده فان يك حقاً كنتم شركاء في الاجر وان يك باطلاً كان وزره عليه۔ (شرح الجامع الصغير للمناوی ص۵۵)

ترجمہ: جب تم کوئی حدیث لکھو تو اسے اس کی سند کے ساتھ لکھا کرو اگر وہ صحیح ہوگی تو تم اس کے اجر و ثواب میں شریک ہوگے اور اگر روایت غلط ہوگی تو اس کا گناہ اس غلط راوی پر ہی ہوگا۔

امام مالکؒ تو یہاں تک فرما گئے کہ: لا يؤخذ العلم عن اربعة عن مبتدع ولا من سفيه ولا عمن يكذب في احاديث الناس وان كان يصدق في احاديث النبيؐ ولا عمن لا يعرف هذا الشان۔

ترجمہ: علم حدیث چار شخصوں سے نہ لیا جائے نہ بدعتی سے نہ بیوقوف سے نہ اس شخص سے جو لوگوں کی باتوں میں جھوٹ بول لیتا ہو اگرچہ حدیث نبوی میں سچ ہی کہتا ہو اور نہ اس سے جو اس (موضوع) کی شان کو ہی نہ جانتا ہو۔

(مقدمہ اوجز المسالک ص۹)

جہاں تک ہوسکے اہل بدعت سے روایت نہ لے اگر کہیں روایت بایں نظر لی ہے کہ شاید کسی دوسری روایت میں متابعت کے کام آئے تو بھی ان لوگوں کی مجلس کو لازم نہ پکڑے تاکہ انہیں باقاعدہ استاد نہ کہنا پڑے اور وہ بھی پوری احتیاط کے ساتھ۔ سیدنا حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:

ولا شك ان اخذ الحديث من هذه الفرق يكون بعد التحري والاستصواب ومع ذلك الاحتياط في عدم الاخذ لانه قد ثبت ان هؤلاء الفرق كانوا يضعون الاحاديث لترويج مذاهبهم وكانوا يقرون به بعد التوبة والرجوع والله اعلم (مقدمہ مشکوٰۃ ص۷)

ترجمہ: اس میں شک نہیں کہ ان فرقوں سے حدیث لینا غور اور پڑتال کے بعد ہی چاہیئے اور اس کے باوجود احتیاط نہ لینے میں ہی ہے کیونکہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ یہ لوگ اپنے خیالات باطلہ کو رواج دینے کے لئے حدیثیں گھڑتے تھے اور جب (ان میں کسی کو) توبہ کی توفیق ہو جاتی تو اقرار کرتے (کہ انہوں نے بدعقیدگی کے دور میں کیا کیا حدیثیں گھڑی تھیں)

یہ ادب و احترام تو شیخ کے عقائد و اعمال کے متعلق ہے کہ اہل حق میں سے ہو گمراہ فرقوں میں سے نہ ہو تاہم اس

ادب و احترام کا بھی اپنا ایک مقام ہے جو اخلاق و عادات کی راہ سے قائم ہوتا ہے۔ بعض محدثین سے یہاں تک منقول ہے کہ وہ اپنے شیخ کے احترام میں کھڑے رہ کر اس سے حدیث سنتے تھے۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔ یہاں یہ ذہن میں رہے کہ کتاب کے احترام کے ساتھ استاد کا احترام بھی ضروری ہے۔

جب تک کتاب و استاد کی حرمت و عظمت ذہن نشین نہ ہوگی اسوقت تک علم قریب نہیں آتا۔ صحابہ کرامؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہتے اور ہر آن فیض رسالت سے فیضیاب ہوتے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی مضمون بیان فرماتے ہیں تو صحابہ کرامؓ ادب اور احترام سے بیٹھتے۔ ایسے ہی ایک موقع پر حضرت عمرؓ کے دوزانو ہوکر بیٹھ جانے کی روایت "حدیث کی سماعت کے وقت مجلس کا احترام" کی بحث میں آپ دیکھ چکے ہیں۔

اسی طرح بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ حدیث بیان کرنیوالے کئی حضرات موجود ہوں اس صورت میں طالبات ہو تو جس سے چاہے پوچھ لے لیکن اعلم (زیادہ علم والا) سامنے ہو تو اسی سے پوچھے۔ اس کے سامنے دوسرے سے پوچھنا اس کے ادب کے خلاف ہے۔ ہاں بات اہم اور پیچیدہ ہو اور بڑے شیخ سے سوال ممکن ہو تو پھر دوسروں سے پوچھنا شیخ کے احترام کے خلاف سمجھے۔ سیدنا حضرت امام عبداللہ بن مسعودؓ حدیث کے بڑے امام تھے ان کے اسی شہر میں ہوتے ہوئے ایک مسئلہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ (۵۲ھ) سے پوچھا گیا تو آپ نے کچھ کہا اور اس کی تصدیق حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے نہ ہو سکی تو حضرت ابو موسیٰ نے صاف فرمایا لا تسألونی مادام ھذا الحبر فیکم۔ (بخاری شریف جلد ۲ ص۹۹۷)

جب تک یہ (حضرت عبداللہ بن مسعودؓ) بڑے عالم تم میں موجود ہیں مجھ سے کوئی مسئلہ مت پوچھو۔

حضرت ابراہیم نخعی حضرت امام شعبی (۱۰۳ھ) کی موجودگی میں کچھ گفتگو نہیں فرماتے تھے ہاں کبر سنی یا کسی مرض کی وجہ سے غلبہ ہو تو ایسے حضرات خود ہی احتیاط فرماتے تھے روایت کم کرتے تھے۔ بڑے حضرات کا احترام و ادب اپنی جگہ تاہم یہ ضروری نہیں کہ استاذ لازمی طور پر شاگرد سے زیادہ علم رکھتا ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

رب حامل فقہ الی من ھو افقہ منہ۔ (مشکوٰۃ شریف)

حضرت ابراہیم نخعی بھی تو فقہ میں نادرۂ روزگار تھے اور امام شعبی تو شعبی ہی ہیں۔

اساتذہ کے آداب میں سے ہے کہ طلبا سبق کے وقت استاد کے زیادہ قریب نہ بیٹھیں۔ ادب و احترام کی حدود تبھی قائم رہ سکتی ہیں۔ شاگرد اور استاد کے درمیان کم از کم ایک کمان کا فاصلہ ضرور رہنا چاہیئے اس لئے کہ یہ اقرب الی التعظیم ہے۔

استاد اور شاگرد کے ادب کی ایک مثال لیجئے:

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ اپنے کمرہ میں مصروف مطالعہ تھے ان دنوں زاد المعاد لابن القیمؒ نئی نئی چھپ کر آئی تھی اور حضرت شیخ اسی میں منہمک تھے۔ حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ بھی ان دنوں دار العلوم دیوبند میں مدرس تھے اور حضرت شیخ کے شاگرد رشید تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ اپنی کسی ضرورت سے حضرت شیخ کو ملنے آئے دروازہ کھلا تھا شاہ صاحبؒ مسلسل کھڑے رہے

کہ حضرت شیخ کی نظر پڑے تو اندر آئیں۔ حضرت شیخ الہندؒ کتاب میں اسقدر اترے پڑے تھے کہ آدھ گھنٹہ سے زائد ہوگیا کہ حضرتؒ نے نظر نہ بدلی اور حضرت شاہ صاحبؒ مسلسل کھڑے رہے اور محض اس لئے کہ استاذ کے کام میں خلل نہ ہو اور ادب کے خلاف نہ ہو انہیں آواز نہ دی۔ یہ حضرات اپنے وقت کے آفتاب و ماہتاب تھے مگر ادب و احترام میں دیکھیں کہ کسقدر کوشاں رہے یہی وہ حضرات ہیں جو ادب کی وجہ سے علم کے خزانے جمع کر گئے اور پھر سالہا سال پوری دُنیا میں یہ علم کے موتی بکھیرتے رہے۔

استاد شاگرد کے اختلاف میں مسئلے کا حل

شیخ اور اس سے سُننے والے دونوں ہی علم پیغمبرؐ کے وارث و امین ہیں اس لئے ایسے موقع پر کہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بات کی نسبت غلط نہ ہو جائے استاذ یا اوپر کے کسی راوی سے اختلاف کرنا یا کسی راوی اور استاد کی جانچ پڑتال کرنا یہ کوئی امر ناجائز نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کا ادب و احترام استاد کے ادب و احترام سے کہیں زیادہ ہے۔

حضرت عمرو بن دینار نے حضرت ابو معبد سے بھی روایات لیں۔ ایک روایت میں استاذ شاگرد کا اختلاف ہو گیا حضرت ابو معبد نے فرمایا کہ میں نے اسطرح یہ حدیث تمہارے پاس روایت نہیں کی۔ (مسلم شریف جلد ۱ ص۲۱۷) روایت یہ تھی کہ صحابہؓ اختتام نماز پر بلند آواز سے تکبیر کہا کرتے تھے اس کے راوی سفیان، عمرو بن دینار۔ ابو معبد اور حضرت ابن عباسؓ تھے۔ صحیح مسلم کی اسناد یہی ہے اس میں استاد شاگرد کا اختلاف ہو گیا۔ قال عمرو فذکرت ذالک لابی معبد فانکرہ وقال لم احدثک لہذا قال عمرو وقد اخبرنیہ قبل ذالک (مسلم شریف جلد ۱ ص۲۱۷)

ترجمہ: عمروؒ کہتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کو ابو معبد کے پاس ذکر کیا تو انہوں نے اس روایت کا انکار کر دیا اور فرمایا کہ میں نے تو یہ حدیث تمہارے پاس بیان نہیں کی تھی۔ عمروؒ کہتے ہیں کہ انہوں نے بیشک یہ حدیث میرے پاس بیان کی تھی۔

اب سوال یہ رہتا ہے کہ اس صورت حال میں حدیث لائق استدلال رہتی ہے یا نہیں؟ سو اس سلسلہ میں حنفیہ کا مذہب یہ ہے خالفہم الکرخی من اصحاب ابی حنیفۃ رضی اللہ عنہما فقال لا یحتج بہ۔

ترجمہ: امام ابو حنیفہؒ کے اصحاب میں سے کرخیؒ نے اس قسم کی حدیث قبول کرنے والوں کی مخالفت کی ہے اور کہا ہے کہ اس صورتحال میں متعلقہ حدیث سے استدلال نہ کیا جائے۔ (نووی شرح مسلم ۱ ص۲۱۷)

بلکہ علامہ عینیؒ نے خود حضرت امام ابو حنیفہؒ سے یہی نقل کیا ہے:

فذھب ابو حنیفۃ وابو یوسف واحمد فی روایۃ الی انہ یسقط العمل بہ کالوجہ الاول وھو مختار الکرخی والقاضی ابی زید وفخر الاسلام۔ (عینی علی البخاری جلد ۲ ص۱۴۱)

ترجمہ: امام ابو حنیفہ اور امام یوسفؒ امام احمد اسطرف گئے ہیں کہ اس روایت پر عمل ساقط ٹھہرتا ہے جیسا کہ پہلی صورت میں تھا اور یہی امام کرخی اور فخر الاسلام اور قاضی ابو زید کا مختار ہے۔

محدثین سلف کا احترام

مذکورہ سابقہ مثال سے یہ نہ سمجھیں کہ راویوں پر جس طرح جی میں آئے زبان کھولیں۔ ہرگز نہیں۔ جس طرح اپنے زمانہ کے اساتذہ اور اکابر کا احترام کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے اسی طرح محدثین سلف کا بھی اور ان تمام رواۃ حدیث کا بھی ادب واحترام لازم ہے۔ محدثین کرام نے احادیث کی تخریج بڑی کاوشوں اور محنتوں سے فرمائی ہے اس لئے ان احادیث پر کلی بحث کے دوران کوئی ناشائستہ جملہ زبان سے نہ نکلنے پائے۔ ہاں جرح وتعدیل یا راویوں کی تحقیق اپنی جگہ مسلم ہے لیکن ان میں بھی ایک محدث کا دوسرے محدث سے موازنہ کرتے وقت کوئی بے ادبی کا پہلو نہ آجائے عام طور پر طلبا اس سے غافل رہتے ہیں اس میں احتیاط کی اشد ضرورت ہے۔

کبرسنی میں حدیث روایت کرنے سے احتیاط

عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت زید بن ارقمؓ سے کہا کہ ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث سنائیں۔ اس پر آپ نے فرمایا: کبرنا ونسینا والحدیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شدید۔ (مقدمہ مشکوٰۃ ص۱۰۵)

ترجمہ: ہم بوڑھے ہوگئے اور بھولنے پر آگئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بات نقل کرنا تو بہت اہم بات ہے۔" (یعنی اس میں صحت کی بہت تاکید ہے)

اس سے پتہ چلا کہ آداب حدیث میں ایک ادب یہ ہے کہ روایت کرنیوالا پوری پختگی اور تیقظ سے روایت کرے بڑھاپے اور نسیان کا غلبہ ہو تو روایت سے احتراز کرے۔ اسی طرح لوگوں کو بھی نہ چاہیئے کہ ایسے حضرات کو روایت کرنے پر مجبور کریں ورنہ کوئی نہ کوئی بات درمیان سے ضرور رہ جائے گی۔ مولانا عبدالقیوم بجنوری لکھتے ہیں کہ:

"جب کبھی کبرسنی یا کسی مرض کی وجہ سے نسیان کا غلبہ ہو یا تغیر وتبدل حدیث کا اندیشہ ہو تو اسوقت حدیث کے بیان کرنے سے گریز کرنا چاہیئے۔"

اساتذہ حدیث کی بے ادبی کا انجام

جس طرح اساتذہ کی خدمت اور ان کے ادب واحترام سے علم میں ترقی اور نور پیدا ہوتا ہے ظاہر ہے کہ ان کی بے ادبی اور ترک احترام سے علم سے نورانیت اور برکت اٹھ جائے گی اسی طرح علم سے وہ کتنا ہی ذخیرہ کیوں نہ جمع کرلے اس کا علم نافع نہ ہوگا اور ظاہر ہے کہ ایسا علم کی طلب نہ ہونی چاہیئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اللّٰھم انا نعوذ بک من علم لا ینفع علم تو بہت ہیں لیکن جس کا علم نفع پہنچائے اور وہ نفع دائمی ہو وہی عالم ہے اور جس کا علم خود اسے نفع نہ دے وہ اوروں کو کیا نفع دے گا۔ وہ مثل حمار کے ہوگا کہ کتابوں کے انبار تو اس پر ہیں مگر بے سود۔ کمثل الحمار یحمل اسفاراً اس لئے طلبہ کے ذمہ ضروری ہے کہ اساتذہ کے ادب واحترام کا دامن مضبوطی سے تھامے۔ مثل مشہور ہے با ادب بانصیب بے ادب بے نصیب۔ مولانا روم فرماتے ہیں:

از خدا خواہیم توفیق ادب ۔۔۔ بے ادب محروم گشت از فضل رب
بے ادب تنہا نہ خود را داشت بد ۔۔۔ بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد

حضرت مولانا
سید ابوالحسن علی ندوی
مدظلہ العالی

جنگ آزادی میں علماء کا قائدانہ کردار

مولانا ابوالکلام آزاد کی برسی کے موقع پر مولانا آزاد اکیڈیمی کی طرف سے ایک تقریب گنگا پرشاد میموریل ہال لکھنؤ میں منعقد کی گئی تھی جس میں مہمان خصوصی کی حیثیت سے مصری وزیر اوقاف اور ممتاز عالم جناب ڈاکٹر عبدالمنعم النمر تھے۔ ڈاکٹر صاحب کی تقریر کے بعد مولانا ندوی نے تقریر کی اور مولانا آزاد کی خدمات پر روشنی ڈالتے ہوئے اس نکتہ کو واضح کیا کہ علماء کا ہمیشہ یہ شعار رہا کہ انہوں نے نہ صرف جنگ آزادی میں حصہ لیا بلکہ اس میں قائدانہ کردار بھی ادا کیا ہے

صدر گرامی و حاضرین جلسہ!

میں آج یہاں بہت عرصہ کے بعد گنگا پرشاد میموریل ہال میں حاضر ہوا ہوں۔ میں اسی کے پڑوس میں رہنے والا ہوں، میری عمر لکھنؤ میں گذری، یہیں پڑھا لکھا۔ یہاں آنے پر میرے حافظہ نے پچاس سال کی مسافت بجلی کی سی رفتار سے طے کر لی اور مجھے وہ وقت یاد آیا جب شاید میری آنکھیں مولانا آزاد کے دیدار سے پہلی مرتبہ روشن ہوئی تھیں، میری عمر شاید چودہ پندرہ سال ہی ہوگی، یہ سن کر کہ مولانا آزاد کی تقریر گنگا پرشاد میموریل ہال میں ہونے والی ہے میں بھی ایک تماشائی کی حیثیت سے یہاں حاضر ہوا۔

ایک چھوٹا سا واقعہ جس میں مولانا آزاد ہی نہیں بلکہ جس طبقہ سے وہ تعلق رکھتے تھے اس کی عظمت ہی نہیں بلکہ اس کی ذہنیت اور اس کے طرز فکر اور طرز زندگی کی پوری عکاسی ہے۔ میں آپ کے سامنے اس کا ذکر کرتا ہوں۔ مولانا آزاد نے یہاں تقریر کی اور یہ وہ وقت تھا کہ جب ہندوستان میں صحیح معنوں میں ان کا طوطی بولتا تھا جیسا کہ انہوں نے لکھا ہے "الہلال" کا زمزمہ ان کا جادو اس وقت سب کے سر پر چڑھ کر بولتا تھا ان کی کمان چڑھی ہوئی تھی اور ان کا تیر خطا نہیں جاتا تھا۔ وہ زمانہ تھا جب وہ یہاں آئے، سب کی آنکھوں کا تارا تھے، سب کی آنکھوں کا نور تھے۔ انہوں نے یہاں سیاسی موضوع پر تقریر کی لیکن اس دوران مغرب کی نماز کا وقت ہوگیا۔ مجھے خوب یاد ہے اسی ہال کے پیچھے ایک کشادہ جگہ تھی جہاں مجمع کا بڑا حصہ تھا، نماز ہوئی، ابتداءً مولانا حسرت موہانی اور مولانا آزاد کے پیچھے ہمیں یہ سعادت حاصل ہوئی ہم نے ان کے پیچھے مغرب کی نماز پڑھی۔ چھوٹی سی بات ہے معمولی سا واقعہ ہے

مسلمانوں کی زندگی، ان کے عقائد اور معمولات کے لحاظ سے اس کی کوئی اہمیت نہیں، لیکن میں اس سے ایک بہت بڑا نتیجہ نکالتا ہوں۔ یہ واقعہ کہ یہاں اسٹیج پر تقریر اور انگریز کی اس حکومت کو للکارنا جس کے متعلق کہا جاتا تھا۔ لوگوں کو یقین تھا کہ وہ اتنی وسیع ہے کہ سورج اس کی قلمرو میں غروب نہیں ہوتا۔ وہ شیر جو یہاں گرج رہا تھا اور برطانیہ کو چیلنج کر رہا تھا اس کے دبدبہ اور اس کی سلطنت کو (جب وہ اپنے پورے شباب پر تھا) وہ شیر خدا کے سامنے سجدہ ریز تھا۔ یہ چھوٹی سی بات ہے لیکن بہت بڑی بات ہے۔ یہی اس طبقہ کی اصل تصویر ہے جس کی امامت مولانا آزاد نے کی۔ اور جس سے مولانا آزاد کا شروع سے آخر تک تعلق رہا اور جس تعلق کو انہوں نے کبھی بھی ٹوٹنے نہیں دیا۔ وہ صحیح معنوں میں اس شعر کی تصویر تھے ؎

در کفے جام شریعت در کفے سندانِ عشق   ہر ہوسناکے نہ داند جام و سنداں باختن

ع یوں کئے کس نے بہم جام و سنداں دونوں

یہاں ساغر و سنداں، یہاں وہ گرج جو شیر کا پتہ پانی کر دے اور وہاں وہ عجز و نیاز کہ جس کو دیکھ کر انسان کو اپنی حقیقت معلوم ہو اس کو مولانا آزاد نے اپنی ذات میں جمع کیا اور ان کا اس طبقہ سے اول و آخر تک تعلق رہا جو ان دونوں کو عزیز رکھتا تھا اور ہم ہندوستانی مسلمانوں کا عمومیت کے ساتھ اور اس طبقہ کا جس کے ساتھ مولانا آزاد کا تعلق تھا جس کی بہترین روایات کے وہ حامل تھے اور جس کی انہوں نے پورے طور پر ترجمانی القرآن میں ترجمانی کی ہے اس طبقہ کو یہ فخر حاصل ہے کہ اس نے جس طرح محراب و منبر پر اپنی نیاز کا، اپنی عجز و عاجزی کا اظہار کیا اسی طرح حکومت وقت کے سامنے اپنی خودداری و غیرت کا اظہار کیا۔ یوں تو اپنی معلومات اور اپنے محدود مطالعہ کے مطابق کہہ سکتا ہوں۔ ہمارے یہ صدر محترم ڈاکٹر عبدالمنعم النمر جو میرے بائیں تشریف فرما ہیں جن کی تقریر سے افتتاح ہوا ہے اس جلسہ کا۔ میرے عزیز اور قابلِ احترام دوست ہیں۔ ان کے ملک کو یہ فخر حاصل ہے، میں ہندوستان کا ہندوستانی مسلمانوں کا مرتبہ اونچا کرنے کے لئے کسی دوسرے ملک کے ساتھ ناانصافی کرنا جائز نہیں سمجھتا، میں تاریخ کا ایک طالب علم ہوں اور تاریخ کے طالبعلم اور تاریخ نویس کو منصف اور حقیقت پسند ہونا چاہیئے۔ مصر کو بھی یہ فخر حاصل ہے کہ جامع ازہر نے وہاں کی تحریک آزادی کی قیادت کی۔ انگریزوں نے بہت جلد یہ سمجھ لیا کہ ان کے لئے سب سے زیادہ نقصان دہ ان کی حکومت و اقتدار اور ان کے دبدبہ کے لئے سب سے زیادہ مضر اگر کوئی قلعہ ہو سکتا ہے تو وہ ازہر کا قلعہ ہے جن لوگوں نے مصر کی تاریخ پڑھی ہے اور شیخ جمال الدین افغانی، شیخ محمد عبدہ، مصطفےٰ کامل اور مصر کی تحریک آزادی پر جن لوگوں کی نظر ہے وہ جانتے ہیں کہ ازہر نے کیا قائدانہ کردار ادا کیا۔ یہی کردار یہاں ۔ ہندوستان کے مسلمانوں نے ادا کیا اور میں سمجھتا ہوں کہ ہندوستان کے مسلمانوں کا ہندوستانی علماء کا قدم کچھ آگے ہی رہا جس کا اعتراف ہمارے فاضل دوست ڈاکٹر عبدالمنعم النمر نے کیا ہے۔

ہندوستان کے علماء نے جنگ آزادی میں جو حصہ لیا میں ان الفاظ کو علماء کے لئے ازالہ حیثیت عرفی کے مترادف سمجھتا ہوں، میں ڈنکے کی چوٹ پر کہتا ہوں کہ ہندوستانی مسلمان اور ہندوستان کے علماء نے جنگ آزادی کی سربراہی کی اور تحریک آزادی کی قیادت و رہنمائی کی۔ ۱۸۵۷ء سے بہت پہلے حضرت سید احمد شہیدؒ، شاہ اسماعیل شہیدؒ اور ان کے سرفروش و

جانباز ساتھیوں نے جن میں خاندان صادق پور کے لوگوں کا بہت بڑا حصہ ہے انہوں نے دار و رسن اور میدان جنگ کو اپنے خون سے لالہ زار بنا دیا۔ انہوں نے انگریزوں کے چھکے چھڑا دیئے اور اتنا عاجز کیا کہ برطانوی پارلیمنٹ میں بار بار سوالات ہوئے کہ ہندوستان کی حکومت اتنی زیر بار کیوں ہو رہی ہے اس نے اس شورش کا قلع قمع کیوں نہیں کیا، اس کا جواب دیا جائے۔ ایک ایسا زمانہ آیا کہ وائسرائے (اسوقت وائسرائے نہیں ہوتے تھے بلکہ گورنر جنرل ہوتے تھے) کی حفاظت کے دستے میں چند سپاہی رہ گئے تھے اور باقی پوری فوج ہندوستان کی مغربی شمالی سرحد کے مورچے پر جھونک دی گئی تھی جہاں ہندوستان کے مجاہدین نے مورچہ بنا لیا تھا اور حضرت سید احمد شہیدؒ کے جانشینوں نے مقابلہ کیا تھا پھر اس کے بعد شاملی کا میدان (جس کے بعض قائدین کا ڈاکٹر عبدالمنعم النمر نے نام لیا ہے) اور حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ جس کے قائد تھے مولانا محمد قاسم نانوتویؒ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ مجاہدین میں تھے۔ انہوں نے شاملی کے میدان میں انگریزوں سے مورچہ چھینا۔ حافظ ضامن شہیدؒ وہاں شہید ہوئے اس کے بعد ۱۸۶۴ء میں دی گریٹ وہابی کیس کے نام سے کیس چلا اور ان کو پھانسی اور کالے پانی کی سزائیں دی گئیں۔ یہاں کے علماء کے چند نام بھی جانتا ہوں۔

مولانا یحییٰ علی صاحب، مولانا احمد اللہ صاحب صادق پوری کہ انہوں نے وہیں کالے پانی میں اپنی زندگی کے دن پورے کئے۔ مولانا فضل حق خیرآبادی نے وہاں کئی سال کاٹے اور مولانا عنایت علی صاحب کاکوری نے وہاں بڑی بڑی شاندار کتابیں لکھیں۔ تاریخ کی روشنی میں پورے پورے وثوق کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ تقریباً ہر ملک کے علماء کا شعار رہا ہے کہ انہوں نے جنگ آزادی میں اور بیرونی استعمار کا مقابلہ کرنے میں نہ صرف حصہ لیا بلکہ اس کی قیادت کی اس لئے کہ مسلمانوں کا مزاج ہمیشہ سے دینی رہا ہے۔ اگر آپ اس نکتہ کو سمجھ جائیں اور کاش ہمارے اس وقت کے سیاسی لیڈر و دانشور اور مفکرین اگر اس نکتہ کو سمجھ جاتے کہ ؎ خاص ہے ترکیب میں قوم رسولِ ہاشمی

ہزار انقلابات کے باوجود بھی اس کے مزاج جو ہیں وہ مذہبی ہیں، اس پر لوگوں کا اثر نہیں پڑ سکتا ہے جن کے پاس یہ اپیل ہے جو مذہبی طور پر اس کے جذبات کو متاثر کر سکتے ہوں، اور اسکو مطمئن کر سکتے ہوں، اس لئے کہ یہ ایک نفسیاتی اور انسانی حقیقت ہے کہ ہر ملک میں وہی تحریک آزادی کامیاب ہوئی اور جنگ آزادی کا نتیجہ نکلا جس کی قیادت میں مذہبی عنصر شامل تھا اور جہاں مذہبی زبان بولی گئی۔

میں خاص طور پر الجیریا کا نام لیتا ہوں، الجزائر نے جب اعلان جہاد کیا فرانس کے مقابلہ میں، اور اس عہد کی تاریخ میں اس سے زیادہ قربانی اور کوئی ملک پیش نہیں کر سکتا (میں کسی ملک کی قربانی کی تحقیر نہیں کرتا میں خود ہندوستان کی تاریخ پر فخر کرتا ہوں اور اس پر اپنا حق سمجھتا ہوں) واقعہ یہ ہے کہ جہاں تک جسمانی قربانیوں کا تعلق ہے، سو برس کے اندر کسی ملک نے اتنے شہیدوں کا خون پیش نہیں کیا اور اتنے شہیدوں کے سر نہیں پیش کئے جتنا کہ الجیریا (الجزائر) نے پیش کئے۔ یہ ساری لڑائی مذہب کے نام پر لڑی گئی۔ آپ اسوقت کے فرنچ اخبارات کو دیکھیں جو وہاں سے نکلتے تھے کہ اتنے فرانسیسی مقتول ہوگئے

اتنے مجاہدین مقتول ہوئے۔ عرب ملک کا نام نہیں ہوتا تھا (معاف کیجئے قومیت عربیہ کا حصہ اس میں نہ ہونے کے برابر ہے) یہ خالص مذہبی جنگ تھی مسلمان اپنے دین کی رُو سے اپنے مذہب کی رُو سے قرآن و حدیث کی تعلیمات کی رُو سے اس بات کے پابند ہیں کہ وہ غیر ملکی اقتدار کو پسند نہ کریں، ان کا قرآن ان سے یہ مطالبہ کرتا ہے، دین و شریعت ان سے یہ مطالبہ کرتی ہے۔ اس لئے مسلمان کے لئے جو زبان آج سے ہزار برس پہلے قابل فہم تھی جس زبان میں جادو کا اثر تھا اور جس میں مقناطیس کا اثر تھا، جو زبان ان کے دلوں کی گہرائیوں کو چھوتی تھی وہ زبان (معاف کیا جائے) سیاسی زبان نہیں ہے، یا اگر میں زیادہ احتیاط سے کام لوں تو خالص سیاسی زبان نہیں ہے وہ یا تو مذہبی زبان ہے یا نیم مذہبی زبان ہے جس کو علماء نے سمجھا، صرف وہی جنگِ آزادی کامیاب ہوئی، وہی جنگِ آزادی اپنی منزل تک پہنچی، اسی کے صحیح نتائج ظاہر ہوئے جہاں مسلمانوں کے مزاج کو سمجھ کر ان سے نیم سیاسی و نیم مذہبی زبان میں خطاب کیا گیا، اور یہی راز ہے یہاں کی جنگِ آزادی کی کامیابی کا اور جس طریقہ کی یہاں سر دھڑ کی بازی لگائی گئی اس میں یہی راز ہے کہ ان کی قیادت کرنے میں میدان جنگ میں ان کے سامنے جو لوگ آئے وہ اسی طبقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ مجھے اس سے بہتر موقع شاید نہ مل سکے کہ اس بات کا اعلان کروں کہ افسوس ہے ہندوستان کی تاریخ کے اس زریں ورق کو دبا دیا گیا، میں نہیں کہتا کہ سیاہی پھیر دی گئی ہے لیکن اسکو دبا ضرور دیا گیا ہے۔ یہ ورق ہرگز ہماری تاریخ سے خارج ہونے کا مستحق نہیں تھا، یہاں کی ہر چیز ہماری ملکیت ہے ہمیں اس پر فخر کرنے کا حق حاصل ہے کہ یہاں کے مسلمانوں نے اگر قربانیاں دیں تو اس ملک کو آزاد کرانے کے لئے قربانیاں دیں۔ آپ ان کی فراخدلی، ان کی دُور بینی، ان کی بلند نگاہی کو دیکھیں، سیّد احمد شہیدؒ کے خطوط کو پڑھیں جو انہوں نے مہاراجہ گوالیار کے نام لکھے ہیں۔ آج بڑے سے بڑے سیاستدان بڑے سے بڑے سیاسی مبصّر، بڑے سے بڑے سیاسی لیڈر کی نظر میں وہ وسعت وہ دُور بینی نہیں انگریزوں کی حکومت کے جن خطرات کی نشاندہی انہوں نے کی تھی انہوں نے بتایا کہ یہ حکومت سرطان کی طرح ملک میں پھیل رہی ہے جس نے عزت والوں کی عزت خاک میں ملا دی ہے، نہ مسلمان اس بے عزتی سے محفوظ ہیں نہ ہندو۔ انہوں نے کہا کہ آپ اطمینان سے نہ بیٹھیں، یہ ریاستیں باقی نہیں رہیں گی، یہاں کسی عزت والے کی عزت محفوظ نہیں رہے گی اور پھر میں سے

زباں پہ بارِ خدا کس کا نام آیا　　کہ میرے نطق نے بوسے میری زباں کے لئے

سلطان ٹیپو شہیدؒ کا نام لیتا ہوں جس نے کہا تھا کہ "شیر کی زندگی کا ایک سال گیدڑ کی صد سالہ زندگی سے بہتر ہے"۔ ٹیپو سلطان وہ مردِ دُور اندیش اور مردِ دُور بین تھا جس نے سلطنتِ ترکی اور اس کے عثمانی خلیفہ کو یہاں سے خط لکھے ہیں کہ آئیے ہم آپ دونوں تعاون کر کے انگریزوں کو ہندوستان سے نکالیں ورنہ نہ ہندوستان رہے گا اور نہ ترکی۔ کارنامے کی اہمیت اور دور بینی کی عظمت اپنے اپنے زمانہ سے ناپی جاتی ہے۔ کس زمانہ میں یہ بات کہی گئی ہے، آج اگر یہ بات مولانا محمد علی جوہر یا گاندھی جی نے یہ بات کہی اور مجھے معاف کیجئے میں صاف کہوں گا کہ مولانا آزاد نے "الہلال" کے صفحات پر یہ بات کہی تو وہ اتنی قابل تعریف نہیں لیکن سلطان جس محدود ماحول کا پروردہ تھا ہوا تھا وہاں بیٹھ کر سلطان ترکی سے خط و کتابت کرتا اور کہتا ہے

کہ اطمینان نہ رکھیئے آپ کی یہ حکومت اور یہ امپائر خطرہ میں ہے، اگر آپ نے اسوقت موقع شناسی اور دوربینی سے کام نہ لیا اور ہم آپ نے مل کر انگریزوں کے اس عفریت کو ہندوستان سے نہ نکالا تو یاد رکھیئے نہ ہم رہیں اور نہ آپ باقی رہیں گے۔

ایک بات تو یہ ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں نے بالعموم اور طبقۂ علماء نے بالخصوص قائدانہ کردار ادا کیا ہے، انہوں نے رہنمائی کی ہے، انہوں نے بہترین خون، بہترین فکر اور بہترین ذہن عطا کیا ہے ہماری تحریک آزادی کو، ان کا ہاتھ ہمیشہ اپنے ملک اور زمانہ کی نبض پر رہا۔ وہ ملک وملت اور انسانیت کے دل کی دھڑکن سمجھتے رہے اور اس کے ساتھ انہوں نے ہندوستان کی زندگی میں سمو کر خود لیا۔ یہاں کی ادبیات میں، یہاں کی زبان کو ترقی دینے میں، یہاں کے تعلقات کو خوشگوار بنانے میں، یہاں کے تجربہ باہمی کے اصول کو جاری رکھنے میں، انسانیت کا پیغام دینے میں انہوں نے ہمیشہ قائدانہ کردار ادا کیا۔

مجھے خوشی ہے کہ آج علماءِ ہند کے کارناموں اور ان کی خدمات کا یہ اعتراف اور ان کے سرخیل مولانا ابوالکلام آزاد کی عظمت ان کی بڑائی کا اعتراف ہم کسی ہندوستانی عالم یا کسی ہندوستانی مقرر کی زبان سے نہیں بلکہ مصر کے ایک ممتاز عالم و مصنف کی زبان سے سن رہے ہیں۔

بقیہ: قادیانی غیر مسلم ہیں

وہ مادرِ وطن کی فکر کریں۔ یہ بھول جائیں کہ پاکستان کا فارمولا کس نے پیش کیا تھا۔ خدانخواستہ اگر یہ بات ثابت ہو بھی جائے کہ نظریہ پاکستان سر ظفر اللہ خان کا رہین احسان ہے تو کیا اس سے پاکستان کے وجود کی نفی ہو جائے گی۔ کیا اس کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ ملک غلط طور پر قائم ہوا ہے؟ کیا متحدہ ہندوستان کا خواب شرمندہ تعبیر ہو جائے گا۔ اگر خدانخواستہ اس بحث سے ہمارا یہی مقصد ہے تو آزاد قوموں کے درمیان ہمارا کیا مقام ہوگا! کیا اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مشرقی و مغربی پاکستان کے کروڑوں عوام سوچ سے عاری تھے اور وہ محض ایک شخص کی سازش کا شکار ہو گئے۔

باشعور اقوام کا یہ وطیرہ نہیں ہوتا، وہ گڑھے مُردے نہیں اکھاڑا کرتی۔ زندہ قومیں اور افراد حال اور مستقبل کی باتیں کرتی ہیں۔ وہ یہ دیکھتی ہیں کہ اقوام عالم میں ان کا کیا مقام ہے وہ متنازعہ مسائل کو ایک ہی بار مگر ہمیشہ کے لئے حل کر لیتی ہیں۔ اور جب قطعی فیصلہ ہو جاتا ہے تو پھر بھولے ہوئے اور طے شدہ مسائل کو موضوع نہیں بناتیں زندہ قومیں اپنے ماضی سے سبق حاصل کرتی ہیں۔ ہماری چودہ سو سالہ تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ مسلمانوں پر جب بھی کوئی افتاد پڑی اس کے پیچھے تنگ نظری اور مذہبی مناقشات کارفرما تھے۔ بغداد، اسپین اور قسطنطنیہ کی تباہی کی المناک مثالیں ہمارے سامنے ہیں مگر افسوس ہم نے اپنے سابقہ تجربات سے کبھی فائدہ نہیں اٹھایا۔ اور ہمیشہ اپنی غلطیوں کا اعادہ کیا جن کا ارتکاب ہم ایک بار نہیں صدہا مرتبہ کر چکے ہیں۔ تقاضائے وقت یہ ہے کہ ہم فرقہ وارانہ اور کسی قسم کے جھگڑوں سے اجتناب کریں اور قوم و ملک کو درپیش گھمبیر مسائل کی طرف اپنی توجہ دیں اور اگر ہم معمولی معمولی جھگڑوں میں ملوث ہوتے رہے پھر پاکستان کا اللہ ہی حافظ ہے۔ (رہنمائی)

اب کوئی ایسی ترمیم انہیں مسلمان ثابت نہیں کر سکتی

سابق آرمی جنرل پاکستان مسٹر یحییٰ بختیار کا تازہ ترین بیان اور اس کے جواب میں ڈاکٹر تنزیل الرحمن چیئرمین اسلامی نظریاتی کونسل کا سرکاری سطح پر جواب قارئین کی نظروں سے گزر چکا ہے۔ چیئرمین اسلامی نظریاتی کونسل نے بالتفصیل اس مسئلے پر روشنی ڈالی ہے جو قومی اخبارات میں شائع ہو چکی ہے۔ جہاں تک قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے کا تعلق ہے موجودہ مارشل لاء حکومت کی طرف سے جاری کردہ عبوری آئین میں بھی یہ ترمیم بعینہٖ شامل ہے لہٰذا اس مسئلے پر مزید لے دے اصل حقائق اور قوم کو درپیش سنگین مسائل سے چشم پوشی اور عوام کو گمراہ کرنے کی ایک افسوسناک سازش کے سوا کچھ نہیں۔

جہاں تک ۱۹۷۳ء کے آئین کا تعلق ہے اسے عارضی طور پر معطل تو سمجھا جا سکتا ہے مگر اسے منسوخ قرار دینا مناسب نہیں ہے کیونکہ موجودہ حکومت نے اسے منسوخ نہیں کیا اور ملک میں سول حکومت کے قیام کے بعد یہ آئین خود بخود بحال ہو جائے گا۔ مگر ہمیں یہ کہنے میں کوئی باک نہیں ہے کہ آئین کی دوبارہ بحالی آئندہ عام انتخابات میں شریک ہونیوالی سیاسی جماعتوں کے رویے پر بھی منحصر ہے۔ اگر خود سیاسی جماعتیں ہی سول حکومت کے قیام کے بعد اسے منسوخ قرار دے دیں تو بلاشبہ انہیں ایسا کرنے سے کوئی روک نہیں سکے گا اور یہ کام آئندہ منتخب اسمبلی کے رحم و کرم پر ہوگا لہٰذا سیاستدانوں کی طرف سے ۷۳ء کے آئین کو چیلنج کرنیکا رویہ انتہائی افسوسناک اور تکلیف دہ ہے۔ لہٰذا ہمارے نزدیک سابق آرمی جنرل کا یہ بیان اس جذبے کی یکسر نفی کرتا ہے جس کے تحت تمام سیاسی جماعتوں نے ۷۳ء کے آئین پر دستخط کئے تھے۔ بلاشبہ یحییٰ بختیار بھی انہی سیاسی رہنماؤں میں سے ایک ہیں جنہوں نے اس آئین پر صاد کیا تھا۔

اصول پسندی اور اعلیٰ اخلاق کا تقاضا تو یہ ہے کہ تمام سیاسی جماعتیں یک زبان ہو کر ۷۳ء کے آئین کو بحال کرنے کی بات کریں قوم کو یہ یقین دلائیں کہ ملک میں عام انتخاب کے انعقاد کے بعد وہ متفقہ آئین کو زیر بحث نہیں لائیں گے جس سے قوم میں بددلی پھیلے اور انہیں یہ تاثر ملے کہ ۷۳ء کا آئین منسوخ ہو چکا ہے۔ بہرحال سابق آرمی جنرل اور بعض سیاستدانوں کے اس قسم کے

بیانات آئندہ انتخابات پر بھی اثر انداز ہو سکتے ہیں اور انہیں یہ بات فراموش نہیں کرنی چاہیئے کہ ان کا ایک غیر ذمہ دارانہ لفظ خود ان کے لئے مشکلات اور پریشانیاں پیدا کرنے کا موجب بنے گا۔

یہ تو ہر شخص جانتا ہے کہ اسوقت ملک میں مارشل لاء کی حکومت ہے۔ فوج اگر آئین کو منسوخ قرار دینا چاہتی (جیسے کہ ماضی میں ایسا ہو چکا ہے) تو کوئی طاقت اسے ایسا کرنے سے روک نہیں سکتی تھی اور یہ بات بھی ڈھکی چھپی نہیں کہ اگر فوجی حکومت اس قسم کا اعلان کر دیتی تو بھی کسی سیاستدان میں اتنی ہمت اور جرأت نہیں تھی کہ اس فیصلے کو چیلنج کر سکتا۔ لہٰذا موجودہ حکومت کی کم از کم اس حد تک نیک نیتی پر شبہ کرنے کا قطعی طور پر کوئی جواز نہیں ہے۔ ۷۳ء کا آئین موجود ہے اور آئینی حکومت کی تشکیل کے بعد یہ خود بخود بحال ہو جائے گا۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ بعض ایسے معاملات جو اب کسی آئینی ترمیم کے محتاج نہیں کو اس قدر غیر ضروری اہمیت دی جا رہی ہے کہ گویا پاکستان کو اور کوئی خطرہ لاحق ہی نہیں ہے۔ ہم اسوقت اس دور کے سنگین ترین مسائل سے دوچار ہیں۔ ایک طرف افغانستان میں سوویت یونین کی فوجیں یلغار کر رہی ہیں۔ ۲۵ لاکھ سے زائد افغان مہاجرین اس سرزمین پر کیمپوں میں زندگی بسر کر رہے ہیں ان کا وجود سیاسی و اقتصادی لحاظ سے دُور رس پیچیدگیوں کے مسائل کی نشاندہی کر رہا ہے تو دوسری طرف اطلاعات کے مطابق افغان فوج کی از سر نو تشکیل کی جا رہی ہے اور اسے جدید ترین اسلحہ سے لیس کر کے پاکستان سے نبرد آزما ہونے کے لئے تیار کیا جا رہا ہے۔ صدر مملکت کے اندازے کے مطابق آئندہ چھ ماہ میں پاکستان کے ساتھ باقاعدہ جنگ مول لینے کی صلاحیت حاصل کر سکتی ہے۔ مزید برآں بھارت پاکستان کو درپیش تازہ ترین مسائل سے فائدہ اٹھا کر ریاست جموں و کشمیر کے بقیہ حصے کو بھی ہڑپ کرنے کی منصوبہ بندی میں مصروف ہے اس کی فوج کی بھاری تعداد ہماری سرحدوں پر جمع ہے نہ صرف کشمیر کو بھارت کا اٹوٹ انگ قرار دیا جا رہا ہے بلکہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نشانہ بنانے کی بھی سرعام باتیں ہو رہی ہیں سابق بھارتی وزیراعظم مسٹر مرار جی ڈیسائی جیسے معتدل مزاج بھارتی رہنما بھی پاکستان کو انتباہ کر رہے ہیں کہ اس کی ایٹمی تنصیبات تباہ کر دی جائیں گی۔

یہ تو تھی بیرونی صورتحال مگر اندرون ملک بھی ہمیں بے شمار پریشانیوں کا سامنا ہے۔ فوج کا کام ملکی سرحدوں کا دفاع ہے اور نظریاتی سرحدوں کا تحفظ سیاستدانوں، دانشوروں اور علماء کرام کی ذمہ داری ہے۔ مگر افسوس قومی رہنماؤں کی تہی دامنی اور کمزوری کی وجہ سے ملکی سرحدوں کی حفاظت کا کام صرف اور صرف فوج کو سرانجام دینا پڑ رہا ہے یہ صورتحال ہمارے قومی وقار کے منافی ہے اور اس کی سالمیت کے لئے بھی کوئی اچھی فال نہیں۔ کتنی شرمناک بات ہے کہ جونہی قومی اخبارات پر سنسرشپ نرم ہوئی ہمارے سیاستدان ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہونے لگے۔ ہمارے سیاستدانوں کو باہمی اتہام تراشی سے ہی فرصت نہیں مل رہی۔ رہ گئے علماء تو وہ محراب و منبر کی سیاست میں اسقدر اُلجھے ہوئے ہیں کہ قوم و ملک کی بہتری کی سوچنا ان کے دائرہ عمل سے ہی خارج نظر آتا ہے۔ دانشوروں کا اپنا ایک عالم ہے وہ اپنا سارے کا سارا زور اپنے رقیبوں اور مخالفوں کو کمیونسٹ اور ملحد ثابت کرنے پر صرف کر رہے ہیں۔ اس موقع پر ہم اپنے سیاسی و مذہبی رہنماؤں سے عرض کریں گے کہ

[illegible]

یادِ رفتگاں

★ مولانا عبداللطیف

حضرت مولانا فضل محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

بانیٔ مدرسہ عربیہ قاسم العلوم فقیر والی

حضرت مولانا فضل محمد صاحب مرحوم و مغفور ۱۳ اپریل ۱۹۰۴ء کو سنگوال ضلع جالندھر میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد محترم میاں کریم بخش صاحب کا پیشہ تجارت تھا۔ آپ کم عمری ہی میں اپنے والد صاحب کے ساتھ بسلسلہ تجارت فیصل آباد آئے اور یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ ابتدائی تعلیم پانچویں جماعت تک سکول میں حاصل کی اس کے بعد دست قدرت نے اس بچے کی علم دین کی طرف راہنمائی کی جس کی صورت یہ ہوئی کہ حضرت مرحوم کی کہیں سے "بہشتی زیور" اور خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون کے اصلاحی ماہنامہ "الامداد" تک رسائی ہوئی۔ آپ نے ان رسائل کو خوب دل لگا کر پڑھا اور دین فطرت کی باتیں ان کی معصوم اور سلیم فطرت نے جذب کر لیں۔ ماحول میں پھیلی ہوئی تاریکیوں میں اسلام کی روشنی نظر آنے لگی۔ والد محترم کی وفات کے بعد آپ کو حضرت حکیم الامت کی الفت و محبت شعبان ۱۳۳۹ھ میں کشاں کشاں خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون لے گئی۔ جانے سے کافی عرصہ قبل آپ نے غالباً تیرہ برس کی عمر میں حکیم الامت علیہ الرحمہ کی مدح میں پنجابی زبان میں تیس بتیس اشعار کا ایک قصیدہ جو اپنی سلاست و روانی میں پنجابی ادب کا ایک اچھا نمونہ ہے۔ پنجابی ادب سے مولانا مرحوم کا آخر تک خصوصی لگاؤ رہا۔ آپ نے تھانہ بھون میں ایک سال عربی کی ابتدائی کتابیں خوب محنت و شوق سے پڑھیں۔ حکیم الامتؒ کی مردم شناس نگاہوں نے آپ کو خوب جانچا اور پرکھا اور خصوصی تعلیم کے لئے شوال ۱۳۴۰ھ میں ایک عقیدتمند مولانا غلام محمد صاحب دریاخانی صدر مدرس مدرسہ نصرت الاسلام کاندھلہ کے پاس بھیجا اور اپنے دستِ مبارک سے ایک تعارفی خط مولانا غلام محمد صاحب مرحوم کے نام لکھا اور اس میں آپ نے حضرت مرحوم کے بارے میں فرمایا کہ "بچہ ہونہار سعید اور نیک ہے" سچ ہے:

> بالائے سرش ز ہوشمندی
> می تافت ستارہ بلندی

حکیم الامتؒ کے اس نیک فال خط کو حضرت مرحوم نے اپنے لئے نیک فال سمجھ کر اسے ہمیشہ حرزِ جاں بنائے رکھا حضرت حکیم الامتؒ کی آپ پر شفقت کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے جو آپ نے راقم الحروف کو خود سنایا کہ ایک مرتبہ مرشدی حضرت تھانویؒ کسی کام کے لئے تشریف لے جا رہے تھے، ریل کا سفر تھا راستہ میں کاندھلہ اسٹیشن پر جب گاڑی رکی تو مدرسہ کے تمام طلبہ و اساتذہ دیدار اشرف سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرنے کے لئے موجود تھے حکیم الامتؒ باہر تشریف لائے

اور حاضرین سے مصافحہ کیا، بعد میں بلند آواز سے پکارا کہ فضل کہاں ہے؟ چنانچہ میں دوڑ گیا تو حضرت حکیم الامتؒ نے بکمال شفقت معانقہ و مصافحہ کی سعادت سے سرفراز فرمایا اور کافی دیر تک اپنے پاس بٹھائے رکھا جب ہم واپس ہوئے تو میرے ایک دوست "بیگ صاحب" نے نہایت حسرت سے کہا "کاش مجھے بھی ایسے ہی بلاتے اور اپنے پاس بٹھاتے" لیکن کہتے ہیں ؎

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

حضرت مرحوم نے کاندھلہ میں ایک سال تعلیم حاصل کی اور پھر خانگی مجبوریوں اور گھریلو ضرورتوں کی وجہ سے وطن واپس آگئے اور رائپور گجراں کے مدرسہ رشیدیہ میں پڑھنے لگے۔ یہاں ملک کے مشہور خطیب اور شعلہ نوا مقرر حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھریؒ سابق امیر مجلس تحفظ ختم نبوت بھی آپ کے ہم درس رہے۔ مولانا محمد علی جالندھریؒ آپؒ کی نیکی اور تقویٰ و قابلیت و ذہانت کے معترف تھے۔ کچھ عرصہ وہاں پڑھنے کے بعد ایسے موانع و عوائق پیش آئے کہ دو تین سال تک سلسلۂ تعلیم منقطع رہا۔ اسی دوران آپ کا نکاح ہوگیا۔ آپ نے ان مشکل حالات میں حضرت مولانا حکیم الامتؒ سے رجوع کیا اور ان سے تعلیم مکمل کرنے کے لئے خانقاہ میں حاضری کی اجازت طلب کی، انہوں نے اس دُرِّ عدن کو یوں ضائع ہوتے دیکھ کر اجازت مرحمت فرمائی اور دعاؤں سے نوازا۔ حضرت حکیم الامت کی دعاؤں سے خانگی بندھنوں کی راکھ میں دبی ہوئی تحصیل علم کی چنگاری بھڑک کر شعلہ بن گئی اور آپ اپنی اہلیہ مرحومہ کے ہمراہ تھانہ بھون پہنچ گئے۔ حضرت حکیم الامتؒ نے آپکو خصوصی شفقتوں اور رافتوں اور توجہات و عنایات سے نوازا۔

آپ معاملات میں نہایت صاف تھے (جو کہ خانقاہ امدادیہ کا خاص رنگ اور لون ہے) اور حکیم الامتؒ اکثر اس سلسلہ میں حضرت فاروق اعظمؓ کے یہ ہدایت آفریں اور لافانی و عرفانی کلمات طیبات اور ارشادات عالیہ و فرمودات عالیہ دہراتے: "لوگ نماز روزہ سے نہیں بلکہ معاملات سے پہچانے جاتے ہیں۔" اور "آدمی کے صرف نماز روزے کو نہ دیکھو بلکہ اس کی صداقت و عقل کا جائزہ لو۔"

اس مرتبہ تھانہ بھون تقریباً ایک سال قیام رہا اور باوجود اس امر کے کہ درمیان میں علمی شغلہ چھوٹ گیا تھا اور آپ دوسرے مشاغل و مصروفیات میں الجھے گئے تھے اپنی غیر معمولی لیاقت و قابلیت کی بناء پر آپ کو مشکوٰۃ شریف و جلالین کی جماعت میں داخلہ ملا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں ان کتابوں کا اپنے یوپی کے رفقاء کو جو کہ عموماً ذہین و فطین ہوتے ہیں تکرار اور اعادہ کراتا تھا اور اکثر ساتھی سبق یاد کروانے کے لئے میرے پاس آتے تھے۔

اگلے سال آپ نے "مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور" میں داخلہ لیا اور وہاں کچھ اور باقی کتابیں مقامات الحسن وغیرہ حضرت مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی مدظلہ سے پڑھیں۔ یہاں بھی آپ اپنے رفقاء پر فائق رہے چنانچہ فرماتے تھے کہ جب علم میراث کی معروف و متداول کتاب سراجی کا امتحان ہوا تو اس میں ایک سوال میں کافی الجھن تھی میں نے الحمدللہ اس الجھن کو

سمجھایا اور سب سے پہلے پرچہ مکمل کر کے اُٹھا جبکہ باقی تمام ساتھی اس سوال میں پھنسے ہوئے تھے اور اکثر نے غلط جواب تحریر کیا۔
اس کے بعد دورۂ حدیث شریف پڑھنے کے لئے عالمِ اسلام کی مشہور جامع دار العلوم دیوبند تشریف لے گئے اور شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کر کے اس بحرِ علم کے علوم و فیوض اور معارف سے خوب خوب مستفیض و مستنیر ہوئے۔ دیوبند کے قیام کے دوران آپ کے یہاں آپ کے بڑے لڑکے مولوی رشید احمد متولد ہوئے۔

دار العلوم دیوبند میں آپ نے شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے علاوہ شیخ المعقول علامہ ابراہیم بلیاویؒ اور شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اکتسابِ فیض کیا۔ حضرت مرحوم وہاں کے ماحول اور دار العلوم دیوبند کے اعیان اکابر کی عظیم شخصیات سے بہت متاثر ہوئے۔ پہلے آپ نے حضرت حکیم الامتؒ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی۔ ان کی وفات کے بعد شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ سے رجوع کیا، حضرت مدنیؒ کے وصال کے بعد حضرت مولانا عبد القادر رائپوریؒ اور ان کے وصال کے بعد حضرت مولانا خان محمد مدظلہ سجادہ نشین خانقاہ عالیہ سراجیہ کندیاں سے تعلق بیعت قائم کیا جو کہ تا حینِ حیات قائم رہا۔

دار العلوم دیوبند سے ۱۳۵۴ھ میں فراغت کے بعد آپ نے فقیر والی کے قریب چک ۱۱۰/۶ آر میں خطیب و امام کی حیثیت سے کچھ عرصہ گذارا۔ آپ کے قلبِ مبارک میں شروع ہی سے علومِ دینیہ کی اشاعت کا جذبہ موجزن تھا۔ چنانچہ فقیر والی میں ۱۵ جمادی الاخریٰ ۱۳۵۶ھ کو ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی یہاں ایک چھوٹی سی کچی مسجد تھی جس میں ابتداءً ایک اُستاد اور تین طلبہ سے کام شروع کیا گیا۔ اسوقت فقیر والی میں چند ایک جھونپڑیاں اور دو تین دکانیں ہوا کرتی تھیں اور باقی ہر طرف ریگستان ہی تھا۔ دُور دُور تک پانی کا نام و نشان نہ تھا۔ قیامِ مدرسہ کے بعد کچھ عرصہ تک حضرت مرحوم کا قیام چک ۱۱۰ ہی میں رہا آپ ہر صبح کو گھر سے طلبہ کے لئے کھانا پکوا کر اپنے سر پر اُٹھا کر پانچ میل پیدل چل کر آتے اور شام کو پھر پیدل گھر جاتے کچھ عرصہ سلسلہ ایسے ہی چلتا رہا۔ جب طلبہ کی تعداد بڑھ گئی اور مدرسہ کی شہرت دُور دُور تک پھیل گئی تو آپ نے مستقل طور پر مدرسہ فقیر والی میں اقامت اختیار کر لی۔ آپ نے اس زمانہ میں مدرسہ کے لئے اسوقت کے منتظم آبادی شیخ ظہیر محمود صاحب کو درخواست برائے حصول اراضی دی۔ وہ موقع پر تشریف لائے اور فرمانے لگے کہ تم نے ایک ایکڑ جگہ کیا کرنی ہے یہاں کونسا دیوبند بنانا ہے۔ مولانا مرحوم کی زبان سے بے ساختہ نکلا ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ اسے دیوبند ہی بنا دے۔
چنانچہ وہ مدرسہ کو ایک ایکڑ رقبہ دے گئے اور ایک ماہ کے بعد جب دوبارہ تشریف لائے تو مدرسہ کے جنوبی جانب پانچ کمرے تعمیر ہو گئے تھے وہ دیکھ کر بہت ہی خوش ہوئے پھر وہ مدرسہ کے مستقل معاون بن گئے جس جگہ مدرسہ قائم ہے اس کے متعلق اکابر علماء کافی عرصہ قبل پیشگوئیاں کرتے تھے۔ چنانچہ حاجی عبد الکریم صاحب بغدادی جی کے متعلق مشہور ہے کہ وہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے خلفاء میں سے تھے ان کا جب کبھی اس علاقہ میں اپنے مریدین کے پاس آنا ہوتا اور

وہ اس کی مسجد میں نماز پڑھاتے تو فرماتے کہ مجھے اس جگہ سے علم کی خوشبو آتی ہے۔ ایسے ہی شیخ عالم خان صاحب جو حضرت شاہ عبدالرحیم صاحبؒ کے خصوصی متعلقین میں سے تھے۔ وہ جب مدرسہ کی جدید مسجد کا سنگ بنیاد رکھنے کے لئے تشریف لائے تو فرمانے لگے کہ مجھے میرے شیخ نے وصیت فرمائی تھی کہ ایک دفعہ دارالعلوم دیوبند ضرور جانا۔ بسیار کوشش کے باوجود دیوبند نہیں جا سکا۔ آج یہاں آکر محسوس کرتا ہوں کہ گویا میں دارالعلوم دیوبند میں آگیا ہوں۔

قیام پاکستان سے قبل ہی مدرسہ کی شہرت دور دور تک پہنچ چکی تھی چنانچہ ایک دفعہ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ مدرسہ کے سالانہ جلسہ میں تشریف لائے تو فرمانے لگے کہ فقیر والی شہر کی سیر کراؤ، تو حضرت مرحوم نے عرض کیا کہ حضرت جی فقیر والی تو صرف مدرسہ ہی کا نام ہے یہاں اور کوئی خاص آبادی نہیں اور نہ کوئی بازار یا کوچہ ہے یہاں تو وادئ غیر ذی زرع والا معاملہ ہے۔ تو حضرت قاری صاحب فرمانے لگے کہ ہم نے تو فقیر والی کی بڑی شہرت سن رکھی تھی۔ ذہن میں تھا کہ وہاں کے ایسے بازار ہوں گے ایسے کوچے ہوں گے۔

قیام پاکستان سے قبل صدر مدرس اور شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند ہی کی طرف سے آتے تھے چنانچہ حضرت مولانا عبدالکریم صاحب خلیفہ مجاز حضرت حکیم الامتؒ اور حضرت مولانا ظہور احمد صاحب دیوبندی جو کہ حضرت مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد شفیع صاحبؒ کے تایازاد بھائی تھے، حضرت مولانا محمد نعیم صاحب دیوبندی حال شیخ التفسیر دارالعلوم دیوبند مدرسہ میں صدر مدرس کی حیثیت سے دینی خدمت سرانجام دے چکے ہیں۔

قیام پاکستان کے بعد استاذ العلماء حضرت مولانا مفتی فقیر اللہ صاحب رائپوری اور ان کے صاحبزادگان حضرت مولانا عبداللہ صاحب مدظلہ اور شہید فی سبیل اللہ مولانا قاری لطف اللہ صاحبؒ بھی دو سال کے قریب مدرسہ ہذا میں دینی خدمات سرانجام دے چکے ہیں۔

آپؒ سادگی پسند اور متوکل آدمی تھے آپ کے پاس کپڑوں کا ایک ہی جوڑا ہوتا اور اگر کوئی شاگرد کوئی کپڑا وغیرہ یا کوئی ہدیہ دے جاتا تو اسے فوراً ہی طلبہ میں تقسیم کر دیتے۔ مولانا مرحوم نے ساری زندگی اپنی ایک پیسہ کی بھی جائیداد نہیں بنائی حالانکہ شروع آبادی میں جب ۔/۲۵۰ روپے کا ایک مربع ملتا تھا اسوقت کے افسران بھی بڑے مہربان تھے۔ شیخ شیر محمد صاحب بھی جو منتظم آبادی تھے انہوں نے کئی دفعہ اصرار کیا کہ آپ چار پانچ مربع اراضی اپنے لئے اور چار پانچ مربع اراضی مدرسہ کے لئے خرید لیں۔ آپ نے انکار کیا اور فرمایا کہ اگر میں نے اپنی ذات کے لئے زمین خرید لی تو میں پہلے طور پر دینی خدمات سرانجام نہیں دے سکوں گا۔ میری توجہ مدرسہ کی نسبت رقبہ کی طرف زیادہ رہے گی۔ اگر مدرسہ کے لئے زمین خرید لوں تو پھر مدرسہ ایک کمپنی کی شکل اختیار کر لے گا جس پر ہمیشہ لڑائی جھگڑا رہے گا میں نہ خود ان جھگڑوں میں پڑنا چاہتا ہوں اور نہ اپنے بعد میں آنیوالوں کو اس مصیبت میں ڈالنا چاہتا ہوں۔ ابتداء میں بسا اوقات فاقوں کی نوبت بھی پہنچی طلبہ کو بھی حوصلہ دیتے اور فرماتے خدا تعالیٰ سے دعا کرو کہ غیب سے سامان فراہم کرے۔ بعض دفعہ ایسا بھی ہوا کہ اُدھر دعا ختم ہوئی اور ادھر کھانا پکا پکایا آگیا۔ مولانا مرحوم مدرسہ میں پیسہ جمع کرنے

کے بالکل قائل نہ تھے اگر کہیں سے آگیا تو طلبہ کے وظائف بھی اور اساتذہ کی تنخواہیں بھی ادا کر دیتے بعض دفعہ اساتذہ کی کئی کئی ماہ کی تنخواہیں مدرسہ کے کھاتہ میں جمع ہو جاتیں۔ مولانا فرماتے اگر مدرسہ میں رقم موجود ہوگی تو خدا کی طرف رجوع میں کمی آجائے گی۔ اب تو ہر وقت خدا کے سامنے ہاتھ اٹھاتے ہیں کہ اے اللہ ہماری امداد فرما۔ اس دور میں ایسا متوکل شخص ملنا نہایت دشوار ہے۔

ایوبی دور میں گندم مہنگی ہو گئی تھی اور پچاس ساٹھ روپے من بمشکل دستیاب ہوتی تھی اور وہ بھی لوگ چوری چھپے بیچتے تھے ان دنوں مدرسہ میں گندم ختم ہو گئی، روپیہ بھی مدرسہ میں کوئی جمع نہ تھا قرض لیکر کام چلایا جا رہا تھا بعض ساتھیوں نے حضرت مرحوم کو مشورہ دیا کہ وہ مدرسہ میں کچھ تخفیف کر کے کچھ طلبہ اور اساتذہ کو فارغ کر دیں تاکہ اخراجات میں بچت ہو جائے اور بآسانی کام چل سکے یہ سنتے ہی حضرت مرحوم کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا اور فرمانے لگے پہلے تم ان لوگوں کا انتظام کرتے تھے؟ پہلے بھی خدا اخراجات پورے کرتا تھا اب بھی وہی تمام اخراجات پورے کرے گا، اگر میں نے طلبہ کو نکال دیا اور وہ علم سے محروم ہو گئے تو قیامت کے دن خدا کے سامنے کیا جواب دوں گا! ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ اتنے میں چوہدری عبدالحق صاحب چک ۹ فتح چشتیاں سے تشریف لائے اور ایک معقول رقم طلبہ کی گندم خریدنے کے لئے عطا کی، اور کہا رات میرے دل میں خیال آیا کہ اس مہنگائی کے دور میں ہم جن کا کنبہ دو چار افراد پر مشتمل ہے ان کا گزارہ بڑی مشکل سے ہو رہا ہے تو جہاں اتنے بچے تعلیم حاصل کر رہے ہیں ان کا کیا حال ہوگا۔ رقم میں نے صرف طلبہ کی گندم کے لئے دی ہے۔ مورخہ ۸ نومبر کو آپ کی اہلیہ محترمہ کا انتقال ہوا۔ ۱۹۶۷ء میں آپ کے مدرسہ کے مفتی عبداللطیف صاحب مدظلہٗ کے ہمراہ حج بیت اللہ کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے۔

۸۰ء میں آپ کی سربراہی میں مدرسہ کے اساتذہ اور معززین شہر کے دس افراد پر مشتمل ایک قافلہ دارالعلوم دیوبند کے اجلاس صد سالہ میں شرکت کے لئے دیوبند روانہ ہوا۔ مولانا کی طبیعت کافی کمزور تھی ساتھیوں کے منع کرنے کے باوجود دیوبند کی محبت انہیں کھینچ کر لے گئی۔ ۲۱ مارچ کو مولانا دیوبند ہی میں شدید بیمار ہو گئے اور بیماری کی وجہ سے کسی اجلاس میں شرکت نہ کر سکے بیماری کی حالت میں ہی آپ کو جلسے کے اختتام کے بعد واپس لایا گیا۔ نقاہت و کمزوری اسقدر بڑھ گئی کہ ان کے صاحبزادہ مولانا محمد قاسم قاسمی اور دیگر رفقاء ان کی زندگی سے مایوس ہو گئے۔ مگر خدا تعالیٰ نے اپنا فضل فرمایا اور ان کی طبیعت سنبھل گئی دو تین سال سے آپ کو سینہ میں جلن کی شکایت ہو جایا کرتی تھی اور ساتھ ہی دل میں گھبراہٹ بھی محسوس کرتے تھے وفات سے ڈیڑھ دو گھنٹہ قبل بھی ایسا ہی ہوا، اور ۲۳ر فروری ۱۹۸۱ء کو رات کے وقت رشد و ہدایت کا یہ آفتاب ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا آپ کے انتقال کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پورے علاقہ میں پھیل گئی۔ ۲۴ر فروری کو ظہر کی نماز کے بعد تین بجے احاطہ مدرسہ میں نماز جنازہ ادا کی گئی۔ پہلی نماز جنازہ مولانا عبدالعزیز صاحب چشتیاں والوں نے اور دوسری نماز جنازہ ان کے صاحبزادے مولانا محمد قاسم صاحب قاسمی نے کرائی۔ جنازہ میں اتنا عظیم اجتماع پورے علاقے کی تاریخ میں پہلے کبھی دیکھنے میں نہیں آیا۔ پھر اس جنازے کی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں اکثر علماء، طلباء اور دیندار حضرات شریک تھے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق تقریباً دس ہزار افراد نے جنازے میں شرکت کی۔

(ترجمان اسلام)

تبصرہ

حیاتِ صوفیہ

تلخیص وترجمہ "نفحات الانس" تالیف حضرت مولانا عبد الرحمٰن جامی قدس سرہٗ کے بارے مخدومی وسیدی حضرت اقدس مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مہاجر مدنی دامت برکاتہم کے جنوبی افریقہ سے مولانا محمد ادریس مدظلہٗ کے نام لکھا ہوا تاریخی مکتوب گرامی۔

باسمہ سبحانہٗ

عزیزم مولوی ادریس سلمہٗ بعد سلام مسنون۔ تہاری کتاب "حیات صوفیہ" مکہ مکرمہ میں اس وقت ملی جبکہ میں مدینہ سے مکہ بنیت سفر افریقہ روانہ ہوچکا تھا اور مکہ میں ایک ہفتہ قیام کے بعد اس دن افریقہ روانہ ہو رہا تھا۔ کتاب کی رسید اور تمہارے خط کا جواب اسی وقت لکھوا دیا تھا غالباً پہنچ گیا ہوگا۔ یہ ناکارہ صحت وشباب کے زمانہ میں رائپور اور چچا جان کے اصرار پر میوات گیا ہوگا مگر کہیں اور نہیں گیا۔ منظفر نگر جو سہارنپور کے ساتھ ہی کا ضلع ہے وہاں والوں کا چالیس برس تک اصرار رہا۔ حضرت مدنی نور اللہ مرقدہٗ اپنے گھٹنوں کا بجلی سے علاج کروانے منظفر نگر گئے تھے۔ وہاں والوں نے مجھے لکھا کہ اگر تو آجائے تو حضرت کی عیادت بھی ہو جائے گی اور میرا وعدہ بھی پورا ہو جائے گا۔ انہوں نے اپنا ارادہ حضرت مدنیؒ سے بھی کہدیا یہ سمجھکر کہ حضرت بہت خوش ہوں گے۔ اسی ڈاک سے حضرت مدنیؒ کا منظفر نگر سے خط ملا کہ تم ہرگز ارادہ نہ کرنا حرج اور تکلیف ہوگی میں جب یہاں سے واپس جاؤں گا تو سامان اور رفقاء کو دیوبند اتار کر تمہارے پاس آؤں گا تم سے مل کر پھر دیوبند جاؤں گا۔ میں اپنے حضرت کو لینے کبھی اسٹیشن بھی نہ گیا تھا بہت سے خدام جاتے تھے ایک مرتبہ عصر کے بعد میں بھی چلا گیا حضرتؒ نے فرمایا تو کیوں آیا میں نے عرض کیا حضرت یہ سارے آتے ہیں میں محروم رہوں۔ حضرتؒ نے فرمایا صبح کو چار گھنٹہ گودڑے سے گوڈا ملوائے بذل لکھوانے میں بیٹھے رہتے ہو وہ کافی نہیں؟ جاؤ اپنا حرج نہ کرو۔ خوب بدا بہانہ لیا ر میں اٹھ کر بھاگ آیا۔ ہماری بذل المجہودؒ ایک سال تھانہ بھون چھپی۔ ظہر کے بعد میرے پروف دیکھنے کا وقت تھا اور حضرت تھانویؒ کی مجلس عامہ کا۔ میں نے عرض کیا حضرت بڑی بے غیرتی ہے میں ظہر کے بعد حاضر نہیں ہو سکتا کہ وہی پروف دیکھنے کا وقت ہے۔ سہ دری کے بائیں طرف حضرت کی مجلس تھی اور دائیں طرف بالکل سامنے میں پروف دیکھا کرتا تھا میرے کہنے پر حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ آپ اس کا بالکل خیال نہ کیا کریں کہ آپ میری مجلس میں نہیں ہوتے مگر میں آپ کی مجلس میں ہوتا ہوں۔ میں دیکھتا رہتا ہوں اور رشک کرتا رہتا ہوں کہ کام تو یوں ہوا کرے۔ میرے بڑوں نے میری جوانی میں تمنا

رعایت کی مگر اس ضعف و پیری میں دنیا بھر کے دھکے کھا رہا ہوں۔ تمہاری متبرک کتاب میں نے اپنے ساتھ ہی رکھ لی تھی اور جب وقت ملتا ہے ضرور اسکو سنتا ہوں اور بلا مبالغہ طبیعت میں ایک نشاط پیدا ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہاری اس تالیف کو مقبول فرمائے لوگوں کو اس سے زیادہ سے زیادہ منتفع ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ اگر اپنے مخلصوں سے کہکر ایک ایک نسخہ پاکستان کے بڑے بڑے مدارس میں وقف کرادو تو بڑا ہی اچھا ہوگا کہ کتاب محفوظ ہوگی اور لوگوں کو فائدہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ تمہاری کتاب کو قبول فرمائے۔ اگر دس نسخے حج کے موقع پر بھیجدو تو بہتر ہے اگرچہ یکجا کے بجائے متفرق لوگوں کے ہاتھ بھیجو اور سب کے بدست ایک پرچہ بھی بھیجدینا جس میں قیمت بھی لکھدینا۔ انشاء اللہ قیمت انہی کے بدست بھیجدوں گا۔ میرا خیال ہے کہ ان نسخوں کو ہندوستان میں دار العلوم، مظاہر العلوم ندوہ لکھنؤ، کاشف العلوم نظام الدین، اور سیوات کے بڑے مدارس میں وقف کرادوں تاکہ نفع بھی عام رہے کتاب بھی محفوظ رہے۔ تمہارے دوستوں سے بھی اپیل کرتا ہوں کہ ایک ایک نسخہ تم سے خرید کر پاکستان کے بڑے بڑے مدارس میں وقف کرادیں تو بڑا ہی اچھا ہو۔ جی تو بہت لکھوانے کو چاہتا ہے مگر اتنے ہی لکھوانے میں دیر لگ گئی کہ بیچ میں کچھ اہم آدمی آ گئے نیز اب چکر بھی آ گیا اس لئے ختم کرتا ہوں تمہارے لئے دل سے دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ عمر دراز کرے اکابر و صوفیہ کی محبت تمہارے اندر زیادہ سے زیادہ پیدا فرمائے۔ والدہ جہاں ہوں سلام کہدینا۔ عزیز الیاس سے مکہ مکرمہ میں ملاقات ہوتی رہی کاش وہ تمہارے پاس رہتا تو کچھ دینی کام کر لیتا وہ بیمار بھی رہتا ہے اللہ تعالیٰ اسکو صحت عطا فرمائے۔ اپنے اہل و عیال سے بھی سلام مسنون کہدیں ان کے لئے بھی دعا گو ہوں۔

والسلام

بقیہ: نماز کا حکیمانہ نظام تربیت

تو ان سے کہا گیا کہ ہتھیار رکھدیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں خود تمہارے پاس نہیں آیا، تمہارے بلانے پر آیا ہوں مجھکو اسی طرح چھوڑتے ہو تو خیر ورنہ میں واپس جاتا ہوں۔ رستم نے کہا اجازت ہے وہ اس قالین پر اپنا نیزہ لٹکاتے ہوئے آگے بڑھے جس کی وجہ سے قالین کا بڑا حصہ پھٹ گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ سب کچھ اسی کلمہ اللہ اکبر پر پختہ عقیدہ اور ایمان و یقین کی بدولت تھا۔ نماز کی تمام دعاؤں میں غور کیجئے کہ ان میں اخلاص توحید تقدیس انابت الی اللہ اور اس کے دربار عالی میں عاجزی و درماندگی کے اظہار و اعتراف سے بھری ہوئی ہیں۔

تعارف

کتب الاشرف

① اشرف الدعاء (فضائل توبہ واستغفار) ہدیہ: دس روپے

② اشرف الکلام (فضائل الصلوٰۃ والسلام) قیمت: درج نہیں

③ صلوٰۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم معہ ادعیہ مسنونہ قیمت: پانچ روپے

تصانیف وترتیب حضرت مولانا الحاج محمد اشرف صاحب ہمدانی خطیب الجامع جناح کالونی فیصل آباد۔

حضرت مؤلف جناب ہمدانی قادری رشیدی مبلغ ومفسر قرآن قابل صد مبارکباد ہیں۔ آپ نے ہر سہ کتب اشرف میں ایسے اہم مسائل وفضائل ودلائل جمع کر دیئے جن کی ہر مسلمان کو ضرورت ہے اور جن کے بغیر کسی مسلمان کا چارہ کار ندارد۔ اس لئے کہ ہر انسان خطاکار اور ہر مسلمان گنہگار ہے۔ ایسے میں کتب مذکورۃ الصدر روشنی کا مینار ہیں۔

اوّل الذکر میں توبہ واستغفار کی اہمیت، ضرورت اور ادعیہ توبہ پر مشتمل اذکار ہیں۔ خود راقم آثم کو کتاب مذکورہ سے کافی نفع ہوا کہ اس مضمون کے محرک خود صاحب نسبت شیخ حضرت الحاج صوفی محمد یار صاحب مجددی دامت برکاتہم (سکنہ جھنگ) کی ادعیہ شامل حال ہیں۔

ثانی الذکر اشرف الکلام فی فضائل الصلوٰۃ والسلام۔ نام سے ظاہر ہے۔ کتاب مذکورہ سے حضرات علماء ومشائخ دیوبند کا مسلک صحیح خوب واضح ہوتا ہے کتاب پڑھنے سے ایمان میں تازگی پیدا ہوتی ہے۔

تیسری کتاب صلوٰۃ النبیؐ۔ نماز نبوی پر مشتمل کتابچہ ہے۔ اور نماز کے مسئلہ پر بہترین راہنما کتاب ہے۔

"نماز حنفی" مصنفہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھریؒ کی جامع تالیف کی گویا یہ تشریح وتفصیل ہے۔

مخیر حضرات کو ایسی کتب فراہم کر کے جملہ مسلمانوں میں اس کی تعلیم وتبلیغ عام کرنی چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ حضرت اشرف ہمدانی صاحب کو مزید توفیق عطا فرمائے اور ان کی یہ سعی قبول ومنظور فرما کر زاد راہ آخرت بنا دیں اور ہم سب کو اس میں شریک فرمائیں۔ ع ایں دعا از من واز جملہ آمین باد

والسلام

راقم آثم فاضل رشیدی

وفیاتِ حسرت آیات

ادعیہ مغفرت و ایصال ثواب

مرحومین مغفورین ذیل کے لئے جامعہ میں قرآن خوانی، ایصال ثواب اور ادعیہ مغفرت کی گئی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرما کر ان کی نجات کا ذریعہ بنا دیں۔ آمین

- مولانا غلام نبی جالندھریؒ سابق استاذِ رشیدیہ مقیم ——— (سندھ)
- والدہ ماجدہ مرحومہ حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب فاروقی ——— کراچی
- والد ماجد گرامی جناب مولانا منظور احمد صاحب فاتح ربوہ ——— چنیوٹ
- مولوی حاجی حافظ نور محمد صاحب جالندھریؒ زمیندار چک ۵ آر
- مولانا حافظ غلام رسول صاحبؒ تہاڑوی ——— شورکوٹ
- چوہدری غلام رسول صاحبؒ پٹواری نزد جامعہ رشیدیہ
- شیخ عبد الغنی صاحبؒ تاجر پارچات ——— ساہیوال
- مولانا محمد ابراہیم صاحبؒ خطیب انارکلی ——— لاہور
- حکیم عبد الرشید صاحبؒ لدھیانوی ——— ساہیوال
- جدّہ محترمہ حافظ منیر احمد صاحب استاذ مدرسہ ختم نبوت ——— ربوہ

ادارہ سب کے غم میں برابر کا شریک ہے۔

تصریح

گذشتہ شمارہ بابت ماہ جمادی الاُولیٰ میں ایک مضمون بعنوان "ایک علمی تقریر" ماہنامہ "القاسم" دیوبند (الہند) سے منقول ہے۔

الجامعة العربية إمداد العلوم

فريد آباد - ڈھاکا - بنگلادیش

فون ۲۴۳۹۶۴

بگرامی خدمت مدیر "الرشید" ساہیوال زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

گذشتہ ہفتہ ۱۳ر مارچ ۱۹۸۲ء وفاق المدارس بنگلادیش کی مجلس عاملہ کا اجلاس منعقد ہوا اس اجلاس میں آئندہ مرکزی امتحان کی تاریخیں متعین کی گئی ہیں۔ ۱۲ر شعبان ۱۴۰۲ھ سے ۱۷ر شعبان درجات اربعہ کا امتحان ہوگا۔

نیز تجویزات میں سے یہ ہے کہ ہر درجہ کے کامیاب ہونیوالے طلبہ کو اسناد دی جائیں؛ امتحان میں کامیاب ہونیوالوں کے درجات چار ہونے چاہئیں؛ درجہ اولیٰ (ممتاز) ۸۰ فیصد درجہ ثانیہ (جید جداً) ۶۵ فیصد درجہ ثالثہ (جید) ۵۰ فیصد اور درجہ رابع (مقبول) ۳۵ فیصد نمبرات پر ہوں۔ اور ۱۰ر رمضان تک امتحان کا نتیجہ شائع کیا جائے گا۔

امید ہے کہ ماہنامہ الرشید کے ذریعے اکابر اور احباب کی خدمت میں دعوات تسلیمات پہنچادیں گے اور شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں گے؛ فقط والسلام

محمد عبد الجبار غفرلہ ناظم دفتر وفاق المدارس (بنگلہ دیش)

۱۵/۳/۸۲ م

MONTHLY . ALRASHID . LAHORE

اعلامیہ رشیدیہ

حسب دستور آئندہ سے جملہ مُراسلات مدرسہ

رقومات، منی آرڈر، چیک، ڈرافٹ وغیرہ

بنام مولانا مطیع اللہ رشیدی ناظم ادارہ جامعہ رشیدیہ رجسٹرڈ ساہیوال

کے نام آنے چاہئیں۔ پورا پتہ اور مصرف کی تصریح ضروری ہے ——— !

ادارہ جامعہ رشیدیہ رجسٹرڈ ساہیوال کا حساب کتاب

حبیب بینک غلہ منڈی ساہیوال چالو ہے۔

اکاؤنٹ نمبر ۳۹۴

مطیع اللہ رشیدی ناظم جامعہ رشیدیہ رجسٹرڈ ساہیوال

برصغیر پاک و ہند کے دینی، علمی، سیاسی، ادبی ذخیرہ کتب میں ایک گرانمایہ کتاب کا اضافہ

روانِ اسلام نمبر

ماہنامہ "الرشید" لاہور ○ ترجمان جامعہ رشیدیہ ساہیوال

قرنِ اول سے لے کر عہد بہ عہد اکابر رجال اور دینی شخصیتوں کا ایمان افروز تذکرہ، رسولِ اعظم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم صحابہ کرام اہلِ بیتِ عظام تابعین، تبع تابعین، ائمہ فقہا، ائمہ محدثین، ائمہ صوفیہ اولیاء و مشائخ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین خصوصاً برصغیر کے اکابر صوفیاء، علماء، زعماء کی خدمات کا حسین مرقع، عصرِ حاضر سے سید الاولین و الآخرین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تک سلاسل اربعہ تصوف و فقہ اور سندِ حدیث کا اتصال، ہزار صفحات سے زائد ۲۰×۳۰/۸ سائز پر یہ عظیم الشان نمبر عنقریب منظرِ عام پر آ رہا ہے"

دفتر ماہنامہ "الرشید" ۳۲-اے شاہ عالم مارکیٹ لاہور

بیادگار : حضرت مولانا حافظ مفتی فقیر اللہ رحمہ اللہ رائپوری بانی جامعہ رشیدیہ

ماہنامہ

الرشید

مدیر اعلیٰ — فاضل حبیب اللہ

مدیر مسئول — عبدالرشید ارشد

مُدیر معاون — شریف احمد طاہر

شعبۂ کتابت — حزب اللہ خالد

ناشر — عبدالرشید ارشد

مقام اشاعت — ۳۲ الے شاہ عالم مارکیٹ لاہور

پرنٹر — منہاج الدین اصلاحی — فرکٹ پرنٹنگ پریس نسبت روڈ لاہور

سالانہ چندہ : ۲۰/- روپے
فی شمارہ : ۲/- روپیہ

آئینہ مضامین

بادارت — فاضل حبیب اللہ رشیدی

راشدات

★ عبدالرشید ارشد

ہم سب مجرم ہیں

قیام پاکستان کا مقصد و مطلب اور منشا کیا تھا؟ اس کی آج چاہے کتنی ہی توجیہات کی جائیں، اور جناح سے منسوب مختلف کتب ہیں اور بعض دانشوروں کے خیال و فکر کے مطابق اس کی وجہ معاشیات یا ہندوؤں سے گلو خلاصی کیوں نہ ہو۔ لیکن برصغیر کے ۹۵ فیصد مسلم ووٹروں نے ووٹ پاکستان کا مطلب کیا لا الٰہ الا اللہ کو دیا تھا۔ اور یہ جذبہ اتنا شدید تھا کہ اس کی خاطر مسلمانوں نے اپنا سب کچھ تج دیا۔ حجاج بن یوسف جیسے ظالم و جابر گورنر نے ایک مسلم بیٹی کی فریاد پر خلیفۃ المسلمین کے حکم پر اپنے اوپر کھانا پینا حرام کر لیا تھا جب تک کہ اس مسلم خاتون کی عزت کا بدلہ لینے کے لئے ایک اٹھارہ سالہ نوجوان بھائی محمد بن قاسم کی سرکردگی میں ایک لشکر روانہ کر دیا۔ لیکن یہاں ہزاروں خواتین کا اغوا ہوا اور وہ آج تک ہندوؤں اور سکھوں کے قبضہ میں ہیں۔ اسکو کیوں گوارہ کیا گیا، صرف اس لئے کہ کتاب و سنت کی حکومت ہو لیکن ۱۹۴۷ء سے لیکر آج ۱۹۸۲ء تک معاشرے کی حالت کہاں سے کہاں پہنچ چکی ہے اس کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ ملک میں سے فحاشی اور بے حیائی کا جو طوفان چلا ہے آج اس کے مقابلہ میں کسی کو کچھ کہنے کی جرأت نہیں

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے ایک بیان پردے اور خواتین کے اسلامی حقوق کے متعلق دیا تو ملک میں ایک شور برپا ہو گیا جس کی گونج ہنوز جاری ہے اور ڈاکٹر صاحب موصوف بھی اس شور میں اس طرح گھبرا گئے کہ انہوں نے فرمادیا کہ "یہ میری ذاتی رائے تھی" جو سراسر غلط ہے۔ ان کی رائے ذاتی نہیں تھی بلکہ وہ رائے کتاب و سنت کی رائے تھی لیکن انہوں نے پسپائی اختیار کر لی۔

۲۱ اپریل ۱۹۸۲ء کو یوم اقبال پر انہوں نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ:

"رسول اللہ علیہ وسلم کا معجزہ قرآن تھا اور قرآن کا معجزہ اقبال ہے": ہو سکتا ہے کہ کسی لفظ کی کمی بیشی ہو مگر مفہوم بالکل یہی تھا جو اوپر ذکر ہوا ہے۔ اسی اقبال سے پوچھئے کہ وہ مسلم خاتون کے متعلق کیا کہتا ہے! اگر علماء کرام کا یہی حال رہا کہ بات بیان فرمائیں اور پھر اس کے بعد کہہ دیں کہ یہ میری ذاتی رائے ہے تو پھر کتاب و سنت کی نمائندگی اور تعبیر کا حق کیسے حاصل ہوگا۔ اصل بات یہ ہے کہ علماء کرام نے اپنا مسلک دعوت و عزیمت چھوڑ دیا

اور فروعی مسائل میں اُلجھ کر رہ گئے ہیں۔ آج پورے ملک میں ہمارے زعما اور علماء کرام کیا کر رہے ہیں اور کن مسائل میں دادِ خطابت دے رہے ہیں یہ اُن کے سوچنے کا مقام ہے۔ ۳۵ سال کے عرصے میں ہم نے اپنی بیٹیوں کی تعلیم و تربیت کے لئے کتنے ادارے قائم کئے اور ان کو دینی تعلیم دینے کا کیا بندوبست کیا!

یہ سوال ہر اس فرد کے ذمہ ہے جو ذرا بھی ذمہ داری محسوس کرتا ہے یا جسے نظریہ پاکستان کے تحفظ کا خیال ہے۔ کیا ہم سب اس بارے میں مجرم نہیں ہیں۔ آٹھ کروڑ کے اتنے بڑے ملک میں صرف سات آٹھ قصبات میں ایسے ادارے ہیں جہاں بچیوں کی دینی تعلیم و تربیت کا انتظام ہے اور باقی پورے ملک میں برطانوی طرزِ تعلیم ہی عورتوں کو دی جا رہی ہے اور پھر کالجوں میں جو سیمینار اور تقریبات ہوتے ہیں ان کے فوٹو جس طرح نمایاں کر کے اخبارات میں شائع ہوتے ہیں وہ پوری قوم کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ ہیں۔

ان کالجوں میں اور سکولوں میں جو تعلیم دی جاتی ہے وہ تو مردوں کو بھی اپنے دین اور ثقافت سے بیگانہ کئے جا رہی ہے چہ جائے کہ عورتوں کی بات کی جائے۔ اگرچہ بات بہت دور جا چکی ہے پھر بھی اگر ہم آج ہی سے ہر شہر قصبہ اور محلہ میں بچیوں کی دینی تعلیم و تربیت کے ادارے کھول کر اس کا جال بچھا دیں تو سات آٹھ سال بعد انشاء اللہ اس کے ہمہ گیر نتائج نکل سکتے ہیں۔

ایک ضروری وضاحت

مارچ ۱۹۸۲ء کے شمارے میں ۴۵-۱۹۴۶ء کے انتخابات کا ذکر ہوا تھا کہ اس میں ۳۵ فیصد ووٹ جمعیۃ علماءِ ہند کے متحدہ محاذ کو ملے تھے۔ اس کی تفصیل وغیرہ کوئی نہیں تھی۔ ہمارے ایک کرمفرما نے ہماری توجہ اس طرف مبذول کرائی ہے کہ یہ انتخاب بالغ رائے دہندگی کے اصول پر نہیں ہوئے تھے بلکہ ووٹر کے لئے تین شرطیں تھیں۔ ایک یہ کہ ووٹر پرائمری پاس ہو اور دوسرا یہ کہ کوئی مخصوص مقدار میں مالیہ یا انکم ٹیکس ادا کرتا ہو اور یہ بھی صوبائی اسمبلی کے لئے تھا جبکہ مرکزی اسمبلی کے لئے ووٹر کے لئے بہت زیادہ زمین کا مالک ہونا اور تعلیمی لحاظ سے غالباً گریجویٹ ہونا لازمی تھا جس کا نتیجہ یہ تھا کہ ایک اکیس بائیس سالہ پرائمری نوجوان ووٹ کا حقدار تھا۔ لیکن امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ اور مفتی اعظم پنجاب حضرت مولانا حافظ فقیر اللہؒ (بانی جامعہ رشیدیہ) ووٹ نہ ڈال سکتے تھے۔ اس تناظر میں دیکھیں تو پھر ۳۵ فیصد ووٹ بہت زیادہ تھے۔

قسط اوّل

○ ڈاکٹر علامہ خالد محمود
ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر

علم حدیث پر عصر حاضر کی جدید مشقیں

مرزا غلام احمد کا نظریہ حدیث

مرزا غلام احمد قادیانی (۱۹۰۸ء ۱۳۲۶ھ) اپنے آسمانی دعووں سے پہلے ایک غیر مقلد عالم تھے۔ مولانا شیخ محمد حسین بٹالوی سے ان کے بہت قریب کے تعلقات تھے۔ لیکن مرزا صاحب سلفی نہ تھے۔ مولانا بٹالوی مرزا صاحب کا انجام دیکھتے ہوئے پھر ذوقِ سلف کی طرف پھر بڑی تیزی سے لوٹے اتباع سلف پر بہت زور دیا۔ آپ اپنے رسالہ" اشاعتہ السنۃ " میں اس سلسلہ میں ایک تاریخی بیان بھی دیا جو ایک بلند پایہ موعظہ عبرت ہے۔ مرزا غلام احمد نے آزاد روی سر سید احمد سے ورثہ میں لی تھی اور ان کا مطالعہ حدیث محدثین کی طرز پر نہ تھا۔ نہ علم حدیث میں ان کی کہیں باقاعدہ تعلیم ہوئی تھی۔ حدیث میں شروع سے ذوقِ علمی نہ تھا نہ علم حدیث پر فنی نظر تھی۔ یہ صحیح ہے کہ ان کی کتابوں میں احادیث کے حوالے بھی ملتے ہیں مگر انہی تحریرات سے پتہ چلتا ہے کہ علم حدیث میں آپ کس درجہ کے طالب علم تھے۔ ان کا حدیث سے برتاؤ ایک طالب علم کے طور پر تھا یا وہ ایک عامی کے انداز میں حدیث کے حوالے دیتے تھے۔ ان کی اس قسم کی تحریرات سے صاف پتہ چلتا ہے کہ علم حدیث نہ انہوں نے کسی محدث سے پڑھا تھا اور نہ کسی محقق سے فنی روایت کے علل و غوامض کو سمجھے ہوئے تھے۔

اہلِ علم جانتے ہیں کہ کتبِ حدیث کئی اقسام پر ہیں۔ بعض کتابوں کے مؤلفین نے اپنی کتابوں میں صحیح حدیث لانے کا التزام کیا ہے انہیں صحیح کہتے ہیں۔ وہ ان کتابوں میں اصالۃً کوئی ایسی حدیث نہیں لائے جو ان کے نزدیک صحیح نہ ہو اور ان کی شرطوں پر پوری نہ اترے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم شریف اس درجہ کی کتابیں ہیں اور اصولاً صحیح ہیں۔ آپ نے ان کتابوں کے ساتھ صحیح کا لفظ پڑھا اور سنا ہوگا لیکن صحیح ابن ماجہ اور صحیح نسائی یا صحیح احمد سے آپ کے کان نا آشنا ہوں گے۔ ان کتابوں کو عام طور پر سنن ابن ماجہ سنن نسائی اور مسند امام احمدؒ کے ناموں سے ذکر کرتے ہیں۔ ترمذی کے ساتھ آپ نے جامع کا نام بھی پڑھا ہوگا۔ لیکن جامع ابی داؤد کبھی نہ سنا ہوگا، علماء عام طور پر اسے سنن ابو داؤد کے نام سے ذکر کرتے ہیں۔ اب آپ ذرا مرزا غلام احمد کی تحریرات پر نظر ڈالیں اور ان کے ذوقِ حدیث کا جائزہ لیں۔

دارقطنی (۳۸۵ھ) کی ایک روایت جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی صحابی تک نہیں پہنچتی صرف ایک تابعی کا قول ہے

اور یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ واقعی ان کا قول ہے۔ کیونکہ اس سے نیچے کے دو راوی عمرو بن شمر اور جابر جعفی بھی کذاب اور ناقابل اعتبار ہیں۔ اب دیکھئے کہ اس بے بنیاد روایت کے بارے میں مرزا صاحب حدیث کا لفظ کس دیدہ دلیری سے استعمال کرتے ہیں۔

"یہ عذر کہ بعض راوی اس حدیث کے ثقات میں سے نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ اگر درحقیقت بعض راوی مرتبہ اعتبار سے گرے ہوئے تھے تو یہ اعتراض دارقطنی پر ہوگا کہ اس نے ایسی حدیث لکھ کر مسلمانوں کو کیوں دھوکہ دیا۔ یہ حدیث اگر قابلِ اعتبار نہ تھی تو دارقطنی نے اپنی صحیح میں کیوں اسکو درج کیا۔" (تحفہ گولڑویہ ص۲۱)

دارقطنی کی کتاب کو صحیح دارقطنی لکھنا مرزا صاحب کے ذوق علم کا پتہ دیتا ہے اور یہ محض اتفاق نہیں۔ مرزا صاحب نے ایک اور مقام پر بھی ایسا ہی لکھا ہے۔

"صحیح دارقطنی میں ایک حدیث ہے۔" (حقیقۃ الوحی ص۱۹۴)

سنن دارقطنی میں ہر قسم کی رطب و یابس روایات پائی جاتی ہیں اسے صحیح دارقطنی کے نام سے ذکر کرنا ایک عجیب نمونۂ جہالت ہے۔ دارقطنی نے نہ اپنی کتاب میں صحیح حدیثوں کا التزام کیا ہے نہ اس کا دعویٰ کیا ہے کہ وہ اس میں وہی روایت لائیں گے جو ان کے نزدیک صحیح ہو۔ حافظ بدر الدین العینی شرح صحیح البخاری میں سنن دارقطنی کے بارے میں لکھتے ہیں:

روی فی سننہ احادیث سقیمۃ ومعلولۃ ومنکرۃ وغریبۃ وموضوعۃ (عمدۃ القاری ج۴ ص۱۲)

ترجمہ: دارقطنی نے اپنی سنن میں سقیم و معلول، منکر، غریب اور موضوع قسم کی حدیثیں بھی روایت کر دی ہیں۔

اب آپ ہی بتائیں کہ اس کتاب کو کیسے صحیح دارقطنی کہا جا سکتا ہے خصوصاً جب کہ انہوں نے خود بھی دعویٰ نہیں کیا کہ وہ اپنی اس کتاب میں وہی روایت لائیں گے جو ان کے نزدیک صحیح ہو۔ پس اب کوئی وجہ نہیں کہ ان پر یہ الزام عائد کیا جائے کہ انہوں نے مسلمانوں کو دھوکہ دیا ہے۔ مرزا صاحب کا یہ انداز استدلال نہایت رکیک اور عامیانہ ہے اہل علم کبھی یہ انداز اختیار نہیں کرتے۔ مرزا صاحب کی اس روایت میں چونکہ ایک غرض اٹکی تھی اس لئے انہوں نے ایک بالکل بے سروپا بات کو حدیث کہہ کر پیش کر دیا اور جہاں اپنی غرض ٹوٹتی تھی وہاں اس کے برعکس چلے کہ صحیح مسلم کی روایت پر بھی ایک عجیب انداز میں جرح کی ان المرء اذا اتی علی غیر فنہ اتی بالعجائب مثل مشہور ہے۔

صحیح مسلم فنی حیثیت سے درجہ اول کی کتاب ہے اور صناعت حدیث میں تو بالکل اولین مرتبہ رکھتی ہے اس کا ایک حوالہ لیجئے۔ اس سے مرزا صاحب کی علمی قابلیت دور تک نظر آ جائے گی۔

"مسیح موعود کے نزول کی پیشگوئی جو صحیح مسلم میں موجود ہے ...... یہ پیشگوئی تو صحیح مسلم کی کتاب میں سے ہے... مسلم کی پیشگوئی میں صرف یہی نقص نہیں کہ وہ قریباً پونے دو سو برس بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کی گئی بلکہ ایک یہ بھی نقص ہے کہ مسلم نے اصل راوی کو بھی نہیں دیکھا جس نے یہ حدیث بیان کی تھی علاوہ اس شخص کو دیکھا جس کے پاس یہ روایت بیان کی بلکہ بہت سی بازاروں میں گھومتی ہوئی اور ایسے لوگوں کے ہاتھوں کو چھوتی ہوئی جن کو ہم معلوم نہیں کہہ سکتے مسلم تک پہنچی۔" (تحفہ گولڑویہ ص۱۲۴)

اس جرح کا حاصل اس کے سوا کیا ہے کہ حدیث کسی پہلو سے بھی لائق استفادہ نہیں۔ امام مسلم ؒ (۲۰۴ھ) میں پیدا ہوئے معلوم نہیں انہوں نے ۱۵۸ھ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے پونے دو سو برس بعد) میں صحیح مسلم کیسے لکھ لی اور اگر کوئی پیشگوئی امام مسلم سے پہلے کی تھی تو وہ مسلم کی پیشگوئی کیسے ہو گئی۔ قادیان کے سلطان القلم کا پیرایہ بیان نہایت ہی نرالا ہے۔

پھر مرزا صاحب کے ان الفاظ کو بھی دیکھیں "صحیح مسلم کی کتاب" یہ اسی طرح کی ترکیب ہے جیسے ماہ رمضان کا مہینہ (حالانکہ ماہ رمضان تو خود مہینہ ہے) یا شبِ قدر کی رات (شب تو خود رات ہے)، صحیح مسلم خود کتاب ہے۔ اسے صحیح مسلم کی کتاب کہنا ایک نئی ترکیب ہے۔ اس پر مرزا صاحب کو ان کی ادبی شان پر داد دیجئے۔

اسوقت صحیح مسلم کی روایت پر کی گئی اس جرح کا جواب دینا پیش نظر نہیں، موضوع بحث مرزا صاحب کا نظریۂ حدیث ہے۔ آپ صرف یہ دیکھیں کہ مرزا صاحب کی علمی قابلیت کس درجہ کی ہے اور وہ احادیث کا ذکر کس انداز میں کرتے ہیں۔ وہ رواۃ حدیث پر اس قسم کی بے سروپا جرح کر کے حجیت حدیث کو کمزور کرنا چاہتے ہیں۔ مرزا صاحب کی پوری توجہ قرآن کریم کو اپنے متوارث معنوں سے ہٹانے اور اسے نئی نئی تاویلات کا لباس پہنانے پر مرکوز تھی حدیث اس راہ میں ان کے لئے سب سے بڑی رکاوٹ تھی اور وہ حدیث کے خلاف شروع سے مصروف کار رہتے۔ مباحثہ لدھیانہ میں تو انہوں نے کھل کر کہہ دیا تھا۔

"ہر یک شخص خود سمجھ سکتا ہے کہ حدیثوں کی تحقیقات روایتی نقص سے خالی نہیں۔ کیونکہ ان کے درمیان راویوں کی چال چلن وغیرہ کی نسبت ایسی تحقیقات کامل نہیں ہو سکی اور نہ ممکن تھی کہ کسی طرح کا شک باقی نہ رہے" (مباحثہ لدھیانہ)

اس میں بھی خط کشیدہ الفاظ پر غور کریں "راویوں کی چال چلن" میں مؤنث کی تعبیر اسطرح ہے جس طرح مرزا صاحب نے تقویٰ کے آخر میں "ی" دیکھکر اسے مؤنث سمجھ لیا تھا۔ مرزا صاحب نے لکھا تھا "ان کی تقویٰ دیکھی جاتی ہے"

(تریاق القلوب ص)

مرزا غلام احمد اور حجیت حدیث

تاہم یہ صحیح ہے کہ مرزا صاحب نے عنواناً حجیت حدیث کا انکار نہیں کیا۔ جہاں تک حدیث کی اصل حیثیت اور ذات پیغمبر کے حجت اور اتھارٹی ہونے کا تعلق ہے مرزا صاحب نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اتھارٹی سٹیٹس ہونے کا اقرار کیا ہے۔ مرزا صاحب لکھتے ہیں:

"جس پاک اور کامل نبی پر قرآن نازل ہوا وہ سب سے بہتر قرآن شریف کے معنی جانتا ہے" (تبلیغ رسالت حصہ ششم ص۱۸)

لیکن حدیثوں کے انتخاب اور ان کی روایت میں مرزا صاحب کے نزدیک فنی قواعد کوئی درجہ نہ رکھتے تھے۔ ضرورت ہو تو دارقطنی کو صحیح دارقطنی بنا دیں اور چاہیں تو ایک سطر میں صحیح مسلم کو ناقابل اعتبار کہہ جائیں۔ پھر قبولیت حدیث میں معیار آخر کیا رہا؟ مرزا صاحب کی صرف اپنی سمجھ کہ جسے وہ قرآن شریف کے مطابق سمجھیں قبول کر لیں اور جو ان کی سمجھ میں نہ آئیں اسے مسترد کر دیں۔ گویا حدیث کی کوئی اصولی حیثیت نہ رہی محض ایک تائیدی درجہ رہ گیا۔ مرزا صاحب خود لکھتے ہیں:

تائیدی طور پر ہم وہ حدیثیں پیش کرتے ہیں جو قرآن شریف کے مطابق ہیں۔ (ضمیمہ نزول مسیح ص۳۰)

باقی ص۳۸ پر

علمی تقریر

از: حضرت مولانا حکیم عبدالرشید محمود صاحب گنگوہی

حقیقتِ نبوت

بزرگو! واقعہ یہ ہے کہ ہم تو کورے ہیں، ہمیں نبوت کی حقیقت معلوم نہیں ہے لیکن علمی طریقہ پر ہم جو کچھ بیان کر چکے ہیں، اگر آپ کے سامنے بیان کر دیں تو بات کچھ لطیف سی ہوگی۔ آپ گھبرائیں گے تو نہیں؟ بزرگو! نبوت کی حقیقت دو چیزیں ہیں ایک تخلق باللہ اور دوسری تعلق باللہ۔ تخلق باللہ کا خلاصہ ہے صفاتِ عبدیت کا ظہور اور کمالاتِ معبودیت کا مظہر بننا جتنا کسی ممکن کے لئے اس دنیا میں ممکن ہے اور تعلق باللہ کا خلاصہ ہے حق تعالیٰ کی صفات اربعہ خاصہ: حیات، علم، قدرت، قیومیت اور کمالات خاصہ اربعہ، ابداع و خلق و تدبر و تدلی سے حظ وافر پانا۔ جتنا کسی ممکن کے لئے اس دنیا میں ممکن ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ:

تخلق باللہ کی تشریح و تفصیل

صفتِ عبدیت کا جتنا ظہور ہوگا صفتِ معبودیت سے اتنا ہی قرب اور تشبہ پیدا ہوگا۔ مظاہرِ معبودیت جس قدر روح میں سرایت کریں گے مظہر کمالات معبودیت، اسی قدر آدمی بنتا چلا جائے گا۔ گویا غایت مظاہر عبودیت کا ثمرہ غایت مظاہر معبودیت ہوگا۔

ایک شبہ کا ازالہ

شاید کسی شخص کو اس میں ابہام شرک خفی محسوس ہو۔ مگر نہیں؛ میں دلیل پیش کرتا ہوں۔ حدیث قدسی میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں لا یزال یتقرب عبدی بالنوافل حتی کنت سمعہ الذی یسمع بی ویدہ الذی یبطش بی وبصرہ الذی یبصر بی ولسانہ الذی ینطق بی؛ بندہ جب تقرب بالنوافل حاصل کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں اس کا کان بن جاتا ہوں۔ میرے کان سے وہ سنتا ہے میں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں، میری آنکھ سے وہ دیکھتا ہے میں اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں، میرے ہاتھ سے وہ پکڑتا ہے میں اس کی زبان بن جاتا ہوں، وہ میری زبان سے بولتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کا مقامِ عبودیت

اور چونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی نے بھی صفاتِ ربانیہ کا حق ادا نہیں کیا اس لئے آپ سے زیادہ کوئی بھی مظہرِ صفات الٰہیہ نہیں بنا۔ الوہیت میں جس طرح اللہ تعالیٰ بے نظیر ہیں، وحدہٗ لاشریک ہیں۔ عبودیت میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم بے نظیر اور وحدہٗ لاشریک ہیں اور آپ کے عبودیت میں لاشریک لہٗ ہونے کی دلیل وہ حدیث ہے۔ ارشاد فرمایا: لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ ملک

مقرب و لا نبی مرسل۔ میرا اللہ تعالیٰ سے ایک خاص تخلیہ اور تقرب کا ایسا وقت بھی ہے جس میں کوئی نبی مرسل اور ملک مقرب بھی میرے قریب نہیں آسکتا۔ اسی وجہ سے تو ارشاد فرمایا گیا: وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ محمدؐ آپ نے کنکریاں نہیں پھینکیں وہ تو درحقیقت ہم نے پھینکی تھیں۔ اسی وجہ سے ارشاد فرمایا گیا: ما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ محمدؐ نے کلام نہیں کیا وہ تو محمدؐ کی زبان پر ہماری وحی نے کلام کیا۔ بغرض یہ کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر حرکت حرکتِ خداوندی سے ناشی ہے۔ صفات ربانیہ آپ کی ذات میں جلوہ گر ہیں۔ حق کا آفتاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے آئینہ میں جلوہ نما ہے۔ حق اصل ہیں محمدؐ ظل و عکس ہیں۔ ایک وجود اصلی ہے ایک وجود ظلی ہے۔ ایک جگہ ثبوت ہے دوسری جگہ ظہور ہے۔ حق تعالیٰ کی رحمت سے آپ رحمتِ مجسم ہیں، حق تعالیٰ کے قہر سے آپ قہر سراپا ہیں۔ حق تعالیٰ کے وجود سے آپ قاسم و معطی ہیں: انما قاسم واللہ یعطی اسی کا اظہار ہے۔

اخلاق و تاریخ اخلاق کا فرق

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متخلق باخلاق اللہ ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں، یہ سیرت کے جلسے جس میں عام طور سے واعظین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق بیان کرتے ہیں۔ میرا خیال یہ ہے کہ وہ اخلاق نہیں بلکہ تاریخ بیان کرتے ہیں کیونکہ اخلاق تو ذاتی ملکات نبوت کا نام ہے اور اس ذاتی ملکات نبوت سے جو صادر ہونے والے اقوال، افعال، اعمال اور احوال ہیں وہ سب تاریخ ہیں اور زیادہ تر لوگ انہیں ہی بیان کرتے ہیں تخلق باللہ جو آپ کا وصفِ خاص ہے اُسے بیان نہیں کرتے۔ میں عرض کرتا ہوں توجہ سے سنیئے:

اخلاق نبویؐ کی ہمہ گیریت

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق اور آپ کی سیرت کوئی شخصی سیرت اور شخصی اخلاق نہیں۔ بین الاقوامی سیرت اور بین الاقوامی اخلاق ہیں۔ ارتقاءِ زمانہ کتنا ہی ہو جائے، تمدن کے گوشے کتنے ہی پھیل جائیں۔ یہ سیرت نبوی اور اس کے گوشے اور جہات مدنیت کے تمام گوشوں اور جہات کی اصلاح و تقویم کے لئے ہمیشہ نمایاں ہوتے رہیں گے۔ ماہر نفسیات و اخلاقیات کے لئے اس سیرت کے تدریجی گوشے اپنی عالمگیریت و ہمہ گیریت کو ہمیشہ نمایاں اور واضح کرتے ہیں۔ اسی لئے تو فرمایا کہ انک لعلیٰ خلق عظیم اے محمدؐ آپ خلقِ عظیم پر استوار ہیں۔ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ نے تو ایسی بات فرمائی جس سے گویا ابواب علم مفتوح ہو گئے۔ کسی نے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کیا تھے۔ بہت اختصار سے فرمایا کان خلقہ القرآن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق تو قرآن تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کی فضیلت

اس لئے عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے متعلق ارشاد ہوا کہ نصف علم اس حمیرا سے لو۔ اسی لئے تو ارشاد ہوا فضل عائشۃ علی النساء کفضل الثرید علی سائر الطعام اسی لئے تو ارشاد ہوا کہ عائشہ ہی ایک ایسی بی بی ہیں جن کے بستر پر بیٹھے ہوئے مجھ پر وحی آجاتی ہے۔ ایک موقع پر فرمایا کہ عائشہ ہی ایک ایسی بی بی ہیں کہ جب وہ شب خوابی کے لباس میں اپنے حجرے میں ہوتی ہیں تو

جبریلؑ اندر داخل ہونے کی جرأت نہیں کرتے۔ اسی لئے تو علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عائشہ صدیقہؓ تفقہ فی الدین میں قوتِ اجتہاد میں، ضبطِ واقعات میں، صرفِ درایت میں، صحتِ فکر میں، اصابت رائے میں، وسعتِ معلومات میں، علو علم میں اکابر واجلہ صحابہؓ میں سے کسی صحابی سے کسی طرح کم نہیں۔

قرآن کریم اور سیرت نبوی میں مطابقت

کیا خوب بات فرمائی ہے کہ کان خلقه القرآن اور قرآن کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لا تنقضی عجائبه اس کے عجائبات کبھی ختم نہ ہوں گے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ قرآن میں یہ عجائبات علمی صورت میں ہیں اور سیرت میں یہ عجائبات عملی صورت میں ہیں۔ ایک علمی قرآن ہے اور دوسرا عملی قرآن ہے۔ قرآن مقدس کی ہزاروں آیات درحقیقت اخلاق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے علمی اور تعارفی ابواب ہیں اور سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہزاروں گوشے درحقیقت قرآن کریم ہی کے عملی پہلو ہیں۔ قرآن میں جو قال ہے ذاتِ نبوی میں وہ حال ہے۔ قرآن سے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی حیثیتیں متعین ومشخص اور واضح ہوتی ہیں۔ درحقیقت قرآن کریم کے مختلف النوع مضامین سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اخلاق النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تعارفی ابواب ہیں۔ آپ قرآن کی طرح پڑھتے (اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے بہت خوبصورت بات کہی ہے) قرآن میں جو ذات وصفات کی آیات ہیں سیرت میں وہ آپ کے عقائد ہیں۔ عقیدہ سب سے پہلا اخلاق ہے۔ قرآن میں جو احکام کی آیات ہیں سیرت میں وہ آپ کے اعمال ہیں۔ قرآن میں جو معاملات کی آیات ہیں سیرت میں وہ آپ کا حسنِ معاشرت ہے۔ قرآن میں جو اخلاق کی آیات ہیں سیرت میں وہ آپ کی جلوت ہے، قرآن کریم میں جو توجہ الی اللہ کی آیات ہیں سیرت میں وہ آپ کی خلوت ہے، قصص وحکایات کی آیات آپ کی عبرت ہے، تذکیر کی آیات آپ کی موعظت ہے قہر وغلبہ کی آیات آپ کا جلال ہے، مہر ورحمت کی آیات آپ کا جمال ہے تعلیم وتبلیغ کی آیات آپ کا نزول ہے اور خود نزول وحی کی آیات آپ کا عروج ہے، بے نفسی غیر کی آیات آپ کی قنائیت ہے۔ اثباتِ حق کی آیات آپ کی بقائیت ہے، حدود وجہاد کی آیات آپ کا بغض فی اللہ، امن وترحم کی آیات آپ کا حب فی اللہ ہے تجلیاتِ حق کی آیات آپ کا مشاہدہ ہے، ابتغاءِ وجہ اللہ کی آیات آپ کا مراقبہ ہے، احوال محشر کی آیات آپ کا حزن ہے تکوین کی آیات آپ کا استدلال ہے، تنفیذ اوامر کی آیات آپ کی خلافت ونبوت ہے، نعیم ورضا کی آیات آپ کا خوف ہے، انا کی آیات آپ کا شہود ہے اور ھو کی آیات آپ کی غیبت ہے۔ پورے قرآن کریم کو دیکھا جائے وہ سب کچھ اخلاق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور پورے اخلاق نبوی کا مطالعہ کیجئے وہ سب کچھ قرآن کی آیات و بینات ہیں۔ خیر اس مضمون کو اسی پر ختم کرتا ہوں۔

تعلق باللہ کی تفصیل

اب تعلق باللہ کے متعلق سنیئے: میں نے عرض کیا تھا کہ نبوت کی حقیقت دو چیزیں ہیں ایک تخلق باللہ اور دوسری تعلق باللہ۔ اب آپ تعلق باللہ کو سنیئے: بلاشبہ ایک مثال سے سمجھئے اللہ جل جلالہ وعم نوالہ کا دربار قائم ہے الرحمٰن علی العرش استویٰ رحمٰن عرش پر غالب ہے اور عرش محیط کل کائنات ہے

رحمانیت بھی محیط کل کائنات ہے تمام مقربین بارگاہِ حق میں اپنی اپنی جگہ پر جیسا کہ ان کی ڈیوٹی ہے اور ان کو حکم دیا گیا ہے مؤدب حاضر ہیں۔ ایک طرف ملائکہ ہیں کہیں حافین من حول العرش یسبحون بحمد ربھم والے کہیں والصافات صفا، وانا لنحن الصافون، وانا لنحن المسبحون والے کہیں ومامنا الا لہ مقام معلوم والے اور کہیں عساکر خداوندی کی حیثیت سے وما یعلم جنود ربک الا ھو کہیں دفاتر میں نگران کی حیثیت سے کتاب مرقوم یشھدہ المقربون غرض ایک طرف ملائکہ ہیں اور دوسری طرف گروہِ انبیاء علیہم السلام ہے ان میں خصوصیت سے سید الانبیاء والمرسلین، امام الانبیاء والمرسلین۔ گویا وزارتِ عظمٰی پر فائز پایۂ عرش پکڑے ہوئے کمالاتِ ربانیہ رحمانیہ جلالیہ جمالیہ کمالیہ نوالیہ بدیعیہ کے مکمل استحضار اور اپنے مکمل افتقار کے ساتھ سراپا عجز و عبودیت، مجسم اطاعت و انقیاد، غایتِ قرب و حضور و شہود کی احسانی نسبت عالیہ کے ساتھ مؤدب حاضر ہیں۔ کیفیت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ ہے کہ جب حق تعالیٰ شانہٗ کی صفاتِ جلالیہ قہر اور غلبہ غضب کا مشاہدہ فرماتے ہیں تو استغفار و تعوذ و پناہ جوئی کی عبادت پیش کرتے ہیں جب حق تعالیٰ کی صفات جمالیہ مہر و کرم کا مشاہدہ فرماتے ہیں تو دعا و سوال اور ابتہال کی عبادت پیش کرتے ہیں جب حق تعالیٰ کی صفاتِ کمالیہ کا مشاہدہ کرتے ہیں تو تحمید و تقدیس کے کلمات زبانِ مبارک پر جاری ہو جاتے ہیں۔ جب حق تعالیٰ کی نعماء سے متمتع ہوتے ہیں اور بسط و عطاء ربانیہ کا ظہور ہوتا ہے تو تشکر و امتنان کے جذبات قلبِ اقدس میں متحرک ہو جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ کھانا کھا رہے ہیں نوالہ توڑ کر منہ میں رکھ رہے ہیں۔ بار بار فرماتے ہیں یا واسع المغفرت والفضل، یا واسع المغفرت والفضل، یا واسع المغفرت والفضل پھر جب سونے لگتے ہیں تو النوم اخ الموت حق تعالیٰ کی صفت اماتت کا مشاہدہ فرماتے ہیں لہٰذا تفویض فرماتے ہیں اللھم باسمک اموت و احییٰ' یا اللہ تیرے ہی نام سے جیتا ہوں اور تیرے ہی نام سے مرتا ہوں۔ پھر جب جاگنے لگتے ہیں تو حق تعالیٰ کی صفت احیاء کا مشاہدہ فرماتے ہیں اور اعادۂ حیات پر شکر کرتے ہیں الحمد للہ الذی احیانا بعد ما اماتنا والیہ النشور، پھر جب فقر و فاقہ آلام و اسقام اور غموم و ہموم اور افکار و احزان کا غلبہ ہوتا ہے تو تسلیم و رضا اور صبر و توکل اور تفویض کی عبادت پیش کرتے ہیں غرض بلکہ دوام مشاہدہ کی کیفیت میسر ہے۔

نبی کریم کا تعلق مخلوقات سے ظاہری ہے قلبی نہیں

البتہ کبھی کبھی انہ لیغان علی قلبی وانی استغفر اللہ فی الیوم سبعین مرۃ و مائۃ مرۃ کا سا ایک طبعی غبار بھی محسوس ہوتا ہے مگر یہ طواری ظاہر جسم اقدس پر آتے ہیں باطن قلب اطہر اس سے بالکل محفوظ اور منزہ ہے جیسے ایک صحابی فرماتے ہیں:

ترجمہ: "یہ طواری (حالتیں) نبی کریم کے جسد بشری پر پیش آئی تھیں انسانوں کے ساتھ مشاکلت کی بناء پر مگر آپ کا قلب مخلوقات کے تعلق سے بالکل پاک و صاف رہتا تھا اور ہر آن و ہر لحظہ آپ مشاہدۂ حق میں مشغول اور اللہ تعالیٰ کی معیت

دبا کیفیت سے ہمکنار رہتے تھے۔ حتیٰ کہ آپ کا کھانا پینا تمام حرکت و سکون وغیرہ اللہ کے حکم اور رضا کیساتھ ہوتے تھے آپ اپنی جانب سے کچھ نہیں فرماتے تھے بلکہ جو کچھ بھی ارشاد فرماتے وہ وحی الٰہی کے مطابق فرماتے تھے۔

حضراتِ صحابہؓ اخلاقِ نبوی ﷺ سے متصف تھے

اور بزرگو! یہی حال آپ کے خصوصی تربیت یافتہ اصحاب کرامؓ کی شان کا بھی تھا۔ چنانچہ ریاض النضرۃ میں موجود ہے علامہ ابن البر نے لکھا ہے کہ سئل عن الجعفر الصادق رضی اللہ عنہ الصحابۃ فقال حضرت جعفر صادق سے حضراتِ صحابہؓ کے احوال غالبہ دریافت کئے گئے تو کتنی خوبصورت تقریر کی ہے طالب علم قدر کریں: فرماتے ہیں کہ:

ان ابا بکر الصدیق رضی اللہ عنہ ملاؤ قلبہ بمشاہدۃ الربوبیۃ لا یشہد مع اللہ غیرہ فمن اجل ذلک کان اکثر کلامہ لا الہ الا اللہ، وکان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ یری کل ما دون اللہ صغیراً حقیراً فی جنب عظمۃ اللہ لا یری التعظیم لغیر اللہ فمن اجل ذلک کان اکثر کلامہ اللہ اکبر، وکان عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ یری کل ما دون اللہ معلولاً اذ کان مرجعہ الی الفناء لا یری التنزیہ الا للہ فمن اجل ذلک کان اکثر کلامہ "سبحان اللہ" وکان علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ یری ظہور الکون من اللہ تعالیٰ وبقاء الکون باللہ ورجوع الکون الی اللہ فمن اجل ذلک اکثر کلامہ "الحمد للہ"۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا قلبِ اقدس مشاہدۂ ربوبیت سے اس قدر معمور تھا کہ غیر حق کی طرف نگاہ نہ جاتی تھی اسی وجہ سے اکثر ان کا کلمہ تھا لا الٰہ الا اللہ اکثر اٹھتے بیٹھتے یہی کلمہ زبان پر جاری رہتا۔
بزرگو! دعا کیجئے کہ ایک لا الٰہ الا اللہ ایک تہلیل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اللہ تعالیٰ ہم کو بھی نصیب فرمادیں۔

؎ مرا از زلفِ او موئے بسند است ہوس را رہ مدہ بوئے بسند است!

زیادہ کا ہم کو تحمل ہی نہیں ہو سکتا۔ اور فاروقِ اعظمؓ کی کیفیت یہ تھی کہ ان کی نظر میں ہر غیر اللہ ہر ما دون اللہ ذلیل حقیر ہو چکا تھا غیر حق کی عظمت و کبریائی کا تصور ہی قلبِ اقدس سے اٹھ گیا اسی وجہ سے اٹھتے بیٹھتے ان کا کلمہ تھا "اللہ اکبر" دعا کیجئے کہ ایک تکبیر حضرت فاروق اعظمؓ کی ہم کو بھی نصیب ہو جائے۔ اور حضرت عثمانؓ کا یہ حال تھا کہ ہر ما دون اللہ ان کی نظر میں معلول علت زدہ فاسد و کاسد و ناقص محسوس ہوتا تھا غیر حق کی تنزیہ و تقدیس کا سوال ہی قلبِ اقدس سے اٹھ گیا تھا اسی لئے اٹھتے بیٹھتے ان کا کلمہ تھا "سبحان اللہ"۔ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ایک تسبیح سبحان اللہ حضرت عثمانؓ کی ہم کو بھی نصیب فرمائے۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی کیفیت یہ تھی کہ قلب کی آنکھ سے نمایاں طور پر دیکھتے تھے کہ ظہورِ کائنات بھی اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ بقائے کائنات بھی اسی کے ٹھہراؤ سے ہے اور رجوعِ کائنات بھی بالآخر اسی کی طرف ہے لہٰذا اٹھتے بیٹھتے ان کا کلمہ تھا "الحمد للہ" کہ اللہ ہی کی تعریف

کے لائق ہے۔ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ایک الحمد للہ ایک تحمید حضرت علیؓ کی ہمکو بھی نصیب فرمائے۔ اور بزرگوں یہی حال آپ کی امت کے عارفین کا تھا۔ چنانچہ قطب عالم حضرت گنگوہیؒ ارشاد فرماتے ہیں العارف ھو الکائن والبائن

ای کائن مع الحق و بائن عن الخلق ای ظاہرہ لصحبۃ العقل والدین مع الخلق و باطنہ باستغراق باللہ والحضور مع اللہ سبحان اللہ۔

اور دوستو میں آپ سے یہ عرض کر دوں میں نے جو یہ بات ، کبھی ایک تسبیح ایک تہلیل ایک تکبیر ایک تحمید ان حضرات کا ہم کو بھی نصیب فرمائے۔ یہ میں نے اپنے بزرگوں کی تقلید کی ہے ورنہ مجھے تو کہاں سوجھتی۔ ہمارے بزرگوں میں سے جب ایک بزرگ حج کو گئے تو سارے راستے یہی دعا کرتے چلے گئے اور وہاں جاکر بھی تمام ازمنہ و امکنہ اوقات ومقامات موعود للاجابت میں بھی دعا کرتے رہے کہ اے اللہ مجھے ایک سجدہ حضرات صحابہؓ کا نصیب فرما دے۔ کتنی بڑی چیز مانگی، یہ انتہائی ذکاوت کی بات ہے۔ اے اللہ مجھے صرف ایک سجدہ حضراتِ صحابہ کا نصیب فرما۔

ذکاوت کی تقسیم دینی و دنیوی یہ ذکاوت کبھی دنیاوی امور میں چلتی ہے اور کبھی دینی امور میں۔ دنیاوی امور میں جیسا کہ ڈاکٹر اقبال نے کہا تھا:

جاں لاغر و تن فربہ و ملبوس بدن زیب — دل نزع کی حالت میں خرد پختہ و چالاک
الحذر اے عقل کی سنجیدہ گفتاری حذر! — جسم عالم ہو لیا، خالی ز روحِ زندگی!

دو کے چار بنائے اور چار کے آٹھ جس کو چاہے دھوکہ دیدے اور جس کو چاہے بیوقوف بنادے یہ ہے دنیاوی ذکاوت۔

دینی ذکاوت کی قسمیں اور مثال اور ایک ہے دینی ذکاوت اور اس کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک علمی تبحر میں اور دوسری تورع میں دونوں کی مثالیں پیش کرتا ہوں:

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب جنہوں نے پچاس سال تک دار العلوم میں افتاء کی خدمت انجام دی ایک دفعہ عشاء کی نماز کے بعد نوافل پڑھ رہے تھے جب اس آیت پر پہنچے وان لیس للانسان الا ما سعیٰ آدمی کے لئے وہی ہے جس کی وہ کوشش کرے تو معاً خیال اس طرف متوجہ ہوا کہ ایصال ثواب جو ہم نے مرنے والوں کو کرتے ہیں یہ تو ہماری سعی ہے لہٰذا اس کا ثواب نہیں پہنچنا چاہیئے۔ حضرت مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ طبیعت اس قدر الجھ گئی اور ایسا خلجان پیدا ہوا کہ اگر آج رات مر گیا تو ایک آیت کے معنی میں خلجان لیکر مروں گا۔

بس بزرگو! اس زمانہ میں دکانِ معرفت گنگوہ میں کھلی ہوئی تھی۔ کاندھوں پر رومال ڈالا راتوں رات سفر کر کے صبح کو اس وقت گنگوہ پہنچے جب حضرت فجر کا وضو فرما رہے تھے۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ، وعلیکم السلام کون؟ مفتی عزیز الرحمٰن خیریت تو ہے اس وقت کیسے؟ اور مفتی صاحب کو کہاں فرصت کہ اتنا انتظار کرتے کہ حضرت وضو فرمالیں، نماز پڑھ لیں، پھر اطمینان سے اپنا اشکال پیش کریں۔ وہاں تو ایک گھبراہٹ و اضطراب کی کیفیت طاری تھی۔ عرض کیا حضرت!

رات اس آیت پر پہنچا تو یہ خیال پیدا ہوا کہ ۔ حضرتؒ نے بے ساختہ فرمایا جی نہیں یہ نفس ایمان کے متعلق ہے اعمال سے اس کا تعلق نہیں ہے ۔ ایمان تو ایک کا دوسرے کو نہیں پہنچے گا، اعمال پہنچیں گے ۔ حضرت مفتی صاحب فرماتے ہیں اماتی الشلج ٹھنڈک پیدا ہو گئی ۔

اور سُنیے ! بُوعلی قلندر پانی پتیؒ کی دینی تورع کی ذکاوت کی بات ۔ بوعلی قلندرؒ اپنی خانقاہ میں تشریف فرما تھے سامنے سے کچھ ہندو عورتیں گاتی بجاتی ہاتھوں میں تھال پکڑے لئے ہوئے چلی جارہی تھیں اور ان کی زبان پر یہ گیت تھا کہ ایسا گھورے سوکن جیسے کھا جائے گی ۔ پس حضرت کا تو محاصرہ حواس اُٹھ گیا، بے ہوش ہو گئے ۔ اگلے روز کسی نے پوچھا حضرت کیا بات تھی آخر یہی تو گیت تھا کہ ایسے گھورے سوکن جیسے کھا جائے گی ۔ حضرت نے فرمایا جی ہاں، قصہ یہ ہوا کہ جب یہ گیت میرے کان میں پڑا تو وہ بزرگوں کا مقولہ ہے : الدنیا والاخرۃ ضرتین دنیا و آخرت دو سوکنیں ہیں تم ایک کو راضی کرو گے تو دوسری بگڑ جائے گی اور دوسری کو راضی کرو گے تو پہلی بگڑ جائے گی ۔ تو مجھے خیال ہوا کہ میں اس وقت دُنیا، سوکن کے گھٹنے سے لگا بیٹھا ہوں اور آخرت سوکن مجھے گھور رہی ہے عنقریب مجھے کھا جائے گی اور اللہ کے دربار میں خالی ہاتھ کیسے حاضر ہوں گا ۔ میرے ساتھ تو کچھ بھی نہیں ۔ بس یہ خوف طاری ہو گیا اور حواس اُٹھ گئے ۔

اب ایک واقعہ اسی اپنے دیوبند کا سُن لیجئے ! یہ بھی دینی تورع کی ذکاوت کا ایک واقعہ ہے ۔ حضرت سید میراں جیؒ قصبہ دیوبند کے بعض مریدین کی دعوت پر یہاں تشریف لائے ۔ ایک مکان کا انتظام کیا گیا جو کسی رئیس کا مکان تھا بہت بڑا اور وہ رئیس ایک داشتہ طوائف بھی اپنے ساتھ رکھتے تھے ۔ اوپر کی منزل پر وہ منتقل ہو گئے اور نیچے کا حصہ حضرتؒ کے لئے خالی کر دیا اور اپنی اس داشتہ طوائف سے کہا دیکھو خبردار نیچے مت اترنا ورنہ میری مزید رسوائی کا سبب بنے گی اس نے کہا نہیں تم بے فکر رہو ۔ صبح نو بجے کا وقت تھا حضرت تشریف لا کر برآمدہ میں بیٹھے ، شہرت بہت تھی رجوع خلائق تھے ۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد وہ عورت ایکدم زینے سے اتری بن سنور کر ستے اور حلیہ سے آراستہ سامنے آکر سلام بجا لائی ۔ حضرت کی نظر اُٹھی اور سمجھ گئے کہ کوئی فاحشہ عورت ہے اس نے جلدی سے کہا حضرت میں بس ایک دو شعر سنانا چاہتی ہوں ۔ حضرت نے بھی یہ خیال کرتے ہوئے کہ جلدی سے یہ ٹلے فرمایا کیا ؟ اس نے کہا :

؎ پیرے بہ زنے فاحشہ گفتہ مستی　　تو از خیر گذشتی و بہ شر پیوستی !

ترجمہ : ایک پیر نے ایک فاحشہ عورت سے مذاق کرتے ہوئے کہا کہ تو بھلائی کو چھوڑ کر بُرائی سے مل گئی ہے ۔

اس عورت نے پیر صاحب کا یوں جواب دیا :

گفتا کہ من آنچہ می نمائم، ہستم　　تو نیز آنچہ می نمائی، ہستی ؟

ترجمہ : بیشک میں جیسے دکھائی دیتی ہوں ویسی ہی ہوں ۔ لیکن ذرا آپ تو بتائیں کہ جیسے دکھائی دے رہے ہیں ویسے ہی ہیں ؟

یہ شعر سننا تھا کہ حضرت میراں جی تڑپ کر بے ہوش ہو گئے ۔ یہ ہے دینی تورع میں ذکاوت ۔

ایک اور واقعہ علمی ذکاوت کا

اہلِ علم کا مجمع ہے علمی ذکاوت کی ایک مثال اور بیان کرتا ہوں۔ حضرت تھانویؒ کے یہاں ایک صاحب آئے بیٹھ کر بڑے آداب سے مصافحہ کیا اور کہا میرا نام فلاں ہے اور فلاں جگہ سے آیا ہوں اور صرف ایک مسئلہ حل کرنا ہے۔ حضرت اس سے خوش ہوا کرتے تھے کہ ہمیں کچھ پوچھنا نہ پڑے آدمی خود ہی بتادے کہ میرا نام یہ ہے اور فلاں جگہ سے آیا ہوں اور اس کام کے لئے آیا ہوں۔ حضرت نے فرمایا کہیئے۔ انہوں نے کہا حضرت یہ مسئلہ متفق علیہ اور مجمع علیہ ہے کہ ابوبکر صدیقؓ افضل الناس بعد الانبیاء ہیں، پھر یہ جو حضرت عمرؓ کے متعلق حدیث میں آیا ہے کہ لو کان بعدی نبیًا لکان عمر اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمرؓ ہوتے۔ اس سے تو حضرت عمرؓ کی فضیلت معلوم ہوتی ہے! تو حضرتؒ نے بے ساختہ فرمایا جی ہاں یہاں یہی تو الفاظ ہیں کہ لو کان بعدی نبیًا لکان عمر۔ اور بعدیت مستلزم ہے یک گونہ بعدیت کو اور صدیق میں اقربیت اشلیت ہے تو ان ہی کو افضلیت بھی ہوگی۔ پورا مجمع زعفران زار بن گیا۔ کیا نکتہ پیدا کیا سبحان اللہ بعدیت یک گونہ بعدیت کو مستلزم ہے۔

دارالعلوم کا قیام اور اس کا پس منظر

قرونِ اخیرہ میں جبکہ ہندوستان میں کفر و شرک اور بدعت کے اندھیرے چھائے ہوئے تھے عقائد کے پیچ و خم زیغ و ضلال کی سرحدیں پار کر رہے تھے جاہل صوفیاء، زرطلب، جاہ طلب اور منصب طلب علماء سوء اور پیشہ ور پیروں نے اخلاق و اعمال کی سطوح کو متزلزل کر رکھا تھا۔ رفض و الحاد کی ظلمتیں چھائی ہوئی تھیں سلطنت مغلیہ کا آفتاب زوال پذیر ہو چکا تھا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی اپنے خونخوار دانتوں اور پنجوں کے ساتھ احمد آباد، گجرات اور بمبئی پر قابض ہو چکی تھی اور دہلی میں اعلان ہو رہا تھا کہ ملک بادشاہ سلامت کا اور حکومت کمپنی بہادر کی۔ اسی دور ظلمت خیز و ہلاکت انگیز میں خاندانِ ولی اللّٰہی کے ساختہ پرداختہ کچھ بزرگوں نے علم و عرفان کے چشمے بہا دیئے۔ برصغیر ہند و پاک قال اللہ قال الرسول سے گونج اٹھا۔ مجددی فیضان کی تجدید ہوئی اور ولی اللّٰہی ارتفاقات و اقترابات کے ابواب کھل گئے۔ اس خانوادہ کا ایک فرد کیا تھا گویا من لحظتہ یحی عظام البالی حسن کا ایک گوشۂ چشم مردہ اور پوسیدہ ہڈیوں میں حیاتِ تازہ پیدا کر دیتا تھا۔ اس سلسلہ کے بعض اکابر نے اس دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی۔ چھتہ کی مسجد میں جسے میں آج ہی دیکھ کر آیا ہوں وہاں انار کا درخت ابھی تک سرسبز و شاداب موجود ہے جس کے زیر سایہ ملا محمودؒ اور مولوی محمود (شیخ الہندؒ) استاذ و شاگرد نے درس و تدریس کا آغاز کیا۔

جشن صد سالہ اور اس کا عبرتناک نتیجہ

آپ کے جشن صد سالہ، میں آپ کا جشن کہتا ہوں اپنا نہیں، میں اس میں شریک نہیں ہوا تھا۔ ہاں اسی جشن صد سالہ میں ایک بڈھے کو ملا محمود بنا کر اور ایک بچہ کو مولوی محمود بنا کر فلمایا گیا اور پھر ٹیلی ویژن وغیرہ پر دکھایا گیا۔ "اللہ اکبر" ان حضرات کی ارواح طیبہ بھی تڑپ اٹھی ہوں گی کہ ہمارے ساتھ یہ تلعب ہو رہا ہے۔ اس حرکت کی نحوست آپ نے دیکھ لی کہ اس سلور جوبلی کے بعد دارالعلوم اور اس مکتبہ کے علماء و رجال کی ثقافت و عدالت تعلیمی اخلاقی و روحانی حالت جس سرعت کیساتھ گری اور

زمین پر آ ٹپکی۔ پچاس سال میں ایسی نہیں گری تھی۔

ایک بزرگ کی بات یاد آ کر تعجب ہوتا ہے کہ جنہوں نے اس جشنِ صد سالہ کے بعد غایت مسرت کیساتھ فرمایا تھا کہ ظاہری اسباب میں دار العلوم کی عمر سو سال اور بڑھ گئی۔ حالانکہ اکابر دار العلوم نے تو پچاس اور سو ہی اپنے ادراک و وجدان سے فرمایا تھا۔

نہ جانے ان بزرگوں کے نزدیک دار العلوم کی عبارت کون سے حمیٰ اور فساد سے ہے۔ بعد میں جو کچھ پیش آیا اور آرہا ہے اور آئندہ کیا اور کس حد تک پیش آنیوالا ہے اسے اللہ ہی جانے یہ حتی اذا فرحوا بما اوتوا اخذ ناھم بغتۃ کی صورت اور لا تفرح ان اللہ لا یحب الفرحین کے قبیل سے ہے یا قل بفضل اللہ وبرحمتہ فبذالک فلیفرحوا" کے قبیل امتنان وتشکر سے کہ اول نظر بر نعمت سے ناشی ہے اور ثانی نظر بر منعم سے۔

بات میں بات نکل آئی۔ میں کہہ رہا تھا کہ خانوادہ ولی اللّٰہی کے بعض مستفیدین نے اس دار العلوم کی بنیاد رکھی اس زمانہ میں حضرت نانوتویؒ مکتبہ مجتبائی میں کام کرتے تھے وہاں سے ایک عرصہ کے بعد حضرت کو بلا کر کام سپرد کیا گیا اور حضرت نانوتویؒ اور حضرت گنگوہیؒ کی سرپرستی میں دار العلوم نے کہاں سے کہاں تک ترقی کی یہ ایک واقعہ اور حقیقت ہے چاہے کوئی کتنا ہی اس کا انکار کرے یا اس میں اختراع وافتراع اور حذف وزیادت کرے۔

رجوع الی الموضوع

بزرگو جیسا کہ میں نے ابتداء میں آپ سے عرض کیا تھا کہ اگر قرآن مقدس کی تلخیص کی جائے تو وہ پانچ امور پر مشتمل نظر آتا ہے اور وہ پانچوں کے پانچوں امور علم طلب ہیں جیسے آیت

○ یتلوا علیھم ایاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ پوری کی پوری علم ہے۔

ترجمہ: پڑھتا ہے ان پر اس کی آیات اور انہیں پاک کرتا ہے اور سکھاتا ہے انہیں کتاب وسنت۔

○ ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہٗ علی الدین کلہ پوری کی پوری علم ہے۔

ترجمہ: اللہ وہ ذات (گرامی) ہے جس نے بھیجا اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کیساتھ تاکہ وہ اس دین کو تمام ادیان پر غالب کرے۔

○ کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر وتؤمنون باللہ الخ

ترجمہ: تم لوگ بہترین امت ہو ظاہر کئے گئے ہو لوگوں کی نفع رسانی کے لئے حکم کرتے ہو نیکیوں کا اور روکتے ہو برائیوں سے اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

○ ان علیک الا البلاغ پوری کی پوری علم ہے، ترجمہ: آپ کے ذمہ صرف تبلیغ ہے۔

○ ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالتی ھی احسن پورا کا پورا علم ہے

ترجمہ: بلاؤ اپنے رب کے راستے کی جانب حکمت وموعظت حسنہ کیساتھ اور ان سے جدال کرو احسن طریقہ پر۔

علم کی ضرورت و اہمیت غرضیکہ یہ پانچوں امور طلب ہیں، بغیر علم کے ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتے۔ یہ جو فرمایا گیا کہ ادع الی سبیل ربک الخ سبیل رب کی طرف دعوت دو حکمت و موعظۃ حسنۃ اور جدال بالتی ھی احسن سے اس کی علت یہ ہے کہ اس دنیا میں اشخاص بھی تین قسم کے ہیں۔

(۱) بعض تو وہ لوگ ہیں جو اذکیا ہیں، سمجھدار ہیں، ذہین ہیں۔ آپ ان کے سامنے حکمت و دلیل سے بات پیش کیجئے، وقت پر جیسی دلیل کی ضرورت ہو دلیل دیجئے وہ عقلی ہو یا نقلی، جدلی ہو یا عدلی، انفسی ہو یا آفاقی، لمی ہو یا انی۔ ظاہر ہے کہ وہ اسے قبول کر لیں گے۔

(۲) اور بعض وہ لوگ ہیں جو اہلِ سلامت ہیں ان کے پہلو میں قلب سلیم ہے۔ ان کے سامنے آپ موعظۃ حسنۃ سے بات پیش کیجئے وہ قبول کریں گے۔ اچھی بات کا کیا انکار۔

(۳) اور بعض الدّ خصام ہیں۔ ہر چیز میں کٹ حجتی اور جدال و بحث کا انداز ان کے سامنے جدال بالتی ھی احسن سے بات پیش کیجئے۔ اب آپ دیکھئے اگر علم موجود نہ ہوگا تو آدمی دلیل سے بات پیش نہ کر سکے گا، حکمت سے پیش نہ کر سکے گا۔ اگر علم موجود نہ ہوگا تو جدال بالتی ھی احسن اور غیر احسن میں تمیز نہ کر سکے گا۔ اگر علم موجود نہ ہوگا تو دعوت کی اہمیت کو نہیں پہچانے گا اور داعی کی خصوصیات کو نہ جانے گا نہ مدعو کی نفسیات کو پہچانے گا، نہ رب اور سبیلِ رب کو جانے گا۔ علم کے بغیر ایک قدم آگے نہیں بڑھایا جا سکتا۔

ہمارے نبی خالص علمی ہیں اللہ تعالیٰ نے ہم پر یہ فضل و کرم فرمایا کہ اس نے ہم کو ایسے نبی کی امت میں بنایا جو خالص علمی ہے اور جن پر احسان جتلاتے ہوئے ارشاد ہوا وعلمک مالم تکن تعلم وکان فضل اللہ علیک عظیما اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ یہ بھی ارشاد فرمایا گیا کہ دعا کیا کیجئے قل رب زدنی علماً اے اللہ میرے علم کو بڑھا۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ اسکو بڑے بڑے انگریزوں، فلاسفروں نے بھی تسلیم کیا ہے کہ ہم نے جو کچھ لیا ہے مسلمانوں ہی سے لیا ہے قرآن ہی سے لیا ہے، بغداد اور اسپین سے لیا ہے۔

ایک مستشرق کا اعتراف حق حال ہی میں ایک کتاب چھپی ہے اس کا مصنف غالباً ڈاکٹر لوسف ایک مشہور جرمن مستشرق ہے اس نے لکھا ہے کہ اسلام ساری دنیا میں بالکل ایک نرالا مذہب ہے۔ یہ ایک تاریخ بھی ہے تحریک بھی، تبلیغ بھی ہے تہذیب بھی، اس میں انفرادیت بھی اجتماعیت بھی، سیاست بھی ہے دیانت بھی، امانت بھی ہے عدالت بھی۔ اس کی اساس قرآن پاک پر ہے جو نفسیات کی پہلی کتاب ہے اور روحانیت کی بالکل آخری۔ کتنی خوب بات کہی ہے کہ نفسیات کی پہلی کتاب ہے۔ آج اگر انگریزی پڑھے لکھے لوگوں سے پوچھا جائے تو وہ غالباً شعوری یا غیر شعوری طور پر یہی جانتے ہیں اور یہی بتائیں گے کہ نفسیات پر سب سے پہلے یورپ میں کتابیں لکھی گئیں مگر یہ کہہ رہا ہے کہ نفسیات پر سب سے پہلی کتاب قرآن مقدس ہے۔

حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ کی حیرت انگیز گرفت

حضرت علامہ کشمیریؒ سے ایک دفعہ ڈاکٹر اقبال نے کہا کہ نیوٹن نے اس مسئلہ میں یہ لکھا ہے حضرت علامہؒ نے مسکرا کر فرمایا کہ آپ کے نیوٹن نے ہمارے علامہ عراقی سے سرقہ کیا ہے اور اٹھ کر اندر گئے اور عراقی کا رسالہ نکال کر لائے اور فرمایا کہ اسے دیکھ جائیے ترتیب مضامین بھی وہی ہے اسلوب نگارش بھی وہی ہے۔ دلائل کا منہاج بھی وہی ہے اور دونوں کے زمانہ میں سو سال کا فرق ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ جناب میں دعوے کیساتھ اور جزم و وثوق کیساتھ کہتا ہوں کہ آپکا نیوٹن ہو یا نیطشے فرائڈ ہو یا میکڈانلڈ یا داؤد مقاطعی ان سب نے مسلم مصنفین سے سرقہ کیا ہے۔ یہ سب چور ہیں۔

جاہل متصوفین کے عقائد کا ماخذ

دیکھئے اس نے کیسی بات کہی کہ قرآن نفسیات کی پہلی کتاب ہے اور روحانیت کی بالکل آخری۔ آج کے مدعیان روحانیت ان صوفیا جہال سے جو اپنی گدیاں سجائے بیٹھے ہیں اگر پوچھا جائے کہ کیا وہ اپنے نظریات کو اور اپنے معتقدات کو کتاب و سنت سے مستنبط کرکے دکھلا سکتے ہیں تو ہرگز نہیں دکھلا سکتے۔ اس وجہ سے کہ یہ سب کے سب تو اختراعی ہیں اور افترائی ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدثؒ دہلوی فرماتے ہیں کہ جب خوارج کو ماوراء النہر میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مقابلہ میں شکست ہوئی تو وہ تین فرقوں میں بٹ گئے ایک معتزلہ دوسرے اصحاب الرائے اور تیسرے غلاۃ متصوفہ۔ ان جاہل صوفیاء کے ڈانڈے انہی غلات متصوفہ سے ملتے ہیں۔

غیر ضروری سوال سے بچنا چاہیئے

ایک چیز میں سنایا کرتا ہوں آپکو بھی سنا دوں۔ منٹگمری میں میرا بیان ہو رہا تھا ایک صاحب کھڑے ہوئے اور فرمایا مولانا کچھ تصوف کے متعلق بھی فرمائیے میں نے کہا اے بھائی میں مولانا نہیں ہوں بلکہ مولانا قسم کا بھی آدمی نہیں ہوں۔ ایک حکیم ہوں۔ میری ترکی ٹوپی سے اندازہ نہ ہوا کہ میں مولوی، مولانا نہیں ہوں۔ کہیں مولوی بھی ترکی ٹوپی اوڑھتے ہیں۔ لیکن یہ تو بتائیے کہ آپ کونسے تصوف کے متعلق مجھ سے سوال کر رہے ہیں۔ آیا ایرانی تصوف یا یونانی تصوف یا نو افلاطونی، الہیاتی تصوف یا ہندو جوگ لوک کا مخلوط تصوف، آیا ہندوستان کا وہ سدا بہار سدا سہاگن والا تصوف یا ہندوستان کا وہ طبلہ نواز موسیقاری تصوف پھر عربی تصوف یا عجمی تصوف، پھر عربی تصوف میں حضرات صحابہ کرامؓ کا احسانی تصوف یا بعد کے صوفیا چشتیہ نقشبندیہ سہروردیہ قادریہ لقاسیہ والا تصوف، پھر منصور کا انا الحق والا تصوف یا علامہ ابن تیمیہ اور ابن قیم کا وہ مدارج السالکین والا تصوف، شیخ اکبر ابن العربی والا تصوف یا محمد بن حزم ظاہری المحدث امام داؤد ظاہری کے مقلدین کا تصوف پھر تصوف کے کون سے موضوع پر عرض کروں۔ آیا مقدمات مبادی یا مقاصد کے متعلق کچھ عرض کروں۔ توابع کے متعلق یا ذرائع و وسائل پر کچھ عرض کروں یا پھر موانع کے متعلق کہوں۔ نیز مجھے یہ بھی بتا دیجئے کہ تصوف کے امہات مسائل سے بحث کروں۔ واحدیت و صمدیت تشخص بالذات البحث و لا تعین مراتب الہیہ مراتب کونیہ مراتب جامع

ظہور علمی ظہور عینی یا پھر مسائل جزیہ، ذکر و فکر، ربط و قطع، قبض و بسط، انس و جذب، تجلی و استتار، اتحاد و امتیاز، عینیت و غیریت، وحدیت و شہودیت پر بیان کروں۔ تصوف تو بڑا وسیع جنگل ہے۔ اس میں تو ہر قسم کے اجناس ہیں ہر قسم کے اشجار ہیں ہر قسم کے اثمار و ازہار ہیں ہر قسم کی جڑی بوٹیاں اور عقاقیر ہیں۔ متعین کرکے فرمائیے کون سے تصوف اور اس کے کس موضوع کے متعلق عرض کروں۔ اس پر وہ خاموش ہوگئے تو میں نے کہا بات اپنی بضاعت سے بڑھ کر نہیں کہنا چاہیئے!

مدار نجات تصوف نہیں عقائد و اعمال ہیں: کل اللہ تعالیٰ آپ سے تصوف کے متعلق سوال نہ کرے گا کہ آپ نے تصوف کے کتنے مراحل و منازل طے کئے۔ اس لئے کہ تصوف مدار نجات نہیں ہے مدار درجات ہے۔ آپ سے تو صرف اتنا سوال ہوگا کہ عقائد کس حد تک صحیح رہے۔ ہمارے بھیجے ہوئے احکام پنجگانہ، ایجاب، استحباب، اباحت، کراہت اور حرمت اور اس کو کس حد تک اپنی زندگی میں ملحوظ رکھا اور معظم سواد المسلمین سے کتنا ربط اور تعلق رہا۔

ملت کے سواد اعظم سے ربط مطلوب ہے: حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں: ھا انا بریٔ من کل مقالۃ صدرت مخالفۃ لآیۃ من آیات اللہ او سنۃ قائمۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم او اجماع القرون المشھود لھا بالخیر و مختارۃ جمھور المجتھدین و معظم سواد المسلمین فان وقع شیئ من ذالک فانہ خطاء۔ دعا کیجئے کہ معظم سواد المسلمین سے اللہ تعالیٰ ہم کو متصل رکھے ان سے باہر نہ جانے دے انہیں کیساتھ جینا اور مرنا اور انہیں کیساتھ اٹھنا نصیب و میسر ہو۔

جرمنی مستشرق کا مزید اعتراف حق: خیر میں عرض کر رہا تھا کہ اس جرمنی مستشرق نے یہ بات کہی کہ قرآن نفسیات کی پہلی کتاب ہے اور روحانیت کی بالکل آخری۔ اس کے بعد اس نے کہا کہ اگر قرآن عقل کی افادیت کا قائل نہ ہوتا تو مسلمان نہ تو علوم کی سرپرستی کرتے اور نہ اسپین اور بغداد کی راہ سے علم و فن اور سائنس کی شمع یورپ میں روشن ہو سکتی۔ آخر میں ایک اور بات کہی ہے نوجوان اس سے چونکیں گے۔ کہتا ہے اسلام میں آرٹ کی کوئی گنجائش نہیں۔

شمع آرٹ کی حقیقت: شاید جمالیاتی ذوق کے لوگ مایوس ہوں مگر داد دینا پڑتی ہے اسلام کی کہ اس نے سیرت و اخلاق کی ان تمام برائیوں کو چیلنج کیا ہے جو آرٹ ہی کی راہ سے ہماری سوسائٹی کو گمراہ کر رہی ہیں۔ آرٹ کیا ہے۔ بڑا اچھا فیصلہ ہے۔ ذہنوں کی بے راہ روی اخلاق کی کجی، ذوق کی شوریدگی اور جنسی انارکی، وقت آئیگا کہ آرٹ کی برائیاں اور نظر آئیں گی۔

اسلام ایک کامل ترین نظام حیات ہے: اس کے بعد میں نے ایک چیز کہی ہے جو بڑی دلچسپ ہے کہ آج اشتراکیت کے عفریت یعنی کمیونزم کے سرخ بھوت سے بچنے کے لئے اسلام کی معتدل اقتصادیت

کو اپنانا ازحد ضروری ہے کہ اسلام نے پیٹ کے مسئلہ کو اس درجہ نیچے اُتار دیا ہے جس کا وہ مستحق نہیں تھا اور اس جگہ پر قائم کر دیا جس کا وہ حقدار تھا اور دل و دماغ اور علوم کو وہ جگہ عطا کی ہے جو اس کی شایانِ شان تھی۔ گویا گلدان کو گلدان کی جگہ رکھا، اگالدان کو اگالدان کی جگہ۔ دنیا کو دنیا کی جگہ پر اور آخرت کو آخرت کی جگہ پر۔ مقاصد کو مقاصد کی جگہ پر رکھا اور توابع کو ان کی اپنی جگہ پر۔ ایسا نہیں ہے کہ گڈمڈ کر دیا ہو۔

؎ زندگی کیا ہے عناصر کا ظہورِ ترتیب — موت کیا ہے انہیں اجزا کا پریشاں ہونا

اور ہمارا دین اور اس کے عقائد و حقائق، اقدار، دلائل، فضائل و مسائل معاملات سب ایسے مربوط ہیں اور ان میں ایسی عقلی ربط ترتیب ہے کہ واقعہ یہ ہے کہ اسے دیکھنے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ اس کا مقابلہ دُنیا کا کوئی مذہب نہیں کر سکتا۔

بغداد و اسپین یورپ کے معلم ہیں

حضرات! اس شخص نے اعتراف کیا ہے کہ ہم تک علم و سائنس کی یہ روشنی بغداد و اسپین ہی کی راہ سے آئی ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اسپین کی راہ سے علم و فن کے مسافر نے یورپ کے ظلمت کدہ میں قدم رکھا اور اپنی مشعل سے ہر رہگذر کو منور کیا۔

مسلمانوں کا علمی کارنامہ

مسلمانوں کو فخر ہے کہ انہوں نے کس طرح اپنے علوم و فنون کی ترتیب و تدوین کی، کلیات بنا کے فروع کی تفصیل کی۔ ہر علم دین کی تصانیف کا ڈھیر لگا دیا۔ اسلام کے ہادی اور معلم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ صحیفۂ مقدس قرآن ہم کو دیا جو اسلامی کتب خانہ کی پہلی کتاب ہے۔ یہ کتاب تبیاناً لکل شیئ ہے۔ جس کی تفسیر ہمارے وہ تمام دینی علوم ہیں جو ہمارے ہی نہیں بلکہ مغربی کتب خانوں کی بھی زینت ہے۔ (القاسم دیوبند)

نوٹ: مضمون کا پہلا حصہ جمادی الاولیٰ میں شائع ہوا ہے۔

مَالَابُدَّمِنْہُ

سوادِ اعظم اہلسنّت پاکستان کراچی

اَلْحَقِیْقَۃُ الْمُسَلَّمَۃُ

سوادِ اعظم اہلسنت کے ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خاں صاحب فاروقی نے فرمایا کہ اخبارات میں مجلس شوریٰ کے ایک رکن مولانا محمد شفیع صاحب اکاڑوی کے بیان کی طرف میری توجہ مبذول کرائی گئی جس میں سوادِ اعظم اہلسنت کے اکابر علماء کے خلاف نازیبا اور خلافِ حقیقت باتیں منسوب کی گئی ہیں۔ ریکارڈ کو درست رکھنے کے لئے ضروری معلوم ہوا کہ اصل حقائق پر روشنی ڈال جائے اور واقعات کی صحیح تصویر پیش کر دی جائے منفی انداز اختیار کر کے کسی کی اہمیت کو کم کرنے کی کوشش نہ بجائے خود مستحسن اقدام ہے اور نہ ہی اسکو اہلِ علم کے ہاں کوئی پذیرائی حاصل ہوتی ہے!

واقعہ یہ ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں اللہ تعالیٰ نے مسلکِ اعتدال کی اشاعت و ترویج کے لئے سوادِ اعظم اہلسنت کے اکابر کو جو توفیق عطا فرمائی ہے اس کی نظیر گذشتہ صدی ہجری میں پورے عالمِ اسلام میں نہیں ملتی۔ امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے خانوادہ علیہ اپنی ابتداء سے اتباعِ سُنّت، اشاعت علوم اسلامیہ اور جہاد فی سبیل اللہ کے تمام معرکوں میں ہمیشہ امتِ مسلمہ کی قیادت کرتے رہے ہیں۔ مولانا سید احمد شہیدؒ، مولانا محمد اسمٰعیل شہیدؒ کی تحریک جہاد سے کون ناواقف ہے؟ اس تحریک نے سکھا شاہی اور فرنگی اقتدار کو للکارا اور ملتِ اسلامیہ میں ایک نئی روح پھونک دی اس تحریک کا اثر تھا کہ ان کے اخلاف ہمیشہ انگریزی اقتدار کے خاتمہ کی جدوجہد کرتے رہے ہیں۔ ۱۸۵۷ء کا شاملی معرکۂ کارزار گواہ ہے کہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حافظ محمد ضامن شہیدؒ نے شمشیر سناں سنبھال کر انگریز کو للکارا، مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ نے انگریز مشنریز کے مسلم ہند کو عیسائی ہند میں تبدیل کرنے کے ناپاک منصوبہ کو خاک میں ملا کر رکھ دیا۔

دارالعلوم دیوبند کے بانی مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے تلمیذ رشید شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ دیوبندیؒ کی تحریک ریشمی رومال انگریزی اقتدار کے خاتمہ کے لئے انگریزوں کے نزدیک بھی ایک ایسی تحریک تھی جو اگر کامیابی سے ہمکنار ہو جاتی تو برصغیر پاک و ہند اور افغانستان کا حال آج کچھ اور ہوتا۔

آزادیٔ ہند اور انگریزی اقتدار کے خاتمہ کے لئے سوادِ اعظم اہلِ سُنّت کے اکابرین نے جو خدمات انجام دی ہیں انکا

اعتراف ہر انصاف پسند صاحب بصیرت دانشور اور مفکر نے کیا ہے کہ کوئی صاحب علم اس کا انکار نہیں کر سکتا کہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ، مفتی اعظم ہند مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ اور ان کے رفقاء نے آزادیٔ ہند کی خاطر ہر ابتلاء اور آزمائش کو خندہ پیشانی کے ساتھ خوش آمدید کہا اور اس وقت تک یہ حضرات چین سے نہ بیٹھے جب تک انگریز کے قدم یہاں سے مٹ نہیں گئے۔ یہ بات بلا خوف و تردید کہی جا سکتی ہے کہ جب انگریز کے خلاف آواز اٹھانا مشکل تھا اور اس قسم کی کوئی حرکت موت کو دعوت دینے کے مترادف تھی تو آزادیٔ وطن کے لئے ہمارے یہ بزرگ یا جام شہادت نوش فرما رہے تھے یا جلاوطنی کی صعوبتیں برداشت کر رہے تھے یا قید و بند کی سختیں جھیل رہے تھے۔ آزادیٔ ہند کی تحریک جب تکمیلی مراحل میں داخل ہوئی اور انگریز نے رخت سفر باندھنا شروع کیا تو پاکستان کی تحریک شباب پر تھی۔ بیشک ہمارے اکابر کی ایک جماعت نے اس سے اختلاف کیا تھا لیکن اس اختلاف کی حیثیت سیاسی تھی۔

آج لمیوزم ہمارے دروازے پر دستک دے رہا ہے اور ہم اس کا مداوا کرنے سے عاجز نظر آ رہے ہیں۔ ۴۴ سال گزر گئے ہیں لیکن قرآن و سنت کا وہ نظام جس کے لئے یہ خطۂ زمین حاصل کیا تھا یہاں نافذ نہیں ہونے دیا گیا اور آئندہ کے لئے بھی کیا کیا جا سکتا ہے۔ کیا یہ سب کچھ واقعات کی شکل میں پاکستانیوں کے سامنے ظاہر نہیں اور کیا اس سے یہ نتیجہ اخذ نہیں کیا جا سکتا کہ اختلاف کرنے والوں کی نظر میں یہ اور ان جیسے دوسرے عوامل تھے۔ جنہوں نے اختلاف کیا تھا اور ان کا اختلاف غلط نہ تھا مگر اس کے باوجود ہمارے اکابرین حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ اور سواد اعظم اہلسنت کے دیگر بے شمار علماء کرام کیا تحریک پاکستان کے مسلّم قائد نہیں ہیں۔ اگر ایسا نہیں ہے تو بتایا جائے کہ سرحد کے ریفرنڈم میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ دیوبندی اور سلہٹ کے ریفرنڈم میں محدث العصر علامہ ظفر احمد عثمانیؒ تھانوی کس لئے پیش پیش تھے اور کیا یہ واقعہ تاریخ فراموش کر سکتی ہے کہ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو جب پاکستان کا پرچم پہلی مرتبہ اس مملکت خداداد پر لہرایا جا رہا تھا تو قائد اعظم محمد علی جناح اور شہید ملت لیاقت علی خان کی درخواست پر شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے کراچی میں؛ اور محدث العصر علامہ ظفر احمد عثمانیؒ نے ڈھاکہ میں یہ پرچم کشائی فرمائی تھی۔ درحقیقت یہ پوری قوم کی طرف سے اور اس کے قائدین کی طرف سے ان اکابر علماء کرام سواد اعظم اہلسنت کے دربار میں ان کی خدمات کا اعتراف تھا جو انہوں نے قیام پاکستان کے لئے سرانجام دی تھیں اس کے بعد بھی پاکستان پر دینی لحاظ سے کوئی مشکل وقت آیا تو انہی علماء کرام نے آگے بڑھ کر اس کی حفاظت کا فریضہ سرانجام دیا۔ تحریک ختم نبوت کے ہیرو امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، مولانا محمد علی جالندھریؒ، مولانا لال حسین اختر ۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت کے قائدین رئیس المحدثین علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ تحریک قومی اتحاد کے ممتاز قائد مولانا مفتی محمود صدر پاکستان قومی اتحاد سواد اعظم اہلسنت کے اس نقطہ کے وہ اکابر علماء ہیں جنہوں نے نظریہ پاکستان کو

گاہے گاہے باز خواں

امام الہند
مولانا ابوالکلام آزاد

اعلانِ بغاوت اور عدالت

یہ ۱۹۱۹ء کا ذکر ہے۔ ابھی ہندوستان کے کسی سیاسی لیڈر اور کسی سیاسی جماعت نے کامل آزادی کا مطالبہ نہیں کیا تھا۔ ابھی انگریز حکومت کے وجود کے خلاف کسی جماعت یا کسی لیڈر نے زبان نہیں کھولی تھی۔ ابھی کانگریس کے پلیٹ فارم سے آزادی کامل کا رزولیشن اور مطالبہ پاس نہیں ہوا تھا۔ ابھی مسلم لیگ جُداگانہ وطن اور جُداگانہ قوم کے تصور سے بھی آشنا نہیں تھی۔ ابھی سب جماعتیں صرف چند حقوق کے لئے انگریزی حکومت کے سامنے عرضداشتیں پیش کرتے رہنے کی روش پر گامزن تھیں کہ ـــــ مولانا ابوالکلام آزاد کو چار سال کی نظر بندی سے رہا ہونے کے کچھ عرصہ بعد بغاوت کے جرم میں انگریزی حکومت گرفتار کرلیتی ہے اور ایک انگریز جج کی عدالت میں سزا دلانے کے لئے پیش کردیتی ہے۔

برطانوی حکومت جس کی حدود میں کبھی سورج غروب نہیں ہوتا تھا اس حکومت کے خلاف باغیانہ سرگرمیوں کے جرم میں ابوالکلام آزاد کو مجرموں کے کٹہرے میں لایا گیا۔

انگریزی حکومت کے قانون میں اس جرم کے مرتکب کے لئے پھانسی یا کالے پانی کی سزا تھی۔ اس سزا کے خوف سے لوگوں کی زبانیں مدتوں سے گنگ تھیں۔ لیکن آج ابوالکلام آزاد انگریزی حکومت کی انگریزی عدالت کے روبرو بیان دیتے ہیں۔ اسی عدالتی بیان کے بارے میں گاندھی جی نے جو اس وقت ایک صحافی تھے اور "بمبئی کرانیکل" کے ایڈیٹر تھے کہا تھا کہ:

"مولانا آزاد کا یہ بیان تحریکِ آزادی کی تاریخ میں بے مثال، ولولہ انگیز اور عہد ساز ہے"

اس بیان سے ہم نے ہندوستان کی جنگِ آزادی نصف سے زیادہ جیت لی ہے۔

حاکم و جابر قوموں کا زعمِ استبداد، اسی بیان سے پاش پاش ہو گیا ہے۔ غلام اور مظلوم قوموں کے لئے آزاد کا یہ بیان آبِ حیات ہے۔ ہندوستان و ایشیا اور افریقہ کی غلام قومیں آزاد کو سلام کرتی ہیں۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

بے مثال ولولہ انگیز اور عہد ساز

مسٹر مجسٹریٹ!

مجھ پر بغاوت کا الزام عائد کیا گیا ہے۔ لیکن مجھے بغاوت کے معنی سمجھ لینے دو۔ کیا بغاوت آزادی کی اس جدوجہد کو کہتے ہیں جو ابھی کامیاب نہیں ہوئی ہے؟ اگر ایسا ہے تو میں اقرار کرتا ہوں کہ میں باغی ہوں۔ لیکن ساتھ ہی یاد دلاتا ہوں کہ اس کا نام قابلِ احترام حب الوطنی بھی ہے! مازا نے ایک مرتبہ کہا تھا کہ ہمارا کام ہمیشہ ابتداء میں بغاوت اور آخر میں حب الوطنی کی مقدس جنگ کہا گیا

میں مسلمان ہوں اور میرے یقین کے لئے وہ بس کرتا ہے جو میرے اللہ کی کتاب اور میرے پیغمبر کی شریعت نے بتایا ہے۔ میرا اعتقاد ہے کہ آزاد رہنا ہر فرد اور قوم کا پیدائشی حق ہے۔ کوئی انسان یا انسانوں کی گھڑی ہوئی بیوروکریسی یہ حق نہیں رکھتی کہ خدا کے بندوں کو اپنا محکوم بنائے۔ محکومی اور غلامی کے لئے کیسے ہی خوشنما نام کیوں نہ رکھ لئے جائیں لیکن وہ غلامی ہی ہے اور خدا کی مرضی اور اس کے قانون کے خلاف ہے۔

پس میں موجودہ گورنمنٹ کو جائز تسلیم نہیں کرتا، اور اپنا مذہبی، انسانی اور ملکی فرض سمجھتا ہوں کہ اس محکومی سے ملک و قوم کو نجات دلاؤں۔

جب اسلام مسلمانوں کا یہ فرض قرار دیتا ہے کہ وہ ایسی مسلمان حکومت کو بھی منصفانہ تسلیم نہ کریں جو قوم کی رائے اور انتخاب سے وجود میں نہ آئی ہو تو پھر ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے لئے اجنبی بیوروکریسی کیا حکم رکھتی ہے۔

اگر آج ہندوستان میں ایک خالص مسلم حکومت قائم ہو جائے مگر اس کا نظام بھی شخصی ہو یا چند حاکموں کی بیوروکریسی ہو تو بحیثیت مسلمان ہونے کے اس وقت بھی میرا یہی فرض ہوگا کہ اس کو ظالم کہوں اور تبدیلی کا مطالبہ کروں۔

جن مسلمانوں کے مذہبی فرائض میں یہ بات داخل ہو کہ موت قبول کر لیں مگر حق گوئی سے باز نہ آئیں ان کے لئے دفعہ ۱۲۴ کا مقدمہ یقیناً کوئی بڑی ڈراؤنی چیز نہیں ہو سکتا۔

کیا صرف اس لئے کہ ظلم طاقت ور ہے اور اس کے پاس جیل ہے اس کا حقدار ہو جاتا ہے کہ اس کا نام بدل دیا جائے۔ ہم صرف اس لئے کہ تمہارے ساتھ عارضی طاقت ہے تمہاری برائیوں کا انکار نہیں کریں گے۔ زیادہ سے زیادہ جو سزا دی جا سکتی ہے بلا تامل دے دو ……،

میں یقین دلاتا ہوں کہ سزا کا حکم لکھتے ہوئے جس قدر جنبش تمہارے قلم میں پیدا ہوگی اس کا عشر عشیر اضطراب بھی سزا سن کر میرے دل کو نہیں ہوگا۔

میں اقرار کرتا ہوں کہ میں نہ صرف اس جرم بغاوت کا مجرم ہوں بلکہ ان لوگوں میں سے ہوں جنہوں نے اس جرم کی اپنی قوم کے دلوں میں تخم ریزی کی ہے اور اس کی آبیاری کے لئے اپنی پوری زندگی وقف کر دی ہے۔ میں مسلمانان ہند میں پہلا شخص ہوں جس نے ۱۹۱۲ء میں اپنی قوم کو اس جرم کی عام دعوت دی اور تین سال کے اندر اندر اس غلامانہ روش سے ان کا رُخ پھیر دیا جس میں گورنمنٹ کے پُر پیچ فریب نے انہیں مبتلا کر رکھا تھا۔

مسٹر مجسٹریٹ! اب میں اور زیادہ وقت عدالت کا نہ لوں گا۔ یہ تاریخ کا ایک دلچسپ اور عبرت انگیز باب ہے جس کی ترتیب میں ہم دونوں یکساں طور پر مشغول ہیں۔

ہمارے حصہ میں یہ مجرموں کا کٹہرا آیا ہے! تمہارے حصہ میں وہ مجسٹریٹ کی کرسی!

باقی ص[illegible] پر

ہینڈ آؤٹ
نمبر ۸۰ ۱۲ اپریل

پریس انفارمیشن ڈیپارٹمنٹ حکومت پاکستان

صدارتی حکم (مجریہ ۱۹۸۲ء)

بابت

قادیانیت

۱۹۷۴ء کے آئین میں (مسلمانوں کی تحریک ختم نبوت کی بناء پر) مرزائیوں کو غیر مسلم قرار دے دیا گیا تھا۔ موجودہ حکومت نے ایک آرڈیننس کے ذریعے آئین کی شق متعلقہ مرزائیت میں ترمیم کر کے اس کو اور تقویت پہنچائی اور تحفظ دیا۔ مگر بعض حلقوں کی طرف سے سرگوشیاں اور چہ میگوئیاں ہوئیں اور یہ سلسلہ روز بروز بڑھتا گیا۔ اس کا مقصد مسلمانانِ پاکستان کے جذبات کو بھڑکا کر امن عامہ کو تباہ کرنا ہی محسوس ہوتا تھا۔ آخر کار اب حکومت نے ایک آرڈیننس کے ذریعے پیدا شدہ تمام شکوک و شبہات کا ازالہ کر دیا ہے اور حکومت کا موقف واضح طور پر سامنے آگیا ہے۔ آرڈیننس کا متن درج ذیل ہے۔ (طاہر رشیدی)

راولپنڈی، ۱۲ اپریل۔ صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق نے دستور کی ترمیم (استقرار) کا فرمان ۱۹۸۲ء جاری کیا ہے۔ فرمان کا متن حسب ذیل ہے:

دستور کی ترمیم کے (استقرار) کا فرمان ۱۹۸۲ء فرمان صدر نمبر ۸ مجریہ ۱۹۸۲ء

چونکہ دستور (ترمیم ثانی) ایکٹ ۱۹۷۴ء (نمبر ۴۹ بابت ۱۹۷۴ء) کے ذریعے اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دستور ۱۹۷۳ء میں ترامیم کی گئی تھیں تاکہ صوبائی اسمبلیوں میں نمائندگی کی غرض سے قادیانی گروپ یا لاہوری گروپ کے اشخاص کو (جو خود کو احمدی کہتے ہیں) غیر مسلموں میں شامل کیا جائے اور تاکہ یہ قرار دیا جائے کہ کوئی شخص جو خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت پر مکمل اور غیر مشروط طور پر ایمان نہ رکھتا ہو یا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس لفظ کے کسی بھی مفہوم یا کسی بھی تشریح کے لحاظ سے پیغمبر ہونے کا دعویدار ہو یا ایسے دعویدار کو پیغمبر یا مذہبی مصلح مانتا ہو دستور یا قانون کی اغراض کے لئے مسلمان نہیں ہے۔

اور چونکہ فرمان صدر نمبر ۱۷ مجریہ ۱۹۷۸ء کے ذریعے منجملہ اور چیزوں کے قومی اسمبلی اور صوبائی اسمبلیوں میں غیر مسلم

[illegible] ہیں۔

(الف) مذکورہ بالا ترامیم کا تعلق متاثر نہیں ہوا ہے اور نہ ہوگا چونکہ یہ بالا دستور کے جزو کی حیثیت سے برقرار ہیں۔ یا

(ب) قادیانی گروپ یا لاہوری گروپ کے اشخاص کی (جو خود کو "احمدی" کہتے ہیں) غیر مسلم کے طور پر حیثیت تبدیل نہیں ہوئی ہے اور نہ ہوگی اور وہ غیر مسلم ہیں۔

وفاقی وزیر اطلاعات وقائم مقام وزیر قانون راجہ ظفر الحق صاحب کا قادیانیوں کے بارے میں وضاحتی بیان

اسلام آباد ۱۲ اپریل۔ وفاقی وزیر اطلاعات وقائم مقام وزیر قانون راجہ ظفر الحق نے قادیانیوں کی آئینی حیثیت کے بارے مجلس شوریٰ میں آج درج ذیل بیان دیا:

جناب چیئرمین میں اتفاق کرتا ہوں اس تحریک سے کہ مسئلہ انتہائی اہم ہے۔ اور مسلمانانِ عالم عمومی طور پر اور پاکستان کے مسلمان خصوصی طور پر اس مسئلہ کو وقتاً فوقتاً اٹھاتے رہتے ہیں تاکہ اس کی آئینی پوزیشن متعین ہو جائے۔ اس سلسلے میں کئی بحران بھی پیدا ہوئے اور اس کے نتیجے میں ۱۹۷۴ء میں آئین میں ترمیم کی گئی۔ اور جو بنیادی نوعیت کی ترمیم ہے وہ آئین کے آرٹیکل ۲۶۰ کے سب آرٹیکل ۳ جس میں تمام مختلف شقوں کی تعریفیں ہیں اس میں یہ لکھا گیا:

Article 260(3):

"A person who does not believe in the absolute and unqualified finality of the Prophethood of Muhammad (peace be upon him) the last of the Prophets or claims to be a prophet, in any sense of the word or of any description whatsoever, after Muhammad (peace be upon him), or recognizes such a claimant as a prophet or a religious reformer, is not a Muslim for the purposes the Constitution of law".

اس کے بعد اس کے مختلف قوانین میں اس کے مطابق ترمیم ہوئی تھی اور آئین میں صرف صوبائی اسمبلی کی حد تک اس میں ترمیم کی گئی تھی۔ آرٹیکل ۱۰۶ کے ذریعے۔ اس کے بعد یہ پروویژنل کانسٹی ٹیوشن آرڈر آیا اور اس میں بھی آئین کی بعض دفعات کو محفوظ کیا گیا۔ لیکن اس مسئلہ کا نصوصاً دو طریقوں سے اعادہ کیا گیا۔ وہ اس طریقے سے کہ ایک تو اس کے آرٹیکل ۲ میں ۱۹۷۳ء کے آئین میں سے جن شقوں کو محفوظ کیا گیا ان میں یہ شق ۲۶۰ سب آرٹیکل ۳ (بی) محفوظ کی گئی اور دوسرا ذریعہ اس نے یہ اختیار کیا کہ اس عبوری آئین کے حکم کے آرٹیکل ۱ میں جہاں مسلم کی تعریف ہے اسے مذہبانہ

دہرا دیا گیا ہے اور وہی الفاظ بعینہٖ جو کہ آرٹیکل ۲۶۰ میں تھے وہی پھر آپ نے یہاں دوبارہ رکھ دیا گیا جو میں پڑھ کر سنا دیتا ہوں (انگلش)، سو یہ تین طریقوں سے پروویژنل کانسٹی ٹیوشن آرڈر میں اس کو محفوظ کیا گیا کیونکہ یہ ایک قومی فیصلہ تھا اس کے ساتھ پھر یہ ایک طریقہ کار ہے کہ تقریباً دس سال کے بعد وزارتِ قانون وہ شقیں، وہ قوانین، وہ ضابطے، وہ شقیں جو کہ کانسٹی ٹیوشنلی کورڈ ہو جاتے ہیں اور پھر ان کے دوبارہ اعادے کی ضرورت نہیں رہتی ان کی طویل فہرست بنا کر انہیں ختم کیا جا سکتا ہے۔ اس طویل فہرست میں وہ ترمیم جو صوبائی اسمبلی کے سلسلے میں تھی اس کو یہ کہا گیا کہ اس کی بھی ضرورت نہیں۔ کیونکہ ۱۹۷۳ء کے آئین میں اور آئین کی اس شق کو پی سی او کے ذریعے سے بھی محفوظ کیا گیا اور خود پی سی او میں بھی دوبارہ محمد یا گیا تو پھر اب اس کے اعادے کی اس قدر ضرورت پھر کانسٹی ٹیوشنل نہیں رہتی لیکن اس مسئلہ کو پھر سے مسئلہ بنانے کی کوشش کی گئی لہٰذا جیسا کہ ایک حدیثِ مبارکہ ہے **اتقوا من مواضعاة التھم** "کہ ان مقامات سے بھی بچنا چاہیئے جہاں تہمت لگنے کا اندیشہ بھی ہو۔ اس لئے اگر یہ ابہام پیدا کرنے کی ناجائز کوشش کی جا رہی ہے تو اسکو رفع کرنا بھی حکومت نے اپنا فرض سمجھا۔ اس سلئے صدر مملکت نے کل رات کو ایک انتہائی واضح اور مکمل پریذیڈینشل آرڈر جاری کیا جو پریذیڈینشل آرڈر نمبر ۸ مجریہ ۱۹۸۲ء ہے۔ اس میں اس ساری پوزیشن کو دوبارہ واضح کیا گیا ہے۔

تصریح مالابدمنہ

"الرشید" جلد ۵ شمارہ نمبر ۱۰ بابت ماہ شوال ۱۳۹۷ھ میں ایک مضمون بعنوان "نظام مصطفیٰ کیا ہے" از ڈاکٹر غلام جیلانی برق صاحب شائع ہوا تھا جس میں موصوف مضمون نگار نے ایک جگہ زانی مرد و عورت کے لئے اسلام کے متعین کردہ سزائے رجم کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہوئے ہیں: "قرآن کریم میں زانی کے لئے رجم کا حکم موجود نہیں۔ میری ذاتی رائے یہ ہے کہ کوڑوں کی سزا نے اس کا حکم منسوخ کر دیا ہے۔" اس کے بارے میں ادارہ "الرشید" مندرجہ ذیل اپنا وضاحتی بیان ضروری خیال کرتا ہے:

اوّل تو یہ ہے کہ صحافتی ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے اتفاق ضروری نہیں ہوتا۔ دوسرے یہ کہ ادارہ الرشید سزائے رجم کے حکم کے منسوخ ہونے کا قائل نہیں۔ بلکہ ہمارا عقیدہ ہے کہ سزائے رجم زانی مرد و عورت کے بدستور قائم ہے جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی خود عمل فرمایا اور بعد میں حضرات صحابہؓ بھی اس پر عمل پیرا رہے۔ نیز الرشید کی جلد ۔۔۔ بابت جمادی الاخریٰ ۱۴۰۱ھ میں "رجم کی حقانیت" کے بارے میں مضمون بھی شائع کر چکے ہیں۔ (ادارہ)

بقیہ: الحقیقۃ المسلم

حفاظت اور خود پاکستان کی بقاء کے لئے سنہری حروف سے لکھی جانے والی خدمات سرانجام دی ہیں۔

★ مولانا محمد اسعد تھانوی ناظم نشر و اشاعت

مولانا محمد منظور نعمانی

دین میں زکوٰۃ کی اہمیت اور اس کا مقام

یہ ایک معلوم و معروف حقیقت ہے کہ شہادتِ توحید و رسالت اور اقامتِ صلوٰۃ کے بعد زکوٰۃ اسلام کا تیسرا رکن ہے۔ قرآن مجید میں ستر سے زیادہ مقامات پر اقامتِ صلوٰۃ اور ادائے زکوٰۃ کا ذکر اس طرح ساتھ ساتھ کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دین میں ان دونوں کا مقام اور درجہ قریب قریب ایک ہی ہے۔ اسی لئے جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بعض علاقوں کے ایسے لوگوں نے جو بظاہر اسلام قبول کر چکے تھے اور توحید و رسالت کا اقرار کرتے اور نمازیں پڑھتے تھے زکوٰۃ سے انکار کیا، تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اُن کے خلاف جہاد کا اسی بنیاد پر فیصلہ کیا تھا کہ یہ نماز اور زکوٰۃ کے حکم میں تفریق کرتے ہیں جو اللہ و رسولؐ کے دین سے انحراف اور ارتداد ہے ——— صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی مشہور روایت ہے کہ حضرت عمرؓ کو جواب دیتے ہوئے انھوں نے فرمایا :———

وَاللّٰہِ لَاُ قَاتِلَنَّ	خدا کی قسم نماز اور زکوٰۃ کے درمیان
مَنْ فَرَّقَ بَیْنَ الصَّلٰوۃِ	جو لوگ تفریق کریں گے، میں ضرور
وَالزَّکٰوۃِ۔	اُن کے خلاف جہاد کروں گا۔

پھر تمام صحابۂ کرامؓ نے اُن کے اس نقطۂ نظر کو قبول کر لیا، اور اس پر سب کا اجماع ہو گیا۔

اسی سلسلۂ "معارف الحدیث" کی پہلی جلد کے بالکل شروع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیثیں ذکر کی جا چکی ہیں جن میں آپؐ نے اسلام کے ارکان اور بنیادی احکام و مطالبات کا ذکر کرتے ہوئے توحید و رسالت کی شہادت کے بعد اقامتِ صلوٰۃ اور ایتاءِ زکوٰۃ ہی کا ذکر کیا ہے ——— بہرحال قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات و خطبات میں اقامتِ صلوٰۃ اور ایتاءِ زکوٰۃ کا ذکر عموماً اس طرح ساتھ ساتھ کیا گیا ہے جس سے مفہوم ہوتا ہے کہ ان دونوں کا درجہ قریب قریب ایک ہی ہے اور ان دونوں کے درمیان کوئی خاص رابطہ ہے۔

زکوٰۃ کے تین پہلو :۔۔۔۔۔۔

زکوٰۃ میں نیکی اور افادیت کے تین پہلو ہیں :۔۔۔۔۔۔ ایک یہ کہ مومن بندہ جس طرح نماز کے قیام اور رکوع و سجود کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنی بندگی اور تذلل و نیازمندی کا مظاہرہ جسم و جان اور زبان سے کرتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی رضا و رحمت اور اس کا قرب اس کو حاصل ہو اسی طرح زکوٰۃ ادا کر کے وہ اس کی بارگاہ میں اپنی مالی نذر اسی غرض سے پیش کرتا ہے اور اس بات کا عملی ثبوت دیتا ہے کہ اس کے پاس جو کچھ ہے وہ اسے اپنا نہیں بلکہ خدا کا سمجھتا اور یقین کرتا ہے، اور اس کی رضا اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لئے وہ اس کو قربان کرتا اور نذرانہ چڑھاتا ہے ۔۔۔۔۔۔ زکوٰۃ کا شمار "عبادات" میں اسی پہلو سے ہے۔ دین و شریعت کی خاص اصطلاح میں "عبادات" (جیسے کہ پہلے بھی اپنے موقع پر ذکر کیا جا چکا ہے) بندے کے انہی اعمال کو کہا جاتا ہے جن کا خاص مقصد و موضوع اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنی عبدیت اور بندگی کے تعلق کو ظاہر کرنا اور اس کے ذریعہ اس کا رحم و کرم اور اس کا قرب ڈھونڈھنا ہو۔

دوسرا پہلو زکوٰۃ میں یہ ہے کہ اس کے ذریعے اللہ کے ضرورت مند اور پریشان حال بندوں کی خدمت و اعانت ہوتی ہے۔ اس پہلو سے زکوٰۃ، اخلاقیات کا نہایت ہی اہم باب ہے۔

تیسرا پہلو اس میں افادیت کا یہ ہے کہ حُبِّ مال اور دولت پرستی جو ایک ایمان کُش اور نہایت مہلک رُوحانی بیماری ہے، زکوٰۃ اس کا علاج اور اس کے گندے اور زہریلے اثرات سے نفس کی تطہیر اور تزکیہ کا ذریعہ ہے۔ اسی بنا پر قرآن مجید میں ایک جگہ فرمایا گیا ہے:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا۔ (سورۂ توبہ۔ ع ۱۳)	اے نبی! آپ مسلمانوں کے اموال میں سے صدقہ (زکوٰۃ) وصول کیجئے جس کے ذریعہ ان کے قلوب کی تطہیر اور ان کے نفوس کا تزکیہ ہو۔

بلکہ زکوٰۃ کا نام غالباً اسی پہلو سے زکوٰۃ رکھا گیا ہے، کیونکہ زکوٰۃ کے اصل معنی ہی پاکیزگی کے ہیں۔

مظاہر علوم سہارنپور

ابو السیف علوی

خدا کی بے حد و حساب نعمتیں نازل ہوں ان مخلص و صالح بندوں پر جنہوں نے بڑے ہی نازک اور مشکل دور میں اسلامی علوم کے تحفظ و ترویج کی غرض سے مدارس عربیہ اسلامیہ کی داغ بیل ڈالی۔ جن لوگوں کی تاریخ پر ذرا بھی نظر ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ انیسویں صدی میں برصغیر کے مسلمانوں کو کیسے کیسے رُوح فرسا واقعات سے دوچار ہونا پڑا۔

اُس صدی کے تحریک مجاہدین کے امیر و امام حضرت السید احمد شہید قدس سرہٗ اور ان کے رفقاء نے بالاکوٹ کے میدان میں جام شہادت نوش کیا، اسی صدی میں ۱۸۵۷ء کا واقعہ پیش آیا۔ ہمارے مدارس و خانقاہیں اُجڑیں اور دلّی کا مدرسہ رحیمیہ جس کے فیض یافتہ لوگ برصغیر کے چپّے چپّے میں مصروف تدریس و جہاد تھے۔ اس کا بظاہر نام و نشان تک مٹا دیا گیا۔ ۱۸۵۷ء کے بعد تو عمومی طور پر مسلمان قوم ایسی مایوسی و اضطراب کا شکار ہوئی کہ خیال کیا جا رہا تھا کہ اب یہاں مسلمانوں کا اجتماعی طور پر پھلنا پھولنا ناممکن تو نہیں مشکل ضرور ہے۔ لیکن نہیں صاحب! ۱۸۵۷ء کے چند ہی سال بعد مجاہدین آزادی کا ایک طبقہ تعلیم و تدریس کے ہتھیاروں سے مسلح ہو کر میدان میں آیا اور اس نے دیکھتے ہی دیکھتے ملک میں مدارس کا جال بچھا دیا۔ ان مدارس میں بلا شبہ اولیت کا شرف اسی مدرسہ کو حاصل ہے جسے دارالعلوم دیوبند کا نام دیا جاتا ہے اور جس کے بانی حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہٗ تھے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی اپنی جگہ اظہر من الشمس ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے بعد جس مدرسہ کو عالمگیر شہرت حاصل ہوئی وہ سہارنپور کا مدرسہ "مظاہر علوم" تھا۔

اس مدرسہ کو قائم ہوئے شمسی حساب سے ۱۱۶ اور قمری حساب سے ۱۱۹ سال ہو چکے ہیں۔ (تاریخ مظاہر از شیخ الحدیث زاد مجدہم جلد اوّل ص۸) اس حساب سے یہ مدرسہ گویا دارالعلوم دیوبند کا ہم عمر ہے کہ اس کی بنیاد میں صرف چھ ماہ کا فرق ہے۔

ہمیں اس وقت مدرسہ کی تاریخ تو نہیں لکھنی۔ اس کے لئے سب سے بڑا اور مستند ماخذ محدث عصر حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی کی تالیف لطیف تاریخ مظاہر ہے جس کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے۔ تاہم ہم اپنے قارئین کو یہ ضرور بتلانا چاہتے ہیں کہ اس عرصہ میں اس مدرسہ و دبستان علمی سے کیسے کیسے لوگ میدان عمل میں آئے۔ جنہوں نے اپنی علمی، تدریسی اور جہادی زندگی کے اَن مٹ نقوش چھوڑے ہیں۔

اس مختصر تعارف کی بنیاد ہمارا سفر ہندوستان ہے جو گزشتہ سے پیوستہ سال دارالعلوم دیوبند کے جشن علمی میں شرکت

لاہور سے ہمارا قافلہ دیوبند سے فارغ ہو کر گنگوہ ہوتے ہوئے حضرات سہارنپور آگئے اور یہاں انہوں نے اس مدرسہ کی شاندار عمارات ، عظیم الشان لائبریری دیکھی اور ساتھ ہی ساتھ سہارنپور کے اہل صلاح و تقویٰ اساتذہ و منتظمین سے مل کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کیں ۔

ہمارا قافلہ چند احباب پر مشتمل تھا جن میں برادر عزیز حافظ عزیز الرحمٰن خورشید ، حافظ عبدالرشید ارشد مدیر مکتبہ رشیدیہ لاہور ، چوہدری رحمت علی صاحب اور ملک عبدالرؤف صاحب وغیرہ شامل تھے ۔ محب مکرم سید محمد شاہد صاحب سہارنپوری سے ہمارا غائبانہ تعارف تھا ۔ ان سے ملاقات ہوئی ۔ ساتھ ہی حضرت شیخ کے فرزند صالح محمد مولانا محمد طلحہ سے اور دوسرے حضرات سے بھی ۔ ظاہر ہے کہ یہاں اکثر حضرات عرفِ عام میں "صاحبزادگان" تھے کہ ان کی نسبتیں بڑے بڑے لوگوں سے تھیں لیکن ایمانداری کی بات یہ ہے کہ پاکستان میں اس طبقہ نے جو حیثیتیں بنا کر رکھی ہیں ان کا کوئی شائبہ بھی وہاں ہمیں نظر نہیں آیا ۔ یہ مخدوم زادے خادم بنے ہوئے تھے ۔ ہر آنے جانے والے کی خدمت میں خود سرگرم عمل ، انہیں کھانا کھلانے میں مصروف ہیں چائے پلا رہے ہیں ۔ مدرسہ کی عمارات ، لائبریری ، قدیم محدثین و اساتذہ کی درسگاہیں اور ان کے آثار مبارکہ کی تفصیلات بتا رہے ہیں ۔ ۲ ہزار طلبہ کی موجودگی کے باوجود ہر کام خود کرنے کی فکر ہے اور مہمان ہیں کہ ان کے اخلاق کے سبب ممنونیت کا بار بار اظہار کر رہے ہیں ۔ لیکن یہ حضرات بار بار یہی فرما رہے ہیں کہ صاحب شرمندہ نہ کریں یہ تو ہمارا فرض تھا بلکہ ہمیں افسوس ہے کہ ہم آپ کی صحیح طور خدمت نہ کر سکے ۔

ہمارے ساتھ ان احباب بالخصوص شاہد صاحب نے جس محبت و اخلاص کا مظاہرہ کیا ان کا تذکرہ لفظوں میں ممکن نہیں ۔ بہت سے مہمانوں سمیت ہمارے قیام کا انتظام دارالحدیث میں کیا گیا ۔ میں نے ان حضرات کی اجازت سے چارپائی کی بجائے اس تخت پہ رات گذاری جس پر مدتوں حضرت مولانا خلیل احمد اور حضرت مولانا عبدالرحمٰن رحمہم اللہ جیسے یگانہ روزگار محدثین نے بیٹھ کر حدیث پڑھائی اور آخر میں حضرت شیخ زادہ مجدہٗ اس پر بیٹھ کر علوم و معارف کے گوہر لٹاتے رہے ۔

واقعہ یہ ہے کہ مظاہر علوم کی لائبریری نے ہمیں سب سے زیادہ متاثر کیا ۔ جتنی خوبصورتی اور نفاست سے کتابیں الماریوں میں رکھی گئیں تھیں اس کا جواب نہ تھا ۔ لائبریری کا عملہ انتہائی فعال اور پھر شاہد صاحب کی ذاتی محنت اور ان کے مخلص احباب کے تعاون سے جو علمی نمائش تھی وہ سونے پر سہاگے کا کام دے رہی تھی ۔

شاہد صاحب نے بتایا کہ آج کل مظاہر علوم کے فیضیافتہ علماء کرام کی علمی و تصنیفی خدمات پر وہ کام کر رہے ہیں بے پناہ خوشی ہوئی اور ہم دن گننے لگے کہ کب ذخیرہ سامنے آتا ہے ۔ آخر ایک دن مدینہ سٹیشنری مارٹ انارکلی لاہور کے مالکان کے توسط سے (ان حضرات کو حضرت شیخ کے ساتھ خاص نسبت ہے اللھم زد فزد) ایک خوبصورت تحفہ ملا ۔ جو از راہ عنایت شاہد صاحب نے بھیجا تھا اور وہ تحفہ اسی کتاب کی پہلی مطبوعہ جلد کی شکل میں تھا جو ہم نے مسودہ کی شکل میں سہارنپور میں دیکھا تھا ۔ بڑے سائز کے ۵۱۴ صفحات پر مشتمل اس جلد کا بڑا حصہ مدرسہ کے قیام کی تاریخ اور دوسرے ضروری

قرارداد لاہور
"جنگ"

عقیدہ یا سیاسی حکمتِ عملی

از: جناب مکرم محمد فاروق قریشی

مقالہ ہذا جنگ لاہور، کراچی اپریل میں مسلسل اشاعت پذیر ہے جو جناب محترم فاروق قریشی صاحب کے افکار پر مشتمل ہے قسطِ اوّل ..... اور آخری اقساط میں مسائل برابر چل رہے ہیں، اور تاریخی انکشافات سامنے آ رہے ہیں ہم قارئین الرشید کے لئے فی الحال "قسطِ ثانی" شائع کر رہے ہیں جس میں "نصرۃ الابرار" کے فتاویٰ کا تذکرہ اور حوالہ جات ہیں۔ اسلئے کہ ناظرین الرشید "تاریخی پس منظر" سے استفادہ فرمائیں گے۔ ——— ادارہ

گذشتہ سے پیوستہ حوالہ جات و سابقہ مندرجات کے بعد اب کسی امر کی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ سر سید خان آنجہانی کو متحدہ ہندوستانی قومیت کا علمبردار قرار نہ دیا جائے جب وہ اپنے خیالات کے باعث متحدہ قومیت کے علمبردار قرار پاتے ہیں تو ظاہر ہے ان کا تعلق دو قومی نظریہ سے باقی نہیں رہ جاتا۔ اس صورت میں ان لوگوں کا سر سید احمد خاں کے بارے میں کیا خیال ہے جو دو قومی نظریہ کو عقیدہ کا درجہ دیتے ہیں۔ اگرچہ سر سید احمد خان بعد میں ان خیالات سے منحرف ہو گئے جس کی وجوہات و اسباب دیگر ہیں جن کا ذکر آگے چل کر آئے گا لیکن ان کی زندگی کے اس حصہ کے بارے میں استفسار کی گنجائش باقی موجود رہتی ہے۔ اس تشنگی کو ضرور دور ہونا چاہیئے۔

سر سید احمد خان کے اتحاد کے درس ایک خاص مقصد کے لئے ہوتے تھے تاکہ تمام اہلِ ہند مل کر برطانوی سرکار کی خدمت گذاری میں جُت جائیں، عاجزی کیساتھ اطاعت قبول کر لیں اور انکساری سے خدمت بجا لائیں۔ جب غیر مسلموں پر ان کا فسوں نہ چل سکا تو انہوں نے مسلمانوں کو انگریزوں کی اطاعت پر آمادہ کرنا چاہا۔ اب ان کی خواہش تھی کہ اگر تمام ہندوستانی نہیں تو کم از کم مسلمان ضرور انگریزوں کے کاسہ لیس بن جائیں اور اس مقصد کے لئے انہوں نے اسلام کا سہارا لیا اور انگریزوں کی اطاعت بروئے اسلام لازم قرار دے دی۔

"تمام ہندوستان کے باشندوں کی اور مسلمانوں کی خیر و عافیت اس میں ہے کہ سید ھی طرح انگلش گورنمنٹ کے سایۂ عاطفت میں اپنی زندگی بسر کریں اور خوب سمجھ لیں کہ مذہبِ اسلام کی یہی ہدایت ہے جن کی ہم رعایا ہو کر مستامن ہو کر

سمجھتے ہیں ان کے ساتھ وفادار رہیں اور ان کی بدخواہی نہ کریں، نہ بدخواہوں کیساتھ شریک ہوں۔ ان کو اپنا دنیوی شہنشاہ سمجھیں"
(مقالات سرسید، جلد ۹ صفحہ ۲)

جب متحدہ قومیت ایک ٹھوس شکل اور عملی روپ دھار کر کانگریس کی شکل میں نمودار ہوئی تو اس سے سرسید احمد خاں بالکل ناخوش تھے حالانکہ یہ ان کی محنتوں کا ثمر اور آرزوؤں کی تکمیل تھی لیکن معلوم ہوتا ہے وہ کانگریس کے مطالبات سے بہت پریشان ہوئے۔ وہ ہندوستانیوں کو برطانوی تابعداری کے لئے متحد کرنا چاہتے تھے لیکن جب کانگریس نے برطانوی سرکار سے حقوق کا مطالبہ کیا تو وہ اس اتحاد کے زبردست مخالف بن گئے اور انہوں نے ایک طوفان کھڑا کر دیا۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ نے ملازمتوں میں امتیازی سلوک ختم کرنے کا مطالبہ کیا تعلیم یافتہ طبقہ کا رویہ انہیں قطعاً پسند نہ آیا۔ جب تعلیم کے نتائج ان کی توقع کے برعکس برآمد ہوئے تو انہوں نے نہایت بے ادبی کے ساتھ اس امر کا اعتراف کیا کہ "ہندوستان میں اعلیٰ تعلیم کے فروغ سے کوئی اچھا پھل ہاتھ نہیں لگا"
(مقالات سرسید، جلد ۹ صفحہ ۳۳)

اب سرسید کے دن رات کانگریس کی مخالفت میں صرف ہونے لگے تاکہ ہندوستانیوں کے اتحاد سے برطانوی مفادات کو کوئی گزند نہ پہنچے۔ انہوں نے مسلمانوں کو کانگریس سے دور رکھنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا، کانگریس میں داخلہ کو حرام اور کفر قرار دیا اور جواز یہ نکالا کہ اس جماعت میں ہندوؤں کی شمولیت کے باعث مسلمانوں کا داخلہ جائز نہیں ہے۔ چنانچہ سرسید احمد خاں کے خلاف علماء ہند نے ایک فتویٰ جاری کیا جس پر تمام مکاتیب فکر کے علماء نے دستخط کئے۔ اس فتویٰ کی رو سے کانگریس میں مسلمانوں کی شمولیت کو جائز ٹھہرایا گیا تھا۔ مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے بھی کانگریس میں شمولیت کی حمایت میں فتویٰ جاری کیا جس کا متن حسب ذیل ہے۔

○ "ہنود زمانہ سے معاملہ کرنا بہ تحقیق شریعت جائز ہے خصوصاً اس معاملہ میں انہیں شریک کرنا جس میں رفاہ عام نفع انام و حفظ و حقوق و مروت مخلوق ہو کہ اس میں خاص انہیں کا فائدہ نہیں اہل وطن کا نفع ہے ایسی جماعت میں شامل ہونا جائز ہے ــــــ ○ سید احمد (سرسید احمد خاں) زبانی دعویٰ اسلام کرتے ہیں۔ حقیقت میں دام در سبزہ مار آستین ہیں۔ ان کا زہر آلود فسوں انجام کار لوگوں کو ہلاک کر دے گا۔ اس لئے ان کیساتھ ملنا شرعاً جائز نہیں"

(دستخط امام طبقہ علماء بریلوی مولانا احمد رضا خان بریلوی، ۱۷ ربیع الاول ۱۳۳۹)

سرسید احمد خاں نے مسلمانوں کو جن وجوہات کی بناء پر کانگریس میں شامل ہونے سے روکا تھا مولانا احمد رضا خاں نے اپنے فتوے میں ان سب کی ایک ایک کر کے تکذیب کر دی ہے اور مسلمانوں کو کانگریس میں شامل ہو کر ہندوؤں کیساتھ مشترکہ جد و جہد کو از روئے اسلام جائز قرار دیا ہے۔ انہوں نے سرسید احمد خاں کو مار آستین کہا اور لوگوں کو متنبہ کیا کہ وہ اس کے مہلک اور زہر آلود فسوں سے اپنا دامن بچائیں بلکہ ان کیساتھ میل جول سے بھی منع کر دیا۔ اس غیر مبہم اور واضح فتویٰ سے بریلوی مسلک کے اصحاب علم پر اہم ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ جس سے سبکدوشی ان کا اولین فرض ہے۔ کیونکہ دو قومی نظریہ کو عقیدہ کا درجہ مولانا عبد الستار نیازی

سے وابستہ ہے۔ (روزنامہ جنگ لاہور ۲۴؍جنوری ۸۲ء)

سرسید احمد خاں کو مسلمانوں میں پسندیدگی کی نگاہ سے نہ دیکھا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ ان کے مرشد بھی ان سے ناخوش تھے۔ دہلی میں جب انگریزی حکومت قائم ہوئی تو بعض علماء کا مسلک یہ رہا کہ انگریزوں کی ملازمت سے اجتناب کیا جائے۔

سرسید احمد خاں خانقاہ والوں کے مریدوں میں سے تھے اور شاہ غلام علی سے بڑی عقیدت رکھتے تھے انہوں نے جب انگریز کی نوکری کرلی تو اس کے بعد ملنے گئے۔ نیز حسبِ معمول نذر لے گئے تو خانقاہ کے تمام مشائخ نے قبول کرنے سے انکار کردیا خانقاہ والوں کا مسلک یہی تھا کہ وہ انگریزی حکومت کے نوکروں سے کسی قسم کا نذرانہ یا تحفہ قبول نہیں کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ان کا وسیلۂ معیشت مشتبہ ہے۔ (غالب از مہر ص۲۸۸)

اور یہ امر خلافِ واقعہ ہے کہ علماءِ اہلِ حدیث نے اپنے متعلقین کو انگریزوں کے خلاف لڑنے سے منع کر دیا تھا۔
"جنگ" لاہور ۱۹؍فروری ۸۲ء "نقطۂ نظر"

تاریخ گواہ ہے کہ ۱۸۵۷ء کے ابتلاء کے بعد جو لوگ بحیثیت مجموعی انگریزوں سے نبرد آزما رہے اہلِ حدیث یا وہابی ان میں سرِ فہرست ہیں۔ خود انگریز وہابی موومنٹ سے بہت زیادہ خوفزدہ تھا۔ مولوی ولایت علی اور عنایت علی کی سرکردگی میں وہابی موومنٹ کی جامع اور مؤثر قوت ہند کے طول و عرض میں ایک وسیع جال کی طرح پھیلی ہوئی تھی۔ اس بارے میں ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر لکھتا ہے:
"یہ برِعظیم میں ایک مذہبی تنظیم ہے مولوی ولایت علی اور مولوی عنایت علی نے بنگال اور جنوبی ہند کا وسیع دورہ کیا ہے ان کے جاں نثار لاتعداد ہیں برِعظیم کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے ہیں۔ یہ ماہرین پر مشتمل تنظیم ہے۔"

وہابیوں نے جہاد کو فرض قرار دیا اور مسلمانوں کو انگریز کے خلاف صف آرائی کے لئے تیار کیا۔ انیسویں صدی کے ساتویں عشرہ کے نصف آخر میں ان کے خلاف متعدد مقدمات قائم ہوئے۔ ان میں ملوث افراد کو بڑی بڑی اذیت ناک سزائیں دی گئیں جن میں قید، جرمانے، جائیدادوں کی ضبطی اور عبور دریائے شور وغیرہ شامل تھیں مشہور مقدمات درج ذیل ہیں:

- انبالہ کیس ۱۸۶۴ء
- پٹنہ کیس ۱۸۶۵ء
- مالدہ کیس ۱۸۷۰ء
- راج محل کیس ۱۸۷۰ء

کانگریس کا تیسرا اجلاس ۱۸۸۷ء میں بمقام مدراس زیرِ صدارت جسٹس بدرالدین طیب جی منعقد ہوا جس میں کثیر مسلمان مندوبین نے شرکت کی۔ سرسید کو یہ سخت ناگوار گزرا۔ چنانچہ انہوں نے ایم۔ اے۔ او کالج علی گڑھ کے پرنسپل مسٹر تھیوڈور بیک کی اعانت سے کانگریس کے مقابلہ پر ۱۸۸۸ء میں یونائیٹڈ پیٹریاٹک ایسوسی ایشن کے نام سے ایک جماعت قائم کی تاکہ لوگوں کو کانگریس میں شامل ہونے سے روکا جائے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ سرسید نے مسلمانوں کو کانگریس میں ہندوؤں کی وجہ سے شامل ہونے سے منع کیا تھا لیکن خود ان کی جماعت کے دروازے تمام اہل ہند پر کھلے تھے۔ چنانچہ راجہ شیو پرشاد (سی آئی) لندن ان کی جماعت کے سرگرم رکن تھے انہوں نے اپنی نوساختہ جماعت کے دفتری دیکھ بھال اور نشر و اشاعت کے کام کے لئے کسی انگریز کو مامور کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس جماعت کا اصل کام کانگریس کی سرگرمیوں سے برطانوی سرکار کو مطلع

کرنا تھا۔ سر سید کی تعلیمات کے مسلمانوں پر اثرات کے بارے میں ان کے مکتبۂ فکر کے سید رضا علی اپنی خود نوشت میں لکھتے ہیں:

"گورنمنٹ پر آنکھیں بند کر کے بھروسہ کرنے کا جو سبق سر سید احمد خاں اور مسٹر بیک نے مسلمانوں کو عرصہ دراز سے پڑھایا تھا اس کو یک قلم فراموش کرنا مشکل تھا۔" (اعمال نامہ ص۱۰۱) سر سید نے مسلمانوں کو بالکل بے حس بنا دیا تھا وہ احتجاج یا مطالبہ کے شعور سے بالکل عاری ہو چکے تھے۔ انہوں نے انگریزوں کے رحم و کرم پر زندگی بسر کرنے پر قناعت کر لی۔ یہ انگریزوں کی بہت بڑی خدمت تھی جو سر سید احمد خان نے انجام دی۔ سید رضا علی لکھتے ہیں:

"ان رہنماؤں نے عام مسلمانوں کے یہ ذہن نشین کرایا کہ سیاسی مسائل پر مُردے کی طرح خاموشی اختیار کرو، سیاست بڑا خطرناک کھیل ہے کہیں بھولے سے بھی اس کے پاس مت جاؤ۔ اس سیاسی درس کا یہ اثر ہوا کہ مسلمانوں کے دلوں سے حوصلہ مندی کے نقوش مٹ گئے اور جب کبھی سیاسی حقوق طلبی کا وقت آیا تو عام مسلمانوں نے اپنے رہنماؤں کے حکم کے اتباع میں کبھی حرفِ شکایت زبان پر نہ آنے دیا اور سکوت سے کام لیا۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا اس جمود میں ترقی ہوتی گئی تا آنکہ سیاسی خاموشی حصولِ مقصد کا ایک ذریعہ ہونے کی بجائے اپنی جگہ پر خود ایک مقصد بن گئی اور مسلمانوں کو پولیٹیکل معاملات سے کوئی سروکار نہ رہا۔ منجملہ اور خرابیوں کے اس میں دو بڑی قباحتیں تھیں۔ ایک یہ کہ سیاسیات سے بے تعلقی کے باعث ان میں اظہارِ حق کی جرأت باقی نہ رہی تھی اور اس طرح ان کی پولیٹیکل امنگوں اور ولولوں کا خاتمہ ہو گیا۔ دوسری قباحت یہ پیدا ہوئی کہ گورنمنٹ کو مسلمانوں سے توقعات پیدا ہو گئیں کہ مسلمان کوئی ایسا سیاسی عمل نہ کریں گے جس کے کرنے والے غیر مسلم فرقے یا افراد ہوں تو انہیں بالکل قابلِ برداشت اور ناقابلِ اعتراض خیال کیا جاتا ہے۔" (اعمال نامہ از سید رضا علی، ص: ۱۱۳، ۱۱۴)

سر سید احمد خان کی کارکردگی اور سرگرمیوں کے جو اثرات مسلمانوں پر مرتب ہوئے سید رضا علی نے اس کا بالکل صحیح نقشہ پیش کیا ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ سر سید کی تعلیمات نے مسلمانوں کو کس قدر نقصان پہنچایا۔ ان کی انگریز نوازی پالیسی کے سبب مسلمان قعرِ مذلت میں گر چکے تھے۔ اگر کسی نے ان کی حالت بدلنے باعزت مقام دلانے خود دار اور باوقار بنانے کی کوشش کی تو ان کوششوں کو سبوتاژ کیا گیا اور اس کا مقابلہ کرنے کے لئے میدان میں اتر آئے تاکہ مسلمانوں میں حقوق کی بازیابی کا شعور پیدا نہ ہو جائے۔ اور سر سید کا یہ طرزِ عمل انتہائی مہلک تھا جس سے مسلمان راہ کا سنگِ گراں بن چکے تھے اور گورنمنٹ کو جب ان کے وجود سے استفادہ کی ضرورت ہوتی تو یہ بلا جھجک استعمال ہوتے تھے اس صورتِ حال سے سر سید کے قریب ترین رفقاء اور شاگرد بھی دل برداشتہ ہو چکے تھے اور انہوں نے برملا بیزاری کا اظہار کرنا شروع کر دیا تھا۔ چنانچہ نواب وقار الملک نے برگشتہ ہو کر مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ کے لئے مضامین لکھنے کا فیصلہ کیا اور پہلا مضمون لکھ کر پروگرام کے مطابق اس پر نواب محسن الملک اور مولانا الطاف حسین حالی کے دستخط حاصل کرنے کے لئے علی گڑھ بھیجا گیا تاکہ اسے "پیسہ اخبار" لاہور میں شائع کرایا جائے لیکن خوش قسمتی سے اسی اثناء سر سید انتقال کر گئے اور یہ ارادہ ترک کر دیا گیا۔ نواب وقار الملک کہتے ہیں: "اتنے عرصے کی خاموشی کے بعد آج اپنے حالات کا انکشاف محض کالج کی بہبود کے خیال سے کر رہا ہوں۔" (سوانح رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی ص۴۶)

(منقول از: "جنگ" لاہور)

مآثرِ ملی

مولانا مشرف علی تھانوی صاحب

جامعہ خیر المدارس ملتان

مرحبا اے آسمانِ علم کے بدر و نجوم
جندا خیر المدارس مرکزِ خیر العلوم

ہیں ترے ارکان خدمت مظہرِ خیر القرون
تیری ہستی پر ملا حصن شریعت کا ستون

تو ہے بیشک درسگاہ سُنّتِ خیر البشر
تو ہے بس آئینۂ اخلاقِ بوبکرؓ و عمرؓ

فکرِ قاسمؒ تجھ میں ہے فقہِ رشید احمدؒ ہے تُو
نسبتِ اشرف علیؒ کا جوہرِ اسعد ہے تُو

تو نگاہِ مدنیؒ کا جوہرِ بیدار ہے
تیرے سر پر دیکھ تاجِ نسبتِ امداد ہے

درسگاہیں ہیں تیری گہوارۂ علم و یقیں
طالبینِ حق کا مرکز خانقاہِ سالکیں

تیری پیشانی پہ ہے روشن شریعت کا ہلال
ہے ترے دم سے جہاں میں شرک و بدعت کا زوال

شرک و بدعت کیلئے ہے تو ہی پیغامِ اجل
تا اَبد تجھ پر رہے فضلِ خدائے عزّ و جل

تربیت گاہِ علومِ دینِ احمد ہے تو ہی
یادگارِ حضرتِ خیر محمدؒ ہے تو ہی

اہلِ نسبت کی دعائیں تیری مسجد کا فسوں
اللہ اللہ کی صدائیں تیری مسجد کا فسوں

تیرے میناروں سے گونجی جب اذانِ لَا اِلٰہ
ظلمتِ طاغوتیت کو کر دیا تو نے تباہ

علمِ حقانی کی خدمت ہے تیری شہرت کا راز
نسبتِ اسلاف میں مضمر تیری رفعت کا راز

تو نے پھر زندہ کیا ختمِ نبوت کا پیام
پھر بنایا تُو نے ملت کو محمدؐ کا غلام

حق و باطل میں دکھایا تو نے خطِ امتیاز
تو نے بتلائے ہیں آئینِ حق آئینہ ساز

تو نے امت کو دیا ہر دم یہی درسِ شریف
تو براہیمی ہے اور تیری ملت ہے حنیف

ہیں مشرفؔ کی دعائیں تو سدا قائم رہے
تیرا فیضانِ علوم و معرفت دائم رہے

ہر گھڑی بارانِ فیضِ نسبتِ امداد ہو
تجھ سے روحِ قاسمؒ و محمودؒ و اشرفؒ شاد ہو

قبلہ نما

مدرسہ ایسا کارخانہ ہے جہاں علم و عقل و دانش کے کل پرزے ڈھالے جائیں اور بنائے جائیں......

مدرسہ کا کام یہ ہے کہ وہ ایسے باضمیر، خوش عقیدہ، حوصلہ مند اور باہمت افراد و فضلا پیدا کرے جو اس ضمیر فروشی اور اخلاق سوزی کے دور میں روشنی کے مینار کی طرح قائم رہیں۔ وہ کہیں نہیں جاتا بلکہ اپنی جگہ پر کھڑا رہتا ہے، راستہ بتاتا ہے۔ جیسے قبلہ نما کہ آپ کہیں ہوں وہ آپ کو قبلہ بتاتا رہے گا۔ ہندوستان میں بتائے گا، پیرس میں رکھیں تو بتائے گا۔

یہ عالم کا کام ہے کہ وہ زمانہ میں قبلہ نما ہے (سید علی ندوی)

بقیہ: اعلانِ بغاوت

آؤ اس یادگار اور افسانہ بننے والے کام کو جلد ختم کریں! مؤرخ ہمارے انتظار میں ہے اور مستقبل کب سے ہماری راہ تک رہا ہے!! ہمیں جلد از جلد یہاں آنے دو اور تم بھی جلد جلد فیصلے لکھتے رہو۔ ابھی کچھ دنوں تک یہ کام جاری رہیگا یہاں تک کہ ایک دوسری عدالت کا دروازہ کھل جائیگا.... یہ خدا کے قانون کی عدالت! وقت اس کا جج ہے: وہ فیصلہ لکھے گا ـــــ اور اس کا فیصلہ آخری فیصلہ ہوگا۔" (سوانح افکار مولانا آزاد، شائع کردہ مکتبہ افکار نو ملتان)

(بشکریہ: تعلیم القرآن راولپنڈی)

بقیہ: علم حدیث پر عصر حاضر کی جدید تحقیق

پھر جب اس پر بھی کام نہ چلا، علماء حدیثوں سے سند لاتے ہی رہے اور مرزا صاحب کو ان کے دعووں میں جھٹلاتے رہے تو مرزا صاحب نے اسلام کے ماخذ علمی کی ترتیب ہی بدل دی اور قرآن کریم کے بعد دوسرا علمی ماخذ اپنی وحی کو قرار دیا اور طے کیا کہ جو حدیث اس وحی کے مطابق رہے وہ تو لے لی جائیں اور دوسری سب حدیثیں رد کر دی جائیں۔

مرزا صاحب لکھتے ہیں: "جو شخص حکم ہو کر آیا اسکو اختیار ہے کہ حدیثوں کے ذخیرہ سے جس انبار کو چاہے خدا سے علم پا کر قبول کرے اور جس کو چاہے خدا سے علم پا کر رد کر دے۔" (حاشیہ تحفہ گولڑہ شریف)

اس سے ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ قادیانیوں کے ہاں حدیث کا کیا درجہ ہے اور کس حد تک فن حدیث میں مسلمانوں کے ساتھ بات کر سکتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ ان کا مسلمانوں کے مقابلہ میں حدیث سے استدلال محض برسبیل مکابرہ تو ہو سکتا ہے تحقیق حق کے لئے وہ کبھی حدیث سے تمسک نہیں کر سکتے کیونکہ حدیث کے بارے میں ان کا موقف اور علم مذکورہ بالا تحریرات سے واضح ہے۔ (جاری ہے۔ باقی آئندہ۔)

تذکرہ علمائے دیوبند

فاضل رشیدی

(۲) اہم کتب کے تعارف اور تعریف کے بارے میں عرصہ سے لکھنے کا ارادہ تھا جو ملتوی ہوتا گیا۔ آج کی صحبت میں حضرات علمائے دیوبند کی تاریخ کے سلسلہ میں دو مجلدات کا مختصر تذکرہ ضروری ہے تاکہ علمائے دیوبند کے معتقدین ان سے استفادہ کرسکیں کیونکہ عصر حاضر کے فتنوں اور تاریخی حقائق کو مسخ کرنے کے دور میں ایسی کتب کا مطالعہ بیحد ضروری ہے۔ جبکہ علمائے دیوبند نے احقاقِ حق اور ابطال باطل کے لئے ہر فتنہ کو للکارا۔ یہی وجہ ہے کہ علماء دیوبند کے معاندین کی طرف سے مختلف و متعدد محاذات سے علماءِ حق کے خلاف تقریراً و تحریراً فتنے اُٹھائے جاتے ہیں اور تاریخ کو مسخ کرنے کی ناپاک مساعی کی جارہی ہیں۔ لیکن اہلِ حق کو مضطرب نہ ہونا چاہیئے کہ مثل مشہور ہے :

ع آوازِ سگان کم نہ کند رزقِ گدارا

قافلے چلتے رہتے ہیں، اور چلے جارہے ہیں ۔ اور اما الزبد فیذھب جفاء و اما ماینفع الناس [illegible] فی الارض ....

مختصر تمہید کے بعد علمائے دیوبند کی تحریکات اور ان کے مجاہدانہ کارناموں اور ان کی ملی خدمات کو معلوم کرنے کے لئے ایک نصاب عام ملاحظہ فرمایئے :

(اولاً) الرشید کا "دارالعلوم دیوبند نمبر" کا مطالعہ نہایت مفید و نافع ہے۔

(ثانیاً) "بیس بڑے مسلمان" ــــــ شائع کردہ : مکتبہ رشیدیہ ۱۳۲ ہراے شاہ عالم مارکیٹ لاہور۔

(ثالثاً) الرشید کا "مدنی و اقبال نمبر"

(رابعاً) الرشید کا "تاریخ دارالعلوم دیوبند نمبر"

} شائع کردہ : ادارہ جامعہ رشیدیہ ساہیوال

(خامساً) علماء ہند کا شاندار ماضی اور علماءِ حق ــــــ شائع کردہ : مکتبہ محمودیہ جامعہ مدنیہ لاہور

فی الوقت : کتابوں کی دنیا میں دو نہایت جامع تاریخی کتب مارکیٹ میں آئی ہیں۔

(اول) مشاہیر علماء دیوبند :

صرف جلد اول، ۶۶۵ صفحات کتابی سائز پر پھیلے ہوئے فیوض رحمانی

مصنف : مولانا علامہ حافظ قاری فیوض الرحمٰن صاحب ایم۔اے عربی، فارسی، اُردو، علوم اسلامیہ ہزاروی

صدر شعبہ اسلامیات گورنمنٹ کالج ایبٹ آباد۔ ملنے کا پتہ: مکتبہ عزیزیہ ۱۲۔ اردو بازار لاہور۔ قیمت چالیس روپے ‎-/۴۰
"مشاہیر علماء دیوبند" کا مقدمہ حضرت العلامہ مولانا الشیخ محمد اشرف صاحب صدر شعبہ عربی اسلامیہ کالج پشاور نے لکھا اور تقریظ حضرت مولانا الحاج قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب نے فرمائی۔ کتاب کیا ہے بحر مواج ہے۔ اکابر و مشاہیر علماء دیوبند کے تذکرے، تاریخ اور ضروری کوائف و حالات جمع کر دیئے ہیں۔ جو لوگ علماء دیوبند کی تاریخ اور ان کے سوانح پڑھنا چاہتے ہیں وہ مولانا قاری فیوض الرحمٰن صاحب کی تاریخی کتاب مذکورہ کا مطالعہ فرمائیں ابھی صرف جلد اول ہے اور انشاء اللہ

ع۔ نقاش نقش ثانی بہتر کشد ز اول

(دوم) **اکابر علماءِ دیوبند**: یعنی برصغیر پاک و ہند کے ۶۸ ممتاز اکابر علماء دیوبند کے حالات و کمالات اور خدماتِ جلیلہ کا جامع مرقع؛ صفحات ۳۶۸ پر مشتمل، شائع کردہ: ادارہ اسلامیات انارکلی لاہور۔ مرتبہ: جناب مولانا حافظ سید محمد اکبر شاہ صاحب بخاری جام پور ضلع ڈیرہ غازی خاں، قیمت تیس ‎-/۳۰ روپے

اکابر علماء دیوبند کی تعارفی ضمانت کے لئے یہی کافی ہے کہ پیش لفظ لکھنے والے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ مفتی اعظم دار العلوم دیوبند اور تقریظ حضرت مولانا حافظ محمد مالک صاحب شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور نے لکھی۔

حضرت شاہ صاحب نے ان صفحات و اوراق میں خوب محنت سے اکابر کے حالات اور سوانحی کوائف جمع فرمائے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بخاری صاحب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آپ کو علماءِ دیوبند سے خوب تعلق ہے کہ ان کے سوانح حالات جمع کرتے رہتے ہیں اور مختلف جرائد و رسائل میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔

شائقین حضرات بالخصوص نوجوان حضرات اور تعلیم یافتہ اصحاب ان کتب کا مطالعہ فرما کر صحیح تاریخ معلوم کریں تاکہ روشنی کے اندھیرے میں تاریخ کو مسخ کرنے والے باطل گروہ اور بدعتی ٹولے کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیاں دور ہوتی جاویں۔ اللہ تعالیٰ حضرات علماء اہلِ حق کی دین و دنیا میں اتباع اور آخرت میں معیت نصیب فرمائے؛

ماہنامہ الرشید ساہیوال
الرشید
کے
نقش اول
دارالعلوم دیوبند نمبر ۱۳۹۶ھ
نقش ثانی
مدنی و اقبال نمبر ۱۳۹۸ھ
مطالبہ از:
مکتبہ رشیدیہ لاہور ساہیوال
مسئلہ قومیت
سید حسین احمد مدنی اور علامہ اقبال مرحوم کے اختلاف کی حقیقی نوعیت
ہدیہ لاگت صرف: -/۲۵ روپے
نقش ثالث
تاریخ دارالعلوم دیوبند
دارالعلوم دیوبند
صدسالہ تاریخ کے آئینہ میں
ہدیہ لاگت صرف: -/۲۵ روپے
کے بعد
فیضان دارالعلوم دیوبند نمبر ۱۴۰۱ھ
منصۂ شہود پر آکر ارباب علم و بصیرت، علمی و عملی حلقہ، عوام و خواص سے خراج تحسین حاصل کر رہا ہے —— واضح رہے الرشید کا مقصد تبلیغ دین، اشاعت اسلام اور مسلک دارالعلوم دیوبند کا تحفظ۔
ہدیہ لاگت: -/۵ روپے صرف، محدود نسخے بقایا ہیں۔ رشیدی، قاسمی، حسینی اور دیوبندی برادری سے اُمید واثق ہے کہ نمبرات مذکورہ بالا کی نشر و اشاعت میں ممد و معاون بن کر ادارہ الرشید کی سرپرستی فرمائیں گے۔
★ طاہر رشیدی مدیر معاون الرشید

Phone 2356 — REGD. L 8051

MONTHLY. ALRASHID. LAHORE

اِعلامیۂ رشیدیہ

راقم آثم ناظمِ اَعلےٰ بحیثیت بانیٔ اِدارہ و مہتمم جامعہ رشیدیہ (رجسٹرڈ) ساہیوال اپنے اعذار و اسفار کی بناء پر فی الحال جمادی الاولیٰ ۱۴۰۲ھ سے بلا تنخواہ رخصت لیتے ہوئے جامعہ کے جملہ اختیارات اور مدرسہ کا نظم و نسق امیر الجامعہ حضرۃ مولانا الحاج حافظ عبد اللہ صاحب مدظلہٗ شیخ الحدیث جامعہ ھٰذا تفویض کرتا ہوں۔ (تا اطلاع ثانی و نظام سابقہ) ....

حضرات سرپرستان الرشید و معاونین جامعہ، احباب خیر و احباب کرام اپنی نصرت و اعانت و جملہ مراسلات بنام ناظم جامعہ رشیدیہ ساہیوال اور بدستور رابطہ قائم و دائم رکھیں۔

بحمد اللہ جملہ نظام حسب دستور جاری و ساری ہے۔

واللہ الموفق۔ وامرو بید اللہ۔ ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین۔
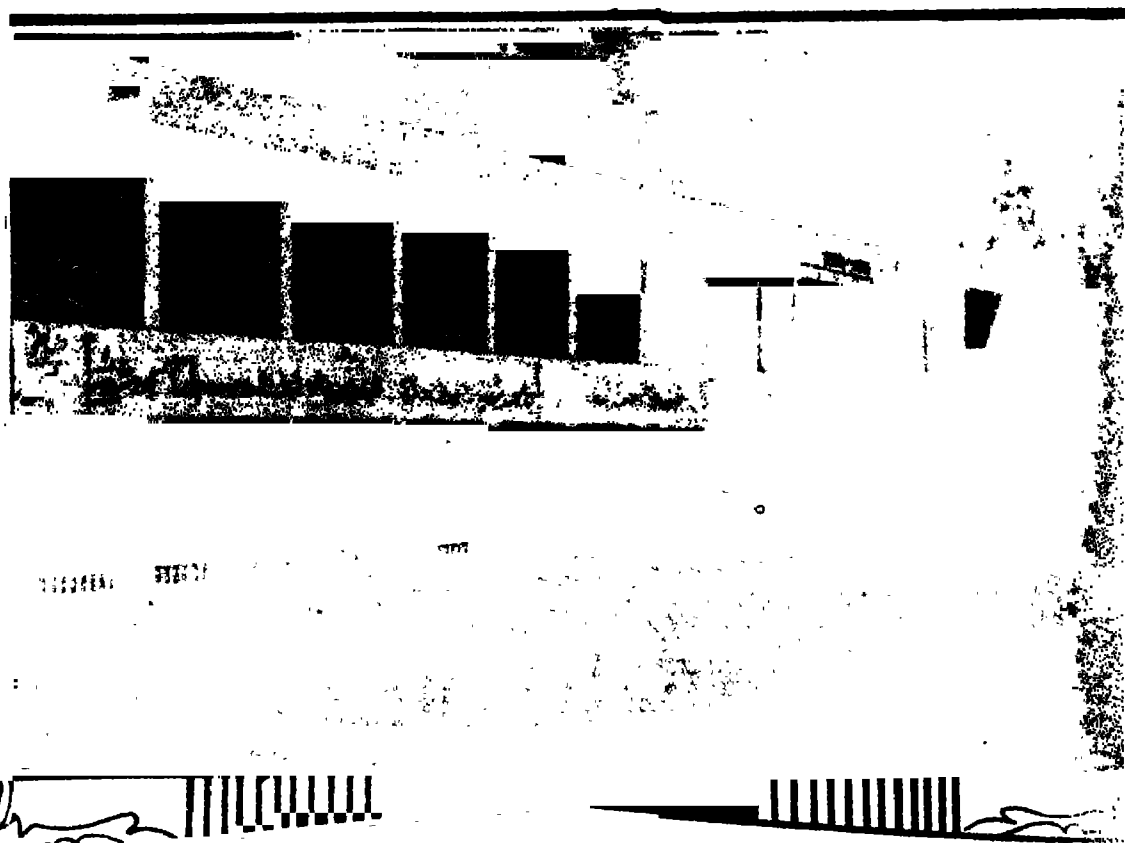
بادارت

فاضل حبیب اللہ رشیدی فاضل دیوبند

مدیر الرشید و ناظم اعلیٰ جامعہ رشیدیہ رجسٹرڈ ساہیوال پاکستان

اعلامیہ ضروریہ رشیدیہ

بحمد اللہ بفضلہٖ تعالیٰ جامعہ رشیدیہ ساہیوال کا نظام تعلیمات اپنی تنظیمی و تعلیمی خدمات بطریق احسن سرانجام دے رہا ہے۔ ۲۵ سالہ کارناموں اَسّی سالہ خدمات کا جائزہ زیر ترتیب ہے۔
الرشید کے صفحات سے جامعہ کا آئینہ ماہ بماہ شائع ہوتا رہیگا ہے۔
بانی رشیدیہ کے فرزند رشید استاذ العلماء حضرت مولانا عبد العزیز صاحب مدظلہٗ خلیفہ حضرت رائپوری قدس سرہٗ سرپرست جامعہ نے اسلامیان ساہیوال کے اصرار و جذبات و احساسات کے ماتحت دفتری نظام کیلئے درج ذیل اضافہ فرمایا

۱۔ ناظم اعلیٰ ادارہ: فاضل حبیب اللہ خلف الرشید حضرۃ مولانا مفتی فقیر اللہ رحمۃ اللہ رائپوری مؤسس ثانی جامعہ ھذا۔

۲۔ ناظم: مولانا حافظ عبد العلیم صاحب (خلف حضرۃ مولانا پیر جی عبد اللطیفؒ (ابن حضرۃ بانی مدرسہ رشیدیہ)

۳۔ نائب ناظم: مولانا حافظ قاری مطیع اللہ صاحب خلف حضرت مولانا حافظ الحاج محمد عبد اللہ مدظلہٗ شیخ الحدیث جامعہ)

۴۔ حضرت سرپرست مدظلہٗ نے جامعہ کے مکانات و دکاناتِ مدرسہ اور مدرسہ راشدات کے متعلق اہم فیصلے فرمائے۔ انشاء اللہ حضرت رائپوری مدظلہٗ کے حکم کے مطابق عملدرآمد ہوگا۔
انجمن واراکین مدرسہ معاون و نگرانِ مالیات ہوں گے اور ہر طرح عملی تعاون فرما ہوں گے اور عملہ و اساتذہ مکمل تعاون کرتے ہوئے دینی نصرۃ کیا کریں گے اور اسلامیان ساہیوال "الدین النصیحۃ" کے مطابق عملدرآمد کرتے رہیں گے۔
امید کہ جملہ حضرات و معاونین و سرپرستان اپنا عملی و مالی و اخلاقی تعاون جاری و ساری رکھیں گے اور جامعہ پر ہر طرح سے اعتماد فرمائیں گے۔
اور الرشید کے لئے بھی اپنی تبلیغی و تحریری مساعی جاری رکھیں گے۔
ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین ـــــــ کارساز ما بفکر کار ما

فاضل حبیب اللہ رشیدی
مدیر منتظم ناظم اعلیٰ جامعہ رشیدیہ ساہیوال

بیادگار : حضرت مولانا حافظ مفتی فقیر اللہ رحمہ اللہ رائپوری بانی جامعہ رشیدیہ

شمارہ : ۸
شعبان ۱۴۰۲ھ

جلد : ۱۰
جون ۱۹۸۲ء

الرشید

مدیر اعلیٰ
فاضل حبیب اللہ

مُدیر معاون
شریف احمد طاہر

مدیر مسئول
عبدالرشید ارشد

شعبۂ کتابت
حزب اللہ خالد

ناشر
عبدالرشید ارشد

سالانہ چندہ : -/۲۰ روپے
فی شمارہ : -/۲ روپیہ

پرنٹر
منہاج الدین اصلاحی
فرکٹ پرنٹنگ پریس نسبت روڈ لاہور

مقام اشاعت
۳۲/اے شاہ عالم مارکیٹ لاہور

آئینہ مضامین

نوٹ : گزشتہ شمارہ بابت ماہ مئی جلد ۱۰ اور شمارہ نمبر ۷ تھا ۔ قارئین نوٹ فرمالیں ۔

زیر ادارت

راشدات
ادارہ

مَوتُ العَالِمِ مَوتُ العَالَم

آہ! حضرت شیخ الحدیث قدس اللہ اسرارہم

یکم شعبان! مدینہ منورہ سے حافظ محمد اسماعیل رشیدی حارثی نے بذریعہ فون جامعہ ھذا اطلاع دی کہ حضرت الحاج مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی نور اللہ مرقدہٗ اپنی آخری دعا: اللّٰھم ارزقنی موتا فی بلد رسول اللہ پوری کر کے اللہ کو پیارے ہو گئے اور جنت البقیع میں مدفون!

اللہ اللہ، حضرت شیخ الحدیث کے اکابر کرام جنۃ المعلیٰ اور مشائخ عظام جنۃ البقیع مرحوم و مغفور چلے گئے اسی قافلے کا ایک آخری مسافر بھی واصل بحق ہو گیا۔

حضرت شیخ الحدیثؒ مدینہ منورہ میں عرصہ سے اللہ کے حبیب و محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں پناہ گزیں تھے اور خواہش رکھتے تھے کہ

؎ نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے

ایک شیخ الحدیث حضرت سید مدنیؒ مدینہ منورہ میں اٹھارہ سال قیام کر کے چودہ برس روضۂ اقدس کے سامنے صفہ پر بیٹھ کر قال صاحب ھٰذہ الروضۃ الشریفۃ وھو فی قبرہٖ حیی پڑھاتے رہے۔ بالآخر دار العلوم دیوبند نے اس کو اپنے ہاں "علم حدیث" وملت کی خدمت کے لئے طلب کر لیا اور پوری زندگی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا درس دیا ـــــــ اور ایک شیخ الحدیثؒ نے مظاہر العلوم سہارنپور میں پوری زندگی حدیث پڑھتے پڑھاتے حدیث کی تدوین، حدیث کی تفسیر اور تبلیغی نصاب، فضائل صدقات، درود شریف، شمائل نبوی لکھتے لکھاتے مدینہ منورہ کی سرزمین پاک پر جان دے دی۔

؎ جان دی دی ہوئی اسی کی تھی حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

دنیا میں قرآن حکیم اور کتب احادیث کی تعلیم و تعلم، درس و تدریس کے بعد الیشیا کے برصغیر میں غالباً حضرت شیخ الحدیث مرحوم وہ ذات ستودہ صفات ہیں کہ آپ کی کتب خصوصاً تبلیغی نصاب دنیا کی ہر زبان اور پوری اسلامی دنیا بلکہ بین الاقوامی حلقوں میں پڑھا اور سنا جا رہا ہے اور ساری دنیا میں تبلیغ کا کام کرنے والے تعلیم کے حلقوں میں یہ نصاب فضائل پڑھتے ہیں۔ برصغیر ایشیا میں سب سے زیادہ کتب کے مصنف جامع و مرتب حضرت حکیم الامت

مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ہیں اور سب سے زیادہ مطالعہ میں آنیوالے صدقات جاریہ حضرت شیخ الحدیثؒ کے ہیں۔

ع۔ خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

(اور) ع۔ خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

ادارہ جامعہ رشیدیہ اور اسلامیانِ ساہیوال حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کے لئے اپنے اجتماعات میں دعاگو ہیں۔ خصوصاً جامعہ رشیدیہ میں متعدد قرآن ختم ہوئے اور حضرت مولانا علامہ محمد شریف کشمیری شیخ الحدیث جامعہ خیر المدارس سابق استاذ دارالعلوم دیوبند نے بخاری شریف کی ختم سعید کی تقریب میں حضرت شیخ الحدیثؒ کیلئے ادعیہ مغفرت کے بعد ایصال ثواب کیا اور مرحوم کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے پوری جماعت کو حضرت شیخ الحدیثؒ کے مسلک حقہ و روایاتِ صحیحہ اعتصام بالکتاب والسنۃ پر چلنے کی تلقین فرمائی۔

---

(۲)

یوں تو ہر چھوٹے بڑے عالم کی وفات پر مندرجہ بالا عنوان قائم کر دیا جاتا ہے لیکن یہ الفاظ جس شخصیت کی وفات کا عنوان آج بن رہے ہیں اس کا انتقال کر جانا واقعی ایک جہان کی موت ہے۔ پوری اسلامی دنیا میں شروع سے لیکر آج تک ہزاروں شیخ الحدیث پیدا ہوئے اور گئے لیکن شیخ الحدیث کا ممتاز لفظ بطور لقب کسی شخصیت کیساتھ جزو لاینفک نہیں ہوا آج پورے عالم اسلام میں اگر مطلق شیخ الحدیث کا لفظ بولا جائے تو اس سے مُراد حضرت مولانا محمد زکریا مراد ہوتے تھے۔

مظاہر العلوم سہارنپور میں حضرت شیخ الحدیث نے ۴۴ سال بخاری شریف ابوداؤد کا درس دیا اور اس عرصۂ دراز میں ۱۸۲۱ طلبہ نے آپ سے حدیث شریف پڑھی۔ مظاہر العلوم سہارنپور کو اگر دارالعلوم دیوبند کا جڑواں بھائی کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کیونکہ علوم دینیہ کے یہ دونوں بے مثال ادارے تھوڑے سے وقفے میں یکے بعد دیگرے ایک ہی ضلع میں قائم ہوئے۔ حضرت شیخ الحدیث کے زمانہ تدریس نے اس مدرسۂ عالیہ کو اوج ثریا تک پہنچایا۔

ابھی اخبار میں یہ خبر پڑھ کر چند سطور لکھ رہا ہوں ورنہ تبلیغی نصاب کے جامع اور مرتب کے علوم مرتبت اور عالی مقام کو بیان کرنے کے لئے ہزاروں صفحات درکار ہیں اور بلا مبالغہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ آج دنیا میں قرآن پاک کے بعد جس کتاب کو سب سے زیادہ پڑھا جاتا ہے وہ آپ کا مرتبہ تبلیغی نصاب ہے جس کو روزانہ دنیا کے ہزاروں مقامات پر بلا ناغہ روزانہ مختلف اجتماعات میں جو مساجد میں بعد از نماز ہوتے ہیں پڑھا جاتا ہے۔

تبلیغی نصاب کتاب و سُنت کا ایسا ذخیرہ ہے کہ جس کو پڑھ کر لاکھوں انسانوں کی دنیا میں خوشگوار اسلامی انقلاب آگیا۔ حضرت شیخ الحدیث کے انتقال پُر ملال پر آج پورا عالم اسلام سوگوار ہے اور آپ اپنے محبوب کی سرزمین پر اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر میں ہماری نظروں سے اوجھل ہو کر جنت البقیع میں محو استراحت ہیں۔

آپ ان نفوس قدسیہ میں شمار ہوتے ہیں کہ جن کے متعلق قرآن پاک میں آتا ہے :

یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی و ادخلی جنتی۔

حضرت شیخ الحدیث بیک وقت کئی حضرات کی نسبتوں کے جامع تھے خصوصاً حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ، اپنے والد ماجد حضرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلویؒ۔ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ۔ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ۔ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائپوریؒ رحمہم اللہ تعالیٰ بالطافہ سے ان کو خصوصی لگاؤ اور تعلق تھا۔ آپ نے اپنے تفصیل حالات بغیر کسی لگاوٹ اور تصنع کے "آپ بیتی" کے عنوان سے لکھے ہیں جو ایک ضخیم کتاب کی صورت میں شائع ہو چکے ہیں۔ اس دور پرفتن میں آپ قرن اول کی مثالی شخصیتوں کا پرتو تھے لاکھوں آدمی روزانہ جس کی مرتبہ اور کتاب و سُنّت کی تعبیر و تشریح تبلیغی نصاب سنتے ہوں جس نے ۴۲ سال حدیث شریف کا درس دیا ہو اور اپنے استاد و شیخ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ سے عشق و محبت ایسا ہو کہ لوگ اسکو پڑھ کر حیران و انگشت بدنداں ہوں تو اس پر کیا تعجب اور کیوں تعجب ہو کہ وہ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر میں اپنے شیخ کی گود میں ۲۴ مئی بعد عصر آخری نیند سو گیا کہ حضرت مولانا خلیل احمدؒ بھی جنت البقیع میں آرام فرما رہے ہیں، اللھم اغفر لھما وارحمھما فانھما عبادۃ۔

ادارہ جامعہ رشیدیہ کے سالانہ امتحانات

وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے نظام امتحانیہ و اعلامیہ کے مطابق جامعہ رشیدیہ ساہیوال کے تقریری و تحریری امتحانات یکم شعبان کو شروع ہو گئے۔

جامعہ رشیدیہ کے درجات کتب کے داخلی امتحانات کے لئے حضرت مولانا علامہ محمد شریف صاحب کشمیری شیخ الحدیث جامعہ خیر المدارس ملتان (سابقہ استاذ دارالعلوم دیوبند) تشریف لائے۔ آپ نے بخاری شریف ختم فرمائی اور جواہر الاحادیث کے بعد علماء و طلباء کو اپنے مواعظ حسنہ سے مستفیض فرمایا۔

بقایا کتب کے امتحانات کے لئے مولانا محمد صدیق صاحب ناظم خیر المدارس، مولانا منظور احمد صاحب استاذ خیر المدارس مولانا عبدالقادر صاحب استاذ دارالعلوم کبیروالا۔ مولانا مفتی عبدالحمید صاحب استاذ جامعہ مدنیہ لاہور اور قاری محمد ابراہیم صاحب استاذ ام المدارس فیصل آباد تجوید کے لئے تشریف لائے۔

جامعہ رشیدیہ کے درجات قرآنیہ حفظ و ناظرہ، شعبۂ راشدات کے امتحانات جامعہ طیبہ اسلامیہ فریدیہ ماڈل ساہیوال کے مدیر اور ان کے قاری صاحبان لیں گے۔ جامعہ رشیدیہ ساہیوال ضلع بھر کے ملحقہ وفاق المدارس و غیر ملحقہ مدارس کا

امتحان لے رہا ہے۔ خصوصاً مدرسہ انوریہ، جامعہ مکیہ اسلامیہ ساہیوال، مدرسہ قادریہ بھریہ، جامعہ حسینیہ عارفوالہ۔ مدرسہ تعلیم الاسلام کیر، جامعہ انوریہ اکاڑہ، جامعہ عثمانیہ اوکاڑہ، شاخ جامعہ کورٹ خادم علی کے علاوہ بصیر پور، عارفوالہ، پاکپتن، دیپالپور اور ہیچہ وطنی کے بقایا مدارس کے امتحانات جامعہ کے اساتذہ لے رہے ہیں جبکہ جامعہ کے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب مدظلہٗ پنجاب کے بڑے بڑے مدارس خصوصاً جامعہ خیر المدارس ملتان، دارالعلوم فیصل آباد، مدرسہ عربیہ اسلامیہ رائیونڈ وغیرہ کے امتحانات کے سفر پر ہیں۔

جامعہ رشیدیہ، وفاق المدارس العربیہ پاکستان کا امتحانی مرکز ہے۔ جامعہ کے دورۂ حدیث کے طلبہ کے علاوہ دارالعلوم فیصل آباد، دارالعلوم ربانیہ وغیرہ کے طلباء جامعہ کے سنٹر میں امتحان کے لئے آئے ہیں۔ امتحانات کے نتائج آئندہ اشاعت میں آئیں گے۔ ۱۵ شعبان تک امتحانات کا سلسلہ جاری رہے گا۔ اور سالانہ تعطیلات ۱۶ شعبان تا ۸ شوال ہوں گی ۹، ۱۰ شوال کو داخلے ہوں گے۔ انشاء اللہ۔

مطیع اللہ ناظم امتحانات

جامعہ رشیدیہ ساہیوال میں دورۂ حدیث شریف جاری رہے گا

بحمداللہ وبفضلہٖ "جامعہ رشیدیہ" میں دورۂ احادیث باضابطہ حُسنِ اہتمام و انصرام سے زیرِ تعلیم و تدریس ہے۔ فتنۂ انکارِ حدیث کے عصرِ حاضر میں علم حدیث نبوی علیہ السلام کی ضرورت اور افادیت نہایت ضروری ہے۔

اسلئے حسبِ ایماء حضرت مفتی فقیر اللہ رائپوری رحمہ اللہ اور حسبِ ارشاد حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا قدس اسرارہٗ دورۂ حدیث ہر سال باقاعدہ پڑھا اور پڑھایا جا رہا ہے اور آئندہ سال بھی تعلیمی نظام بطریقِ احسن چلے گا۔ انشاء اللہ۔

جامعہ رشیدیہ میں حضرت مولانا حافظ الحاج محمد عبداللہ مدظلہٗ رائپوری شیخ الحدیث اور علامہ غلام رسول جالندھری اور مولانا حافظ محمد یٰسین استاذ حدیث اور حضرت مولانا الحاج مختار احمد جالندھری و حضرت شاہ صاحب و دیگر حضرات اساتذۂ جامعہ اور متعلّمین تعلیم و تبلیغ و تربیت کا کام نہایت احسن طرز پر سرانجام دے رہے ہیں اور انشاء اللہ اساتذۂ رشیدیہ و طلبۂ رشیدیہ ہر طرح اخلاص اور پوری مستعدی سے تعلیمی و تبلیغی خدمات پایۂ تکمیل کو پہنچاتے رہیں گے۔

احبابِ رشیدیہ اور مخیر حضرات ہر طرح مطمئن ہو کر سرپرستی و اعانت و نصرۃ فرمائیں گے۔

○

خدّام

فاضل حبیب اللہ رشیدی، عبدالعلیم (خلف الصالح حضرت پیر جی عبداللطیفؒ) مطیع اللہ (ابن حضرت شیخ الحدیث مدظلہم)

نگاہِ اوّلین

دارالعلوم دیوبند کی صورتِ حال

مجلس شوریٰ کا حالیہ اجلاس

مولانا محمد منظور صاحب نعمانی مدیر؛ الفرقان لکھنؤ

ناظرین کرام کو اخبارات اور دوسرے ذرائع سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ دارالعلوم جو چھ ماہ پہلے گزشتہ اکتوبر کے آخر میں، بند کروا گیا تھا اور پورے پانچ مہینے بند رہا وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اب کھل گیا ہے۔ دارالعلوم کھل جانے کے بعد اس کی مجلس شوریٰ کا ہنگامی اجلاس فوری طور پر بلایا گیا تھا جو ۱۶، ۱۷، ۱۸ رجمادی الاخریٰ ۱۲، ۱۳، ۱۴ر اپریل ۱۹۸۲ء کو دارالعلوم کے دارالاہتمام میں منعقد ہوا ـــــــ صورت حال کی غیر معمولی اہمیت اور نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے اپنی معذوری کے باوجود اس عاجز نے بھی اس کی شرکت کے لئے سفر کیا اور شریک ہوا۔

میرے علم میں نہیں تھا کہ دیوبند کے شہریوں کی طرف سے ارکان شوریٰ کے استقبال اور جلوس کی تیاریاں ہیں۔ اگر مجھے پہلے معلوم ہو جاتا تو میں معافی چاہتا اور اس کو روکنے کی کوشش کرتا۔ دہلی میرٹھ سے دیوبند آنیوالی سڑک پر دارالعلوم سے بہت فاصلے پر شہری حضرات کا بہت بڑا مجمع تھا جو ہم لوگوں کا منتظر تھا۔

تہر درویش بر جانِ درویش ان کے جوش و خروش کا نظارہ کرتے ہوئے اور پُر شور نعرے سنتے ہوئے ہماری کاروں کو ان کے درمیان سے گزرنا پڑا۔ دارالعلوم تک اس مجمع کا تسلسل تھا۔ ہماری کاریں دارالعلوم کے صدر دروازہ سے داخل ہوئیں یہاں طلبہ کا مجمع تھا جو شہریوں ہی کی طرح بلکہ اُن سے بھی کچھ بڑھ کر جوش و خروش کا مظاہرہ کر رہا تھا جو اس عاجز کے لئے بڑا صبر آزما تھا۔

میں نے کار سے اترنے سے بھی پہلے دارالعلوم کے صدر المدرسین مولانا معراج الحق اور دوسرے ذمہ دار حضرات سے عرض کیا کہ میں ان طلبہ سے اسی وقت کچھ کہنا چاہتا ہوں، یہ کہیں جمع ہو جائیں۔ انہوں نے فرمایا کہ طلبہ سے خطاب کا پروگرام رات کو بعد عشاء رکھا گیا ہے۔ میں نے کہا کہ مجھے اسی وقت ان سے کچھ بات کرنی ہے جس طرح بھی ہو سکے اس کا بندوبست کیجئے۔ (میرا اصل مقصد یہ تھا کہ کسی طرح یہ شور و ہنگامے کی کیفیت ختم ہو جائے) اللہ تعالیٰ انکو جزائے خیر دے اسی وقت اعلان ہوا اور تحتانی دارالحدیث میں (جو اس طرح کے جلسوں کی جگہ ہے) طلبہ جمع ہو گئے۔ یہ دیکھ کر بڑی

مسرت ہوئی کہ کیمپ میں مقیم زیر تعلیم طلبہ کی تعداد کے بارے میں جو اطلاعات ملتی رہی تھی کہ بارہ تیرہ سو کے قریب ہیں اور ان میں نظم اور ڈسپلن ہے. طلبہ کے اس مجمع کی کمیت اور کیفیت سے اس کی پوری تصدیق ہوئی۔ میں نے اسوقت کی مناسبت مختصر تمہید کے بعد طلبہ سے کہا :

"میں سب سے پہلے اس قادر قیوم خداوند قدوس کا شکر ادا کرتا ہوں جس نے محض اپنی قدرت کی کارفرمائی سے یہ صورتحال پیدا فرمائی اور اس کے بعد آپ عزیزوں کو مبارکباد دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارادہ کی تکمیل کا ذریعہ آپ کو بنایا۔ اسی کے ساتھ میں آپ کو کہتا ہوں کہ آپ ہرگز اس کو اپنا کارنامہ نہ سمجھیں اور اس کی وجہ سے ادنیٰ فخر و غرور کا جذبہ آپ میں پیدا نہ ہو۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ۔ بلکہ اس کو اللہ تعالیٰ کی قدرت رحمت کا کرشمہ اور صرف اُسی کی کارفرمائی سمجھیں اور شکر کریں کہ آپ اس کے آلہ کار بنے اور اپنے اندر حقیقی عبدیت کی صفت پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ میں اس موقع پر آپ کو اور خود اپنے کو بھی فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ طرز عمل یاد دلاتا ہوں جو ہم آپ نے حدیث و تفسیر کی کتابوں میں پڑھا ہے۔ اس سے ہرگز کسی کو یہ وہم نہ ہو کہ ہم (معاذ اللہ) دار العلوم سے متعلق اپنے اس خانگی نزاع کو کفر و اسلام کی یا حق و باطل کی کشمکش سمجھتے ہیں۔ ایسے خیال سے بھی ہزار بار توبہ ! یہ ہمارا بالکل خانگی صرف انتظامی مسئلہ ہے۔ الحمد للہ ہم سب کا دین اور مسلک و مشرب ایک ہے اپنے اکابر و اسلاف کے ساتھ ہماری نسبت بھی ایک ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ کچھ خود غرض و ناعاقبت اندیشوں نے ہمارے مہتمم صاحب مدظلہٗ کو ان کی کبرسنی کی کیفیت سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے دار العلوم کے مسلّمہ دستور و آئین سے انحراف اور مجلس شوریٰ کی مخالفت، اس کے خلاف محاذ آرائی، بلکہ اسکو توڑ دینے تک پر آمادہ کر دیا۔ (اور بھر بزعم خود وہ توڑ دی گئی) پھر اس کے بعد وہ سب کچھ ہوا جو ہرگز نہ ہونا چاہیئے تھا۔ یہاں تک کہ دار العلوم پانچ ماہ تک بند رہا اور آپ لوگ تکلیفیں اٹھاتے رہے اور ہم لوگ بھی ان حالات سے گذرے جن سے کبھی نہیں گذرے تھے اور اس غلیظ اور گندے پروپیگنڈے کے نتیجہ میں جو اس سلسلہ میں کیا گیا جماعت اہل حق اور مسلکِ اہل حق کو ایسا عظیم نقصان پہنچا جس کی تلافی بظاہر ناممکن ہے۔

بہرحال اب جبکہ اللہ تعالیٰ نے آپ عزیزوں کے ذریعے دار العلوم کو دوبارہ کھلوا دیا اور یہاں حسب معمول تعلیم کا سلسلہ جاری ہو گیا تو اسوقت ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اسوۂ حسنہ پیش نظر رکھنا چاہیئے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ اور آپ کے اصحاب کو مکہ مکرمہ اور کعبۂ معظمہ پر قبضہ دلایا تو بجائے فخر و تعلّی کے از راہِ انکسار آپ کا سر مبارک اونٹ پر اتنا جھکا ہوا تھا کہ ریش مبارک اونٹ کے کجاوے سے لگ رہی تھی اور آپ فرما رہے تھے لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہٗ لاشریک لہٗ انجز وعدہٗ نصر عبدہٗ ھزم الاحزاب وحدہٗ "نصر عبدہٗ" سے سمجھا جا سکتا ہے کہ جو کچھ ہوا اللہ کی مدد اور بندے کی کارکردگی سے ہوا یعنی دونوں کی شرکت

رہا لیکن آخر میں ھزم الاحزاب وحدہ فرما کر آپ نے بتلایا کہ جو کچھ ہوا صرف اللہ تعالیٰ کے کرنے سے ہوا ہے بندے کی اس میں شرکت بھی نہیں رہی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرزِ عمل اور اس ارشاد میں ہمارے آپ کے لئے بڑا سبق ہے۔ جو کچھ ہوا اگرچہ آپ کے ذریعہ ہوا لیکن اس کو آپ ہرگز اپنا کارنامہ نہ سمجھیں، صرف اللہ تعالیٰ کا کرم یقین کریں جس نے آپ کو آلۂ کار بنایا۔ اور اس کا شکر ادا کریں۔ ہم آپ کیا چیز ہیں، کچھ نہیں۔ اللہ تعالیٰ تو مچھروں سے بھی کام لے لیتا ہے۔

دوسری بات مجھے آپ عزیزوں سے یہ عرض کرنی ہے کہ اب آپ پوری توجہ تعلیم اور اپنی دینی اصلاح کی طرف منعطف کر دیں۔ دینی اصلاح کے بغیر علم کچھ نہیں بلکہ میں کہتا ہوں کہ "شر محض" ہے۔ اللہ اس سے محفوظ رکھے۔

میرے عزیزو! آخرت برحق ہے۔ ہم نے آپ نے قرآن حکیم اور حدیث شریف میں پڑھا ہے کہ جو علم دین کے بغیر یعنی دینی اصلاح کی فکر کے بغیر ہوگا وہ جہنم میں لے جائے گا۔ ہمارے اکابر و اسلاف حضرت نانوتویؒ و حضرت گنگوہیؒ و حضرت تھانویؒ اور اسی طرح اُستاذنا حضرت کشمیریؒ و حضرت مدنیؒ کی خصوصیت یہی تھی کہ ان میں علم اور دین کی جامعیت تھی۔ میرے عزیزو! اللہ تعالیٰ کی طرف سے صرف منصبِ نبوت ختم ہوا ہے اس کے علاوہ کوئی کمال ختم نہیں کیا گیا۔ ہمارا آپ کا نصب العین اور ہماری آپ کی دلی آرزو اور تمنا یہ ہونی چاہیئے کہ علم دین کی یہ جامعیت جو ہمارے بزرگوں کی میراث اور اس دارالعلوم کی اصل دولت تھی ہم آپ کو نصیب ہو۔ اس کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعائیں بھی کریں اور پوری یکسوئی کے ساتھ علم کی تحصیل اور دینی اصلاح کی طرف توجہ دیں۔ اگر آپ ایسا کریں گے تو اللہ تعالیٰ ہرگز محروم نہ فرمائے گا۔

تیسری بات مجھے یہ عرض کرنی ہے کہ آپس کا اختلاف (جس میں بدقسمتی سے ہم آپ مبتلا ہیں) بڑا فتنہ ہے اس کی آفتیں ہیں اس میں غیبتیں ہوتی ہیں، بدگوئیاں ہوتی ہے۔ حدیث شریف میں آپ نے پڑھا ہوگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم زبان کو قابو میں رکھنے کی بڑی تاکید فرماتے تھے۔ کبھی اپنی زبان مبارک پکڑ کر فرمایا كُفَّ عَلَيْكَ هٰذَا کبھی فرمایا اَمْلِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ کبھی فرمایا مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا اَوْ لِيَصْمُتْ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات صرف پڑھنے پڑھانے کے لئے نہیں ہیں بلکہ خالص عملی ہدایتیں ہیں۔ انہی کی تعمیل اور عدم تعمیل پر جنت یا دوزخ کا فیصلہ ہونے والا ہے۔ آپ نے پڑھا ہوگا کہ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی زبان پکڑ کر کھینچ رہے ہیں اور اینٹھ رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ اس کمبخت نے مجھے تباہ کیا ہے مجھ سے رسواکن باتیں کرائی ہیں۔

عزیزو! میں خود بھی زبان کی بے احتیاطی اور بے باکی کا مریض ہوں لیکن الحمد للہ مجھے اپنے اس مرض کا احساس ہے اور اس کی فکر ہے۔ اللہ تعالیٰ میری اصلاح فرمائے اور آپ کی بھی۔ آخری گذارش آپ حضرات سے یہ ہے کہ اپنے

آپ کو کاموں میں مشغول رکھیں اور نظام کی پابندی کریں۔ اس کے لئے ہر ممکن تدبیر کریں کہ دارالعلوم میں فتنہ و فساد برپا کرنے میں کوئی کامیاب نہ ہو سکے اور اس کے لئے خاص اہتمام سے دعائیں بھی کریں، سب کچھ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے وہی ہو گا جو اس کی مشیت ہوگی۔ اس کے بعد دعا پر یہ سلسلہ ختم ہوا اور اعلان کیا گیا کہ رات کو بعد نماز عشاء مولانا اکبر آبادی آپ سے مفصل خطاب فرمائیں گے۔

نماز ظہر کے بعد دارالاہتمام میں مجلس شوریٰ کا اجلاس ہمارے محترم مولانا سعید احمد اکبر آبادی کی صدارت میں شروع ہوا جو عصر تک پھر عصر کے بعد مغرب تک اور اس کے بعد عشاء تک مسلسل جاری رہا۔

بعد عشاء طلبہ و اساتذہ اور تمام متعلقین دارالعلوم کے بہت بڑے مجمع سے مولانا اکبر آبادی نے تفصیلی خطاب فرمایا جس میں اپنے وسیع علم و تجربہ کی روشنی میں خاص طور سے طلبہ کو نہایت قیمتی ہدایتیں فرمائیں اور حضرات اساتذہ کو مشورے دیئے۔ اگلے دن ۱۳ / اپریل کو مجلس شوریٰ کی چار نشستیں ہوئیں۔ صبح سے بارہ بجے تک پھر ظہر سے عصر تک پھر عصر سے مغرب تک اور پھر مغرب کے بعد بھی۔

دارالعلوم کے غیر معمولی حالات کی وجہ سے مجلس کو بہت سے مسائل سمجھنا اور ان کے بارے میں فیصلہ کرنا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی مدد و توفیق سے تمام ضروری کام انجام پا گئے۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔

مجلس شوریٰ کی بعض تجاویز: یوں تو مجلس شوریٰ کے اس اجلاس میں بہت سے فیصلے کئے گئے لیکن ان میں بعض وہ ہیں جن کا ذکر یہاں بھی مناسب ہوگا۔ (یہاں جو لکھا جائے گا وہ تجاویز کا خلاصہ ہوگا۔)

ایک سہ رکنی کمیٹی مقرر کی گئی جو تین ماہ کے اندر ایسی سفارشات پیش کرے گی جن سے دارالعلوم کا تعلیمی معیار بلند ہو اور مختلف اسباب و وجوہ سے جو انحطاط آیا ہے اس کا ازالہ اور سد باب ہو۔ اس کے ارکان مولانا سعید احمد اکبر آبادی مولانا قاضی زین العابدین میرٹھی اور دارالعلوم کے صدر المدرسین مولانا معراج الحق صاحب ہوں گے۔

اب سے ڈیڑھ سال پہلے اکتوبر ۱۹۸۰ء کی مجلس شوریٰ نے دارالعلوم کے مالیات کی تحقیق اور جانچ کے لئے جو کمیشن مقرر کیا گیا تھا وہ اب تک اپنا کام شروع نہیں کر سکا ہے شوریٰ نے اس پر زور دیا ہے کہ وہ اپنا کام جلد شروع کر دے اور چھ ماہ میں اپنی رپورٹ پیش کرے۔ اس کے ارکان وہی ہیں جو پہلے مقرر ہوئے تھے۔

دستور پر نظر ثانی کے بارے میں بھی ایک تجویز منظور کی گئی۔

مجلس شوریٰ نے اپنی ایک تجویز میں مختلف سیاسی پارٹیوں سے تعلق رکھنے والے مسلم ممبران پارلیمنٹ کی پانچ رکنی کمیٹی کا شکریہ ادا کیا اور اعتراف کیا ہے کہ ان حضرات نے دارالعلوم کے مسئلے کو حل کرنے کے لئے پوری دردمندی اور دلسوزی سے کام کیا اور امید ظاہر کی ہے کہ وہ باہمی مفاہمت کے لئے اپنی مخلصانہ کوشش جاری رکھیں گے۔ ان کا پیش کیا ہوا دس نکاتی

باقی بر صفحہ ۱۰

قسط سوم

آداب الحدیث

از: حضرت العلامہ خالد محمود صاحب ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر

اُستاذِ حدیث کی امتیازی نشست

تابعی کبیر حضرت نصر بن عمران ابو جمرہ (۱۲۸ھ) حضرت ابن عباسؓ کے شاگردوں میں سے ہیں۔ آپ فارسی زبان جانتے تھے اور حضرت ابن عباس کے مترجم کے فرائض بھی انجام دیتے تھے۔ آپ حدیث پڑھاتے وقت حضرت ابو جمرہ کو اپنے ساتھ بٹھاتے۔ امام بخاریؒ حضرت ابو جمرہ سے روایت کرتے ہیں: کنت اقعد مع ابن عباسؓ یجلسنی علی سریرہ[1] (ترجمہ) میں حضرت ابن عباس کے پاس بیٹھتا تھا آپ مجھے اپنے تخت پر (ساتھ) بٹھاتے تھے۔

شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس روایت پر فرماتے ہیں:

اس سے معلوم ہوا کہ ابن عباس سریر (تخت) پر بیٹھتے تھے ..... اس سے معلم کے لئے امتیازی نشستگاہ کا ثبوت ملتا ہے[2] شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں کہ حضرت امام مالکؒ حدیث کے اعزاز میں خود ایک تخت پر بیٹھ کر اسے روایت کرتے۔ اس سے طالبین اور سامعین پر حدیث اور شیخ دونوں کا ادب و احترام اور ہیبت و جلال طاری رہتا۔ آپ عمامہ سر پر رکھتے اور ایک تخت بچھایا جاتا۔ پھر آپ باہر تشریف لاتے۔ تخت پر خشوع و خضوع سے بیٹھتے۔ بخور جلایا جاتا پھر جب تک حدیث کے بیان سے فارغ نہ ہو جاتے اسی حیثیت کے ساتھ بیٹھے رہتے[3]

عالم کے لئے خود بھی اپنے علم کی عزت کرنا ضروری ہے یہ اس لئے نہیں کہ وہ اپنے آپ کو بڑا سمجھے بلکہ اس لئے کہ جو علم اس کے پاس ہے اس کی نسبت خدا اور اس کے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے۔ اب اس نسبت کے احترام میں وہ کبھی اپنے آپ کو اہل دُنیا کے سامنے متواضع نہ کرے عالم میں خود ایک اپنا وقار ہونا چاہیے اور اپنے علم کا وقار قائم رکھتے ہوئے کبھی اہل دُنیا کے دروازوں پر دستک نہ دے۔ حضرت علامہ عینیؒ لکھتے ہیں: لا ینبغی للعالم ان یاتی بعلمہ اهل الدنیا ولا یتواضع لهم اجلالاً للعلم[4] (ترجمہ) عالم کے لئے مناسب نہیں کہ اپنا علم لے کر اہل دُنیا کے دروازوں پر جائے

---

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۷ [2] فضل الباری ج ۱ ص ۴۵۵ [3] دیکھئے مدارج النبوۃ ج ۱ ص ۱۴۲ [4] عمدۃ القاری ج ۲ ص ۱۸

اور نہ ان کے سامنے اپنے آپ کو عاجز ظاہر کرے تاکہ علم کا جلال (رعب و احترام) قائم رکھ سکے۔

شاگردوں میں تیقظ و بیداری پیدا کریں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ حدیث بیان کرتے کرتے کبھی اختباراً سوال بھی کرتے تاکہ صحابہ کی توجہ کو پوری طرح حدیث میں جذب کردیں۔ توجہ کامل اور بیداری ایسے اوصاف ہیں جو بات کو سمجھنے میں مدد دیتے ہیں اس سے علم میں پختگی پیدا ہوتی ہے اور آگے چلنے کی کئی راہیں کھلتی ہیں۔ نفسیات کا یہ ایک اہم موضوع ہے۔ حضرت امام بخاریؒ نے اس پر ایک مستقل باب لکھا ہے۔

طرح الامام المسئلة علی اصحابه لیختبر ما عندهم من العلم ۱؎ (ترجمہ) استاد اپنے شاگردوں کو کبھی سوال بھی کرے تاکہ ان کے علم (اور ذکاء) کا ساتھ ساتھ امتحان بھی ہوتا رہے۔

شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ فرماتے ہیں: تیقظ و بیداری ایک ایسا وصف ہے جو حصول علم میں کامیابی کا سبب بنتے ہیں اور غفلت سے ناکامی و محرومی ہوتی ہے اس لئے معلم کو چاہئے کہ کبھی کبھی تلامذہ سے سوال بھی کرتا رہے ۲؎ یہ استحباب کے درجہ میں ہے وجوب کے درجہ میں نہیں۔

حضرت علامہ عینیؒ لکھتے ہیں: فیه استحباب القاء العالم المسئلة علی اصحابه لیختبر افهامهم ویرغبهم فی الفکر ۳؎ (ترجمہ) اس میں اس استحباب کا بیان ہے کہ عالم کوئی مسئلہ اپنے شاگردوں پر ڈالے (ان سے سوال کرے) تاکہ ان کے فہم کا پتہ کرتا رہے اور انہیں سوچنے کی رغبت دلاتا رہے۔

استاد شاگردوں کو بھی سوال کا موقع دے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی حدیث بیان کرتے تو صحابہؓ بعض اوقات درمیان میں سوال کرتے اور حضورؐ انہیں جواب بھی دیتے اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ یہ تھا کہ پہلے اپنی بات کو مکمل فرما لیتے اور پھر سوال کا جواب دیتے۔ سوال اس حدیث کے متعلق نہ بھی ہو تو بھی آپ اس کا جواب دیتے۔ امام بخاریؒ نے اس پر ایک مستقل باب باندھا ہے۔

من سئل علما وهو مشتغل بحدیثه فاتم الحدیث ثم اجاب السائل ۴؎

ترجمہ: "جس سے علم کی کوئی بات پوچھی جائے اور وہ اپنے ہاں کوئی حدیث بیان کر رہا ہو تو پہلے وہ حدیث پوری کرے پھر سائل کا جواب دے"۔ حافظ بدرالدین العینی لکھتے ہیں: یجب علی العالم ان یؤدی المتعلم لقوله فاول الله ۵؎

ترجمہ: عالم پر واجب ہے کہ شاگرد کو موقع دے سو اسکو مطمئن کرے۔"

شیخ الاسلام فرماتے ہیں: "اگر کوئی شخص سوال کر بیٹھے تو دیکھا جائے گا کہ اہل مجلس کا نقصان تو نہیں۔ اگر اہل مجلس کا کوئی نقصان نہ ہو تو جواب فوراً بھی دیا جا سکتا ہے اور اگر حارج ہو تو جواب مؤخر کیا جا سکتا ہے ـــ پھر سوال کی نوعیت

۱؎ صحیح بخاری جلد ۱ ص۱۴ ۲؎ فضل الباری جلد ۱ ص۵۰۳ ۳؎ عمدۃ القاری جلد ۲ ص۱۵ ۴؎ صحیح بخاری ص۱۴ ج۱ ۵؎ عمدۃ القاری ص۲۳ ج۲

بھی دیکھی جاتی ہے کہ وہ ضروری ہے یا غیر ضروری ——— اور اگر کوئی اہم معاملہ ہو یا کسی بنیادی عقیدہ سے متعلق سوال ہو تو اس میں تاخیر کی قطعاً گنجائش نہیں ہوتی [1]

صحابہ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دوران حدیث اور بعد اتمام حدیث موضوع سے متعلق اور اس سے مختلف سوالات کرنا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب دینا متعدد احادیث سے ثابت ہے۔

تلامذہ کی طرف سے بعض اوقات ایسے سوالات بھی آجاتے ہیں جو طبعاً ناگوار ہوں۔ کبھی بے وقت اور ناموزوں قسم کے استفسارات کی نوبت بھی آجاتی ہے ایسی صورت میں انہیں چپ کرانا اور بعض اوقات زجر و تشدد سے کام لینا بھی ضروری ہوتا ہے۔ استاد کو ایسے موقعوں پر حالات کی مناسبت سے صورت عمل اختیار کرنے کی پوری گنجائش ہے لیکن یہ ضروری ہے کہ طلبہ کا فائدہ اور حدیث کا احترام اپنی جگہ پر قائم رہے اور علم و تحقیق کا حق بھی اپنی جگہ ادا ہو سکے۔ اگر کوئی استاد طلبہ کو اس لئے سوال سے روکے کہ اس کی اپنی تیاری مکمل نہ تھی تو وہ اس مسند کے لائق نہیں ہے۔

یہ بات تو اساتذہ کے لئے تھی۔ جہاں تک طلبہ کا تعلق ہے انہیں بھی پوری توجہ سے استاد کی طرف متوجہ رہنا چاہیئے ضروری سوالات سے ہرگز نہ رکنا چاہیئے طلبہ کے لئے سوال کرنے سے حجاب کرنا ان کی تعلیم میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے اور اگر اس لئے سوال نہ کرے کہ استاد کو شاگرد کی جہالت معلوم نہ ہو جائے اور وہ یہ نہ کہے کہ یہ اتنی بات بھی نہیں جانتا تو یہ ایک طرح کا تکبر اور اپنے کو بے وجہ بڑا بنانے کی ایک تمنا ہے۔ سوال کرنے سے حجاب کرنیوالا اور اپنے آپ کو (اپنے اصل پیمانے سے) بڑا ظاہر کرنیوالا کبھی علم حاصل نہیں کر سکتا۔ تابعی کبیر حضرت مجاہد (۱۰۰ھ) فرماتے ہیں:

لا یتعلم العلم مستحی و لا مستکبر [2] (ترجمہ) حیا کرنیوالا سوال کرنے سے شرمانے اور اپنے آپ کو بڑا ظاہر کرنیوالا کبھی علم حاصل نہیں کر سکتا۔

مرد تو مرد ہے دین کے بارے میں تو عورتوں کو بھی سوال کرنیکا پورا حق حاصل ہے۔ اُم المومنین حضرت عائشہؓ انصار کی عورتوں کی اس لئے تعریف کیا کرتی تھیں کہ انہیں سوال کرنے میں کوئی حجاب مانع نہ ہوتا تھا وہ برملا مسائل پوچھتی تھیں۔ آپ فرماتی ہیں: نعم النساء نساء الانصار لم یکن یمنعهن الحیاء ان یسألن عن الدین و یتفقهن فیه [3]

حافظ بدر الدین العینیؒ لکھتے ہیں: لا ینبغی لاحد ان یستحی من السوال عما له فیه حاجة زاعماً ان العلم مخصوص بقوم دون قوم بل علیه ان یسأل عن کل ما لا یعلمه من امر دینه و دنیاه [4]

ترجمہ: کسی کو نہ چاہیئے کہ اس سوال سے جس کی اسے ضرورت ہو رکا رہے اور سمجھے کہ علم کسی ایک قوم کی میراث ہے دوسرے کا اس میں حق نہیں بلکہ اسے چاہیئے کہ جو چیز بھی وہ اپنے دین یا دنیا کی نہ جانتا ہو اس کے بارے میں سوال کرے۔

۱؎ صحیح بخاری ص ۲۲ ج ۱ ۲؎ عمدۃ القاری ص ۲۲ ج ۲ ۳؎ فضل الباری ص ۱۴۶ ج ۱ ۴؎ صحیح بخاری ص ۲۴ ج ۱

طلبِ حدیث میں نامور اساتذہ کی تلاش

اساتذہ کی تلاش کبھی ان کی جامعیت اور عالمی شہرت کے سبب ہوتی ہے اور کبھی سندِ عالی کی تلاش میں۔ حدیث جتنے کم واسطوں سے ملے اسے بہتر سمجھا جاتا ہے۔ محدثین ہر دو اعتبار سے نامور اساتذہ کی تلاش میں رہتے تھے۔ امام بخاریؒ کی ثلاثیات اسی وجہ سے ممتاز ہیں کہ ان میں امام بخاریؒ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان صرف تین واسطے ہیں۔ سندِ عالی محدثین کے لئے ایک بڑا تحفہ اور ایک بہت بڑا اعزاز تھا۔ محدثین عظام اور تابعین کرام تو ایک طرف خود صحابہ رضی اللہ عنہم بھی تلاشِ علم میں ایک عجیب علمی ذوق محسوس کرتے تھے۔ اور طلبِ حدیث میں ایک والہانہ قلبی شوق رکھتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (۳۲ھ) کی جلالتِ علمی سے کون واقف نہیں۔ آپ بھی فرماتے ہیں: لو اعلم احداً هو اعلم بكتاب الله منی تبلغه الابل لو كبنت للیہ۔ کتاب اللہ کے بارے میں علم کی طلب یہ نہیں کہ وہ آیات کی تلاش میں دور دراز جانا چاہتے تھے قرآن کے بارے میں طلبِ علم سے مُراد تلاشِ حدیث ہی ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۷۴ھ) نے حضرت عبداللہ بن انیس سے ایک حدیث سُننے کے لئے مہینے بھر کا طویل سفر کیا تھا اس سے آپ ان حضرات کے شوقِ حدیث کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ حضرت امام بخاریؒ لکھتے ہیں:

رحل جابر بن عبد الله رضی الله تعالیٰ عنه مسيرة شهر الى عبد الله بن انيس فی حديث واحد له

ترجمہ: جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک حدیث کی خاطر عبداللہ بن انیسؓ صحابی (۵۴ھ) کی طرف ایک مہینہ بھر چلتے رہے۔ تابعین کو پتہ چلتا کہ فلاں دُور دراز علاقے میں کوئی صحابی موجود ہے جو اس موضوع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث سُنے ہوئے ہے تو وہ اسے ملنے اور اس سے حدیث لینے کی خاطر دُور دراز کے سفر اختیار کرتے گو وہ حدیث انہوں نے اور تابعین سے اسی صحابی کی روایت سے سُن بھی رکھی ہو لیکن سندِ عالی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب کی نسبت ان حضرات کے لئے ایک گوہرِ کمیاب تھی وہ اس کی گرد پیمائی کو ایک بڑی سعادت سمجھتے تھے۔ پھر تابعین اور محدثین نامور اساتذہ کی تلاش میں پوری اسلامی دنیا میں چلتے پھرتے رہتے۔ محدثین کے عرض و سماع اور تحدیث و تدریس کے بڑے بڑے حلقے لگتے اور لوگ اطرافِ عالم سے پروانہ وار شمعِ حدیث کے گرد چلے آتے۔ حج کے موقع پر بھی بڑی بڑی ملاقاتیں ہوتیں۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مشہور تابعی مکحول (۱۰۸ھ) سے موسمِ حج میں ہی سندِ حدیث لی تھی۔

متحدہ ہندوستان میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کی سلطنتِ علمی پاک و ہند، مصر و شام اور بلخ و بخارا تک پھیلی ہوئی تھی اور علماء اور طلبہ چہار دانگ عالم سے اس حلقہ حدیث میں کھچے چلے آتے۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ اور حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ کی علمی شہرت نے تمام ہندوستان کے طالبینِ حدیث کو ایک مرکز میں جمع کر لیا تھا اور پھر کتنے ہی

لہ مسلم شریف جلد ۱ ص ۲۹

تیرہ تاباں ہیں جو ان سے مستنیر ہوکر آفاق عالم پر اپنی تابانی سے چمکے اور حق یہ ہے کہ اپنے عہد میں دنیا نے ان کا مثل نہ دیکھا۔

تعلیم حدیث کیلئے اہل لوگوں کی تلاش

جسطرح طلبہ کے لئے نامور اساتذہ کی تلاش وقت کا ایک اہم موضوع رہا ہے اساتذہ کے لئے بھی اہل اور لائق طلبہ کی طلب ایک فطری استادانہ ذوق رہا ہے۔ اساتذہ پر پابندی تھی کہ حدیث اس درجہ تک بیان کریں جتنی لوگوں میں سمجھنے کی استعداد ہو۔ ظاہر ہے کہ پھر ایسے جلال کے نکھار کے لئے انہیں ایک ایسے ماحول کی ضرورت ہوتی تھی جہاں وہ جم کر غوامض حدیث دقائق روایات اور لطف مطالب پر بات کرسکیں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر کامل حضرت عمرؓ جیسے انسان کے انتظار میں رہی اور امام ابوحنیفہؒ جیسے بزرگ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کو عمر بھر کے ساتھی بنا گئے تو محدثین کی نظر انتظار بھی لائق تلامذہ کی راہیں دیکھتی رہیں اور یہ اسی لئے تھا کہ تعلیم حدیث کے لئے زیادہ سے زیادہ اہل لوگوں کے حلقے قائم ہوسکیں نااہل لوگوں کے سامنے حدیث بیان کرنے میں خطرہ یہ ہے کہ وہ ناسمجھی میں کہیں خدا اور اس کے رسول کی ہی تکذیب نہ کر بیٹھیں۔ سیدنا حضرت علی المرتضیٰؓ نے فرمایا:

حدثوا الناس بما یعرفون أتحبون ان یکذب اللہ ورسولہ [1]

ترجمہ: لوگوں کے سامنے اس حد تک حدیث بیان کرو کہ وہ سمجھ سکیں۔ کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسول کی تمام باتیں جھٹلائی جائیں؟

امام بخاریؒ نے اس حدیث سے استنباط کرتے ہوئے ترجمۃ الباب میں لکھا ہے:

من خص بالعلم قوما دون قوم کراھیۃ ان لا یفھموا

ترجمہ: یہ باب اس سلسلہ میں ہے کہ کوئی شخص کچھ لوگوں کو علم کے لئے خاص کرلے اور دوسروں کو اس میں نہ آنے دے کہ اسے ان کے ان احادیث کو نہ سمجھنے کا اندیشہ ہو اور وہ اسے ناپسند کرتا ہو۔

سو اساتذہ کو حق پہنچتا ہے کہ وہ اہل طلبہ کے لئے کوشاں رہیں اور استاد کو یہ حق بھی ہے کہ اگر کسی طالب علم کے بارے میں اسے پتہ چل جائے کہ وہ بدعمل ہے اور طرز سوچ کا بے تکا ہے اسے اندیشہ ہو کہ وہ علم کا غلط استعمال کرے گا تو اسے وہ اپنے حلقۂ درس سے اٹھا دے کہ گو وہ سبق کو تو سمجھ رہا ہے لیکن تقاضائے سبق کو وہ بالکل نہیں سمجھ رہا ایسا طالب علم فتنے کا ایک باب ہے اگر یہ کھل گیا تو معلوم نہیں کون کون اس میں داخل ہو۔

سعدیا خیرہ زبا پند سے مدہ کم زاد را — کم زاد گر عالم شود گردن زند استاد را

اہل طلبہ کی تلاش میں اہلیت صرف فہم و ذہانت میں نہ دیکھی جائے ضبط و حفظ کے پہلو سے بھی اہلیت کا جائزہ لیا جائے۔ کئی دفعہ ضابطہ و حافظہ قسم کے لوگ کسی فہیم و فاضل شخص سے روایت کرتے ہیں اور اس تک اپنا علمی سرمایہ پہنچا دیتے ہیں اور وہ اس کی گہرائیوں میں اتر کر اس سے بہت سے موتی نکال لاتا ہے تو یہ ضبط و حفظ آگے جا کر کام آگیا

---

[1] صحیح بخاری جلد اول ص۲۴

اور جن حضرات میں یہ دونوں صفتیں پہلی ہوں وہ پہلے ہی ایک بڑی سعادت پا گئے تاہم یہ ضروری ہے کہ خواص حدیث ان لوگوں کے سامنے نہ کھولے جائیں جو انہیں نہ سمجھ کر کسی اور فتنے میں مبتلا ہو جائیں۔ علم ہمیشہ اپنے مناسب حلقوں میں پھیلتا ہے نامناسب حلقوں سے اس میں ظلمت آتی ہے۔ حضرت علامہ عینیؒ لکھتے ہیں:

الاسرار الالٰھیۃ لا یجوز کشفھا الا للخواص خوفاً من یسمع ذلک من لا علم لہ فیشکل علیہ — یجب ان یخص بالعلم قوم فیھم الضبط وصحۃ الفھم و لا یبذل المعنی اللطیف لمن لا یستاھلہ من الطلبۃ ومن یخاف علیہ الترخص والاتکال لتقصیر فھمہ [۱]

ترجمہ: اسرار الٰہیہ کو خواص کے سوا اور کسی کے سامنے نہ کھولنا چاہیئے اندیشہ ہے کہ انہیں وہ لوگ سن پائیں جو ان باتوں کو نہیں جانتے اور ان پر کوئی اور مشکل آن پڑے — سو چاہیئے کہ تعلیم کے لئے ایسے لوگوں کو چنا جائے جن میں ایسے علم کو ضبط کرنے کی اہلیت اور صحیح سمجھنے کی قابلیت ہو اور عالم باریک بات کو ان طلبہ کے سامنے عام نہ کرے جو اس کے اہل نہیں اور خدشہ ہو کہ وہ آسانی اور سستی کی راہ لیں گے کہ ان کا فہم ان تک پہنچنے سے قاصر ہے۔

یہ بات حقائق و خواص اور مسائل ذات و صفات کی حد تک ہے جہاں تک تعلق تعلیم دین کا تعلق ہے حدیث ہر ایک تک پہنچانا اپنی جگہ ضروری ہے۔

ہر ایک تک حدیث پہنچانا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مختلف مقامات سے لوگ آتے آپ انہیں علم و ایمان کی باتیں سمجھاتے اور ارشاد فرماتے کہ وہ اپنے علاقے میں جا کر یہ باتیں دوسروں تک بھی پہنچائیں۔ آپ کے پاس وفد عبد القیس آیا اور انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دین کی بہت سی باتیں دریافت کیں اور جب جانے لگے تو آپ نے فرمایا: احفظوہ و اخبروا من وراءکم [۲]

ترجمہ: انہیں یاد رکھو اور جو لوگ تمہارے پیچھے ہیں انہیں ان کی خبر کرو۔

حافظ بدر الدین العینیؒ رقمطراز ہیں: من علم علماً انہ یلزمہ تبلیغہ لمن لا یعلمہ وھو الیوم من فروض الکفایۃ لظھور الاسلام و انتشارہ و اما فی اول الاسلام فانہ کان فرض معیناً ان یبلغہ حتی یکمل الاسلام ویبلغ مشارق الارض ومغاربھا [۳]

ترجمہ: جو کوئی (دین کی) بات جانے اس کا ان لوگوں تک پہنچانا لازم ہے جو نہیں جانتے آج یہ چیز فرض کفایہ ہے کیونکہ اسلام ظاہر ہو چکا اور پھیل چکا لیکن پہلے دور میں یہ بات فرض عین تھی کہ ہر جاننے والا اس بات کو دوسروں تک پہنچائے یہاں تک کہ دین کامل ہو جائے اور مشرق و مغرب تک پھیل جائے۔

---

[۱] عمدۃ القاری جلد ۲ ص۱۰ [۲] صحیح بخاری جلد ۱ ص۳۲ [۳] عمدۃ القاری جلد ۲ ص۱۰

حضرت ابو شریح کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دوسرے دن قدسیت مکہ پر ایک نہایت دلپذیر تقریر فرمائی اور آخر میں کہا: لیبلغ الشاھد الغائب [1]

ترجمہ: چاہیئے کہ تم میں سے جو میرے پاس حاضر ہے وہ اسے پہنچائے جو مجھ سے غائب ہے۔

اور سنن ابی داؤد میں ہے: لیبلغ شاھدکم غائبکم

ترجمہ: تم میں سے جو حاضر ہے اپنی اپنی قوم کے ان لوگوں تک جو مجھ سے غائبین ہیں اس پیغام کو پہنچائے۔

یہ بات صرف مردوں تک محدود نہیں عورتوں میں بھی دین کی یہ تعلیم جاری کی جا سکتی ہے۔ حضرت امام بخاریؒ نے اس کے لئے مستقل باب باندھے ہیں:

باب عظة الامام النساء وتعلیمھن [2] باب ھل یجعل للنساء یوم علی حدۃ من العلم [3]

اس دینی ضرورت کے لئے ان کا مردوں سے ہمکلام ہونا اور سوال وجواب کرنا ممنوع نہیں۔ حافظ عینیؒ رقمطراز ہیں:

فیہ سوال النساء عن امر دینھن وجواز کلامھن مع الرجال فی ذالک وحیثما لھن الحاجۃ الیہ [4]

ترجمہ: اس میں عورتوں کا اپنے دین کے بارے میں سوال کرنا اور ان کا دوسرے مردوں سے کلام کرنا مذکور ہے اور یہ کہ جب انہیں اسکی حاجت ہو یہ ان کے لئے جائز ہے۔

حدیث پڑھنے کے لئے بڑے احترام سے بیٹھے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ تعلیم کے وقت بیٹھ کر حلقے باندھتے۔ آپ انہیں بیٹھنے کے آداب بتلاتے اور احادیث بھی سناتے تھے۔ حضرت ابو واقد اللیثیؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک حلقۂ درس کے بارے میں فرماتے ہیں:

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بینما ھو جالس فی المسجد والناس معہ اذ اقبل ثلاثۃ نفر اما احدھما فرای فرجۃ فی الحلقۃ فجلس فیھا واما الآخر فجلس خلفھم واما الثالث فادبر [5]

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے اور لوگ آپ کے پاس بیٹھے تھے کہ تین آدمی آئے ایک نے حلقہ میں ایک خالی جگہ دیکھی تو وہ وہاں بیٹھ گیا دوسرا ان کے پیچھے بیٹھ گیا اور تیسرا واپس چلا گیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ صحابہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ کر حدیث کی تعلیم حاصل کیا کرتے تھے اگر کسی کو بیٹھنے کی جگہ نہ ملے وہ واپس ہو جاتا لیکن کھڑے کھڑے حدیث سننا اس کے نزدیک احترام حدیث کے خلاف تھا حضرت ابن عباسؓ حدیث پڑھاتے تو ایک تخت پر بیٹھتے [6] امام مالکؒ بھی ایک امتیازی شان سے بیٹھتے اور حدیث روایت کرتے [7]

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۲۰، سنن ابن ماجہ صفحہ ۲۱ [2] ایضاً صفحہ ۲۵ [3] ایضاً صفحہ ۲۹ [4] عمدۃ القاری ۲ صفحہ ۱۳۴
[5] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۶ [6] ایضاً صفحہ ۱۸ [7] مدارج النبوۃ جلد ۱ صفحہ ۵۱۶

کھڑے ہو کر حدیث سنانا ان کے ہاں بہت ناپسندیدہ سمجھا جاتا تھا۔ ایک دفعہ آپ حضرت ابو حازم کی مجلس حدیث سے اس لئے واپس آ گئے کہ وہاں بیٹھنے کی جگہ نہ تھی۔ حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی لکھتے ہیں :

حضرت امام مالک بن انسؓ ایک روز ابو حازم کے پاس گئے اس وقت وہ حدیث بیان کر رہے تھے حضرت امام مالک ادھر سے گذر گئے اور فرمایا میں نے وہاں بیٹھنے کی جگہ نہ پائی اور میں اسے مکروہ سمجھتا ہوں کہ کھڑے کھڑے حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل کروں حالانکہ میں کھڑا ہو سکتا تھا۔ [۱]

حافظ بدر الدین العینی رقمطراز ہیں : ان من حسن الادب ان یجلس المرء حیث انتہی مجلسہ ولا یقیم احدا ـــــ استحب ان یجلس حیث ینتہی [۲]

ترجمہ : حسن ادب یہ ہے کہ انسان وہیں بیٹھ جائے جہاں تک کہ مجلس پہنچ چکی ہے اور کسی کو نہ اٹھائے ـــــ مستحب یہ ہے کہ وہیں بیٹھے جہاں تک مجلس میں لوگ آ چکے ہیں۔

مولانا احمد رضا خاں کا حدیث پڑھانے کا طریقہ مولانا احمد رضا خاں کے خلیفہ مفتی احمد یار صاحب لکھتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کتب حدیث کھڑے ہو کر پڑھایا کرتے تھے۔ دیکھنے والوں نے ہم کو بتایا کہ خود بھی کھڑے ہوتے اور پڑھنے والے بھی کھڑے ہوتے تھے۔ [۳]

امام مالکؒ کا فتویٰ ... بیس کوڑے سزا ہشام بن عمار نے امام مالکؒ سے ان کے کھڑے ہونے کی حالت میں حدیث کے بارے میں سوال کیا۔ آپ نے اس پر بیس کوڑوں کا حکم فرمایا بعد ازاں اس پر شفقت فرمائی اور اس سے بیس حدیثیں روایت فرمائیں [۴] باقی آئندہ

بقیہ : دارالعلوم دیوبند کی صورتحال

فارمولا مناہجی گفتگو کی اچھی بنیاد بن سکتا ہے۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحب نے مجلس شوریٰ کی رکنیت سے اپنے استعفیٰ کے بارے میں ایک خط موجودہ مہتمم صاحب مولانا مرغوب الرحمٰن کو لکھا تھا تاکہ وہ اسکو مجلس میں پیش کر دیں چنانچہ موصوف نے اس کو پیش کر دیا۔ مجلس نے متفقہ طور پر استعفیٰ کو نامنظور کرتے ہوئے مولانا سے استدعا کی کہ وہ استعفیٰ واپس لے لیں۔ موجودہ حالات میں دارالعلوم کو ان کی پہلے سے زیادہ ضرورت ہے۔ مجلس کی یہ تجویز مولانا کو بھیج دی گئی۔ راقم سطور کی اطلاع ہے کہ مولانا نے مجلس کی تجویز منظور فرمالی اور استعفیٰ پر اصرار نہیں فرمایا۔

---

۱ مدارج النبوۃ جلد ۱ صفحہ ۵۴۱ ۔ ۲ عمدۃ القاری جلد ۱ صفحہ ۲۲ ۔ ۳ جاء الحق صفحہ ۱۵۱ ۔ ۴ مدارج النبوۃ جلد ۱ صفحہ ۵۴۳

فضائل و مسائل روزہ

از
حضرت شیخ الحدیث مدظلہ
جامعہ ھذا

حدیث پاک میں روزہ کا بڑا اجر و ثواب بیان کیا گیا ہے اور روزہ دار کا رتبہ اللہ کے نزدیک بڑا ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس نے روزے محض اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لئے ثواب سمجھ کر رکھے تو اس کے سب اگلے پچھلے صغیرہ گناہ معاف کر دیئے جائیں گے (مشکوٰۃ شریف)۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ روزہ دار کے منہ کی بدبو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے بھی زیادہ پیاری ہے۔ قیامت کے دن روزہ کا بیحد ثواب ملے گا (مشکوٰۃ شریف)

دُرِّ منثور میں روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ روزہ داروں کے لئے قیامت کے دن عرش کے نیچے دستر خوان بچھایا جائے گا، وہ لوگ اس پر بیٹھ کر کھایا کریں گے باقی سب لوگ ابھی حساب و کتاب میں پھنسے ہوئے ہوں گے اس پر یہ لوگ عرض کریں گے کہ یہ کیسے لوگ ہیں کہ ہم تو ابھی حساب میں پھنسے ہوئے ہیں اور یہ کھا پی رہے ہیں۔ ان کو یہ جواب ملے گا کہ یہ لوگ روزہ رکھتے تھے اور تم روزہ نہیں رکھتے تھے۔

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ انسان کے ہر عمل نیک کا ثواب دس گنا تک دیا جاتا ہے یہاں تک کہ سات سو تک بڑھتا ہے مگر روزہ کا ثواب اس سے بالاتر ہے کیونکہ روزہ محض اللہ کے لئے ہے اور اللہ سبحانہ ہی اس کی جزا ہیں۔ (بخاری و مسلم)

مسائل: رمضان المبارک کے روزے ہر مسلمان پر (جو مجنون اور نابالغ نہ ہوں) فرض ہیں جب تک کوئی عذر نہ ہو روزہ چھوڑنا درست نہیں۔ مسئلہ: طلوع فجر سے غروب شمس تک روزہ کی نیت سے کھانا پینا، جماع کرنا چھوڑ دے اس کا نام روزہ ہے۔ مسئلہ: اگر کسی نے دن بھر نہ کچھ کھایا نہ پیا شام تک بھوکا پیاسا رہا لیکن دل میں روزہ کا ارادہ نہیں تھا تو روزہ نہیں ہوا۔ مسئلہ: روزہ کے لئے صرف دل سے نیت کر لینا کافی ہے البتہ اگر زبان سے یہ بھی کہہ لے وَبِصَوْمِ غَدٍ نَوَيْتُ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ تو بہتر ہے۔ مسئلہ: رمضان کے روزہ کی نیت رات ہی سے کر لینا بہتر ہے البتہ اگر رات سے نیت نہیں کی تو زوال سے ڈیڑھ گھنٹہ قبل تک نیت کی جا سکتی ہے۔

روزہ کو توڑ دینے والی وہ چیزیں جن سے کفارہ واجب ہوتا ہے

۱۔ جان بوجھ کر قصداً کچھ کھا پی لینا
۲۔ فطری یا غیر فطری طور پر تعلقات خصوصی کا ارتکاب
۳۔ دوا یا شربت پینا ۴۔ حقہ، سگریٹ، بیڑی یا نسوار وغیرہ کے قصداً استعمال کرنے سے۔ ۵۔ اگر مرد اور عورت میں سے

ایک مجنون اور ایک عقلمند ہو تو جماع سے عاقل پر کفارہ و قضا دونوں واجب ہیں۔

روزہ توڑنے والی وہ چیزیں جن سے صرف قضا واجب ہوتی ہے حقنہ لینا - انیمہ کرنا - کان میں تیل ڈالنا - کنکر وغیرہ نگل جانا - کلی کرتے وقت پانی کا حلق میں پہنچ جانا - کان یا ناک میں دوا ڈالنا - بیوی کے چھیڑنے اور چھونے سے انزال ہو جانا - اول بھول چوک کر کچھ کھا لیا یا پی لیا پھر یہ سمجھ کر کہ اب تو روزہ ٹوٹ ہی گیا ہے کچھ اور کھا پی لیا - رات سمجھ کر صبح صادق کے بعد کچھ کھا پی لیا - بادل وغیرہ کی وجہ سے وقت سے پہلے افطار کر لیا پھر معلوم ہوا کہ ابھی وقت باقی تھا۔ اگر زبردستی کسی عورت سے جماع کیا گیا یا سوتے وقت بیخبری میں جماع کی گئی۔

وہ چیزیں جن سے روزہ نہیں ٹوٹتا بھول کر کچھ کھا پی لیا - سرمہ لگانا - مسواک کرنا - خوشبو سونگھنا - تھوک نگل لینا - خود بخود بغیر قصد قے ہو جانا - ٹیکہ یا انجکشن لگوانا - سر میں تیل لگانا آنکھوں میں دوا ڈالنا - گرمی و پیاس کی وجہ سے غسل کرنا - بلا قصد خود بخود مکھی یا گرد و غبار کا حلق میں چلے جانا - سوتے میں احتلام ہو جانا۔

درج ذیل چیزوں سے روزہ مکروہ ہو جاتا ہے:

بلا ضرورت کسی چیز کو چبا کر تھوک دینا۔ باوجود غسل فرض ہونے کے تمام دن ناپاک رہنا۔ کسی مریض کے لئے خون دینا غیبت چغلی طعن تشنیع گالی گلوچ کرنا۔

بقیہ: حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ

اور پھر اس میں سے بھی اکیس برس مولانا نے تحریک کی سیادت کی۔ لیکن برق رفتاری کا یہ عالم تھا کہ ؎

ہیں مرد مجاہد کے بھی انداز نرالے   رفتار قیامت کی ہے پاؤں میں ہیں چھالے

حضرت مولانا گفتار و کردار میں اس زمانہ میں اللہ کی برہان تھے۔ دریا و صحرا ان کی ٹھوکر سے دو نیم تھے پورا عالم ان کی تگ و دو کے سامنے سمٹ کر رہ گیا تھا۔ ان کا اپنا کوئی ارادہ نہیں تھا کوئی خواہش ان کی اپنی خواہش نہیں تھی۔ وہ خدائے تبارک و تعالےٰ کے مقاصد و احکام کے عیار و عکاس تھے۔ ان کی پوری زندگی کتاب و سنت کی تبلیغ کے لئے وقف تھی ــــ ان کا مقصد زندگی ایک ہی تھا کہ غیر مسلم مادی آسائش اور زندگی کی راحت و آرام کے لئے جیتا ہے۔ اس کی دشمنی بھی نفسانی، محبت بھی نفسانی۔ لیکن مسلمان کی تخلیق امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے ہوئی ہے۔ وہ اللہ کی رضا کے لئے جیتا ہے اور اسی کی رضا کی خاطر جان دیتا ہے۔ مادی اغراض اس کا مطمح نظر نہیں ہوتیں ــــ یہی وجہ ہے کہ وہ حوادثات میں بھی مسکراتے رہے جہالت مغربی تہذیب کی چکاچوند اور راہ کی تاریکیاں ان کا راستہ نہ روک سکیں حالات کی ناسازگاری کو وہ کبھی خاطر میں نہ لاتے۔ تکالیف و مصائب کے پہاڑ ان کے وقار و تمکنت میں فرق نہیں ڈال سکے۔ وہ تاریکیوں میں ایمان کی شمعیں جلاتے مردہ دلوں میں حیات تازہ دوڑاتے دنیاوی امور میں غرق انسانوں کو فکر آخرت دلاتے اور روحانی و اخلاقی اقدار کو زندہ کرتے ہوئے ایک تبلیغی سفر میں اس جہان سے اور اپنی جان سے گذر کر زندہ جاوید ہو گئے۔

اسلام کا ایک اہم رکن
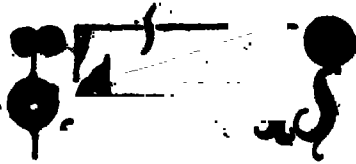
مرتب: طاہر رشیدی

جس کے پاس مال ہو اور وہ اس کی زکوٰۃ نہ نکالتا ہو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑا گنہگار ہے۔ قیامت کے دن اس پر بڑا سخت عذاب ہوگا۔ حدیث شریف میں آتا ہے: عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما من صاحب ذھب ولا فضۃ لا یؤدی منھا حقھا الا اذا کان یوم القیٰمۃ صفحت لہ صفائح من نار فاحمی علیھا فی نار جھنم فیکوی بھا جنبہ وجبینہ وظھرہ کلما ردت اعیدت لہ (مشکوٰۃ شریف ص۱۵۵) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس کے پاس سونا چاندی اور وہ اس کی زکوٰۃ نہ دیتا ہو قیامت کے دن اس کے لئے آگ کی تختیاں بنائی جائیں گی پھر ان کو دوزخ کی آگ میں گرم کر کے اس کی دونوں کروٹیں، پیشانی اور پیٹھ داغی جائے گی۔ اور جب ٹھنڈی ہو جائیں گی پھر گرم کر لی جاویں گی۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا اور اس نے زکوٰۃ نہ ادا کی تو قیامت کے دن اس کا مال بڑا زہریلا گنجا سانپ بنا دیا جائیگا اور اس کی گردن میں لپٹ جائیگا۔ پھر اس کے دونوں جبڑے پکڑیگا اور کہیگا میں ہی تیرا مال اور میں ہی تیرا خزانہ ہوں۔

خدا کی پناہ، بھلا ایسے عذاب کو کون سہار سکتا ہے۔ تھوڑے سے لالچ کے بدلے یہ مصیبت جھیلنا عقلمندی کی بات نہیں۔ خدا کی دی ہوئی دولت کو خدا کی راہ میں خرچ نہ کرنا کتنی بے جا بات ہے۔

زکوٰۃ ایک عبادت ہے ٹیکس نہیں۔ قرآن پاک میں اللہ حکیم وکریم کا ارشاد ہے:

خذ من اموالھم صدقۃ تطھرھم وتزکیھم بھا وصل علیھم ان صلٰوتک سکن لھم۔ (پ ۱۱ ع ۲)

ترجمہ: (اے پیغمبر) آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ (زکوٰۃ) لے لیجئے جس کے ذریعے آپ ان کو پاک و صاف کر دیں گے اور ان کے لئے دعا کیجئے بیشک آپ کی دعا ان کے لئے موجب اطمینان ہے۔ اس آیت میں غور کرنے سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

اول یہ کہ زکوٰۃ مال اور مالدار کی تطہیر و پاکی کا سبب ہے۔ دوسرے یہ کہ جس مال کی زکوٰۃ دیدی جاتی ہے وہ مال بڑھتا رہتا ہے

صدقہ خیر و برکت کیساتھ انسان کو سکون قلب بھی حاصل ہوتا ہے۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں:
"صدقہ گناہوں کے اثرات سے پاک و صاف کرتا ہے اور اموال کو برکت لگ جاتا ہے" اسلام کا کوئی حکم حکمت و مصلحت سے خالی نہیں، چنانچہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی اپنی مشہور زمانہ الہامی تصنیف "حجۃ اللہ البالغہ" میں تحریر فرماتے ہیں:
"بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ شریعت (اسلام) کے احکام میں کوئی مصلحت نہیں ہوا کرتی۔ یہ گمان فاسد ہے حدیث اور اولو زمانوں کے اجماع جن کی خوبی اور برکت پر خود شرع نے شہادت دی ہے اس خیال کی تکذیب کرتے ہیں۔"
پھر فرماتے ہیں: "زکوٰۃ کا حکم شریعت میں اس لئے دیا گیا ہے کہ بخل کا کمینہ عادت جاتی رہے اور حاجتمندوں کی حاجت برآری ہوتی رہے۔"
غرضیکہ اسلام نے زکوٰۃ کو فرض قرار دے کر امراء اور نادار مسلمانوں کے درمیان ایسا توازن قائم کر دیا کہ اگر مسلمان اس فرض کو پوری ذمہ داری اور دیانتداری کیساتھ ادا کرتے رہیں تو نہ صرف یہ سرمایہ دارانہ ذہنیت کا استیصال ہو بلکہ اس سے بہت بڑی حد تک ہماری قوم سے غربت اور مفلسی بھی ختم ہو سکتی ہے اور سوشلزم کا ہوّا جو ہمارا خود پیدا کردہ ہے جس نے ہماری راتوں کی نیندوں کا آرام حرام کر دیا ہے اپنی موت آپ مر جائے۔ اسی لئے اسلام نے صدقہ و خیرات کو اتنی اہمیت دی ہے۔

○ وجوب زکوٰۃ کی شرائط: ہر اس مسلمان مرد و عورت پر زکوٰۃ واجب ہے جو بالغ عاقل آزاد صاحب نصاب ہو۔
نصاب زکوٰۃ: یہ بات ذہن نشین رہے کہ گھریلو استعمال کی اشیاء مثلاً برتن، بستر، کپڑے، فرنیچر وغیرہ پر زکوٰۃ عائد نہیں ہوتی۔ البتہ اس کے علاوہ جو مال از قسم سونا چاندی یا تجارتی مال ہو تو ان پر زکوٰۃ آئے گی۔

مستحقین زکوٰۃ جس طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں زکوٰۃ کا اتنا بڑا اہتمام فرمایا ہے کہ نماز جیسی اہم عبادت کے ساتھ اسکو بیان فرمایا ہے اسی طرح زکوٰۃ کے مصارف بھی بیان فرما دیئے ہیں وہ مصارف یہ ہیں:
فقراء، مساکین، بیوہ، یتیم وغیرہ لوگ زکوٰۃ کے مستحق ہیں۔ نیز زکوٰۃ کا سب سے بہتر اور عمدہ مصرف دینی مدارس کے غریب الوطن مہمانانِ رسولؐ طلبہ ہیں۔ ان کے طعام و قیام و لباس وغیرہ کے لئے زکوٰۃ و عشر دینے کے دگنے اجر کا باعث ہوگا۔ ایک تو فریضہ زکوٰۃ کی ادائیگی ہوگی، دوسرے تبلیغ دین و اشاعت اسلام کا فائدہ ہوگا۔ اور اس طرح سے یہ صدقہ جاریہ کا حکم لے گا۔

مسائل زکوٰۃ

مسئلہ: جس کے پاس ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا ہو (یا ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر روپیہ ہو) اور ایک سال تک باقی رہے تو سال گزرنے پر اس کی زکوٰۃ دینا واجب ہے اور اگر اس سے کم ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں اور اگر اس سے زیادہ ہو تو بھی زکوٰۃ واجب ہے۔

مسئلہ: کسی کے پاس ساڑھے باون تولے چاندی کی قیمت ہے اور اتنے ہی روپوں کا قرض دار ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں۔

مسئلہ: اگر قرضہ ادا ہو کر ساڑھے باون تولے چاندی کی قیمت بچتی ہے تو زکوٰۃ واجب ہے۔

مسئلہ: کسی کے پاس تھوڑا سا سونا اور کچھ چاندی ہے تو اگر دونوں کی قیمت ملا کر ساڑھے باون تولے چاندی کے برابر ہو جائے تو زکوٰۃ واجب ہے۔

مسئلہ: اپنے اعزہ و اقارب علاوہ والدین و اولاد کے اگر غریب ہوں تو ان کو بھی زکوٰۃ دے سکتا ہے۔

مسئلہ: خاوند، بیوی باہم ایک دوسرے کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے۔

مسئلہ: مسجد، خانقاہ، شفاخانہ اور رفاہِ عامہ کے کاموں میں زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنا ناجائز ہے۔

مسئلہ: بنو ہاشم کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں، یعنی جو لوگ حضرت فاطمہؓ کی اولاد یا علوی یا حضرت عباسؓ یا حضرت جعفرؓ، حضرت عقیلؓ، حضرت حارثؓ بن عبدالمطلب کی اولاد سے ہوں۔

مسئلہ: اگر کچھ مال چند لوگوں کی شرکت میں ہو تو ہر ایک کا حصہ علیحدہ کر کے اگر نصاب پورا ہوتا ہو تو زکوٰۃ فرض ہوگی۔ ورنہ نہیں۔

مسئلہ: زکوٰۃ فرض ہونے کے بعد اگر مال ہلاک ہو گیا تو زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی۔

مسئلہ: زکوٰۃ میں اختیار ہے کہ خواہ وہ چیز دیجائے جس پر زکوٰۃ واجب ہوئی یا اس کی موجودہ قیمت دی جائے۔

مسئلہ: اگر کل مال عمدہ ہے تو زکوٰۃ میں بھی عمدہ مال دینا چاہئے۔ اور اگر سب مال خراب ہے تو خراب مال دیا جائے اگر کچھ مال عمدہ اور کچھ خراب ہے تو زکوٰۃ میں متوسط درجہ کا مال دینا چاہئے۔

مسئلہ: جو مال سال کے اندر حاصل ہوا ہو خواہ خریدنے سے یا تناسل سے یا وراثت و ہبہ سے، وہ ہم جنس نصاب کے ساتھ ملا دیا جائے گا اور اس کے ساتھ ہی اس کی زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔

مسئلہ: ہر چیز کا نفع جو سال کے اندر حاصل ہوا ہو اس کو اصل کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔

مسئلہ: اگر کسی شخص کے پاس کوئی تجارتی مال ہو مگر اس کی قیمت نصاب سے کم ہو تو پھر چند روز کے بعد اس چیز کے گراں ہو جانے کے سبب سے اس کی قیمت بڑھ کر بقدر نصاب ہو جائے تو اب اس کے سال کی ابتداء ہوگی جس وقت سے قیمت بڑھی ہے

مسئلہ: اگر کوئی شخص اپنے مال کی زکوٰۃ سال ختم ہونے سے پہلے یا کئی سال کی پیشگی دیدے تو جائز ہے۔

مسئلہ: اگر کسی کو شک پیدا ہو جائے کہ اس نے زکوٰۃ دی ہے یا نہیں تو اسکو چاہیئے کہ پھر دیدے۔

مسئلہ: قرض پر ملنے والے مال کی زکوٰۃ بھی لازم ہے۔

مسئلہ: بیمہ کی رقم پر بھی زکوٰۃ فرض ہے۔

● پراویڈنٹ فنڈ میں ملازم کی تنخواہ سے جو رقم ماہ بماہ کاٹی جاتی ہے اور اس پر ہر ماہ جو اضافہ محکمہ اپنی طرف سے کرتا ہے اس پر زکوٰۃ کے مسائل ملاحظہ ہوں:

مسئلہ : پراویڈنٹ فنڈ کی رقم پر سالہائے گزشتہ کی زکوٰۃ واجب نہیں، ہاں وصول ہونے کے بعد سے حسبِ ضابطہ کے مطابق زکوٰۃ واجب ہوگی۔ مگر افضل اور احتیاط اسی میں ہے کہ گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ بھی ادا کرے جیسا کہ امام ابو یوسف و امام محمد کا فتویٰ ہے۔

مسئلہ : اگر ملازم نے اپنی ذمہ داری پر کسی شخص یا بینک یا کسی بیمہ کمپنی یا اور کسی مستقل تجارتی ادارہ وغیرہ کو دلوادی تو اس وقت سے اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

مسئلہ : اگر کسی ملازم نے اپنے فنڈ کی رقم کسی تجارتی کمپنی کو تجارت میں لگانے کے لئے دلوادی تو وقتِ منتقلی سے زکوٰۃ اصل پر بھی واجب ہوگی۔ اور جب نفع ملنا شروع ہوا تو اس وقت سے نفع کی رقم پر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔

مسئلہ : اگر ملازم پہلے صاحبِ نصاب نہیں تھا مگر رقم ملنے سے صاحبِ نصاب ہو گیا تو وصولیابی کے وقت سے سال قمری گزرنے کے بعد صاحبِ نصاب رہنے کی بناء پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

مسئلہ : اگر ملازم پہلے صاحبِ نصاب تھا تو فنڈ کی رقم (خواہ نصاب سے کم ہو یا زیادہ) کا علیحدہ شمار نہ ہوگا بلکہ پہلے مال کے ساتھ ہی اس کی زکوٰۃ واجب ہو جائے گی ——— واللہ اعلم بالصواب۔

اپیل و یاد دہانی

ادارہ جامعہ رشیدیہ رجسٹرڈ ساہیوال حکومت کا مسلمہ خیراتی ادارہ ہے اس کے مہمان خانۂ نبوی میں چار صد طلبہ کے طعام، قیام کا انتظام و انصرام ہوتا ہے۔ صرف آٹے کا خرچہ ۱۳۲ من ماہانہ ہے۔ دیگر ضروریات از قسم گوشت سبزی دالیں، گھی وغیرہ مصرفِ مطبخ علاوہ ازیں۔

آپ کے صدقات واجبہ (زکوٰۃ) وعشر اور صدقات نافلہ صدقۂ فطر و چرمہائے قربانی اور امانت کے ادائیگی مستحق اور بہترین مصرف مہمانانِ رسول طلبہ رشیدیہ ہیں۔ ماہانہ خرچ پچاس ہزار روپے اور بوجہ تعمیرات سالانہ خرچ ستر لاکھ روپے۔

بقیہ : استقبالیہ

کے ارکانِ عاملہ، مہتممین اور جملہ کارکنان بھی ضوابط کی خلاف ورزی سے پورا اجتناب کیا جائے۔ ورنہ وفاق کبھی ایک فعّال اور قابلِ اعتماد حیثیت حاصل نہ کر سکے گا۔

ان چند گزارشات کے ساتھ میں اپنا معروضات ختم کر کے ایک بار پھر صمیمِ قلب سے اپنے تمام عالی قدر اور عظیم المرتبت مہمانوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور ان کے قدوم مبارکہ کو اپنے لئے اور پورے دار العلوم اور اس کے خدام و متعلقین کے لئے دینی اور اخروی سرخروئی اور سعادتوں کا باعث سمجھتا ہوں۔ والحمد للہ اولاً و آخراً۔

پیش کنندہ : احقر سمیع الحق
خادم العلم دار العلوم الحقانیہ۔ اکوڑہ خٹک

عبد الحق عفی عنہ
(شیخ الحدیث و مہتمم دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک)

تذکرۂ اسلاف — ادارہ

بانی تبلیغی جماعت

مبلغِ اسلام حضرت مولانا محمد الیاس دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

تاریخی نام اختر الیاس ۔ ۱۳۲۶ھ میں دیوبند حاضری اور شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ سے بخاری شریف و ترمذی شریف پڑھیں اور ان کے ہاتھ پر بیعت جہاد کی۔ ۱۳۲۸ھ دورہ حدیث کی تکمیل مظاہر علوم سہارنپور میں مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے بعد مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ سے تجدید بیعت کی اور خلافت حاصل ہوئی۔ حضرت مولانا شاہ عبد الرحیم رائپوری اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے بھی کسب فیض کیا۔ حج ۱۳۳۳، ۱۳۵۱، ۱۳۵۶ اور ۱۳۳۵ھ میں نظام الدین دہلی میں قیام۔ نکاح ۱۳۳۰ھ پسماندگان مولانا محمد یوسفؒ۔ دختر جو حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ سے بیاہی گئیں ۱۴ رجولائی ۱۹۴۴ء علی الصبح خالق حقیقی سے جا ملے۔

تعلیم و تربیت سب سے پہلے آپ نے خاندانی دستور کے مطابق قرآن مجید حفظ اور ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں کے مکتب میں شروع کی۔ بعدہٗ کبھی اپنے والد ماجد کے پاس دہلی اور کبھی کاندھلہ رہ کر تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا۔ انہی دنوں آپ کے بڑے بھائی مولانا محمد یحییٰ صاحب حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں گنگوہ قیام پذیر ہو گئے۔ چنانچہ ۱۳۱۴ھ یا ۱۳۱۵ھ میں وہ آپ کو اپنے ساتھ گنگوہ لے آئے اور خود پڑھانا شروع کیا۔ اس وقت مولانا محمد الیاس کی عمر بمشکل دس گیارہ برس کی ہوگی۔ حضرت گنگوہیؒ کے دم سے اس وقت گنگوہ وقت کے بڑے بڑے علماء و صلحاء کا مرکز بن گیا تھا اور دینی علوم کے ساتھ ساتھ روحانی علوم کے فیوض سے بھی ایک دنیا فیضیاب ہو رہی تھی۔ مولانا محمد الیاسؒ نے اس مقدس ماحول میں اپنی زندگی کے دس گیارہ برس گزارے۔ مولانا محمد یحییٰ صاحب اس بات کا اہتمام کرتے کہ مولانا محمد الیاس کے اوقات سبق کے علاوہ حضرت گنگوہیؒ اور دوسرے صلحاء کی صحبت میں بسر ہوں اور مولانا سے فرماتے کہ ان حضرات کی صحبت میں بیٹھو اور ان کی باتیں سنو۔

مولانا محمد الیاسؒ خلقی طور پر نحیف و ضعیف تو تھے ہی اور بچپنا سے عبادت کا بھی بہت شوق تھا، پھر اس کے ساتھ تعلیمی انہماک، نتیجتاً آپ بیمار ہو گئے۔ حضرت گنگوہی کے صاحبزادے حکیم مسعود احمد صاحب آپ کے معالج تھے ان کی ہدایت کے مطابق ان کو پانی سے پرہیز کرنا ضروری تھا چنانچہ ثقہ بزرگوں کی روایت ہے کہ آپ نے اپنی بے مثال قوت ارادی اور عزیمت کی وجہ سے متواتر سات سال تک پانی نہیں پیا۔ اسی بیماری کی وجہ سے آپ کا سلسلہ تعلیم منقطع ہو گیا۔ نتیجۃً آپ کو تعلیم کے مکمل نہ ہونے کا بڑا رنج تھا۔ ادھر امراض کا تقاضا تھا کہ آپ مسلسل آرام کریں تا آخر ایک روز

مولانا محمد یحییٰ صاحب نے کہا کہ "آخر پڑھ کر ہی کیا کرو گے" آپ نے جواباً فرمایا کہ "جی کر ہی کیا کروں گا" چنانچہ جوں ہی آپ کی صحت قدرے بہتر ہوئی آپ نے دوبارہ پڑھنا شروع کر دیا۔ ابتدائی کتابیں مولانا محمد یحییٰ سے پڑھ کر ۱۳۲۶ھ میں دیوبند تشریف لے گئے اور شیخ الہند کے حلقۂ درس میں شریک ہو کر ترمذی اور بخاری شریف کی سماعت کی۔ اس کے تین سال بعد دوبارہ آپ نے مولانا محمد یحییٰ صاحب سے حدیث کا دورہ کیا۔

تعلق بیعت گنگوہ کے قیام کے دوران ہی آپ نے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی۔ محبت و عشق کی چنگاری آپ کے خمیر میں تھی، حضرت گنگوہیؒ سے ایسا قلبی تعلق پیدا ہو گیا کہ زیارت کے بغیر آپ کو چین نہ آتا۔ کبھی کبھی رات کو اٹھ کر صرف چہرہ دیکھنے کے لئے جاتے اور پھر آکر سو رہتے۔ حضرتؒ کو بھی آپ کے حال پر بڑی شفقت تھی۔ مولانا فرماتے تھے کہ جب میں ذکر کرتا تھا تو مجھے ایک بوجھ سا محسوس ہوتا تھا، حضرت سے کہا تو حضرت مسکرا گئے اور فرمایا کہ مولانا محمد قاسم نے یہی شکایت حضرت حاجی صاحبؒ سے کی تو حاجی صاحبؒ نے فرمایا کہ اللہ آپ سے کوئی کام لے گا۔ ۱۳۲۳ھ میں حضرت گنگوہیؒ کا انتقال ہو گیا، مولانا کے حساس دل پر اس حادثہ نے گہرا اثر چھوڑا، فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے تو ساری عمر کا رونا اسی روز رو لیا جس روز حضرتؒ دنیا سے رخصت ہوئے۔ حضرت گنگوہیؒ کی وفات کے بعد آپ کا وقت زیادہ تر خلوت اور مراقبہ میں بسر ہوتا۔ اکثر اوقات حضرت شاہ عبدالقدوسؒ کے مزار کے قریب مراقب رہتے اور رات کا بیشتر حصہ نوافل میں گزارتے۔ اس عرصہ میں حضرت گنگوہیؒ کے بڑے بڑے خلفاء سے برابر کا تعلق رہا۔ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوریؒ، حضرت حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ، حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ اور دوسرے بزرگوں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی وغیرہم سے بھی برابر استفادہ کرتے رہے اور ان حضرات کا بھی مولانا سے خصوصی تعلق قائم رہا۔ اس زمانہ میں آپ نے بڑا مجاہدہ کیا۔ مرشدنا حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری فرمایا کرتے تھے کہ حضرت دہلویؒ کو بعد میں جو بے پناہ مقبولیت اور مرجعیت حاصل ہوئی اور آپ سے تبلیغ و اشاعتِ دین کا جو کام لیا گیا وہ اس زمانہ کے مجاہدہ کا نتیجہ اور اس کا ثمرہ تھا۔

خدمتِ تدریس اور قیام دہلی ۱۳۲۸ھ میں مظاہر العلوم سہارنپور کے بعض اساتذہ کے حج پر چلے جانے کی وجہ سے بہت سی آسامیاں خالی ہوئیں تو آپ کا تقرر بھی بطور مدرس کے عمل میں آیا۔ متوسط کتابیں آپ کچھ عرصہ یہاں رہ کر یہاں پڑھاتے رہے، اس عرصہ میں مولانا محمد یحییٰ صاحب کا انتقال ہو گیا اور ان کے انتقال کے دو سال بعد آپ کے بڑے بھائی مولانا محمد صاحب جو کہ دہلی میں مقیم تھے داعیٔ اجل کو لبیک کہہ گئے۔ مولانا محمد صاحب کی وفات پر دہلی کے محبین اور معتقدین نے مولانا سے دہلی ہی میں مستقل طور پر قیام پذیر ہونے کے لئے اصرار کیا اور استدعا کی کہ اپنے والد صاحب اور بھائی صاحب کی مسند اور مدرسہ کو خالی نہ رہنے دیں بلکہ ان کے کام کو سنبھالیں۔ آپ نے فرمایا کہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ سے اجازت لے کر آجاؤں گا۔ چنانچہ حضرت سہارنپوری نے بخوشی اجازت فرما

دی اور آپ وہیں آکر مقیم ہو گئے۔ بستی نظام الدین کے ایک برے پر ایک مختصر سی مسجد تھی جس کے سامنے ایک بنگلہ اور ایک حجرہ تھا، بس یہی مسجد اور یہی خانقاہ تھی، اس کے آس پاس جنگل ہی جنگل تھا کوئی آبادی نہ تھی۔ کچھ میواتی طلباء اس مدرسے میں پڑھتے تھے۔ مدرسہ کی کوئی مستقل آمدنی نہ تھی بس توکلاً علی اللہ سارا کام چلتا تھا۔ اکثر اوقات فاقوں کی نوبت آجاتی تھی مگر مولانا کے توکل اور اطمینان میں ذرہ برابر فرق نہیں آتا تھا۔ اس تنگی اور سختی کے زمانہ میں مولانا اللہ کے فضل و کرم کے بڑے امیدوار تھے اور اس فارغ البالی اور کشائش سے جو اس امتحان کے بعد آنے والی تھی ہمیشہ خود بھی ڈرتے رہے اور ساتھیوں کو بھی ڈراتے رہے۔ یہ زمانہ بھی مولانا کے مجاہدہ اور ریاضت کا زمانہ تھا۔ اکثر اوقات خلوت میں گزارتے اور مشاہیر مشائخ کے مزارات پر جاکر پہروں مراقب رہتے۔ جو وقت بچ جاتا اس میں طلبا کو درس دیتے۔ حدیث کا درس بڑے اہتمام سے دیتے اس میں ہمیشہ باوضو رہتے۔ کوئی کیسا ہی معزز آدمی کیوں نہ آجاتا اس وقت سبق چھوڑ کر اس کی طرف التفات نہ کرتے۔ آہستہ آہستہ طلباء کا رجوع عام شروع ہوا اور طلباء کی تعداد ستر اسی تک پہنچ گئی۔

کام کی ابتداء

شوال ۱۳۴۴ھ میں آپ دوسرے حج کے لیے مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوری کی معیت میں تشریف لے گئے۔ حج کے بعد کچھ عرصہ مدینہ منورہ میں قیام رہا۔ مولانا فرماتے تھے کہ مدینہ طیبہ کے اس قیام کے دوران میں مجھے اس کام کے لیے امر ہوا اور ارشاد ہوا کہ ہم تم سے کام لیں گے۔ کچھ دن میرے اس بے چینی میں گزرے کہ میں ناتواں کیا کر سکوں گا۔ ایک عارف سے ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا کہ پریشانی کی کیا بات ہے یہ تو نہیں کہا گیا کہ تم کام کروگے یہ کہا گیا ہے کہ ہم تم سے کام لیں گے۔ بس کام لینے والے کام لیں گے!! اس سے آپ کی تسکین ہوئی اور ۱۳۴۵ھ میں حج سے واپسی کے بعد آپ نے تبلیغی گشت شروع کر دیا اور لوگوں کو بھی دعوت دی کہ عوام میں نکل کر اسلام کے اولین ارکان کلمۂ توحید اور نماز وغیرہ کی تبلیغ کریں۔ چونکہ کام نئی طرز کا تھا اس لئے شروع شروع میں تو لوگوں کو حجاب رہا۔ رفتہ رفتہ میواتی لوگ اس کام سے مانوس ہوئے اور میوات کے علاقہ ہی سے بہت سی جماعتیں باہر نکلنے کے لئے تیار ہو گئیں۔ مولانا کا خیال تھا کہ عام لوگ گھروں اور کاروبار میں مصروف رہ کر نہ تو دینی علم بقدر ضرورت سیکھ سکتے ہیں نہ ان کی زندگی میں کوئی انقلاب رونما ہو سکتا ہے۔ اس کی بس ایک ہی تدبیر ہے کہ لوگ اپنے اپنے گھروں اور مصروفیتوں سے علیحدہ ہو کر کچھ عرصہ باہر رہیں، کچھ خود سیکھیں کچھ دوسروں کو سکھائیں۔ چنانچہ میوات کی ابتدائی جماعتیں علمی مراکز یعنی کاندھلہ، رائے پور، سہارن پور، تھانہ بھون وغیرہ کی طرف روانہ کی گئیں۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ میوات کے سادہ لوح اور جاہل لوگ، اہل دین کی خدمت میں بیٹھ کر اور ان سے اسلامی شعار سیکھ کر جب وطن واپس ہوئے تو میوات کی فضا ہی بدل گئی۔ ایک عام علمی و دینی ذوق پیدا ہو گیا۔ جگہ جگہ مدرسے اور مسجدیں بننے لگیں، بدعات اور ہندوانہ رسوم سے لوگوں کو نفرت ہونے لگی اور ایک عام دینی فضا پیدا ہو گئی۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں :۔

"قاری داؤد صاحب نے ایک بوڑھے میواتی سے جو اس کا عقیدہ لینے کے لئے پوچھا کہ تمہارے ملک میں

کیا ہو رہا ہے۔ بوڑھے میواتی نے کہا اور تو میں کچھ جانتا نہیں، اتنا جانوں کہ جن باتوں کے لئے پہلے بڑی کوششیں کی جاتی تھیں اور ایک بات بھی نہیں ہوتی تھی وہ اب آپ ہی آپ ہو رہی ہیں اور جن باتوں کو بند کرنے کے لئے پہلے بڑی بڑی لڑائیاں لڑی جاتی تھیں اور بڑا زور لگایا جاتا تھا اور ایک بات بھی بند نہیں ہوتی تھی وہ اب بے کہے سُنے خود بخود بند ہوتی جا رہی ہیں "

طریق کار

مولانا کا خیال تھا کہ جس طرح دنیا میں معاش کے لئے کچھ کرنا ہر شخص اپنے لئے ضروری سمجھتا ہے، اس طرح دین کا ضروری علم سیکھنے اور اپنی اصلاح کے لئے ہر شخص کا گھر سے کچھ عرصہ کے لئے باہر نکلنا ضروری ہے۔ قرنِ اوّل میں بھی لوگوں نے دین اسی طرح حاصل کیا تھا کہ صحابہ کرام دنیا کے ہر قسم کے کاروبار اور مشاغل کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھتے تھے اور اہلِ دین اور اہلِ علم کے ساتھ ہر وقت کے اختلاط کی وجہ سے ان کی زندگی کے اعمال و اشغال اور ان کی روزمرہ کی حرکات و سکنات کو دیکھ کر اپنی زندگی کو اسی سانچے میں ڈھال لیتے تھے۔ مشغولیت اور دین سے دُوری کے اس دَور میں بھی مولانا کے نزدیک دین کا شعور حاصل کرنے کی فقط یہی ایک صورت تھی کہ عام اور مشغول لوگوں کو اپنے اوقات میں سے کچھ وقت فارغ کرنے کی دعوت دی جائے اور ان کو اس ماحول سے نکلنے کو کہا جائے جس میں کافی عرصہ رہنے کے باوجود ان کی زندگیوں میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہو سکی۔ اس دینی بصیرت کے حصول کے لئے مولانا دو باتوں پر بہت زور دیا کرتے تھے ایک علم، دوسرے ذکر، علم سے مراد مولانا کے نزدیک "محض" کتابی علم نہ تھا بلکہ وہ علم جس کے حصول کے بعد زندگی میں انقلاب آ جائے اور وہ ذکر، جس سے غفلت دور ہو اور اخلاص و للہیت پیدا ہو۔ اسی کی وضاحت کرتے ہوئے ایک دفعہ آپ نے فرمایا :-

"علم و ذکر کو مضبوطی سے تھامنے کی زیادہ سے زیادہ ضرورت ہے۔ مگر علم و ذکر کی حقیقت اچھی طرح سمجھ لینی چاہیئے۔ ذکر کی حقیقت ہے عدمِ غفلت اور فرائض دینی کی ادائیگی میں لگا رہنا۔ یہ اعلیٰ درجہ کا ذکر ہے۔ اس لئے دین کی نصرت اور اس کے فروغ کی جدوجہد میں مشغول رہنا ذکر کا اونچا درجہ ہے، بشرطیکہ اللہ کے اوامر اور مواعید کا خیال رکھتے ہوئے ہو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور علم سے مراد دینی مسائل اور دینی علوم کا صرف جاننا نہیں ہے۔ دیکھو یہود اپنی شریعت اور اپنے آسمانی علوم کے کیسے عالم تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ناخنوں تک کے حلیے اور نقشے حتیٰ کہ ان کے جسموں کے تِل کے متعلق بھی اُن کو علم تھا۔ لیکن کیا ان باتوں کے صرف جاننے نے اُن کو کوئی فائدہ دیا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ فرمایا علم کے لئے جو وضع محمدی تھی (یعنی طلب اور عظمت و محبت کے ساتھ صحبت و اختلاط سے علم حاصل کرنا اور زندگی سے زندگی سیکھنا) اس کی خصوصیت یہ تھی کہ اس کے ذریعہ جتنا علم بڑھتا تھا اُسی قدر اپنے جہل اور اپنی علمی درماندگی کا احساس ترقی کرتا تھا۔ اور علم حاصل کرنے کا جو طریقہ اب رائج ہو گیا ہے۔ اس کا تجربہ یہ ہے کہ علم جتنا آتا ہے زعم اس سے زیادہ پیدا ہوتا ہے۔ پھر زعم سے کبر پیدا ہوتا ہے اور کبر جنت میں نہیں جانے گا، علاوہ ازیں علم کے زعم کے بعد تحصیلِ علم کی طلب نہیں

رہتی جس کی وجہ سے علمی ترقی ختم ہو جاتی ہے"۔

کام کا استحکام اور تائید ایزدی

شروع شروع میں عوام اور اہل علم اس کام کی طرف متوجہ نہیں ہوئے۔ بہت سے سطح بین لوگوں کو اس اصلاحی تحریک کے نام یعنی "تبلیغی جماعت" سے بہت دھوکا ہوا۔ لیکن جب لوگوں نے قریب تر ہو کر اس کو دیکھا تو انہیں معلوم ہوا کہ یہ کام محض تبلیغی کام نہیں ہے بلکہ عمومی اصلاح کا ایک ٹھوس پروگرام ہے جماعت کے لئے جو لوگ وقت دیتے ہیں وہ صرف دوسروں کو کلمہ اور نماز ہی نہیں سکھاتے بلکہ خود بہت کچھ سیکھتے ہیں اور ان کی زندگیوں میں فی الواقعہ ایک انقلاب آجاتا ہے۔ خود مولانا کا نقطۂ نظر بہت بلند تھا۔ مولانا کے سامنے فقط اتنا ہی نہیں تھا کہ بس عوام الناس نماز روزہ سیکھ جائیں اور کچھ ذکر و اذکار کے پابند ہو جائیں بلکہ مولانا پوری ملت اسلامیہ کو بیدار کرکے انفرادی زندگی سے لیکر اجتماعی زندگی تک کو اسلامی بنانے کی فکر رکھتے تھے۔ چنانچہ ایک صحبت میں فرمایا:۔

"ہماری اس تحریک کا اصل مقصد ہے مسلمانوں کو ماجاء بہ النبی سکھانا یعنی اسلام کے پورے علمی و عملی نظام سے امت کو وابستہ کر دینا۔ یہ تو ہے ہمارا اصل مقصد رہی قافلوں کی یہ چلت پھرت اور تبلیغی گشت، سو یہ اس مقصد کے لئے ابتدائی ذریعہ ہے اور کلمہ و نماز کی تلقین و تعلیم گویا ہمارے پورے نصاب کی الف ب ت ہے"۔

دینی مراکز میں جو لوگ جاتے ان کو یہ بھی ہدایت کی جاتی کہ بزرگوں کی مجلسوں میں تبلیغ وغیرہ کا کوئی ذکر نہ کریں بلکہ بزرگوں کی مجلسوں میں بیٹھ کر فیض یاب ہوں اور کچھ وقت مقرر کر کے آس پاس کے علاقوں میں تبلیغی گشت بھی کریں چنانچہ اس طریقہ سے کام ہوتا رہا اور اہل بصیرت اور مشائخ وقت کا اس کام کی طرف سے اطمینان ہو گیا کہ یہ کام وقت کا اہم تقاضا ہے اور اس کا طریق کار ہر لحاظ سے مناسب اور صحیح ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ، مولانا خلیل احمد صاحبؒ سہارن پوری، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ، حضرت شاہ عبدالرحیم صاحبؒ رائے پوری، حضرت مولانا عبدالقادر صاحبؒ، حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ اور دوسرے بزرگوں نے نہ صرف یہ کہ اس کی توثیق و تصدیق کی بلکہ اس کی تائید و حمایت کی اور اپنے مریدین و احباب کو ہر طرح سے اس جماعت کے تعاون کی تلقین فرمائی۔ اسی طرح بہت سے واقعات ایسے بھی پیش آئے جن سے واضح ہوا کہ تائید ایزدی اس جماعت کے شامل حال ہے۔ ایک واقعہ جو مرشدنا حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری نوراللہ مرقدہٗ نے رمضان المبارک ۱۳۷۰ھ میں گھوڑا گلی کی ایک مجلس میں بیان فرمایا۔ یہ ہے۔

"فرمایا ایک دفعہ مبلغین کی ایک جماعت حضرت کے بلانے پر جا رہی تھی۔ گاڑی سے اترے تو یہ معلوم نہیں تھا کہ کس طرف کو چلیں۔ آخر ایک نے کہا جی ایک طرف کو منہ کر کے چل دو۔ چنانچہ چلتے رہے ایک جگہ سے آواز آئی، ٹھہرو، ٹھہرو! رستہ بھول گئے ہو۔ چنانچہ ٹھہر گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد دو آدمی آئے اور کہنے لگے کہ تم رستہ چھوڑ کر جا رہے تھے، ادھر ہمارے پیچھے پیچھے آؤ۔ یہ ان کے پیچھے ہو لئے۔ ایک جگہ

پہنچے تو دور سے روشنی نظر آرہی تھی، کہنے لگے کہ وہ جو روشنی نظر آرہی ہے ادھر ہی کو ہو جاؤ، ہم اب جاتے ہیں، ان لوگوں نے پوچھا کہ جناب اپنا نام تو بتاتے جاؤ، اس پر ایک نے کہا کہ میرا نام رحمت ہے۔ دوسرے نے کہا میرا نام ہمت ہے۔ چنانچہ یہ کہہ کر غائب ہو گئے، یہ لوگ ہنسنے لگے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ تم کہہ رہے تھے ہمت کرو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے پہنچا دیں گے، یہ ہمت اور رحمت ہی آ گئے۔ اُن کی بتائی ہوئی روشنی پر پہنچے تو وہاں حضرت کے لوگ کھانا کھا رہے تھے اور ان کی انتظار کر رہے تھے۔ فرمایا کیا یہ نصرت نہیں تھی"!

تحریک کی عالمگیری

اس تحریک کا ابتدائی کام میوات کے علاقہ سے شروع ہوا، جوں جوں اس کے نتائج سامنے آتے گئے اور اہلِ علم و صاحبانِ بصیرت اس کی طرف متوجہ ہوتے گئے توں توں اس کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا۔ میوات کے بعد دہلی میں کام کیا گیا اور لوگ جماعتوں کی شکل میں باہر نکلنے لگے۔ اس کے بعد یو۔پی کے تمام علمی مراکز، دیوبند، سہارنپور، کانپور، لکھنؤ، تھانہ بھون، گنگوہ میں جماعتیں گئیں، پھر تو یو۔پی کا چپہ چپہ تبلیغی جماعتوں نے چھان مارا۔ رفتہ رفتہ یو۔پی سے باہر پنجاب، سندھ، سرحد، صوبجات متحدہ، بہار، بنگال، مدراس اور بمبئی تک جماعتیں جانے لگیں اور وہاں سے لوگ نکل نکل کر مشہور علمی مراکز اور تبلیغی مرکز نظام الدین دہلی کی طرف آئے اور یہاں سے دین سیکھ کر جانے لگے۔ حتیٰ کہ چند ہی سالوں کے اندر اندر برِ صغیر ہند و پاک کے بڑے شہروں اور قصبات اور لاتعداد دیہاتیوں میں جماعتیں پہنچیں جنہوں نے وہاں کے لوگوں کو باہر نکلنے کی دعوت دی۔ خدا ہی جانتا ہے کہ اس طرح سے اللہ کی کتنی مخلوق گھروں سے دین سیکھنے کے لئے نکلی اور کتنی تعداد کے لوگوں کی زندگیوں میں انقلاب رونما ہوا۔ مولانا کی زندگی میں ہندوستان سے باہر حجاز، شام، بحرین وغیرہ میں بھی اس کام کی دعوت دی گئی اور اس کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ آخر ۱۲ رجولائی ۱۹۴۴ء کو مولانا رح کا انتقال ہو گیا اور آپ کے صاحبزادہ مولانا محمد یوسف مدظلہ کی جانشینی عمل میں آئی۔ کام جاری تھا، چلتا رہا اور تحریک کا سلسلہ پھیلتا گیا۔ اس وقت تک ہند و پاکستان سے باہر جن جن ممالک میں جماعتیں جا چکی ہیں ان کی فہرست سے تحریک کی عالمگیری کا اندازہ ہو سکے گا۔ راقم کے عم محترم قاضی عبدالقادر صاحب ساکن بھاؤریاں (جن کا شمار جماعت کے اہم ارکان میں ہوتا ہے) نے ایک انٹرویو میں راقم السطور کو بتایا کہ اس وقت تک جماعتیں ہند و پاکستان سے باہر جاپان، فلپائن، انڈونیشیا، جاوا، برما، سنگاپور، جرمنی، ایران، ترکی، شام، عراق، اردن، لبنان، مصر، سوڈان، سعودی عرب، حجاز، بحرین، کویت، حضرموت، یمن، صومالی لینڈ، اسپین، مشرقی افریقہ، نائیجیریا، انگلینڈ، امریکہ، فرانس، لیبیا، ٹیونس، الجزائر اور مراکش میں جا چکی ہیں امریکہ کو پہلی جماعت ۱۹۵۲ء میں گئی تھی جس کے ساتھ قاضی صاحب موصوف بھی گئے تھے۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے پانچ جماعتیں اب تک امریکہ جا چکی ہیں۔ اسی طرح قاضی صاحب نے بتلایا کہ جاپان، امریکہ، انگلینڈ، شام، برما، حجاز اور سعودی عرب سے جماعتیں یہاں کے مرکز میں کئی دفعہ آ چکی ہیں اور یہاں کے دینی مرکزوں میں رہ کر اور یہاں کے کام کو دیکھ کر علمی و عملی استحکام و استقامت کی دولت اپنے ساتھ واپس لے گئی ہیں۔ باقی ہدایت تو اللہ جل جلالہ کے اپنے ہاتھ میں ہے۔ واللہ یہدی من یشاء الیٰ صراطٍ مستقیم۔

حضرت مولانا محمد یوسف دہلویؒ

ابن حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ

علم و فضل کی دنیا میں ایسا بہت کم اتفاق ہوا ہے کہ والد اگر علم و عمل، زہد و تقویٰ، جہد و ہمت اور ارشاد و سلوک میں یگانۂ روزگار ہے تو بیٹا بھی انہی اوصاف میں فردِ وحید ہو۔ ہندوستان میں اس کی نظیر خاندان ولی اللٰہی میں ملتی ہے۔ کہ حضرت شاہ عبد الرحیمؒ کے گھر شاہ ولی اللہؒ پیدا ہوئے تو شاہ ولی اللہؒ کے ہاں شاہ عبد العزیزؒ۔ شاہ عبد القادر شاہ رفیع الدین اور شاہ عبد الغنی رحمہم اللہ اجمعین جیسے عارفین و کاملین پیدا ہوئے جن کی نظیر و مثیل مجدد الف ثانیؒ اور الامام المحدث شاہ ولی اللہؒ کے علاوہ پورے اسلامی ہندوستان میں نہیں ملتی۔ اور اپنے زمانے میں پورے عالم اسلام میں اپنی مثال نہیں رکھتے تھے۔ اور پھر ان صاحبزادگان والاتبار کی اولاد بھی علم و فضل کے اعتبار سے کچھ کم مرتبہ نہیں رکھتی۔ اسی قبیلہ کے ایک فرد شاہ اسماعیل شہید اور اسی خاندان کے تربیت یافتہ حضرت سید احمد شہیدؒ تو صحابہ کرامؓ کے بعد اپنے جہد و عمل اور ایثار و خلوص کی بدولت پوری امت میں ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ بلا کسی تشبیہ و تمثیل کے انبیاء علیہم السلام کے مقدس گروہ میں جو امتیازی مقام حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد کا ہے۔ یہی مقام امت محمدیہ علیہ التحیہ والسلام میں خاندانی لحاظ سے شاہ ولی اللہؒ کے خاندان کا ہے —— اور پھر اسی خاندان کی معنوی و روحانی اولاد مشائخ و اکابر دیوبند ہیں کہ اس جماعت کے علماء نے اپنے علم و فضل سے کتاب و سنت کی خدمات جلیلہ و عظیمہ کی جو تابناک مثال قائم کی ہے۔ اس کی مثال بھی مشکل ہی سے ملے گی —— اس جماعت کے آخری دور کے علماء و مشائخ میں سے ایک نامور شخصیت حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی ہے۔ جن کا مختصر تذکرہ گذشتہ اوراق میں گذر چکا ہے۔ ۱۹۶۲ء میں جب اس کتاب کی ترتیب شروع کی گئی تو ان دنوں حضرت مولاناؒ کے صاحبزادہ محمد یوسف صاحب بقید حیات تھے اور ہم نے جن اکابر کے تذکار کا قصد کیا تھا وہ سب واصل بحق ہو چکے تھے۔ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب ۱۹۶۵ء میں اپنے اکابر سے جا ملے اگر کتاب کی ترتیب اب ان کے وصال کے بعد ہوتی تو حضرت مولانا کی مبارک زندگی اپنے علم و عمل کے اعتبار سے یقیناً اس قابل تھی۔ کہ ان کا مستقل تذکرہ اس کتاب میں کیا جاتا۔

حضرت مولانا محمد الیاسؒ اپنے تمام علم و فضل کے باوجود ملک گیر شہرت کے مالک تھے۔ مگر ان کے فرزند ارجمند اپنے گرامی قدر والد کی چلائی ہوئی تحریک کی قیادت و امارت کرتے ہوئے عالمگیر شہرت کے مالک ہوتے گئے۔ اور اس وقت دنیا کا شاید ہی کوئی ملک ایسا ہو گا جہاں تبلیغی جماعت کے افراد کے مبارک قدم نہ پہنچے ہوں۔ پچاس برس کی عمر ہی کیا ہوتی ہے

باقی بر صفحہ ۴۹

وفاق کے دینی مدارس

خطبۂ استقبالیہ

اور

چند اصلاحی تجاویز

اجلاسِ مجلسِ شوریٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان

بزرگانِ محترم! اضیافِ کرام و مشائخِ عظام۔ سب سے پہلے میں خداوند قدوس کا ہزار بار شکر گذار ہوں کہ جس نے آج اس دور افتادہ گاؤں میں دار العلوم حقانیہ میں اکابر وفاق المدارس کے اکابر وارکان کی ایک قدسی جماعت کے قدوم مبارکہ کی سعادت سے نوازا۔ اس کے بعد میں اکابر وفاق المدارس کا تہہ دل سے ممنون ہوں کہ یہاں کی دور افتادگی اور ہر لحاظ سے بے سروسامانی کے باوجود دار العلوم کے خدام کو ایسے برگزیدہ اجتماع کی میزبانی کا شرف بخشا۔ اس کے ساتھ ہی اس مبارک اجتماع میں تشریف لانیوالے تمام معزز مہمانانِ گرامی کا صمیم قلب سے خیر مقدم کرتا ہوں جنھوں نے وفاق المدارس کی ترقی و استحکام کی خاطر اس دور دراز قصبے کا رخ کیا اور سفر کی صعوبتیں برداشت کیں؛ فجزاکم اللہ عنا وعن سائر المسلمین خیر الجزاء۔

حضرات گرامی! یہ موقع دار العلوم حقانیہ کے لئے عید سعید سے کم نہیں۔ یہاں کے تمام اساتذہ وطلبہ دیدہ و دل بفرش راہ کئے ہوئے ہیں یہاں کا ذرہ ذرہ آپ جیسے گل آفتاب و ماہتاب حضرات سے مستنیر ہونا چاہتا ہے اور ہم سب خلوص ومحبت کی ساری پونجی آپ کے قدموں پر نچھاور کرتے ہیں مگر اس کیساتھ ہمیں اس تقصیر و کوتاہی کا بھی شدت سے احساس واعتراف ہے کہ اس دیہاتی ماحول میں آپ حضرات کے شایانِ شان آرام و راحت کا ہرگز انتظام نہیں کر سکے جس پر ہم نہایت عجز سے آپ سب حضرات سے معذرت خواہ اور عفو ودرگذر کے خواستگار ہیں۔

حضرات کرام! آج ہماری مسرتیں اور خوشیاں اس لحاظ سے بھی دوبالا ہوگئی ہیں کہ اس مبارک اجتماع میں ہمارے قافلہ سالارانِ جہاد حریت کا آخری بقیۃ السلف جرنیل حضرت اقدس مولانا میاں عزیز گل صاحب اسیر مالٹا رفیق و تلمیذ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی قدس سرہ العزیز ہم میں موجود ہیں۔ ان کا وجود گرامی جہاد و حریت، اخلاص و للہیت، علم و تفقہ اور زہد و تقویٰ کے ان عظیم سرچشموں کی طرف متوجہ کر رہا ہے جو ہمارے اسلاف واکابر دیوبند کی شکل میں اس صدی میں کہیں اور نہیں دیکھی گئی۔ پھر ریشمی رومال، مالٹا اور الجزیرہ کے زندان میں قید وسلاسل کی اس عظیم جماعت کی یادگار ہے جو امیر المؤمنین امام المجاہدین سید احمد شہید قدس سرہٗ کی قیادت وسیادت میں حق کا علمبردار بنی اور جنہوں نے اپنے خون

چمنستان اسلام کو سینچا۔ تحریک شیخ الہند کا سرچشمہ یہی جماعت تھی اور آج خوش قسمتی سے آپ جہاں جمع ہیں تو یہ قطعہ زمین یہ سرزمین والا مقام وہ ہے۔ سید احمد شہید اور ان کے رفقاء کے مقدس خون نے سب سے پہلے اسی خطہ کو لالہ زار بنایا اور کئی صدیوں بعد اسلامی حدود و شرائط کے مطابق یہ پہلا جہاد اسلامی تھا جو اکوڑہ خٹک کی سرزمین پر اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے لڑا گیا اور امام حریت و شریعت سید احمد شہید نے اکوڑہ خٹک کی اس رات کو لیلۃ الفرقان قرار دیا۔ بے شک یہاں جو بھی کچھ حقیر سی خدمت دین ہو رہی ہے یہ انہی فدایان شمع رسالت کے خون شہادت کے برگ و بار ہیں اور انہی نفوس قدسیہ کی برکات ہیں جو یہاں کی فضاؤں میں بکھری ہیں۔

بہر زمین کہ نسیمے ز زلف او زدہ است ہنوز از سر آں بوئے مشک می آید

یہ قربانیاں جتنی لافانی تھیں اور یہ جہاد جتنا عظیم اور اکثر تھا اس کے اثرات و برکات بھی قیام عالم تک جاری و ساری رہیں گی۔ یہ دعوت کبھی تحریک دیوبند کبھی تحریک ریشمی رومال اور کبھی آزادی ملک و ملت کی شکل میں ظاہر ہوئی تو کبھی علماء حق کے مدارس و مراکز اور کبھی ان کی تنظیم وفاق المدارس کی صورت میں نشان دعوت و حریت بن کر صفحۂ عالم پر ابھرتا اور پھلتا پھولتا رہے گا۔

اکوڑہ خٹک کی اس چھوٹی سی بستی پر لیلۃ الفرقان میں شہداء اسلام کے خون نے چمنستان اسلام کی جو آبیاری کی آج دنیا کے سب سے بڑے اسلام دشمن سامراج سوویت یونین کے ظلم و عدوان کے مقابلے میں جو طائفہ حقہ آہنی دیوار بنا ہوا ہے اور افغانستان کی سرزمین پر بدر و حنین کی تاریخ رقم کر رہا ہے اس میں ایک بہت بڑی جماعت اور اہم قائدانہ کردار اسی بستی پر قائم اسی ادارہ دار العلوم حقانیہ کے فضلاء اور مستفیدین کا ہے اور شاہ ولی اللہؒ، حضرت سید احمد شہیدؒ، مولانا نانوتویؒ اور بطل اسلام شیخ الہندؒ کا جہاد افغانستان کے پہاڑوں اور وادیوں میں جاری و ساری ہے۔

حضرات اکابرین ملک و ملت! برصغیر پاک و ہند پر برطانوی سامراج کے تسلط کے بعد دینی علوم اور اسلامی فنون کی تعلیم و تدریس کا سلسلہ درہم برہم ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے دین متین اور اسلامی ورثہ کی حفاظت کے لئے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دار العلوم دیوبند اور ان کے قدسی صفات مخلص رفقاء کار سے سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی جیسے صاحب نسبت ولی اللہ کی ہدایات و رہنمائی میں دار العلوم دیوبند اور دیگر مدارس عربیہ کی داغ بیل ڈلوائی۔ یہ نہایت ہی بے سر و سامانی کا عالم تھا اور دین کی کسمپرسی کا عجب حال مگر ان اکابرین وقت نے نہایت نازک صورتحال کا بروقت اندازہ لگایا اور برصغیر کے اطراف و اکناف میں مدارس دینیہ کا ایک جال پھیلا دیا۔ یہ مساعی کارگر ثابت ہوئیں اور برصغیر کا طویل عہد غلامی اور استبداد کے باوجود علوم دینیہ کی ترویج و اشاعت کا سلسلہ جاری ہو گیا اور اسلامی تہذیب و تمدن کا علمی ورثہ علوم اسلامیہ کی شکل میں محفوظ و مامون رہ گیا۔ ان علمی مراکز نے ہزاروں علماء اور رجال کار تیار کیے جنہوں نے برصغیر میں اشاعت کتاب و سنت کے ساتھ ساتھ آزادی وطن، جہاد، حریت، اصلاح معاشرہ اور تنظیم امت کے کام

> ابتدائی تعلیم کے زمانہ سے بچوں کو نوشت و خواند اور حساب سکھانے کا خاص اہتمام کیا جائے

بہترین نمونے تھے اب نظر نہیں آتے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے مدارس سے ہمارے اسلاف کے نمونے پیدا نہیں ہو رہے ہیں الا ما شاء اللہ۔ معاشرے میں علماء کا احترام ان مدارس سے اور یہاں سے فارغ ہونے والے علماء کرام سے روز بروز کم ہوتا جا رہا ہے۔ مدارس کی طرف طلبہ کا رجوع بھی کم ہے۔ کیونکہ جو لوگ سرکاری نظام تعلیم کے مصارف برداشت کر سکتے ہیں وہ اپنی اولاد کو ان مدارس میں بھیجنے سے اس لئے بھی گریز کرتے ہیں کہ ان کو یہاں کی تعلیم و تربیت پر اعتماد نہیں۔ حتیٰ کہ اب تو بہت سے علماء کرام اور دینی مدارس کے مدرسین بھی اپنی اولاد کو دینی مدارس میں بھیجنے سے گریز کرنے لگے ہیں۔

اگر خدانخواستہ ہمارے مدارس میں تعلیم و تربیت کا انحطاط اسی طرح کچھ عرصہ اور جاری رہا تو ان مدارس کا بقا بھی خطرے میں پڑ جائیگا۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان مدارس دینیہ کو جو بیرونی خطرات لاحق ہیں ان کے مقابلے میں یہ اندرونی خطرہ سب سے زیادہ شدید ہے اور اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہ اندرونی خطرہ خود ہمارا پیدا کردہ ہے اور اس کے علاج کی ذمہ داری بھی ہم پر ہی عائد ہوتی ہے۔ لہٰذا ہمیں تینوں شعبوں کی اصلاح کے لئے اپنی بھرپور توجہ مرکوز کر دینی چاہیئے جس کے لئے چند تجاویز پیش خدمت ہیں: (۱) تعلیم: طلبہ کو بالکل ابتدائی تعلیم کے زمانہ ہی سے نوشت و خواند اور حساب کتاب سکھانے کا خاص اہتمام کیا جائے بلکہ ہو سکے تو قرآن کریم ناظرہ کے دوران ہی اس کا اہتمام کسی حد تک کر دیا جائے۔ حفظ کے طلبہ کا وقت لینا تو ممکن نہ ہوگا لیکن ناظرہ کے طلبہ کا کچھ وقت اس کام کے لئے مخصوص کیا جا سکتا ہے اور درس نظامی کے دور اعدادیہ و اولیٰ سے طلبہ کو باقاعدہ تحریر و کتابت کا عادی بنایا جائے اور عربی و اردو میں انشاء کی مشق کرائی جائے۔ (۲) اسباق کی تیاری کے لئے اساتذہ کرام اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے گہرے اور وسیع مطالعے کا اہتمام فرمائیں اور تحقیق مسائل میں وہ معیار واپس لانے کی کوشش فرمائیں جو ہمارے اسلاف کا معیار رہا ہے اور ایسے تمام مشاغل کو ترک کریں جو اس کام میں رکاوٹ کا باعث ہو سکتے ہیں۔ (۳) طلبہ کو مطالعہ اور تکرار کا پابند بنایا جائے اور اس کی باقاعدہ نگرانی کی جائے اور دوسرے مشاغل مثلاً اخبار بینی، جلسے، جلوسوں اور مجالس [illegible] میں گھومنے سے پورے اہتمام کے ساتھ ان کو روک کر ان کی تمام تر توجہ اپنی تعلیم و تربیت پر مرکوز کر دی جائے۔ (۴) درس حتی الامکان اردو زبان میں ہونا چاہیئے تاکہ بعض طلبہ اردو نہ جاننے کے باعث دوسرے ملکوں کے طلبہ سے پیچھے نہ رہ جائیں اور عام یہ ہو کہ قومی زبان کے ذریعے دین کی مفید و وسیع اور مؤثر خدمات انجام دے سکیں جو [illegible] کے لئے

> درس حتی الامکان اردو زبان میں ہونا چاہیئے تاکہ قومی زبان کے ذریعے دین کی مؤثر خدمت ہو سکے

> مدارس کے اندر طلباء عربی زبان میں گفتگو کرنے کی کوشش کی جائے

JAMIA RASHIDIA, (REGD), SAHIWAL

RECEIPTS & PAYMENTS ACCOUNT

FOR THE HIJRI YEAR ENDED 30TH ZILHAJ, 1401

RECEIPTS	AMOUNT Rs.	TOTAL Rs.
OPENING CASH & BANK BALANCES		
Habib Bank Ltd., Grain Market, Sahiwal	430,413.00	
Cash in hand	3,232.67	433,645.67
RECEIPTS DURING THE YEAR		
Donations	103,592.99	
Sale of skins etc.	90,097.50	194,090.49
PROFIT SHARE FROM BANK.		7,270.00
DONATIONS		
Mosque	2,159.29	
Fitrana	23,392.04	
Zakat	409,386.50	
Sadqat	92,863.08	
Tabligh	1,800.00	529,607.91
Income from monthly 'Al-Rashid'		7,215.00
		1,171,829.07

AUDITORS: REPORT: We have audited the Receipts & Payments Ac Account of JAMIA RASHIDIA (REGD), SAHIWAL for the Hijri year ended 30th Zilhaj, 1401 and report that according to the best of our information and explanations given to us, we have found the statement of accounts referred to above true and correct in accordance with the books of the Jamia produced to us.

M.D. [signature]

[signature] — MUHTAMIM | NAZIM | MOHTASIB | KHAZIN

M. Hussain Chaudhury & Co.

CHARTERED ACCOUNTANTS

30 MAY 1982

49-Shahrah Quaide Azam,
LAHORE

PAYMENTS	AMOUNT Rs.	TOTAL Rs.
Students mess expenses	153,290.52	
Salaries of teachers and other staff	272,217.64	
Students stipends & other expenses	68,140.41	
Electric expenses	1,721.62	
Stationery and newspapers	1,279.50	
Travelling expenses	6,138.41	
Tabligh & annual meeting expenses	17,988.00	
Postage, grams and phones	10,245.66	
Masjid expenses	18,485.45	
Building expenses	2,310.00	
Monthly journal 'Al-Rashid' expenses	30,806.25	
Electricity	26,299.09	
Guest expenses	2,550.65	
Audit fee	500.00	
Miscellaneous	2,498.46	
Subscription to teachers federation	1,000.00	
Legal expenses	1,165.00	616,645.46
CAPITAL EXPENSES		
Building Jamia	144,743.41	
Library	12,862.85	157,606.26
CLOSING CASH & BANK BALANCES		
Habib Bank Ltd. Grain Market, Sahiwal C/A 394	284,035.02	
Habib Bank Ltd. Grain Market. PLS.	100,000.00	
National Bank of Pakistan S.B A/c 4/269	3,644.00	
Cash in-hand	9,898.33	397,577.35
		1,171,829.07

(M. Hussain Chaudhury & Co.)
CHARTERED ACCOUNTANTS

کلمات شریفہ حضرت مولانا علامہ محمد شریف صاحب کشمیری مدظلہ

شیخ الحدیث جامعہ خیر المدارس ملتان سابق استاذ دار العلوم دیوبند

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم ، اما بعد ! آج مورخہ یکم شعبان المعظم ۱۴۰۲ھ بروز منگل جامعہ رشیدیہ ساہیوال میں بغرض امتحان حاضری ہوئی۔ الحمد للہ یہاں پہنچنے کے بعد ختم بخاری شریف کے سلسلہ میں یہ تاثر ہوا کہ یہاں تعلیمی معیار درجہ علیا علمی اور وسطیٰ کا بہت بہترین ہے۔ طلبہ کی شکل شباہت اور نشست و برخاست اور تعلیمی انہماک سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعی کسی دینی اور مذہبی درسگاہ کے طالب علم ہیں۔ حضرت ناظم صاحب اور حضرت مولانا عبد اللہ صاحب بمعہ دوسرے اساتذہ کرام کے پوری محنت اور سرگرمی سے مشغول کار ہیں۔ دعا ہے کہ باری تعالیٰ ان بزرگوں کو زیادہ سے زیادہ اخلاص و لِلّٰہیت عطا فرمائے تاکہ یہ مدرسہ دن دوگنی رات چوگنی ترقی کے مدارج طے کرتا جائے۔ محمد شریف کشمیری عفی عنہ

صدر مدرس مدرسہ خیر المدارس ملتان

دار العلوم دیوبند کے علماء کرام میں پیدا ہونے والی رنجشیں ختم کرا دی گئیں

لاہور ۲۶ مئی۔ وفاقی مجلس شوریٰ کے رکن مولانا محمد مالک کاندھلوی اور مولانا عبد القادر آزاد نے آج جامعہ مدنیہ میں ایک پریس کانفرنس میں کہا ہے کہ دار العلوم دیوبند (بھارت) میں علماء کرام میں جو رنجشیں پیدا ہو گئی تھیں وہ ختم کرا دی گئی ہیں اور یہ معاملہ انہوں نے وہاں جا کر بڑی خوش اسلوبی کیساتھ طے کیا وہ بھارت سے چند روز قیام کے بعد واپس آئے تھے اور ان کے دورے کا مقصد دار العلوم دیوبند کے مولانا اسعد مدنی اور قاری محمد طیب کے مابین پیدا ہونے والی رنجشوں کو ختم کرانا تھا۔

انہوں نے بتایا کہ دار العلوم دیوبند کی انتظامیہ کی طرف سے ان کے اعزاز میں ۲۰ مئی جمعرات کو ایک استقبالیہ دیا گیا جس میں علماء دیوبند سے خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر ایک بار پھر شیر و شکر ہونے کی اپیل کی گئی ہے اس تقریب میں قریباً ۱۵۰۰ سو طالب علم اور اڑھائی سو کے قریب اساتذہ شریک تھے چنانچہ جو معاہدہ طے پایا اس کی رو سے دار العلوم ایک ہی رہے گا۔

صدر مہتمم قاری محمد طیب ہوں گے اور مہتمم مولانا مرغوب الرحمٰن ہوں گے جبکہ دستور اور شوریٰ کو انتظامی معاملات میں بالادستی حاصل رہے گی۔ انہوں نے کہا کہ اب دونوں جماعتیں دار العلوم کو چلانے کے معاہدے کی پابند ہیں۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ بھارت کے مسلمان پاکستان کی ترقی اور خوشحالی کے لئے ہر وقت دعا گو رہتے ہیں۔

(جنگ لاہور)

اعلامیہ رشیدیہ

○ جامعہ رشیدیہ ساہیوال باضابطہ رجسٹرڈ ادارہ
حکومت کا مستند خیراتی ادارہ بمطابق نوٹیفکیشن ۱۵ اس نمبر ۱۲۵) آئی ٹی پی ۹۰
مجریہ ۶-۲-۹ وزارت مالیات حکومت پاکستان

○ جامعہ رشیدیہ (رجسٹرڈ) ساہیوال کو دی جانے والی تمام رقومات انکم ٹیکس سے مستثنیٰ ہیں۔

○ جامعہ رشیدیہ رائپوری بزرگوں کی اعتمادی و تعلیمی درسگاہ اور علماء دیوبند کی دانش گاہ۔

بسرپرستی حضرت مولانا الحاج عبد العزیز صاحب مدظلہ رائپوری ابن بانی رشیدیہ حضرت مولانا حافظ محمد صالح صاحب خلیفہ ارشد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس اللہ اسرارہم بیادگار حضرت مولانا حافظ مفتی فقیر اللہ رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ و تلمیذ راشد حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی نور اللہ مرقدہ (اسیر مالٹا) جاری و ساری ہے۔

○ جامعہ رشیدیہ کا نظام تعلیم وفاق المدارس العربیہ پاکستان اور نصاب تعلیم و مسلک حقہ دارالعلوم دیوبند کے مطابق کارفرما اور عملدرآمد ہے۔

ؔ ہوا ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہے ہیں

○ جامعہ رشیدیہ کا جملہ نظام و انصرام و اہتمام اور محاسبی بحمد اللہ وبفضلہ تعالیٰ ہر طرح تسلی بخش اور اطمینان کن ہے۔ ہر مسلمان جامعہ کا حساب و کتاب ملاحظہ کر سکتا ہے۔ گورنمنٹ کے منظور شدہ آڈیٹر جامعہ کا حساب و کتاب چیک کرتے ہیں اور باقاعدہ سالانہ آڈٹ کرایا جاتا ہے۔

○ جامعہ مستقل آمدن ندارد توکل علی اللہ کام چلتا ہے۔ اخراجات ماہانہ پچاس ہزار روپے اور معہ تعمیرات سات لاکھ سالانہ بجٹ ہوتا ہے

جملہ مراسلات بنام

ناظم جامعہ رشیدیہ رجسٹرڈ ساہیوال

پاکستان

Phone
2356

Regd.
3053

MONTHLY. AL RASHID. LAHORE

میقات الصیام ۱۴۰۲ھ

ایام	رمضان المبارک	جون	انتہائے سحر گھنٹے	انتہائے سحر منٹ	افطار گھنٹے	افطار منٹ	عشاء گھنٹے	عشاء منٹ
بدھ	۱	۲۳	۳	۲۲	۷	۱۶	۸	۴۵
جمعرات	۲	۲۴	۳	۲۲	۷	۱۶	۸	۴۵
جمعہ	۳	۲۵	۳	۲۳	۷	۱۶	۸	۴۵
ہفتہ	۴	۲۶	۳	۲۳	۷	۱۷	۸	۴۶
اتوار	۵	۲۷	۳	۲۳	۷	۱۷	۸	۴۶
سوموار	۶	۲۸	۳	۲۳	۷	۱۷	۸	۴۶
منگل	۷	۲۹	۳	۲۴	۷	۱۷	۸	۴۶
بدھ	۸	۳۰	۳	۲۴	۷	۱۷	۸	۴۶
جمعرات	۹	جولائی	۳	۲۵	۷	۱۷	۸	۴۶
جمعہ	۱۰	۲	۳	۲۶	۷	۱۷	۸	۴۶
ہفتہ	۱۱	۳	۳	۲۶	۷	۱۷	۸	۴۶
اتوار	۱۲	۴	۳	۲۶	۷	۱۷	۸	۴۶
سوموار	۱۳	۵	۳	۲۷	۷	۱۷	۸	۴۶
منگل	۱۴	۶	۳	۲۸	۷	۱۷	۸	۴۶
بدھ	۱۵	۷	۳	۲۸	۷	۱۷	۸	۴۶
جمعرات	۱۶	۸	۳	۲۹	۷	۱۶		۴۶
جمعہ	۱۷	۹	۳	۳۰	۷	۱۶		۴۶
ہفتہ	۱۸	۱۰	۳	۳۰	۷	۱۶		۴۶
اتوار	۱۹	۱۱	۳	۳۱	۷	۱۶		۴۶
سوموار	۲۰	۱۲	۳	۳۲	۷	۱۶		۴۶
منگل	۲۱	۱۳	۳	۳۳	۷	۱۵		۴۵
بدھ	۲۲	۱۴	۳	۳۳	۷	۱۵		۴۵
جمعرات	۲۳	۱۵	۳	۳۴	۷	۱۵		۴۵
جمعہ	۲۴	۱۶	۳	۳۵	۷	۱۴		۴۴
ہفتہ	۲۵	۱۷	۳	۳۶	۷	۱۴	۸	۴۴
اتوار	۲۶	۱۸	۳	۳۶	۷	۱۴		۴۴
سوموار	۲۷	۱۹	۳	۳۷	۷	۱۳	۸	۴۳
منگل	۲۸	۲۰	۳	۳۸	۷	۱۳	۸	۴۳
بدھ	۲۹	۲۱	۳	۳۹	۷	۱۲	۸	۴۲
جمعرات	۳۰	۲۲	۳	۳۹	۷	۱۲	۸	۴۲

دیگر اضلاع کا فرق: لاہور − ۵ | سکھر + ۳ | سیالکوٹ − ۶ | پشاور + ۰ | کراچی + ۲۲ | شیخوپورہ − ۲ | ملتان + ۵ | ڈیرہ غازی خان + ۹ | بہاولپور − ۹ | گوجرانوالہ − ۲ | کوئٹہ + ۱۳ | فیصل آباد + ۲ | پنڈی − ۱ | مظفرگڑھ + ۵ | جھنگ + ۲

○ جامعہ رشیدیہ رجسٹرڈ ملک و ملت کا مسلّمہ تعلیمی ادارہ ہے جو پاکستان کے فوقانی مدارس میں معتمد علیہ درسگاہ ہے جس کا نظام ہر طرح تسلی بخش اور خاطر خواہ ہے

○ جامعہ رشیدیہ کے طلبہ آپ کے صدقات و زکوٰۃ عشر کے اولین حق اور بہترین حقدار ہیں از قسم زکوٰۃ و فطرانہ و چرم ہائے قربانی جامعہ رشیدیہ کا حق ہیں

ہو الرشید
جامعہ رشیدیہ ساہیوال کا دینی و تبلیغی مجلہ
ماہنامہ
الرشید
لاہور
بادارت
فاضل حبیب اللہ رشیدی فاضل دیوبند
مدیر الرشید و ناظمِ اعلیٰ جامعہ رشیدیہ رجسٹرڈ، ساہیوال پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

رائے حمید:

حامداً و مصلیاً

احقر نے ناظم اعلیٰ جامعہ رشیدیہ ساہیوال کی دعوت پر جامعہ ہذا کا سالانہ امتحان یکم دو شعبان ۱۴۰۲ھ کو لیا۔ تقریباً سولہ کتب جو مختلف علوم و فنون سے متعلق تھیں ان کا امتحان لیا۔ اکثر و بیشتر طلبہ اعلیٰ درجہ میں کامیاب ہوئے کچھ متوسط درجہ میں، ادنیٰ درجہ میں کامیاب ہونے والے سب سے کم تھے۔ کوئی طالب علم فیل نہیں ہوا۔

بحمد اللہ اکثر و بیشتر طلبہ ذی استعداد و لائق ستائش ہیں۔ مزید برآں اخلاقی حالت و دینی جذبہ بھی قابل رشک دیکھا۔ اللہ تعالیٰ اس چشمہ صافیہ جاریہ کو تا قیامت جاری و ساری رکھے اور مخلوق خدا کو اس سے فیضیاب ہونے کی توفیق عنایت فرمائے اور جس طرح اب تک یہ ادارہ ملک و ملت کی خدمت انجام دیتا رہا ہے اللہ تعالیٰ اس سے بھی کہیں زیادہ اس خدمت کی توفیق ارزانی فرمائے اور عامۃ المسلمین کو ملک و ملت کی خدمت میں جامعہ ھذا سے تعاون کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

عبد الحمید غفرلہٗ جامعہ مدنیہ لاہور

۲ر شعبان المعظم ۱۴۰۲ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

الرائے الصدیق:

بندہ ناچیز نے جامعہ رشیدیہ ساہیوال کے طلبہ کا امتحان لیا۔ دورہ حدیث شریف سے لیکر علم الصیغہ کے درجہ تک کی ہر جماعت کے امتحان کا اتفاق ہوا۔ جس چیز کو میں نے شدت سے محسوس کیا بلا تکلف عرض کرتا ہوں:

- نصاب کی کتب کو پورا کرنیکا اہتمام ہونا چاہیئے۔ اگر متعلقہ استاد کے پاس وقت کم ہو تو وقت پورا دینا چاہیئے۔
- بعض طلبہ اپنی استعداد کی بناء پر کامیاب ہوئے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ سالانہ تعلیم ختم کر کے تکرار کرانے کا اہتمام نہیں کیا گیا۔
- بعض طلبہ ماشاء اللہ بہت اچھی استعداد رکھتے ہیں۔ ان کی تعلیمی و اخلاقی حالت دیکھ کر ان کو ترقی کی طرف لے جانا ضروری ہے۔
- طلباء کی کثرت کا تقاضا ہے کہ اسباق سننے کے لئے وقت استاد کے پاس زیادہ ہو۔ تاکہ جامعہ کا معیار تعلیمی حسب سابق برقرار رہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس جامعہ کو ہمیشہ آباد اور ترقی پر رکھے اس کے سب منتظمین واساتذہ و معاونین کو اخلاص کامل نصیب ہو۔
- جملہ اساتذہ و طلبہ کی خدمت میں درخواست ہے کہ حضرت الاستاد شیخ الحدیث مدظلہٗ کے وجود بابرکات کو اپنے لئے نعمتِ عظمیٰ سمجھیں۔ ان کی تعلیمی اصلاحی ہدایات پر سختی سے کاربند ہوں۔ بندہ محمد صدیق غفرلہٗ ناظم جامعہ خیر المدارس ملتان

3/7/82

بیادگار : حضرت مولانا حافظ مفتی فقیر اللہ رحمہ اللہ رائپوری بانی جامعہ رشیدیہ

ماہنامہ

الرشید

شمارہ: ۹
رمضان ۱۴۰۲ھ

جلد: ۱۰
جولائی ۱۹۸۲ء

مدیر اعلیٰ
فاضل حبیب اللہ

مدیر مسئول و ناشر
عبدالرشید ارشد

مقام اشاعت
۳۲ اے شاہ عالم مارکیٹ لاہور

سالانہ چندہ : ۲۴/- روپے
فی شمارہ : ۲/- روپیہ

خطاط
حزب اللہ خالد

پرنٹر
منہاج الدین اصلاحی
شرکت پرنٹنگ پریس نسبت روڈ لاہور

آئینہ مضامین

فاضل حبیب اللہ رشیدی

راشدات

عبدالرشید ارشد

صدر مملکت کی خدمت میں

اسلام کی چاروں عبادتیں نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج مخصوص وقت اور مخصوص مکان سے تعلق رکھتی ہیں۔ نماز ہر بالغ پر روزانہ پانچ وقت فرض ہے اور اسکو باجماعت مسجد میں ادا کرنا ضروری ہے الاّ یہ کہ کوئی عذر ہو۔ روزے پورے رمضان کے مہینے کے فرض ہیں۔ زکوٰۃ کے لئے مقررہ رقم پر سال گذرنا شرط ہے اور حج مقررہ دنوں میں مخصوص جگہ یعنی عرفات اور مسجد حرام میں ادا کیا جاتا ہے۔ نماز اگرچہ پوری روئے زمین پر ادا کی جاسکتی ہے لیکن جو جگہ اس کے لئے متعین کر دی جائے اسکو مسجد کے نام سے پکارا جاتا ہے اور جس جگہ مسجد بن جائے وہ قیامت تک کے لئے مسجد ہی رہے گی اسکو نہ بیچا جاسکتا ہے اور نہ خریدا جاسکتا ہے اور اس کا اتنا احترام ہے کہ کوئی ایسا شخص جس پر غسل واجب ہو اس کے لئے مسجد میں داخل ہونا حرام ہے اور اس کا احترام اس قدر مسلم ہے کہ اگر لوگ مسجد کو لہو ولعب کے لئے استعمال کریں تو اس گئے گذرے دور میں بھی مسلمان اس کو برداشت نہیں کر سکتے۔ حتیٰ کہ اگر مسجد کے سامنے سے لوگ باجا وغیرہ بجاتے ہوئے گذریں تو مسلمان اسکو بھی برداشت نہیں کرتے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ آج "دارالاسلام" پاکستان میں مساجد کی دکانیں ایسے لوگوں کو کرایہ پر دیدی جاتی ہیں جو وہاں ریڈیو پر گانے سنتے ہیں جبکہ ہندوستان میں آج بھی مسلمان ہندوؤں کو مسجد کے سامنے سے باجا بجاتے ہوئے گذرنے نہیں دیتے اور اس پر اپنی جان تک قربان کر دیتے ہیں۔

حج کی عبادات ایسی ہیں کہ جب اس کے لئے احرام باندھ لیا جائے تو نہ صرف بہت سے جائز بلکہ مستحب کام بھی حرام ہو جاتے ہیں بلکہ دو نمازوں کے اوقات بھی مقدم مؤخر ہو جاتے ہیں اور مکہ معظمہ کے ارد گرد تو کئی کئی میل تک ایسی جگہیں ہیں کہ جہاں کسی جانور کا شکار کرنا گھاس کاٹنا جائز نہیں اور ان حدود سے آگے کسی غیر مسلم کا جانا ممنوع ہے۔

قرآن پاک میں ہے: انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامہم ھذا

ترجمہ: مشرکین ناپاک ہیں اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب نہ جائیں۔

تمام مساجد اللہ کا گھر ہیں کسی میں بھی کوئی شخص چاہے وہ مسلم ہی کیوں نہ ہو حالت جنابت میں داخل نہیں ہو سکتا لیکن سب سے بیت اللہ خانہ خدا کہا جاتا ہے کہ جس کی طرف منہ کر کے تمام روئے زمین اور مساجد میں نماز ادا کی جاتی ہے اس کی حدود میں کوئی نجس یعنی خدا کا باغی "کافر" داخل نہیں ہو سکتا اور خاص بیت اللہ یا تمام مساجد میں ظاہری نجاست رکھنے والا داخل نہیں ہو سکتا۔

شہر رمضان بھی عبادت کا مہینہ ہے اور اس مہینے کے تمام دن طلوع سحر سے لیکر غروب شمس تک عبادت کے لئے اسی طرح ظرف زمان ہیں جس طرح مسجد ہمیشہ ہمیشہ کے لئے عبادت کے لئے ظرف مکان ہے۔ تو جس طرح ظرف مکان کا ادب و احترام ہے کہ اس میں لہو ولعب جائز نہیں ناپاک لوگ داخل نہیں ہو سکتے۔ اگر مسجد کو تفریح گاہ یا پکنک منانے کی جگہ بنا لیا جائے تو وہ جائز نہیں اور اسپر قدغن ہے اور اگر کوئی ایسی بات ثابت ہو جائے تو مسلمان اسکو برداشت نہیں کرسکتے کہ یہ شعائر اللہ ہیں اور شعائر اللہ کی توہین بہت بڑا جرم ہے اور اس کی سزا انتہائی سنگین۔ جس کی ایک مثال قرآن پاک میں بم رکھنے کا واقعہ ہے اور جس کے مجرم کو عدالت نے بہت بڑی سزا دی ہے (جو ہمارے نزدیک کم ہے) اسی طرح عبادت کے زمانے یعنی رمضان کے دنوں میں لوگوں کے سامنے کھلم کھلا کھانا پینا بھی شعائر اللہ کی توہین ہے۔ اگر مسجد میں لوگ خصوصاً جماعت کے وقت تاش یا کبڈی کھیلنے لگیں تو یہ جرم ناقابل معافی ہے۔ بعینہٖ اسی طرح رمضان کے دنوں میں جو لوگ بر سر عام کھائیں پئیں وہ خدا کے اور اسلام کے باغی ہیں اور ان کی سزا سخت سے سخت ہونی چاہیئے اور یہی وجہ ہے کہ بعض فقہاء نے ایسے شخص کی سزا موت رکھی ہے کہ باغی کی سزا موت ہے۔ لیکن اس جگہ اس بات کو ملحوظ رکھا جائے کہ اسلام نے جن جن جرائم میں سزائے موت رکھی ہے وہاں کسی فرد واحد کو یا عام لوگوں کو قطعاً قطعاً یہ اجازت نہیں دی کہ وہ خود ہی لوگوں کو سزائیں دینے لگیں بلکہ اس کی سزا عدالت بعد از ثبوت دے گی۔

یہاں ایک مثال کا ذکر ضروری ہے کہ ایک شخص نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر کہا کہ اگر میں کسی کو اپنی...... کا مرتکب پاؤں تو کیا اس کو قتل کر دوں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیوں؟ صحابی نے کہا اس لئے کہ میں بہت غیرت مند ہوں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اسکی اجازت نہیں اس نے پھر کہا کہ میں با غیرت ہوں تو حضور نے فرمایا انا اغیر منک میں تجھ سے زیادہ غیرت مند ہوں اور پھر فرمایا واللہ اغیر منی اور اللہ تعالیٰ مجھ سے زیادہ غیرت مند ہے۔ (مفہوم) اس حدیث کے مفہوم کو ذکر کرنیکا مطلب یہ ہے کہ عامۃ الناس کو اس کی اجازت نہیں دی جا سکتی کہ وہ خود ہی سزائیں دینے لگیں اس کے لئے عدالت اور حکومت ضروری ہے۔

تو یہاں ہم صدر مملکت سے گذارش کریں گے کہ ہمارے موجودہ قانون میں کوئی ایسی دفعہ یا شق موجود نہیں ہے کہ جس میں روزہ یا رمضان کی بے حرمتی کرنیوالے کی کوئی سزا مقرر ہو۔ لہٰذا انہیں چاہیئے کہ وہ ایک آرڈیننس یا مارشل لاء کے کسی نئے ضابطے کے ذریعے رمضان میں بر سر عام کھانے پینے والوں کی بیخ کنی کریں اور ایسی سخت سزا کا اعلان کریں کہ کوئی رمضان کی بے حرمتی تو کجا اس کا تصور تک نہ کرسکے۔ عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ لوگ ادھر ادھر پھرتے سگریٹ کے کش لگاتے اور دھواں چھوڑتے نظر آتے ہیں اور اگر کوئی عام شخص کسی ایسے شخص کو روک کے ٹوک کے توجہ دلائے تو وہ شرمندہ نہیں ہوتے بلکہ الٹا مذاق اڑاتے ہیں۔ اور اسی طرح دفاتر میں بھی چائے اور سگریٹ کا دور چلتا ہے اور

خود وہ لوگ جو قانون کو نافذ کرنے کے ذمہ دار ہیں بازار میں کھاتے پیتے نظر آتے ہیں اور ہم نے بعض ایسے بہت سرکردہ سیاسی لیڈروں کے متعلق سُنا ہے کہ وہ اپنے بنگلوں میں میٹنگیں بلاتے اور وہاں خود بھی کھاتے پیتے ہیں بلکہ اپنے مہمانوں کی بھی تواضع کرتے ہیں اور بے روزہ لوگ بسوں کے اڈوں یا سٹیشن کی حدود میں یا پلیٹ فارم پر جاکر خورد و نوش کرتے ہیں۔ اور خود کو مسافر ظاہر کرتے ہیں۔ ایسے لوگ بھی مجرم ہیں ان کی نگرانی بھی ضروری ہے اور کسی ایسے شخص کو اگر کھاتے پیتے دیکھا جائے جس کے پاس مسافر ہونے کا ثبوت یعنی ٹکٹ نہ ہو اسے بھی گرفتار کیا جائے۔ اور پھر سزا جرمانے ہی پر موقوف نہ ہو۔ اسلامی نظریاتی کونسل یا ملک کے پانچ چھ بڑے مدارس کے مفتیان کرام سے فتویٰ لیا جائے کہ ان کی کیا سزا ہونی چاہیئے۔ اخبارات اور ذرائع ابلاغ پر بھی پابندی ہو کہ وہ ایسے پروگرام ڈرامے یا تصویریں شائع یا نشر نہ کریں جو رمضان المبارک اور "دارالاسلام" کا مذاق اڑائیں۔ پورا رمضان سینما بند رہیں، فائیو سٹار ہوٹلوں کی کڑی نگرانی کی جائے کہ عام ریستوران تو بند کروا دیئے جاتے ہیں لیکن بڑے ہوٹل کھلے رہتے ہیں اور لوگ وہاں جاکر اپنے کو مریض یا مسافر ظاہر کرکے کھاتے ہیں۔ اور بے غیرتی کی حد یہ کہ بعض لوگ اپنے کو غیر مسلم بھی ظاہر کر دیتے ہیں۔ پورے مہینہ میں پورے ملک میں عبادت کا سماں نظر آئے جیسا کہ سرحد، بلوچستان میں ہوتا ہے۔

عام دنوں میں جو دفاتر میں کام ہوتا ہے وہ معلوم ہی ہے کہ مجموعی طور پر دو تین گھنٹے کا کام ہوتا ہے لیکن وہ آٹھ گھنٹے میں پورا کیا جاتا ہے۔ رمضان میں دفاتر کے اوقات کم کر دیئے جائیں۔

اسلام کا نام ہمارے ملک میں ۳۵ برس پہلے سے لیا جا رہا ہے۔ اب کام بھی نظر آنا چاہیئے اور ہم صدر مملکت کی خدمت میں عرض کریں گے کہ جو شخص رمضان کے مہینے میں بر سر عام کھاتا پیتا ہے وہ ایسے ہی ہے جیسا کہ مسجد میں کبڈی کھیلی جائے۔ اگر یہ بات مسلّم ہے کہ مسجد عبادت کے لئے ظرف مکان ہے تو بالکل اسی طرح رمضان المبارک کے تمام دن عبادت کے لئے ظرف زمان ہیں۔ ان اوقات کا بھی اسی طرح احترام کرنا چاہیئے۔

ہم امید کریں گے کہ صدر مملکت اسطرف خصوصی توجہ فرماکر عنداللہ و عندالناس ماجور و مشکور ہوں گے۔

اور اس ضمن میں ایک گذارش یہ بھی کریں گے کہ ریڈیو پاکستان کے کسی ایک سٹیشن کو اس کے لئے مخصوص کر دیا جائے کہ اس سٹیشن سے شب و روز قرآن پاک کی تلاوت ہوتی رہے۔ جیسا کہ جمال عبدالناصر مرحوم نے مصر میں ایک ریڈیو سٹیشن مخصوص کر دیا تھا اور جہاں سارا سال شب و روز کا اکثر حصہ قرآن پاک کی تلاوت ہوتی رہتی ہے۔ اور اب سعودی عرب میں بھی ایک ریڈیو سٹیشن اسی کے لئے وقف ہے۔ ہم اگر ایسا نہیں کرسکتے تو رمضان المبارک میں تو ریڈیو سٹیشن نمبر ۲ کو اس کے لئے مخصوص کرسکتے ہیں۔

اور آخر میں مسلمانان پاکستان سے گذارش ہے کہ وہ تمام کام حکومت ہی پر نہ چھوڑ دیں بلکہ وہ خود اپنے اپنے محلہ اور قریہ میں نوجوانوں کی ایسی جماعتوں کا قیام عمل میں لائیں کہ جو لوگوں کو رمضان کی برکات سے آگاہ کریں اور اپنے اپنے

حلقے میں اس بات کا اہتمام کریں کہ ان کے ہاں رمضان المبارک کا مکمل تقدس و احترام ہو۔ تمام بالغ افراد روزے رکھیں اور اگر کوئی اپنے آپ کو اس کا پابند نہیں کر سکتا تو پھر کم از کم وہ اتنا ضرور کرے کہ کسی کو معلوم نہ ہو کہ اس کا روزہ نہیں ہے۔

ایک وضاحت

جمادی الاول ۱۴۰۲ھ کے شمارے میں قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت کی کتاب "تاریخ جمعیۃ علماء ہند جلد ا" پر تبصرہ ہوا تھا۔ جمعیۃ کے مختلف سالانہ اجلاس کی صدارت اسوقت کی اہم شخصیات نے کی۔ اس جلد میں جن شخصیات کے خطبات صدارت موجود ہیں ان کے اسماء گرامی کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت علامہ انور شاہ کاشمیریؒ کا نام تبصرہ میں سہواً رہ گیا جس پر تاہیں دیوبند (انڈیا) سے خط آیا کہ ۱۹۲۸ء میں علامہ مرحوم کے خطبہ کا ذکر نہیں یہ اجلاس ۲ تا ۴ دسمبر ۱۹۲۷ء پشاور میں منعقد ہوا تھا۔ اسی کتاب پر ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد کے ماہنامہ "فکر و نظر" کے حالیہ شمارے میں تبصرہ ہوا ہے اور اس میں بھی یہ سہو ہو گیا ہے کہ حضرت علامہؒ کا ذکر نہیں ہو سکا کتاب مذکورہ میں حضرت علامہ کشمیریؒ کا خطبہ صدارت ۲۰×۲۶ سائز کے صفحہ ۳۸۶ سے شروع ہو کر ص ۴۵۱ پر ختم ہوا ہے۔ ہم اس سہو پر قومی ادارہ برائے تحقیقات اسلامی سے معذرت خواہ اور حضرت علامہؒ کے صاحبزادگان کے شکر گزار ہیں کہ انہوں نے ہماری توجہ اس طرف مبذول کرائی۔

بقیہ دینی مدارس کی عظمت

کوئی بھی اس کا مستقل ذریعہ آمدنی نہیں ہے۔ میرا اپنا تعلق ہے حضرت مولانا عبدالحق صاحب سے۔ ان کی کوئی آمدنی نہیں ہے مستقل۔ آج ہے پتہ نہیں کل ہے کہ نہیں۔ سب توکلاً علی اللہ کام چل رہا ہے۔ پھر آپ دیکھتے ہیں کہ زمین پر بیٹھ کر یہ طلباء و علماء پڑھ رہے ہیں۔ خالص دینی ماحول ہے۔ جو ماضی کی شاندار روایات کی یاد دلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس دارالعلوم کو بھی مزید ترقی عطا فرمائے۔ اور دیگر دینی مدارس کو بھی دین کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔ آپ حضرات کو بھی اپنے فضل سے نوازے اور حکومت کے ہر شعبہ میں دنیا کے ساتھ ساتھ دین کو بھی صحیح مقام دینے کی توفیق عطا فرمائے۔ تاکہ ہمارا یہ ملک عالم اسلام کے لئے ایک نمونہ بن سکے۔

(الحق)

روزہ کے مقاصد اور زندگی پر اس کے اثرات

مولانا سلیع اللہ رشیدی نائب ناظم جامعہ

انسانی جسم دو چیزوں کا مجموعہ ہے روح و جسم روح اسکو اپنے اصل منبع اور سرچشمہ کی طرف کھینچتی ہے انسان کو اس کا منصب اور مقصد اور فریضہ یاد دلاتی ہے۔ انسان کے سامنے ایسا روزن کھولتی ہے جس سے وہ ایک نئے عالم کی وسعت بلندی اور لطافت کا مشاہدہ کر سکے اور اس کی طبیعت میں ایک ایسا شوق پیدا کرتی ہے جس سے وہ لامحدود وسعتوں میں پرواز کر سکے۔ روح انسان کو دعوت دیتی ہے کہ انسان کبھی کبھی (خواہ سال میں ایک ہی مرتبہ ہو) خورد و نوش اور عادت و حاجت کے اس بندھے ٹکے نظام سے آزاد ہو کر زندگی کے چند لمحے گذارے۔ اسباب رزق کی فراوانی کے باوجود بھوک و پیاس کا مزہ چکھے اور اس میں وہ لذت محسوس کرے جو انواع و اقسام کے لذیذ ترین کھانوں میں بھی محسوس نہیں ہوتی۔ اور اس مختصر عرصہ کو جو فراغ خاطر سکون قلب صفائے نفس معدہ کی سبکساری و لطافت روح کی بالیدگی خواہشات نفس سے آزادی اور زندگی کے خشک فرسودہ یکساں اور بے رنگ نظام سے تھوڑے عرصہ کیلئے علیحدگی گزارتا ہے۔ زندگی کی اصل قیمت اور نفس کی تازگی مسرت و انبساط کا بہترین وقت قرار دیتی ہے جس طرح کوئی پرندہ دن بھر کے سفر کے بعد شام کو اپنے آشیانہ کے لئے بے قرار ہوتا ہے یا مچھلی پانی کے لئے اس طرح روح بے قرار رہتی ہے جو کہ عالم غیب سے اور عالم قدس سے اس جسم کی طرف منتقل ہوتی ہے۔

کما قال اللہ: ویسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربی۔ (سورۃ بنی اسرائیل)

جب روح کی گرفت انسان پر کمزور پڑ جاتی ہے تو زمام اقتدار جسم کے ہاتھوں میں آجاتی ہے تو پھر انسان خواہش نفس اور لذت پسندی کے دھارے میں بالکل بے قابو ہو کر بہنے لگتا ہے اور آوارہ مویشیوں کی طرح ہر جگہ منہ مارنے لگ جاتا ہے اور عقل و دستور طب و صحت اور قانون شریعت کی تمام حدود کو توڑ دیتا ہے اس کی تمام فکریں صرف اسی فکر میں ڈھل جاتی ہے وہ صرف اس لئے کھاتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ کھا سکے اور عیش و عشرت میں زندگی بسر کر سکے

کما قال اللہ تعالیٰ: والذین کفروا یتمتعون و یاکلون کما تاکل الانعام والنار مثوی لھم (سورۃ محمد)

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مخصوص انداز میں اس حقیقت پر روشنی ڈالتے ہوئے احیاء العلوم ج۱ ص ۲۱۲ پر تحریر فرمایا کہ روزہ کا مقصد یہ ہے کہ آدمی اخلاق الٰہیہ میں سے ایک خلق کا پرتو اپنے اندر پیدا کرے جس کو صمدیت

کہتے ہیں وہ امکانی حد تک فرشتوں کی تقلید کرتے ہوئے خواہشات سے دست کش ہو جائے اس لئے کہ فرشتے بھی خواہشات سے پاک ہیں اور انسان کا مرتبہ بھی بہائم سے بلند ہے نیز خواہشات کے مقابلہ کے لئے اسکو عقل و تمیز کی روشنی عطا کی گئی ہے البتہ وہ فرشتوں سے اس لحاظ سے کم تر ہے کہ خواہشات اکثر اس پر غلبہ پالیتی ہیں اور اسکو ان سے آزاد ہونے کے لئے سخت مجاہدہ کرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ جب وہ اپنی خواہشات کی رو میں بہنے لگتا ہے تو اسفل سافلین تک جا پہنچتا ہے اور جانوروں کے ریوڑ سے جا ملتا ہے اور جب اپنی خواہشات پر غالب آتا ہے تو اعلیٰ علیین اور فرشتوں کے آفاق تک جا پہنچتا ہے۔

علامہ ابن قیم اسی بات کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

روزہ سے مقصود یہ ہے کہ نفس انسانی خواہشات اور عادتوں کے شکنجہ سے آزاد ہو سکے اس کی شہوانی قوتوں میں اعتدال اور توازن پیدا ہو اور اس ذریعہ سے وہ سعادت ابدی کے گوہر مقصود تک رسائی حاصل کر سکے اور حیات ابدی کے حصول کے لئے اپنے نفس کا تزکیہ کر سکے بھوک اور پیاس سے اس کی ہوس کی تیزی اور شہوت کی حدت میں تخفیف پیدا ہو اور یہ بات یاد آئے کہ کتنے مسکین ہیں جو نان شبینہ کے محتاج ہیں وہ شیطان کے راستوں کو اس پر تنگ کر دیتا ہے اور اعضاء و جوارح کو ان چیزوں کی طرف مائل ہونے سے روک دیتا ہے جن میں کہ دنیا و آخرت دونوں کا نقصان ہے اس لحاظ سے یہ روزہ اہل تقویٰ کی لگام مجاہدین کی ڈھال اور ابرار مقربین کی ریاضت ہے نیز روزہ جوارح ظاہری اور قوائے باطنی کی حفاظت میں بڑی تاثیر رکھتا ہے۔ فاسد مادہ کے جمع ہونے سے انسان میں جو خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں روزہ ان سے اس کی حفاظت کرتا ہے۔ جو چیزیں مانع صحت ہیں ان کو خارج کر دیتا ہے اور اعضاء و جوارح میں جو خرابیاں ہوا و ہوس کے نتیجہ میں ظاہر ہوتی رہتی ہیں وہ اس سے دفع ہوتی ہیں۔ روزہ صحت کے لئے مفید اور تقویٰ کی زندگی اختیار کرنے میں بہت مفید و معاون ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یا ایھا الذین امنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: الصوم جنۃ۔

روزہ کے مصالح اور فوائد چونکہ عقل سلیم اور فطرت صحیحہ کی رو سے مسلّم تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی حفاظت کی خاطر محض اپنی رحمت اور احسان سے روزہ فرض فرمایا۔ (زاد المعاد ج ۱ ص ۱۵۲)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ روزہ چونکہ ایک عمومی اور اجتماعی شکل کی حیثیت رکھتا ہے اس لئے وہ رسم کی دسترس سے محفوظ ہے۔ مسلمانوں کے مختلف طبقوں اور مختلف جماعتوں کا ایک وقت میں ایک چیز پر اجماع اور اجتماع جس میں ایک دوسرے کو سب دیکھتے ہیں روزہ کو ان کے لئے آسان بنا دیتا ہے اور اس سے ان کو بہت ہمت افزائی ہوتی ہے۔ اسی طرح ان کی یہ اجتماعیت خواص و عوام دونوں کے لئے ملکوتی برکتوں کے نزول کا باعث

باقی صفحہ پر

قسط چہارم

از حضرت علامہ خالد محمود صاحب
ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر

روایت بالمعنیٰ سے حتی الوسع احتراز

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نضر اللّٰہ إمرأ سمع منا حدیثاً فبلغہ کما سمعہ (سنن دارمی ص۶۹) اللہ تعالیٰ اس شخص کو سرسبز فرمائے جس نے میری کوئی بات سُنی اسے یاد رکھا اور اسے آگے اسی طرح نقل کیا جیسا کہ اس نے سُنا تھا۔۔۔ سو چاہیئے کہ حدیث کو اسی طرح روایت کرے جیسا کہ اس نے سُنا۔ اس میں کوئی تبدیلی نہ کرے۔

صحابہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ اتباعِ لفظی کے قائل تھے لیکن حضرت واثلہ بن الاسقعؓ روایت بالمعنیٰ کو جائز سمجھتے تھے۔ فرماتے ہیں: اذا حدثنا کم بالحدیث علی معناہ فحسبکم (شرح السنۃ للبغوی ص۲۳۴ ج۱)

امام ابوحنیفہؒ گو روایت باللفظ پر زور دیتے ہیں لیکن مفہوم کی روایت میں نفس جواز کے قائل تھے۔

ائمہ اربعہ اور اکثر محدثین اور علماء اصول روایت بالمعنیٰ کو جائز سمجھتے ہیں۔ امام سفیان ثوری (۱۶۱ھ) کہتے ہیں ان قلت إنی حدثتکم کما سمعت فلا تصدقونی فانما ھو المعنیٰ۔ اگر میں کہوں کہ میں نے حدیث تمہارے سامنے اسی طرح روایت کی ہے جیسے میں نے سُنی تھی تو میری تصدیق نہ کرنا جو میں روایت کر رہا ہوں وہ تو اس کا معنیٰ ہے۔ اور امام وکیعؒ (۱۹۷ھ) کہتے ہیں وإن لم یکن المعنیٰ واسعا فقد ھلک الناس (شرح السنۃ للبغوی ص۲۳۸ ج۱) اگر روایت بالمعنیٰ کی گنجائش نہ ہو تو لوگ بے شک ہلاک ہو جائیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: والاکثر ون علی الجواز ومن اقوی حججہم الاجماع علی جواز شرح الشریعۃ للعجم بلسانہم للعارف الی بخواص التراکیب ومفہومات الخطاب وعالم بالعربیۃ وماھو فی اسالیب الکلام۔ اکثر علماء اس کے جواز کے قائل ہیں اور ان کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ عجمی ممالک کے لوگوں کے لئے ان کی زبانوں میں شریعت بیان کرنا بالکل جائز ہے ہاں یہ اس کے لئے ہے جو خواص ترکیب کلام اور مفہومات خطاب کو پہچانتا ہو عربیت کا عالم ہو اور اسالیب کلام میں مہارت رکھتا ہو۔

صدر الشریعۃ توضیح میں لکھتے ہیں۔ اگر حدیث محکمات میں سے ہے کہ نہ محتمل تاویل ہے اور نہ محتمل نسخ تو ایسی حدیث کو بالمعنیٰ روایت کرنا صرف ان حضرات کو درست ہے۔ جو علم لغت سے کما حقہ واقف ہیں اور جس حدیث میں

احتمال تاویل ہو تو ایسی حدیثوں کو بالمعنیٰ روایت کرنا صرف فقہاء و مجتہدین کے لئے جائز ہے اور اگر حدیث جوامع الکلم میں سے ہے یا اس میں کوئی لفظ مشترک یا مجمل یا متشابہ ہے تو اس کو بالمعنیٰ روایت کرنا کسی کے لئے جائز نہیں۔

روایت بالمعنیٰ کی یہ اجازت اس دور میں تھی جب حدیث زیادہ تر حفظ و سماع سے بیان ہوتی تھی اور محدثین ماہرین فن اور عارفین رواۃ تھے اور اب جبکہ علم مدون ہو چکا ہے کتابیں لکھی جا چکی ہیں اور ان پر تحقیقی کام بھی بہت ہو چکا ہے تو اب ماسوائے ترجمہ کی ضرورت کے حدیث کو روایت بالمعنیٰ نہ کیا جائے۔ قاضی عیاض نے اس سے منع کیا ہے۔

کثرت روایت سے حتی الوسع احتراز

حدیث بیان کرنے میں پوری احتیاط کرنی چاہیئے۔ صحابہ کبر سنی (بڑھاپے) میں جب خود محسوس کرتے کہ اب روایت صحیح نہ ہو سکے گی تو صاف کہہ دیتے کہ ہمیں اب حدیث پر ضبط نہیں رہا۔ حضرت زید بن ارقمؓ نے ایک موقع پر صاف فرما دیا تھا:

کبرنا ونسینا والحدیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شدید (مقدمہ مشکوٰۃ ص۱۰)

ترجمہ: "اب ہم بوڑھے ہو گئے اور بھولنے لگے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث روایت کرنا تو ایک بڑا اہم معاملہ ہے" حافظ ابن عبد البر مالکیؒ، امام شافعیؒ سے نقل کرتے ہیں: کان مالک اذا شک فی الحدیث طرحہ کلہ (التمہید ص۶۳ ج۱) امام مالکؒ کو جب کسی حدیث کی روایت میں کوئی شک ہو جاتا تو وہ اس پوری کی پوری روایت کو چھوڑ جاتے۔ اسی سے آپ محدثین کی احتیاط فی الحدیث کا اندازہ لگائیں۔ کثرت روایت سے احتراز اسی احتیاط کے لئے تھا

بعض محدثین اسی وجہ سے اکثار الحدیث (حدیث کثرت سے روایت کرنا) کے خلاف تھے کہ اس میں احتیاط نہیں رہ سکتی۔ امام بغویؒ (۵۱۶ھ) لکھتے ہیں: قولہ لذلک کرہ قوم من الصحابۃ والتابعین اکثار الحدیث عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم خوفا من الزیادۃ والنقصان والغلط فیہ حتی ان من التابعین کان یہاب رفع المرفوع فیوقفہ علی الصحابی ویقول الکذب علیہ اھون من الکذب علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ومنہم من یسند الحدیث الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی اذا بلغ بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال "قال" ولم یقل رسول اللہ ...... وکل ذلک ھیبۃ للحدیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وخوفا من الوعید۔ (شرح السنۃ جلد ۱ ص۲۵۵، ۲۵۶)

صحابہ اور تابعین میں سے کچھ حضرات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث کثرت سے روایت کرنا مکروہ سمجھتے تھے یہ اس اندیشے سے تھا کہ آپ سے روایت کرنے میں زیادتی کمی اور کہیں غلطی نہ ہو جائے ۔ یہاں تک کہ بعض ایسے تابعین بھی تھے جو حدیث کو مرفوع (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی ہوئی) بیان کرنے سے ڈرتے تھے اور اسے صحابی پر ہی (جو اسے روایت کر رہا ہو) موقوف کر دیتے تھے (گویا کہ یہ صحابہ کا ہی ارشاد ہے) اور کہتے تھے کہ کوئی بات صحابی

کے بارے میں غلط ہو جائے یہ اس سے آسان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے کوئی بات زبان سے غلط نکل جائے اور ان میں ایسے بھی تھے جو حدیث کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتے لیکن جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتے تو صرف "قال" (انہوں نے کہا) کہہ کر بیان کر دیتے۔ "قال رسول اللہ" نہ کہتے۔ اور یہ سب کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث بیان کرنے میں آپ کی ہیبت اور جلال سے ہوتا اور اس وعید سے (جس میں آپ نے فرمایا کہ جو شخص میرے نام سے کوئی ایسی بات کہے جو میں نے نہ کہی ہو تو اسے چاہیئے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے) سے ڈرنے کی وجہ سے ہوتا تھا۔

یادداشت کی بجائے تحریر سے روایت کرنا

اگر کسی صحابی، تابعی، امام یا راوی حدیث کے پاس کوئی باوثوق تحریر ہو۔ اس نے وہ تحریر خود اپنی یادداشت سے لکھی ہو اس کے پاس محفوظ ہو اور اسے پوری طرح یاد ہو کہ یہ تحریر اسی کی ہے اور وہ اسے پہچانتا ہو یا اس نے وہ تحریر اپنے شیخ یا اپنے باپ یا دادا سے لی ہو اور اس تحریر پر اس اوپر کے راوی کے دستخط یا اس کی توثیق کسی پیرایہ میں درج ہو۔ اور پچھلا راوی اب حدیث کو اپنی یادداشت سے نہیں بلکہ اس تحریری دستاویز سے روایت کرے تو جائز ہے؟

ہاں جائز ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو ابن العاص (۶۷ھ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو مجموعہ احادیث لکھا تھا اور وہ صحیفہ جس کا نام "الصادقہ" تھا۔ پھر آپ کی اولاد میں منتقل ہوتا رہا۔ آپ کے پوتے اور پڑپوتے اس دستاویز سے ہی ان احادیث کو آگے روایت کرتے رہے۔

یحییٰ بن سعید القطان عمرو بن شعیب کی روایت کو اسی لئے کمزور سمجھتے رہے کہ وہ اپنے دادا عبداللہ بن عمرو کے تحریر کردہ مجموعے سے احادیث کو روایت کرتے ہیں (یادداشت سے نہیں) لیکن اکثر اہل علم اس طرح روایت کرنے کو ناجائز نہیں سمجھتے۔ امام ترمذیؒ لکھتے ہیں:

قد تکلم یحییٰ بن سعید فی حدیث عمرو بن شعیب وقال ھو عندنا واہ ومن ضعفہ فانما ضعفہ من قبل ان یحدث من صحیفۃ جدہ عبداللہ بن عمرو واما اکثر اھل العلم فیحتجون بحدیث عمرو بن شعیب و یثبتونہ (جامع ترمذی جلد ا صـــ۸۲۳) ترجمہ: یحییٰ بن سعید نے عمرو بن شعیب کی حدیث میں کلام کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کی روایت ہمارے ہاں کمزور ہے اور جس نے بھی اسے ضعیف کہا اس لئے کہا ہے کہ وہ اپنے دادا عبداللہ بن عمرو کے صحیفہ (الصادقہ) سے حدیث روایت کرتے تھے لیکن اکثر اہل علم عمرو بن شعیب کی حدیث سے حجت پکڑتے ہیں اور اسے ثابت مانتے ہیں۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اکثر اہل علم کے ہاں باوثوق تحریر سے حدیث روایت کرنا ناجائز نہ سمجھا جاتا تھا حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ اس کتاب "الصادقہ" کے بارے میں فرماتے ہیں کہ "الصادقہ" وہ کتاب ہے جو میں نے حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے لکھی تھی۔ (سنن دارمی ج ۱ صـــ۱۲۷)

(باقی آئندہ)

قسط دوم

علامہ خالد محمود صاحب

علم حدیث میں

عصر حاضر کی جدید مشکلیں

○

مرزا غلام احمد کا نظریہ حدیث

حق یہ ہے کہ قادیانیوں کا مسلمانوں کے مقابلہ میں حدیث سے استدلال محض برسبیل مکابرہ ہوتا ہے۔ مناظرہ کے لئے نہیں۔ تحقیق حق کے لئے وہ کبھی حدیث کی طرف رجوع نہیں کر سکتے کیونکہ ان کے عقیدے میں حدیث دین کا دوسرا ماخذ نہیں۔ ان کا ماخذ علم ہے اولاً قرآن کریم ۔ ثانیاً مرزا غلام احمد کی وحی ثالثاً حدیث جو مرزا صاحب کے ہاں لائق قبول ہو۔ قرآن کریم کو بھی وہ سرعنوان اس لئے رکھتے ہیں کہ اس کے بغیر ان کے لئے مسلمانوں میں کام کرنے کی کوئی صورت نہیں ہو سکتی اور ورغلانا ان کے لئے قریب قریب ناممکن ہو جاتا ہے۔

سو ان کا حدیث ماننے کا دعویٰ غیر مشروط نہیں۔ جسطرح مسلمان قرآن اور حدیث دونوں کو بلا شرط مانتے ہیں قادیانی حدیث کو بلا شرط نہیں مانتے۔ اپنی عقل و قیاس سے جسے چاہیں قرآن کے خلاف کہیں اور جسے چاہیں عقل کے خلاف قرار دیں۔ مرزا غلام احمد خود لکھتے ہیں:

کتاب اللہ کو بلا شرط اور حدیث کو بشرط مانتا ہوں۔　　(ازالہ اوہام ص ۳۴۴ تقطیع کلاں)

قرآن کریم عربی ادب اور فصاحت و بلاغت میں نہایت بلند واقع ہوا ہے۔ انسانی سعی اسکی مثال لانے سے عاجز ہیں۔ اس کے مدارک حدیث کو ساتھ ملائے بغیر واضح نہیں ہوتے اس وجہ سے اہل باطل کی کوشش ہمیشہ یہی رہی ہے کہ جسطرح بھی بن پڑے حدیث کو مسلمانوں کی نظر میں بلا وزن کر دیا جائے اور اہل حق کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ سفر کا آغاز ہی سنت سے کیا جائے۔ امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ نے حضرت عبداللہ بن عباس کو خوارج کے مقابلہ میں مناظرہ کے لئے بھیجا تو نصیحت فرمائی کہ استدلال براہ راست قرآن سے نہ کرنا کلمات کئی کئی معانی کا احتمال رکھتے ہیں بلکہ سنت سے کرنا۔ یہ محض اسلئے تھا کہ سنت کی روشنی میں قرآنی مرادات کھل کر سامنے آجاتی ہیں۔

مرزا غلام احمد کی راہ میں بھی احادیث بہت بڑی رکاوٹ تھیں۔ وہ علماء کو بار بار حدیثوں کے پیار کا طعنہ

دیتے تھے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں۔ اب یہ ایسا زمانہ آگیا ہے کہ قرآن کریم سے حدیثیں زیادہ پیاری ہو رہی ہیں اور حدیثوں کے الفاظ قرآن کریم کے الفاظ کی نسبت زیادہ محفوظ سمجھے گئے ہیں۔ (ازالہ اوہام ص۲۵۱)

پھر ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں: اگر ہمارے علماء کو قرآن شریف کی نسبت حدیثوں سے زیادہ پیار ہے تو ان پر یہ فرض ہے کہ احادیث کے ایسے معانی کریں جن سے قرآن شریف کے مضمون کی تکذیب لازم نہ آوے۔

(ازالہ اوہام ص۳۵)

عوام کو مغالطہ دینے کے لئے قرآن و حدیث میں کوئی سطحی معارضہ پیدا کرلینا مرزا صاحب کے بائیں ہاتھ کا کام تھا اور پھر اس حیلہ معارضہ سے صحیح بخاری اور صحیح مسلم تک کی احادیث کو موضوع قرار دے دینا ان کی ادنیٰ چال تھی۔ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ اب بڑی مشکل در پیش آئی ہے کہ اگر ہم بخاری اور مسلم کی ان حدیثوں کو صحیح سمجھیں جو دجال کو آخری زمانہ میں اتار رہی ہیں تو یہ حدیثیں ان کو موضوع ٹھہراتی ہیں اور اگر ان حدیثوں کو صحیح قرار دیں تو پھر ان کا موضوع ہونا ماننا پڑتا ہے اگر یہ متعارض و متناقض حدیثیں صحیحین میں نہ ہوتیں صرف دوسری صحیحوں میں ہوتیں تو شاید ہم ان دونوں کتابوں کی زیادہ تر پاس خاطر کر کے ان دوسری حدیثوں کو موضوع قرار دیتے مگر اب مشکل یہ آپڑی ہے کہ ان دونوں کتابوں میں یہ دونوں قسم کی حدیثیں موجود ہیں۔ اب جب ہم ان دونوں قسم کی حدیثوں پر نظر ڈال کر گرداب حیرت میں پڑ جاتے ہیں کہ کس کو صحیح سمجھیں اور کس کو غیر صحیح تب عقل خداداد ہم کو یہ طریق فیصلہ بتاتی ہے کہ جن احادیث پر ہر عقل اور شرع کا کچھ اعتراض نہیں انہیں کو صحیح کہنا چاہیئے۔ (ازالہ اوہام ص۸۵)

مرزا صاحب کی یہ عبارت پنبہ کجا کجا نہم کے مصداق ہے۔ ہم ان زخموں پر مرہم کہاں کہاں رکھیں۔ شرع کا فیصلہ اگر پہلے سے ہمارے ہاں موجود ہو تو پھر حدیث کو ماننے کی ضرورت ہی کیا سامنے رہ جاتی ہے کہ یہ حدیث شرع کے مطابق ہے یا نہیں؟ کیا حدیث خود منبع شریعت نہیں ہے؟ یا شرع کسی حدیث کو ماننے سے پہلے کسی اور جگہ سے طے اور مسلم ہو چکی تھی کہ اب ہم اس کی روشنی میں حدیثوں کا فیصلہ کریں گے کہ کونسی قبول کرنی چاہیئے اور کونسی نہیں؟ پھر مرزا صاحب جس کو عقل خداداد کہہ رہے ہیں یہ عقل خداداد کیا ہر ایک کی اپنی اپنی نہیں؟ کیا سب کی عقل ایک سا فیصلہ کرتی ہے؟ ہر ایک اگر اپنی الگ عقل سے سوچے تو کیا سب لوگ کبھی ایک فیصلے پر آسکیں گے؟ یا مرزا صاحب کے ہاں عقل خداداد وہی ہے جو جوتے کے دائیں اور بائیں میں فرق نہ کر سکے، بچی کو دوا پلانے کے لئے دوا کی شیشی کی بجائے تیل کی شیشی پر ہاتھ ڈالے اور بچی کو تیل پلا دے، اپنی جیب میں گڑ اور استنجے کے ڈھیلے ملا کر رکھے اور پھر ان میں امتیاز نہ کر سکے یا وہی عقل خداداد حدیثوں میں تطبیق کرے گی جو کرتے کے بٹن اور اس کے متعلقہ کاج میں تطبیق نہ دے سکے؟

پھر یہ بھی پیش نظر رکھیں کہ یہ عقل خداداد سے استدلال کرنا کیا وہی طریق فیصلہ تو نہیں جو مرزا صاحب سے پہلے سرسید احمد خاں بڑے شد و مد سے پیش کر چکے ہیں؟ اور کیا یہ صحیح نہیں کہ سرسید احمد خاں کی عقل خداداد اور

مرزا غلام احمد کی عقل خداداد میں بھی بہت بڑا تعارض اور اختلاف رہا ہے۔ کیا خدا کے بھیجے ہوئے سرسید احمد خاں جیسے کسی پیشرو کے تابع ہو سکتے ہیں؟ ہم ان دونوں کے محاکمہ میں زیادہ وقت لگانا نہیں چاہتے۔
"دو کس بنام احمد گمراہ کنندہ بے حد" پڑھ کر گذر جائیں گے لیکن یہ بات اپنی جگہ واضح ہے کہ مرزا غلام احمد کے نزدیک صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی بعض حدیثیں بھی موضوع تھیں۔ مرزا صاحب ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

اب کیونکہ ممکن ہے کہ ہر ایک راوی ان تمام الفاظ کو بصحت تمام یاد رکھتا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے نکلتے تھے تو اسقدر اختلاف اور تعارض ان کے بیانات میں ہی پایا جاتا۔ بلا شبہ بعض راوی بوجہ کمزوری حافظہ بعض الفاظ کو بھول گئے یا محل بے محل کا فرق یاد نہ رہا۔ اسی وجہ سے یہ صریح اختلافات پیدا ہو گئے۔ پس جبکہ احادیث کے ضبط الفاظ کا یہ نمونہ ہے جو اس کتاب میں ملتا ہے جو کتاب اللہ اصح الکتب ہے تو اس صورت میں اگر کوئی حدیث صریح کتاب اللہ کے معارض ہو یا ایسی باتوں کو بیان کرے جو اشارات النص کے خلاف ہوں تو کیونکر ایسی حدیث کے وہ معنی مسلم رکھے جائیں جو قرآن کریم سے صریح تعارض رکھتے ہیں۔ (ازالہ اوہام ص ۲۵۴)

کتنی ستم ظریفی ہے کہ صحیح بخاری پر ہر شخص اعتراض کر رہا ہے جو امام بخاریؒ کا نام تک نہیں جانتا۔ برصغیر پاک و ہند میں نام عام طور پر ڈبل ہوتے ہیں جیسے محمد علی، لیاقت علی، نذیر احمد، غلام احمد وغیرہ لیکن عرب عراق فارس وغیرہ میں زیادہ تر نام مفرد ہوتے ہیں۔ امام بخاری کا نام محمد تھا۔ آپ کے والد کا نام اسمٰعیل تھا۔ مرزا غلام احمد امام بخاری کا نام محمد اسمٰعیل لکھتے ہیں۔ پنجاب کے مدعی نبوت نے محدثین کے نام بھی پنجابی محاورے میں ڈھال دیئے۔ لکھتے ہیں:

امام محمد اسمٰعیل بخاری نے اس جگہ اپنی صحیح میں ..... الخ (ازالہ اوہام ص ۳۳۲)

پھر اسی کتاب کے ص ــــ پر دیکھتے جائیے آپ کو یقین ہو جائے گا کہ یہ سہو کاتب نہیں کہ محمد بن اسمٰعیل کی جگہ محمد اسمٰعیل لکھ دیا ہو۔ پنجابی نبی کی اردو اور عربی سب پنجابی ہے۔ گیارہ میں ایک کا اضافہ کیا جائے تو بارہ کہتے ہیں۔ پنجابی میں اسے باراں کہتے ہیں۔ یہ لفظ اردو اور فارسی کا ہے اور اس کے معنی بارش کے ہیں بارہ کو باراں لکھنا قادیان کے سلطان القلم کا ہی خاص پیرایہ بیان ہے۔ مباحثہ لدھیانہ کے سلسلہ میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

بعض لوگ جو دُور سے اصل بحث کے سننے کے لئے آئے تھے جب انہوں نے دیکھا کہ باراں دن تک اصل بحث کا نام و نشان ظاہر نہیں ہوا تو وہ نہایت دل شکستہ ہو گئے۔ (ازالہ اوہام ص ۳۲۲)

اسے محض سہو کاتب نہ سمجھیں۔ قادیان کے سلطان القلم پہلے بھی لکھ آئے ہیں:

سید عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ نے باراں برس کے بعد کشتی غرق ہوئی ہوئی زندہ آدمیوں سے بھری ہوئی نکالی تھی اور ایک دفعہ ملک الموت کی ٹانگ توڑ دی تھی اس غصہ سے کہ وہ بلا اجازت آپ کے کسی مرید کی روح نکال کر

لے گیا تھا۔ (ازالہ اوہام ص۶۹)

پھر باراں پر ہی اکتفا نہیں مرزا صاحب کا چودہ بھی چوداں ہے۔ تحفہ گولڑویہ میں لکھتے ہیں:

درمیان میں باراں خلیفے ہیں موسوی سلسلہ کے مقابل پر اس جگہ بھی چوداں کا عدد پورا ہو ایسا ہی سلسلہ محمدی خلافت کے مسیح موعود کو چودھویں صدی کے سر پر پیدا کیا۔ ص۲۳ تقطیع کلاں

خود سمجھئے جو شخص امام بخاریؒ کا نام تک صحیح نہیں جانتا بارہ کے اس کے باراں بکتے ہوں۔ صحیح بخاری کو کتاب اللہ اصح الکتب کہے ذرا اور ذرہ میں فرق نہ کر سکے صحیح بخاری کے حدیثی معارضوں پر بحث کر رہا ہے ذرا اس کا استعمال ذرہ بھی دیکھیں۔

کیا اس خبر کے مشہور ہونے کے بعد کسی صحابی کا انکار مروی ہے اس کا ذرہ نام تو لو ـــــ (ازالہ اوہام ص۳۳۹)

مرزا صاحب کو کیا پتہ کہ محدثین کے ہاں خبر مشہور کسے کہتے ہیں اور ابن صیاد کی یہ روایت خبر مشہور کے درجہ میں ہے یا نہیں مگر علماء سے بحث برابر کرتے چلے جا رہے ہیں اور ان سے برملا کہتے ہیں "ذرہ نام تو لو"۔

مرزا صاحب کے علم حدیث کا نادر نمونہ سنن دارقطنی میں دو ضعیف اور کذاب راویوں کے واسطہ سے امام محمد باقر کا قول نقل کیا گیا ان لمھدینا آیتین .... الخ کہ مہدی کے آنے کی علامت سورج اور چاند کا ایک مہینہ میں گرہن لگنا ہے۔ یہ روایت امام محمد باقر سے آگے کسی صحابی تک نہیں پہنچتی صرف ان کا اپنا قول ہے جو حدیث موقوف کے درجہ تک نہیں پہنچتا۔

اسوقت یہ بحث نہیں کہ ایک مہینے میں سورج اور چاند کا گرہن مرزا صاحب کے وقت سے پہلے ہو گئے چکا ہے۔ اسوقت ہم یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ مرزا صاحب علم حدیث میں اس درجہ کمزور تھے کہ فنی اصطلاحات کا عجب مذاق بناتا تھا۔ مرزا صاحب نے بات بنانے کے لئے سنن دارقطنی کے اس قول کو آیت جمع الشمس والقمر کا مصداق بنا دیا اور لکھا:

ایک ایسی حدیث کا انکار کرنا جو اور طریقوں سے بھی ثابت ہے اور خود قرآن آیت جمع الشمس والقمر میں اس مضمون کا مصدق ہے۔ (تحفہ گولڑویہ ص۲۹ کلاں قدیم)

قطع نظر اس سے کہ آیت مذکورہ میں سورج اور چاند کا مطلق جمع ہونا مذکور ہے۔ گرہن میں جمع ہونا یا ایک ماہ میں جمع ہونا یا رمضان میں جمع ہونا ان میں سے کسی بات کا یہاں ذکر نہیں اور اس مجمل آیت سے ایک مفصل بات کو جو دو ضعیف اور کذاب راویوں کے واسطے سے ایک تابعی تک پہنچتی ہے صحیح ٹھہرانا کسی طرح صحیح نہیں اور یہ بات کہ چونکہ ایسا واقعہ ہو چکا اور غیب کی بات صرف رسولوں میں منحصر ہے پچھلے واقعات کی روشنی میں بالکل ہی بے وزن ہے۔ ہم جس بات کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ اگر یہ ضعیف قول مرزا صاحب کے نزدیک

آیت قرآنی سے تائید یافتہ تھا تو وہ اسے یوں تو پیش کر سکتے تھے کہ قرآنی تائید اور ایسا واقعہ ہو جانے کی وجہ سے یہ ضعیف روایت قابل قبول ہو جائے گی لیکن انہوں نے اسے جن الفاظ میں پیش کیا ہے وہ قابل غور ہیں :

دوسری گواہی اس حدیث کے صحیح اور مرفوع متصل ہونے پر آیت لا یظہر علی غیبہ احداً الا من ارتضی من رسول میں ہے۔ کیونکہ یہ آیت علم غیب، صحیح اوصاف کا رسولوں پر حصر کرتی ہے۔
(تحفہ گولڑویہ صفحہ ۲۹ تقطیع کلاں قدیم ۱۹۰۲)

حدیث کا متصل ہونا اس کی سند کی صفت ہے کہ اس کا ہر راوی اپنے سے مافوق اور ماتحت سے جڑا ہوا ہے درمیان میں کہیں انقطاع یا ارسال نہیں۔ سب راوی ایک دوسرے سے مسند ہیں۔ ضعیف روایت اگر دوسرے قرائن سے مضبوط بھی ہو جائے تو اسے مقبول تو کہا جا سکتا ہے بدون اتصال رواۃ متصل نہیں کہا جا سکتا۔ مگر مرزا صاحب کی نادانی دیکھئے کہ کس طرح ایک تابعی کے قول کو (اور معلوم نہیں کہ یہ اسکا قول بھی ہے یا کہ نہیں کیونکہ اس سے نیچے کے راوی عمرو بن شمر اور جابر جعفی ضعیف ہیں) حدیث صحیح مرفوع متصل کہہ دیا ہے۔

اتنی بڑی جرح کے ہوتے ہوئے مرزا صاحب کا اسے حدیث صحیح کہنا حدیث کے طلبہ تک اپنا بھرم گنوانا نہیں تو اور کیا ہے۔ بہر حال مرزا صاحب لکھتے ہیں :

محدثین کا ہرگز یہ قاعدہ نہیں کہ کسی راوی کی نسبت ادنیٰ جرح سے بھی فی الفور حدیث کو موضوع قرار دیا جائے بھلا ان حدیثوں کی رو سے مہدی خونی کو مانا جاتا ہے وہ کس مرتبہ کی ہیں۔ آیا ان کے تمام راوی جرح سے خالی ہیں بلکہ جیسا کہ ابن خلدون نے لکھا ہے تمام اہل حدیث جانتے ہیں کہ مہدی کی حدیثوں میں سے ایک حدیث بھی جرح سے خالی نہیں پھر ان مہدی کی حدیثوں کو ایسا قبول کر لیا کہ گویا ان کا انکار کفر ہے حالانکہ وہ سب کی سب جرح سے بھری ہوئی ہیں اور ایک ایسی حدیث سے انکار کرنا جو اور حدیثوں سے بھی ثابت ہے ..... (تحفہ گولڑویہ صفحہ ۲۹)

مرزا صاحب کا سنن دارقطنی کے اس قول تابعی کو جو کذاب قسم کے راویوں سے منقول ہے۔ حدیث کہنا پہلے کم نادانی نہ تھی مگر یہ دعوے کہ وہ اور طریقوں سے بھی ثابت ہے اپنی نادانی اور جھوٹ پر آخری مہر لگانا ہے۔ مرزا غلام احمد صاحب کو یہ پتہ نہیں کہ کس سند کی بحث میں طرق آخر کسے کہتے ہیں اور یہاں کون سا دوسرا طریقہ موجود ہے۔

مرزا صاحب نے ازالہ اوہام صفحہ ۲۵۴ کی عبارت میں حدیث کے لئے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ اشارات النص کے خلاف نہ ہو اور یہ انہیں قطعاً پتہ نہیں کہ اشارۃ النص کیا ہوتی ہے۔ عبارۃ النص، دلالۃ النص، اشارۃ النص، اقتضاء النص کی اصطلاحوں سے وہ بالکل ناواقف دکھائی دیتے ہیں۔ کیونکہ ان فروق کو سمجھتے ہوئے کوئی شخص مرزا صاحب کی سی عبارت نہ لکھے گا۔ انہیں نص میں جو قوت نظر آئی وہ اشارۃ النص میں ہی نظر آئی۔ بہر حال مرزا صاحب لکھتے ہیں :

اگر کوئی حدیث صریح کتاب اللہ کے معارض ہو یا ایسی باتوں کو بیان کرے جو اشارات النص کیخلاف ہوں تو ...... الخ (ازالہ اوہام ص۳۵۴)

اگر کوئی حدیث کتاب اللہ کی کسی دلالۃ النص کے خلاف ہو تو کیا وہ مرزا صاحب کے ہاں لائق قبول ہوگی؟ اگر نہیں تو پھر اشارات النص کو اس موقع پر زیر بحث لانا اس میں کونسی باریکی اور حکمت تھی؟ بات صرف یہ ہے کہ مرزا صاحب نے اس قسم کے نام اور چند اصطلاحات کہیں علماء کی کتابوں میں دیکھ لئے ہوتے ہیں اور انہیں سمجھے بغیر وہ اپنی کتابوں میں بھی بے محابا ذکر کر دیتے ہیں اور جاہل لوگ انہیں سلطان القلم سمجھنے لگ جاتے ہیں۔

ہاں تو صحیح بخاری کی بات چل رہی تھی کہ مرزا صاحب نے کس چابکدستی سے اسے کم وزن اور بے وقار کرنے کی سعی کی ہے۔ اب ذرا صحیح مسلم کا حال بھی دیکھ لیں۔

اب حاصل کلام یہ ہے کہ وہ دمشقی حدیث جو امام مسلم نے پیش کی ہے خود مسلم کی دوسری حدیث سے ساقط الاعتبار ٹھہرتی ہے اور صریح ثابت ہوتا ہے کہ اس راوی نے اس حدیث کے بیان کرنے میں دھوکہ کھایا ہے یہ فرض صاحب مسلم کے سر پر تھا کہ وہ اپنی ذکر کردہ حدیث کا تعارض اپنی قلم سے رفع کرتے۔ (ازالہ اوہام ص)

مرزا صاحب کا یہ کہنا کہ "فرض صاحب مسلم کے سر پر تھا" بتلاتا ہے کہ وہ مسلم کو کتاب سمجھتے تھے اور جب اسکے مؤلف کا ذکر مقصود ہوتا تو اسے صاحب مسلم کہتے تھے کہ یہ مسلم کے مؤلف کی بات ہے ـــــ یہ سراسر غلط ہے مسلم کتاب کا نام نہیں خود مؤلف کا نام ہے۔ انہیں ہی امام مسلم کہا جاتا ہے ان کی کتاب کا نام صحیح مسلم ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح انہیں امام بخاری کا نام تک معلوم نہ تھا انہیں محمد اسمعیل لکھتے تھے اسی طرح امام مسلم کا نام بھی انہیں معلوم نہ تھا وہ مسلم کو کتاب سمجھتے تھے اور مؤلف کو "صاحب مسلم" کہہ کر ذکر کرتے تھے۔

اسوقت ان جزئیات سے بحث نہیں کہ سلطان القلم نے اپنی ہر ہر تحریر میں کیسے کیسے گل کھلائے ہیں۔ کہیں نئے محاورے بن رہے ہیں کہیں نئے نام تجویز ہو رہے ہیں کہیں نئی آیتیں اتر رہی ہیں کہیں نئی حدیثیں بن رہی ہیں۔ اسوقت ہمیں صرف یہ بتلانا ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی کا نظریہ حدیث کیا تھا۔ انہیں کہاں تک حدیث کا علم تھا اور حدیث کے بارے میں انکی کیا روش رہی۔ طلبہ کے یہ پیش نظر رہنا چاہیئے کہ موجودہ ذخائر حدیث کی ان کے ہاں علمی اور دینی سند کس درجہ میں ہے۔ اس وقت موضوع بحث یہ نہیں کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایات میں کوئی تعارض ہے بھی یا نہیں اور اگر ہے تو اسے کیسے اٹھایا جائے ورنہ یہ تو حدیث پر گفتگو ہوگی مرزا غلام احمد کے نظریہ حدیث پر نہیں۔

مرزا غلام احمد کا اپنے لئے حدیثیں وضع کرنا

مرزا صاحب اپنے لئے حدیث وضع کرنا جائز سمجھتے تھے مسلمانوں میں یہ عقیدہ چلا آرہا تھا کہ مسیح اور مہدی دو علیحدہ علیحدہ فرد ہوں گے مسیح ابن مریم آسمان سے اتریں گے اور مہدی یہیں اس امت میں پیدا ہوں گے۔ حضرت مسیح کے نزول کے وقت

اس اُمت کا امام انہی میں سے ہوگا اور حضرت مسیحؑ اس کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔ مرزا غلام احمد مسیح ہونے کے بھی مدعی تھے اور مہدی ہونے کے بھی اس لئے وہ غرض مند تھے کہ جس طرح بھی بن پڑے وہ مسیح اور مہدی کا ایک شخص ہونا ثابت کر دیں۔ مرزا غلام احمد اپنی اس غرض کے لئے حدیث یوں وضع کرتے ہیں :

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وہم کو دفع کرنے کے لئے جو ابن مریم کے لفظ سے دلوں میں گزر سکتا تھا مابعد کے لفظوں میں بطور تشریح فرمایا کہ اس کو سچ مچ ابن مریم ہی نہ سمجھ لو بل ھو امامکم منکم (بلکہ وہ تمہارا امام ہوگا تمہیں میں سے) یہ الفاظ بل ھو امامکم منکم جن کے بارے میں مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور تشریح فرمائے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نہیں بلکہ مرزا صاحب نے خود بنائے ہیں۔ حدیث جو اسلام کا ناقابل تسخیر قلعہ تھا مرزا صاحب نے کس طرح نام نہاد الہام کے بل بوتے اس میں رخنے ڈال دیئے۔

پھر ایک اور جگہ مرزا صاحب لکھتے ہیں :

احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ وہ مسیح موعود صدی کے سر پر آئیگا اور وہ چودھویں صدی کا امام ہوگا۔

(ضمیمہ نصرۃ الحق ص ۱۸۴ طبع دوم)

یہ بھی بالکل جھوٹ ہے کسی حدیث میں مسیح کا چودھویں صدی میں آنا مذکور نہیں اور نہ کسی کو پتہ ہے کہ قیامت کب آئے گی اور حضرت عیسیٰ کا نزول تو بیشک قیامت کی علامات کبریٰ (بڑی نشانیوں) میں سے ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی نے یہ بھی لکھا ہے :

انبیاء گذشتہ کے کشوف نے اس بات پر مہر کر دی ہے کہ وہ (مسیح موعود) چودھویں صدی کے سر پر پیدا ہوگا اور نیز یہ کہ پنجاب میں ہوگا۔ قادیانی مبلغ جب احادیث میں چودھویں صدی کا لفظ ڈھونڈتے ڈھونڈتے تھک گئے تو انہوں نے اربعین کی اس عبارت میں لفظ انبیاء کو اولیاء سے بدل دیا۔ (اربعین حصہ ۲ ص ۲۳ ایڈیشن اول) کہ اولیاء کے نام تو ہر ہر گاؤں سے نئے سے نئے تجویز ہو سکتے ہیں۔ لیکن ضمیمہ نصرت الحق کی عبارت کو بدلے بغیر انہیں اربعین کی عبارت بدلنے سے بھی کوئی خاص فائدہ نہ ہوا۔ مرزا غلام احمد نے ازالہ اوہام میں پھر یہ بھی لکھا ہے :

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ قیامت کب آئے گی ؟ آپ نے فرمایا کہ آج کی تاریخ سے سو برس تک تمام بنی آدم پر قیامت آجائے گی" (ازالہ اوہام ص ۹۳)

یہ بات بالکل من گھڑت اور جھوٹ ہے۔ کسی حدیث میں نہیں کہ تمام اولاد آدم پر آج سے سو سال کے اندر اندر قیامت آجائے گی۔ یہ بات بالکل من گھڑت ہے۔

مرزا غلام احمد ایک اور جگہ لکھتے ہیں :

"بخاری میں لکھا ہے کہ آسمان سے کئے نئے (مسیح موعود کے لئے) آواز آئے گی ھذا خلیفۃ اللہ المہدی" شہادت القرآن ص ۴۱ طبع اول

صحیح بخاری میں یہ حدیث کہیں نہیں مگر قادیانی شہادت القرآن کے نئے ایڈیشنوں میں بھی اسے اسی طرح لا رہے ہیں اور امید کر بیٹھے ہیں کہ شاید صحیح بخاری کے کسی نسخے میں کسی دن یہ حدیث مل ہی جائے۔ پیغمبروں کی باتیں غلط تو نہیں ہو سکتیں معلوم ہوتا ہے کہ مرزا غلام احمد کے نظریہ میں حدیث کی یہ مشہور کتابیں اپنے اپنے مؤلفین تک تواتر سے نہیں پہنچتیں۔

علامہ تفتازانی نے ایک حدیث صحیح بخاری کے حوالے سے تلویح میں لکھی تھی جو صحیح بخاری میں کہیں نہیں ہے اس پر مرزا غلام احمد قادیانی لکھتے ہیں:

آپ کو یہ دعویٰ نہیں اور نہ کر سکتے ہیں کہ تمام دنیا کے نسخہ جات بخاری کے قلمی وغیر قلمی آپ دیکھ چکے ہیں پھر کس قدر فضول ہے کہ صرف چند نسخوں پر بھروسہ کر کے بے گناہ عورتوں کو طلاق دی جائے۔ اگر بفرض المحال کوئی نسخہ قلمی نکل آئے جس میں یہ حدیث موجود ہو تو پھر آپ کا کیا حال؟ ..... جب تک آپ سارے زمانے کے قلمی نسخے نہ دکھا دیں اور صاف تلویح کا کذب ثابت نہ کریں تب تک احتمالی طور پر طلاق واقع ہوگی۔ (ازالہ اوہام صفحہ ۲۱۵)

کشف سے حدیثوں کی تحقیق

علم حدیث ایک مستقل فن ہے اس کے اپنے قواعد ہیں اور محدثین کی ایک اپنی روش ہے یہ حضرات کسی حدیث کی تحقیق اور اس پر کسی درجے کا حکم لگانے کے لئے انہی قواعد سے چلتے ہیں۔ ان کے ہاں کسی کا کشف اور کسی کا الہام اس راہ کے مسافروں کے لئے کوئی زادِ راہ نہیں۔ حدیث کے معانی میں گفتگو ہو تو فقہائے کرام اس بحرِ بیکراں کے بہترین غواص ہیں۔ امام ترمذیؒ لکھتے ہیں۔ الفقہاء وھم اعلم بمعانی الحدیث۔ سو کوئی ولی برحق بھی ہو تو اس کا الہام و کشف کسی دوسرے مسلمان کے لئے حجت ملزمہ نہیں۔ مرزا غلام احمد کے نظریہ حدیث میں یہ پہلو بھی داخل ہے کہ وہ الہام کے مدعی ہیں اور چاہتے ہیں کہ اپنے الہامات کے اندھیروں میں جس حدیث کو چاہیں ثابت کر دکھائیں اور جس حدیث کو جو معنی چاہیں پہنا دیں اور حدیث کے نام سے پیش کر دیں، یہ ان کا بائیں ہاتھ کا کھیل ہے محدثین کے ہاں تحقیق حدیث میں کسی کے کشف اور کسی کے الہام کا کوئی اعتبار نہیں۔ مرزا صاحب نے اس راہ کی تائید میں بعض صوفیہ کرام سے کچھ حوالے پیش کئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ صوفیاء کرام اور ارباب طریقت اس لائن کے رجال کار نہیں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ جیسے امام العارفین فرما چکے ہیں کہ صوفیہ کرام کا قول حرام و حلال کی تعیین میں کوئی درجہ نہیں رکھتا مگر مرزا صاحب اپنی غرض کے سبب اپنے اس خاص نظریہ حدیث کو بھی بڑے طمطراق سے پیش کرتے ہیں۔ الشیخ عبدالوہاب الشعرانی اور شیخ محی الدین ابن عربی کے انہوں نے بہت سہارے لئے ہیں ایک جگہ لکھتے ہیں:

"بعض حدیثیں محدثین کے نزدیک محل کلام ہوتی ہیں مگر اہل کشف کو ان کی صحت پر مطلع کیا جاتا ہے جیسا کہ اصحابی کالنجوم کی حدیث محدثین کے نزدیک جرح سے خالی نہیں مگر اہل کشف کے نزدیک صحیح ہے۔"

"بہت سی حدیثیں ایسی ہیں جو محدثین کے نزدیک صحیح ہیں اور ہمارے نزدیک صحیح نہیں اور بہتیری حدیثیں موضوع ہیں اور آنحضرت کے قول سے بذریعہ کشف صحیح ہو جاتی ہیں۔" (ازالہ اوہام صفحہ ۵۹)

مرزا صاحب نے اپنی تائید میں ان ضابطوں کو نقل کر کے اپنے نظریہ حدیث کو بالکل واضح کر دیا ہے محدثین کے نظریہ حدیث اور فقہاء کے فہم حدیث کے لئے جتنے قواعد و شواہد ارباب فن نے لکھے ہیں مرزا صاحب اور ان کی جماعت کے ہاں ان کی کوئی قیمت نہیں اور نہ فن حدیث کے بل بوتے پہ لوگ کسی احقاق حق کے اہل ہیں۔

مرزا صاحب لکھتے ہیں: حدیثوں میں ضعف کی وجوہات اس قدر ہیں کہ ایک دانا آدمی ان پر نظر ڈال کر ہمیشہ اس بات کا محتاج ہوتا ہے کہ ان کو تقویت دینے کے لئے کم از کم نص قرآنی کا کوئی اشارہ ہی ہو۔ یہ سچ ہے کہ حدیثیں صحابہ کی زبان سے بتوسط کئی راویوں کے مؤلفین صحاح تک پہنچتی ہیں اور یہ بھی سچ ہے کہ جہاں تک ممکن ہے مؤلفین صحاح نے حدیثوں کی تنقید و تفتیش میں بڑی بڑی کوششیں کی ہیں مگر پھر بھی ہمیں ان پر وہ بھروسہ نہیں کرنا چاہیئے جو اللہ جل شانہ کے کلام پر کیا جاتا ہے۔　　(ازالہ اوہام ص ۱۹۸)

حدیثوں کے ناقابل اعتماد ٹھہرانے کا اصل موجب تو مرزا غلام احمد کی اپنی وحی ہے لیکن مرزا صاحب نام یہاں قرآن پاک کا استعمال کر رہے ہیں ورنہ انکا اصل نظریہ حدیث جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں انہوں نے ان الفاظ میں بالکل واضح طور پر آگے دیا تھا:

جو شخص حکم ہو کر آیا ہے اسکو اختیار ہے کہ حدیثوں کے ذخیرہ سے جس انبار کو چاہے خدا سے علم پا کر قبول کرے اور جس کو چاہے خدا سے علم پا کر رد کر دے۔　　حاشیہ تحفہ گولڑویہ ص ۱۰　　(باقی آئندہ)

بقیہ: مفتئ اعظمؒ

اس کی ترتیب و تبویب کر رہے ہیں اور اس کی پہلی جلد شائع ہونے والی ہے تاہم یہ کام مخیر حضرات کی وسیع مالی اعانت یا کسی بڑے ناشر کا طلب گار ہے اور مناسب سرپرستی نہ ہونے کی وجہ سے اس کی اشاعت کی رفتار سست ہو رہی ہے۔

فتویٰ نویسی کے لئے آپ ہر وقت کام میں مصروف رہتے تھے۔ بالعموم فتویٰ نویسی کا وقت مدرسہ امینیہ میں تدریس کے بعد ہوتا تھا اور دوپہر کا کھانا کھانے سے پہلے آپ ضروری فتووں کے جوابات تحریر فرمادیا کرتے تھے۔ تاہم اگر کوئی شخص مقررہ وقت کے علاوہ آپ کے گھر فتویٰ کا جواب حاصل کرنے کے لئے پہنچتا تھا تو آپ فوراً اس کا کام پورا کر دیتے تھے۔ اس کام کے لئے آپ کھانا چھوڑ دیتے تھے اور اگر کوئی راستے میں مل جاتا تو وہیں قریب میں بیٹھ کر فتوے کا جواب تحریر کر دیا کرتے تھے۔

آپ کی فتویٰ نویسی پر آپ کے اساتذہ بھی اعتماد کرتے تھے۔ چنانچہ جب انگریزوں سے ترک موالات کے زمانے میں لوگوں نے حضرت شیخ الہندؒ سے فتویٰ طلب کیا تو آپ نے اس مسئلہ پر فتویٰ دینے کے لئے جن تین حضرات کے نام تجویز کئے تھے ان میں حضرت مفتی کفایت اللہ کا نام سرفہرست تھا۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی

ارشادات و تاثرات

● تبلیغی جماعت کی عالمگیر مساعی
● حضرت سے میری یادگار ملاقاتیں
● حضرت شاہ محمد الیاسؒ کے سکھلائے ہوئے اصول
● نیک آدمی کی ایک پہچان

مولانا کوثر نیازی

غالباً ۱۹۷۵ء یا ۱۹۷۶ء کی بات ہے' میں دیار حبیب میں حاضر تھا' مدینہ منورہ کا پاکستان ہاؤس مسجد نبوی سے بالکل متصل ہے' پاکستان سے جو سرکاری وفود سعودی عرب جاتے ہیں انہیں یہیں ٹھہرایا جاتا ہے' میں بھی یہیں مقیم تھا' ایک رات سحری کے وقت میں نے ایک عجیب خواب دیکھا' کچھ نورانی شکل کے لوگ پالکی اٹھائے مسجد نبوی کی طرف جا رہے ہیں ان کے آگے آگے ایک سیاہ ریش نوجوان سفید کپڑوں میں ملبوس سر پر ململ کی دوپلی ٹوپی پہنے جا رہا ہے' ارد گرد جو لوگ ہیں میں ان سے پوچھتا ہوں یہ کس کی سواری جا رہی ہے' بتایا جاتا ہے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کی سواری ہے' میں پھر سوال کرتا ہوں وہ ٹھہرے کہاں ہیں جواب ملتا ہے' پاکستان ہاؤس کے بالکل قریب اور میں اپنے اندر نور و سرور کی ایک عجیب کیفیت پاتا ہوں۔ نماز فجر کے بعد میں نے پاکستان ہاؤس کے خادم علی کو بلایا اور اس سے پوچھا کیا شیخ الحدیث آئے ہوئے ہیں اس نے بتایا جی ہاں وہ یہیں ہیں اور قریب دار العلوم میں ٹھہرے ہوئے ہیں میں نے اسے دار العلوم بھیجا اور حضرت سے ملاقات کا وقت لے کر ان کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔

میں نے پہچانا تو تبلیغی جماعت کے بہت سے شناسا چہرے نظر آئے ان میں وہ نوجوان بھی تھا جسے میں نے سواری کے آگے آگے دیکھا تھا معلوم ہوا یہ حضرت کے صاحبزادے ہیں۔ شیخ الحدیث اندر اپنے کمرے میں پلنگ پر تکیوں کے سہارے تشریف فرما تھے' خواب میں آپ کا پالکی پر سوار دکھائے جانے کا راز اب آکر کھلا' آپ ٹانگوں سے معذور تھے۔ خاصے معمر اور ضعیف مگر چہرے پر نور اور جلال و جمال کی وہ کیفیت کہ مجھے فوراً حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہ ارشاد یاد آگیا جس میں آپ نے نیک آدمی کی ایک پہچان یہ بھی بتائی ہے کہ اسے دیکھ کر خدا یاد آجاتا ہے۔ میرے قلب پر ان سے مصافحہ کرتے ہی اثر ہوا کہ بے اختیار دل بھر آیا اور آنکھیں اشکوں سے وضو کرنے لگیں ابھی آپ نے کچھ ارشاد بھی نہ فرمایا تھا کہ میں وہیں فرش پر بیٹھ کر زار و قطار رونے لگا کافی دیر یہی صورت حال رہی۔ آپ نے چائے پلائی' اپنی کتابیں اپنے دستخطوں اور خوبصورت جملوں سے مزین کر کے عنایت فرمائیں۔ میرے حق میں دعائے خیر فرمائی اور میں کچھ دیر بیٹھ کر اس بابرکت محفل سے رخصت ہوا۔

بعد میں جدہ میں حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی سے ملاقات ہوئی تو میں نے انہیں اپنا خواب اور ملاقات کا حال سنایا وہ بے حد محظوظ ہوئے فرمایا حضرت شیخ الحدیث کو بھی یہ خواب سنایا کہ نہیں؟ اب مجھے یاد نہیں کہ حضرت سے یہ خواب نقل کرنے کی نوبت آئی تھی یا نہیں البتہ ان کے جو اہلِ خانہ اسی عمارت میں آپ کے ساتھ ٹھہرے ہوئے تھے ان میں سے بعض واقف کاروں کو میں نے یہ خواب ضرور سنا دیا تھا۔

دوسری ملاقات دو تین سال بعد پاکستان میں مارشل لاء کے نفاذ کے بعد پھر مدینہ منورہ کے اسی دار العلوم میں ہوئی' میں وقت مقررہ سے کچھ تاخیر کر کے پہنچا تھا۔ حضرت اندر میرا انتظار فرما رہے تھے مجھے اس پر ندامت بھی ہوئی کہ میری وجہ سے آپ کے معمولات میں فرق پڑا۔ اس کے معاً بعد آپ اولیاء و خلفاء کے لئے خلوت نشیں ہو جاتے تھے' اسی نورانی مسکراہٹ سے میرا استقبال کیا اب کے بھی دو تین تازہ کتابچے عطا کئے' اپنے خاص ارشادات سے نوازا اور میں پہلے جیسے تاثرات کے ساتھ آپ کی دعاؤں کے سائے میں باہر آیا۔ اس مرتبہ تاخیر سے پہنچنے کی وجہ سے چائے آپ کے رفقاء نے پلائی۔

سال ڈیڑھ سال پہلے میں انگلستان میں تھا کہ حضرت شیخ الحدیث کی آمد آمد کا غلغلہ ہوا آپ تبلیغی سفر پر انگلستان تشریف لا رہے تھے۔ ایک دوست کی وساطت سے اس پروگرام کی تفصیلات معلوم ہوئیں جو آپ کی تبلیغی مصروفیات کے سلسلے میں بنایا گیا تھا۔ جسمانی معذوری اور اس درجہ پیرانہ سالی کے باوجود آپ کی جواں ہمتی دیکھ کر میں عش عش کر اٹھا۔ جی چاہتا تھا کہ یہاں بھی آپ کی زیارت کروں مگر مصروفیات آڑے آئیں اس وقت نہ لے کر اب تک تمنا ہی رہی کہ ایک مرتبہ پھر اس روئے انور کو دیکھوں اور دل کی سیاہی آنسوؤں سے دھوؤں مگر افسوس کہ دل کی یہ حسرت دل ہی میں رہی اور ایک دن خبر آئی کہ آپ دیار رسول ہی میں جاں بحق ہو گئے۔

مٹے نامیوں کے نشاں کیسے کیسے
زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے

تبلیغی جماعت کی تحریک یوں تو حضرت مولانا شاہ محمد الیاس قدس سرہ نے بستی نظام الدین اولیاء دہلی کو مرکز بنا کر میوات سے شروع کی اور انہی کا قلب پر سوز اس تحریک کا روح رواں بنا مگر تبلیغی نصاب کی صورت میں اسے لٹریچر حضرت شیخ الحدیث کے قلم فیض رقم ہی نے عطا کیا۔ آپ نے بڑی سادہ اور سلیس زبان میں حکایات صحابہ' فضائل تبلیغ' فضائل ذکر' فضائل نماز' فضائل قرآن مجید' فضائل رمضان' فضائل درود شریف وغیرہ موضوعات پر جو کتابیں لکھی ہیں وہ اردو زبان کے علمی اور دینی سرمائے میں ایک بیش بہا اضافہ ہیں۔ یہی کتابیں تحریک تبلیغ کے ہر ساتھی کے ہتھیار ہیں' انہیں سے وہ اپنی گفتگو کو موثر بنانے کے لئے دلائل اخذ کرتا ہے اور انہیں کتابوں سے تبلیغی اجتماعات میں اقتباسات پڑھ کر سنائے جاتے ہیں۔

پاکستان میں تبلیغی جماعت کے اکابر سے میرا رابطہ بہت پرانا ہے وزارت مذہبی امور کے سربراہ کی حیثیت سے جماعت کے وفود سے میں کئی دفعہ ملا ہوں' بعض مسائل اور معاملات کے حل کے لئے تھوڑی بہت حقیر خدمت بھی میں نے انجام دی ہے۔ رائے ونڈ میں جماعت کا جو بے مثال سالانہ عالمی اجتماع منعقد ہوتا ہے'

مولانا محمد زاہد الحسینی مدیر الارشاد

دینی مدارس کی عظمت

دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں رورل اکیڈمی پشاور میں مقیم حکومت پاکستان کے سینئر آفیسرز کا ایک گروپ ماہ اکتوبر ۱۹۸۱ء کے اواخر میں چند روز کے لئے بغرض مطالعہ حاضر ہوا تاکہ دینی ماحول میں بھی چند روز گذار کر وہاں کے ماحول سے متاثر ہو سکے۔ اس موقع پر شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب دامت برکاتہم کے ارشاد کے مطابق ایک نشست میں ہمارے مخدوم حضرت مولانا قاضی زاہد الحسینی صاحب دامت برکاتہم نے مندرجہ ذیل خطاب سے مہمانان گرامی کو نوازا

(محمد عثمان غنی ؟ ؟)

دین اور دنیا: معزز حاضرین کرام! شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں مذکور مندرجہ ذیل دعا اتنی عظیم ہے کہ شارع علیہ السلام نے اس کے پڑھنے کا طواف کے اندر حجر اسود کے قریب پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ

اس سے ایک اور اہم چیز واضح ہو جاتی ہے کہ مسلمان کا مطمح نظر کیا ہونا چاہئے یہ کہ دنیا بھی اللہ کی مرضی کے مطابق گذرے اور قیامت بھی اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہو۔

دینی مدارس کا کردار: اب میں آپ کی خدمت میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ایک اسلامی مملکت کے حصول میں دینی مدارس کا کیا کردار ہو سکتا ہے؟ آپ جانتے ہیں کہ جب کسی وطن کے حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ مذہبی بنیادوں پر کیونکہ دنیا میں ہر حکومت نظریاتی ہے۔ میرا اپنا نظریہ ہے آپ کا اپنا نظریہ ہے۔ ہر انسان کا ایک نظریہ ہے وَلِکُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّیْهَا (بقرہ ۱۴۸) قرآن میں آتا ہے۔ ہر ایک کا اپنا اپنا نظریہ ہے۔ دنیا میں جتنی بھی مملکتیں قائم ہیں یا ہوتی رہتی ہیں یا ہوتی رہیں گی سب ایک نہ ایک نظریہ پر ہوتی ہیں۔ خواہ وہ نظریہ آسمانی ہو یا انسانی ہو۔ خدا کو نہ ماننے کا بھی تو نظریہ ہے نا؟ کوئی نہ کوئی نظریہ پیش کیا جاتا ہے ... وطن پاکستان کی مثال لے سکتے ہیں۔ پاکستان کے حصول میں سب سے

بھی بنیادی وجہ ہے۔ جس پر کامیابی ہوئی وہ یہی ہے کہ مسلمانوں کی تعداد بڑی کافی ہے۔ اسلامی حکومت کے مٹ جانے کے بعد مسلمانوں نے جو ترقی کی اپنے عددی اعتبار سے وہ اتنی موثر اقلیت تھی کہ وطن کو تقسیم ہونا پڑا۔ تو اب سوچنا یہ ہے کہ جب اسلامی حکومت بھی چلی گئی تو حکومت کوشش کرتی مسلمانوں کی تعداد بڑھ جانے میں۔ تو یہ درمیان میں جو عرصہ گذرا ہے اس عرصہ میں مسلمانوں کی تعداد کو کس نے بڑھایا؟ کس نے مسلمانوں کا تحفظ کیا؟ تو یہی کہنا پڑے گا کہ اسلامی مدارس نے۔ اگر یہ مکاتیب نہ ہوتے، یہ مساجد نہ ہوتیں، یہ خانقاہیں نہ ہوتیں، یہ دین پڑھانے والے نہ ہوتے تو کیا برصغیر میں مسلمانوں کی تعداد بڑھ سکتی تھی؟

اسلامی مدارس کی خدمات آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ جس بنیاد پر یہ وطن عزیز حاصل کیا گیا ہے، برصغیر کی تقسیم کی گئی، وہ کیا بنیاد تھی؟ کہ اس ملک میں کلمہ پڑھنے والوں کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ اگرچہ وہ اقلیت میں ہیں لیکن اتنی اقلیت موثر ہیں کہ وہ الگ وطن مانگتے ہیں اور ان کو الگ وطن دینا پڑا۔ تو یہ تعداد جو تھی کس نے بنائی؟ انہی مدارس نے بنائی۔ آخر دین کے پھیلانے والے، دین کو محفوظ کرنے والے تو یہ مدارس اور مکاتیب ہی تھے۔ اور میرے عزیزو! آپ لکھے پڑھے دوست ہیں میں آپ سے کیا عرض کروں؛ ہندوستان میں ایک ہزار سال تک تقریباً مسلمانوں کی حکومت رہی ہے۔ اس ایک ہزار سال کے عرصہ میں بڑے مدرسے کھلے۔ اور انگریز کے زمانے میں تو بڑے مدارس تھے۔ سب مکاتیب کی شکل میں تھے کسی میں قرآن مجید پڑھایا جاتا تھا: ترجمہ تو خیر نہیں تھا۔ کسی میں فقہ کی چند کتابیں تھیں۔ قرآن کا ترجمہ سب سے پہلے شاہ ولی اللہ نے کیا۔ یعنی قرآن مجید کا ترجمہ نہیں پڑھایا جاتا تھا۔ سب سے پہلے جو ترجمہ ہے اس برصغیر میں شاہ ولی اللہ دہلوی نے کیا۔ فتح الرحمن کے نام سے۔ پہلے ترجمہ ہی نہیں تھا قرآن شریف کا۔ ناظرہ قرآن شریف پڑھاتے تھے۔ یہ بھی بہت بڑی چیز تھی۔ ایک ہزار سال تک برصغیر میں مسلمانوں کی حکومت رہی۔ اور اس عرصے میں ایک بھی اتنا عظیم ادارہ قائم نہ ہو سکا جو سارے علوم و فنون پڑھاتے۔ مکاتیب تھے، مدارس تھے اپنی اپنی نوعیت تھی لیکن جامع جسے کہتے ہیں وہ صرف دارالعلوم دیوبند تھا۔ جس کو قائم ہوتے آج ایک سو سال سے زیادہ عرصہ ہو گیا ہے۔ اس مدرسے میں جو تعلیم دی گئی یا اب بھی جو دی جاتی ہے یہ جامع تعلیم ہے۔ جتنے ہمارے علوم اسلامیہ ہیں سارے کے سارے پڑھائے جاتے ہیں۔ تو اسلامی سلطنت کے چلے جانے کے بعد بھی دین کو جس نے محفوظ رکھا، مسلمانوں کے عقیدے کو جس نے محفوظ رکھا، ان کی اسلامیت کو محفوظ رکھا، وہ دینی مدارس تھے۔ جن میں ممتاز ترین کام جو ہے وہ دارالعلوم دیوبند کا ہے۔

دینی مدارس کا اہتمام حضرت نانوتوی کا ارشاد گرامی ہے کہ حکومت تو جا چکی۔ اب مسلمانوں کے ایمان کا تحفظ کیا جائے۔ چنانچہ وہ تحفظ ہوا اور الحمد للہ بڑے اچھے طریقے پر ہوا۔ اور پھر ان دینی مدارس سے پھر آگے چل کر جو علماء

نکلے، صحافی نکلے، فصحاء نکلے، مناظر نکلے اور اسی دینی مدرسے کی ایک شاخ دارالعلوم حقانیہ بھی ہے۔ اب تقسیم کے بعد آپ حضرات خود سوچیں کہ تقسیم وطن کے بعد اگر ایسے دینی مدارس چھوٹے چھوٹے نہ ہوتے تو وہ لوگ جو اپنی علمی پیاس بجھانے کے لئے ہندوستان جایا کرتے تھے اب تو وہ آنا جانا ختم ہو چکا تھا۔ یہ دارالعلوم حقانیہ اس برصغیر ہی میں نہیں بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ سارے عالم اسلامی میں ایک ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔ اس علوم کی تدریس ہے۔ علوم کا سمجھانا ہے۔ لکھنا لکھانا۔ ہر اعتبار سے دینی خدمت ہو رہی ہے۔ اور یہ اتنا بڑا قومی پلیٹ فارم ہے۔ اور یہ جو اتنے بڑے محسن ہیں۔ اتنے بڑے محسن کوئی نہیں ہیں۔ آپ سمجھیں ایک بہت بڑا دنیا دار اگر دنیا سے چلا جاتا ہے تو قوم کے لئے کچھ نہیں چھوڑ کر جاتا، قوم کو کیا دے جاتا ہے؟ اگر کوٹھیاں ہیں تو اس کی اپنی ہیں۔ ملیں ہیں تو اس کی اپنی ہیں۔ بنک میں پیسہ ہے تو اس کا اپنا ہے۔ قوم کو اس نے کیا دیا؟ یا اسی طرح مختلف شعبے جو ہیں ان کے سربراہ اگر دنیا سے جاتے ہیں تو قوم کو کیا دے کر جاتے ہیں؟ بہت کم ایسے لوگ ہیں۔ جو خیراتی ادارے قائم کر کے جاتے ہیں جن سے قوم فائدہ اٹھاتی ہے لیکن یہ لوگ؟ مثلاً مولانا صاحب کو آپ دیکھ لیں۔ ہمارے مولانا عبدالحق صاحب دامت برکاتہم کو آپ دیکھ لیں۔ انہوں نے قوم کو کیا دیا ہے؟ کتنے ادارے بنوا دیئے۔ کئی ہزار موذن دے دیئے، کئی ہزار خطیب دے دیئے۔ کئی ہزار مدرس دے دیئے۔ اور کتنی ہزار کتابیں تصنیف ہو رہی ہیں۔ ہوتی چلی جائیں گی۔ اتنی عظیم بلڈنگیں قوم کو دیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دنیا میں اور بھی کئی دین کے کام ہو رہے ہیں۔ جامعہ ازہر ہی کو آپ دیکھ لیں۔ مصر میں جامعہ ازہر دنیا کی بہت بڑی یونیورسٹی ہے مگر وہ بھی حکومت کے تعاون سے چل رہی ہے۔ اس کے اوقاف ہیں۔ اساتذہ کی بڑی بڑی معقول تنخواہیں ہیں۔ وظائف دیئے جاتے ہیں۔ ان کی سرپرستی حکومت کرتی ہے۔ لیکن یہ دینی مدارس یہ جو ہمارے وطن میں ہیں ان کی سرپرستی کون کرتا ہے؟ ان مدارس کے مہتمم حضرات آپ حضرات سے، اور لوگوں سے پیسہ پیسہ جمع کرتے ہیں۔ اور اس پیسے کو اس ایمانداری اور دیانت داری کے ساتھ صرف کرتے ہیں کہ مدارس بن جاتے ہیں، مساجد بن جاتی ہیں۔ مکاتیب بن جاتے ہیں۔ تو یہ مدارس پہلے ہی تھے، اب بھی وہی کام کر رہے ہیں جو کام استحکام وطن کے لئے ضروری ہیں۔

نظریے کا تحفظ | اگر کسی اسلامی مملکت کا حصول ہو گیا مثلاً پاکستان ہمارا وطن ہے۔ یہ اسلامی نظام کے نعروں کے بلند کرنے کے تحت حاصل ہو گیا۔ اب اس وطن میں اگر بجائے اسلامی نظریات کے لادینی نظام کا پرچار شروع ہو جائے تو اس وطن کا حاصل ہونا اور نہ ہونا برابر ہو جائے گا۔

اسپین کی مثال آپ کے سامنے موجود ہے۔ ہسپانیہ میں آٹھ سو سال مسلمانوں نے حکومت کی ۔ آٹھ سو سال حکومت کی مسلمانوں نے ۔ اب اتنا کچھ ہوا ہے۔ یہ بھی شاہ اسمٰعیل مرحوم کی کوشش تھی جو اب بارآور

ہوتی ہے کہ سپین سے جو عرب لوگ بھاگ گئے تھے ان کو ان کے خاندان واپس لانے کی اجازت مل گئی ہے۔ پرسوں اخبار میں تھا آٹھ سو سال تک جہاں حکومت کی۔ اس کا ایسا زوال ہوا کہ ہسپانیہ میں آج سے تقریباً پچاس سال پہلے بلکہ چالیس، بلکہ تیس سال پہلے کی بات ہے۔ کہ وہ لوگ یہ نہیں کہتے تھے کہ میں مسلمان ہوں۔ اپنے آپ کو مسلمان کہنا بھی جرم تھا۔ اب کچھ سال ہوتے ہیں کہ سپین میں اسلام کو سچائی کے طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے۔ اگر کوئی اپنے آپ کو مسلمان کہے تو وہ کہہ سکتا ہے۔ یعنی جس ملک میں آٹھ سو سال مسلمانوں نے حکومت کی اس ملک میں اسلام کا نام لینا بھی جرم ہو گیا۔ اور یہ نتیجہ کیوں تھا؟ وہاں مکاتیب اسلامی نہیں تھے، مدارس نہیں تھے۔

ہمارے اس وطن میں انگریز نے دو سو سال حکومت کی ہے اور وہ حکومت ایسے کی ہے کہ بڑے جبر کے ساتھ حکومت کی اور ایسی تجاویز بروئے کار لائی گئیں کہ مسلمانوں کو عیسائی بنا دیا جائے، مرتد کر دیا جائے تاکہ ہماری حکومت کامیاب ہو سکے۔ وہ کیوں کامیاب نہ ہو سکے؟ یہ دینی مدارس، یہ اسلامی مکاتیب، یہ دینی کتابیں آڑے آئیں۔ انہوں نے مسلمانوں کے دل اور دماغ پر ایسا قبضہ کیا ہوا تھا کہ مسلمان گنہگار تو ہو سکتا ہے لیکن دین کو چھوڑ دے؟ یہ نہیں ہو سکتا۔ ہم خود گنہگار ہیں۔ مگر ایک گناہ گار سے گناہ گار مسلمان بھی یہ نہیں برداشت کر سکتا کہ اسے کہا جائے کہ تو غیر مسلم ہے۔ ایک انسان کے عقیدے کے خلاف کوئی بات کی جائے تو ہرگز گوارا نہیں کر سکتا۔ یہ ساری کی ساری محنتیں کس کی تھیں؟ ان دینی مدارس کی تھیں۔ دینی مکاتب کی تھیں۔ یہ ہمارے ذہن میں ویسے ہی ڈال دیا گیا ہے کہ دین اور دنیا الگ الگ ہوتے ہیں۔ اسی لئے میں نے قرآن حکیم کی محولا بالا آیت پڑھی ہے۔ دنیا اور دین الگ الگ شعبے ہیں۔ یہ غلط بات ہے۔ دین اور دنیا ایک ہی چیز ہے۔ دونوں ایک گاڑی کے پہیے ہیں اور یہی بات امام الانبیاء کے زمانہ تک بھی تھی۔ بعد میں اب بھی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اگر وہ صوفی تھے، سالک تھے، رات کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں محو رہتے تھے تو دن میں وہ جہاد کرتے تھے۔ اگر وہ مجاہد تھے تو ساتھ ہی وہ مبلغ بھی تھے۔ اگر مبلغ تھے تو ساتھ سپاہی بھی تھے۔ یعنی سارے صفات صحابہؓ میں تھے۔ تبھی تو اسلام پھیلا ورنہ تو آپ پڑھے لکھے دوست ہیں، مجھے جواب آتا ہے۔ آپ دیکھ لیں کوئی بھی ایسا نظریہ ہے مجھے بتائیں جو دس سال میں پھیلا ہو۔ اور ایسا پھیلا ہو کہ اقوام عالم پر چھا جائے۔ یہ اشتراکیت کو آپ دیکھیں، مارکس نے اس کی بنیاد رکھی۔ لینن نے اسے پھر پروان چڑھایا۔ اور پھر اس نے اپنے پتے شاخیں نکالی ہوں۔ تقریباً سو سال کے عرصہ میں اس نظریے کو پھیلانے کے لیے کوشش کی گئی لیکن امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم، جب آپؐ کی عمر چالیس سال ہے، آپؐ نے دعوت نبوت کا من جانب اللہ اعلان فرمایا کہ آپ اللہ کے نبی ہیں۔ تیرہ سال تک مکہ مکرمہ میں رہے اور وہ زندگی ہے جو سفر کی زندگی ہے، مشقت کی زندگی ہے۔ کوئی وہاں کام نہیں ہو سکا سوا عقیدے کی اصلاح کے۔ تیرہ سال تک لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھایا کہ عقیدہ پختہ ہو جائے۔ پھر دس سال آپؐ مدینہ منورہ میں رہے اور دس سال کے عرصہ میں ۲۷ جنگیں لڑائیں نبی کریمؐ

نے (صلی اللہ علیہ وسلم) چھوٹی بڑی ملاکر ۸۵ جنگیں۔ تو سال میں کتنی ہوئیں؟ چار تو سال میں جنگیں ہوگئیں جس
ایک دنیا کے عظیم ترین انسان کو سال میں چار دفعہ سخت جنگیں لڑنی پڑیں تو بتائیے کہ وہ کامیاب ہوگا کہ ناکام ہوگا؟
بظاہر تو ناکام ہونا چاہیے لیکن اس دس سال کے عرصے کے بعد جب امام الانبیاء اس دنیا سے تشریف لے جاتے ہیں تو دس
لاکھ مربع میل کے آپ مالک ہیں۔ آپ کی حکومت دس لاکھ مربع میل تک ہے۔ تو اگر حضور اس دنیا کے سامنے یا جس طرح
ہمارے ذہن میں ایک تصور ہے کہ یہ تمدن کیا ہے، کہ دنیاوی زندگی سے الگ تھلگ ہو جاتا، تو پھر دس لاکھ مربع میل
تو کیا ایک میل بھی نہ لیتے۔ اسلام دونوں چیزوں کو جمع کرتا ہے۔ دین کو بھی اور دنیا کو بھی۔ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ
نے مذمت کی ان لوگوں کی جو فقط دنیا مانگتے ہیں۔ فرمایا میں تو دین بھی دے سکتا ہوں۔ آخرت بھی دے سکتا ہوں دونوں
دے سکتا ہوں تو دونوں دین ہیں۔

ہمارے اسلاف | ہمارے گذشتہ سلاطین کی تاریخ آپ دیکھ لیں۔ اس برصغیر میں فرخ سیر قرآن کا حافظ تھا
علاؤ الدین خلجی بھی قرآن کا حافظ تھا۔ اورنگ زیب قرآن کا حافظ تھا، عالم تھا۔ اس کے علاوہ بھی کئی سلاطین گذرے ہیں
تیمور خود بیٹھ کر سنتا تھا مناظرے اور یہ جج ہوتا تھا۔

ایک مناظرہ کرایا تیمور نے علامہ تفتازانی اور دوانی کے درمیان۔ اس پر کہ "اولئک" میں کونسا استعارہ ہے؟
تو تیمور نے تفتازانی کو کامیاب کیا۔ اس کے مقابل کو ناکام کیا۔ یعنی تیمور فیصلے کیا کرتا تھا علماء کی ان بحثوں میں۔ میرے عرض
کرنے کا مقصد یہ ہے کہ دین اور دنیا دونوں ساتھ چلتے ہیں۔ یہ تو ویسے ہی کہا گیا کہ جی اگر دین کی طرف آئے تو دنیا نہیں ملے
گی مگر دنیا کی طرف آئے تو دین نہیں ملے گا۔ نہیں۔ بڑی لمبی فہرست ہے ہمارے پاس۔ ایک طرف وہ فلسفی ہیں ایک
طرف وہ حافظ حدیث ہیں۔ ایک طرف وہ مجاہد ہیں۔ ایک طرف وہ مصنف ہیں۔ ایک طرف وہ مبلغ ہیں۔ ایک طرف
وہ بہت بڑے صناع ہیں۔ ابن رشد فلسفی ہے۔ بہت بڑا فلسفی گذرا ہے جسے یورپ بھی مانتا ہے۔ اتنا بڑا فقیہہ
ہے۔ اس نے ایک کتاب بھی لکھی ہے "بدایۃ المجتہد" — یہاں پڑھی ہوگی۔ یعنی مذاہب میں جو اختلافات ہیں،
بہت ہی اہم موضوع ہے۔ ایک مسئلے میں کتنے قول ہیں۔ مثلاً سر کا مسح ہے۔ اس میں کتنے اقوال ہیں۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ سارے سر کا مسح کرو۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ دو تین بال ہوں تو تب بھی خیر ہے،
ہمارے امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ سر کے چوتھے حصے کا مسح کرو۔

میں ایک مثال دیتا ہوں — ابن رشد نے "بدایۃ المجتہد" کی دو جلدوں میں وہ سارے مسائل جمع کر دئے جن میں
ائمہ کا اختلاف ہے۔ تو اتنا بڑا عالم ہوگا نا؟ ایک طرف تو وہ اتنا بڑا فلسفی ہے اور ایک طرف وہ اتنا بڑا فقیہہ ہے۔
پھر اس کو مؤطا امام مالک پورا زبانی یاد ہے۔ ہمارے ہاں ایک دینی کتاب ہے حدیث کی مؤطا امام مالک۔ ابن رشد
کو پورا مؤطا امام مالک زبانی یاد ہے۔ یہ دو تین مثالیں میں اس لئے خدمت میں عرض کر رہا ہوں کہ ہمارے ہاں یہ جو اختلاف

رکھا گیا یہ کوئی پالیسی تھی کسی کی کہ ان کو آپس میں نہ ملنے دیا جائے۔ یہ بالکل غلط ہے۔

شیخ الہند اور علی گڑھ | ہمارے شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ مولانا محمود حسن (انجمن ہند کا) اسیر مالٹا۔ جب وہ مالٹا سے واپس تشریف لائے تو علی گڑھ تشریف لے گئے اور وہاں جو خطبہ دیا وہ چھپا ہوا موجود ہے۔ آپ نے اس خطبے میں فرمایا کہ تمہارے پاس اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ میرے (شاگرد) دور کے طلبہ اور بہ نسبت دینی مدارس کے تم میں زیادہ ہیں۔ تو انہوں نے ویسے ہی یہ بات نہیں کی کہ یہ وہی یونیورسٹی علی گڑھ ہے کہ جس کو غیر اسلامی طاقتیں دور کر رہی ہیں اسے قریب لایا جائے کیونکہ ہم سب آپس میں کلمہ پڑھنے والے ہیں جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ ہم دونوں اسلام کی طاقتیں ہیں۔ اس کے بعد پھر جامعہ ملیہ کا وجود ہوا۔ آپؒ کا مقصد یہ تھا کہ دونوں مدارس کے امتزاج سے ایک بہت اچھا ذہن پیدا ہو۔

حضرت لاہوریؒ کی وسیع النظری | اس لئے میرے دوستو اور میرے عزیزو! دین میں مسلمان سارے کے سارے شریک ہیں۔ ہم سب کلمہ پڑھنے والے ہیں۔ کوئی کس رنگ میں ہیں کوئی کس رنگ میں ہیں۔ سپاہی سب ہیں۔ ہمارے اس دور حاضر کے امام الاولیاء مولانا احمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک بہت اچھا واقعہ ہے۔ میں عرض کر دوں ڈاکٹر سید عبداللہ کو آپ سب حضرات جانتے ہوں گے۔ اللہ انہیں سلامت رکھے بہت ہی اچھے آدمی ہیں بہت بڑے ادیب ہیں۔ یہ حضرت لاہوریؒ کے شاگرد ہیں۔ یہ ایک جماعت تھی جس میں علامہ علاؤ الدین صدیقی ــــ ابوالحسن علی ندوی۔ قاری محمد طیب صاحب دارالعلوم دیوبند کے مہتمم۔ ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب۔ یہ سارے حضرات ہم سبق تھے لاہور میں ــــ ڈاکٹر صاحب نے خود یہ واقعہ لکھا ہے۔ اخباروں میں چھپ چکا ہے کہ میں حضرتؒ کے پاس جب پڑھا کرتا تھا تو ان کی صحبت کا مجھ پر اثر تھا کہ میں نے داڑھی چھوڑ رکھی ہوئی تھی جتنا زمانہ میں ان کے پاس رہا۔ یا آنا جانا رہا، تو میری داڑھی تھی۔ بعد میں کچھ ایسے واقعات ہوئے۔ انسان میں ہم سب سے غلطیاں ہوتی رہتی ہیں۔ یہ کوئی اتنی بڑی بات نہیں۔ تو شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ میں نے داڑھی صفا کر دی۔ بال اتار دئے "فارغ البال" ہو گیا۔ تو مجھے اب حجاب آتا تھا کہ میں مولانا صاحب کے پاس کیسے جاؤں؟ کافی وقت گزر گیا میں مولانا کے پاس اس لئے نہ گیا کہ مجھے حجاب آتا تھا کہ میرے شیخ میرے استاذ مجھے کیا کہیں گے؟ کہیں گے کہ تو پروفیسر ہو گیا اور فلاں کالج کا۔ تو اب اس نے یہ کام کیا؟ اتفاق کی بات ہوئی کہ ایک شادی میں حضرت مولانا بھی تشریف لائے اور میں بھی وہاں مدعو تھا۔ میں مولانا سے چھپ کر پیچھے کی طرف بیٹھ گیا۔

یہ علمی جو رشتہ ہے نا؟ یہ بہت بڑا رشتہ ہے۔ اسلام دشمن طاقتوں نے اسے توڑنے کی کوشش کی ہے تو استاد اور شاگرد میں ایک رشتہ تھا۔ اور میرے دوستو اور عزیزو! یہ آپ کو دینی مدارس میں ملے گا۔ اور کسی جگہ نہیں ملتا۔ کم ملتا ہے ہوتا ہے مگر کم ملتا ہے ہوتا ہے مگر ملتا کم ہے۔ ہوتا ہے وہاں بھی کہ وہ جگہ کوئی سیمینار

ہوا پچھلے دنوں دفاقی اسلام آباد میں، نئی صدی کے استقبال کے سلسلہ میں تو اس میں برصغیر کے سارے دانشور اکٹھے ہوتے۔ باہر سے بھی آئے تھے۔ بھارت سے بھی آئے تھے۔ ہمارے صدر صاحب بھی ایک اجتماع میں آئے۔ ایک نشست میں تو سب سے پہلے آپ نے معانقہ کیا، لیکن ایک شخص تھے جن کو آپ نے گلے لگایا، معانقہ کیا۔ اور کافی دیر تک ان سے باتیں کرتے رہے اور ان کو دعوت دی کہ میرے پاس جو صدارتی محل ہے اس میں آپ قیام کریں۔ تو وہ کون تھے جنہیں سینے سے لگایا؟ مولانا احمد سعید صاحب اکبرآبادی فاضل دیوبند۔ دلی میں آپ پڑھتے تھے ان کے پاس، کلاس ہوتی تھی، پھر یہاں پڑھا۔ ان کا احترام کیا، معانقہ کیا اور ان کو دعوت دی کہ آپ میرے پاس قیام کریں۔ یہ استادی شاگردی کا رشتہ اسلام ہی سکھاتا ہے۔

تو حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ اس مجلس شادی میں تشریف لاتے تو ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب فرماتے ہیں کہ میں ان سے چھپ کر بیٹھا تھا۔ تو شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ مولانا اپنی نشست سے اٹھے اور سیدھے میرے پاس آ گئے اور فرمانے لگے بیٹا! آپ کیوں چھپ کر بیٹھے ہیں؟ بات سنو!

ان لوگوں کی باتیں بڑی اونچی ہوتی ہیں۔ یہ بہت اچھے لوگ ہوتے ہیں جی ــــ فرمایا بیٹا! آپ بھی اسلام کے سپاہی ہیں، میں بھی اسلام کا سپاہی ہوں۔ تم بے وردی ہو اور میں باوردی ہوں لیکن ہم دونوں اسلام کے سپاہی ہیں ــــ دیکھا جوڑنا ہے، توڑنا تو نہیں نا؟ اگر وہ دیکھتے اور فرماتے عبداللہ شاہ! ہٹ جاؤ، دفع ہو جاؤ، تم نے داڑھی منڈا ڈالی وغیرہ ــــ لیکن نہیں، اٹھ کر ان کے پاس خود تشریف لے گئے۔ پاس جا کر بیٹھے اور فرمایا بیٹا مجھ سے شرمانے کی کیا بات ہے؟ تم بھی اسلام کے سپاہی ہو، میں بھی اسلام کا سپاہی ہوں۔ میں باوردی ہوں تم بے وردی ہو ــــــ خدام الدین میں یہ واقعہ چھپا ہے ــــ کتنا بڑا یہ فلسفہ ہے۔

مسلمان بیک وقت دین و دنیا کے کام کرسکتا ہے

تو محترم حضرات! ہم سب الحمدللہ مسلمان ہیں۔ آپ پاکستان گورنمنٹ کے سرکردہ اہلکار ہیں۔ آپ کو دینی مدارس کے دورہ کے لئے منتخب کیا گیا ہے۔ آپ کی جو صلاحیتیں ہیں وہ بھی مسلم ہیں۔ اگر آپ کے اندر دینی صلاحیتیں زیادہ اجاگر ہوں گی تو ان کا فائدہ آپ کو ملے گا اور آپ کے ماتحتوں کو ملے گا۔ جہاں آپ جائیں گے وہاں فائدہ پہنچے گا۔ ہمارے پچھلے دور کا ہر تاجر، تاجر بھی تھا مبلغ بھی تھا۔ ہر حکیم مبلغ بھی تھا حکیم بھی تھا۔ ہر معمار، معمار بھی تھا اور مبلغ بھی تھا۔ یہ ہمارے جتنے علماء گذرے ہیں کوئی لوہار ہے کوئی ترکھان ہے۔ کوئی بزاز ہے۔ کسی کا کوئی پیشہ ہے کسی کا کوئی۔ ہمارے امام ابوحنیفہؒ جن کے ہم مقلد ہیں آپ کپڑے کا کاروبار کرتے تھے اور صابونی بہت بڑے عالم گذرے ہیں۔ صابون بنا کر بیچتے تھے لیکن ساتھ ہی دین کا کام بھی کرتے تھے۔ صابون بھی بک رہا ہے۔ دین کا کام بھی ہو رہا ہے۔ حلوائی ہے، حلوہ بھی بیچا۔ دین کا کام بھی کیا۔ غیر المقصد کہنے کا یہ ہے کہ ہمارا دین جو پھیلا ہے اس طرح پھیلا ہے۔ یہ تصور تو غیر اسلامی ہے کہ دین اور دنیا الگ الگ ہیں۔ آپ نے

تاریخ آپ نے پڑھی ہوگی۔ ہندوؤں میں تقسیم مناصب ہے۔ تقسیم فرائض ہے۔ برہمن جو ہے وہ صرف دین کا کام کرتا ہے۔ دنیا کا کام نہیں کرتا۔ اسی طرح شودر ہیں۔ ہمارے ہاں یہ نہیں ہے۔ ہمارے ہاں تو مبلغ بھی ہے۔ مجاہد بھی ہے تاجر بھی ہے وہ مصلے پر بیٹھ کر نماز بھی پڑھا سکتا ہے۔ مصلے پر بیٹھ کر تجارت بھی کر سکتا ہے۔ مصلے پر بیٹھ کر تیر کمان، اور بندوق بھی تیار کر سکتا ہے۔ مصلے پر بیٹھ کر وہ ترجمہ بھی پڑھا سکتا ہے۔ تو ہمارے ہاں تو دین و دنیا کا کوئی الگ تصور ہی نہیں ہے۔ یہ تو بدیشی حکومتوں کا ایک حربہ ہے کہ پھوٹ ڈال دو الگ الگ کر دو۔

__مسلمان بادشاہ کا دینی مقام__ شمس الدین التمش رحمۃ اللہ علیہ خاندانِ غلاماں کے ایک بادشاہ ہو گذرے ہیں۔ آپ جانتے ہی ہیں۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں گذرے ہیں۔ وفات سے قبل خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خدام کو اپنا جنازہ پڑھانے والے شخص کے متعلق وصیت فرمائی کہ کون سا شخص جنازہ پڑھائے۔

آپ کے وصال کے بعد آپ کا جنازہ اٹھا۔ اسلامی مملکت۔ التمش کی حکومت، ولی کا جنازہ، صلحاء، اتقیاء، صوفیاء، اور علماء سب جمع ہیں۔ تو اس وقت تو لاؤڈ سپیکر نہیں تھے۔ سلطان شمس الدین التمش بھی پچھلی صف میں کھڑے ہیں، پوچھا جنازہ میں کیا دیر ہے؟ عرض کیا گیا کہ خواجہ بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے وصیت فرمائی ہے کہ میرا جنازہ وہ شخص پڑھائے جس میں یہ صفات ہوں۔

نمبر ایک۔ آج تک تہجد کی نماز قضا نہ ہوئی ہو۔

نمبر دو۔ اپنی بیوی کے علاوہ کسی کے ساتھ تعلق نہ ہوں۔

نمبر تین۔ عصر کی سنتیں کبھی نہ چھوٹی ہوں۔

اتنے اتنے علماء موجود ہیں مگر کسی کی ہمت نہیں پڑتی کہ آگے بڑھے۔ آپ نے تاریخ میں یہ واقعہ پڑھا ہوگا کہ سلطان شمس الدین التمش نے حضرت بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی نماز جنازہ خود پڑھائی۔ ہمارے سلاطین بیک وقت دنیا کے حکمران بھی تھے اور ساتھ ہی تقوٰی کے اعلیٰ مقام پر بھی فائز تھے۔

__آخری عرضداشت__ تو عرض کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ ہم میں اختلاف پیدا کیا گیا کہ ایک طرف مسٹر ہوں دوسری طرف ملا ہوں۔ حالاں کہ ہم سب مسلمان ہیں۔ اسلام یہ سکھاتا ہے میرے دوستو! کہ اگر ایک ڈاکٹر ہے تو وہ ڈاکٹر بھی ہو، اور مبلغ بھی ہو۔ اگر ایک مولوی ہے تو وہ ڈاکٹر بھی ہو سکتا ہے۔ اگر یہ اختلاف ختم ہو جائے تو ہم سب مل کر اسلام کی خدمت کر سکتے ہیں۔

یہ بڑی خوشی کا مقام ہے کہ ہماری حکومت نے یہ منصوبہ بنایا کہ آپ جیسے حضرات کو کہا گیا کہ آپ دینی مدارس میں بھی جائیں، وہاں جا کر طلبا کو دیکھیں۔ (دینی ماحول میں کچھ وقت گذاریں۔ دیکھا آپ نے کتنا بڑا ادارہ ہے

(باقی ص ۵۰ پر)

مفتی اعظم حضرت مولانا کفایت اللہ دہلویؒ

تاریخ پیدائش حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب شاہ جہاں پور (روہیل کھنڈ۔ یوپی) کے محلہ زئی میں پیدا ہوئے۔ ۱۲۹۲ھ آپ کا سن پیدائش ہے۔

ابتدائی تعلیم آپ نے پانچ سال کی عمر میں حافظ برکت اللہ صاحب کے مکتب شاہ جہان پور میں اپنی تعلیم کا آغاز کیا۔ اسی مکتب میں آپ نے ناظرہ قرآن کریم کی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد اردو و فارسی کی ابتدائی تعلیم حافظ نسیم اللہ کے مکتب واقعہ محلہ ورگ زئی میں حاصل کی۔ اس کے بعد آپ مولوی اعزاز حسن خاں صاحب کے مدرسہ اعزازیہ میں جو محلہ خلیل شرقی میں واقع تھا داخل ہوئے۔ یہ مدرسہ اپنے قابل اساتذہ کی بدولت بہت مشہور تھا۔ اس لئے حضرت مفتی صاحب کی علمی بنیاد اس مدرسہ نے مستحکم کیا۔ چنانچہ فارسی نصاب کی اعلیٰ ادبی کتاب "سکندر نامہ" اور عربی کی ابتدائی کتابیں حافظ بدھن خاں صاحب نے شروع کرائیں جو نہایت ہی ذہین اور قابل استاد تھے۔

آپ کے دوسرے استاد محترم اس مدرسہ میں مولانا عبید الحق خاں صاحب تھے جو افغانستان سے ہندوستان دینی تعلیم حاصل کرنے کے لئے آئے تھے اور مولانا مفتی لطف اللہ رحمۃ اللہ علیہ علی گڑھی جیسے شہرۂ آفاق عالم کے شاگرد تھے[1] مولانا عبید الحق کی جوہر شناس نگاہ نے جلد معلوم کر لیا کہ ان کے نو عمر مگر ہونہار شاگرد کو نہایت اعلیٰ تعلیم و تربیت کی ضرورت ہے۔ اس لئے انہوں نے آپ کے والد محترم شیخ عنایت اللہ کو مجبور کیا کہ وہ اپنے لڑکے کو دارالعلوم دیوبند بھیجیں۔ آپ کے والدین اپنے غریبانہ حالات کے ماتحت اپنے کم سن لڑکے کو اس قدر دور بھیجنے پر رضامند نہیں ہوئے کیونکہ اس وقت حضرت مفتی صاحب کی عمر صرف پندرہ برس تھی آخرکار مولانا موصوف نے انہیں اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ اپنے نو عمر صاحبزادے کو قریب کے مدرسہ شاہی مراد آباد کی طرف ایک اور طالب علم کے ساتھ بھیج دیں جن کا نام حافظ عبد المجید تھا۔ چنانچہ حضرت مفتی صاحب حافظ عبد المجید کے ساتھ مدرسہ شاہی مراد آباد میں داخل ہونے کے لئے روانہ ہو گئے۔

مولانا عبید الحق خاں صاحب نے اپنے دونوں شاگردوں کو مدرسہ عربیہ شاہی مسجد مراد آباد کے مہتمم مرزا حافظ نبی بیگ کے نام خط دے کر بھیجا تھا۔ مہتمم صاحب مولانا عبید الحق خاں صاحب کے پیر بھائی تھے۔ مگر جب یہ دونوں شاگرد مراد آباد پہنچے تو وہ بمبئی گئے ہوئے تھے تاہم ان کے نائب مہتمم حاجی محمد اکبر خاں صاحب سوداگر نے بھی ان کا خیر مقدم کیا اور انہیں مولوی عبد الخالق

---

[1] مولانا عبید الحق خاں صاحب مولانا افضل اللہ خاں صاحب شاہ جہان پوری کے والد بزرگوار تھے جو بمبئی کے بعد کراچی میں بھی مقیم ہوئے مولانا عبید الحق خاں صاحب، مولانا سیف الرحمن صاحب اور مولانا محمد رسول صاحب بھاگلپوری کے معاصر تھے انہوں نے مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے بیعت کی تھی۔ اُن کی وفات بتیس ۳۲ سال کی عمر میں ۱۳۱۲ھ میں شاہ جہان پور میں ہوئی۔

صاحب کے پاس ہاتھی خانہ میں عارضی طور پر رہنے کا بندوبست کیا۔ مولوی عبدالخالق صاحب بھی مدرسہ اعزازیہ میں مولوی عبدالحق خان صاحب کے پاس پڑھتے رہے تھے اور ایک سال قبل اس مدرسہ میں داخل ہوئے تھے۔

بعد میں حضرت مفتی صاحب اور حافظ عبدالمجید مراد آباد کے مشہور وکیل حافظ محمد اسمٰعیل صاحب کے دیوان خانہ میں مقیم ہوگئے۔ حافظ محمد اسمٰعیل صاحب مشہور سیاسی لیڈر سر محمد یعقوب ممبر اسمبلی کے والد بزرگوار تھے۔ وہ شاہجہان پور میں وکالت کرتے تھے اس لئے وہیں رہتے تھے۔ البتہ اپنے وطن مراد آباد ہر مہینے دو تین دفعہ آیا کرتے تھے۔ چونکہ ان کا دیوان خانہ جو محلہ مغل پورہ مراد آباد میں تھا، خالی پڑا رہتا تھا اس لئے وہ ان دونوں طلبہ کے لئے موزوں مقام ثابت ہوا۔

حافظ محمد اسمٰعیل صاحب کے بار بار مراد آباد آنے کا ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ ان کے ہاتھ تینوں ہم وطن طلبہ کے والدین اپنے بچوں کے لئے ضروریات کی چیزیں بھیج دیا کرتے۔ مفتی صاحب جب مراد آباد کے مدرسہ شاہی میں تعلیم حاصل کرتے تھے تو اس زمانے میں کھانے کا انتظام مدرسہ کی طرف سے تھا تاہم تعلیم کے اخراجات اور دیگر ضروریات کے اخراجات حضرت مفتی صاحب خود ہی برداشت کرتے تھے۔ آپ کے والد صاحب بہت غریب آدمی تھے اس لئے وہ تعلیم کے پورے اخراجات برداشت نہیں کرسکتے تھے۔ ایسی صورت میں آپ نے اپنے قوت بازو پر بھروسہ کیا۔ آپ دوسروں کے عطیات اور بخشش قبول نہیں کرتے تھے۔ بلکہ مراد آباد اور دیوبند کے قیام کے زمانے میں تاگے کی ٹوپیاں کروشیہ سے بنتے تھے۔ آپ بہت عمدہ مختلف رنگ کے ریشمی پھول ٹوپیوں میں بنایا کرتے۔ دو تین دن میں ایک ٹوپی تیار ہوتی اور دو روپے میں فروخت ہوجاتی۔ یہ ٹوپیاں آپ کی کاریگری اور ہنرمندی کا بہترین نمونہ ہوتی تھیں۔ ٹوپیاں بننے سے پہلے آپ اپنے قلم سے ٹوپیوں کے مختلف ڈیزائن اور نمونے بناتے تھے۔ چنانچہ ٹوپیوں کے نمونوں اور ڈیزائن کا یہ مجموعہ ان کے صاحبزادے صاحب کے پاس موجود ہے[1]۔

مراد آباد کے تعلیمی دور کے کچھ واقعات مولانا سید فخر الحسن صاحب استاد دارالعلوم دیوبند نے اپنے والد مولانا سید فیض الحسن صاحب مرحوم کی زبانی بیان فرمائے ہیں[2]۔ ان کے والد صاحب بیان کرتے ہیں:۔

"مراد آباد میں حضرت مفتی صاحب اور میں نے ساتھ پڑھا ہے۔ غالباً مولانا احمد حسین امروہی سے جو کچھ عرصہ تک شاہی مسجد مراد آباد میں مدرس رہے ہیں نیز حضرت مولانا محمد حسن صاحب مراد آبادی (مغلپوری) سے ہم دونوں نے کچھ کتابیں پڑھی ہیں۔ ان میں شرح وقایہ ایک کتاب مجھے یاد ہے جو ساتھ پڑھی ہے۔ مفتی صاحب سبق میں بالکل بے پرواہ ہوکر پیچھے بیٹھے رہا کرتے تھے اور کبھی کبھی سبق کے وقت بھی ٹوپی بنتے رہتے تھے لیکن سمجھ اور حافظہ کا یہ حال تھا کہ جب مجھے ضرورت ہوتی اور کتاب سمجھ میں نہ آتی تو مفتی صاحب کے پاس حاضر ہوتا۔ مفتی صاحب کتاب کی بعینہٖ وہی تقریر فرمادیتے جو حضرت استاد سے سُنی تھی۔"

طالب علمی کے زمانے میں (آپ کا) حضرت مولانا محمد حسن مراد آبادی ثم بھوپالی (آپ بعد میں ریاست بھوپال کے ناظم اوقاف ہوگئے تھے) کے یہاں قیام تھا اور کھانا مولانا الممدوح کے یہاں کھایا کرتے تھے۔ یہ صورت حضرت

---

[1] مفتی اعظم کی یاد ص۳۳، ص۳۴ [2] مفتی اعظم کی یاد ص۱۴۹

مفتی صاحب نے اپنے محترم استاد موصوف کے اصرار پر قبول فرمائی تھی ——— اوپر کے خرچ کے لئے اپنے ہاتھ سے ٹوپیاں بُن کر بازار میں فروخت فرماتے تھے، اور نہایت خودداری کے ساتھ طالب علمانہ زندگی بسر فرماتے تھے "۔

سلسلۂ تدریس

دارالعلوم کی تدریس سے فارغ ہو کر مفتی صاحب دہلی آئے اور اپنے رفیقِ خاص مولوی امین الدین صاحب کے پاس ٹھہرے۔ ان دنوں مولوی امین الدین صاحب ایک مذہبی مدرسہ قائم کرنے کا ارادہ کر رہے تھے اور مسجد چھتہ شاہ حسین چاوڑی بازار دہلی میں قیام پذیر تھے۔

مدرسہ عین العلم

آپ اپنے وطن شاہجہان پور پہنچے تو اس زمانے میں آپ کے اوّلین مربی اور استاد مولانا عبید الحق خان صاحب مدرسہ اعزازیہ میں مبتدعین کے غلبے سے بیزار ہو کر اس مدرسہ سے الگ ہو چکے تھے اور ۱۳۲۰ھ میں ایک نئے مدرسہ عین العلم کی بنیاد ڈال چکے تھے۔ لہٰذا جب آپ شاہجہان پور پہنچے تو انہوں نے آپ کو اپنے مدرسہ میں مدرس مقرر کر لیا۔ اور اس کے ساتھ مدرسہ کے دفتر کا سارا کام بھی آپ کے سپرد کر دیا۔ اس وقت آپ کی تنخواہ غالباً صرف پندرہ روپے ماہوار تھی۔

مدرسہ عین العلم کے ریکارڈ سے پتہ چلتا ہے کہ مدرسہ کے تمام انتظامی امور مفتی صاحب انجام دیتے تھے۔ آپ سب سے پہلے مدرسہ پہنچتے اور سب کے بعد وہاں سے رخصت ہوتے تھے۔ آپ مدرسہ کا حساب بہت عمدہ اور باقاعدہ رکھتے تھے۔ دفتری اور تعلیمی کام کے ساتھ ساتھ آپ نے فتویٰ نویسی کا کام بھی سنبھال لیا تھا۔ آپ نے سب سے پہلا فتویٰ اسی مدرسہ عین العلم میں تحریر کیا جو بہت مدلل اور مبسوط تھا۔ اس فتوے کو شاہجہان پور کے تمام علماء اور بالخصوص مولانا عبید الحق خان صاحب نے بہت پسند کیا تھا۔ آپ فتویٰ نویسی میں بہت محنت کرتے تھے اور اس میں بہت احتیاط اور جانفشانی سے کام لیتے تھے۔

رسالہ البرہان کا اجراء

مدرسہ عین العلم کی مدرسی کے زمانے میں آپ نے "فتنۂ قادیانیت" کی تردید میں ایک ماہوار رسالہ البرہان جاری کیا اس کے مدیر آپ خود تھے، اور منیجر مولانا مفتی مہدی حسن صاحب کے بڑے بھائی منشی سلطان حسن تھے۔ پہلا نمبر شعبان ۱۳۲۱ھ میں شائع ہوا۔ اس رسالہ میں قادیانیت کی تردید میں نہایت عمدہ مضامین شائع ہوتے تھے۔

مدرسہ عین العلم کے دورِ تدریس کے تلامذہ حسبِ ذیل تھے۔

۱: مولانا حافظ اعزاز علی صاحبؒ استاذ الفقہ والادب دارالعلوم دیوبند۔

۲: مولانا مفتی مہدی حسن صاحب۔ مفتی دارالعلوم دیوبند۔

۳: مولوی اکرام اللہ خان ندوی۔ مدیر کانفرنس گزٹ علی گڑھ۔

۴: مولوی حافظ ذاکر علی صاحب۔ ایڈووکیٹ۔

ابتدائی سیاسی سرگرمیاں

۱۹۱۵ء اور ۱۹۱۶ء میں ہندو اور مسلمانوں میں اتحاد کی تحریک زور پکڑ رہی تھی اور دونوں فریق اتحاد کی ضرورت کو محسوس کر رہے تھے کیونکہ انگریزی حکومت نے متحدہ مطالبات پر جدید سیاسی اصلاحات کا وعدہ کیا تھا۔ اس زمانے میں مسلمانوں کی سیاسی جماعت مسلم لیگ تھی اور ہندوؤں کی بڑی اکثریت کانگریس:

تھی اور علمائے کرام باقاعدہ کسی جماعت میں حصہ لے کر یا علیحدہ سیاسی تنظیم کے طور پر کام نہیں کر رہے تھے بلکہ انفرادی طور پر اکابر دیوبند کام کرتے تھے۔ ایسے موقع پر کانگریس کے بمبئی میں ۱۹۱۵ء میں اجلاس ہوتے۔ اس میں مسلم لیگ کے ساتھ سمجھوتہ کرنے کی تجویز منظور کر لی گئی تھی۔ اس کے متعلق ہندو اور مسلمان لیڈروں میں مشورے ہونے لگے اور آخرکار ایک متحدہ سمجھوتہ ہو گیا جسے مسلم لیگ کے اس اجلاس میں منظور کرایا گیا جو دسمبر ۱۹۱۶ء میں لکھنؤ میں قائد اعظم محمد علی جناح کی صدارت میں ہوا تھا اور اسی مناسبت سے یہ متحدہ سمجھوتہ میثاق لکھنؤ کے نام سے مشہور ہوا۔ اس سمجھوتہ میں مسلمانوں کے نقطۂ نظر سے بہت سی خامیاں رہ گئی تھیں، جو اُس وقت مسلمانوں کے سیاسی لیڈروں کو محسوس نہیں ہو سکیں۔ جمعیۃ علماء ہند اس وقت تک قائم نہیں ہوئی تھی مگر حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب کو اللہ تعالیٰ نے اس قدر سیاسی بصیرت عطا کی تھی کہ آپ کی فکر دُوربین نے اس کی خامیاں بھانپ لی تھیں۔ چنانچہ آپ نے اسی زمانے میں اس کی خامیاں اپنی ذاتی حیثیت سے واضح کیں۔ آپ کی سیاسی بصیرت اور سُوجھ بُوجھ اس قدر مسلّم تھی کہ آپ کے استاد محترم حضرت شیخ الہندؒ جب کبھی کسی سیاسی لیڈر سے گفتگو کرتے تھے تو سب سے پہلے حضرت مفتی صاحب کو بُلا کر اُن سے مشورہ کرتے تھے۔ اس موقع پر آپ کے رفقاء اور مخصوص تلامذہ آپ پر رشک کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ بہت اصرار کے بعد حضرت شیخ الہندؒ نے اپنے رفقاء کو مخاطب کر کے فرمایا۔

"بے شک تم لوگ سیاستدان ہو لیکن مولوی کفایت اللہ کا دماغ سیاست ساز ہے۔"

حضرت شیخ الہندؒ سے عقیدت

سیاست میں حضرت مفتی صاحب شیخ الہندؒ کے ہم نوا تھے۔ اپنے استاد سے آپ کا قلبی تعلق عشق کی حد تک پہنچا ہوا تھا۔ آپ نے اپنے مشہور قصیدہ "روض الریاحین" کے آخر میں حضرت شیخ الہندؒ کی تعریف میں ایک مستقل نظم لکھی ہے۔ اس قصیدہ میں علماء ہند کا تذکرہ کیا گیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ حواشی میں مفتی صاحب نے مذکورہ علماء کے مختصر حالات بھی تحریر کئے ہیں۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی کے بارے میں اصل قصیدہ کے عربی اشعار میں آپ کے بارے میں جو تحریر کیا ہے اُس کا ترجمہ یہ ہے:۔

"خلق خدا کے محمودؒ، نیک فضائل، حسین و جمیل اور صاحبِ اخلاقِ حمیدہ ہیں۔ میں آپ کی کس کس خصلت کی تعریف کروں۔ آپ کے جملہ اوصاف احاطۂ شمار سے متجاوز ہیں۔ آپ کے علم کی وسعت اور صفائی قلب میرے اس دعوے کے بہترین گواہ ہیں۔"

سیاسی تحریکات میں شرکت

۱۸ اگست ۱۹۱۷ء کو ملک معظم (برطانیہ) کا وہ مشہور اعلان شائع ہوا جس میں ہندوستانیوں کو حکومت خود اختیاری دینے کا وعدہ کیا گیا تھا۔ اس کے بعد لارڈ مانٹیگو (وزیر ہند) ہندوستان آئے۔ ان کے سامنے مسلم لیگ اور کانگریس کا متحدہ سمجھوتہ "میثاق لکھنؤ" پیش کیا گیا۔ اس سے پیشتر حضرت مفتی صاحب بہ حیثیت انفرادی حیثیت سے تنقید کر چکے تھے لہٰذا اس موقع پر حضرت مفتی صاحب زیر قیادت علماء کرام نے یہ محسوس کیا کہ اگر وہ سیاسی تحریکوں میں شریک ہو کر مسلمانوں کی صحیح راہنمائی نہیں کریں گے، تو ان کی طرف سے مزید غلطیاں سرزد ہوں گی

مسلم لیگ میں شرکت چنانچہ اس مقصد کو پیش نظر رکھ کر علماء مسلم لیگ کے اس گیارھویں اجلاس دہلی منعقدہ دسمبر ۱۹۱۸ء میں بکثرت شریک ہوئے جو شیر بنگال مولوی فضل حق کے زیر صدارت منعقد ہوا تھا۔ اس اجلاس میں مندرجہ ذیل علماء شریک ہوئے۔

۱: حضرت مفتی کفایت اللہ
۲: حضرت مولانا احمد سعید صاحب دہلویؒ
۳: مولینا عبدالباری فرنگی محلیؒ
۴: مولانا آزاد سبحانی
۵: مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹیؒ
۶: مولانا عبداللطیف دہلویؒ
۷: مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ

مسلم لیگ کے لیڈر علماء کی شرکت سے بہت خوش ہوئے چنانچہ کرسی صدارت کی طرف سے ایک تجویز پیش ہوئی جس میں علماء کرام کی شرکت پر خوشی اور مسرت کا اظہار کیا گیا تھا۔

جشنِ صلح کا مقاطعہ اس کے بعد ۱۲ نومبر ۱۹۱۹ء کو دہلی میں خلافت کانفرنس بھی مولوی فضل الحقؒ کی صدارت میں منعقد ہوئی۔ اس میں بہت سے علماء شریک ہوئے۔ اس کانفرنس میں حضرت مفتی صاحب نے برطانیہ کے جشن صلح کا بائیکاٹ کرنے کی تجویز پیش کی۔ اس کے الفاظ یہ تھے:-

"یہ جلسہ ان دل دوز واقعات کو پیش نظر رکھ کر جو سلطنت ترکی، خلافت، مقامات مقدسہ اور سلطنت ایران کے متعلق اس صلح کے نتیجہ کے طور پر پیش آئے، مذہبی نقطۂ نظر سے تجویز کرتا ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو جشن فتح میں کوئی حصہ نہ لینا چاہیئے۔"

یہ تجویز اتفاق رائے سے منظور ہو گئی اس کی حمایت میں حضرت مفتی صاحب نے یہ کلمات ارشاد فرمائے تھے:-

"شرعاً ایسی حالت میں جب کہ مقامات مقدسہ خلیفۃ المسلمین کے قبضے سے باہر ہیں اور بغداد شریف، بیت المقدس ونجف اشرف وغیرہ غیر مسلموں کے قبضے میں ہیں مسلمان کسی طرح ایک ایسی صلح کی خوشی میں شریک نہیں ہو سکتے،

جس کا نتیجہ اس وقت اس کے سوا کچھ نہیں نکلا کہ امیر المؤمنین خلیفۃ المسلمین کے قبضہ و اقتدار سے انکے ممالک نکال لئے گئے ہیں اور اسلام کی دنیاوی طاقت و اقتدار کو زائل کیا جا رہا ہے۔"

آخر میں آپ نے فرمایا۔

"میں طبقۂ علماء سے ہوں اور شرعی نقطۂ نظر سے کہتا ہوں کہ مسلمان کسی ایسی صلح میں شریک نہیں ہو سکتے اگر ہوں گے تو شرعاً گنہگار ہوں گے۔"

اس تجویز کی تائید میں دیگر علماء کے علاوہ سیٹھ چھوٹانی اور مسٹر گاندھی نے بھی تقریر کی تھی۔[۱]

استبدادِ علماء کا احساس دہلی میں خلافت کمیٹی کے قیام کے بعد حضرت مفتی صاحب نے یہ محسوس کیا کہ علماء کا ایک جداگانہ مرکز قائم ہونا چاہیئے کیونکہ آپ نے یہ خطرہ محسوس کیا تھا کہ اگر کسی سیاسی جماعت میں علماء انفرادی طور پر شریک ہوئے اور اس سیاسی جماعت نے کوئی غیر محتاط قدم اٹھایا تو اس موقعہ پر سب سے زیادہ آفت علماء پر آئے گی۔

اس لئے انہوں نے اس خطرہ کو محسوس کرتے ہوئے اس خلافت کانفرنس کے زمانے میں ہی اپنے ہم خیال علماء سے اس مقصد کے لئے گفت و شنید کا آغاز کیا۔

ڈاکٹر انصاری کا خطبۂ صدارت

جمعیۃ علماء ہند کے قیام کا خیال آپ کے ذہن میں اسی وقت سے موجود تھا جب کہ مسلم لیگ کے گیارھویں اجلاس دسمبر ۱۹۱۸ء میں (جو کرشنا تھیٹر لال کنواں دہلی میں مولوی فضل الحق کی صدارت میں منعقد ہوا تھا جس میں بڑی تعداد میں علماء شریک ہوتے تھے جیسا کہ سابق میں گذرا)۔ اس جلسہ کے صدر استقبالیہ ڈاکٹر مختار احمد انصاری تھے۔ ڈاکٹر انصاری صاحب نے اس اجلاس میں جو خطبۂ استقبالیہ پڑھا تھا اس میں خلافت اور جزیرہ عرب کے بارے میں مسلمانوں کے مذہبی خیالات کو نہایت بیباکی کے ساتھ ظاہر کیا گیا۔ اس خطبۂ استقبالیہ کے اس اہم حصہ کو حضرت مفتی صاحب نے تحریر کیا تھا کیونکہ اس میں خلافت اور جزیرہ عرب کے مسائل پر حضرت مفتی صاحب نے فقہی اور اسلامی نقطۂ نظر سے بحث کی تھی۔

خطبۂ استقبالیہ کی ضبطی

اس خطبۂ استقبالیہ میں ایسی پرجوش مدلل بحث کی گئی تھی کہ صوبہ متحدہ (یو۔پی) کی حکومت کو اندیشہ ہوا کہ کہیں مسلمان گورنمنٹ برطانیہ کے جنگی مقاصد کے خلاف بغاوت نہ کر دیں۔ اس لئے اس نے یہ خطبہ ضبط کر لیا تھا۔

اتحاد کی کوششیں

اس کے بعد جب مفتی صاحب حضرت شیخ الہندؒ کے حالات پر ایک کتابچہ بعنوان "شیخ الہند" لکھ رہے تھے (جو طبع ہو کر شائع ہو چکا ہے) تو اس وقت بھی آپ کے ذہن میں یہ تجویز تھی کہ تمام علماء ہند ایک مشترکہ پلیٹ فارم سے شیخ الہند کی رہائی کے لئے کوشش کریں۔

خفیہ اجتماع

مگر مختلف الخیال و مختلف العقائد علماء کو ایک مرکز پر جمع کرنا بہت مشکل کام تھا، اندیشہ تھا کہ حکومت علماء کے باہمی فرقہ وارانہ اختلاف سے فائدہ اٹھا کر علماء کو ایک مرکز پر جمع نہ ہونے دیگی۔ اس لئے اس اجتماع کو خفیہ رکھا گیا۔ ۱۹۱۹ء کے اس زمانے میں خلافت کمیٹی کا اجلاس سنگم تھیٹر متصل ایڈورڈ پارک دہلی (حال جگت ٹاکیز) میں ہو رہا تھا۔ اس لئے یہ فیصلہ ہوا کہ اجلاس ختم ہونے کے بعد صرف علماء کو اسی جگہ بلایا جائے۔ چنانچہ حضرت مفتی صاحب کی ہدایت کے مطابق مولانا احمد سعید صاحب اور مولانا آزاد سبحانی نے تمام علماء کی قیام گاہوں پر خفیہ طور پر اس اجتماع میں شریک ہونے کی دعوت دی۔

جمعیۃ علماء ہند کا قیام

اسی روز عشاء کی نماز کے بعد علماء کا جلسہ ہوا جس میں تقریباً پچیس ۲۵ علماء شریک ہوئے۔ اسی وقت سب علماء نے متفقہ طور پر یہ فیصلہ کیا کہ تمام علمائے ہند کی ایک جماعت قائم کی جائے اور اس کا نام "جمعیۃ علماء ہند" رکھا جائے۔ انہوں نے جمعیۃ علماء ہند کا عارضی صدر حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب کو اور عارضی ناظم مولانا احمد سعید دہلوی کو مقرر کیا اور مولانا سید محمد داؤد غزنوی کی دعوت پر یہ طے پایا کہ جمعیۃ علماء ہند کا پہلا اجلاس دسمبر ۱۹۱۹ء میں بمقام امرتسر بصدارت مولانا عبدالباری منعقد ہوگا۔

یوں نومبر ۱۹۱۹ء میں جمعیۃ علماء ہند کا سب سے پہلا دفتر مدرسہ امینیہ میں حضرت مفتی صاحب کے کمرے میں قائم ہوا

اس وقت کوئی محرر اور چپراسی نہیں تھا بلکہ آپ خود اور مولانا احمد سعید صاحب اپنے ہاتھوں سے تمام کام کیا کرتے تھے۔ ۱۹۱۹ء میں دہلی میں جمعیۃ علماء ہند کا بنیادی جلسہ ہوا تھا۔ اسی سال ۱۹۱۹ء کے آخر میں کانگریس اور مسلم لیگ کے اجلاس امرتسر میں ہوئے۔ اس زمانے میں جمعیۃ علماء ہند کا دوسرا اجلاس بھی امرتسر میں منعقد ہوا۔ اس میں تقریباً ۳۰ کے قریب ملک کے مشہور علماء شریک ہوئے۔ یہ جلسہ بھی عام جلسہ نہ تھا تاہم اس جلسہ میں جمعیۃ علماء کا آئین اور آئندہ طریق کار کا مسئلہ طے

پہلی گرفتاری حضرت مفتی صاحب نے تحریک خلافت میں کوئی ایسا خلاف قانون کام نہیں کیا تھا جس کے ماتحت آپ کی گرفتاری عمل میں آتی۔ تاہم جب ملک میں ۱۹۳۰ء میں دوبارہ سول نافرمانی کی تحریک شروع ہوئی تو مفتی صاحب مردانہ وار میدان سیاست میں نکلے اور ملک وملت کی آزادی کی خاطر عام تقریروں کا سلسلہ شروع کیا۔ اس جرم میں آپ کی پہلی گرفتاری ۱۱ راکتوبر ۱۹۳۰ء کو عمل میں لائی گئی۔ حکام آپ کی عظمت سے واقف تھے۔ آپ دہلی کی روح رواں سمجھے جاتے تھے اس لئے آپ کو گرفتار کرنے سے پہلے دہلی کے گوشے گوشے میں مسلح پولیس اور فوج کا پہرہ بٹھا دیا گیا اور رات کے تین بجے سے شہر کے گلی کوچوں میں آمد ورفت بالکل بند کر دی گئی تھی۔ یہاں تک کہ نماز فجر کے لئے جانے والوں کو بھی گھروں سے نکلنے نہیں دیا گیا۔

علی الصبح چار بجے کوتوال شہر، مجسٹریٹ وغیرہ حضرت مفتی صاحب کے گھر آئے اور آپ کو گرفتار کر کے لے گئے، اور آپ کو چھ ماہ قید بامشقت کی سزا تجویز ہوئی اور اے کلاس دی گئی۔ کچھ دن دہلی جیل میں رہے اس کے بعد گجرات جیل میں منتقل کر دیا گیا جہاں ڈاکٹر مختار احمد انصاریؒ، خان عبدالغفار خاں، مولانا احمد سعید دہلویؒ، مولانا حبیب الرحمن لدھیانویؒ، مسٹر آصف علی وغیرہ آپ کے ساتھ رہے۔

دوسری گرفتاری دوسری گول میز کانفرنس (دسمبر ۱۹۳۱ء) کی ناکامی کے بعد دوبارہ سول نافرمانی شروع ہوگئی۔ اس موقعہ پر جمعیۃ علماء ہند نے سول نافرمانی کی تحریک کا سب سے پہلا ڈکٹیٹر مفتی صاحب کو مقرر کیا اور دفعہ ۱۴۴ کی خلاف ورزی کے لئے ۱۱ مارچ ۱۹۳۲ء بروز جمعہ جمعیۃ العلماء کی طرف سے جلوس اور جلسہ کا اعلان کیا گیا ــــــ دہلی کی جامع مسجد شاہ جہانی میں نماز جمعہ کے بعد جلسہ ہوا۔ حضرت مفتی صاحب نے خطاب کیا اور لوگوں کو جلوس میں پُرامن رہنے کی تلقین کی۔ اس کے بعد جامع مسجد سے مسلمانوں کا عظیم الشان جلوس روانہ ہوا۔ اس میں تقریباً ایک لاکھ افراد شامل تھے۔ جلوس کی راہنمائی حضرت مفتی صاحب خود فرما رہے تھے۔ یہ جلوس مختلف سڑکوں اور بازاروں سے ہوتا ہوا ٹاؤن ہال کے پیچھے آزاد پارک پہنچ گیا۔ وہاں ایک جلسہ ترتیب دیا گیا جہاں کوتوال شہر اور دیگر پولیس افسران پولیس کی بھاری جمعیت کے ساتھ موجود تھے۔ مفتی صاحب سٹیج پر کھڑے ہو کر اپنا طوفانی بیان پڑھنا چاہتے تھے کہ پولیس نے بے تحاشہ لاٹھی چارج شروع کر دیا اور نہتے عوام کو بُری طرح زدوکوب کیا۔ لاٹھی چارج سے سینکڑوں افراد سخت زخمی ہوئے مولانا عبدالحلیم صدیقی اور دیگر ممتاز علماء بھی شدید مجروح ہوئے۔

ملتان جیل جب پولیس کے ظالمانہ لاٹھی چارج سے عوام منتشر ہوگئے تو کوتوال شہر آپ کو گرفتار کر کے کوتوالی لے گیا اور وہاں سے آپ کو جیل بھیج دیا گیا۔ جہاں آپ کے خلاف جیل میں عدالت قائم کی گئی اور آپ کو اٹھارہ ۱۸ ماہ قید بامشقت

کی سزا دی گئی اور آپ کے لئے اے کلاس مقرر کی گئی ۔ اس کے بعد آپ کو نیو سنٹرل جیل ملتان میں رکھا گیا ۔ ملتان جیل میں مولانا احمد سعید دہلوی، مولانا حبیب الرحمٰن دہلوی، مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا داؤد غزنوی ۔ لالہ دیش بندھو گپتا چوہدری شیر جنگ، ڈاکٹر انصاری وغیرہ آپ کے ساتھ تھے ۔

جیل کے مشاغل حضرت مفتی صاحب گجرات اور ملتان جیل میں بیکار نہیں رہے بلکہ اس حالت میں بھی گوناگوں مشغول رہے ۔ وہ حضرات جو جیل میں آپ کے ساتھ تھے انہوں نے آپ کے جیل کے مشاغل کا تذکرہ کیا ہے ۔

حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ اپنے ایک مضمون میں تحریر فرماتے ہیں [1]

فتح الباری شرح بخاری کا آخری پارہ میں نے حضرت (مفتی کفایت اللہ) سے گجرات جیل میں پڑھا ۔ اس وقت جیل میں مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی، مسٹر آصف علی، ڈاکٹر انصاری مرحوم، خان عبدالغفار خان، مولانا نورالدین صاحب لائل پوری، مولانا ظفر علی خان کے علاوہ اور بہت سے ہندوستان کے چیدہ حضرات موجود تھے ۔ وہاں بھی مختلف صحبتیں، مذہبی اور سیاسی منعقد ہوتی رہتی تھیں ۔ خاص کر مولوی نورالدین لائل پوری تو ہر وقت ہی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر رہتے تھے ۔ جیل خانہ میں یہ قاعدہ تھا کہ اے کلاس کے قیدیوں کو مشقتی دیئے جاتے تھے ۔ یہ مشقتی اخلاقی قیدیوں میں سے ہوا کرتے تھے ۔ حضرت مفتی صاحب قبلہ ان قیدیوں سے کام لینا جائز نہیں سمجھتے تھے ۔ فرمایا کرتے تھے کہ —— "یہ لوگ بھی ہماری طرح کے قیدی ہیں ۔ ان سے ہم خدمت کس طرح لے سکتے ہیں" —— مفتی صاحب اپنا ہر کام اپنے ہی ہاتھ سے کیا کرتے تھے ۔

جیل میں تعلیم (ملتان جیل میں) حضرت مفتی صاحب اپنی عادت کے موافق کچھ نہ کچھ کرتے رہتے تھے ۔ کچھ وقت لالہ دیش بندھو کو فارسی پڑھایا کرتے تھے ۔ میں نے (مولانا احمد سعید نے) مفتی صاحب سے سراجی اور دیوان حماسہ جیل میں پڑھا اور جب ملتان جیل میں مشاعرہ کا دور شروع ہوا، تو مفتی صاحب قبلہ اکثر غزلوں کی اصلاح کیا کرتے تھے ۔

پھٹے ہوئے کپڑے سینا قیدیوں کے پھٹے ہوئے کپڑے عام طور پر مفتی صاحب ہی سیا کرتے تھے ۔ جو قیدی آیا اس کا پھٹا ہوا کرتہ یا پاجامہ دیکھا تو اس سے فرمایا "لاؤ تمہارا کرتہ درست کر دوں"

یہ پھٹے ہوئے کپڑے سینا صرف سیاسی قیدیوں کے ساتھ مخصوص نہ تھا بلکہ اخلاقی قیدیوں کے کپڑے بھی (آپ) سیا کرتے تھے ۔

اسی ملتان جیل میں آپ نے عربی زبان میں ایک فصیح و بلیغ نظم لکھی جس میں آپ نے جیل کے افسر میجر فضل الدین کو تہنیت عید بھیجی اور اس میں آپ نے سچے جذبات کا وہ پورا نقشہ کھینچا ہے جو عید کے موقع پر ایک قیدی کے دل میں پیدا ہوتے ہیں، مگر اس کے ساتھ ساتھ آپ نے اپنی اسلامی حمیت اور آزادی حاصل کرنے کے مستحکم عزم کا اظہار بھی کیا ہے [1]

مارچ ۱۹۲۳ء میں ملتان جیل سے مولانا احمد سعید صاحب حضرت مفتی اعظم سے پہلے رہا ہوئے تو حضرت مفتی صاحب

نے اردو نظم میں اپنے جذبات کا اظہار فرمایا۔

استغناء اور خودداری اس زمانے میں مخالف حضرات یہ کہا کرتے تھے کہ مفتی صاحب اور جمعیۃ العلماء کے دیگر ارکان کو کانگریس سے تنخواہ ملتی ہے اور ان کی تمام تحریکات کانگریس کے فنڈ سے چلتی ہیں مولانا ابوالغیاث شیخ کریم الدین میرٹھی جو جنوبی ہند میں پندرہ سولہ برس بطور سفیر جمعیۃ کا کام کرتے رہے ہیں، اس کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

مالی امداد سے انکار ۱۹۳۰ء کی سول نافرمانی کے موقعہ پر جمعیۃ علماء ہند پر ایسا تنگی کا دور آیا کہ فنڈ میں بالکل روپیہ نہ رہا۔ کئی ماہ کی تنخواہیں چڑھ گئیں۔ اس وقت موتی لال نہرو نے کانگریس فنڈ سے مالی امداد کرنے کی پیشکش کی اس زمانے میں حضرت مفتی صاحب گرفتار ہوچکے تھے مگر ابھی دہلی جیل ہی میں تھے۔ اس سلسلے میں جب آپ سے مشورہ کیا گیا تو آپ نے فرمایا:۔

"جنگ آزادی کے میدان میں ہم کسی دوسرے کے سہارے پر نہیں کھڑے ہوتے ہیں۔ استخلاص وطن کی جدوجہد ہمارا مذہبی فریضہ ہے اگر ہم جماعت کو نہیں چلا سکیں گے تو دفتر کو بند کردیں گے"۔

اور ویسے بھی حضرت مفتی صاحب اور حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور دیگر اکابر جمعیۃ کی زندگیوں کو دیکھا جائے، تو ان کی زندگی اس الزام کا قطعی انکار کرتی نظر آتی ہے۔ ان لوگوں کا تقویٰ، کردار، خلوص، للہیت اور ملی و قومی غیرت بے مثال تھی۔ اس کی ایک مثال وہ ہے کہ جب آزادی کے بعد حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کو ہندوستان کا سب سے بڑا سول اعزاز پدم بھوشن دیا جانے لگا تو آپ نے انکار کردیا حالانکہ آزادی کے بعد اپنے ملک کی حکومت سے اس طرح کا اعزاز ملنا آپ کی خدمات کا اعتراف تھا اور آپ کا یہ حق بنتا تھا، لیکن جو لوگ ہمیشہ سنت پیغمبر پر عمل پیرا رہے ہوں اُن کی نگاہ ہر وقت اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ (میرا اجر تو اللہ کے پاس ہے) پر رہتی اور زخارف دنیا کی، ان کی نظر میں کوئی قیمت نہیں ہوتی۔ اگر کوئی ہفت اقلیم کی دولت بھی پیش کرے تو ٹھکرا دیتے ہیں۔ حضرت مفتی صاحب اور حضرت مدنیؒ ایسے ہی خوددار اور اللہ والے لوگ تھے۔

حضرت مفتی صاحب کے لئے کانگریس سے مالی امداد لینا تو بہت بڑی بات ہے۔ آپ خود جمعیۃ العلماء کی تحریکات اور اس کے دیگر کاموں کے لئے اس کے فنڈ سے کوئی پیسہ لینا جائز نہیں سمجھتے تھے بلکہ جمعیۃ العلماء کے کاموں، اس کی تحریکات اور جلسوں کے لئے جو سفر کرتے تھے اس کے مصارف بھی آپ خود اپنی جیب سے ادا کرتے تھے اور اگر کبھی ہاتھ تنگ ہوتا تو سفر کو ملتوی کر دیتے تھے۔

حکومت کی پیش کش جب آپ نے تحریک آزادی میں بھرپور حصہ لینا شروع کیا اور اس میں روز افزوں ترقی ہونے لگی تو آپ کے ساتھ آپ کے لاکھوں معتقدین اس تحریک میں شریک ہوگئے تھے۔ اس لئے حکومت برطانیہ نے آپ کو تحریک سے الگ رکھنے کے لئے ہر قسم کے دباؤ ڈالنے شروع کئے۔ آخر میں حکومت کی طرف سے وائسرائے کونسل کے ایک وتیع ممبر میاں سر فضل حسین نے یہ پیام آپ تک پہنچایا۔

"حکومت برطانیہ یہ درخواست کرتی ہے کہ آپ سیاسی تحریکات سے کنارہ کش ہو جائیں۔ اس کے صلہ میں حکومت آپ کو بطور ہدیہ مدرسہ صفدر جنگ کی شاہی عمارت اور اس کا ملحقہ میدان پیش کرے گی اور آپ کی ذات خاص کے لئے ہبہ کرے گی۔ ہمارا مقصد یہ نہیں کہ حکومت برطانیہ کی حمایت یا پراپیگنڈہ کریں۔ نہیں بلکہ آپ صرف اتنا کریں کہ خاموش رہیں اور سیاسیات سے الگ رہیں۔"

حضرت مفتی صاحب کے فرزند اکبر مولانا حفیظ الرحمٰن صاحب آصف اپنے ایک مضمون میں مذکورہ بالا پیام کی یہ عبارت تحریر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ:۔

یہ ایک رازدارانہ پیام تھا جو والد مرحوم نے بڑے رازدارانہ انداز میں مجھ سے بیان کیا تھا اور آج پہلی مرتبہ صفحۂ قرطاس پر آ رہا ہے۔

ضمیر فروشی سے انکار

میاں سر فضل حسین کے اس پیام کے جواب میں حضرت مفتی صاحب نے فرمایا:۔

"میں آزادیٔ وطن کی تحریک میں ذاتی منفعت کے لئے شریک نہیں ہوا ہوں۔ آپ کی پیش کش کا شکریہ۔ کوئی لالچ میرے ضمیر کی آواز کو نہیں دبا سکتا۔"

تعلیمی اور قومی خدمات

آپ اکثر قومی، علمی اور مذہبی مجالس میں مشورے کے لئے بلائے جاتے تھے اور کئی تعلیمی اداروں کے ممتحن بھی تھے۔ آپ دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رُکن تھے اور اکثر و بیشتر مجالس شوریٰ کی صدارت آپ ہی کے لئے مخصوص رہتی تھی۔

آپ مسجد فتحپوری کی مجلس منتظمہ کے رکن تحریک خلافت کے دور میں بنائے گئے تھے۔ آپ کی شرکت سے مسجد کا انتظام بہتر ہو گیا۔ آپ کے دور میں مسجد سے ملحقہ دکانوں کی تعمیر ہوئی۔ نیز جیون بخش ہال بنا اور فتح پوری مسلم ہائی سکول بھی آپ ہی کے دور میں قائم ہوا۔

فتوےٰ نویسی

یہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ حضرت مفتی صاحب نے شاہ جہاں پور کے زمانے ہی سے فتویٰ نویسی کا کام شروع کر دیا تھا۔ اس کے بعد بھی جب آپ مدرسہ امینیہ میں آئے تو وہاں آتے ہی یہ کام شروع کر دیا تھا۔ چنانچہ آپ کی فتویٰ نویسی کی وجہ سے یہ مدرسہ تمام دہلی میں بہت جلد مشہور ہو گیا۔ چنانچہ بقول مفتی صاحب مولانا ابو محمد عبدالحق مؤلف تفسیر حقانی نے اس مدرسہ کے سالانہ جلسے میں مجمع کثیر کے روبرو فرمایا:۔

"میں حلفاً کہتا ہوں کہ یہ مدرسہ، مدارسِ دہلی میں تعلیمی حالت اور طلبہ کی تہذیب و متانت، مدرسین کی لیاقت اور مہتمم مدرسہ کی دیانت کے اعتبار سے اعلیٰ پیمانے پر ہے۔ دہلی میں فقط یہی ایک مدرسہ ہے جس میں فتویٰ نویسی کی اعلیٰ اہتمام باشان اسلامی خدمت انجام دی جاتی ہے۔"[1]

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تقریباً پچاس سال کے عرصے میں آپ نے لاکھوں فتووں کے جوابات دیئے۔ اس طرح آپ کے فتاویٰ کا عظیم الشان ذخیرہ، جزئیات فقہ اسلامی کا لازوال خزانہ ہے جو اگر مرتب ہو جائے تو اسلامی فقہ و فتاویٰ میں بیش بہا اضافہ ہوگا۔ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ حضرت مفتی صاحب کے فرزند ارجمند مولانا حفیظ الرحمٰن واصف دہلوی مختلف ارباب علم کی مدد سے

[1] ماہنامہ برہان

از: پیرجی عبدالعلیم رائےپوری

نقد و نظر

نام کتاب "خطباتِ قاسمی" مصنف: خطیب پاکستان مولانا محمد ضیاء القاسمی صاحب
ضخامت کتاب جلد اوّل ۴۹۸ صفحات قیمت -/۵۱ روپے
ناشر: مکتبہ قاسمیہ اے بلاک غلام محمد آباد فیصل آباد

مدت سے خطیب حضرات کی خواہش تھی کہ کوئی ایسی کتاب ہو کہ جس کا مطالعہ خطبہ جمعہ جیسے اہم موضوع کے لئے کافی ہو اور ہر خطیب کو ہر جمعہ پر یہ سوال پریشان کرتا تھا کہ آج کیا بیان کیا جائے۔ الحمدللہ اس کتاب نے یہ مشکل آسان کردی۔ گویا یہ کتاب خطباء کے لئے ایک مشکل کشا ہے۔ ویسے تو خطابت ایک عطیۂ خداوندی ہے موہبت الٰہی ہے لیکن ریاضت و محنت کو اس میں بھی دخل ہے۔

احکام الٰہی کا لحاظ محبت الٰہی عشق رسول تقوٰی عمل قول و فعل میں ہم آہنگی اس کے لئے ضروری ہے۔ چنانچہ خطیب پاکستان نے اپنی اس آتش نوائی سے افسردہ محفلوں میں جوش عمل کی آگ لگا دی ہے۔ اس کتاب کی بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں بہت سی معلومات خطیب کے لئے موجود ہیں۔

اس میں توحید و رسالتؐ عقائد و نظریات فضائل صحابہؓ و اولیاء کے ساتھ ساتھ انداز بیان میں عشقِ رسالتؐ و محبت صحابہؓ ایک ایک قطرہ سے ٹپکتی ہے اور خطیب کو اس کتاب سے انداز بیان سکھانے کے لئے مصنف نے خصوصی توجہ دی ہے جو کہ فنِ خطابت کے لئے ایک ضروری چیز ہے۔

اشعار کی موزونیت برمحل محاورے خطیبانہ جوش اور عشق و مستی میں ڈوبے ہوئے الفاظ کا ذخیرہ ہے اگر مصنف کی ذات کو اس کتاب سے علیحدہ کر کے کتاب کا مطالعہ کیا جائے تو بھی ہر شخص کے لئے چاہے وہ خطیب ہو یا ادیب ایک بہترین زادِ راہ ہے دعا ہے کہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ اس مشکل کشاء خطباء کو تمام علماء خطباء کے لئے مفید عام فرمائے اور مقبولیتِ عامہ عطا فرمائے۔ اس کتاب کا ظاہری حُسن و جمال بھی خوب ہے جلد دیدہ زیب کاغذ عمدہ، طباعت اعلیٰ، کتابت بہتر ٹائٹل خوبصورت دو رنگا۔

بقیہ: روزہ کے مقاصد

ہے۔ اس میں اس کا امکان بھی بڑھ جاتا ہے کہ ان کے کاملین و اصلین پر جو انوار نازل ہوں۔ وہ ان سے نیچے والوں کو بھی فیضیاب کرتے ہیں اور ان کی دعائیں ان کے پیچھے والوں تک پہنچتی رہیں۔

(حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۵۹)

الرائے الاحسن :

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم :

آج مورخہ ۱۴ شعبان کو جامعہ رشیدیہ کے درجہ قرآن کے پانچ شعبوں کا امتحان لینے کا اتفاق ہوا۔ الحمد للہ نتائج حوصلہ افزا تھے۔ اگر یکسوئی اور توجہ سے کام کیا جائے تو نتیجہ اور زیادہ اچھا نکل سکتا ہے۔ نتائج کے اعتبار سے ذہن میں کچھ یہی ترتیب قائم ہوئی ہے۔

پہلا نمبر حافظ دین محمد صاحب دوسرا قاری محمد اقبال اختر صاحب تیسرا درجہ حافظ ریاض احمد صاحب چوتھا درجہ قاری عبد اللہ صاحب اور پانچواں درجہ حافظ نذر محمد شاہ صاحب کا رہا۔

تقریباً تین سو طلباء نے امتحان میں حصہ لیا۔ بحمد للہ کامیاب ہوئے۔ بہتوں نے اوّل پوزیشن حاصل کی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ کامیابیوں کی دولت سے سب کو مالا مال فرمائے۔

یہ چمن دیکھ کر طبیعت پر بہت ہی اچھا اثر ہوا۔ یہ سب رونق حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب فاضل رشیدی کی محنت اور کوششوں کی ہے اللہ تعالیٰ حضرت مولانا کو صحت اور ہمت کے ساتھ درازیٔ عمر بھی عطا فرمائے اور جامعہ کو دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی عطا فرمائے :

اے خدا ایں جامعہ قائم بدار ۔ فیض او جاری بود لیل و نہار

منظور احسن جامعہ طبیہ اسلامیہ فرید ٹاؤن ساہیوال

جامعہ رشیدیہ (رجسٹرڈ) ساہیوال کا سالانہ میزانیہ ایک نظر میں

مہینہ		پیسے	روپے	مہینہ		پیسے	روپے
رجب	۱۴۰۱ھ	۸۴	۷۰،۷۱۸	صفر	۱۴۰۲ھ	۹۶	۱،۲۸،۳۷۷
شعبان	"	۰۳	۴۸،۲۹۳	ربیع الاول	"	۵۰	۱،۰۵،۴۷۵
رمضان	"	۸۹	۸۵،۸۴۱	ربیع الثانی	"	۲۱	۱،۱۶،۳۵۲
شوال	"	۵۸	۶۰،۵۴۷	جمادی الاولیٰ	"	۷۵	۹۶۵،۹۸۳
ذیقعدہ	"	۷۹	۸۵،۹۳۴	جمادی الاخریٰ	"	۶۹	۱۴۹،۰۴۳
ذی الحجہ	"	۹۹	۷۷،۳۵۹	رجب	"	۷۸	۹۳،۱۹۲
محرم	۱۴۰۲ھ	۳۲	۶۶،۲۴۴	میزان :		۳۵	۹،[illegible]،۳۶۶

MON[...] RASHID. LAHORE

میقات الصیام ۱۴۰۲ھ

ایام	[illegible]	[illegible]	انتہائے سحر منٹ	انتہائے سحر گھنٹے	افطار منٹ	افطار گھنٹے	عشاء منٹ	عشاء گھنٹے
بدھ	۱	۲۳	۲۲	۳	۱۹	۷	۴۵	۸
جمعرات	۲	۲۴	۲۲	۳	۱۹	۷	۴۵	۸
جمعہ	۳	۲۵	۲۳	۳	۱۹	۷	۴۵	۸
ہفتہ	۴	۲۶	۲۳	۳	۱۷	۷	۴۶	۸
اتوار	۵	۲۷	۲۳	۳	۱۷	۷	۴۶	۸
سوموار	۶	۲۸	۲۳	۳	۱۷	۷	۴۶	۸
منگل	۷	۲۹	۲۴	۳	۱۷	۷	۴۶	۸
بدھ	۸	۳۰	۲۴	۳	۱۷	۷	۴۶	۸
جمعرات	۹	جولائی	۲۵	۳	۱۷	۷	۴۶	۸
جمعہ	۱۰	۲	۲۶	۳	۱۷	۷	۴۶	۸
ہفتہ	۱۱	۳	۲۶	۳	۱۷	۷	۴۶	۸
اتوار	۱۲	۴	۲۶	۳	۱۷	۷	۴۶	۸
سوموار	۱۳	۵	۲۷	۳	۱۷	۷	۴۶	۸
منگل	۱۴	۶	۲۰	۳	۱۷	۷	۴۶	۸
بدھ	۱۵	۷	۲۸	۳	۱۷	۷	۴۶	۸

ایام	[illegible]	[illegible]	انتہائے سحر منٹ	انتہائے سحر گھنٹے	افطار منٹ	افطار گھنٹے	عشاء منٹ
جمعرات	۱۶	۸	۲۹	۳	۱۷	۷	۴۶
جمعہ	۱۷	۹	۳۰	۳	۱۷	۷	۴۶
ہفتہ	۱۸	۱۰	۳۰	۳	۱۷	۷	۴۶
اتوار	۱۹	۱۱	۳۱	۳	۱۷	۷	۴۶
سوموار	۲۰	۱۲	۳۲	۳	۱۷	۷	۴۶
منگل	۲۱	۱۳	۳۳	۳	۱۵	۷	۴۵
بدھ	۲۲	۱۴	۳۳	۳	۱۵	۷	۴۵
جمعرات	۲۳	۱۵	۳۴	۳	۱۵	۷	۴۵
جمعہ	۲۴	۱۶	۳۵	۳	۱۴	۷	۴۴
ہفتہ	۲۵	۱۷	۳۶	۳	۱۴	۷	۴۴
اتوار	۲۶	۱۸	۳۶	۳	۱۴	۷	۴۴
سوموار	۲۷	۱۹	۳۷	۳	۱۳	۷	۴۳
منگل	۲۸	۲۰	۳۸	۳	۱۳	۷	۴۳
بدھ	۲۹	۲۱	۳۹	۳	۱۲	۷	۴۲
جمعرات	۳۰	۲۲	۳۹	۳	۱۲	۷	۴۲

○ جامعہ رشیدیہ رجسٹرڈ ملک وملت کا مسلمہ تعلیمی ادارہ ہے جو پاکستان کے فوقانی مدارس میں معتمد علیہ درسگاہ ہے جس کا نظام ہر طرح تسلی بخش اور خاطر خواہ

○ جامعہ رشیدیہ کے طلبہ آپ کے صدقات و زکوٰۃ عشر کے اولین مستحق اور بہترین حقدار ہیں۔ از قسم زکوٰۃ و فطرانہ [illegible]

هو الرشید

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی

میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں (حدیث نبوی)

أنا آخر الانبیاء وأنتم آخر الامم

میں آخری نبی ہوں، اور تم آخری امت (حدیث نبوی)

جامعہ رشیدیہ ساہیوال

ماہنامہ الرشید

پاکستان کے معروف جامعات میں ایک بے مثال، فعال، مجاہد ادارہ

جامعہ رشیدیہ (رجسٹرڈ) ساہیوال

اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری کلام پاک قرآن مجید کو اپنے آخری نبی و رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت دنیا تک پہنچایا اور اس کی حفاظت کا ذمہ دار بھی اپنے آپ کو ٹھہرایا۔ برصغیر پاک و ہند میں حفاظت و اشاعت اسلام کا سہرا دارالعلوم دیوبند اور اس کے اکابر کے سر رہا ہے۔ دارالعلوم دیوبند کے بعد جا بجا دینی مدارس قائم ہوئے اس سلسلہ میں مشہور و معروف نام مدرسہ جامعہ رشیدیہ رائے پور (جالندھر) کا ہے جو پنجاب کا بہت پرانا وقیع مدرسہ تھا جس کی شہرت و ناموری کا چرچا امریکہ تک ہوا۔

- جامعہ رشیدیہ رائپوری حضرات کی یادگار اور صدقہ جاریہ ہے۔ پاکستان میں اس کی نشاۃ ثانیہ حضرت مفتی فقیر اللہ رحمۃ اللہ علیہ رائپوری تلمیذ رشید حضرت شیخ الہندؒ (رکن تحریک شیخ الہندؒ) و ابن مفتی صاحب حضرت مولانا فاضل حبیب اللہ رشیدیؒ نے ساہیوال میں فرمائی۔
- جامعہ رشیدیہ رائپور (جالندھر) ۱۹۰۱ء سے ساہیوال تک حضرات رائپوری بزرگان کی توجہات سے اسلامی تعلیمات کی خدمات، تدریس، تعلیم و تربیت، تقریر و تحریر کے ذریعے چراغ اپنا جلا رہا ہے۔

  ہوا ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہے ہیں

- جامعہ رشیدیہ (رجسٹرڈ) ساہیوال ایک اسلامی، اصلاحی تحریک کا نام ہے اس کا منشا حفاظت و اشاعت کتاب و سُنّت احیاءِ دین، ردِّ شرک و بدعت، ملک و ملت کی حفاظت اور اسلامی حکومت کا قیام ہے۔
- دارالعلوم جامعہ رشیدیہ (رجسٹرڈ)، ساہیوال تعلیم و تربیت کے لحاظ سے ملک کے اوّل درجہ کے مدارس میں شمار ہوتا ہے۔
- دارالعلوم جامعہ رشیدیہ طلبہ کی تعداد کے لحاظ سے سرفہرست ہے۔

آئینہ مضامین

عید کا پیام

عید الفطر کا اصل تعلق رمضان، قرآن اور روزوں سے ہے۔ اس لیے اس کا حقیقی لطف و مسرت انہی کو حاصل ہوتا ہے جو رمضان المبارک کا بچھڑے ہوئے دوست کی طرح انتظار کرتے اور آنے پر صحیح آداب و شرائط کے ساتھ روزے رکھتے نماز باجماعت ادا کرتے، قرآن مجید کی کثرت سے تلاوت کرتے اور تراویح میں قرآن پاک کی سماعت کرتے، اور عید کا حق انہیں عبادت گزار و فرماں بردار بندوں کا ہے جو ماہ صیام میں قرب الٰہی کو ڈھونڈتے معبود حقیقی کے آگے سجدہ ریز ہوتے اور محبوب کبریا کے عشق محبت میں صبر استقامت کی منازل طے کرتے ہیں، جن کی پیشانیاں اپنے معبود کے دروازہ پر خاک آلود ہوتی ہیں جن کے قلوب و اذہان درد محبت سے لذت آشنا ہیں جن کے جسم کے رونگٹے رونگٹے سے معرفت الٰہی کے چشمے پھوٹتے اور خون کے قطرے قطرے میں خالق کائنات کی اطاعت کا جوش ٹھاٹھیں مارتا ہے۔ تاہم ہر مسلمان جس نے کلمہ طیبہ پڑھا اور دل جان سے توحید و رسالت کا اقرار کیا اس کے لیے بھی عید خوشی کا پیغام لاتی ہے مسلمانوں کی آبادیوں، بستیوں میں ہلال عید دیکھ کر مسرت کی لہر دوڑ جاتی ہے اور ہر جگہ توحید پرست شاداں و فرحاں نظر آتے ہیں۔

عید کا دن کوئی قومی، ملکی، یا علاقائی رسم یا جشن نہیں ہے کہ لہو و لعب میں گزارا جائے بلکہ دینی اور ملی یادگار ہے اللہ اور اس کے رسولؐ کا عطیہ ہے لہٰذا ضروری ہے کہ ان تمام آداب و احکام کو ملحوظ رکھ کر ہم عید منائیں جو اس بارے میں حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور صحابہ کرام کے عمل سے ثابت ہیں، ایک ماہ کی ریاضت و صبر کے بعد مومن کا قلب آلائشوں سے پاک اور عبادت و تلاوت سے مجلیٰ و مصفیٰ ہو جاتا ہے.... ایسی باطنی کیفیت کے ساتھ پاکیزہ جسم و لباس کے ساتھ مالک حقیقی کے حضور میں دوگانہ شکر ادا کرنے کا نام عید ہے کہ اس مالک نے ہمیں یہ خوشی کا دن دکھایا اور اپنی مسرت کا اظہار اس پیرایہ میں کریں کہ وہ مالک یاد رہے ناراض نہ ہو راضی رہے۔

مگر افسوس کہ ہمارے ہاں عید کا مفہوم و تصور غیر مسلم اقوام کا سا ہو گیا ہے جو خرافات اپنے تہواروں میں وہ کرتے ہیں ان کی نقالی میں ہم نے بھی وہی شروع کر دی ہیں نفسانی خواہشات کو پورا کرنے کی آزادی ہے جو چاہیں سو کریں کوئی قدغن یا ممانعت نہیں، حالانکہ رمضان میں ہم نے جائز اور حلال چیزوں کو بھی محض خدا کی خوشنودی اور اطاعت کی خاطر ترک کر دیا تھا۔ یہ کیا اندھیر اور مذاق ہے کہ ایک ماہ کی تربیت و اصلاح کے بعد تمام اخلاقی، شرعی قیود اٹھا دی جائیں اور جو چاہیں کرتے پھریں..... ؟ یہ ٹھیک ہے کہ اسلام میں ترک دنیا اور رہبانیت نہیں ہے مگر اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ مسلم و غیر مسلم کا کوئی فرق نہ رہے نیکی اور بدی کی تمیز نہ رہے

عید خوشی کا دن ہے اسی خوشی کے موقع پر خدا اور اس کے رسولؐ کی تعلیمات کو یاد رکھ کے خوشی کا اظہار کرنا چاہیے، خدا کے ساتھ ساتھ خدا کے غریب بندوں کو بھی یاد رکھا جائے مگر ہمارے ہاں غریب اور امیر کی خلیج وسیع سے وسیع تر ہوتی جا رہی ہے حالانکہ اسلامی تہوار خصوصاً عیدین میں امیر کو غریب کا احساس زیادہ ہونا چاہیے کیونکہ روزہ عبادت ہی ایسی ہے جس میں بھوک اور پیاس سے واسطہ پڑتا ہے [illegible]

ہے۔ ہمارا خدا کا نام تو ہمارے ہاں خدا کا نام صرف اس لیے رہ گیا ہے کہ واعظ ممبروں پہ اس کا ذکر کریں، عدالتوں میں جھوٹی گواہی دیتے وقت گواہوں کی زبان پہ آئے اور یا پھر ہمارے حکام اور لیڈر کبھی کبھی اپنی تقریروں کو مزین کرنے کے لیے کہیں کہیں خدا خوفی اور خدا ترسی کا پیوند لگا دیں اور بس۔

عید کی سب سے بڑی خصوصیت اور سنت یہ ہے کہ خدا کی بڑائی بیان کریں، عیدگاہ کو جاتے آتے اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر و للہ الحمد کا ورد کریں اور تمام مسلمان مل کر ایک امام کی اقتداء میں ایک خدا کے سامنے جھک کر وحدت ملی کا ثبوت پیش کریں مگر یہ عجیب اور عظیم عبادت رسم بن کر رہ گئی ہے اور عید کا دن لہو و لعب کے لیے مخصوص ہو گیا ہے۔

کاش عید کے دن اپنے روٹھے ہوئے مالک کو منانے کی کوشش کرتے کہ جس کے روٹھنے سے کائنات کی ہر ایک چیز ہم سے روٹھ گئی ہے عید کے دن ہم اپنے ایمانی عہد کو تازہ کرتے کہ عبادت کے قابل پرستش کے لائق صرف رب العالمین کی ذات ہے ہم اس سے ڈرتے اور اس سے پیمان وفا باندھتے مگر اس کا خوف اور ڈر مسلمانوں نے اپنے دل سے نکال دیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آفات ارضی و سماوی نے مسلمانوں پر گھیرا ڈال رکھا ہے اور غیر مسلم اقوام مسلمانوں کو ہڑپ کرنے کی تیاریاں کر رہی ہیں ...... ہندوستان، کشمیر، قبرص میں مسلمانوں کا عرصہ حیات تنگ کیا جا رہا ہے۔ دنیا کا امیر ترین ملک امریکہ ہنود یہود نواز پالیسی پہ عمل پیرا ہو کر ہندوستان اور فلسطین کے یہودیوں کو اسلحہ اور سامان جنگ سے لیس کر کے پاکستان اور عرب ممالک کے خلاف منظم کر رہا ہے۔

کاش ہم صحیح معنوں میں مسلمان ہوتے اور ان ظالم طاقتوں کو للکار سکتے کسی دشمن کو یہ جرأت نہ ہوتی کہ مسلمانوں کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھ سکے آج ہم عید کی تیاریوں میں مشغول و مصروف ہیں اور ہندوستان و کشمیر کا مسلمان عجب کسمپرسی اور مظلومیت کی حالت میں ہماری غیرت و حمیت کو آواز دے رہا ہے۔ معصوم بچے ہندوؤں کی ہاکیوں اور تلواروں کیلئے فٹ بال بن چکے ہیں عفت مآب دوشیزائیں درد و کرب کے ساتھ کسی محمد بن قاسم کی راہ تک رہی ہیں، کشمیر کی غیور بیٹیاں حجاج بن یوسف کو یاد کر رہی ہیں جس نے ہزاروں میل دور سے سندھ میں گھری ہوئی مسلمان بہن کی آواز سن کر اپنے آپ پہ آب دانہ حرام کر لیا تھا مگر آج چند میل پر مسلمانوں کو ہیمنا اور کمیل سے غرض نہیں، فاطمہ اور عائشہ نام رکھنے والی ہزاروں کلمہ گو بہنیں مسلمانوں کی حرارت ایمانی کو اپیل کر رہی ہیں مگر مسلمان آہ مسلمان بھائی بڑی بہن اور چھوٹی بہن کا پردہ سکرین پہ تماشا دیکھ رہا ہے اپنی زیب و زینت اور آرائش و نمائش میں مشغول ہے ہمارے اکثر و بیشتر علماء و خطباء مسلم قوم کو لڑاتے اور اخلاقی مسائل میں الجھانے کا فریضہ ادا کر رہے ہیں، ہمارا پریس ادب اور صحافت کے نام پہ قوم کو زہر کھلا رہا ہے ہمارے لیڈر خود غرض و مفاد پرست ہیں، ہمارے سرمایہ دار مزدور کا خون پسینہ نچوڑ کر نت نئے کارخانے اور ملیں بنانے میں مصروف ہیں۔

عید کا پیغام یہ ہے کہ خوابیدہ مسلم بیدار ہو اپنے خالق و مالک کے سامنے آکر اپنے روٹھے ہوئے مالک کو منانے کی کوشش کرے۔ گزشتہ گناہوں پہ توبہ و ندامت کا اظہار رہے اور آئندہ کے لیے اسکا اور صرف اسکا ہو کر زندگی گزارنے کا عزم کرے کہ یہی ہماری کامیابی و کامرانی کا راز ہے اللہ کی اطاعت و فرماں برداری ہی ہماری فتح و نصرت کی ضامن ہو سکتی ہے۔ ورنہ کوئی سا منصوبہ یا طاقت اس منحوس گھڑی کو نہیں روک سکتی جو ہمارے اعمال کی وجہ سے ہمارے لیے مقدر ہو چکی ہے۔

قسط پنجم

آداب الحدیث

حضرت علامہ خالد محمود صاحب ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر

شیخ پر سوال کا جواب دینا ضروری نہیں

طالب علم سوال کرے تو شیخ جواب دے یا نہ دے طالب علم اس پر اصرار اور تکرار نہ کرے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ سفر میں تھے۔ حضرت عمرؓ بھی ساتھ تھے۔ حضرت عمرؓ نے ایک بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھی۔ آپ نے جواب نہ دیا، تین بار ایسا ہوا۔ آپ پر وحی اتر رہی تھی۔ حافظ ابن عبدالبر مالکیؒ (۴۶۳ھ) اس روایت پر لکھتے ہیں:

وفیہ ان العالم اذا سئل عن شیئ لا یجب الجواب ـــــ فیہ ان یسکت ولا یجیب بنعم ولا بلا ـــ ورب کلام جوابہ السکوت ـــــ وفیہ من الادب ان سکوت العالم عن الجواب یوجب علی المتعلم ترک الالحاح علیہ ـــــ فیہ الندم علی الالحاح علی العالم خوف غضبہ و حرمان فائدتہ فیما یستانف و قلما اغضب العالم الا احتزمت فائدتہ (التمہید جلد ۳ صفحہ ۲۱۹)

ترجمہ: اور اس سے پتہ چلتا ہے کہ عالم سے جب کوئی بات پوچھی جائے تو اس پر جواب دینا لازم نہیں ـــــ اس میں یہ بھی ہے کہ وہ چپ رہے اور ہاں یا نہ بالکل نہ کرے ـــــ اور کئی ایسے سوال بھی ہوتے ہیں کہ ان کا جواب خاموشی ہی ہوتا ہے ـــــ اور اس میں ادب کی تعلیم یہ ہے کہ عالم کا جواب دینے سے خاموشی اختیار کرنا ہی طالب علم پر ترک اصرار لازم کر دیتا ہے ـــــ اس میں یہ بھی ہے کہ عالم سے سوال کرتے اصرار ہو جائے تو اس کی ناراضگی اور اس کے فائدہ سے محرومی کے اندیشہ سے اپنے کیے پر نادم ہو اور بہت کم ہوتا ہے کہ عالم کو ناراض کر دیا گیا ہو اور اس کے فائدہ سے محرومی نہ ہوئی ہو۔

اس روایت میں گو آپ کے جواب نہ دینے کا سبب نزول وحی ہے مگر محدثین نے اسے عام رکھا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی عالم پر وحی نازل ہونے کا کوئی احتمال نہیں لیکن اور کئی وجوہ ہو سکتے ہیں جن کے باعث عالم جواب نہ دے رہا ہو۔ سو طالب علموں کو چاہیے کہ ایسے ہر موقع پر ہر شیخ کے احترام کی کوشش کریں اور اس کی ناراضگی کے ہر انداز سے بچنے کی فکر کریں ورنہ عالم کے فیض سے محروم رہنے کا قوی اندیشہ ہے۔

معروف اہل فن سے اخذ روایات

اہل علم میں جن اساتذہ کو کسی خاص فن میں شہرت ہو اس فن میں انہی کی طرف رجوع کرے کا ملین فن کے ساتھ مختصر سا وقت بھی بسر ہو جائے تو طالب علم کی قسمت

جاتا ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر (۱۵۳ھ) ارشاد فرماتے ہیں:

لا یؤخذ العلم الا عمن شہد له بطلب الحدیث (الکفایہ فی علوم الروایۃ ص۱۶۱)

علم انہی لوگوں سے حاصل کیا جائے جو علم حدیث میں شہرت پا چکے ہوں۔ یہ ضروری ہے کہ ان مشائخ نے خود علم باقاعدہ اساتذہ سے حاصل کیا ہو محض مطالعہ اور تجربہ سے نہ سیکھا ہو۔ دین کی اساس لٹریچر نہیں وارثین انبیاء سے باقاعدہ تعلیم و تعلم ہے۔ خطیب بغدادی لکھتے ہیں:

یجب ان یکون حفظه ماخوذاً عن العلماء لا عن الصحف (الکفایہ فی علوم الروایہ ص۱۶۲)

ضروری ہے کہ اس کی یادداشت علماء سے ماخوذ ہو لٹریچر سے نہیں۔

حافظ عبدالرحمٰن ابو زرعۃ دمشقی (۲۸۱ھ) حضرت سعید بن عبدالعزیز سے روایت کرتے ہیں۔

لا یؤخذ الحدیث من صحفی: حدیث لٹریچر والوں سے نہ لی جائے۔ (تاریخ ابی زرعۃ الدمشقی جلد ۱ ص۳۱۵)

اس سے معلوم ہوا کہ علم دین کی اساس علماء وارثین انبیاء ہیں۔ لٹریچر اور رسالوں سے دین حاصل نہیں کیا جا سکتا صحافی قسم کے لوگوں سے علم دین حاصل کرنے کی کوشش بے فائدہ اور بے ثمر رہے گی۔ امیر المومنین فی الحدیث امام شعبہ (۱۶۰ھ) فرماتے ہیں:

خذوا العلم من المشتہرین علم ان لوگوں سے حاصل کرو جو اس علم میں مشہور ہو چکے ہوں۔ (الکفایہ ص۱۶۱)

حضرت سلیمان بن موسیٰ نے نصیحت فرمائی:

لا تاخذوا العلم من الصحفیین ـــــ لا یؤخذ العلم من صحفی (الکفایہ ص۱۶۲، تاریخ ابی زرعہ ص۳۱۵)

ترجمہ: علم صحافی قسم کے لوگوں سے جو لٹریچر اٹھائے پھرتے ہوں ہرگز نہ لو۔ علم لٹریچر سے نہیں (علماء سے) لیا جاتا ہے۔

غیر اہل فن نیک لوگوں کی روایات

کہیں ایسے لوگ بھی ہو سکتے ہیں جو لوگوں کے حلقہ میں نیک اور بزرگ سمجھے جاتے ہوں مگر علم و فن سے ناآشنا ہوں۔ حالانکہ آپ کو اکثر دینی حلقوں میں ملیں گے یہ لوگ اپنی جگہ کتنے ہی نیک اور کتنے ہی بزرگ کیوں نہ ہوں ان پر روایت کا مدار نہیں ہو سکتا۔ یہ لوگ حدیث میں ہرگز سند اور حجت نہیں ہو سکتے نہ ان لوگوں کی روایت قابل قبول شمار ہوگی۔ علم کا حق اہل علم ہی ادا کر سکتے ہیں۔ امام وکیع (۱۹۷ھ) سے ایک روایت کے بارے میں پوچھا گیا آپ نے دریافت کیا من یرویه (اسے کون روایت کرتا ہے؟) عرض کی گئی وھب بن اسمٰعیل اس پر آپ نے فرمایا: ذاک الرجل صالح والحدیث رجال یہ شخص نیک ہے اور حدیث کے اہل اور لوگ ہوتے ہیں۔

امام مالک نے ان لوگوں کی فہرست میں جن سے علم نہ لیا جائے یہ بھی لکھا ہے:

ورجل له فضل وصلاح لا یعرف ما یحدث به (جامع بیان العلم جلد ۲ ص۔۔)

روایت کے علاوہ دوسرے میں بھی اہل کشف کی بات نہ مانی جائے گی۔ یہاں فقہاء کا اعتبار ہوگا۔ صوفی قسم کے لوگ بعض اوقات کشف سے کوئی بات کہہ دیتے ہیں اور اس کی بات صرف شبہ تک نہیں پہنچتی ہوتی۔ علماء کے تنقید [illegible]

سے ملے۔ علماء حقیقت میں صحابہ ہی ہیں اور باقی سب ان سے خوشہ چین ہیں۔

مجاہد (۱۰۰ھ) کہتے ہیں: العلماء اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم (جامع البیان العلم ص۱۲۰)

حضرت حذیفہ بن الیمان (۳۶ھ) فرماتے ہیں: کل عبادة لم یتعبد ها اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلا تعبدوھا۔ ترجمہ: دین کا ہر عمل جسے صحابہؓ نے دین نہ سمجھا ہو تم اس راہ سے خدا کے آگے نہ جھکنا اسے دین نہ سمجھنا۔

حضرت امام ربانی شیخ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی فرماتے ہیں:

"عمل صوفیہ در حل و حرمت سند نیست ہمیں بس است کہ ما ایشاں را معذور داریم و ملامت نہ کنیم و امر ایشاں را بحق سبحانہ وتعالیٰ مفوض داریم اینجا قول امام ابی حنیفہ و امام ابی یوسف و امام محمد معتبر است نہ عمل ابوبکر شبلی و ابی الحسن نوری"

(مکتوبات امام ربانی فارسی دفتر اول مکتوب نمبر ۲۶۶ ص۳۲۵ لکھنؤ)

ترجمہ: صوفی قسم کے لوگوں کا عمل حلال و حرام کے امتیاز میں سند نہیں ہے یہی کافی ہے کہ ہم انہیں معذور سمجھیں اور ملامت نہ کریں اور ان کا معاملہ خدا کے سپرد کریں۔

سو علم وہی ہے جو انبیاء علیہم السلام اور ان کے وارثین سے تعلیم و تعلم کے ذریعے جاری ہوا۔ اس کے سوا بات جس راہ سے بھی آئے اس کا نام علم نہیں ہو سکتا۔

لیس العلم المعتبر الا الماخوذ من الانبیاء و ورثتھم علی سبیل التعلم (فتح الباری ج۱ ص۱۴۰)

ترجمہ: علم معتبر وہی ہے جو انبیاء علیہم السلام اور ان کے وارثوں سے تعلیم کے طور پر ملے۔

سو کشف وغیرہ سے حاصل شدہ معلومات کا نام علم نہیں ہو سکتا اور نہ وہ حجت ہے۔

صغر سنی میں سنی گئی روایات

محدثین نے اس نکتہ پر بھی بحث اٹھائی ہے کہ چھوٹی عمر کے بچے کی روایت کیا معتبر ہے؟ روایت کرتے وقت وہ بیشک بیدار مغز اور ضابط ہے لیکن جس دور کی سنی بات وہ ذکر کر رہا ہے اس وقت وہ بچہ تھا کیا اس وقت کی روایات اس سے لی جا سکتی ہیں؟

اس کا جواب ہاں میں ہے۔ صحابہؓ کی تو مرسلات بھی حجت ہیں گو وہ جس دور کی روایت کر رہے ہوں اس میں پیدا بھی نہ ہوئے ہوں۔ لیکن دوسرے صغر سن راویوں کی روایت بھی عند التحقیق لائق قبول ہوگی بشرطیکہ روایت کرنے کے وقت وہ پورے عادل اور ضابط ہوں، قواعد پر پوری نظر رکھتے ہوں۔

عہد جدید کے جو لوگ حدیث سے جان چھڑانا چاہتے ہیں وہ اس نکتہ کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔ ان کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ حدیث کا مجموعہ ذخیرہ حضرت حسن (۵۰ھ) حضرت عبداللہ بن عباس (۶۸ھ)، حضرت نعمان بن بشیر (۶۴ھ)، حضرت ابو سعید الخدری (۷۴ھ)، اور حضرت انس بن مالک (۹۱ھ) جیسے اکابر سے مروی ہے اسے یک جنبش قلم ایک طرف رکھ سکیں۔ ان حضرات کی عمریں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت بالترتیب ۸ سال، ۸ سال، ۱۰ سال، ۹ سال، ۱۹ سال اور ۱۹ سال کے

قریب تھیں اور اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی صغر سنی تو معروف ہی ہے۔ ظاہر ہے کہ ان حضرات نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی وفات سے پانچ چھ سال پہلے سے جو روایات سنی ہوں گی ان کا تحمل روایت کس عمر میں کیا ہوگا؟ سو ان حضرات کی روایات کو اگر صغر سنی کی بناء پر قابلِ قبول نہ سمجھا جائے تو دین کا آخر کونسا حصہ امت کے پلے میں رہے گا۔

خطیب بغدادی (۴۶۳ھ) نے الکفایہ میں اس پر سیر حاصل بحث کی ہے اور بتایا ہے کہ راجح مذہب میں صغر سنی کی سنی گئی روایات حجت اور لائق قبول ہیں۔

محقق ابن ہمام (ھ) بھی فرماتے ہیں: من شرائط الراوی کونہ بالغاً حین الاداء وان کان غیر بالغ وقت التحمل لاتفاق الصحابۃ وغیرہم علی قبول روایۃ ابن عباس وابن الزبیر والنعمان بن البشیر وانس بلا استفسار عن الوقت الذی تحملوا فیہ ما یروونہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم (کما فی فتح الملہم جلد ۱ ص۲۸)

ہاں اہل کوفہ روایت حدیث میں بہت زیادہ محتاط واقع ہوئے ہیں۔ وہ اپنے بچوں کو پہلے حفظ قرآن اور زہد و عبادت میں لگاتے اور جب محسوس کرتے کہ بچہ اب احترام حدیث کے لائق ہو چکا ہے تو اسے تعلیم حدیث کے لئے بٹھاتے۔

خطیب بغدادی رقمطراز ہیں: ان اہل الکوفۃ لم یکن الواحد منہم یسمع الحدیث الا بعد استکمالہ عشرین سنۃ ویشتغل قبل ذلک بحفظ القرآن والتعبد۔ (الکفایہ ص۵۴)

اہل کوفہ میں سے ایک شخص بھی حدیث سننے کے لئے نہ بیٹھتا جب تک کہ بیس برس تک نہ پہنچ جاتا اور اس سے پہلے حفظ قرآن اور زہد و عبادت میں وقت لگاتا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں صغر سن صحابہ نظر رسالت کے اثر اور آپ کی مجلس کی برکت سے ہی تقویٰ و تعبد کی وہ دولت پا لیتے تھے جو دوسرے نوجوانوں کو بیس برس کی عمر میں بھی نہ ملتی تھی۔ سو بعد کے زمانوں میں اہل اللہ نے تعلیم حدیث کے لئے اگر اس وقت بچے بٹھائے جب وہ حفظ قرآن اور تعبد اسلامی میں کافی آگے بڑھ چکے ہوں۔ تو یہ اس لئے نہ تھا کہ وہ اس سے کم عمر میں حدیث کا سننا اور تحمل روایت ناجائز سمجھتے تھے بلکہ یہ سب اہتمام محض احترام حدیث کے لئے تھا۔ ایک شدید احتیاط تھی جو ان کے عمل میں کارفرما تھی۔

امام علی بن المدینی (ھ) فرماتے ہیں: ہم حضرت جریر کے پاس بیٹھے تھے کہ ہم نے سماع حدیث میں کچھ سخت شرائط لگانی شروع کر دیں۔ آپ نے اس پر فرمایا: انتم افقہ من ابن المبارک! کیا تم حضرت عبداللہ بن مبارک سے زیادہ دین کو سمجھ رکھتے ہو؟ (الکفایہ ص۶۶)

اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ حضرت عبداللہ بن مبارک سماع حدیث کے لئے سخت شرائط اور کسی شدت کے قائل نہ تھے نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ صغر سنی کی روایت کا قبول ہونا یا نہ ہونا اور تحمل روایت کے لئے کچھ شرطیں لگانا یا نہ لگانا یہ سب اجتہادی موضوعات ہیں اور اس میں جو فیصلہ بھی سامنے آئے گا اس میں اجتہاد ضرور کارفرما ہوگا۔ اس پہلو سے دیکھیں تو اہل کوفہ کے عمل

جمہور محدثین کے قول میں اصولی طور پر کوئی تعارض نہیں ہے۔ نہ اہل کوفہ کم عمر میں روایت لینے کو ناجائز سمجھتے تھے۔ ان کا قول محض احتیاط اور مزید احترام کے پہلو سے تھا اور یہ محض رواج کے طور پر تھا۔ حافظ ابونعیم فرماتے ہیں :

کان اھل الکوفۃ لا یخرجون اولادھم فی طلب الحدیث صغاراً حتی یستکملوا عشرین سنۃ (الکفایہ)

رواج کی بات اپنی جگہ رہی عام فہم بات اس بحث میں یہ ہے کہ فہم حدیث کی صلاحیت جس عمر میں پیدا ہو جائے اس میں روایت کے لائق ہو جاتا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں :

ان المرد فی ذلک الی الفھم فیختلف باختلاف الاشخاص (فتح الباری جلد ۱ ص۱۲۱)

اس باب میں بات فہم پر لوٹائی جائے گی اور وہ مختلف لوگوں میں مختلف درجے میں ہوتا ہے۔

اہل بدعت سے لیگئی روایات

اہل بدعت سے وہ لوگ مراد ہیں جو بدعت فی العقائد کے مجرم ہوئے جیسے معتزلہ اور قدریہ اور خوارج، کرامیہ اور جہمیہ وغیرہ۔ بدعت فی الاعمال اس سے اخف ہے اور اہل بدعت دونوں ہیں۔ جن محدثین نے فن حدیث پر بطور ایک فن کے نظر کی ان کا نقطۂ نظر صرف یہ رہا کہ جو صورت بھی ہو روایت ملتی ہو انہیں کسی بدعتی میں بھی بیان کی پختگی نظر آئی تو انہوں نے اس سے روایت لے لی۔ جن علماء نے حدیث کو محض ایک فن کے طور پر نہیں پہلے تدین اور اعتماد سے دیکھا انہوں نے اہل بدعت سے روایت لینے کو جائز نہ سمجھا وہ دین کو بدعتی سے حاصل کرنا جائز نہ سمجھتے تھے۔

حضرت امام ابن سیرینؒ (۱۱۰ھ) اور حضرت امام مالکؒ (۱۷۹ھ) اہل بدعت سے روایت لینے کے حق میں نہیں وہ اس کی اجازت نہیں دیتے۔ امام ابو یوسفؒ (۱۸۲ھ) حضرت سفیان ثوری (۱۶۱ھ) اور امام شافعیؒ (۲۰۴ھ) اس کے جواز کے قائل ہیں۔ یہ حضرات کہتے ہیں کہ سوائے روافض (اثنا عشری شیعوں) کے دیگر اہل بدعت سے (اگر وہ جھوٹ بولنے والے نہ ہوں اور ان کی یادداشت کمزور نہ ہو) روایت لی جا سکتی ہے۔ امام احمد بن حنبل (۲۴۱ھ) اس میں تفصیل کے قائل ہیں جو اہل بدعت اپنی بدعات کو فروغ دینے والے ہوں ان کی روایت کسی صورت میں قبول نہ کی جائے گی اور غیر داعی اہل بدعت کی روایت دیگر شرائط پوری ہونے پر قبول کی جا سکتی ہے۔

روافض سے روایت نہ لینے کی وجہ یہ ہے کہ تقیہ ان کے مذہب کا جزو ہے وہ کسی مذہبی مصلحت سے خلاف واقع بات کہنا جائز سمجھتے ہیں۔ سو نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کہاں کہاں جھوٹ بول رہے ہیں۔

ع تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم

خطیب بغدادی لکھتے ہیں: وقال کثیر من العلماء یقبل اخبار غیر الدعاۃ من اھل الاھواء فاما الدعاۃ فلا یحتج باخبارھم۔ (الکفایہ ص۱۲۱)

ترجمہ: بہت سے علماء نے کہا ہے کہ ان اہل بدعت کی جو داعی الی البدعۃ نہ ہوں روایت قبول کی جا سکتی ہے لیکن داعیوں

کی جو اپنی بدعات کی طرف دعوت دیتے ہیں روایت سے احتجاج نہیں کیا جا سکتا۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی نے شرح صحیح مسلم میں اس پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ (فتح الملہم جلد ۱ ص)

احادیث احکام میں مزید احتیاط

ویسے تو کوئی روایت بھی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہو کسی غیر ثقہ راوی سے نہیں لینی چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ان کہی بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بات بتلا دی جائے لیکن حرام و حلال کے باب میں اس سے زیادہ سختی کی گئی ہے۔ یہاں کسی غیر پختہ بات پر ہرگز کوئی اعتماد نہ ہونا چاہیے حلال و حرام کا غلط فیصلہ پوری شریعت پر ایک بدنما داغ اور صاحب شریعت پر ایک بڑا افتراء ہے۔

حضرت حسن بصری فرماتے ہیں: لا تاخذوا الحدیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا عن ثقۃ (الکفایہ ص)

"تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کردہ حدیث اس شخص سے لیا کرو جو ثقہ (قابل اعتماد) ہو"

حضرت عقبہ بن نافع (ھ) نے بھی اپنے بیٹوں کو یہی نصیحت فرمائی تھی۔

یا بنی لا تقبلوا الحدیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا من ثقۃ (التمہید لابن عبدالبر جلد ۱ ص)

"اے بیٹو! تم ثقہ راوی کے بغیر اور کسی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کردہ حدیث نہ لیا کرو"

صحابہؓ سے روایت کرنے والا راوی اگر کمزور کیوں ہو تو اس سے اتنا نقصان نہیں پہنچ سکتا جتنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرنے والا کمزور راوی دین کے لئے وجہ خلفشار ہو سکتا ہے۔ سو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرنے میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے اور پھر مسئلہ حلال و حرام سے متعلق تو اور بھی احتیاط ضروری ہے۔ عبدالرحمن بن مہدی فرماتے ہیں:

لذا روینا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الحلال والحرام والاحکام شددنا فی الاسانید وانتقدنا فی الرجال واذا روینا فی الفضائل والثواب والعقاب سہلنا فی الاسانید وتسامحنا فی الرجال (فتح الملہم ص)

ترجمہ: جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمیں کوئی روایت پہنچے جو حلال و حرام اور احکام کے بارے میں ہو تو ہم سند کی تحقیق اور راویوں کی تنقید میں سختی کرتے ہیں فقط فضائل اور ثواب و عقاب کی بات ہو تو سند میں ہم نرمی سے کام لیتے ہیں اور راویوں سے ہم درگزر کر کے چلتے ہیں۔

خطیب بغدادی لکھتے ہیں: فقد ورد عن غیر واحد من السلف انہ لا یجوز حمل الاحادیث المتعلقۃ بالتحلیل والتحریم الا عمن کان بریئا من التہمۃ بعیدا من الظنۃ۔ (الکفایہ ص)

ترجمہ: سلف میں کئی بزرگوں سے منقول ہے کہ وہ احادیث جن میں حلت و حرمت کا بیان ہو وہ انہی راویوں سے قبول کی جائیں جو تہمت سے بری اور غلط گمان سے بچے ہوئے ہوں۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے بھی منقول ہے کہ حلال و حرام کی بحث میں نہایت مضبوط قسم کے راوی ہونے چاہئیں۔

حدیث کا تکرار کرنا کہ یاد ہو جائے

جتنا کوئی کلام زیادہ اہم الشان ہوتا ہے اتنا ہی اسے یاد رکھنے کی زیادہ [illegible]

اتنا ہم ہے اور رکھنے کی زیادہ فکر ہوتی ہے حضرت انس بن مالک (۹۳ھ) کہتے ہیں: عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ کان اذا تکلم بکلمۃ اعادھا ثلاثاً حتی تفہم عنہ۔ (صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۲۰)

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی بات کہتے تو اسے تین دفعہ دہراتے تاکہ اس کا آپ کی طرف سے ہونا اچھی طرح سمجھا جاسکے۔" امام بخاری نے اس حدیث پر یہ باب باندھا ہے: من اعاد الحدیث ثلاثاً لیفہم — فقال الا وقول الزور فمازال یکررھا — وقال ابن عمر قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ھل بلغت ثلاثاً

ترجمہ: جس نے حدیث کو تین دفعہ دہرایا کہ پوری طرح سمجھ آجائے — آپ نے ایک دفعہ قول زور سے بچنے کی تاکید فرمائی اور بار باراسے دہراتے رہے — حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ آپ نے (حجۃ الوداع کے خطبہ میں) ہل بلغت کے الفاظ تین دفعہ ارشاد فرمائے تھے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حدیث کو اس دور میں بھی ابدی سچائی کی حیثیت حاصل تھی۔ آپ کی ہدایات اگر صرف اسوقت کے لئے ہوتیں تو ان کے فہم وحفظ میں اسقدر اہتمام کر لیا گیا ہوتا۔

حدیث بیان کرنیوالے سے مزید شہادت لینا | ثقہ راوی کی روایت از خود کافی شہادت ہے اسپر مزید شہادت کی ضرورت نہیں نہ اسے قسم کہلوانے کی ضرورت ہے تاہم یہ صحیح ہے کہ اصول حدیث سب اجتہادی ہیں مقصود صحیح بات کو پالینا ہے وہ جس طرح بھی میسر آسکے اور یقین بڑھا سکے۔ خطیب بغدادی اصول حدیث پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں وجب الاجتہاد فی علم اصولہا (الکفایہ ص ۳) جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اس موضوع کی ہر بات میں اجتہاد سے کام لیا گیا ہے۔ فقہاء حدیث نے اپنے اپنے تفقہ کی روشنی میں اس کے اصول طے کئے ہیں سو اگر کسی خاص موضوع پر اس روایت کی مزید شہادت طلب کی جائے یا کوئی شخص کسی راوی حدیث سے قسم بھی کہلوائے تو اس میں مضائقہ نہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے میراث جدتین کی روایت میں حضرت مغیرہ بن شعبہ کی روایت پر اکتفا نہ کی جب تک کہ محمد بن مسلمہ سے اس کی تائید نہ سن لی۔ حضرت عمرؓ نے استیذان میں حضرت ابوموسیٰ الاشعری کی روایت پر اکتفا نہ کی یہاں تک کہ حضرت ابوسعید نے بھی اس کی شہادت دی۔ حضرت ام المؤمنینؓ نے زندوں کے رونے سے میت کو عذاب ہونے کی حضرت عبداللہ بن عمر کی روایت میں تردد کا اظہار فرمایا تو اس کی یہ وجہ نہیں کہ ان اکابر کے ہاں ثقہ راوی کی خبر واحد حجت نہ تھی بلکہ اس مزید توثیق کی تلاش میں کوئی حرج نہیں۔ شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ اس بحث میں لکھتے ہیں کہ: واجیب بان ذلک انما وقع منہم اما عند الارتیاب ---- واما عند معارضۃ الدلیل القطعی کما فی انکار عائشہؓ .....

فقدجاء فی بعض طرقہ ان عمر قال لابی موسیٰ اما انی لم اتہمک ولکن اردت ان یتجرأ الناس علی الحدیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (فتح الملہم ج ۱ ص ۹۶)

لکھتے ہوئے سنی گئی روایات | شیخ حدیث سنا رہا ہو اور طلبہ لکھ رہے ہوں تو کیا لکھتے ہوئے سنی گئی روایات ضعیف سماع ہیں

بیان ہوسکتی ہیں؟

اس میں علماء حدیث کا اختلاف رہا ہے۔ ابراہیم الحربی اور ابوبکر بن اسحٰق الصبغی وقت کتابت سماع کو صحیح نہیں مانتے وہ سمجھتے ہیں کہ اس خیال میں تو جہ بٹی ہوتی ہے اور سننے کا حق ادا نہیں ہوتا سو اس طرح سنی روایت کو سماع سے ذکر کرنا درست نہیں۔

امام عبداللہ بن مبارکؒ اس طرح سنی گئی روایات کا سماع درست تسلیم کرتے ہیں اور اسے سماع سے روایت کرنا جائز سمجھتے ہیں جو اسے جائز نہیں سمجھتے وہ اسے تحریر سے روایت کرنے کے ضمن میں لے آتے ہیں۔

روایت حدیث پر اُجرت لینا | جو محدث حدیث روایت کر رہا ہو وہ دراصل ادائے امانت کر رہا ہے۔ علم دین کی جو امانت اس کے پاس تھی اسے آگے پہنچا رہا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم کہ میری جو بات تمہیں ملے اسے آگے پہنچا دو "بلغوا عنی ولو اٰیۃ" اور "فلیبلغ الشاھد الغائب" اس پر شاہد ناطق ہے۔

ادائے امانت پر اُجرت لینا یہ کاروبار سمجھ میں نہیں آتا۔ امام احمد بن حنبلؒ سے پوچھا گیا "أیکتب عن یبیع الحدیث" کیا اس شخص سے روایت لکھی جائے جو حدیث کو بیچتا ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ لا — ولا کرامۃ (الکفایہ ص۲۴۰)

روایت حدیث اور تعلیم حدیث میں فرق ہے۔ راوی کی حیثیت سے روایت کرنے پر اُجرت نہیں لی جا سکتی ہاں معلم تعلیم حدیث پر اجرت لے سکتا ہے جیسا کہ تعلیم قرآن پر بھی اجرت لی جا سکتی ہے۔

حدیث بیان کرتے وقت قبلہ رُخ ہونا | محدث جب اپنی سند سے روایت کر رہا ہو تو وہ ایک بہت بڑی ذمہ داری ادا کر رہا ہوتا ہے اسے چاہیئے کہ مجلس اور آداب کا پورا لحاظ رکھے۔ حضرت سفیان جب حدیث روایت کرتے تو قبلہ رُخ ہو کر حدیث پڑھتے۔ یحییٰ بن معین لکھتے ہیں،

کان سفیان اذا حدث استقبل القبلۃ۔ (کتاب التاریخ لیحییٰ بن معین جلد ۲ ص ۲۱۳ طبع ۱۳۹۹ مکہ)

یہ حدیث کو قبول کرنے، پڑھنے پڑھانے اس کی طلب و دریافت اور طلبہ و اساتذہ کے حقوق و آداب کا بیان تھا۔ اب ہم یہ پیش نظر رکھیں کہ جو روایت نقل کی جا رہی ہے اس کے ہمارے ذمے کتنے حقوق ہیں روایت نقل کرنے میں کیا کیا آئین ملحوظ نظر رہنا چاہئیں۔

آداب روایت کا بیان

حدیث کو مختصر کرنے سے احتراز | علماء حدیث کا اس باب میں اختلاف رہا ہے۔ خلیل بن احمد کہتے ہیں کہ حدیث اس طرح روایت کرنی چاہیئے جیسے کہ سنی گئی تھی اسے اپنی طرف سے مختصر کرنا جائز نہیں۔

لا یحل اختصار الحدیث لقولہ رحم اللہ امرأ سمع منا حدیثاً فبلغہ کما سمعہ۔

یحییٰ بن معین کی رائے اس مسئلہ میں یہ ہے: من یکرہ الانتخاب ویذمہ ویقول صاحب الانتخاب

یندم ولذالک کان یکتب علی الوجہ لئلا یسقط علیہ حدیث۔
ترجمہ: آپ حدیث کے انتخاب کرنے کو مکروہ جانتے تھے اور لیے برا کہتے تھے آپ کا مقولہ تھا کہ انتخاب کرنیوالا آخر کار شرمندہ ہوتا ہے۔

سفیان الثوری (۱۶۱ھ) اس شخص کے سامنے جس کے پاس حدیث پوری روایت کی جا چکی ہو اس کا اختصار سے پیش کرنا جائز سمجھتے تھے۔ یروی الاحادیث علی الاختصار لمن قد رواہ لہ علی التمام (الکفایہ ص۱۹۲)

ابو الحسین بن مسعود الفراء البغوی (۵۱۶ھ) ایک بحث میں لکھتے ہیں: وفیہ دلیل علی کراھیۃ اختصار الحدیث لمن لیس بالمتناھی فی الفقہ لانہ اذا فعل ذالک فقد قطع طریق الاستنباط علی من بعدہ ممن ھو افقہ وفی ضمنہ وجوب التفقہ والحث علی استنباط معنی الحدیث واستخراج المکنون من سرہ (شرح السنۃ ج۱ ص۲۳۶)
ترجمہ: اور اس میں اس شخص کے لئے جو فقہ میں ماہر نہیں حدیث کو مختصر کرنا مکروہ قرار دیا گیا ہے وہ اگر ایسا کرے گا تو اس نے اپنے بعد کے کسی زیادہ فقہ جاننے والے پر طریق استنباط روک دیا اور اس حدیث کے ضمن میں حدیث پر تفقہ کرنا اور حدیث سے معانی کو مستنبط کرنا اور اس کے چھپے اسرار کو کھولنا واجب بتلایا گیا ہے۔

تقطیع حدیث حدیث کو جزو جزو کرکے مختلف ابواب میں لانا تقطیع حدیث کہلاتا ہے۔ صحیح بخاری میں امام بخاریؒ نے بڑی محنت اور گہری فکر سے صحیح کے مختلف باب قائم کئے ہیں سو ہر باب میں آپ اتنی ہی روایت لاتے ہیں جتنی اس سے متعلق ہو اور آپ اس کے مطابق حدیث کی تقطیع (ٹکڑے ٹکڑے کرکے بیان کرنا) کرتے چلے گئے ہیں۔ امام مسلمؒ نے صحیح مسلم میں خود باب نہیں باندھے اس لئے وہ حدیث مسلسل بیان کرتے ہیں تقطیع حدیث نہیں کرتے تاہم صحیح یہ ہے کہ تقطیع حدیث اس شخص کے لئے جو فقہ میں ماہر ہو اور تقطیع سے مضمون میں فرق نہ آنے دے جائز ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ صحیح بخاری کی ایک حدیث پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ان البخاری یذھب الی جواز تقطیع الحدیث اذا ما کان یفصلہ منہ لا یتعلق بما قبلہ ولا بما بعدہ تعلقا یفضی الی فساد المعنی فصنیعہ کذالک یوھم من لا یحفظ الحدیث ان المختصر غیر التام لاسیما اذا کان ابتدا او المختصر من اثناء التام۔ (فتح الباری جلد ۱ ص۱۵۰)

پھر تقطیع اور اختصار میں بھی فرق ہے تقطیع کی اجازت سے مراد یہ نہیں کہ ہر شخص اور ہر عامی جس حدیث کو چاہے اس کی تقطیع کرلے۔ ہرگز نہیں۔ یہ کسی صورت میں جائز نہیں تقطیع حدیث کی اجازت سے مراد صرف ان محدثین کیلئے ہے جو حاذق فن ہوں بارع فی الاثر والنظر ہوں اور اختصار کرنے سے حدیث کے مضمون میں کہیں فرق نہ آنے دیں۔ سو امر اول یہ صحیح ہے کہ تقطیع ان شرائط سے جائز ہے۔ وکان غیر واحد من الائمۃ یفعل ذلک (الکفایہ ص۱۹۳)

روایت بالمعنی سے حتی الوسع احتراز بعض صحابہ جن میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ (۷۴ھ) بھی ہیں یہ رائے رکھتے تھے کہ

روایت میں الفاظ کی پابندی ضروری ہے لیکن کئی صحابہ جن میں حضرت واثلہ بن الاسقع بھی ہیں روایت بالمعنی کو جائز سمجھتے تھے۔

آپ فرماتے ہیں: اذا حدثنا کم بالحدیث علی معناہ فحسبکم (شرح السنہ جلد اصفحہ ۲۳۸)

ترجمہ: جب ہم تمہارے سامنے کوئی حدیث باعتبار معنی بیان کریں تو تمہارے لئے یہ کافی ہے۔

حضرت قاسم بن محمد (۱۰۷ھ) امام ابن سیرین (۱۱۱ھ) رجاء بن حیوٰۃ (ھ) امام مالک (۱۷۹ھ) ابن علیہ، عبدالوارث، یزید بن زریع (۱۸۲ھ) وہیب (ھ) امام احمد بن حنبل (۲۴۱ھ) اور یحییٰ بن معین (۲۳۳ھ) لفظی پابندی کے قائل تھے لیکن امام حسن بصری علامہ شعبی (۱۰۳ھ) اور ابراہیم نخعی جیسے بزرگ اس کے جواز کے قائل تھے۔

دونوں میں راجح بات جواز کی ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ روایت حدیث میں الفاظ کی پابندی کرنا افضل ہے اور یہی امام ابوحنیفہؒ کی رائے ہے لیکن یہ بات بھی لائق غور ہے کہ یہ جواز اور عدم جواز کی بحث صرف قرون اولیٰ تک کے لئے تھی۔ اب جبکہ تالیفات حدیث مکمل ہو چکی ہیں اور مجموعہ ہائے حدیث چہار دانگ عالم میں پھیل چکے ہیں احادیث کا ترجمہ تو دوسری زبانوں میں کیا جا سکتا ہے لیکن ان روایات کو اب اور روایت بالمعنی سے گزارنا درست نہیں۔ حدیث کسی بھی زبان میں بیان کی جا رہی ہے اس کا مضمون اور ترتیب وہی رہنی چاہئیے جو موجودہ تالیفات حدیث میں پائی جاتی ہے نہ انہیں اپنی طرف سے مختصر کرے نہ کسی روایت کو اپنے مفہوم میں نقل کرے اور روایت بالمعنی کے جواز کو اس پندرھویں صدی تک وسیع نہ کرے جہاں تک ہو سکے روایت بالمعنی سے احتراز کرے اور اسی میں احتیاط ہے۔

ثقہ راویوں کے زیادہ الفاظ کی قبولیت

حافظ ابن صلاح کہتے ہیں کہ ثقہ راوی اگر باقی ثقہ راویوں کی روایت پر کچھ زیادہ الفاظ روایت کرے تو وہ زیادہ الفاظ اگر دوسروں کی روایت کردہ حدیث سے ٹکراتے ہیں تو انہیں قبول نہ کیا جائے اگر وہ زیادت ان کے معارض نہیں تو وہ لائق قبول ہے۔ ثقہ راوی کی روایت رد نہیں نہیں کی جا سکتی۔ محدثین کا تقریباً اس پر اتفاق ہے کہ ثقہ کی زیادتی قابل قبول ہے۔ حافظ جمال الدین الزیلعی (۷۶۲ھ) نے نصب الرایہ میں بسم اللہ بالجہر پڑھنے کی بحث میں اس موضوع پر بڑی مفید بحث کی ہے۔ (نصب الرایہ جلد ۱)

ابوعوانہ نے حضرت قتادہ سے انہوں نے یونس بن جبیر سے انہوں نے حطان بن عبداللہ سے انہوں نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اذا صلیتم فاقیموا صفوفکم ثم لیومکم احدکم فاذا کبر فکبروا واذا قال غیر المغضوب علیہم ولا الضالین فقولوا آمین

لیکن حضرت سلیمان التیمی نے قتادہ عن یونس بن جبیر عن حطان بن عبداللہ الرقاشی سے اس حدیث کو روایت کرتے ہوئے یہ الفاظ بھی روایت کئے: واذا قرأ فانصتوا (ترجمہ: جب امام قرآن پڑھے تو تم چپ رہو) یہ الفاظ سلیمان کے سوا قتادہ کے دوسرے شاگردوں نے روایت نہیں کئے لیکن ان کی روایت سے ٹکراتے بھی نہیں تو ثقہ راوی کی یہ زیادتی لائق قبول ہوگی۔ امام مسلم سے ان کے شاگرد ابواسحٰق ابراہیم بن سفیان کہتے ہیں کہ ابوبکر بن اخت ابوالنضر نے امام مسلم سے اس زیادتی کے

بات مجھ سے پوچھا تو انہوں نے کہا: "اتريد احفظ من سليمان" (تم سلیمان سے زیادہ حافظہ میں کس کو چاہتے ہو؟) پھر ابوبکر بن اخت ابی النضر نے پوچھا کہ اس موضوع پر حدیث ابی ہریرہ کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔ انہوں نے کہا کہ وہ میرے نزدیک صحیح ہے۔ یعنی: واذا قرأ فانصتوا فقال هو عندي صحيح فقال لم لم تضعه هاهنا قال ليس كل شيئ عندي صحيح وضعته هاهنا۔ (صحیح مسلم جلد ۱ صـ۱۷۴)

آداب محدثین کی پوری معرفت

طلبہ حدیث کو چاہئے کہ آداب محدثین سے پوری طرح واقف ہوں ان کے تعبیری فروق سمجھتے ہوں جو روایت صیغہ تحدیث سے آرہی ہے (نچلا راوی اوپر والے راوی کا نام لیکر کہے کہ اس نے میرے پاس یا ہمارے پاس یہ روایت بیان کی ہے) اور جو صیغہ عن (نچلا راوی اوپر کے راوی سے عن کہکر بیان کرے) سے آرہی ہے ان میں فرق جانتے ہوں۔ عن والی روایت میں نچلے راوی نے اوپر والے راوی سے نہ بھی سنا ہو بلکہ اسے دیکھا بھی نہ ہو تو اس سے عن سے روایت کرنا جھوٹ نہیں ہوگا۔ درمیانی راوی کو حذف کیوں کیا جاسکتا ہے لیکن اگر وہ عن کی بجائے حدثنی کہہ کر اس سے روایت کرتا ہے تو صیغہ تحدیث یقیناً سماع پر محمول ہوگا جو ثقہ راوی استاد کا نام نہ ظاہر کرنا چاہتے تھے وہ تدلیس سے کام لیتے ہوئے اس سے اوپر کے راوی سے عن کہکر روایت کر جاتے تھے اور وہ غلط نہیں کہہ رہے ہوتے تھے پھر اگر کہیں ان سے صیغہ تحدیث یا سماعت کی صراحت بھی مل جائے تو یہ گمان تدلیس بالکل اٹھ جاتا تھا اور روایت کی صحت میں کوئی شبہ نہ رہ جاتا تھا۔

سو طلبہ حدیث کے لئے ضروری ہے کہ وہ آداب محدثین کو پہچانتے ہیں رواۃ مدلسین سے واقف ہوں عن اور سماع کے فرق سے بھی بے خبر نہ ہوں راوی کتاب سے روایت کر رہا ہے یا یاد سے اسے بھی سمجھتے ہوں۔

آج کل حدیث کے بارے میں بے تکی باتیں کرنیوالے منکرین حدیث کا یا مستشرقین عصر اکثر آداب محدثین سے بے خبر ہوتے ہیں۔ والمرأ اذا ای اضحی غیر فنہ اتی بالعجائب۔

بقیہ: حالات کا نیا رُخ

وقار کو مزید مجروح اور دین اور علم پر اعتماد کو مزید متزلزل کر دیا ہے۔ نیابت انبیاء اور وارثین کتاب کی ذمہ داری ادا نہیں کر سکتے۔ ذمہ داری پچھلے عہد سے بھی بڑھ گئی ہے۔ یہ کسی ایک جماعت علماء کسی ایک ادارے یا مدرسہ کا مسئلہ نہیں اس ملک میں دین وعلم کے مستقبل اور ملت کے دین پر اعتماد اور شریعت وعلوم دین سے ارتباط کا مسئلہ ہے۔ خدا کرے ہم اپنی ذمہ داری محسوس کریں اور اسکو ادا کرنے کی مخلصانہ اور سرفروشانہ کوشش میں لگ جائیں۔ (الفرقان لکھنؤ)

حالات کا نیا رُخ

اور علماءِ دین کی ذمہ داری

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا ایک خطاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ ثم اورثنا الکتاب الذین اصطفینا من عبادنا ۚ فمنھم ظالم لنفسہ ۚ ومنھم مقتصد ۚ ومنھم سابق بالخیرات باذن اللہ ۚ ذٰلک ھو الفضل الکبیر ۞ (سورۃ فاطر ۳۲)

ترجمہ: پھر ہم نے ان لوگوں کو کتاب کا وارث ٹھہرایا جن کو اپنے بندوں میں سے برگزیدہ کیا۔ تو کچھ ان میں سے اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں اور کچھ میانہ رو ہیں اور کچھ خدا کے حکم سے نیکیوں میں آگے نکل جانے والے ہیں۔ یہی بڑا فضل ہے۔

عزیزو اور بھائیو! دین ہو، آسمانی تعلیمات ہوں، پیغام دعوت یا اعلیٰ سے اعلیٰ اصول ہوں ان میں سے کوئی چیز خلاء میں نہیں رہ سکتی۔ اگر اس تعلیم و دعوت کیساتھ انسانی زندگیاں، ان کے حاملین اور زندہ اور مکمل پیکر نہ ہوں تو ان کا تسلسل قائم نہیں رہتا۔ ادیان سماوی کی تاریخ بھی یہی بتاتی ہے اور اخلاقی تعلیمات کی تاریخ بھی اسی کی شہادت دیتی ہے۔ اگر ایسا ممکن ہوتا اور سنتِ الٰہی اور فطرت انسانی اس کی اجازت دیتی تو پھر اتنا کافی تھا کہ آسمان سے صحیفے آجاتے اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر کسی محفوظ جگہ پر رکھ دیئے جاتے اور اعلان کر دیا جاتا کہ اللہ تعالیٰ کے اترے ہوئے صحیفے اور آسمانی کتابیں آگئی ہیں۔ وہ فلاں جگہ محفوظ ہیں جس کا دل چاہے جائے لے آئے اور عمل کرے لیکن پہلے اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو پیدا کرتا ہے پھر ان کی بعثت ہوتی ہے۔ ان پر وحی کا نزول ہوتا ہے اور اس کا پہلا نمونہ وہ خود ہوتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت عائشہؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت، حیات طیبہ اور اخلاق و شمائل کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا: کان خلقہ القرآن (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو دیکھنا ہو تو قرآن مجید پڑھ لو اور دیکھ لو۔) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تو اللہ تعالیٰ کا خصوصی معاملہ اور مزید انعام یہ تھا کہ (حضرت شاہ ولی اللہؒ کے الفاظ میں) آپ کی بعثت "بعثتِ مقرونہ" (دہری بعثت) تھی۔ یعنی آپ انسانوں کی طرف مبعوث کئے گئے تھے اور آپ کی تعلیمات کو دنیا میں پھیلانے اور ان کا نمونہ دنیا کے سامنے پیش کرنے کے لئے ایک پوری امت کی بعثت عمل میں آئی تھی۔ اسی لئے آپ دیکھتے ہیں کہ تنہا امت مسلمہ کے لئے بعثت یا اس کے ہم معنی اور مرادف الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ فرمایا گیا:

وکذٰلک جعلناکم امۃ وسطا لتکونوا شھداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شھیدا "

ترجمہ: اور اسی طرح ہم نے تم کو امت معتدل بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور پیغمبر (آخر الزماں) تم پر گواہ بنیں۔

دوسری جگہ فرمایا:

کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنہون عن المنکر وتؤمنون باللہ۔"

ترجمہ: مومنو! جتنی امتیں (یعنی قومیں) لوگوں میں پیدا ہوئیں تم ان سب سے بہتر ہو کہ نیک کام کرنے کو کہتے ہو اور برے کاموں سے روکتے ہو اور اللہ پر یقین رکھتے ہو۔"

اس سے زیادہ صاف الفاظ حدیث میں آئے ہیں۔ مسلمانوں کو خطاب کر کے فرمایا گیا:

انما بعثتم میسرین ولم تبعثوا معسرین

"تم آسانی پیدا کرنے کے لئے پیدا اور مقرر کئے گئے ہو، مشکلات پیدا کرنے کے لئے نہیں۔"

صحابہ کرامؓ نے بھی اس سے ملتے جلتے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ آپکو یاد ہوگا کہ جب رستم سپہ سالار افواج ایران نے حضرت ربعی ابن عامر سے جو مسلمانوں کے نمائندہ سفیر بن کر آئے تھے پوچھا کہ تم کیسے آئے ما الذی جاء بکم؟ تو اس کے جواب میں انہوں نے زبان نبوت ہی کے الفاظ استعمال کئے۔ انہوں نے کہا:

اللہ ابتعثنا لنخرج من شاء من عبادۃ العباد الیٰ عبادۃ اللہ وحدہ"

"اللہ نے ہم کو بھیجا ہے تاکہ حکم الٰہی سے اللہ کے بندوں کو بندوں کی بندگی سے نکال کر خدائے واحد کی بندگی میں داخل کریں۔"

اس سے آپ سمجھ لیجئے کہ کوئی دین خلا میں نہیں رہ سکتا۔ دین سے پہلے نبی کی شرط ہے پھر نبی کیساتھ امت کی شرط ہے انکے اصحاب وتربیت یافتہ نفوس کی شرط ہے جس کا بہترین نمونہ آپ کو سیرت نبوی میں ملتا ہے اس کے بعد یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہنا چاہیئے۔

میں نے آپ کے سامنے جو آیت پڑھی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ توریث یعنی نائبین انبیاء اور حاملین کتاب کا سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ اسی طرح وارثین انبیاء اس امانت کے حاملوں اور دین کے نمائندوں کی بڑی ذمہ داری ہے اس دین کے بارے میں بھی اپنے ماحول و معاشرے اور اپنے ملک کے بارے میں بھی اور پوری انسانیت کے بارے میں بھی جس کی قسمت دین صحیح اور آسمانی تعلیمات سے وابستہ ہے اسی حقیقت کو ایک حدیث میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

یحمل ھذا العلم من کل خلف عدولہ ینفون عنہ تحریف الغالین وانتحال المبطلین وتاویل الجاھلین۔" (مشکوٰۃ ص ۳۶ فصل ثانی روایت از بیہقی)

ترجمہ: اس علم کے ہر نسل میں ایسے عادل و متقی حامل و وارث ہوں گے جو اس دین سے غلو پسند لوگوں کی تحریف اہل باطل کے غلط انتساب و دعوے اور جاہلوں کی دور از کار تاویلات کو دور کرتے رہیں گے۔

وارثین کتاب نائبین انبیاء اور عام فہم الفاظ میں "علماء دین" کی یہ اتنی بڑی ذمہ داری اور اتنا نازک مسئلہ ہے کہ اگر

اس کا صحیح طور پر ادراک ہو تو جن لوگوں کو اللہ نے یہ شرف عطا فرمایا ہے اور ان کے کاندھوں پر یہ ذمہ داری ڈالی ہے۔ ان کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں، راتوں کی نیند اڑ جائے اور کھانے پینے کی لذت ختم ہو جائے اور ان کا سکون ہمیشہ کے لئے جاتا رہے۔ دراصل حاملین و شارحین دین ہی کی سیرت و اخلاق پر عوام کی دین سے وابستگی، اس سے عقیدت اس پر اعتماد اور صحیح عقائد و مسلک کے بقاء کا انحصار ہے۔ ان کی ذرا سی غلطی کیا اثر پیدا کر سکتی ہے۔ ان کی اخلاقی کمزوری کردار کی پستی، دنیا طلبی، دولت پرستی، قوت و اقتدار کی تقدیس، خواہشاتِ نفس اور ذاتی مفادات کے سامنے سپر اندازی، تفرقہ اندازی اور انتشار پسندی پورے معاشرے پر کیا اثر ڈالتی ہے اور اس عہد و ملک کی پوری نسل کو کس طرح متزلزل و متاثر کر دیتی ہے اگر اس کا صحیح ادراک ہو تو ہمارے مدارس کے بام و در ہی نہیں مساجد کے محراب و منبر بھی کانپنے لگیں۔ مشہور حدیث صحیح سے بڑھ کر کوئی اس حقیقت کی عکاسی و مصوری نہیں کر سکتا۔ فرمایا گیا؛

الا ان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد كله واذا فسدت فسد الجسد كله الا وهی القلب

ترجمہ: یاد رکھو! جسم انسان میں ایک مضغۂ گوشت ایسا ہے کہ اگر وہ درست ہو جائے تو پورے جسم کا نظام درست رہیگا اور اگر بگڑ جائے تو پورے جسم کا نظام بگڑ جائے گا خبردار رہیو وہ مضغۂ گوشت دل ہے۔"

علماء و خواص کی حیثیت ملت و معاشرے میں بالکل وہی ہے جو قلب کی جسم انسانی میں ہے اور ان کے فساد و اختلال اور ان کے صلاح و اعتدال کا وہی اثر پوری ملت و معاشرے پر پڑتا ہے جو قلب کے صلاح و فساد کا پورے جسم انسانی پر پڑتا ہے۔

عزیزو اور رفیقو! یہ ذمہ داری کسی ایک جماعت یا کسی مخصوص ادارے کی نہیں یہ پوری صاحب علم جماعت کی ذمہ داری ہے۔ وارثین کتاب کے اخلاق پر جب انحطاط آئیگا جب ان کے اندر دنیا پرستی آ جائے گی۔ جب ان کا تعلق اللہ تعالیٰ کیساتھ کمزور پڑ جائے گا جب وہ ان حدود سے بھی تجاوز کرنے لگیں گے جن حدود سے عوام کو بھی آگے نہیں بڑھنا چاہیئے۔ تو پھر پورے معاشرے اور پورے ماحول میں فساد ہی نہیں بلکہ تعفن اور سڑاہند پیدا ہو جائے گی۔ دین کا مستقبل وابستہ ہے اہل دین و اہل علم سے اور کسی ملک سے اور اس ملک کی آبادی کا اخلاقی، انسانی اور دینی مستقبل وابستہ ہے۔ دین کے شارحین اور دین کے نمائندوں سے اب دین کے نمائندوں میں کوئی کمزوری پیدا ہو جائے تو دنیا کی کوئی طاقت عوام کے دین کیساتھ تعلق کو کمزور ہونے سے بچا نہیں سکتی نہ کوئی حکمت نہ کوئی ذہانت نہ کوئی خطابت نہ کوئی سیاست۔ یہاں تک کہ اگر کوئی اسلامی حکومت بھی یہ بات طے کر لے کہ معاشرے اور اس ماحول میں فساد پیدا نہ ہونے پائے اور اس کا رشتہ دین سے کمزور نہ ہونے پائے تو وہ بھی اس میں کامیاب نہیں ہو سکتی یہ بات بالکل ایسی ہے کہ جہاز کی رفتار کو کنٹرول کرنیوالی اور اس کا رخ متعین کرنیوالی ایک چھوٹی سی کانٹے والی معمولی سی چیز ہوتی ہے اگر بال برابر بھی اس کی سوئی اپنی جگہ سے کھسک جائے تو جہاز سینکڑوں میل کے حساب سے اپنی منزل مقصود سے دور

ہوجاتا ہے۔ علماء کی جماعت درحقیقت ملت وانسانیت کے لئے "قطب نما" ہے جس سے قبلہ کی سمت متعین ہوتی ہے اس لئے اس کا صحیح اور سچا رہنا اور اپنا کام کرتے رہنا ضروری ہے۔ اگر علماء کا تعلق اللہ کے ساتھ درست ہے اگر ان کے اندر اخلاص واخلاق پایا جاتا ہو وہ اپنے فرائض کے ادا کرنے میں مستعد اور سرگرم ہیں اور ان اعلیٰ صفات سے متصف ہیں جو کسی درجہ میں نائبین انبیاء اور وارثین کتاب میں پائی جانی چاہئیں تو کم سے کم اس ملک میں دین کا مستقبل محفوظ ہے لیکن اگر یہ نہیں ہے تو پھر دنیا کی کوئی تدبیر اس ملک میں دین کو بچا نہیں سکتی۔

اندلس (اسپین) پر بڑا تحقیقی کام ہوا ہے۔ اسلام کے وہاں سے بالکل جلاوطن ہوجانے کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی (خدا کرے اب قیامت تک نہ ملے اور مسلمانوں کو پھر کوئی ایسا حادثہ پیش نہ آئے۔) یہ وہ بدقسمت ملک ہے جس کو اسلام کی دولت سے بالکل محروم کردیا گیا۔ اس کے اسباب پر بہت کچھ لکھا گیا ہے اور بڑی بصیرت افروز کتابیں موجود ہیں۔ مجھے خود بھی خدا نے اس ملک کی زیارت وسیاحت کا موقع دیا لیکن ابھی تک اس نقطۂ نظر سے تحقیقی کام ہوا ہے کہ وہاں کے حکمرانوں سے کیا غلطیاں ہوئیں؟ وہاں کونسی سیاسی بے تدبیری اور بے دانشی عمل میں آئی؟ مؤرخین ومصنفین نے اس کی زیادہ تر ذمہ داری حکمرانوں کے اختلاف اور شمالی اور جنوبی عربوں (عدنانیوں اور قحطانیوں یا یمنیوں اور حجازیوں) کی آویزش ورقابت پر ڈالی ہے لیکن ایک پہلو ایسا ہے جو ابھی تک تشنۂ تحقیق ہے اور اس پر کام نہیں ہوا ہے وہ یہ کہ وہاں کے علماء سے کیا غلطیاں ہوئیں؟ انہوں نے کیا کمزوری دکھائی؟ ان کے اندر کیا اخلاقی انحطاط، دنیا طلبی اور انتشار واختلاف کی بیماری پیدا ہوگئی تھی جس کا یہ نتیجہ برآمد ہوا؟ میں سمجھتا ہوں کہ اس پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔

اس وقت ہندوستان بھی ایک نازک مرحلہ پر آگیا ہے گویا کاتب تقدیر منتظر ہے کہ وہ کیا لکھے؟ اس وقت اگر یہاں بھی علماء نے اپنے کو نہ سنبھالا اور اخلاقی، روحانی، علمی وذہنی چاروں راستوں سے اپنی بلندی اپنا امتیاز اور اپنی افادیت و ضرورت ثابت نہ کی تو اندیشہ ہے کہ پورے دین اور پوری ملت پر زوال نہ آجائے۔ بعض مرتبہ محدود اور بظاہر معمولی اخلاقی کمزوریاں اور اختلافات اتنے مہیب نتائج کا باعث بن جاتے ہیں جن کا تصور بھی مشکل ہے بعض اوقات وہ پوری سلطنت اور اس ملک میں پوری ملت کو زوال یا شدید آزمائش یا کشمکش میں مبتلا کردیتے ہیں۔

ہم جب تاریخ کے ذخیرے میں ڈوہ لگاتے اور کرید کرتے کرتے اسباب ونتائج کی زنجیر کے آخری سرے پر پہنچتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ فلاں قسم کی ایک نفسانیت ایک بے دانشی اجتماعی اور ملی مفاد پر انفرادی مصلحت اور ذاتی مفاد کی ترجیح اس کی اصل ذمہ دار تھی اور اس سے پوری ملت زوال سے دوچار ہوگئی اور ان میں سے اکثر بہت سی چیزوں کا سراغ دین وعلم کے اصل نمائندوں کی سیرت وکردار میں ملتا ہے۔

علماء کی اخلاقی بلندی کے بعد روحانی وباطنی اور اس کے بعد علمی وذہنی استقامت وبلندی دین کی بقاء وتسلسل اور دین کے وقار واعتماد کے باقی رہنے کے لئے ضروری ہے۔ ایسے موقع پر ایک لمحہ مہینہ اور سال کے برابر ہوتا ہے اور

ایک سانس ایک عمر کے برابر۔ اس وقت اگر علماء اور علوم دینیہ کے حاملین نے اپنے کو نہ سنبھالا۔ انہوں نے اپنی اخلاقی بلندی اپنی بے غرضی، سچی خدا پرستی کا جس کے اندر نفاق نہ ہو ثبوت نہ دیا تو سخت خطرہ ہے۔ ہمارا حال یہ ہے کہ بعض اوقات بعض مباحات کے استعمال میں احتیاط برتتے ہیں کہ یہ ہماری وضع کے خلاف ہے لیکن بے تکلف ایک مسلمان کی پردہ دری کرینگے افساد ذات البین اور تفریق بین المسلمین میں کوئی حرج نہیں سمجھتے۔ اسمیں کوئی حرج نہیں کہ دو ذمہ داروں کو ایک دوسرے سے لڑادیں، کسی ادارے کی اینٹ سے اینٹ بجادیں۔ جن چیزوں کی حرمت منصوص ہے مثلاً غیبت، چغل خوری اتہام، دروغ بافی وہ ہماری مجلسوں میں دن رات ہوگی۔

یہ کیا ہے؟ یہ ظاہرداری خدا کے ہاں نہیں چلتی۔ وہ عالم السرائر وعالم الغیب ہے۔ وہ ظاہر سے دھوکہ نہیں کھاتا، خیانت حرام، کام چوری حرام، پیسہ لینا اور کام نہ کرنا حرام، مسلمان کی توہین اور عالم کی تذلیل حرام، بے تحقیق وبے ثبوت بات کہنا یا سن کر اسکو فوراً مان لینا اور اس کی اشاعت کرنا حرام۔ حدیث میں آتا ہے:

كفى بالمرء كذبا ان يحدث بكل ما سمع۔

"انسان کے جھوٹے ہونے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ جو کچھ اسکے کان میں پڑے وہ اسکا چرچا کرنا شروع کردے"۔

قرآن مجید میں آگاہی دی گئی ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا۔

"مومنو! اگر کوئی بدکردار تمہارے پاس کوئی خبر لیکر آئے تو خوب تحقیق کرلیا کرو۔"

یہ سب منصوصات قطعی ہیں لیکن ہمارے صحیفۂ اخلاق اور ہمارے اصول وضوابط میں ان کی کوئی اہمیت نہیں۔ ہمیں انہی مراتب کیساتھ اور اس ترتیب و تناسب کیساتھ جو خدا اور اس کے رسول نے قائم کی ہے شریعت کے احکام اور دین کی تعلیمات پر عمل کرنا چاہیئے۔ محرمات، مکروہات، مستحبات اور مباحات سب کا درجہ الگ الگ ہے۔ ہم ایک عرفی دین کے پابند ہوگئے ہیں اور جو چیزیں ہمارے عرف میں ناپسندیدہ اور قابل نفرت نہیں ہیں، ہم بے تکلف ان چیزوں کا ارتکاب کرلیتے ہیں جن سے بعض اوقات پوری ملت کو نقصان پہنچتا ہے جن سے اداروں کی اینٹ سے اینٹ بج جاتی ہے جس سے ایک متحد اور ہم مسلک جماعت میں سخت انتشار پیدا ہوجاتا ہے اور اس سے ان تمام مقاصد اور پورے مسلک کو نقصان پہنچتا ہے جن کی یہ جماعت حامل اور داعی اور ان کی ایک علامت بن گئی ہے۔ یہ عمارت جو آپ دیکھ رہے ہیں ایک تناسب پر قائم ہے۔ اگر یہ تناسب ختم کردیا جائے تو یہ عمارت قائم نہیں رہ سکتی دین کا ایوان بھی خاص تناسب پر قائم ہے وہ بھی اس کے بغیر نہیں رہ سکتا۔

دوستو اور عزیزو! یاد رکھئے کہ ایسے نازک وقت پر اگر کوئی چیز فوری طور پر زوال سے بچا سکتی ہے تو وہ بلند وبالا شخصیتیں ہیں۔ دیکھئے دسویں صدی ہجری میں ہندوستان کا علمی و دینی حلقہ اخلاقی طور پر مریض ہوگیا تھا اور اس کا اثر

یہ پڑ رہا تھا کہ ہندوستان میں دین کا مستقبل نہ صرف خطرے میں پڑ گیا تھا بلکہ صاف نظر آرہا تھا کہ ہندوستان کا رُخ کم از کم ذہنی اور تہذیبی ارتداد کی طرف ہے۔ درباری علماء کا نمونہ کیا تھا؟ اسکو مُلّا مبارک اور ابوالفضل و فیضی کی سیرت و کردار کے مرقع میں دیکھئے۔ زیادہ علماء کے نام نہیں لیتا کہ تاریخ کا سو فیصدی اعتبار نہیں۔ لیکن اس زمانے کے صدر الصدور اور مخدوم الملک بھی اخلاقی انحطاط کا شکار نظر آتے ہیں۔ ان کی جاہ پرستی، دولت اندوزی آپس میں حسد و رقابت اور عزت و اقتدار کے لئے کشمکش کی شہادتیں تاریخ سے ملتی ہیں۔ ابوالفضل و فیضی کے کردار کے متعلق جو انہوں نے دربارِ اکبری اور حکومت وقت میں ادا کیا تنہا مُلّا عبدالقادر بدایونی کی تحریروں پر اعتماد کر کے نہیں کہتا، اسکی تو شہادت خود ابوالفضل کی تحریروں سے ملتی ہے۔ اسوقت اچانک ایک شخصیت نمودار ہوتی ہے جس کا نام نامی شیخ احمد سرہندی (مجدد الف ثانیؒ) ہے وہ آئے اور انہوں نے کچھ آدمیوں کو تیار کیا جو اس اخلاقی اور انسانی سطح سے بلند تھے جس پر عام طور پر سرکاری درباری علماء نظر آتے تھے اور یکدم فضا بدل گئی؛ ع جہاں نے را دگرگوں کرد یک مرد خود آگاہے۔

اگر ہمارے ملک کے دینی حلقے نے بھی جلد کچھ نمونے پیش نہ کئے اگر جلد پھر ہندوستان میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ. شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ یا ان سے کسی درجہ میں نسبت رکھنے والی شخصیت پیدا نہ کی تو یاد رکھئے کہ یہاں ہندوستان میں علماء ہی کا وقار نہیں دین و علم کا وقار اور پھر ایک قدم آگے بڑھ کر ملت اسلامی کا وقار بھی خطرے میں پڑ جائیگا اور ان دینی اداروں اور مدارس کی افادیت و ضرورت بھی مشکوک ہو جائے گی۔ جو اسی طبقہ کے افراد پیدا کرنے اور اسی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے قائم کئے گئے ہیں۔ ان حضرات اور ان کے اسلاف کے ضبط و تحمل اور انکی خود داری و خدا اعتمادی، ان کی تعاون علی البر والتقویٰ کی صلاحیت ان کی ملت کے اجتماعی کاموں میں اپنی بے نفسی کا مظاہرہ ان کی عالی ظرفی بلند نظری اور فراخدلی اور اپنے ہم مسلک ہی نہیں اپنے مخالفین تک کے کمالات اور محاسن کے اعتراف کی جرأت و توفیق ان کا استغنا اہلِ دولت سے بے خوفی، بے نیازی اور کنارہ کشی ان کی اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی میں مستعدی و سرگرمی ان کی زاہدانہ و مستغنیانہ زندگی ان کا ملت کے لئے حقیقی درد اور کرب۔ یہی وہ صفات ہیں جنہوں نے پہلے بھی ان جماعتوں اور اداروں میں زندگی کی روح پھونک دی تھی اور زندہ رہنے کا استحقاق پیدا کر دیا تھا اور یہی صفات آج بھی صرف ان اداروں ہی کو نہیں پوری ملت کو زوال سے بچا سکتی ہیں۔ مدارس کے فضلاء، اساتذہ اور طلبہ کے لئے ضروری ہو گیا ہے کہ وہ اپنے اخلاق و سیرت و کردار میں بھی ممتاز ہوں اخلاص و تعلق مع اللہ میں بھی کھلا ہوا امتیاز رکھتے ہوں اور ان کی علمی و فکری سطح بھی بلند ہو۔ وہ مسائل حاضرہ کو بھی سمجھتے ہوں اور ان کے حل کرنے کی صلاحیت بھی رکھتے ہوں، ان کا مطالعہ بھی وسیع ہو اور وہ عصر حاضر کی زبان اور اسلوب پر بھی قدرت رکھتے ہوں اور جدید ذہن کی ساخت و مشکلات کو بھی سمجھتے ہوں۔ اس مجموعی اخلاقی، روحانی، علمی و فکری بلندی و امتیاز کے بغیر وہ اس عہد انقلاب اور اس دورِ فتن میں جس میں خود ہماری کمزوریاں اور جدید واقعات نے علماء دین کے

باقی ص پر

پندرھویں صدی ہجری اور

علوم دینیہ کی اشاعت

مولانا محمد رضوان القاسمی، حیدرآباد

؎ مشرقی تو سرِ دشمن کو کچل دیتے ہیں
مغربی اس کی طبیعت کو بدل دیتے ہیں۔

مغربی تعلیم پر علامہ اقبال کی تنقید کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مسلمان مغرب کے سائنس اور علم و ہنر سے بالکل بے تعلق رہیں ان کے مختلف اشعار سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ان کی خواہش ہے کہ مسلمان اس سے بھرپور استفادہ کریں مگر اس سلسلہ میں وہ شرط لگاتے ہیں کہ اس استفادہ کی راہ میں کبھی اور کسی حال میں بھی اپنے ملی تشخص اور امتیازی نشان کے دامن کو نہ چھوڑا جائے (اور علماءِ کرام کا بھی یہی نظریہ رہا ہے) جیسا کہ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم اپنی کتاب "فکرِ اقبال" میں رقمطراز ہیں:

"اقبال کی خواہش تھی کہ علم و فن یورپ سے حاصل کرو لیکن روحانیت و اخلاق کا جو سرمایہ تمہیں اسلام نے عطا کیا ہے اس بیش بہا دولت کی قدر کرو تاکہ تم مشرق و مغرب دونوں سے افضل اور اکمل تہذیب و تمدن پیدا کر سکو۔"

ڈاکٹر صاحب اپنی اسی کتاب میں دوسری جگہ لکھتے ہیں:

"اقبال اس کا آرزو مند ہے کہ مغرب نے گذشتہ تین سو سال میں سائنس اور علم و ہنر میں جو ترقی کی ہے مسلمان بھی اس سے بہرہ اندوز ہوں۔ لیکن دنیا کو سنوارنے میں اپنی خودی اور خدا سے ہرگز غافل نہ ہو جائیں۔"

؎ چیست دنیا از خدا غافل شدن
نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

اقبال اور تعلیم نسواں

یہ تو مردوں کے تعلیم کے سلسلہ میں اقبال کے افکار میں اسلامی نظریہ تھا۔ جہاں تک تعلق عورتوں کی تعلیم کا ہے تو اس سلسلہ میں اقبال کے اسلامی نظریہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عورتوں کی تعلیم کے حامی ہیں مگر مسلمانوں نے ان کی تعلیم کا جو طریقہ رائج کر رکھا ہے وہ اس سے خوش نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہر علم کا مقصد انسان کی برتری ہے۔ اگر کوئی علم عورت کی تربیت صحیح نہ کر سکے اور اس میں مردانہ خصلتیں پیدا کر دے تو وہ علم نہیں، وہ عورت اور انسان دونوں کے لئے موت ہے۔ ان کا خیال ہے کہ اگر عورت کی تعلیمگاہ، مذہبی تعلیم سے محروم ہو تو وہاں جو علم و ہنر سیکھے گی اس سے اس کے عشق و محبت پر موت طاری ہو جائے گی۔ اس طرح کہ یہ علم و ہنر اس کے حقیقی فرائض سے آگاہ نہیں کر سکیں گے۔

تہذیبِ فرنگی ہے اگر مرگِ رعونت — ہے حضرتِ انساں کے لئے اس کا ثمر موت
جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن — کہتے ہیں اسی علم کو اربابِ نظر موت
بیگانہ ہے دین سے اگر مدرسۂ زن — ہے عشق و محبت کے لئے علم و ہنر موت

مسلمانوں نے عورتوں کی تعلیم و تربیت اور وضع قطع کے سلسلہ میں قدیم مشرقی طریقہ کو چھوڑ کر جو جدید مغربی روش اختیار کی ہے وہ اس سے نادم نظر آتے ہیں وہ اپنی اس ناراضگی کا اظہار بڑی دلسوزی کیساتھ اپنے ان ظریفانہ اشعار میں کرتے ہیں:

لڑکیاں پڑھ رہی ہیں انگریزی — ڈھونڈ لی قوم نے فلاح کی راہ
روشِ مغربی ہے مدِّ نظر — وضعِ مشرق کو جانتے ہیں گناہ
یہ ڈرامہ دکھائے گا کیا سین — پردہ اٹھنے کی منتظر ہے نگاہ

اسلام کے مجموعی تعلیمی تصورات کے بعد اب آئیے ہم اپنا پندرھویں صدی ہجری میں علوم اسلامی کی اشاعت کے موضوع پر گفتگو کریں۔ ان علوم اسلامی کا سب سے اہم حصہ تو وہ ہے جسے ہمارے دینی مدارس پورا کر رہے ہیں۔ ان کی تاریخ بلاشبہ بہت روشن تابناک اور قابلِ افتخار ہے لیکن حالات و زمانہ کے لحاظ سے اس میں کچھ ترمیم اور نظرثانی کی ضرورت یقیناً ہے۔

دینی مدارس

اس میں ایک سب سے اہم بات یہ ہے کہ تعلیم کے تین مرحلے اور اسٹیج بنائے جائیں۔

اول: ابتدائیہ۔ جس میں عصری درسگاہوں کی تعلیم کے ساتھ قرآن مجید، دینیات، اسلامی اخلاق اسلام کے بنیادی اعتقادات اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اس طرح داخلِ نصاب کی جائے کہ وہ اپنے شعور کی حد تک اسلام کو اچھی طرح سمجھ جائے اور ارکان اسلام کی اہمیت اچھی طرح اس کے ذہن میں نقش ہو جائے۔ یہ تعلیمی مرحلہ پانچ سال پر مشتمل ہو اور اس کے بعد طلبہ میں یہ استعداد پیدا ہو جائے کہ وہ دینی مدرسہ کی اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے دوسرے مرحلہ میں داخل ہو جائیں۔ یا اپنی خواہش کے مطابق عصری درسگاہوں میں داخل ہوں۔

دوسرا مرحلہ ہے، ثانویہ۔ اس مرحلہ میں عربی زبان و ادب کی تعلیم کے علاوہ علوم مقصودہ قرآن، تفسیر قرآن، حدیث فقہ اور اصول فقہ کی وہ فنی کتابیں داخل نصاب ہوں جس میں لفظی اطلاق عہد وسطیٰ کی مشکل پسندی وغیرہ کے بجائے فنی بحثوں پر زور دیا گیا ہو اور اس کے لئے قریب الفہم اسلوب اختیار کیا گیا ہو۔ نیز قدیم منطق و فلسفہ کی ایک ایک ایسی کتاب پڑھائی جائے جن سے ان فنون کی اصطلاح اور مبادیات کا علم ہو جائے اور ان کیساتھ علوم عصریہ میں ریاضی، انگلش، تاریخ اسلام و تاریخ ہند اور معلومات عامہ کو بھی جگہ دی جائے۔ اس مرحلہ کی تکمیل کے بعد "عالمیت" کی سند دیجائے اس مرحلہ کی مدت بھی چھ سات سال سے زیادہ نہ ہو۔

تیسرا مرحلہ "اختصاص" اس میں داخلہ اختیاری نہ ہو بلکہ اختباری ہو۔ یعنی ثانویہ کے ذی صلاحیت اور ذہین طلبہ کو ان کے رجحان اور میلان طبع کے مطابق مختلف فنون میں اختصاص کرایا جائے اور ان کی اعلیٰ ترین علمی اور قلمی تربیت ہو تاکہ

مدت دو سال ہو۔

دینی مدارس کی اعلیٰ تعلیم کے ساتھ تجربات کی روشنی میں یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ صنعتی تعلیم جس نوعیت کے افراد اور مزدور پیدا کرتی ہے وہ اس سے بالکل مختلف ہیں جو دینی مدارس کا مقصود ہیں۔ ان دو کشتیوں میں پاؤں رکھنے والوں کو لامحالہ کسی ایک کا انتخاب کرنا پڑے گا۔ یا تو وہ ایک جفاکش مزدور بنے یا ایک بہترین عالم۔

عصری مدارس کے طلبہ کیلئے اس بات کی بھی شدید ضرورت ہے کہ عصری درسگاہوں کے تعلیم یافتہ اور ذی شعور افراد کے اعلیٰ دینی تعلیم کے لئے دینی مدارس میں ایک مختصر ملتی شعبہ قائم ہو جس کی مدت چار یا پانچ سال ہو۔ اس کے تحت عربی زبان بقدر ضرورت نحو و صرف، فقہ و اصول فقہ، ترجمہ قرآن اور حدیث کی تعلیم ہو اور ان تمام فنون میں عام فہم اور ایسی تمام کتابیں رکھی جائیں جو خواہ مخواہ کی لفظی بحثوں اور موشگافیوں سے خالی ہوں اور اس کی تکمیل کے بعد عالمیت کی سند دی جائے اور ذہنی استعداد کی نسبت سے بھی ان کا درجات اختصاص کے لئے انتخاب ہو۔

ایسے افراد کی تیاری ایک عظیم کام اور ملت کے لئے نہایت قیمتی سرمایہ ہوگا۔ اس لئے کہ وہ قدیم و جدید کے حسین امتزاج اور مشرق و مغرب کے شناور ہوں گے۔ دارالعلوم دیوبند اور ندوہ میں ایک عرصہ سے یہ سلسلہ قائم ہے اور راقم الحروف بھی چند سالوں سے دارالعلوم سبیل السلام حیدر آباد کے تحت ایسے جز وقتی شبینہ کورس کا کامیاب تجربہ کر رہا ہے اور اس مختصر ملتی عالم کو اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے بھی اپنے دور میں اس سلسلہ کا ایک مختصر نصاب مرتب فرمایا تھا جس کا نام انہوں نے "ضمان التکمیل فی زمان التعجیل" رکھا تھا۔

مسلم اسکول وہ عصری درسگاہیں جو مسلمانوں کے تحت ہیں ایسا کر سکتی ہیں کہ اپنی متوسط جماعتوں تک ناظرہ قرآن اور دینیات کی تعلیم کا نظم کریں مگر اس کے لئے چند باتیں ضروری ہیں۔ اول یہ کہ اس سبجیکٹ کی حیثیت بھی کامیابی اور ترقی کے لئے ایک ناگزیر سبجیکٹ کی ہو۔ دوم یہ کہ اس کے لئے اچھے دینی علوم کے ماہر طلبہ کی نفسیات سے واقف اور داعیانہ صفات کے حامل ذی صلاحیت اساتذہ کا انتخاب ہو۔ سوم یہ کہ اُردو یا مقامی زبان ہی میں دینیات کی ایسی تعلیم دی جائے کہ نصاب اسلام کے تمام شعبے عبادات، معاملات، معاشرت، عقائد مغربی شبہات کے ازالہ پر مشتمل ہو۔

قومی اسکول سب سے اہم مسئلہ ان طلبہ کی دینی تعلیم کا اور تربیت کا ہے جو قومی اسکولوں میں داخل ہوں۔ قومی اسکولوں سے میری مُراد وہ درسگاہیں ہیں جو مسلمانوں کے زیر انتظام نہ ہوں۔ ان کے لئے ایسے مختصر ترین نصاب کی ضرورت ہے جس میں اسلامی عقائد، بنیادی ارکان اور اس کے احکام، اخلاقیات اور پیغمبر اسلام کی حیات طیبہ کے متعلق بنیادی واقفیت ہو جائے اور خارجی طور پر ان کے لئے مختصر وقتوں میں اس تعلیم کا نظم کیا جائے۔ اس کی غیر معمولی ضرورت و اہمیت اس لئے ہے کہ وہ ایک ایسی درسگاہیں ہیں جو قطعاً غیر اسلامی ہونے کے ساتھ ساتھ الحاد، مذہب بیزاری اور مغربیت کی داعی ہے۔

تعلیم نسواں

عورتیں جو انسانیت کا نصف حصہ ہیں ان کی گود میں ہی دراصل انسانیت کے لئے پہلی درسگاہ اور اولین تربیت گاہ ہے افسوس کہ مسلمانوں میں ایک بڑا طبقہ تو وہ ہے جہاں ان کے لئے تعلیم شجر ممنوعہ ہے اور اس سے بھی زیادہ مہلک خطرناک اور امت کے لئے تباہ کن وہ طبقہ ہے جو خواتین کو بھی تعلیم کے ذریعے موجودہ معاشی ریس میں الجھانا چاہتا ہے۔

اس روشن خیالی کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کے قدیم سماج میں عورتوں کے اندر جو شرم وحیاء اخلاقی وضع داری اور تلاوت قرآن وغیرہ کا سلسلہ تھا وہ بھی منقطع ہو گیا اور یہ طبقہ دینی علوم سے بالکل ہی کٹ گیا۔ حالانکہ اسلام کی نگاہ میں تعلیم نسواں کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باضابطہ ہفتہ میں ایک دن ان کی تعلیم میں مختص کر لیا تھا۔ ازواج مطہرات خود بڑی عالم اور فقیہہ تھیں۔ حضرت عائشہؓ کا اس زمانہ کے کبار محدثین اور ارباب افتاء میں شمار ہوتا ہے۔ حضرت صفیہؓ کو امور طبابت میں مہارت تھی۔ حضرت حفصہؓ کاتبہ تھیں اور حضرت ام سلمہؓ نہایت ذہین، معاملہ فہم اور دور بین خاتون تھیں۔

ضرورت ہے کہ ان کے لئے ناظرہ قرآن، زندگی کے متعلق نکاح وطلاق، پردہ وغیرہ کے ضروری احکام، عقائد عبادات امور خانہ داری ریاضی اور انگریزی کے مبادیات پر مشتمل ایک جامع مختصر عام فہم اور سہل نصاب ترتیب دیا جائے اور ان کو عمر کے تناسب سے مطالعہ یا درس کے ذریعے باضابطہ تعلیم دی جائے، امتحان لیا جائے اور امتحانی کامیابی پر تعلیمی سند دی جائے۔

تعلیم نسواں کے سلسلہ میں اس نظریۂ تعلیم کو عموماً دقیانوسی اور بار یک خیال کا آئینہ دار سمجھا جاتا ہے مگر واقعہ ہے کہ یہی ان کی فطرت کے مطابق ہے اور اس حد سے تجاوز کے بعد عورت کا "عورت پن" اور اس کی مادریت جو اصل مقصود ہے کو جان نکل کر رہ جاتی ہے چنانچہ علامہ اقبال بھی اس تصور کے حامی ہیں۔ وہ تعلیم نسواں کے موضوع پر ان الفاظ میں اظہار خیال کرتے ہیں۔

ہماری جماعت کا شیرازہ اسی وقت تک بندھا رہ سکتا ہے جب تک کہ مذہب اسلام اور تہذیب اسلامی کو ہم پر قابو ہے چونکہ عورت کے دل ودماغ کو مذہبی تخیل کے ساتھ ایک خاص مناسبت ہے لہٰذا قومی ہستی کی مکمل بقاء کے لئے یہ بات نہایت ضروری ہے کہ ہم اپنی عورتوں کو ابتداء میں خالصۃً مذہبی تعلیم دیں۔ جب وہ مذہبی تعلیم سے فارغ ہو چکیں تو ان کو اسلامی تاریخ علم تدبیر خانہ داری اور علم حفظ صحت پڑھایا جائے۔ اس سے ان کی دماغی قابلیتیں اس حد تک نشوونما پا جائیں گی کہ وہ اپنے شوہروں سے تبادلہ خیالات کر سکیں گی اور "امومت" عمال ہونے کے فرائض وہ خوش اسلوبی سے انجام دے سکیں گی جو میری رائے میں عورت کے فرائض اولین ہیں تمام وہ مضامین جو ان کی نسائیت (عورت پن) کی نفی کرنے والا اسلام کی حلقہ بگوشی سے انہیں آزاد کرنیوالے ہوں باحتیاط ان کے نصاب تعلیم سے خارج کر دینے چاہئیں۔

علامہ اقبال کے اس خیال پر پروفیسر رحیم بخش تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ علامہ اقبال اصولی طور پر مخلوط تعلیم کے مغربی نظام کے خلاف تھے اور مخصوص نصاب مرتب

کرنے کے لئے بہت مضطرب تھے جس کی مزید تائید و تصدیق فقیر سید وحیدالدین کی اسی روایت سے ہوتی ہے کہ ۱۹۳۳ء میں علامہ اقبال نادر شاہ کی دعوت پر افغانستان میں اسلامی نظام کے سلسلے میں مشورات کے لئے تشریف لے گئے۔ سفر افغانستان سے واپسی پر ڈاکٹر صاحب سے دریافت کیا گیا کہ جب قرآن کریم تمام انسانوں کو تعلیم حاصل کرنے کی ہدایت کرتا ہے تو پھر لڑکوں اور لڑکیوں کی جدید تعلیم کی سہولت پر کیوں قدغن لگائی جاتی ہے؟

ڈاکٹر صاحب نے اس کے جواب میں فرمایا:

"بے شک قرآن کریم میں حصول علم پر بڑا زور دیا گیا ہے لیکن اس میں یہ نہیں کہا گیا ہے کہ لڑکے اور لڑکیاں ایک مکتب میں مل کر تعلیم حاصل کریں ——— پروفیسر موصوف آگے لکھتے ہیں:

علامہ اقبال نے اپنی صاحبزادی منیرہ بانو کے لئے بھی یہی قدغن برقرار رکھی اور اس مقصد کے لئے انہوں نے علی گڑھ سے ایک نومسلم جرمنی معلمہ بلوائی جس نے گھر میں رہ کر منیرہ کو زیور تعلیم سے آراستہ کیا۔ علامہ نے اسی پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ اس امر کی وضاحت بھی کی کہ مسلم خواتین کے پیش نظر کونسا نمونہ ہونا چاہیئے:

مشرق میں جو مسلمان مغربی تہذیب کے دلدادہ اور اس کے علمبردار ہیں انہیں وہ "ضرب کلیم" میں مخاطب کرکے کہتے ہیں کہ تم جن کو معلم سمجھ رہے ہو ان کے پاس کوئی ایسی چیز نہیں جو قوموں کی نئی روح پیدا کر سکے۔ لہٰذا تمہارا انہیں معلم مان کر ان کے نقش قدم پر اصلاح تجدید کی کوشش کرنا بے معنی اور بے سود ہے۔ سوچو کہ جو لوگ پرانے علوم و حقائق سے بھی بالکل نا آشنا ہیں۔ ان سے نئے علوم و معارف کی کیا امید رکھی جاسکتی ہے۔

میں ہوں نومید تیرے ساقیان سامری فن سے — کہ بزم خاوراں میں لے کے آئے
نئی بجلی کہاں ان بادلوں کے جیب و دامن میں — پرانی بجلیوں سے بھی ہے جن کی آستیں خالی

ضرب کلیم ہی میں ایک دوسری جگہ اپنے مشرقی متجددین سے خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ تمہاری ہر چیز یورپ کی تہذیب میں ڈھلی ہوئی ہے۔ دل و دماغ فکر و نظر جسم و لباس غرض ہر چیز سے مغربیت ٹپک رہی ہے اسلامی تعلیمات کا تم میں کوئی عکس نہیں تمہاری حالت ایسی ہے کہ جیسا معمار ویسی عمارت۔ تمہاری مثال اس میان کی سی ہے جس پر سنہری نقش و نگار تو ہیں مگر اس میان میں تلوار نہیں۔

تعلیم اطفال

تعلیم کا ایک شعبہ چھوٹے بچوں کی تعلیم ہے جو عموماً مساجد میں دی جاتی ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ یہ بڑی خوشگوار اور عمدہ روایت ہے جو ہمارے یہاں قدیم زمانہ سے آرہی ہے کہ اس کو منظم کیا جائے۔ تمام مساجد میں محلے کے چھوٹے بچوں کی تعلیم اور غیر تعلیمی لحاظ صباحی، مسائی اور شبینہ مکاتب قائم ہوں۔ ان میں چست اور [illegible] مدرس ہوں۔ ناظرہ قرآن، دینیات اور بنیادی عقائد کی منصوبہ بندی اور ایک متعینہ نصاب کے مطابق تعلیم ہو۔ [illegible] اخلاقی تربیت بھی ہو اور ان کے ماہانہ امتحانات ہوا کریں۔ باصلاحیت معلمین کا انتخاب ہو اور معقول تنخواہیں [illegible]

... تعلیم کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ بدر کے موقع پر بہت سے جنگی قیدیوں سے یہی فدیہ لیا کہ وہ دس دس مسلمان بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں۔ بچوں کے جو حقوق والدین کے ذمہ ہیں ان میں ایک حق ادب اور تعلیم و تربیت بھی ہے۔

غیر جماعتی نصاب

مسلمانوں کی ایک شومئی قسمت یہ ہے کہ ہر شخص اسلام اور مسلمانوں کے مفادات سے پہلے اپنی جماعت اور اپنے متعلقہ ادارہ کے مفادات اور نام آوری کا تحفظ چاہتا ہے اور اس کی وجہ سے بسا اوقات کم اہم کتابیں زیادہ اہمیت پا جاتی ہیں اور بعض وہ کتابیں داخل نصاب ہونے سے رہ جاتی ہیں جو اس کی زیادہ مستحق تھیں پھر اس کی وجہ سے زیادہ انتشار، باہمی اختلاف اور ذہنی تضاد بھی پیدا ہو جاتا ہے اور وہ درس گاہ عام مسلمانوں کا مرکز بننے کے بجائے ایک مخصوص طبقہ اور جماعت کا نمائندہ قرار پاتی ہے۔ اس لئے اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ نصاب ایسا غیر جماعتی مختصر کر فراخدلی کیساتھ قبول کرنے والا ہو کہ تمام مسلمانوں کے لئے قابل قبول ہو سکے اور کسی اختلاف کی بنیاد نہ بنے۔

مدارس اور اہل مدارس کی قدیم روایت

آخر میں پندرھویں صدی ہجری تقریب کی انتظامیہ اور داعیین کا ممنون ہوں کہ انہوں نے مدارس کی اس تاریخی سرزمین پر مقالہ پڑھنے کی سعادت بخشی جہاں وقت کے جلیل القدر اور بالغ نظر علماء آ چکے ہیں جس سرزمین کے طفیل اردو اور اسلامی دنیا کو مولانا سید سلیمان ندوی جیسے بے نظیر خطیب ملے، جہاں اقبال جیسے مردان مغرب و مشرق کے شاعر نے اپنے عظیم علمی اور فکری لیکچرس دیئے جو مولانا عبدالماجد دریابادی کے لئے مقدمہ کی قرآنی سیرت کی تصنیف اور ترتیب کا ذریعہ بنی۔ جو علمی اور سیاسی ہر لحاظ سے اسلامی ہند کے لئے ایک روشن اور تابناک تاریخ رکھتی ہے اور جس کو اللہ تعالیٰ نے آج بھی دین کے رد اور دین کی اشاعت کے لئے مطلوبہ ذرائع و وسائل سے بہرہ مند کیا ہے۔ ان کے لئے شاید اس پروگرام اور عزائم کو پایۂ تکمیل تک پہنچانا اور اس خاکہ میں رنگ بھرنا سب سے زیادہ آسان ہو گا جس کا ایک سرسری تذکرہ گذشتہ صفحات میں کیا گیا ہے۔

گذشتہ دنوں شہید فی سبیل اللہ حضرت مولانا قاری لطف اللہ صاحب مرحوم کی خوشدامن حضرت مولانا عبید اللہ صاحب خطیب جامع مسجد فورٹ عباس کی والدہ ماجدہ، کاتب الرشید عزیز شفاء اللہ کی جدہ طویل علالت کے بعد کبر سنی میں وفات پا گئیں۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ادارہ مرحومہ کے متعلقین سے اظہار تعزیت کرتا ہوا برابر غم کا شریک ہے۔

اللہ تعالیٰ مرحومہ کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین۔ (ادارہ)

تذکرہ صحابہ کرام

گلہائے بے خزاں

صبر جمیل کا نعم البدل

مجاہد کے قلم سے

اسلام کا ابتدائی دور ہے، کفارِ مکہ مسلمانوں پر ہر طرح کے مظالم ڈھا رہے ہیں۔ دشمنانِ اسلام کی سازشیں شب و روز کی سختیوں کے باوجود فدایانِ اسلام کا عزم پختہ اور ارادے بلند ہیں۔ شمع توحید کے پروانے شب بیداری کر رہے ہیں۔ حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ اور ان کی بیوی اُمِ سلمہؓ مسلمان ہو چکے ہیں۔ حضرت اُمِ سلمہ اپنے خاوند سے کہہ رہی ہیں کہ میں نے سُن رکھا ہے جو میاں بیوی ایک کے فوت ہونے کے بعد دوسری شادی نہ کریں تو دونوں جنت میں بھی میاں بیوی ہوں گے۔ اس کے ساتھ ہی ابو سلمہ رضی اللہ عنہ سے کہتی ہیں کہ اگر آپ میری زندگی میں فوت ہو گئے تو میں دوسری شادی نہیں کروں گی اور آپ بھی مجھ سے وعدہ کریں کہ میرے مرنے کے بعد آپ دوسری شادی نہیں کریں گے، تاکہ جنت میں ہم اکٹھے رہیں!

حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا اپنی محبت کا تقاضا بیان کر چکی ہیں لیکن حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ نے تھوڑے توقف کے بعد فرمایا کہ اگر میں آپ کی زندگی میں مر جاؤں تو آپ ضرور نکاح کریں اور ساتھ ہی ہاتھ اٹھا کر دعا کی کہ اے خداوندِ کریم میرے مرنے کے بعد اُمِ سلمہؓ کو مجھ سے بہتر خاوند عطا کرنا!

مسلمانوں پر قریش کے مظالم روز بروز بڑھتے جا رہے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ کسی طرح مسلمان دینِ حق سے منحرف ہو جائیں اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ چھوڑ دیں۔ یہ دور سخت آزمائش کا دور ہے۔ سرورِ کائنات اپنے پروانوں کو حبشہ کی ہجرت کا حکم دیتے ہیں، مہاجرین کے اس قافلہ میں گیارہ مرد اور چار عورتیں شامل ہیں۔ اس قافلے میں حضرت ابو سلمہؓ اور اُمِ سلمہ بھی ہیں اور یہ اسلام میں پہلی ہجرت ہے۔

کچھ عرصہ بعد ان مہاجرین کو اطلاع ملی کہ مکہ والے مسلمان ہو گئے ہیں تو ان کی خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا اور بہت ہی مسرت و شادمانی سے اسلام اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے گیت گانے لگے خوشی خوشی مکہ معظمہ چلے۔ جب مکہ کے قریب پہنچے تو یہ اطلاع ملی کہ یہ خبر غلط تھی۔ چھپ چھپا کر مکہ میں داخل ہوئے، پھر وہی مشکلات [illegible]

یہاں تک کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خداوند کریم کے حکم سے مسلمانوں کو مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا
ابو سلمہ رضی اللہ عنہ نے اونٹ پر کچھ سامان لادا۔ بیوی اور بچے کو ساتھ لیا اور مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔
لیکن ابھی تھوڑی ہی دور گئے ہیں کہ اُم سلمہؓ کے میکے والے پہنچ گئے اور ابو سلمہؓ سے کہا "تمہارا جہاں جی چاہے چلے جاؤ لیکن ہم اپنی بیٹی کو نہیں جانے دیں گے کہ شہر شہر اور بستی بستی ماری ماری پھرتی رہے۔" انہوں نے اونٹ کی مہار ابو سلمہؓ سے چھین لی اور زبردستی اُم سلمہ کو واپس لے آئے۔
ابو سلمہ رضی اللہ عنہ اپنی بیوی اور بیٹے کی جدائی کا داغ دل میں لئے اپنے مالک کی خوشنودی کی خاطر ثابت قدم رہے اور مدینہ منورہ میں شب و روز اپنے آقا کی خدمت میں حاضر باش۔
اِدھر جب ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کے خاندان والوں کو ان کی ہجرت اور اُم سلمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت سلمہؓ کے ننھال میں ان کی موجودگی کا علم ہوا تو انہوں نے آکر اُم سلمہؓ کے وارثوں کو کہا کہ آپ کی بیٹی پر تو آپ کا حق ہے آپ اسے رکھ سکتے ہیں لیکن سلمہؓ ہمارا بیٹا ہے اس طرح وہ سلمہؓ کو لے کر چلتے بنے۔
حضرت اُم سلمہؓ کہتی ہیں کہ خاوند اور بیٹے کی جدائی کا جو صدمہ مجھ پر گزرا میں اسے بیان نہیں کر سکتی۔ میری یہ حالت تھی کہ میں روزانہ جنگل میں نکل جاتی تھی اور خوب روتی تھی۔ یوں ہی روتے روتے پورا ایک سال گزر گیا۔ ایک روز میرے چچا زاد بھائی کو مجھ پر ترس آیا تو انہوں نے میرے والد سے کہا کہ "تمہیں اس مظلوم لڑکی پر ترس کیوں نہیں آتا؟ اسے بچے اور خاوند سے ملنے کی اجازت دو۔"
اس کے کہنے پر میرے میکے والوں نے خاوند کے پاس جانے کی اجازت دیدی اور میرے سسرال والوں نے بھی میرا بیٹا مجھے واپس کر دیا۔ میں نے ایک اونٹ لیا اور اپنے بچے کو لے کر مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئی۔ ابھی تھوڑی ہی دور گئی تھی کہ عثمان بن طلحہؓ ملے تو انہوں نے دریافت کیا بہن کہاں کا ارادہ ہے؟ میں نے جواب دیا کہ اپنے آقا اور اپنے خاوند کے پاس مدینہ منورہ جا رہی ہوں۔"
پوچھنے لگے کیا تیرے ساتھ کوئی آدمی ہے؟ میں نے کہا اللہ کی ذات کے سوا کوئی نہیں۔ انہوں نے میرے اونٹ کی مہار پکڑ لی اور آگے آگے چل دیئے۔ جس جگہ اترنے کی ضرورت ہوتی وہ اونٹ کو بٹھا کر ایک طرف ہو جاتے اور میں اتر جاتی اور چلنے کا وقت ہوتا تو اونٹ پر سامان لاد کر میرے قریب بٹھا دیتے اور میں سوار ہو جاتی تو مہار پکڑ کر آگے آگے چل دیتے اسی طرح ہم قبا میں پہنچے تو معلوم ہوا کہ ابو سلمہ رضی اللہ عنہ ابھی تک یہیں مقیم ہیں۔ مجھے عثمان ان کے پاس پہنچا کر خود واپس ہو گئے ——— غزوہ بدر میں حضرت ابو سلمہؓ بڑی بے جگری سے لڑے اور غزوہ اُحد میں زخمی ہو کر جام شہادت نوش کیا۔ آپؓ رسول کریمؐ کے پھوپھی زاد ہونے کے علاوہ دودھ شریک بھائی بھی تھے جنگ احزاب سے تین سال پہلے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُم سلمہؓ سے نکاح کیا اور یوں ابو سلمہؓ کی دعا قبول ہوئی۔"

سید محمد شاہ نائب صدر اسلامک سٹوڈنٹس فیڈریشن صوبہ سرحد

دارالعلوم کا قیام دارالعلوم دیوبند کا قیام بذریعہ الہام ربانی بدست حضرت اقدس مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ۱۵ محرم ۱۲۸۳ھ بمطابق ۳۰ مئی ۱۸۶۶ء کو عمل میں آیا۔ دارالعلوم کے قیام کے لئے جس جگہ کا انتخاب ہوا اس کے بارے میں ایک صدی قبل سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ نے پیشگوئی فرمائی تھی کہ مجھے اس جگہ سے (یعنی سرزمین دیوبند سے) علم کی بو آتی ہے اللہ تعالیٰ نے اس پیش گوئی کو پورا فرمایا اور ٹھیک اسی مقام دیوبند سے علم کا وہ چشمہ جاری فرمایا کہ پورے عالم اسلام کے مسلمانوں نے اس چشمۂ علم سے سیرابی حاصل کی۔ اس دارالعلوم کو اللہ تعالیٰ نے آفاقی شہرت عطا کی اور پورے عالم میں اس کے فیضان کو جاری فرمایا۔

دارالعلوم کے قیام کا مقصد اسلام اور مسلمانوں کی دارالعلوم نے مختلف النوع خدمات سرانجام دیں، ہر نوع کی خدمات روشن اور تابناک ہیں اس موضوع پر کچھ عرض کرنے سے پہلے اس کے قیام کا مقصد اسی دارالعلوم کے ایک عظیم فرزند مفتی اعظم مفتی محمد شفیع صاحب کے بیان کے مطابق یہ تھا کہ اسلام اور اسلامی علوم کو مٹانے کی جو کوششیں لارڈ میکالے کے نظامِ تعلیم کے ذریعہ کی جارہی ہیں انہیں ناکام بنا کر اسلامی علوم کی ٹھیک ٹھیک حفاظت کی جائے اور ایسے جانثار علماء کی ایک کھیپ تیار کردی جائے جو سخت سے سخت حالات میں بھی دین کو نہ صرف محفوظ رکھ سکیں بلکہ اسکو دوسروں تک پھیلا اور پہنچا سکیں جو مغربی طرزِ فکر اپنے ساتھ لائیگا تاکہ جب کبھی ملک کو مغرب کے سیاسی اقتدار سے آزادی نصیب ہو تو انہیں اسلامی نظامِ زندگی قائم کرنے کے لئے اسلامی ہدایات جلد کی جلد مل جائیں اور وہ ان کی بنیاد پر اپنے مستقبل کی تعمیر کرسکیں۔ (ماہنامہ الرشید ساہیوال ... نمبر)

ان اہم مقاصد کے حصول کے لئے جس دارالعلوم کی بنیاد رکھی گئی تھی اور جس کو بعد میں اللہ تعالیٰ نے عالمگیر

شہرت نصیب فرمائی اس کی ابتداء بڑے عجیب انداز میں ہوئی، آبادی وسائل نام تک کو نہیں۔ حضرت اقدس مولانا نانوتویؒ نے ملا محمود صاحب کو میرٹھ سے بلایا۔ (ملا صاحب اسوقت میرٹھ میں مدرس تھے) اور اس دارالعلوم کا پہلا مدرس مقرر فرمایا۔ قدرت خداوندی کا عجب کرشمہ دیکھئے کہ دارالعلوم کے پہلے طالب علم کا نام بھی محمود تھا۔ محمودؒ آسمان علم کے آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے مسلمانوں کے قلب و نظر کو اپنے علم کے نور سے منور فرمایا۔ دارالعلوم کے پہلے طالبعلم بالآخر شیخ الہند کہلائے، وہی شیخ الہندؒ جن کے تصور سے آج بھی انگریز اور اس کی ذریت کانپ اٹھتی ہے۔

حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ دارالعلوم سے فراغت کے بعد اسی دارالعلوم میں مدرس مقرر ہو گئے عمر عزیز کے لمحات مبارکہ کو قرآن و حدیث کی اشاعت اور مجاہدین اسلام کی تیاری میں صرف فرمایا آپ کو اللہ رب العزت نے جو تلامذہ عطا فرمائے بقول حضرت مولانا مفتی محمود؛

"یہ حقیقت ہے کہ تاریخ میں حضرت امامنا الھمام امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کو شاگرد ملے اور پھر آپ کو، یعنی شیخ الہند کے شاگردوں کی فہرست دیکھیں تو عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ حضرت سید محمد انور شاہ کاشمیریؒ، مولانا عبیداللہ سندھیؒ، مفتی کفایت اللہؒ، مولانا احمد علی لاہوریؒ، مولانا منصور انصاریؒ، مولانا محمد سہول بھاگلپوریؒ، مولانا فضل ربیؒ افغانیؒ، مولانا عزیز الرحمن عثمانیؒ، حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانویؒ، مولانا محمد ابراہیم بلیاوی، مولانا محمد رسول خان صاحب، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ، میاں اصغر حسین صاحب، مولانا محمد صادق کراچی اور مولانا عزیز گل جیسی نادر روزگار ہستیاں آپ کو نظر آئیں گی اور یہ فہرست اصل کا دسواں حصہ بھی نہیں۔

(ماہنامہ الرشید، دیوبند نمبر)

خدمات کی اجمالی جھلک

دارالعلوم کا مقصد وحید جو کہ مفتی اعظم نے بیان فرمایا ہے اس کی روشنی میں اگر دارالعلوم کو دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اپنے مقصد میں دارالعلوم سو فیصد کامیاب ہوا۔

لارڈ میکالے نے فکری محاذ پر مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کی جو بھرپور کوشش شروع کی تھیں اور جس کی پشت پر پوری سلطنت برطانیہ کی قوت تھی، تمام مادی اسباب موجود تھے اللہ تعالیٰ نے اپنا مے دارالعلوم کے ذریعے ان کو بھرپور شکست دی اور ستم بالائے ستم یہ کہ خود ہندوستانی مسلمانوں میں سے ان کو چند ایسے ملت فروش ہاتھ لگ گئے تھے جنہوں نے فرنگیوں کا خوب خوب ساتھ دیا۔ انہی میں سے کسی نے تو جہاد کی منسوخی کا فتویٰ دیا (اور کافر قرار پایا)۔ اور کسی نے ہندوستان کو دارالسلام قرار دے کر سلطنت برطانیہ کو سہارا دینے کی ناکام کوشش کی۔ انہی کے بارے میں شاعر مشرق علامہ اقبال کو کہنا پڑا؛

ملا کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت
ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد

اور بعض سے علما دیوبند کے انتظام تعلیم اپنانے کی جدوجہد کا آغاز کیا۔ ان فتنوں کے خلاف ابنائے دارالعلوم کو بیک وقت سربکف ہو کر میدان میں اترنا پڑا۔ ابنائے دارالعلوم کے اخلاص کے صدقے اللہ تعالیٰ نے تمام میدانوں میں ان کو کامیاب و کامران فرمایا۔ تحریک آزادئ ہند میں علماء میر کارواں رہے اسی کی پاداش میں مولانا محمود الحسنؒ، مولانا مدنیؒ، مولانا عزیر گلؒ وغیرہ کو کالے پانی میں قید و بند کی صعوبتیں اٹھانا پڑیں۔ ان سے قبل اسی سلسلے میں بے شمار علماء، صلحاء کی جائیدادیں ضبط ہو گئیں۔ وطن سے ہجرت پر مجبور کرنا پڑے، برسرِعام علماء کو گولیوں سے اڑایا گیا

غلام احمد قادیانی کی نبوت کاذبہ کی تردید کے لئے علماء کو بے شمار جانی، مالی، تقریری و تحریری قربانیاں کرنی پڑیں، بالآخر اس مسئلہ کو بھی حل کر کے دم لیا۔ اس کے علاوہ بانیان دارالعلوم نے عیسائی پادریوں کے ساتھ جو فیصلہ کن مناظرے کئے وہ بھی اور آریہ سماج کے خلاف جو جہاد کیا وہ تاریخ کا روشن باب ہے۔ اس کے ساتھ ہی مسلمانوں کے عقائد کی حفاظت اور اشاعت کے لئے پورے ملک میں مقرر، مبلغ اور مناظر پیدا کئے۔

علوم عربیہ اسلامیہ کی اشاعت کی غرض سے پورے ایشیا میں ہی نہیں بلکہ بلادِ عرب میں بھی اسلامی مدارس کے جال بچھا دیئے۔ آج صرف پاکستان ہی کو دیکھیں کہ الحمد للہ شہر شہر قریہ قریہ میں علماء دیوبند کے چھوٹے بڑے مدارس قائم ہیں جہاں دارالعلوم دیوبند ہی کا نصاب پڑھایا جاتا ہے اور تمام مدارس میں اسی کی طرز پر تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا جاتا ہے ایک اندازے کے مطابق علماء دیوبند کے پاکستان اور کشمیر میں ۴۵۰ مدارس قائم ہیں۔

قیام پاکستان اور اکابرین دیوبند دارالعلوم کے قیام کے مقصد میں حضرت مفتی اعظمؒ نے آگے چل کر یہ بھی تحریر فرمایا کہ جب کبھی مسلمانوں کو مغرب کے سیاسی اقتدار سے آزادی نصیب ہو تو نہیں اسلامی نظام زندگی قائم کرنے کے لئے اسلام کی ہدایات جوں کی توں محفوظ مل جائیں گی اور وہ ان کی بنیاد پر اپنے مستقبل کی تعمیر کر سکیں۔"

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اکابرین دیوبند نے استخلاص وطن کے لئے ابنائے وطن کے شانہ بشانہ بلکہ قائدانہ حیثیت سے بیش بہا قربانیاں دیں اور یہ مرحلہ جب سر ہوا تو ہندوؤں کی عیاری و مکاری کو دیکھ کر قائد اعظم نے مسلمانوں کے لئے جدا وطن کا مطالبہ کیا۔ اکابرین دیوبند نے ان کی اس مبارک آواز پر لبیک کہا اور قیام پاکستان کی تحریک میں بھی قائدانہ حصہ لیا حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ کے شاگرد مولانا اشرف علی تھانویؒ اور ان کے ہزاروں مرید حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ صدر مدرس دارالعلوم دیوبند جنہوں نے قیام پاکستان کی تحریک میں قائد اعظم کے شانہ بشانہ کام کیا اور موجودہ پاکستان کی پرچم کشائی انہی کے دست مبارک سے ہوئی اور حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ جنہوں نے مرحوم مشرقی پاکستان کی رسم پرچم کشائی فرمائی تھی ان کے علاوہ حضرت مفتی اعظم مفتی محمد شفیعؒ، علامہ سلیمان ندویؒ اور ان اکابر کی سرگرمی میں بیشمار اصاغر نے قیام پاکستان کی تحریک میں حصہ لیا قیام پاکستان کا نعرہ لا الہ الا اللہ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے قیام پاکستان کے بعد بھی اکابرین دیوبند

نے بے شمار خدمات سرانجام دیں۔ ان حضرات کی کوششوں کے نتیجے میں ہی قرار دادِ مقاصد کامیاب منظور ہوئی اور انہی کی کوششوں سے مختلف مکاتبِ فکر کے علماء نے ۲۲ اسلامی نکات تیار فرمائے اس مختصر مقالہ میں تمام خدمات کا احاطہ کرنا فی الواقعہ دشوار ہی نہیں بلکہ دشوار تر ہے صرف اسی ایک کام کو دیکھ لیجئے جو کہ اسلامی نظریہ کی حالیہ کونسل میں فارغین دارالعلوم دیوبند نے کس خوش اسلوبی سے اسلامی قوانین تیار فرمائے اسی کونسل میں دیوبند کے فارغ التحصیل علماء نے جو بے بہا علمی خدمات سرانجام دیں ان کو دیکھ کر بے ساختہ زبان پر یہ شعر آتا ہے،

ع اُولٰئِکَ اٰبائی فجئنی بمثلہم

اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے موجودہ حکومت کو یہ سعادت نصیب ہوئی کہ اس نے نظریاتی کونسل کے تیار کردہ مسودے کو ملک میں نافذ کر دیا۔ اب مسلمانوں کا فرض ہے کہ ان اسلامی قوانین پر عمل پیرا ہو کر دُنیا اور آخرت میں سرخرو ہوں نیز دنیا کو اور بالخصوص مغربی دُنیا کو بتا دیں کہ،

ے بتا دو دہر کو زندہ ابھی قومِ مسلماں ہے
ابھی اُٹھتے ہوئے شعلوں میں اندازِ گلستاں ہے

دارالعلوم دیوبند کی خدمات پر تبصرہ کرتے ہوئے جناب حافظ عبدالرشید صاحب ارشد مدیر "الرشید" نے کیا خوب کہا ہے

دارالعلوم دیوبند جس نے برصغیر میں کتاب و سُنت کی شمع کو روشن رکھا، سننِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا احیاء کر کے بدعات و رسوم کو ختم کیا، خوابیدہ مسلمانوں کو بیدار کر کے صحیح منزل کی طرف رہنمائی کی، مسلمانوں کو سُبلِ متفرقہ سے نفرت دلا کر صراطِ مستقیم پر چلنے کی سعی مشکور کی، احساس کمتری کے شکار مسلمانوں میں جذبۂ جہاد پیدا کر کے جابر انگریز کے خلاف سیسہ پلائی دیوار بنا دیا، شاملی کی سرزمین سے تاریخ میں لالہ رنگ باب کا اضافہ کیا، مالٹا اور ملک کی جیلوں کو آباد کر کے امامِ اعظمؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور مجدد الف ثانیؒ کی سنت اور دار و رسن کی حکایات کو سر نو زندہ کر کے خود بھی تاریخ کا جلی اور روشن باب بن گیا۔

ے شاد باش و شاد زی اے سرزمینِ دیوبند
ہند میں تو نے کیا اسلام کا جھنڈا بلند

شذرات عالی

مرکز علوم دارالعلوم دیوبند کا مجلہ ماہنامہ "دارالعلوم" مدرسہ عربیہ اسلامیہ پاکستان کے زیر عنوان جامعہ رشیدیہ کے متعلق رقم طراز ہے: "جامعہ رشیدیہ منٹگمری (ساہیوال) فاضل حبیب اللہ جالندھری اس کے ناظم اعلیٰ ہیں، ضلع منٹگمری میں دیوبندی طرز کی یہ واحد درسگاہ ہے اور اس کے اساتذہ علم و عمل میں اعلیٰ مقام رکھتے ہیں اور فاضل حبیب اللہ سلیقہ شعار انسان ...... انتہیٰ"

دارالعلوم دیوبند شمارہ ۹ ۱۹۵۲ء

جملہ احباب کو نصیحت

از: حضرت مولانا بدر عالم میرٹھیؒ مہاجر مدینہ

ولادت ۱۳۱۶ھ ____ فراغت ۱۳۳۹ھ ____ وفات ۱۳۸۵ھ ____ تدفین: جنت البقیع مدینہ منورہ۔

میرے جملہ احباب ہر سُنت کا پورا پورا اہتمام رکھیں اور کسی سُنت کو خواہ وہ کتنی بھی چھوٹی سی ہو، معمولی نہ سمجھیں، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ہر سُنت اللہ کو محبوب ہے۔ میری جانب سے سُنت پر عمل کرنے کی جتنی تاکید ہے اس سے بڑھ کر بدعت سے اجتناب اور نفرت رکھنے کی تاکید ہے، کیونکہ بدعت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہوتی ہے اس سے بدتر اور کیا چیز ہو سکتی ہے۔

بدعت ایک مہلک اور متعدی مرض ہے، اس کے مریضوں سے متعدی امراض کی طرح دُور رہنا چاہیئے قیامت کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اُمت کے بدعتیوں کو دیکھ کر بڑی نفرت کے انداز میں فرمائیں گے

"سُحْقًا سُحْقًا لِمَنْ بَدَّلَ بَعْدِیْ"

یعنی جنہوں نے میرے بعد دین میں کوئی تبدیلی کی اور بدعت پھیلائی وہ مجھ سے دُور دُور ہیں۔"

بدعت ایجاد کرنے کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ ہمارا کامل دین گویا ابھی ناقص ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں ابھی کسی کمی بیشی کی گنجائش ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد گویا نبوّت کی ضرورت باقی ہے اور یہ ختم نبوّت کا انکار نہیں تو اور کیا ہے؟ اس لئے بدعت کا اثر نہ صرف مسلمان کے اعمال پر ہوتا ہے بلکہ اس کے عقائد پر بھی پڑتا ہے اس لئے بدعت میں غلو کرنے سے یعنی اس کی زیادتی سے سوء خاتمہ کا بھی اندیشہ رہتا ہے۔" ("بدعت کیا ہے؟" شائع کردہ مکتبہ تجلی دیوبند ص: ۱۰۹)

کسی اچھے کی صحبت میں رہ کر دین آتا ہے۔ میں بقسم عرض کرتا ہوں کہ کتابوں سے دین نہیں آتا، معلوم کا دین تو کتابوں سے آسکتا ہے مگر حقیقی دین بلا کسی کی جوتیاں سیدھی کئے بلکہ جوتیاں کھائے نہیں آتا۔ اکبر کا یہ شعر بڑا حکیمانہ ہے:

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا ۔۔۔ دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ

تذکرۂ اسلاف — بدر العلماء

حضرت مولانا سید بدرِ عالم میرٹھیؒ مہاجر مدنی

از حافظ سید محمد اکبر شاہ بخاری جام پوری

دار العلوم دیوبند برصغیر کی وہ عظیم علمی و دینی درسگاہ ہے جس نے وہ عظیم المرتبت اور عالم اسلام کی مایہ ناز شخصیتیں پیدا کی ہیں جنھوں نے ملت کی فکری اور عملی رہنمائی کر کے مسلمانوں کی تاریخ پر گہرے اور دور رس اثرات مرتب کئے ہیں یہ اس مدرسہ فکر کی جامعیت اور نیابت محمدیہ کی برکت ہے کہ علوم نبوت کی جو تعلیم و تدریس، اشاعت و دعوت اور اس کے مطابق تربیت اور تزکیۂ ظاہر و باطن اس طبقہ کے حضرات سے ہوا اس کی مثال قرون متاخرہ میں شاذ ہی ملے گی، اس عظیم درسگاہ کا فیضیافتہ ہر شخص ایک درِ ثمین اور گوہر نایاب ثابت ہوا جو اپنے علم و فضل اور تقویٰ و طہارت میں اپنی نظیر نہیں رکھتا۔ انھی مقدس اور عظیم ہستیوں میں سے رئیس المحدثین، قطب العارفین بدر العلماء حضرت مولانا سید بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی تھی۔ آپ کا شمار بھی انھی جامع الکمالات شخصیتوں میں ہوتا ہے جن پر دار العلوم دیوبند بجا طور پر فخر کر سکتا ہے۔ آپ نہ صرف اپنے دور کے جید عالم اور محدث تھے بلکہ بڑے عاقل ذہین اور مدبر و منتظم تھے۔ علم و وقار کا مجسمہ اور خدا ترسی و للہیت کا بہترین نمونہ تھے۔ اپنے علمی و عملی کمالات اور جامعیت کے اعتبار سے قدماء سلف کی یادگار تھے۔

آپ شہر بدایوں کے ایک معزز شریف دیندار سید گھرانے میں پیدا ہوئے، بچپن ہی سے بڑے ذہین و متین ثابت ہوئے پھر ایسے مشاہیر وقت کی صحبت اور تربیت میں رہے کہ آسمان علم و فضل پر آفتاب علم و عمل بن کر چمکے، ہر میدان میں اپنے اکابر و اساتذہ کی رہنمائی میں وہ علمی تدریسی اور تصنیفی خدمات سرانجام دیں کہ جلد ہی ان کے منظور نظر بن گئے۔ حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ اور حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی توجہ و محبت نے اس قدر کام کیا کہ آپ صحیح معنوں میں ان کے علمی جانشین تسلیم کئے گئے۔ اسی طرح آپ کے دوسرے اساتذہ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ، حضرت علامہ سید اصغر حسین دیوبندیؒ اور حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ جیسے بزرگوں کی صحبت نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا۔ الغرض میرے جیسا تہی دامن آدمی ایسی عظیم شخصیت پر کیا لکھ سکتا ہے۔ یہاں صرف آپ کے

ہم عصر بزرگوں کے مفصل تاثرات میں سے آپ کی حیاتِ طیبہ اور علمی و عملی زندگی کے متعلق چند اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں جن سے آپ کے علمی و عرفانی مقام پر کافی روشنی پڑتی ہے اور آپ کی زندگی کا نقشہ سامنے آجاتا ہے۔

محدثِ عصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری صاحب قدس سرہٗ نے اپنے طویل مضمون میں حضرت میرٹھیؒ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں "مولانا بدرِ عالم صاحبؒ دورِ حاضر کے ان ممتاز علماء میں سے تھے جن کی بدولت علمِ دین کی ساکھ قائم ہے جن سے مدارس آباد ہیں منبر بارونق ہیں۔ موصوف قابل مدرس، فاضل مقرر، کامیاب و مقبول مصنف تھے اردو عربی کے ادیب و شاعر تھے، مؤثر اسلوب، شگفتہ طرزِ ادا کے مالک تھے، عام گفتگو میں بھی الفاظ کیا ہوتے موتی کی پروئی ہوئی لڑیاں ہوتی تھیں جو ان کی نوکِ زبان سے بکھرتی تھیں، مؤثر تعبیر، دلنشین طرزِ ادا ان کی خصوصیت تھی، صدق و صفا کے مجسمہ تھے ورع و تقوے اور استغناء کے پیکر تھے، نصیحت و خیر خواہی اور حق گوئی میں ممتاز تھے نہایت زیرک و مدبر تھے اور سب سے بالاتر یہ کہ آخری لمحاتِ حیات میں مرشدِ کامل تھے۔ پاک و ہند و جنوب مشرقی افریقہ کے سینکڑوں بندگانِ خدا ان کی تربیت و تزکیہ اور بیعت و ارشاد سے فیضیاب ہوئے اور شریعت کی پابندی و استقامت ان کو نصیب ہوئی، ذکی عالم تھے، صاحبِ فراست بزرگ تھے مدینہ طیبہ کی سیزدہ سالہ بابرکت زندگی ان کی سرشتِ طبیعت میں بہت کارگر اور مؤثر ثابت ہوئی، مدینہ کے انوار و برکات نے سونے پر سہاگہ کا کام دیا، ان کے فطری جوہر کھلے، کرم گستری، مہمان نوازی، مروّت، جواں مردی اور اپنے مخلصین سے مخلصانہ ادائیں وہ سب سے زیادہ حیرت انگیز جوہر تھے جو نمودار ہوئے۔ ابتدائی دورِ طالب علمی مظاہر العلوم سہارنپور کے برکات سے بہرہ اندوز ہوتے اور قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے ارشد خلفاء میں عارف باللہ فقیہ، محدث اور صوفی باصفا حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کے مرکزِ توجہات و الطاف رہے اور ان کی آغوشِ شفقت میں تربیت نصیب ہوئی۔ درمیانی عمر میں امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ کی آغوشِ تربیت میں پہنچے، دیوبند میں ان کے فیض اور انوارِ علوم و معارف سے مستفیض ہوئے اور حضرت عارف باللہ مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی قدس سرہٗ سے شرفِ بیعت کی سعادت نصیب ہوئی۔ عرصہ دراز تک ان کے انفاسِ قدسیہ اور صحبتِ مقدسہ کے برکات سے مالامال ہوتے رہے۔ انتہائی استقامت و استقلال کے ساتھ اذکار و اشغال نقشبندیہ کی مداومت نصیب ہوئی۔ بالآخر حضرت مفتی صاحبؒ کے خلیفۂ ارشد حضرت مولانا قاری محمد اسحاق میرٹھیؒ نے خلعتِ خلافت سے سرفراز فرمایا۔ الغرض اس طرح علمی و عرفانی سرچشموں سے کماحقہ سیرابی کا موقعہ نصیب ہوا اور اپنے عہد کے ممتاز ترین اکابر کے فیض سے پورے طور پر مستفیض اور ان کی ظاہری و باطنی برکات کی سعادت سے ہمکنار ہوئے۔

حیاتِ طیبہ کے آخری لمحات و انفاس میں سید الانبیاء و رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوارِ اقدس میں قیام کی تمنا پوری ہو گئی چنانچہ ۱۳۴۲ھ میں مدینہ منورہ ہجرت کی، خاکِ پاکِ مدینہ نے اور حبیبِ رب العالمین

صلی اللہ علیہ وسلم کے جوار مقدس نے طبیعت میں خاص استقامت کی سعادت بخشی اور چار سالہ طویل علالت کے زمانہ میں صبر و شکر کے وہ قابل رشک مظاہر و آثار ظہور میں آئے کہ عقل حیران ہے۔

فیض الباری شرح بخاری چار ضخیم جلدوں میں (جو حضرت امام العصر علامہ کشمیری کی تقاریر درس صحیح بخاری کا مجموعہ ہے جو عربی میں ہے) اور "ترجمان السنۃ" اردو میں خدمت حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ بے نظیر شاہکار ہیں جو رہتی دنیا تک ان کی زندہ یادگار اور اہل علم و دین کے طبقہ میں منبع فیض بنی رہیں گی۔ "جواہر الحکم" کے نام سے احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک مجموعہ جو عصر حاضر کی عوامی اصلاحی خدمت کے طور پر انتہائی دلنشین تشریحات کے ساتھ تالیف فرمایا ہے تین حصوں میں شائع ہو چکا ہے یہ ان کی آخری تصنیف ہے اور ان کے شرح صدر کا نمونہ ہے۔ مظاہر العلوم سہارنپور سے فراغت تحصیل علوم کے بعد آپ دیوبند پہنچے اور حضرت علامہ انور شاہ کشمیری کے تلمذ کی سعادت کے ساتھ ہی ساتھ دار العلوم دیوبند میں منصب تبلیغ و تدریس پر فائز ہوئے اور اسی زمانہ میں تبلیغ اور تقریر خصوصاً مناظرہ قادیانیت میں اچھی شہرت حاصل کی اور نہایت کامیاب اور مقبول مقرر ثابت ہوئے ۱۳۴۶ھ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں حضرت علامہ کشمیری اور حضرت علامہ عثمانی کے قافلہ کے ہم رفیق بنے اور حدیث کے اساتذہ میں تقرر ہوا۔ اسی دور میں دیوبند کے "مہاجر" اخبار کے قابل ترین مضمون نگار رہے، ڈابھیل کے بعد بہاولپور و بہاولنگر آپ کا مرکز فیض رہا اور آخر میں دار العلوم اسلامیہ ٹنڈو اللہ یار میں استاذ حدیث و نائب مہتمم کے منصب پر فائز ہوئے۔ عرصہ سے مدینہ منورہ کی سکونت کی آرزو دل میں موجزن تھی اور نہایت ہی والہانہ انداز میں اس آرزو کا اظہار کیا، رب العرش العظیم کی بارگاہ سے شرف قبولیت کیساتھ سرفرازی ہوئی اور نالہ ہائے سحری رنگ لائے اور جوار حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی تمنا نے تصور سے بالاتر طریقے پر واقعی کی صورت اختیار کرلی۔ عبادت و استقامت، ادب و سکون، ذکر و فکر کے ساتھ مسجد نبوی کی حاضری نصیب ہوئی یہاں تک کہ علالت نے صاحب فراش بنادیا، پورے چار سال صاحب فراش رہے اس دور میں صبر و شکر و رضاء بالقضاء کے جو منازل طے کئے اور جو نعمتیں ان کو نصیب ہوئیں قابل صد رشک ہیں ؎

این سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

ماہ رجب المرجب کے مقدس مہینہ اور جمعہ کے مبارک دن میں حبیب رب العٰلمین کے جوار میں اور جنت البقیع کی خاک مقدس میں جس کا ایک ایک ذرہ آفتاب عالمتاب سے زیادہ پُرنور ہے اس خادم علم و دین اس بافیض و باعظمت شخصیت نے اپنی جان کو جان آفرین کے سپرد کیا اللہ تعالیٰ اس خادم علم و دین کو اپنی بیکراں رحمت سے نوازے۔ آمین۔ (ماہنامہ بینات ماہ رجب المرجب ۸۵ ۱۳ھ)

مفتی اعظم پاکستان سیدی و مرشدی حضرت قبلہ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی اپنے ہم عصر شیخ المحدثین

والمفسرین حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر اپنے تاثرات میں حضرت مولانا بدر عالم صاحب قدس سرہٗ کا تذکرہ کچھ اسطرح بیان کرتے ہیں:

"اس وقت دارالعلوم دیوبند کے اس دور کا نقشہ آنکھوں میں پھر رہا ہے جبکہ ۱۳۳۷ھ میں ہم چند نوعمروں کو بیک وقت دارالعلوم دیوبند میں خدمت درس و تدریس سپرد کی گئی ان میں مولانا سید بدر عالم صاحب میرٹھی مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپوری سے فارغ ہوکر ۱۳۳۶ھ میں دوبارہ دورہ حدیث کے لئے حضرت الاستاذ مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اسطرح مکرر دورہ حدیث سے فارغ ہوکر ۱۳۳۷ھ میں خدمت درس و تدریس پر مامور ہوئے اس سے ایک سال پہلے ۱۳۳۵ھ میں احقر دورہ حدیث سے فارغ ہوا تو ۱۳۳۶ھ میں کچھ اسباق سپرد کئے گئے اور ۱۳۳۷ھ میں مستقلاً درس و تدریس کی خدمت پر مامور کیا گیا۔ ہم تینوں اس وقت کے نوعمر بچے تھے جنکو اکابر اساتذہ کی خدمت میں رہکر تعلیم خدمات انجام دینے کا موقع ملا۔ اسوقت دارالعلوم دیوبند ائمہ فن علماء اور اولیاء و اتقیاء کا ایک بے مثال گہوارہ تھا کسی شخص پر ان حضرات کی توجہ اور نظر عنایت ہوجانا بلاشبہ حق تعالیٰ کی رحمت کا ایک مظہر ہوتا تھا اس پر اللہ تعالیٰ کا جتنا شکر ادا کیا جائے کم ہے کہ اس کے فضل سے ان سب بزرگوں کی نظر انتخاب نے ہم نوعمروں کو ان اکابر کی خدمت سے استفادہ کے مواقع فراہم کئے۔ ان حضرات نے ہم تینوں (مولانا سید بدر عالم میرٹھیؒ، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ اور احقر) میں درس و تدریس کی خدمت کیساتھ مسائل کی تحقیق اور علمی بحث و مباحثہ اور تصنیف و تالیف کا بھی ذوق پیدا کیا خصوصاً ۱۳۴۰ھ میں قادیانی فتنہ نے سر اٹھایا اور ان لوگوں کو یہ جرأت ہونے لگی کہ علماء کو مناظرہ اور مقابلہ کی دعوت دینے لگے، اس نے سُنّی علماء کو اس فتنہ کی روک تھام کی طرف متوجہ کیا خصوصاً حضرت الاستاذ علامہ کشمیریؒ کے قلب مبارک میں اسکا اہتمام اس شان سے پیدا ہوا کہ جیسے کوئی مامور من اللہ کسی خاص خدمت پر مامور ہوتا ہے۔ اسوقت درس و تدریس کے بعد حضرت موصوف کے تمام اوقات اس فتنہ کے انسداد پر خرچ ہونے لگے۔ حضرت نے ہم تینوں نوعمروں کو اس کام پر لگایا کہ عقائد اسلامیہ کے خلاف تمام مسائل میں قادیانیوں کے دجل و فریب کا پردہ چاک کیا جائے۔ مسئلہ ختم نبوت پر لکھنے کے لئے احقر کو مامور فرمایا۔ اور نزول مسیح علیہ السلام وغیرہ کے مسائل کا کام مولانا سید بدر عالم میرٹھیؒ اور مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کے سپرد فرمایا۔ سب سے پہلے ہم تینوں میں وجہ ربط و ارتباط یہ سلسلہ بنا احقر نے حضرت استاذ کی ہدایت کے مطابق پہلے عربی زبان میں مسئلہ ختم نبوت کی تحقیق پر ایک رسالہ لکھا جس کا نام حضرت الاستاذ نے "ہدیۃ المھدیین فی آیۃ خاتم النبیین" رکھا۔ اسکو عربی زبان میں لکھوانے کا مقصد یہ تھا کہ عرب بغداد وغیرہ عرب ممالک سے ایسی خبریں آئی تھیں کہ وہاں بھی ان لوگوں نے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کر کے اس طرح کی تلبیس پھیلائی ہے پھر مزید تفصیل کیساتھ مسئلہ ختم نبوت کو اردو زبان میں تین حصوں میں لکھا۔ مولانا بدر عالم صاحب نے "الکلام الفصیح فی نزول المسیح" کے نام سے ایک قابل قدر

تصنیف فرمائی اور مولانا کاندھلوی نے "کلمۃ اللہ فی حیات روح اللہ" کے نام سے اس مضمون پر بہترین کتاب لکھی۔ یہ سب کتابیں اسی زمانہ میں چھپکر شائع ہوئیں پھر اسی زمانہ میں اکابر دارالعلوم کے ایک وفد نے جسکی قیادت استاذ محترم فرمارہے تھے عام مسلمانوں میں قادیانی دجل و فریب کا پردہ چاک کرنے کے لئے ملک کا دورہ کرنا تجویز کیا اس دورہ میں بھی ہم تینوں کو حضرت کا ہمسفر رہنے کی سعادت نصیب ہوئی۔

اسی زمانہ میں یہ تجویز ہوا کہ ایک سالانہ جلسہ خود قادیان میں منعقد کیا جائے جسمیں مرزا کے اوہام باطلہ کی تردید خود ان کے مرکز میں جاکر کی جائے ان جلسوں میں بھی حضرات اکابر کے ارشاد کے مطابق ہم تینوں کو شریک رہنے کا موقع حاصل رہا۔ فیروز پور پنجاب میں قادیانیوں نے مناظرہ کا چیلنج کیا تو ان کے مناظرہ کے لئے دارالعلوم دیوبند کی طرف سے حضرت مولانا سید مرتضیٰ صاحبؒ کی سرکردگی میں ہم تینوں رفیق سفر رہے۔ خود حضرت شاہ صاحبؒ اور حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ بھی پہنچ گئے تین روز یہ تاریخی مناظرہ جاری رہا۔ حضرت شاہ صاحبؒ کی خاص توجہ اور مسلسل کوشش نے چند سال میں ایسا کردیا تھا کہ علمی اعتبار سے مرزا صاحب اور قادیانیت نے دم توڑدیا۔ اور یہ لوگ مناظرہ مباہلہ کا نام چھوڑکر زیر زمین سازشوں میں مشغول ہوگئے۔ اکابر دارالعلوم کی خاص نظر عنایت نے ہم تینوں کو ایسا مخلص رفیق بنادیا تھا کہ نہ کبھی کوئی معاصرانہ چشمک درمیان میں آئی نہ کوئی شکوہ شکایت۔

۱۳۴۶ھ کے ایک خاص واقعہ میں حضرت شاہ صاحب مع دیگر اکابر و اصاغر کے ڈابھیل تشریف لیگئے تو مولانا سید بدر عالمؒ بھی ساتھ ہی تشریف لے گئے دیوبند میں اب ہم تینوں میں سے احقر اور مولانا کاندھلویؒ رہ گئے اور دیوبند میں ہماری یہ رفاقت بناء پاکستان کے وقت تک مسلسل رہی پاکستان بننے کے بعد پھر اللہ تعالیٰ نے ہم تینوں کو پاکستان میں جمع کردیا اور مجھے یہ بات ہمیشہ یاد رہتی ہے کہ میرے پاکستان میں مستقل قیام کا سبب مولانا سید بدر عالم صاحبؒ تھے کیونکہ احقر شروع میں جب پاکستان آیا تو ہجرت کی نیت سے نہیں بلکہ ایک کام دستور اسلامی کے سلسلہ میں انجام دینے کے لئے آیا تھا اس لئے والدہ محترمہ اور اکثر عیال اسوقت تک دیوبند ہی تھے۔

رمضان ۱۳۶۸ھ میں ہمارا وہ کام پورا ہوگیا تو میرا ارادہ واپس ہندوستان جانے کا تھا۔ ماہ رمضان گرمی کے زمانہ میں تھا مولانا بدر عالم صاحبؒ کئی مرتبہ گورا قبرستان کراچی سے میری رہائش گاہ وکٹوریہ روڈ پر پیدل چل کر اس لئے تشریف لائے کہ مجھے پاکستان میں مستقل قیام کیلئے تاکید کریں، کیونکہ ان کی نظر میں اسی وقت میرا قیام پاکستان کے لئے ضروری تھا۔ ان کی ایک مخلصانہ ہمدردانہ فہمائش ہی کی بناء پر احقر نے ہندوستان سے ہجرت اور پاکستان کے مستقل قیام کا عزم کرلیا۔ (ماخوذ ماہنامہ البلاغ کراچی و ماہنامہ الرشید ساہیوال ۱۳۹۴ھ)

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہم العالی مشاہیر دارالعلوم کا تذکرہ بیان کرتے ہوئے

فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا بدر عالم میرٹھیؒ دار العلوم دیوبند کے ممتاز فضلاء میں سے ہیں حضرت علامہ کشمیریؒ کے ارشد تلامذہ میں ہیں فراغت تحصیل کے بعد دار العلوم دیوبند کے درجہ ابتدائی کے مدرس رہے ہیں، فنِ حدیث میں خاص دلچسپی اور لگاؤ تھا فارغ التحصیل ہوجانیکے بعد کئی بار حضرت شاہ صاحبؒ کے یہاں ترمذی اور بخاری کی تلاوت فرمائی۔ آپ حضرت شاہ صاحبؒ کے علوم کے خاص ترجمان ہیں۔ فیض الباری شرح بخاری آپ کی تالیفات کا شاہکار ہے۔ حضرت مفتی اعظم مولانا عزیز الرحمٰن عثمانی قدس سرہٗ کے خلیفہ مجاز حضرت قاری محمد اسحاق میرٹھیؒ سے بیعت اور ان کے خلیفۂ مجاز بنے، آپ کا سلسلۂ ارشاد و ہدایت الحمد للہ وسیع ہے تقسیم ملک کے بعد پاکستانی قومیت اختیار کی اور ٹنڈوالہیار کے مدرسہ میں ناظم اعلےٰ کی حیثیت سے کام کیا اور درس حدیث میں مشغول رہے۔ پھر پاکستان سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی اور آپ کا سلسلہ بیعت و ارشاد افریقہ میں بہت پھیلا ہے۔ زمانۂ حج میں جو قافلے ایسٹ یا ساؤتھ افریقہ سے آتے وہ اکثر و بیشتر آپ کے سلسلۂ بیعت میں داخل ہو کر واپس ہوتے آپ کی تصنیف و تالیف میں "ترجمان السنۃ" علم حدیث میں ایک شاہکار تصنیف ہے جس میں اکابر دار العلوم اور بالخصوص علامہ کشمیریؒ کے علوم کو جمع کرکے خود اپنے علم اور علمی مہارت کا ثبوت دیا ہے۔ (تاریخ دار العلوم دیوبند)

حضرت مولانا انظر شاہ کشمیری استاذ تفسیر دار العلوم دیوبند حضرت مولانا بدر عالم میرٹھیؒ کے متعلق فرماتے ہیں:

"چند سال گذرتے ہیں کہ ہندوستان کا ایک عالم و فاضل جس کی زندگی کا نصف سے زیادہ حصہ قال اللہ قال الرسول کی شرح و تفسیر، توضیح و تنقیح میں گذرا اور جس کے ولولۂ عشق نے خاک پائے مدینہ زاد اللہ شرفاً و تعظیماً کو اس کا مقدس مدفن بنا دیا۔ یہ عالم و فاضل مولانا مرحوم کی شخصیت تھی جو دار العلوم دیوبند کے ممتاز فاضل حضرت العلامہ کشمیریؒ کے قابل فخر تلمیذ تھے۔ جنہوں نے اپنے استاذ کی درسی افادات بصورت تقریر بخاری ضخیم چار جلدوں میں لکھ کر رہتی دنیا تک افادات انوری کو محفوظ کر دیا۔ اس کے علاوہ مستقل تصانیف کا ایک گرانمایہ سلسلہ مآثر علمی کی حیثیت سے چھوڑ گئے۔" (ماہنامہ دار العلوم دیوبند)

بہرحال حضرت مولانا بدر عالم میرٹھیؒ کی ذات اقدس علم و عمل، شریعت و طریقت کا مجمع البحرین تھی زندگی بھر علم و حکمت ان کا زیور اور حیاء و شرافت ان کا لباس رہا۔ آپ کی حیات مستعار، تدریس و تبلیغ، اصلاح و ارشاد اور خدمت اسلام میں بسر ہوئی پاکستان میں جد و جہد اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے اپنے اساتذہ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فقیہ الامت حضرت علامہ ظفر احمد عثمانیؒ اور اپنے ہمعصر علماء و اکابر کے شانہ بشانہ حصہ لیا۔

۱۹۵۱ء میں اسلامی آئین کی ترتیب و تدوین میں ہر مکتبۂ فکر کے علماء کی میٹنگ میں شرکت کی اور پاکستان میں ایک مثالی دار العلوم بنانے میں علامہ عثمانی قدس سرہٗ کے ایک مشیر خاص کی حیثیت سے نمایاں کردار ادا کیا بالآخر تقریباً بیس سال پہلے آپ ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے گئے اور وہیں واصل بحق ہوئے اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو منور فرمائے آمین

الرشید
کے
نقشِ اوّل
دار العلوم دیوبند نمبر ۱۳۹۶ھ
مطلوبہ از:
مکتبہ رشیدیہ لاہور، ساہیوال
نقشِ ثانی
مدنی و اقبال نمبر ۱۳۹۸ھ
ہدیہ لاگت صرف: -/۲۵ روپے
نقشِ ثالث
تاریخ دار العلوم دیوبند
"دار العلوم دیوبند" صد سالہ تاریخ کے آئینہ میں
ہدیہ لاگت صرف: -/۲۵ روپے
کے بعد
فیضانِ دار العلوم دیوبند نمبر ۱۴۰۱ھ
منصۂ شہود پر آکر اربابِ علم و بصیرت، علمی و ادبی حلقہ، عوام و خواص سے خراجِ تحسین حاصل کر رہا ہے —— داعی اتحاد "الرشید" کا مقصد تبلیغِ دین، اشاعتِ اسلام اور مسلکِ دار العلوم دیوبند کا تحفظ۔
ہدیہ لاگت: - ۵ روپے صرف، محدود نسخے بقایا ہیں۔ رشیدی، قاسمی، حسینی اور دیوبندی برادری سے اُمید واثق ہے کہ نمبرات مذکورہ بالا کی نشر و اشاعت میں ممد و معاون بن کر ادارہ الرشید کی سرپرستی فرمائیں گے۔
* "طاہر رشیدی" مُدیر معاون الرشید

مالا بدمنہ

حضرت مولانا فاضل حبیب اللہ رشیدی مہتمم جامعہ رشیدیہ ۳۱ مئی سے زیارت حرمین شریفین اور ادائیگی عمرہ و حج کے لئے تشریف لے گئے ہیں۔ انشاء اللہ العزیز بعد از حج مجلس الرشید و اہتمام ادارہ میں حاضر ہو جائیں گے۔

جامعہ میں تعلیمات اسلامی کے داخلے ۵ شوال سے شروع ہو جائیں گے۔ درجات حفظ میں کم از کم گیارہ سال اور درجات کتب میں حافظ قرآن یا پرائمری کے مساوی تعلیم ضروری ہے۔
اور شعبان ۱۱ھ تک نظام تعلیمات زیر سرپرستی شیخ الحدیث و امیر الجامعہ حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب مدظلہ رائپوری از اول تا آخر دورۂ حدیث، جملہ کتب اور تمام جماعتوں کی تعلیمات کا انتظام جاری و ساری رہتا ہے۔ ماہرین اساتذہ تعلیمی خدمات سرانجام دیتے ہیں۔

جامعہ رشیدیہ ایک تعلیمی درسگاہ اور پاکستان کی مشہور دانشگاہ ہے اور مکتبہ رشیدیہ ایک نجی ادارہ ہے جس کا جامعہ رشیدیہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ لہٰذا جامعہ کی رقم خواہ کسی فنڈ کی ہو براہِ راست جامعہ کے نام بھیجیں مکتبہ رشیدیہ کے نام نہ بھیجیں۔

معاونین غیر ملکی حضرات کیلئے:

جامعہ رشیدیہ رجسٹرڈ ساہیوال کا کوئی نمائندہ یا سفیر یا کارکن کہیں بھی متعین نہیں۔ اس لئے کسی صاحب کو چندہ نہ دیا جائے۔ جامعہ کی رسید مصدقہ مطبوعہ پاکستان ضرور ملاحظہ فرمائیں۔
ہمارے علم میں یہ بات آئی ہے کہ بعض حضرات اندرون و بیرون ملک خصوصاً برطانیہ میں جامعہ رشیدیہ کے نام پر چندہ وصول کر رہے ہیں لہٰذا احباب ہرگز کسی کو چندہ نہ دیں بلکہ جامعہ رشیدیہ کا حساب و کتاب "حبیب بنک غلہ منڈی ساہیوال" میں چلتا ہے۔ اس واسطے سے براہِ راست رقم جامعہ میں پہنچ سکتی ہے۔

MONTHLY . AL RASHID LAHORE

جامعہ کی تعلیمات دو مقامات پر جاری و ساری۔ دونوں مدارس میں مساجد علیحدہ علیحدہ ہیں۔

جامعہ کا سالانہ میزانیہ سات لاکھ (علاوہ تعمیرات) سے متجاوز ہے۔

جامعہ غریب الاوطان طلبہ کے قیام، طعام، کتب، ملبوسات، معالجہ، ادویہ نقد وظائف اور معاشی اخراجات کا کفیل ہے۔

جامعہ کے مطبخ میں ہر ماہ ایک صد پچاس /150 من صرف آٹے کا خرچہ ہے مزید لوازمات مزید برآں۔

جامعہ کی آمدنی محدود اور اخراجات بدستور ترقی پذیر۔

جامعہ حکومت کا مسلّمہ خیراتی ادارہ اور جامعہ کو دیجانیوالی رقومات عطیات سے انکم ٹیکس معاف۔

جامعہ کا حساب کتاب بحمد اللہ تسلی بخش، ہر مسلمان حساب کتاب ملاحظہ کرسکتا ہے۔

جامعہ کے طلبہ آپ کی زکوٰۃ، عشر، صدقات اور عطیات کے اصل حقدار اور اولین مصرف ہیں۔

اپنی زکوٰۃ و اجناس عشر اور صدقات و عطیات سے طلبہ رشیدیہ کو یاد فرمائیں۔ کیونکہ طلبہ کے اخراجات انہی مدات سے پورے کئے جاتے ہیں اور پوری دیانت سے صحیح مصرف میں خرچ ہوتے ہیں۔

باہتمام

فاضل حبیب اللہ رشیدی فاضل دیوبند

مدیر الرشید و ناظم اعلیٰ جامعہ رشیدیہ رجسٹرڈ ساہیوال پاکستان

بیادگار: حضرت مولانا حافظ مفتی فقیر اللہ رحمہ اللہ رائپوری بانی جامعہ رشیدیہ

الرشید

شمارہ ۱۱
ذوالقعدہ ۱۴۰۲ھ

مدیر اعلیٰ
فاضل حبیب اللہ

مدیر مسئول و ناشر
عبدالرشید ارشد

سالانہ چندہ : -/۲۰ روپے
فی شمارہ : -/۲ روپیہ

مقام اشاعت
۳۲ اے شاہ عالم مارکیٹ لاہور

خطاط
حزب اللہ خالد

پرنٹر
منہاج الدین اصلاحی
شرکت پرنٹنگ پریس نسبت روڈ لاہور

آئینہ مضامین

طابع اللہ رشیدی ناظر جامعہ رشیدیہ

راشدات — ادارہ

دارالعلوم جامعہ رشیدیہ (رجسٹرڈ) ساہیوال

کے

نئے تعلیمی سال کا آغاز

الحمدللہ! حسبِ معمول رمضان المبارک کے ایمان خیز، مسرت کن اور حیات آفرین تلاوتِ قرآن، قیام اللیل کے بارانِ انوار وبرکات سے بہرہ ور ہونے کے بعد مورخہ ۸ شوال المکرم سے اس مادرِ علمی میں علمی موسمِ بہار کا آغاز ہو چکا ہے اور ملک کے کونے کونے سے تشنگانِ علومِ نبوت اس چشمۂ جاریہ صافیہ سے سیرابی کے لئے امڈ آئے ہیں اور حسبِ سابق متلاشیانِ حق کی کثیر تعداد داخلِ حسنات ہو چکی ہے اور ابھی آنے والوں کا سلسلہ جاری وساری ہے۔

بفضلِ باری تعالیٰ مدرسہ جامعہ رشیدیہ (رجسٹرڈ) ساہیوال میں تمام درجات کتب (فارسی سے لیکر دورہ حدیث تک) اور درجاتِ تجوید و حفظ وناظرہ نیز مدرسہ راشدات میں تعلیم کا سلسلہ حسبِ نظام سابق شروع ہو چکا ہے۔ درجاتِ کتب کے تعلیمی سال کی ابتداء امیر الجامعہ حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب رائپوری مدظلہ العالی کی اجتماعی دعا سے مورخہ ۱۴ شوال سے ہوئی اور مخلص ومحنتی طالبین رضاء الٰہی اساتذہ پوری توجہ اور لگن سے اسباق پڑھانے میں اور طلبہ کی ذہنی، صحیح الفکری اور اخلاقی تربیت میں مشغول ومصروف ہیں۔

اے خدا! ایں جامعہ قائم بدار
فیضِ اُو جاری بُود لیل و نہار

درجات تحفیظ القرآن میں طلبہ کی کثرت سے آمد کی بنا پر مزید ایک درجہ نمبر ۶ جاری کر دیا گیا جبکہ سابقہ پانچ درجات میں مخلص ومحنتی اساتذہ قرآن کی خدمت کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں اور یوں حفاظتِ قرآن کا سلسلہ جاری وساری ہے نیز مدرسہ جامعہ رشیدیہ کی ایک شاخ بھی ہے اور ایک شاخ کرشن خادم علی ساہ میں مصروفِ عمل ہے۔ دونوں جگہ پہ خدمتِ قرآن کا سلسلہ جاری ہے۔

دار العلوم جامعہ رشیدیہ ساہیوال اکابر و بزرگانِ دیوبند کے مسلک حقہ کا محافظ، نظریۂ پاکستان (لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی حکومت) کی تکمیل و ترویج کا مجاہد اور داعی اتحاد و اتفاق حق کا علمبردار ہے اور اسی سعی و کوشش میں مصروف عمل ہے۔ نضر اللہ امرأ سمع مقالتی فوعاها ثم بلغها (الحدیث) اللہ کریم اس شخص کو ہمیشہ تر و تازہ و خوش بخت رکھیں جس نے میری بات سنی اسے محفوظ کیا اور پھر اکناف عالم میں اس کی اشاعت و تبلیغ میں لگ گیا۔ بلکہ خوش قسمتی کے حامل اساتذہ و کارکنان رشیدیہ دل و جان سے اور پورے خلوص سے اسی میں مصروف ہیں کہ پھر سے اس سرزمین پر شیخ محدث شاہ ولی اللہؒ، شاہ عبد العزیزؒ، سید احمد شہیدؒ، شاہ اسماعیل شہیدؒ، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، شاہ عبد الرحیم رائپوریؒ، حضرت حکیم الامت تھانویؒ، شاہ محمد الیاسؒ و محمد یوسفؒ (امیر جماعت تبلیغ)، سید سلیمان ندویؒ، مفتی محمد حسنؒ، شیخ التفسیر مولانا احمد علیؒ حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ جالندھری نور اللہ مرقدہم و رفع درجاتہم کے فکر و عمل کا احیاء بنا دیں۔

اور پھر سے

حضرت شیخ الہندؒ، حضرت مدنیؒ، مولانا بدر عالم میرٹھیؒ، مفتی اعظم مولانا محمد شفیعؒ، مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، سید بنوریؒ اور حضرت مفتی مولانا فقیر اللہ صاحبؒ اسبغ علیہم اللہ نعمہ کا جھنڈا لہرانے کی جدوجہد میں مصروف ہیں۔

یہ بات پوری ذمہ داری سے لکھی جا رہی ہے کہ جامعہ رشیدیہ رجسٹرڈ ساہیوال خالص دینی مدرسہ و تعلیمی ادارہ ہے سیاسی پارٹی بازی یا فرقہ بندی کا ہمارے ہاں کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ادارہ کے اساسی مقاصد یہ ہیں:

بنیادی مسئلہ تعلیم و تربیت، تبلیغ اسلام، اتحاد المسلمین، اصلاح معاشرہ، اسلامی نظام حکومت، استحکام پاکستان حفاظتِ ختم نبوت بذریعہ تعلیم و جہاد۔

جامعہ رشیدیہ ہر نیک کام میں جملہ طبقات سے معاون ہے اور مسلمانوں کا خادم اور مسلمان بچوں کو بہترین مسلمان اور نمونے کے طالب علم بنانے کے لئے ساعی اور مجاہد!

دعا کیجئے! کہ اللہ رب العزت ہمیں توحید خالص اور عشق ختم نبوت محمدیہ اور حضرات صحابہ کرامؓ سلف صالحین عظام کے ساتھ وابستہ رکھے اور اسی مسلک حقہ پر شہادت نصیب ہو۔ اور اللہ کریم و رحیم ہماری غلطیاں گناہ معاف فرما کر تمام ابتلاء و حادثات سے ہم سب کو محفوظ و مامون رکھے اور مولا کریم قرآن و حدیث و اسلامی تعلیمات کی خدمات اور ادارہ کی کوشش کو قبول فرمائے۔

دعاگو و دعاجو (پیرجی) عبد العلیم ناظم ادارہ جامعہ رشیدیہ (رجسٹرڈ)
جی۔ ٹی روڈ ساہیوال

مسلمانوں کے لئے صحیح راہِ عمل

امام الہند حضرت مولانا ابوالکلام آزاد

اسلام کی ابتداء غربت سے ہوئی تھی اور اسے غربت میں دوبارہ مبتلا ہونے کی خبر دی گئی ہے بدء الاسلام غریباً وسیعود غریباً اور آج پھر اسلام پر غربتِ اولیٰ کا سا عالم چھا گیا ہے۔ پس وہی مومنین مخلصین اس کے سچے خادم ہو سکتے ہیں جو اس کے عہد ابتدائی کے خادموں اور جانبازوں کی طرح اپنے جان و مال کو اس پر نثار کر دیں گے۔

آج اگر ہر طرف ابولہب اور ابوجہل کی ذریت نے دنیا کے بہت سے حصوں کا احاطہ کر لیا ہے تو ضرورت ہے کہ مہاجرین مکہ اور انصار مدینہ کے متبعین صادقین بھی ہر طرف بیدار ہو جائیں۔ اگر دشمنوں نے دوبارہ حملہ کیا ہے تو دوستوں کو بھی دوبارہ نکلنا چاہیئے۔ آج ہمیں نہ صرف مامون الرشید کا بیت الحکمت فائدہ دے سکتا ہے، نہ محض صلاح الدین ایوبی کی تلوار اور نہ ابن سبکتگین کا خزانہ! کیونکہ یہ درمیانی عہد کی کڑیاں تھیں اور اب ہم پھر اپنی ابتدائی غربت کی طرف ہٹ آئے ہیں۔ ہم کو ان سب کی جگہ ذھاب الی اللہ کا وہ ولولہ چاہیئے جو جعفر طیار نے حبشہ پہنچ کر دکھلایا۔ ہم کو وہ خلوص و جانثاری چاہیئے جو غار ثور میں صدیق اکبرؓ نے دکھلائی اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِہٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا ہم کو وہ جوشِ انفاق فی سبیل اللہ چاہیئے جو ہجرت مدینہ کے دن انصار مدینہ نے دکھائی اور اپنے مہاجر بھائیوں کو اپنا گھر بار سونپ دیا۔ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰہُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّھُمْ وَ یُحِبُّوْنَہٗ ہم کو جذبۂ جہاد اور عشق قتال فی سبیل اللہ درکار ہے جس کی لسان الٰہی نے مدحت سرائی کی۔ یُجَاھِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَ لَا یَخَافُوْنَ لَوْمَۃَ لَآئِمٍ ہم کو وہ بھائیوں کی سی برادری اور سپاہیوں کی سی فوج چاہیئے جس کی نسبت وحی الٰہی پکار اٹھی تھی! اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ ہمارے دکھ کی دوا انصار مدینہ کی عورتوں کے پاس ہے جو اپنے سات سات عزیزوں کی موت کی خبر سنتی تھیں مگر محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی سلامتی کا مژدہ ان کی آنکھوں کو اشکبار ہونے کی جگہ خوشی سے چمکا دیتا تھا۔ ہم مردوں کو ان جاں فروش مجاہدوں کے آگے گرنا چاہیئے جو اپنے سینوں کو تیروں کی بارش سے چھلنی کر دیتے تھیں مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک کے سامنے سے نہیں ہٹتے تھیں کہ مبادا دشمنوں کا نشانہ اس وجود مقدس کو صدمہ نہ پہنچا دے جس کے قیام سے تمام کرۂ ارض کی سعادت کا قیام ہے۔

من دل گرفتہ شدیم چہ باک ۔ غرض اندر جہاں سلامت اوست

ہمارے اسلاف کرام میں بڑے بڑے فاتح بڑے بڑے سلاطین اور بڑے بڑے ملک خداوند و اہل گزرے

ہیں۔ اب ہماری زندگی بغداد کے دار الخلافہ اور دہلی کے تخت عظمت و جلال کی یاد میں [illegible]
فقرا و صعالیک کی یاد کے اندر ہے۔ اللہ اکبر حیات فقرا و مقدسین کہ ان کا واسطہ دے کر [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم [illegible]
الٰہی میں دعاء فتح مانگتے تھے کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یستفتح بصعالیک المہاجرین۔

زمانہ جن کاموں میں مبتلا ہے اور کام کرنیوالی قومیں جن راہوں میں بھٹک رہی ہیں وہ ہمیں کچھ بھی نفع نہیں پہنچا سکتیں۔ لوگوں نے نہ تو منزل مقصود کو پایا ہے اور نہ اس کی راہ ہی پہچانی ہے۔ ممکن معلوم ہو تو راہ میں بھٹک جانیکا کوئی غم نہیں کیونکہ کبھی نہ کبھی ٹھیک راہ پر لگ ہی جائیں گے لیکن مصیبت یہ ہے کہ اپنے گھر ہی کو بھول بیٹھے ہیں پھر راہ کتنی ہی پُر فضا اور خوشنما ہو مگر جس قدر چلتے رہیں گے منزل سے دُور ہی ہوتے جائیں گے کیونکہ وہ راہ اچھی ہے مگر منزل فراموش کردی گئی ہے۔ ممکن ہے کہ کسی عالیشان محل کے دروازہ پر پہنچ جائیں مگر اسطرح چل کر ہمیں ہمارا گم شدہ جھونپڑا تو نہیں مل سکتا۔

بہرحال آج جو کام مختلف شاخوں میں ہو رہے ہیں انہیں ہونے دو لیکن خدمت دین و ملت کے لئے ضروری ہے کہ اپنے عزائم کو بلند کرو، اپنی نظروں کو سامنے سے ہٹا کر اوپر کرو، اپنا قبلہ رُخ سامنے کے مناظر کو نہیں بلکہ عقب کی چھوٹی ہوئی منزل کو بناؤ خواہ وہ مسئلہ مال و متاع ہو یا مسئلہ جان و دل، خواہ وہ کاموں کا آغاز ہو یا ارادوں کا اتمام، خواہ وہ امن کی تیاری ہو یا جنگ کی پکار۔ اپنے تمام کاموں میں صحابہ کرام اور سلف صالحین کی پیروی و اتباع کامل پیدا کرو۔ خدا تمہاری مدد کرے گا۔

بقیہ : مناظرہ

راہب: طاؤس کی تسبیح کیا ہے؟ بایزیدؒ: الرحمٰن علی العرش استویٰ۔

راہب: بلبل کی خوش الحانی کیا ہے؟ بایزیدؒ: سبحان اللہ حین تمسون و حین تصبحون۔

راہب: وہ کیا چیز ہے جس پر خدا نے وحی بھیجی لیکن نہ وہ انسان ہے نہ جن نہ فرشتہ۔

بایزیدؒ: شہد کی مکھی۔ و اوحیٰ ربک الی النحل۔

اس کے بعد راہب نے کوئی سوال نہ کیا خاموش ہو گیا تو حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ اب تو میرے ایک سوال کا جواب دیدے کہ جنت کی کنجی کیا ہے؟

راہب: اگر میں نے اس سوال کا صحیح جواب دے دیا تو یہ مجمع مجھے ختم کر دے گا!

مجمع کے سب لوگوں نے یک زبان ہو کر کہا کہ ہرگز نہیں ہم تمہیں قتل نہیں کریں گے۔ تو صحیح جواب دے دے۔

راہب نے کہا پھر سُن لو کہ جنت کی کنجی ہے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

راہب کی یہ بات سن کر تمام مجمع نے کلمہ طیبہ پڑھا اور حضرت بایزیدؒ کے ہاتھوں پر مسلمان ہو گئے۔ حضرت بایزیدؒ خوشی خوشی واپس تشریف لائے اور خدا کا شکر ادا کیا۔

تدوین حدیث

- احادیث نبوی کی باقاعدہ تدوین کا کام کب اور کس نے شروع کیا؟ اس سلسلے میں کتب تاریخ اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ
- تدوین حدیث کا باقاعدگی سے کام دولت بنو امیہ کے خلیفۂ عادل حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ (۹۹ھ تا ۱۰۱ھ) کے عہد میں ہوا۔
- حدیث کے ساتھ آثار صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کو جمع کیا گیا۔
- تدوین کا کام سب سے پہلے مدینہ منورہ میں محمد بن مسلم شہاب زہریؒ کے ہاتھوں میں ہوا۔
- تدوین حدیث کی ابتداء کے سلسلے میں امام زہریؒ کے علاوہ امام مکحولؒ، امام شعبیؒ اور امام ابوبکر بن حزمؒ کے نام بھی قابل ذکر ہیں۔
- شروع میں تدوین حدیث کی غرض صرف حفاظتِ احادیث تھی لہٰذا ان کو کسی عنوان کے تحت نہیں بلکہ جتنا ذخیرہ مل جاتا تھا خواہ ان میں غلط احادیث ہی نہ ہوں جمع کر لیا جاتا تھا۔
- احادیث کو مختلف فقہی ابواب میں جمع کرنے کا کام امام شافعیؒ (کوفہ) نے شروع کیا۔ لیکن امام شعبی کے اس کام کی نوعیت صرف نمونے کی تھی کیونکہ انہوں نے صرف باب طلاق سے متعلق احادیث کو جمع کیا تھا۔
- چنانچہ اس کام کو حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے پورا کیا۔ آپ نے احکام کے متعلق احادیث و آثار صحابہؓ میں صحیح اور معمول روایات کا انتخاب کیا اور ایک مستقل تصنیف مسمّی بہ "کتاب الآثار" اُمت کے لئے چھوڑی۔ یہ احادیث صحیحہ کی قدیم ترین کتاب ہے جو ابواب فقہیہ پر مرتب و مدوّن ہے اور جس میں صرف انہی احادیث و آثار اور فتاویٰ نے جگہ پائی ہے جن کی روایت ثقاہت و اتقیاء اُمت میں برابر چلی آتی تھی۔ اور امام ابوحنیفہؒ کے اس معیارِ صحت پر پوری اترتی تھیں جو بالاتفاق محدثین بخاری و مسلم کے معیار سے بھی زیادہ سخت ہے۔ کتاب الآثار کے بعد حدیث کا دوسرا اہم مجموعہ "موطا" امام مالک بن انسؒ ہے جو اہل مدینہ کی روایات کا بہترین انتخاب ہے۔

مختصر یہ کہ ابھی دوسری صدی ختم بھی نہ ہونے پائی تھی کہ یہ سلسلۂ تدوین عالم اسلام کے علمی مراکز میں پورے احترام و اہتمام سے شروع ہو گیا تھا۔ اس زمانے کے مشہور محدثین میں ابن جریجؒ (مکہ)، ابن اسحاقؒ اور امام مالکؒ (مدینہ)، ربیعہ بن صبیح، حماد بن سلمہؒ، سعید بن ابی عروبہ (بصرہ)، سفیان ثوریؒ (کوفہ) امام اوزاعیؒ (شام)، ابن المبارکؒ (خراسان) وغیرہ کے نام بہت مشہور ہیں ــــ تیسری صدی ہجری میں تدوین حدیث کا انداز بدل گیا اور علم حدیث کو ترقی ہوئی۔ اب تمام ذخیرے کو یکجا کرنے کے بجائے ایک صحابی یا شیخ کی روایات کو ایک کتاب میں جمع کر لیتے تھے جس کو اصطلاح میں مسند کہتے تھے اس دور کو مسانید کا دور

کہا جاتا ہے۔ مشہور مسند نویسوں میں عبیداللہ بن موسیٰ (کوفی)، مسدد بصری، اسد بن موسیٰ اور نعیم ابن حماد گزرے ہیں۔

اس عہد میں تدوینِ حدیث کا مقصد حفاظتِ حدیث تھا۔ صحیح اور غیر صحیح کی فکر کا وقت ابھی نہیں آیا تھا اس لئے ہر علاقہ اور شیخ کی جتنی بھی روایتیں ملتیں ان کو صحت کی پرواہ کئے بغیر یکجا کر دیا جاتا تاکہ فراہم شدہ احادیث میں سے کوئی تلف نہ ہو جائے۔ یہ سلسلہ جاری تھا کہ امام بخاریؒ (۲۵۶ھ) کا دور شروع ہوا۔ انہوں نے صحیح حدیث کو غیر صحیح حدیث سے اور احادیث کو آثار سے جدا کرنے کا کام شروع کیا اور اصولِ تنقید اور قواعدِ جرح و تنقید کے مطابق روایات کی جانچ پڑتال کر کے صحیح روایات کا فیصلہ کیا اور اپنی کتاب کو مرتب کیا۔ اس کے بعد امام مسلمؒ نے ان کی تقلید کرتے ہوئے صحیح مسلم کو مرتب کیا۔ اس طرح یہ دونوں کتابیں اُمت میں صحیحین کے نام سے مشہور ہیں۔ بعد میں اسی نہج پر امام ترمذیؒ نے جامع ترمذی، امام داؤدؒ نے سننِ ابی داؤد، امام نسائیؒ نے سننِ نسائی اور ابن ماجہؒ نے سنن ابن ماجہ مرتب کیں۔ ان محدثین نے اپنی اپنی کتابوں میں فرقِ مراتب کو ملحوظ رکھا۔ ان کتابوں کی تصنیف کا نتیجہ یہ نکلا کہ اب بہ آسانی حدیث کی صحت و قوت اور اس کے درجہ و مرتبہ کا حال اس کتاب کے نام لینے سے بھی معلوم ہو جاتا ہے جس میں اس کی تخریج کی گئی ہے۔

تاریخ تدوینِ حدیث کے اس اجمالی خاکے کے بعد ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ محدثین کے سامنے حدیث کے بارے میں صحیح، قوی اور ضعیف کا سوال کیوں پیدا ہوا؟ جبکہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں ہیں تو ان میں صحت و عدمِ صحت کا فرق کس راہ سے آیا۔ اس سوال کا جواب علم مصطلح الحدیث کی ضرورت اور اس کی تدوین کی تاریخ کی نشاندہی کرتا ہے۔ فی الحقیقت بغیر حدیث کے قرآن مجید کو سمجھنا اور اس پر عمل کرنا ممکن نہیں اس لئے حفاظتِ قرآن کے ساتھ ساتھ تفسیرِ قرآن یعنی حدیث کی حفاظت اور حدیث کو غیر حدیث سے جدا کرنا ضروری ہے اور اس لئے حدیث کی کامل معرفت از بس ضروری ہے۔ صحابہ کرامؓ کو معرفتِ حدیث میں ملکہ تام حاصل تھا اس کے باوجود وہ بہت احتیاط سے کام لیتے تھے۔ صحابہؓ صرف متواتر و مشہور روایات کو قبول کرتے تھے یا پھر ایسی خبرِ احاد کو جن کے راوی معتبر ہوتے تھے۔ خبرِ احاد میں کسی روایت میں شک ہو جاتا تو گواہ اور دلیل بھی طلب کرتے۔ یہ ساری احتیاطیں اس لئے کرتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان تھا کہ جو کسی قول کو مجھ سے غلط منسوب کرے گا اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔

غرض یہی وہ مرحلہ ہے جہاں سے علم قواعد مصطلح الحدیث کی بنیاد پڑی۔ خلفاء راشدین کے عہد میں حدیث کی چھان بین کے بہت سے واقعات ملتے ہیں۔ خود ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے میراثِ جدہ کے مسئلے کو حل فرما کر ثبوت و صحتِ حدیث کے اہتمام کی بنیاد ڈالی کہ غیر معروف مسائل میں احادیث کی تحقیق کرنی چاہیئے اور یہ سبق دیا کہ ثبوتِ حدیث میں زیادہ سے زیادہ صحت و قوت کو تلاش کرنا چاہیئے اور حدیث کے ردّ و قبول میں لاپرواہی سے کام نہ لینا چاہیئے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی سنتِ صدیقی کی نہ صرف پیروی کرتے ہیں بلکہ اپنی خاص فطرت کی وجہ سے صحتِ حدیث کے معاملے میں بہت اشد معلوم ہوتے ہیں۔ اور حضرت عمرؓ ہی کے طرزِ عمل نے لوگوں کو حدیث کے طرق کی طرف [illegible]

کی جستجو کی [illegible] اور حضرت عمرؓ ہی نے محدثین کے لئے روایت نقل کرنے میں تثبت کا طریقہ جاری کیا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا طریقہ بھی مطابق شیخین تھا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے گواہی کے طریقے میں قسم لینے کے طریقے کو رائج کیا البتہ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ صحابہ کا توقف ضعف راوی یا احتمال کذب کی بناء پر قطعاً نہ تھا بلکہ محض تثبت اور ضبط فی الحدیث کی سُنت قائم کرنے کے لئے یہ اہتمام تھا۔ اس لئے کہ پہلی صدی ہجری میں جو صحابہؓ و کبار تابعین کا دور تھا اس میں حارث اعور اور مختار کذاب جیسے اکا دُکا شخص کو چھوڑ کر کسی ضعیف الروایۃ کا تقریباً وجود نہ تھا۔ لیکن جب خلیفۂ ثالث حضرت عثمان غنیؓ کے دَور میں فتنہ و فساد کا طوفان شروع ہوا تو حدیث میں بھی دروغ گوئی کا سلسلہ شروع ہوا بقول ابن حجر سب سے پہلے عبداللہ ابن سبا نے حدیث میں جھوٹ بولا۔ اور جب مسلمانوں کے باہمی نزاع کے سبب شیعہ خوارج جیسے فرقے وجود میں آئے تو خوب حدیثیں گھڑی گئیں اور خلیفۂ چہارم کی شہادت کے وقت یہ فتنہ اپنے عروج پر تھا۔ اس فتنہ سے احادیث نبوی کو محفوظ کرنے کے لئے محدثین ہمہ تن احادیث کی چھان بین میں معروف ہوگئے اور اپنے حسن ذوق سے نقد حدیث کے اصول اختیار کئے گرچہ یہ اصول مدون نہیں ہوئے تھے مگر اپنے معیار کے اعتبار سے ان کو برتتے تھے اور اس فتنے سے نمٹنے کے لئے اسناد کی پوچھ گچھ شروع ہوئی۔ اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ فتنوں سے پہلے اسناد کی کوئی اہمیت نہ تھی بلکہ صحابہؓ بھی کبھی اسناد پیش کرتے تھے اور کبھی نہیں۔ بس التزام نہیں کرتے تھے لیکن فتنوں کے بعد اسناد کا بیان ہر راوی کے لئے واجب تھا تاکہ ثقہ اور غیر ثقہ راوی کا پتہ چل جائے اور کذابین کی قلعی کھل جائے۔ تابعین کے آخری دور میں باقاعدہ جرح و تعدیل رواۃ کے قواعد و ضوابط مرتب ہونے شروع ہوئے اور چونکہ جرح اور تعدیل اور احادیث کے صحت و ضعف کے فیصلہ کا مدار رجال اسناد پر ہے لہٰذا جب تک راویانِ حدیث کے تاریخی حالات پر بخوبی اطلاع نہ ہو، اسناد کی صحت و ضعف کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا اس لئے محدثین کو "تاریخ رجال" کی طرف مستقل توجہ کرنی پڑی جس سے اسماء الرجال کا عظیم الشان فن مدون ہوا جس کی نظیر دُنیا میں نہیں ملتی۔ (الحسنات)

تذکرہ صحابہ کرام

حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ

طالب ہاشمی

(۱) سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں جب مسلمانوں کی فتوحات کا سیلاب شام میں داخل ہوا تو رومیوں میں مسلمان دشمنی کا جنون اس حد تک پہنچ گیا کہ وہ جنگی قیدیوں کو بھی نہایت بے دردی سے شہید کر ڈالتے۔ عرب مؤرخین نے لکھا ہے کہ رومیوں نے تانبے کی ایک بہت بڑی گائے بنا رکھی تھی اس کے پیٹ میں روغن زیتون ڈال کر نیچے آگ جلاتے رہتے تھے اگر مسلمان قیدی نصرانیت قبول کر لیتے تو ان کو چھوڑ دیتے تھے اور اگر اپنا دین ترک کرنے سے انکار کرتے تو انہیں کھولتے ہوئے تیل میں ڈال دیتے تھے۔

ایک دفعہ شام کے ایک معرکہ میں اسّی اکیاسی مجاہدین رومیوں کے ہاتھ اسیر ہو گئے۔ ان مسلمان قیدیوں میں ایک قوی الجثہ صاحب رسولؐ بھی تھے ان کی پیشانی نورِ سعادت سے درخشاں تھی اور چہرے پر عجیب قسم کا جلال تھا۔ شاہی لشکر میں خود شاہِ روم موجود تھا۔ [illegible] بادشاہ نے انکو نصرانی مذہب قبول کرنے کی دعوت دی لیکن انہوں نے صاف انکار کر دیا۔ بادشاہ نے ان سے کہا کہ اپنا انجام اچھی طرح سوچ لو اگر تم اپنے انکار پر قائم رہے تو تمہیں کھولتے ہوئے تیل میں ڈال دیا جائیگا۔ ان صاحب رسولؐ نے جواب دیا کہ خواہ کچھ بھی کرو میں اپنا دین ہرگز نہیں چھوڑوں گا۔ اب رومی ان کو خوفزدہ کرنے کے لئے ایک اور مسلمان قیدی کو بادشاہ کے سامنے لائے اس نے اس قیدی کو بھی اسلام ترک کرنے کے لئے کہا لیکن اس بندۂ حق نے بھی صاف انکار کر دیا اس پر رومیوں نے اس کو کھولتے ہوئے تیل میں ڈال دیا اور وہ آناً فاناً جل بھن کر کباب ہو گیا۔ وہ صاحب رسولؐ اپنے ساتھی کا انجام دیکھ کر رونے لگے۔ رومیوں نے کہا اب موت سے ڈر کر روتے ہو؟ ابھی وقت ہے نصرانیت قبول کر لو ہم تم کو رہا کر دیں گے!

رومیوں کی بات سن کر ان صاحب رسولؐ کی آنکھوں میں ایک شانِ بے نیازی چمک اٹھی اور انہوں نے بڑے پرجلال لہجے میں کہا میں موت سے ڈر کر نہیں روتا بلکہ اس بات پر روتا ہوں کہ اللہ کی راہ میں قربان کرنے کے لئے میرے پاس صرف ایک جان ہے کاش ایک جان کی بجائے میرے ہر بال [illegible] نثار کر دیتا۔

[illegible]

[illegible]

پھر رخسار کر ... اگر تم میرے سر کو بوسہ دو تو تمام مسلمان قیدی چھوڑ دیے جائیں گے۔ اپنے مسلمان بھائیوں
کی خاطر وہ صاحب [illegible] اور [illegible] پیشانی کو چوم لیا اور اس طرح ان مسلمانوں کی جانیں بچ گئیں۔ یہ صاحب رسول
جب مدینہ منورہ آئے [illegible] فاروق اعظمؓ نے یہ واقعہ سنا تو ان صاحب رسول کی پیشانی فرط مسرت سے چوم لی۔
اور دوسرے مسلمانوں کو بھی [illegible] پیشانی کو بوسہ دیں۔ عزم و استقامت کے یہ پہاڑ جن کے اخلاص و ایثار
کو خلیفہ [illegible] سیدنا فاروق اعظمؓ نے یوں خراج تحسین پیش کیا حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ تھے۔

حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی قریش کی شاخ بنو سہم سے تھے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے فطرت سلیم سے نوازا تھا انہوں
نے بعثت نبوی کی ابتداء میں اس وقت دعوت توحید پر لبیک کہا جب ایسا کرنا ہولناک خطرناک مصائب کو دعوت دینے کے
مترادف تھا۔ سعادت اندوز اسلام کے بعد حضرت عبداللہؓ بھی دوسرے صحابہؓ کی طرح کفار کے ظلم و ستم کا نشانہ بن گئے۔
جب کفار کا ظلم و ستم حد سے بڑھ گیا تو سنہ ۶ بعد بعثت میں حضرت عبداللہ بن حذافہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایماء پر بہت
سے دوسرے مظلوم مسلمانوں کے ساتھ ہجرت کر کے حبش چلے گئے اور وہاں کئی سال غریب الوطنی کی زندگی بسر کرتے رہے۔ وہ حبش سے کب
واپس آئے مؤرخین نے اس کی تصریح نہیں کی۔ ایک قول یہ ہے کہ غزوہ بدر سے پہلے واپس آ گئے اور انہیں اصحاب بدر میں شامل
ہونے کا شرف حاصل ہوا لیکن جمہور اہل سیر اس بات پر متفق ہیں کہ غزوہ بدر کے سوا وہ دوسرے تمام غزوات نبوی میں شریک ہوئے
اور اپنی جانثاری کے جوہر دکھائے۔

صلح حدیبیہ ۶ھ کے بعد جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ہمسایہ ممالک کے حکمرانوں کے نام دعوت اسلام
کے خطوط بھیجے تو ان میں سے ایک خط شاہ ایران کے نام بھی تھا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضورؐ نے یہ خط حضرت عبداللہ بن حذافہؓ کے
سپرد کر کے انہیں حکم دیا کہ وہ اسے بحرین کے گورنر کی وساطت سے کسریٰ تک پہنچا دیں۔ انہوں نے نہایت حسن و خوبی سے حضورؐ کے
ارشاد کی تعمیل کی اور مکتوب نبوی کو بحفاظت تمام حاکم بحرین تک پہنچا دیا۔

اہل سیر نے یہ وضاحت نہیں کی کہ حاکم بحرین نے یہ خط لے کر انہی کو مدائن بھیجا یا اپنے کسی آدمی کے ہاتھ پایہ تخت
روانہ کیا۔ مؤرخین نے بالعموم اس مکتوب نبوی کے مندرجات ان الفاظ میں درج کئے ہیں:

(بسم اللہ الرحمٰن الرحیم)

محمد رسول اللہ کی طرف سے کسریٰ سردار ایران کے نام۔

"ہدایت پر چلنے اور اللہ و رسول پر ایمان لانے والے کے لئے سلامتی ہو۔ میں تجھے خدا کا پیغام دیتا ہوں۔ کیونکہ مجھے خدا نے
تمام انسانوں کی طرف بھیجا ہے تاکہ میں ہر زندہ شخص کو ڈراؤں، کافروں کے متعلق خدا کی بات پوری ہو کر رہے گی۔ اسلام لا سلامت
رہے گا اگر تو انکار کرے گا تو تمام مجوسیوں کا وبال تجھ پر پڑے گا"

(باقی آئندہ)

دربارِ خلافت میں

ایک مجرم کا ایفائے عہد

شبیر احمد قاسمی

ایک دن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا سادہ دربار خلافت سرگرم انصاف وعدل تھا۔ اکابر صحابہ موجود تھے اور مختلف معاملات پیش ہو کر طے پا رہے تھے کہ اچانک ایک خوش رو نوجوان کو دو شخص پکڑے ہوئے لائے اور استغاثہ پیش کیا کہ اے امیر المومنین! اس ظالم سے ہمارا حق دلوائیے۔ اس لئے کہ اس ظالم نے میرے بوڑھے باپ کو مار ڈالا۔ حضرت عمرؓ نے اس نوجوان کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ میں دعویٰ تو سن چکا اب بتاؤ تمہارا اس دعوے سے متعلق کیا جواب ہے؟ مدعا علیہ نے پورا واقعہ بیان کیا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ مجھ سے یہ جرم ضرور ہوا ہے اور میں نے نہایت طیش میں آکر ایک پتھر اسے دے مارا جس کی ضرب کی تاب نہ لاکر وہ ضعیف مر گیا۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فیصلہ صادر فرمایا کہ تجھے دعویٰ کا اعتراف ہے لہٰذا اب قانون شرعی کے مطابق قصاص کا قتل لازمی ہو گیا اور اس کے عوض تمہیں اپنی جان دینی ہوگی۔

نوجوان نے سر جھکا کر عرض کیا مجھے خلیفہ کا حکم اور قانون شریعت کو تسلیم کرنے میں کوئی عذر نہیں، لیکن ایک بات کی درخواست ہے ارشاد ہوا وہ کیا؟ عرض کیا میرا ایک چھوٹا نابالغ بھائی ہے والد مرحوم نے کچھ سونا چھوڑا تھا اور میرے سپرد کیا تھا کہ وہ بالغ ہو تو اس کے سپرد کر دوں۔ میں نے اس سونے کو زمین میں ایک جگہ دفن کر دیا اور اس کا حال سوائے میرے کسی کو معلوم نہیں اگر وہ سونا اس کو نہ ملا تو قیامت کے دن میں ذمہ دار ہوں گا۔ اس لئے اتنا چاہتا ہوں کہ عدالت تین دن کے لئے مجھے ضمانت پر چھوڑ دے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قدرے غور و فکر کے بعد فرمایا۔ کون ضمانت دیتا ہے کہ تو تین دن کے بعد تکمیل قصاص کیلئے چلا آئے گا؟ اس نوجوان نے چاروں طرف دیکھا اور حاضرین عدالت کے چہروں پر ایک سرسری نظر ڈالی اور پھر حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کر کے عرض کیا کہ وہ میری ضمانت کریں گے۔

اس پر حضرت عمرؓ نے حضرت ابوذر غفاریؓ سے پوچھا کہ کیا آپ اس کی ضمانت دیتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا ہاں بیشک میں اس کی ضمانت دیتا ہوں کہ یہ تین دن کے بعد حاضر ہو جائے گا۔ غور کا مقام ہے کہ ایسے جلیل القدر صحابی کی ضمانت [illegible] جبکہ حضرت عمر فاروقؓ بھی راضی ہو گئے اور ان دونوں مدعیوں نے بھی اس پر اپنی رضامندی کا اظہار کیا اور [illegible] چھوڑ دیا

اب تیسرا دن تھا جب قانونِ شریعت کا نفاذ ہوتا یعنی مجرم سے قصاص لیا جاتا۔ حضرت عمر فاروقؓ کا دربارِ خلافت بدستور قائم [illegible] تمام جلیل القدر صحابی جمع ہو گئے دونوں مدعی بھی حاضر ہوئے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بھی تشریف لائے اور وقتِ مقررہ پر مجرم کا انتظار کیا جانے لگا۔ وقت گزرتا جا رہا تھا اور مجرم کا پتہ نہیں، صحابہ کرامؓ میں ابوذر غفاریؓ سے متعلق تشویش ہو رہی ہے۔

مدعیان نے بڑھ کر کہا اے ابوذرؓ ہمارا مجرم کہاں ہے؟ کمال استقامت اور ثابت قدمی سے انہوں نے جواب دیا اگر تیسرے دن کا وقتِ مقررہ گزر گیا اور تمہارا مجرم نہ آیا تو خدا کی قسم میں اپنی ضمانت پوری کروں گا۔

عدالتِ فاروقی بھی جوش میں آ گئی، حضرت فاروقِ اعظمؓ بھی سنبھل کر بیٹھے اور فرمایا "اگر وہ نہ آیا تو ابوذرؓ کی نسبت وہی عدالت کی کارروائی ہوگی جس کی شریعت متقاضی ہوگی"۔ خلیفۂ وقت کی عدالت سے اس حکم کا جاری ہونا تھا کہ صحابہؓ میں تشویش پیدا ہو گئی اور بعض صحابہؓ آبدیدہ ہو گئے۔ مجبور ہو کر بعض صحابہ کرامؓ نے مدعیان سے کہنا شروع کیا کہ تم خون بہا قبول کر لو۔ مدعیان نے قطعی انکار کیا اور کہا کہ ہم خون کے بدلے خون ہی چاہتے ہیں۔

غرض لوگ اسی پریشانی میں تھے کہ اچانک مجرم نمودار ہوا مگر اس حالت میں کہ پسینہ میں ڈوبا ہوا تھا اور سانس پھولی ہوئی تھی۔ وہ آتے ہی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش ہوا اور خندہ پیشانی سے سلام کیا اور عرض کیا: میں نے اس بچہ کو اس کے ماموں کے سپرد کر دیا اور اس کی کل جائیداد انہیں بتا دی اب آپ جو خدا و رسول کا حکم ہے اسے بجا لائیں۔

حضرت ابوذر غفاریؓ جو ایسے نازک وقت پر بھی کمال استقامت اور ثابت قدمی کا پیکر تھے ارشاد فرمایا اے امیر المومنین خدا کی قسم میں جانتا بھی نہ تھا کہ یہ مجرم کون ہے اور کہاں کا رہنے والا ہے اور نہ اس سے پہلے کبھی اس کی صورت دیکھی تھی مگر جو عدالت میں سب کو چھوڑ کر اس نے مجھے اپنا ضامن بنایا تو مجھے انکار کرنا مروت کے خلاف معلوم ہوا اور اس کے چہرے نے مجھے یقین دلایا کہ یہ شخص اپنے عہد میں سچا ہوگا اس لئے میں نے اس کی ضمانت کر لی۔

مجرم کے اس تشویشناک وقت میں آ پہنچنے پر حاضرین میں ایسا غیر معمولی جوش پیدا ہو گیا کہ دونوں مدعیوں نے خوشی میں آ کر عرض کیا:

اے امیر المومنین! ہم نے اپنے باپ کا خون معاف کیا۔ سب حاضرین کی طرف سے نعرۂ مسرت بلند ہوا اور خلیفۂ وقت حضرت فاروقِ اعظمؓ کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا اور فرمایا میرے نوجوانو! تمہارے باپ کا خون بہا میں بیت المال سے ادا کروں گا۔ اور تم اپنی اس نیک نفسی کیساتھ فائدہ بھی اٹھاؤ گے۔ انہوں نے عرض کیا: اے امیر المومنین ہم اس حق کو خاص خدا کی خوشنودی کے لئے معاف کر چکے ہیں لہٰذا اب ہمیں کچھ لینے کا حق نہیں اور نہ لیں گے۔

یہ ایمانی عہد کا کرشمہ تھا جو ایسے نازک ترین وقت پر مجرم سے قصاص نہ لیا جا سکا اور اس کی جان بچ گئی اور یہ عجیب و غریب و شاندار عہد کا واقعہ ایسی مسرت و شادمانی پر ختم ہوا۔

النقیب الہندی

فتح انطاکیہ

محمد حمید ——— خان گرامی

عیسائیوں کے متبرک مقام انطاکیہ کو فتح کر کے اہلِ اسلام داخل ہوئے تو وہ شہر کی خوبصورتی اس کی عالیشان عمارات، وسیع بازار، پُرفضا میدان، لہلہاتے کھیت، سرسبز و شاداب باغات، معتدل آب و ہوا کو دیکھ کر دنگ رہ گئے اور بہت خوش ہوئے وہ چاہتے تھے یہاں کم از کم ایک ماہ قیام کریں اور آرام کرنے کی اجازت مل جائے مگر امین الامت حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انطاکیہ کا سب انتظام کر کے لشکر اسلام کو تین دن کے بعد کوچ کا حکم دیا اور خلیفۃ المسلمین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مندرجہ ذیل خط لکھا۔

"آغاز خدائے رحمان و رحیم کے نام ابوعبیدہ عامر بن جراح والی شام کی طرف سے امیر المومنین کی خدمت میں۔

آپ پر سلامتی ہو۔ میں اس خدا کی تعریف کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں، اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتا ہوں۔ اے امیر المومنین! اللہ تعالیٰ نے اپنے تحت فضل و انعام کے انطاکیہ مسلمانوں کو فتح دی۔ اللہ تعالیٰ نے ہماری خاص نصرت و مدد فرمائی اور رومیوں کو شکست دی۔ ملعون ہرقل کشتی میں بیٹھ کر سمندر کے راستے فرار ہوگیا ہے۔ میں نے انطاکیہ کی آب و ہوا فرحت بخش ہونے کی وجہ سے اس میں قیام نہیں کیا۔ مجھے خوف ہوا کہ کہیں اس کی معتدل آب و ہوا کا مسلمانوں پر بُرا اثر نہ پڑے اور دُنیا کی محبت ان پر غالب نہ آجائے، اللہ تعالیٰ کی اطاعت و عبادت میں سست نہ ہو جائیں۔ میرا ارادہ حلب کی طرف جانے کا ہے۔ میں آپ کے حکم کا منتظر ہوں اگر آپ حکم دیں تو شام کے کناروں اور گرجوں کی طرف بڑھوں ورنہ یہیں ٹھہرا رہوں۔

امیر المومنین! بعض عرب رومی عورتوں سے شادی کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں، میں نے انہیں روک دیا ہے آپ اس بارے میں کیا حکم صادر فرماتے ہیں۔ آپ پر اور تمام مسلمانوں پر اللہ کی رحمت اور سلامتی ہو۔"

یہ خط اور مالِ خمس حضرت ابوعبیدہؓ نے زید بن وہبؓ کے حوالے کیا اور ان کے ہمراہ حفاظت کے لئے ایک جماعت مجاہدین کی ساتھ بھیجی۔ زید بن وہبؓ بڑی تیز رفتاری کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچے۔ اس وقت مدینہ منورہ میں ایک عجیب ہلچل مچی ہوئی تھی۔ لوگ اِدھر اُدھر دوڑتے پھر رہے تھے۔ حضرت زیدؓ سمجھے کہ مدینہ میں کوئی واقعہ پیش آگیا ہے

ایک شخص سے پوچھا یہ کیا معاملہ ہے؟ جواب ملا حضرت عمرؓ امیر المؤمنین حج بیت اللہ کو جا رہے ہیں اور لوگ ان کے ہمراہ حج کرنے اور سعادت حاصل کرنے کے لئے تیار ہو رہے ہیں۔ یہ سن کر حضرت زیدؓ حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت عمرؓ اس وقت مدینہ سے باہر ایک کثیر لشکر کے ساتھ پاپیادہ چل رہے تھے اور دائیں حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ پیچھے ایک جماعت تھی۔ حضرت زیدؓ نے آگے بڑھ کر سلام کیا۔ حضرت عمرؓ نے سلام کا جواب دیا اور پوچھا تم کہاں سے آئے ہو؟ حضرت زیدؓ نے کہا۔ میں امین الامت حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ والئ شام کی طرف سے آیا ہوں آپ کو مبارک ہو اللہ نے لشکر اسلام کو انطاکیہ پر شاندار فتح نصیب فرمائی ہے

حضرت عمرؓ یہ سنتے ہی فوراً زمین پر سربسجود ہو گئے جب سر اٹھایا تو آپ کا چہرہ اور داڑھی خاک آلود تھی آپ یہ کہہ رہے تھے "اے میرے اللہ تیری اس نعمت کا طرہ پر تیری بے حد حمد وثنا اور تیرا شکر بجا لاتا ہوں۔"

پھر خط کھول کر پڑھا، خط پڑھتے ہوئے آپ رونے لگے، حضرت علیؓ نے پوچھا اے امیر المؤمنین! خوشی کے اس مبارک موقع پر رونے کی وجہ کیا؟

حضرت عمرؓ نے فرمایا اے ابوالحسن میں اس لئے رویا کہ ابوعبیدہؓ نے مسلمانوں کے نفس پر سختی کی پھر حضرت علیؓ کو خط دیا، انہوں نے خط پڑھ کر کہا ابوعبیدہؓ نے اچھا نہیں کیا لیکن ابوعبیدہؓ جیسے متقی اور پرہیزگار ہیں انہوں نے مسلمانوں کی خیر خواہی کیلئے ایسا کیا ہے تاکہ مسلمانوں کے دلوں میں محبت دنیا نہ گھر کر جائے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ابوعبیدہؓ کے بارے میں فرمایا۔ ہر نبی کی امت کا ایک امین ہوتا ہے میری امت کا امین ابوعبیدہؓ ہے

پھر حضرت عمرؓ خوش ہو گئے اور وہیں زمین پر بیٹھ کر قلمدان منگا کر حضرت ابوعبیدہؓ کو حسب ذیل خط لکھا۔

"ابتداء رحمٰن کریم کے نام سے اللہ کے بندے امیر المؤمنین عمر کی طرف سے ان کے عامل ابوعبیدہؓ بن جراح کے نام۔ تم پر سلامتی ہو۔ میں اس خدا کی تعریف کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس کے نبی پر درود بھیجتا ہوں۔ میں خداوند تعالیٰ کا شکر گزار ہوں کہ اس نے اپنی تائید سے مسلمانوں کو یہ نعمت عطا فرمائی اور پرہیزگاروں کے لئے عاقبت کی بھلائی مقرر فرمائی وہ ہمیشہ اپنے بندوں پر مہربانی کرنے والا ہے۔ تم نے خط لکھا ہے جس میں لکھا کہ میں اس کو خوش کن اور فرحت بخش آب وہوا کی وجہ سے نہیں ٹھہرے۔ اللہ تعالیٰ نے نیکوکار اور پرہیزگار بندوں پر اچھی چیزیں حرام نہیں کیں، وہ خود قرآن پاک میں ارشاد فرماتے ہیں:

"اے پیغمبرو تم پاک وطاہر چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو تم جو کچھ کرتے ہو میں اسے جانتا ہوں۔"

تمہیں لازم تھا کہ مسلمانوں کو مشقت و محنت کے بعد آرام دیتے کہ وہ کھانے کی چیزوں سے محظوظ ہوتے اپنے جسموں کو آرام دیں کیونکہ ان کے جسم دشمنوں سے لڑنے میں تکلیف اور دکھ اٹھاتے ہیں۔ دشمنوں کے [illegible] میں جھیلنے کا جو حکم تم حاصل کر چکے ہو [illegible]

یہاں بہتر سمجھتے ہو کیونکہ وہاں کے حالات کا تمہیں اچھی طرح علم ہے مجھے پوری طرح واقفیت نہیں۔ اگر تم سمجھتے ہو کہ قلعوں اور گھاٹیوں میں تمہارا داخل ہونا اہلِ اسلام کے لئے مفید اور بہتر ہے تو بے شک چلے جاؤ لیکن واقف کار اور راہ دکھانے والا ضرور ہمراہ لے جانا تاکہ قلعوں اور گھاٹیوں میں ناواقفیت کے باعث لشکر اسلام حیران و سرگرداں نہ ہو۔ اگر کوئی تم سے صلح کرے تو تم بھی صلح کرو اور جو عہد ہو جائے اس کے پورے پابند رہو، کسی پر زیادتی نہ کرو اور جو تم نے لکھا ہے کہ اہلِ عرب میں سے بعض آدمی وہاں کی عورتوں سے نکاح کرنا چاہتے ہیں تو جو شخص ایسا کرنا چاہے اسے جائز طریقہ پر کرنے دو۔ صرف خیال رکھو کہ کسی سے کوئی امر شریعت اسلام کے خلاف ظہور میں نہ آئے۔ تقویٰ اور خشیت الٰہی کا لشکر اسلام کو پابند رکھیں۔ تمام مسلمانوں پر سلامتی ہو۔ خدا کے بندے عمرؓ کو اپنی دعاؤں میں نہ بھلانا۔"

یہ خط لکھ کر حضرت عمرؓ نے زیدؓ کے حوالے کیا کہ جس طرح خط لائے ہو اسی طرح پہنچا بھی دو اللہ تعالیٰ سے آجر کے امیدوار ہو۔

زید بن وابصہؓ خط لیکر فاصلہ پہ چلے حضرت عمرؓ نے کہا۔ زید ٹھہرو! اسی وقت اپنے غلام کو حکم ہوا کہ خزانہ سے توشہ لاؤ۔ غلام نے تھیلیاں لا کر سامنے رکھ دیں حضرت عمرؓ نے ایک تھیلی میں سے چار سیر ستو پیمانے میں بھرے پھر دوسری تھیلی سے چار سیر کھجوریں نکالیں اور زید بن وابصہؓ کے حوالے کرتے ہوئے فرمایا،

مسلمانوں کی طرف سے تمہیں دعوت ہے، مجھ بوڑھے کا اتنا میرے امکان میں اتنا کچھ ہو سکتا ہے پھر لوٹ کر زیدؓ کے سر پر ازراہ شفقت بوسہ دیا اور فرمایا اب میں تمہیں رخصت کرتا ہوں۔"

حضرت زید بن وابصہؓ شہنشاہ عرب و شام کے توشے میں سے حصہ پا کر احسان کی شفقت سے اپنے حال پر دیکھ کر دل کی جوشش سے ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ستو اور کھجوریں اور سر کا بوسہ ان کی تمام زندگی کو فرحت بخشنے کے لئے کافی تھا۔ (الحق)

جامعہ رشیدیہ کی خدمات

جامعہ کے تعلیم یافتہ حضرات میں مندرجہ ذیل اکابر اہل علم معروف و قابل تذکرہ ہیں۔

- بانی جامعہ سلفیہ مدینہ منورہ حضرت مولانا رشید احمد سلفیؒ — [illegible]
- بانی خیر المدارس ملتان حضرت مولانا خیر محمد صاحب مرحوم و مغفور — جالندھری
- بانی مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان حضرت مولانا محمد علی صاحب مرحوم — جالندھری
- بانی مجلس احرار اسلام حضرت مولانا حبیب الرحمان مرحوم — لدھیانوی

یادِ رفتگاں

حضرت مولانا حافظ مفتی محمد خلیل احمد صاحبؒ گوجرانوالہ

از: حافظ محمد اکبر شاہ بخاری جام پور

وطن مالوف ملک پاکستان صوبہ پنجاب کے ضلع سرگودھا تحصیل بھلوال میں لالہ موسیٰ جنکشن سے جو ریلوے لائن سرگودھا کو جاتی ہے اس پر ملکوال اور سرگودھا کے درمیان ایک ریلوے اسٹیشن پھلراں ہے جو لالہ موسیٰ سے ایک سو تین کلومیٹر اور سرگودھا سے ۴۵ کلومیٹر ہے۔ پھلراں سے تقریباً ۱۲ کلومیٹر کے فاصلہ پر بجانب مشرق ایک گاؤں موضع اوپلی (اوپیاں) ہے جو جھن قصبہ سے پانچ کلومیٹر جنوب کی طرف اور قصبہ کوٹ مومن سے ۸ کلومیٹر مشرق کی طرف واقع ہے۔ کوٹ مومن تک بس بھی جاتی ہے مگر اکثر پھلرواں سٹیشن سے بذریعہ ٹانگہ ہی جانا ہوتا ہے۔ یہ سارا علاقہ گوندل بار کہلاتا ہے گوندل ایک مشہور قوم کا نام ہے قصبہ جھن ایک قدیم قصبہ ہے۔ مغلیہ خاندان کے عروج و زوال کے آثار یہاں بھی پائے جاتے ہیں یہ علاقہ کئی دفعہ اجڑا اور آباد ہوا۔ معتبر روایات سے پتہ چلتا ہے کہ موضع اوپلی کے گرد گھنے جنگلات ہوتے تھے اور سورج غروب ہوتے ہی گھپ اندھیرا چھا جاتا تھا۔ اس لئے شام سے قبل گاؤں میں نقارہ بجنا شروع ہو جاتا تاکہ گاؤں کی طرف آنیوالے راستہ معلوم کرکے آگے بڑھیں۔

ابتدائی حالات حضرت مولانا حافظ مفتی محمد خلیل صاحب ۱۳۳۴ھ مطابق ۱۹۱۶ء اپنے گاؤں موضع اوپلی میں پیدا ہوئے ہوش سنبھالا تو اپنے والد بزرگوار ہی سے قرآن مجید پڑھنا شروع کیا اور چھوٹی عمر میں ہی پختہ کار حافظ ہوگئے۔ قرآن مجید سے طبعی لگاؤ ہونے کی وجہ سے ابتداءِ بلوغ سے ہی تراویح میں قرآن مجید سنانا شروع کیا یہاں تک کہ بڑھاپے اور ضعف کی وجہ سے معذور ہوگئے مگر اسی دوران اپنے چاروں صاحبزادوں کو اپنی سرپرستی میں حافظ بنا کر اپنے مصلیٰ پر خلیفہ بنایا اور خود سماعت فرما کر سب کو کامل و مکمل کر دیا۔

حصولِ تعلیم حفظ قرآن مجید کے بعد آپ کے والد بزرگوار آپ کو درس نظامی کا فاضل بنانے کا ارادہ رکھتے تھے مگر آپ اس تعلیم کی طرف راغب نہ تھے بلکہ آپ کا رجحان طبع فقیری اور اصلاح باطن کی طرف تھا اور بچپن سے ایسے کلمات آپ کی زبان مبارک سے جاری ہوتے تھے جس سے فن تصوف اور تزکیہ نفس کی طرف مائل ہونا ظاہر ہوتا تھا۔ جب والد بزرگوار پر اپنے ہونہار بیٹے کے یہ آثار ظاہر ہوئے تو بطورِ نصیحت کے فرمایا کہ بیٹا اس میں شک نہیں کہ انسان کی پیدائش کا مقصد عبادت ہے جو اپنے خالق اور رب کی معرفت اور اس کی اطاعت سے حاصل

ہوتی ہے مگر اس کے لئے ضروری ہے کہ یہ معلوم ہو جائے کہ وہ کن باتوں سے راضی ہوتا ہے اور کن سے ناراض۔
بلا اس معرفت کے اطاعت اور عبدیت کیسے ہوگی۔ جب اس کی رضا کے مطابق اطاعت ہوگی تو پھر اصلاح باطن اور تزکیۂ نفس
اور عبدیت کاملہ نصیب ہوگی یہی اعلیٰ فقیری ہے اور اس کے لئے علم شریعت کا حاصل کرنا نہایت ضروری ہے تاکہ علم سے
بے بہرہ ہو کر اس راہ کو قطع کیا جائے ورنہ خطرہ ہے کہ کہیں گمراہی اور ضلالت کے گڑھے میں گر کر اپنی دینی اور دنیوی زندگی سے
ہاتھ دھو بیٹھے۔ اپنے والد بزرگوار کے حکم کی اطاعت میں علم دین کی طرف توجہ مبذول فرمائی اور اس میں استقامت کی کوشش
فرمائی کہ اسباق اور مطالعہ میں ناغہ نہ ہونے پائے۔ چنانچہ ایک دفعہ جب آپ مرولہ والا میں پڑھتے تھے اور گاؤں آئے
ہوئے تھے کہ مرض ہیضہ میں مبتلا ہو گئے تو اسباق کے ناغہ کا اتنا فکر تھا کہ اہل خاندان کے منع کرنے پر بھی خفیہ طور
سے بلا اطلاع کئے گھر سے روانہ ہو کر مرولہ والا پہنچ گئے۔

حفظ قرآن مجید کے بعد سب سے پہلے آپ نے اپنے گاؤں کے قریب تقریباً ڈیڑھ کلومیٹر کے فاصلے پر چک ۱۹ شمالی میں
حضرت مولانا شاہ محمد صاحب سے فارسی کتب پڑھنی شروع کیں۔ اس کے بعد مرولہ والا ضلع سرگودھا میں حضرت مولانا خدا بخش صاحب
کے پاس تشریف لے گئے اور ہدایہ اخیرین تک تمام کتب ان سے پڑھیں۔ پھر جھاول چلے گئے اور وہاں کے خطیب
حضرت مولانا محمد اشرف صاحب ہزاروی سے مشکوٰۃ شریف اور دیوان متنبی وغیرہ کتب پڑھیں۔

پھر اس کے بعد آپ مشہور بزرگ عالم ربانی حضرت مولانا ولی اللہ صاحب انہی شریف ضلع گجرات کے ہاں تشریف
لے گئے اور نسبت باب، رابعہ مرتب، زاویہ مقتلو، سواشی کا شرح چغمینی، اقلیدس، تصریح اور غیرہ درسی کتب ان سے
عبدالحکیم بر قطبی، سواشی قدسیہ، حسن شہید، قل احمد، شرح مطالع، شرح اشارات از محقق طوسی، شرح عقائد جلالی اور سراجی
وغیرہ ان سے پڑھیں۔ حضرت مولانا شیخ عبداللہ صاحب کھیں والے تحصیل کھاریاں ضلع گجرات سے بھی کچھ علم ادب اور فن
قافیہ وغیرہ اور مولانا موصوف کے ذاتی تصنیفات میں سے منتشر اشارات میں کتابیں پڑھیں۔ ان کے علاوہ پنڈ دادنخان کے
مولانا نجم الدین صاحب ڈڈھیالے والے ضلع جہلم کے پاس بھی دیوان حماسہ کے چند اسباق پڑھے۔

دارالعلوم دیوبند بالآخر جمادی الاولیٰ [illegible] مطابق [illegible] دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے اور بیضاوی وغیرہ
وغیرہ کتب میں داخلہ لیا اور پھر شوال [illegible] دورۂ حدیث میں شرکت کا شرف حاصل ہوا۔ اور
مندرجہ ذیل نصاب کے مطابق احادیث مبارکہ کے دروس کی اکابر اساتذہ کرام سے تکمیل فرمائی۔

نمبر شمار	نام کتب مبارکہ	اسماء گرامی اساتذہ جن سے ان کتب کی تکمیل فرمائی
۱	ترمذی شریف	شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہ العزیز
۲	بخاری شریف	ایضاً

۳	مسلم شریف	حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی
۴	ابوداؤد شریف	شیخ الفقہ والادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ
۵	ابن ماجہ شریف	حضرت مولانا نافع گل صاحب
۶	نسائی شریف	حضرت مولانا ریاض الدین صاحب
۷	طحاوی شریف	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ (مفتی اعظم پاکستان) و بانی دار العلوم کراچی
۸	مؤطین شریفین	چند اسباق غالباً مفتی محمد شفیع صاحبؒ سے پڑھے
۹	قراٗۃ	قرأت کی مشق حضرت مولانا قاری عتیق الرحمٰن سے کی

تعلیم و تدریس

دیوبند سے واپس آنے کے بعد اپنے ہی گاؤں میں تقریباً ایک سال تک مختلف طلبہ کو تعلیم دیتے رہے اور پھر مدرسہ عزیزیہ بھیرہ ضلع سرگودھا میں مدرس مقرر ہو گئے۔ تقریباً ۲ سال کے بعد اعلیٰحضرت مفتی محمد حسن صاحب قدس سرہٗ کے حکم پر بھیرہ چھوڑ کر فیروزپور چھاؤنی چلے گئے مگر وہاں سے عدم موافقت کی بناء پر جلد ہی چھوڑ کر گوجرانوالہ تشریف لے آئے اور مولانا محمد چراغ کی دعوت پر آپ مدرسہ عربیہ بیرون سیالی دروازہ مسجد ارائیاں گوجرانوالہ میں مدرس مقرر ہو گئے جہاں تقریباً آٹھ نو سال تک تدریسی فرائض سرانجام دیتے رہے۔ اس کے بعد ۱۹۵۱ء میں حج بیت اللہ اور زیارات نبویؐ سے مشرف ہوئے۔

مدرسہ اشرف العلوم کا قیام

مئی ۱۹۵۲ء میں زیر سرپرستی قطب زمن مخدوم الامت اعلیٰحضرت مفتی محمد حسن صاحبؒ مسجد شیخاں اندرون شیخوپورہ دروازہ گوجرانوالہ میں مدرسہ اشرف العلوم کا افتتاح کیا گیا۔

چند ماہ بعد ۱۹۵۲ء میں مدرسہ ہذا کو چند ناگزیر حالات کی بناء پر مسجد عبداللہ خونی ملہ بجنے والا میں منتقل کر دیا گیا۔

ابتداء ۱۹۵۳ء میں محلہ باغبان پورہ حافظ آباد روڈ پر تقریباً چار کنال زمین کا انتظام ہو گیا تو فوری ضروریات کے لئے چہار دیواری اور معمولی چھپروں، کچی تعمیر کا بندوبست کر کے مدرسہ کو مستقل طور پر یہاں منتقل کر دیا گیا۔ انہی ایام میں تحریک ختم نبوت کے سلسلہ میں آپ کی گرفتاری عمل میں آئی۔ مگر مدرسہ میں تعلیم کا سلسلہ جاری رہا۔ رہائی کے بعد آپ نے پوری توجہ مدرسہ کی طرف مبذول فرمائی اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مدرسہ دن بدن ترقی پذیر ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ اسوقت ایک عالی شان وسیع و عریض اشرفیہ جامع مسجد اور اس سے ملحقہ متعدد دو منزلہ کمرے تیار ہو چکے ہیں جہاں تعلیم و تدریس، مدرسین کرام اور بیرونی طلبہ کے قیام و طعام اور دیگر جملہ ضروریات کا بہترین انتظام ہے۔

مدرسہ اشرف العلوم میں علاوہ تعلیم درس نظامی کے تبلیغی اصلاحی اخلاقی اور روحانی تربیت کا بھی اپنے اکابر کے طریق پر خاطر خواہ انتظام موجود ہے۔ ان جملہ امور کے انتظام کے لئے مجلس شوریٰ ہے جس کے تحت ایک مجلس منتظمہ ہے جو تمام امور کی نگرانی کرتی ہے جس کے صدر و مہتمم حضرت مفتی صاحبؒ ہی رہے ہیں۔

مدرسہ اشرف العلوم کا مسلک

مدرسہ اشرف العلوم کا مسلک عقائدِ اہل سنت والجماعت اور فقہ حنفی کے مطابق ہے اور اس کا مشرب یعنی طریقِ فکر و عمل حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ کے مطابق ہے جس کی حفاظت کی ذمہ داری جملہ متعلقین مدرسہ کی ہے۔

بیعت طریقت و خلافت

جیسا کہ ابتداء میں حصولِ تعلیم کے ضمن میں بیان ہو چکا ہے کہ آپ کا طبعی رجحان فقیری اور اصلاحِ باطن کی طرف تھا مگر اپنے والد بزرگوار کے منشا پر جب علم شریعت تام طور حاصل کرنے کے بعد دوسروں تک پھیلانے کا سلسلہ شروع فرما دیا تو اب پھر ابتدائی طبعی تقاضا عود کر آیا اس تقاضا کو پورا کرنے کے لئے ذکر و اذکار شروع فرمائے اور پھر بشارات منامیہ سے متاثر ہو کر حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے خلیفہ ارشد مخدوم الامت مولانا مفتی محمد حسن صاحبؒ سے بذریعہ خط و کتابت اصلاح باطن و تربیت حاصل کرنے کا سلسلہ شروع کر دیا اور پھر اکثر اعلیٰحضرت کی خدمت اقدس میں حاضر ہونے کے لئے رات گیارہ بجے کی گاڑی سے سوار ہو کر ۵ بجے صبح کے قریب امرتسر پہنچ جاتے اور نماز فجر کے بعد اعلیٰحضرت مخدوم الامتؒ کے درس قرآن مجید میں شرکت فرماتے اور پھر مسجد خیر الدین ہال بازار میں نماز ظہر کے بعد مثنوی شریف کے درس اور ملفوظات شریف کی مجلس میں تشریف رکھتے جو عصر تک قائم رہتی اور فیوضات و برکات سے مستفیض ہوتے اور اعلیٰحضرت ہی کی نگرانی میں ذکر و اذکار کا التزام فرماتے۔

الغرض حضرت مفتی صاحب مرحوم مطابق قواعد و ضوابط اعلیٰحضرت کے پاس حاضر ہوتے اور تربیت حاصل فرماتے رہے اور فیوضات و برکات سے نوازے گئے۔ آخر [illegible] میں مخدوم الامتؒ نے توکلاً علی اللہ آپ کو بیعت و تلقین کی اجازت مرحمت فرمائی۔ اس کے بعد آپ نے مدرسہ کی نگرانی کے ساتھ ساتھ تعلیمات باطنی کا سلسلہ بھی شروع فرما دیا۔ اب مدرسہ اشرف العلوم علوم شرعیہ کے ساتھ ساتھ اصلاح باطن اور افاضۂ نسبت مع اللہ کی آماجگاہ بن گیا اور تشنگانِ علم و معرفت سیراب ہونے لگے۔

اولاد بامراد

آپ کے چار صاحبزادے اور چھ صاحبزادیاں ہیں جو الحمدللہ سب کے سب عمومیات دین اور علم و عمل سے بہرہ ور ہیں آپ کے سب سے بڑے صاحبزادے مولانا محمد نعیم اللہ صاحب جنہوں نے حضرت مفتی صاحب مرحوم ہی کی سرپرستی و نگرانی میں حفظ قرآن مجید کے بعد درس نظامی کی تکمیل فرمائی اور جامعہ اشرفیہ لاہور سے دورۂ حدیث کی سند حاصل کی اور فارغ ہو کر اب مدرسہ اشرف العلوم ہی میں ناظم مدرسہ اور مدرس ہیں۔ دوسرے صاحبزادوں میں مولانا [illegible] اور حافظ فخر الدین، حافظ ظہیر الدین صاحب ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان چاروں صاحبزادوں کو حضرت مفتی صاحبؒ کا صحیح و عملی روحانی جانشین بنائے آمین۔

مناظرہ

"علم و فضل کی معرکہ آرائی"

ترتیب: ثاقب جالندھری

رمضان المبارک میں جامع مسجد الرشید ساہیوال میں تراویح کے بعد مولانا حبیب اللہ صاحب رشیدی کا درس حدیث ارشاد فرماتے جس کو سننے کے لئے دور دراز سے لوگ کثرت سے شریک ہوتے۔ پھر تو رمضان المبارک کی برکت اور کچھ مولانا کا انداز بیان کہ اس کی کشش اور تاثیر اس قدر تھی کہ تمام احباب کو نفع ہوتا اور مولانا اپنے درس میں خصوصیت سے روزانہ ایک واقعہ جو کہ نصیحت آموز اور عبرت انگیز ہوتا ضرور بیان فرماتے۔ یوں تو ہر واقعہ قابل ضبط تھا مگر انتیسویں شب کو مولانا نے ایک علمی مناظرہ بیان فرمایا جو احباب کے اصرار پر میں نے خصوصیت سے قلمبند کیا اور قارئین الرشید کی خاطر ہدیہ کر رہا ہوں۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کو ایک دن مراقبہ میں ارشاد ہوا کہ تم یہود کا لباس زیب تن کر کے دیر سمعان میں جاؤ اور یہودیوں کی عید میں شرکت کرو۔ حضرت بایزیدؒ اول تو اس سے گھبرائے لیکن جب اس قسم کا اشارہ متواتر ہوتا رہا تو آخر آپ نے یہودیوں کا لباس پہنا اور عید کے روز دیر سمعان میں تشریف لے گئے۔ جب تمام یہودی جمع ہو گئے اور ان کے بڑے بڑے عالم مجلس میں آ گئے تو سب سے بڑا راہب تقریر کرنے کے لئے اٹھا۔ لیکن جب کھڑا ہوا تو وہ تقریر پر قادر نہ ہو سکا۔ اس کے قلب پر ایک خاص اثر ہوا جس کے باعث اس کی زبان بے کار ہو گئی۔ جب دیر تک خاموش کھڑا رہا تو مجمع میں شور ہوا اور لوگوں نے اس سکوت کی وجہ دریافت کی۔ تو اس راہب نے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ آج ہمارے مجمع میں کوئی محمدی گھس آیا ہے میں تقریر نہیں کروں گا کیونکہ وہ ہمارا امتحان لینے آیا ہے۔

یہ سن کر تمام مجمع میں غصہ اور بے چینی کی لہر دوڑ گئی اور لوگوں نے اس راہب سے کہا کہ ہم کو اجازت دیجئے کہ ہم اسکو قتل کر دیں۔ راہب نے کہا کہ بغیر دلیل اور برہان کے قتل مناسب نہیں ہے بلکہ اتمام حجت کے طور پر اس سے گفتگو کر کے دیکھا جائیگا۔ یہ سن کر یہودی تمام اس نوارد کو تلاش کرنے لگے۔

راہب نے کہا اے محمدی میں تجھ کو تیرے نبی کا واسطہ دیتا ہوں کہ تو جس جگہ بیٹھا ہے وہیں کھڑا ہو جا اگر تو اسلام کے متعلق ہمارے شبہات دور کر کے ہم کو مطمئن کر دے تو ہم تیری اتباع کریں گے اور اگر تو ہمیں مطمئن نہ کر سکا تو ہم

مجھ کو قتل کر دیں گے۔ حضرت بایزیدؒ یہ سُن کر کھڑے ہو گئے اور سوالات کی اجازت دی۔

راہب: بتاؤ وہ ایک کیا ہے جس کا دوسرا نہیں؟

بایزیدؒ: ایسا ایک جس کا کوئی ثانی نہ ہو وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

راہب: وہ دو کیا ہیں جن کا تیسرا نہیں؟

بایزیدؒ: یہ دونوں رات اور دن ہیں جن کا تیسرا نہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ وجعلنا الیل والنہار آیتین

راہب: وہ تین چیزیں کیا ہیں جن کا چوتھا نہیں؟

بایزیدؒ: عرش، کرسی، قلم۔

راہب: وہ چار چیزیں بتاؤ جن کا پانچواں نہیں؟

بایزیدؒ: توریت، زبور، انجیل اور قرآن مجید۔

راہب: وہ پانچ چیزیں کیا ہیں جن کا چھٹا نہیں؟ بایزیدؒ: پانچ فرض نمازیں ہیں۔

راہب: وہ چھ کیا ہیں جن کا ساتواں نہیں؟ بایزیدؒ: وہ چھ دن ہیں جن میں آسمان وزمین کی تخلیق ہوئی۔ کما قال اللہ ولقد خلقنا السموات والارض فی ستۃ ایام۔

راہب: ایسی سات چیزیں بتاؤ جن کا آٹھواں نہ ہو؟

بایزیدؒ: سات آسمان خلق سبع سموات طباقاً۔

راہب: وہ آٹھ چیزیں کیا ہیں جن کا نواں نہیں؟

بایزیدؒ: حاملانِ عرش۔ ویحمل عرش ربک فوقھم یومئذٍ ثمانیۃ۔

راہب: وہ نو چیزیں کیا ہیں جن کا دسواں نہیں؟

بایزیدؒ: حضرت صالح علیہ السلام کی وہ بستیاں جن میں مفسد آباد تھے وکان فی المدینۃ تسعۃ رھط یفسدون فی الارض ولا یصلحون۔ راہب: عشرہ کاملہ سے کیا مراد ہے؟

بایزیدؒ: جو شخص حج تمتع کرے اور قربانی کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو اس کو دس روزے رکھنے چاہئیں ان دس ایام کے روزوں سے عشرہ کاملہ مراد ہے۔ (فصیام ثلثۃ ایام فی الحج وسبعۃ اذا رجعتم تلک عشرۃ کاملۃ)

راہب: وہ گیارہ، بارہ اور تیرہ چیزیں کیا ہیں جن کا خدا نے تذکرہ کیا؟

بایزیدؒ: حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی، بارہ مہینے ان عدۃ الشھور عند اللہ اثنا عشر شھرا اور حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب میں تیرہ چیزوں کو سجدہ کرتے دیکھا انی رأیت احد عشر کوکبا والشمس والقمر رأیتھم لی ساجدین

راہب: وہ کونسی قوم ہے جس نے جھوٹ بولا اور جنت میں گئی اور وہ کون لوگ ہیں جنہوں نے سچ بولا اور جہنم میں گئے؟

بایزیدؒ: حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے جھوٹ بولا مگر جنت میں گئے۔ یا ابانا انا ذھبنا نستبق وترکنا یوسف عند متاعنا۔ اور یہود و نصاریٰ آپس میں ایک دوسرے کی تکذیب کرنے میں سچے ہیں لیکن دوزخ میں جائیں گے۔ وقالت الیھود لیست النصاریٰ علیٰ شیئ وقالت النصاریٰ لیست الیھود علیٰ شیئ۔

راہب: والذاریات ذروا فالحاملات وقرا فالجاریات یسرا فالمقسمات امرا۔ ان آیات کی تفسیر کیا ہے؟

بایزیدؒ: ذاریات سے مراد ہوائیں ہیں اور حاملات سے مراد پانی سے بھرے ہوئے بادل اور جاریات سے مراد کشتیاں ہیں اور مقسمات سے مراد فرشتے ہیں جو رزق تقسیم کرتے ہیں

راہب: وہ کیا چیز ہے جس کی طرف تنفس کی نسبت کی گئی ہے مگر اس میں روح نہیں ہے مگر پھر بھی تنفس موجود ہے۔

بایزیدؒ: وہ صبح صادق ہے جس میں روح نہیں ہے لیکن تنفس موجود ہے والصبح اذا تنفس۔

راہب: وہ چودہ چیزیں کیا ہیں جن کو اللہ تعالیٰ سے تکلم کا شرف حاصل ہے؟

بایزیدؒ: ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں فقال لھا وللارض ائتیا طوعا او کرھا قالتا اتینا طائعین۔

راہب: وہ قبر کونسی ہے جو اپنے مدفون کو لئے پھری؟

بایزیدؒ: حضرت یونس علیہ السلام کی مچھلی فالتقمہ الحوت

راہب: وہ کونسا پانی ہے جو نہ آسمان سے برسا اور نہ زمین سے نکالا گیا؟

بایزیدؒ: حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کو جو پانی بھیجا تھا وہ گھوڑوں کا پسینہ تھا جو نہ آسمان سے برسا اور نہ زمین سے نکلا۔

راہب: وہ چار چیزیں بتاؤ جو نہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئیں اور نہ باپ کی پیٹھ سے گذری ہوں؟

بایزیدؒ: حضرت اسماعیل علیہ السلام کا مینڈھا، حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی اور حضرت آدم و حوا علیہما السلام

راہب: سب سے پہلا خون جو زمین پر بہا وہ کس کا تھا؟ بایزیدؒ: سب سے پہلا خون ہابیل کا تھا جو قابیل نے بہایا۔

راہب: وہ کونسی چیز ہے جسکو خدا نے خود ہی پیدا فرما کر خرید لیا؟

بایزیدؒ: مومن کا نفس۔ ان اللہ اشتریٰ من المؤمنین انفسھم۔ الخ

راہب: وہ کونسی آواز ہے جس کو خدا تعالیٰ نے پیدا کیا اور پھر اس کی برائی بیان کی؟

بایزیدؒ: وہ گدھے کی آواز ہے ان انکر الاصوات لصوت الحمیر

راہب: وہ کونسی مخلوق ہے جس کو خدا نے پیدا کیا اور اس کی عظمت سے خوف دلایا؟

بایزیدؒ: عورت کا مکر ان کیدکن عظیم

راہب: وہ کیا ہے جس کو خود ہی خدا نے پیدا کیا ہو اور پھر خود ہی اس کے متعلق سوال کیا؟

بایزیدؒ : حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا ہے وما تلک بیمینک یا موسیٰ قال ھی عصای

راہب : عورتوں میں بزرگ ترین عورتیں اور دریاؤں میں سب سے افضل دریا کون سے ہیں؟

بایزیدؒ : عورتوں میں حضرت حوّا ، خدیجۃ الکبریٰؓ ، عائشہ صدیقہؓ ، آسیہؓ ، فاطمہ زہراؓ ، مریم اور دریاؤں میں افضل جیحون ، سیحون ، دجلہ ، فرات اور نیل ہیں۔

راہب : بزرگ ترین پہاڑ اور بزرگ ترین چوپائے کون کون سے ہیں ؟

بایزیدؒ : جبل طور اور گھوڑے

راہب : مہینوں میں سے بہتر مہینہ کونسا اور راتوں میں سے بہتر رات کونسی ہے ؟

بایزیدؒ : بہتر مہینہ رمضان المبارک شھر رمضان الذی انزل فیہ القرآن۔

اور بہتر رات لیلۃ القدر لیلۃ القدر خیر من الف شھر۔

راہب : ایک درخت میں بارہ ٹہنیاں ہیں اور ہر ٹہنی میں ۳۰ پتے اور ہر پتے میں ۵ پھول ۲ دھوپ میں اور تین پھولوں پر سایہ ہے ؟

بایزیدؒ : درخت سے مراد سال ، ٹہنیوں سے مراد ۱۲ مہینے پتّوں سے مراد ۳۰ دن پھولوں سے مراد ۵ نمازیں اور ان میں ۲ دھوپ میں ظہر اور عصر اور تین سایہ میں مغرب ، عشاء اور فجر۔

راہب : وہ کیا شے ہے جس نے کعبۃ اللہ کا طواف کیا حالانکہ نہ اسمیں رُوح ہے اور نہ اسپر حج فرض۔

بایزیدؒ : حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی جب طوفان کی حالت میں جزیرۃ العرب پہنچی تو بیت اللہ کا طواف کیا۔

راہب : اللہ نے کتنے نبی مرسل پیدا کئے اور کتنے غیر مرسل ؟

بایزیدؒ : صحیح علم تو اللہ ہی کو ہے لیکن روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی ہوئے ہیں جن میں سے ۳۱۳ مرسل باقی غیر مُرسل تھے۔

راہب : وہ چار چیزیں کونسی ہیں جن کی اصل تو ایک ہے مگر ان کا رنگ و مزہ مختلف ہے ؟

بایزیدؒ : آنکھ ، کان ، ناک اور منہ کی رطوبت۔ آنکھ کا پانی کھارا ، منہ کا تھوک میٹھا اور ناک کی رطوبت ترش ہے۔

راہب : گدھا اپنی آواز میں کیا کہتا ہے ؟

بایزیدؒ : لعن اللہ العشار خدا ٹیکس وصول کرنیوالے پر لعنت کرے۔

راہب : کتے کی آواز کیا ہے ؟ بایزیدؒ : ویل لاھل النار من غضب اللہ دوزخیوں پر خدا کے غضب سے ہلاکت نازل ہو۔

راہب : بیل کی تسبیح کیا ہے ؟ بایزیدؒ : سبحان اللہ و بحمدہ۔

راہب : اونٹ کی تسبیح کیا ہے ؟ بایزیدؒ : حسبنا اللہ وکفیٰ باللہ وکیلا۔

اسلام کا عادلانہ نظام

مولانا غلام مرتضیٰ رشیدی شاہکوٹی

عدل کا لغوی معنی "برابر" کے ہیں۔ چنانچہ المنجد میں ہے: عدل المیزان و عدلہ معناہ اس نے ترازو کو برابر کیا پس وہ برابر ہو گئی اور اصطلاحی معنی کے بارے میں علامہ عینی مرحوم فرماتے ہیں کہ حقدار کو حق پہنچانا اور ظلم کرنیوالے سے غیر کے حق کو چھین لینا چنانچہ اسی معنی کی تائید سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پہلے خطبہ سے بھی ہوتی ہے کہ مسلمانوں کے خلیفہ بننے کے بعد خطبہ اول میں ارشاد فرمایا کہ "تم میں سے طاقتور میرے نزدیک اسوقت کمزور ہے جب تک اس سے غریب کا حق نہ دلا دوں اور تم میں سے کمزور میرے نزدیک اسوقت تک طاقتور ہے جب تک کہ اس کا حق اس کو نہ دلوا دوں۔"

تفسیر قرطبی میں عدل کی چار اقسام بیان کی گئی ہیں:

① عدل النفس باللہ — یعنی انسان اپنے نفس اور اپنے رب کے درمیان انصاف کرے جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حق کو اپنے نفس کے حق پر مقدم جانے اور خواہشات نفسانی کو اللہ تعالیٰ کے حق کے لئے چھوڑ دے۔

② عدل النفس — جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حق کے بعد اپنے نفس کے ساتھ عدل کا معاملہ کرے کہ اپنے نفس کو ایسی تمام چیزوں سے بچائے جس میں اس کی جسمانی یا روحانی ہلاکت ہو۔ اس کی ایسی خواہشات کو پورا نہ کرے جو اس کے انجام کار مضر ہوں۔ اور قناعت و صبر سے کام لے۔ نفس پر بلا وجہ زیادہ بوجھ نہ ڈالے۔ چنانچہ ایک حدیث میں اسی کی طرف اشارہ موجود ہے "ان لنفسك عليك حقا"۔

③ عدل النفس بالمخلوقات — اس کی حقیقت یہ ہے کہ تمام مخلوقات کے ساتھ خیرخواہی اور ہمدردی کا معاملہ کرے اور کسی ادنیٰ و اعلیٰ معاملہ میں کسی سے خیانت نہ کرے سب لوگوں کے لئے اپنے نفس سے انصاف کا معاملہ کرے کسی انسان کو اس کے کسی قول یا فعل سے کوئی ایذاء نہ پہنچے۔

④ ان تحکموا بالعدل — یعنی جب دو فریق آپس میں لڑیں اور کسی تیسرے آدمی کو حکم (ثالث) منتخب کریں تو ان کے درمیان انصاف کرے کسی فریق کی رعایت کے بغیر [illegible] ثبوت [illegible] کے

درمیان انصاف کرے تو کسی فریق کی رعایت کئے بغیر اللہ کا خوف کرتے ہوئے ان کے درمیان ٹھیک فیصلہ کرے۔ جیسا کہ سرکار کائنات فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مشکوٰۃ شریف باب الشفاعۃ فی الحدود میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ قریش کو فاطمہ بنت اسود نامی عورت نے چوری کر کے غم میں ڈال دیا۔ اور انہوں نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں کون سفارش کرے سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ اس کی جرأت سوائے محبوب رسول اسامہ بن زید کے اور کوئی نہیں کر سکتا چنانچہ اسامہ بن زیدؓ اس کام کے لئے تیار ہو گئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اتشفع فی حد من حدود اللہ کیا تو اللہ کی حدود میں سے کسی حد کے بارے میں سفارش کرتا ہے۔ پھر آپ نے کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا کہ تم سے پہلے لوگ اسی وجہ سے ہلاک کئے گئے کہ جب کوئی امیر شریف آدمی چوری کرتا تو اس کا ہاتھ نہ کاٹا جاتا اور اگر کوئی کمزور چوری کرتا تو اسے چوری کی سزا قطع ید کو جاری کر دیا جاتا اور فرمایا: ایم اللہ لو ان فاطمۃ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سرقت لقطعت یدھا یعنی اللہ کی قسم اگر فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم چوری کرتیں تو میں ان کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔

محدثین کرام فرماتے ہیں کہ جب یہ جملہ زبان پر آئے تو نعوذ باللہ منہ کہہ لینا چاہیئے یعنی اللہ تعالیٰ فاطمۃ الزہراؓ کو اس کام سے محفوظ رکھے کہ چوری جیسا شنیع کام کریں۔

عدل کے بارے میں صدہا واقعات پیش کئے جا سکتے ہیں لیکن ان میں سے چند پر ہی اکتفا کروں گا۔

عدلِ صدیقیؓ در معاملہ بیت المال

حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام لانے سے پہلے مکہ کے بڑے تاجروں میں شمار ہوتے تھے آپ کپڑے کی تجارت کرتے تھے اور یہ سلسلہ خلافت کے بعد تک جاری رکھا۔ مگر حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو عبیدہؓ نے فرمایا کہ اگر آپ تجارت میں لگے رہے تو خلافت کے کاموں میں خلل آتا ہے۔ فرمایا کہ میں بچوں کو کیسے پالوں؟ تو دونوں حضرات نے صائب الرائے صحابہ کرامؓ سے مشورہ کر کے بیت المال سے آپ کا وظیفہ قوت لایموت مقرر کیا۔ (اس وظیفہ کی مقدار تقریباً ڈھائی ہزار درہم سالانہ تھی) اس وظیفہ کے بارے میں مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی اپنی مشہور کتاب "اسلام کا اقتصادی نظام" میں رقمطراز ہیں کہ ایک دفعہ بی بی صاحبہ نے کہا کہ آج میٹھا کھانے کو جی چاہتا ہے! تو فرمایا بیت المال سے ملنے والا کا ہے میں تو اس میں سے زیادہ لے کر آخرت کو خراب نہیں کرنا چاہتا۔ چند روز بعد بی بی صاحبہ نے میٹھا تیار کر کے آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ کے دریافت کرنے پر بی بی صاحبہ نے فرمایا قوت لایموت سے میں کچھ بچا لیتی تھی اب کئی دنوں کا یہ جمع ہو گیا تھا لہٰذا اس کا یہ حلوہ تیار کیا ہے۔ آپ نے فوراً بیت المال کے نگران کو حکم دیا کہ میرے روزینہ سے اتنا کم کر دیا جائے کیونکہ بغیر میٹھا کھائے بھی زندگی گزر سکتی ہے۔ اور وہ تمام میٹھا بیت المال میں بھجوا دیا کہ اس کے مستحق ہم سے زیادہ غریب لوگ ہیں۔ اور اس روزینہ کے بارے میں مرتے وقت وصیت فرمائی کہ میرا اثاثہ بیچ کر بیت المال میں داخل کر دینا۔ اسی بات کو دیکھ کر سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ

اللہ تعالیٰ ابوبکرؓ پر رحم کرے کہ آپ نے اپنے جانشین کے لئے مشکل نمونہ چھوڑا۔

عدلِ فاروقیؓ

فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عدالت کے بارے میں تو اتنے واقعات ہیں کہ عقل حیران ہے۔ صرف ایک واقعہ پر اکتفاء کروں گا۔ جبلہ بن الایہم جو ملوکِ غسان کا آخری بادشاہ ہے اور اسلام کو قبول کرتا ہے اور اس کے اسلام کے بارے میں تمام مسلمانوں نے خوشی کا اظہار کیا اور مدینہ منورہ سے باہر نکل کر تمام مسلمانوں نے اس کا استقبال کیا۔

قاضی بیضاوی تفسیر بیضاوی شریف میں رقمطراز ہیں کہ ایک دفعہ تمام مسلمان خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے جن میں یہ جبلہ بن الایہم بھی طواف کر رہا تھا اس کی چادر ٹخنوں سے نیچے لٹک رہی تھی۔ ایک بدو کا پاؤں اس کی چادر پر آگیا۔ جبلہ نے غصے سے پیچھے مڑ کر دیکھا اور اعرابی کو ایک زوردار تھپڑ رسید کیا جس سے اس کی ناک کی ہڈی ٹوٹ گئی اس نے فاروقِ اعظمؓ سے شکایت کی۔ آپ نے اسکو بلا کر کہا کہ تو نے اسکو کیوں مارا؟ جبلہ نے جواب دیا کہ اس نے میری چادر کو روندا تھا اور اگر بیت اللہ کی حرمت مانع نہ ہوتی تو میں اس کا سر قلم کر دیتا۔ فاروقِ اعظمؓ نے پُرجوش لہجہ میں فرمایا کہ یا تو اسکو راضی کر لے ورنہ میں تمہیں وہ سزا دوں گا کہ تو یاد رکھے گا۔ جب اس نے یہ فیصلہ سنا تو کہنے لگا کہ اس (بازاری آدمی) کے بدلے میں مجھے سزا دی جائیگی؟ آپ نے فرمایا ہاں اسلام میں امیر و غریب کا کوئی فرق نہیں کیا جاتا۔ اس نے کہا مجھے مہلت دیجئے فاروقِ اعظمؓ نے کہا اچھا۔ اور رات کو بھاگ گیا اور عیسائی ہو گیا۔ اور بعد میں جب اسکا نشہ ہرن ہوا تو فاروقِ اعظمؓ کو خط لکھا کہ:

فیالیت امی لم تلدنی ولیتنی ۔ رجعت الی الامر الذی قال لی عمر

ترجمہ: کاش مجھے میری ماں نہ جنتی اور کاش میں فاروقِ اعظمؓ کی بات مان لیتا اور بظاہر میری رسوائی آخرت میں میرے کام آتی۔

حضرت فاروقِ اعظمؓ کو اپنے فیصلہ پر خوشی تھی کہ اسلام کے قانون کی خاطر اگر جبلہ جیسے ہزاروں آدمی بھی قربان کرنے پڑیں تو یہ سودا مہنگا نہیں۔

عدلِ عثمانیؓ

عدلِ عثمانیؓ کے بارے میں مولانا عبدالشکور لکھنوی فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ تنبیہاً آپ نے اپنے غلام کا کان مروڑا اور اس کے بعد خوفِ خدا کا اسقدر غلبہ ہوا کہ غلام سے فرمایا کہ تو مجھ سے قصاص لے لے اور تو بھی میرا کان مروڑ دے۔ اس نے حکم کی تعمیل کی اور آپ کا کان اپنے ہاتھ میں لیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ زور سے مروڑ کیونکہ میں نے بھی زور سے مروڑا تھا۔ اور فرمایا کہ دنیا میں قصاص کا ہو جانا آخرت کے قصاص سے بہتر ہے گویا کہ شاعر کے الفاظ میں و للہ در القائل

اگر میں نے کسی کو مارا ہو یا برا لقب کہہ کر پکارا ہو تو وہ آج آکر مجھ سے انتقام لے لے، نہ رکھے قیامت کے دن پہ یہ کام خجلت بروزِ قیامت نہ ہو، خدا کے سامنے مجھ کو ندامت نہ ہو۔

عدلِ علیؓ

خلافتِ علی المرتضیٰؓ کا دور ہے اور خود خلیفۂ وقت کی تلوار گم ہو جاتی ہے اور ایک یہودی کے پاس وہ تلوار موجود ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قاضی شریح کی عدالت میں مقدمہ درج کرایا کہ فلاں یہودی کے پاس میری تلوار موجود ہے وہ مجھے دلائی جائے۔ یہودی کو عدالت میں بلایا گیا۔ اس نے کہا یہ تلوار میری ہے قاضی نے

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے پوچھا کہ تمہارے پاس گواہ ہیں؟ حضرت علیؓ نے دو گواہ پیش کئے۔ ایک صاحبزادے حضرت امام حسنؓ اور دوسرے آزاد کردہ غلام قنبر۔ یہ دونوں گواہی دیتے ہیں۔ (حضرت علیؓ اور قاضی شریح کا اس میں اختلاف ہے کہ بیٹا باپ کی گواہی دے سکتا ہے اور قاضی شریح کے نزدیک نہیں (اوجز المسالک)) قاضی شریح نے گواہوں پر جرح کی کہ حسنؓ کیونکہ آپ کے بیٹے ہیں لہٰذا گواہی نہیں دے سکتے تو آپ کا گواہ ایک ہے لہٰذا آپ کے گواہ مسترد۔ یہودی کو قاضی شریح نے فرمایا کہ کیا تو قسم کھاتا ہے کہ یہ تلوار تیری ہے؟ اس نے جھوٹ قسم کھالی۔ تو قاضی نے خلیفہ وقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے خلاف فیصلہ دے دیا اور تلوار یہودی کو دے دی۔ دونوں عدالت سے باہر نکلے۔ حضرت علیؓ نہایت ہشاش بشاش تھے وہ یہودی حیران ہوا اور کہنے لگا کہ ایک بات سمجھ میں نہیں آئی کہ باوجود اس بات کے قاضی شریح آپ کا ماتحت افسر ہے اور آپ سے تنخواہ لیتا ہے اور پھر آپ کے خلاف فیصلہ کرتا ہے اور آپ پھر بھی خوش ہیں۔ آپ نے فرمایا میں اس لئے خوش ہوں کہ اس نے اسلامی قانون کے مطابق صحیح فیصلہ فرمایا ہے۔ یہودی نے کہا کہ یہ تلوار آپ ہی کی ہے اور میں نے محض آزمائش کے لئے ایسا کیا تھا۔ اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوگیا۔ اور جنگ صفین میں حضرت علیؓ کی طرف سے لڑتا ہوا شہید ہوا۔

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ وہ صحابہ کرام ہیں جن کی تربیت براہ راست نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی۔ اگر وہ بھی انصاف نہ کرتے تو کون انصاف کرتا۔ لہٰذا اس اشکال کو دور کرنے کے لئے میں ترکی کے بادشاہ سلطان مراد کا واقعہ پیش کرتا ہوں؛

"سلطان مراد نے اقلیم خجند سے ایک معمار بلوایا اور اسے مسجد تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ جب مسجد تعمیر ہوچکی تو سلطان مراد اسے دیکھنے آیا۔ بادشاہ کو مسجد کی تعمیر پسند نہ آئی اور اس نے غصہ میں آکر معمار کا ہاتھ کاٹ دیا۔ اس معمار نے عدالت میں جاکر دعویٰ دائر کر دیا اور قاضی نے بادشاہ وقت کو عدالت کے کٹہرے میں مدعی کے ساتھ لاکر کھڑا کر دیا۔

ڈاکٹر اقبال مرحوم نے اس کو رقت انگیز لہجے میں یوں بیان کیا ہے؛

؎ رنگ شاہ از ہیبتِ قرآں پرید ۔۔۔ پیش قاضی چو خطاکاراں رسید

یعنی قرآن کی ہیبت وجلال سے بادشاہ کا رنگ فق ہوگیا اور جب وہ قاضی کے سامنے خطاکاروں کی طرح پیش ہوا تو اس وقت عجیب مسحورکن منظر تھا؛

؎ یک طرف فریادی و دعوے گرے ۔۔۔ یک طرف شاہنشہ گردوں فرے

یعنی ایک طرف فریادی کھڑا تھا اور دوسری طرف شوکت وجبروت بادشاہ اور اس نے اپنے جرم کا اعتراف کرلیا اور ندامت وخجالت سے کھڑا تھا۔ قاضی نے فیصلہ دیا؛

؎ گفت قاضی فی القصاص آمد حیات ۔۔۔ زندگی گیرد بایں قانون ثبات

قاضی نے کہا اب تم سے قصاص لیا جائیگا اور اس قانون پر عمل کرنے سے ہی زندگی کو استحکام نصیب ہوتا ہے۔ راقم

عرض کرتا ہے کہ اصل میں اس آیت مبارکہ ولکم فی القصاص حیٰوۃ یا اولی الالباب میں فلسفہ قصاص بیان کیا گیا ہے جیسے کہ حجۃ اللہ البالغہ (شاہ ولی اللہ مرحوم) میں مذکور ہے۔ تحقیق کے لئے اس کی طرف مراجعت کریں۔

اور قاضی نے کہا:

عبد مسلم کمتر از احرار نیست خون شہ رنگیں تر از معمار نیست

یعنی عدالت کے سامنے آزاد و غلام دونوں یکساں ہیں۔ معمار کے بازو کا بہنے والا خون بھی اتنا ہی سرخ ہے جتنا بادشاہ کا خون سرخ ہے۔

چوں مراد ایں آیہ محکم شنید دست خویش از آستیں بیروں کشید

یعنی سلطان مراد نے جب اس آیت کو سنا تو سر تسلیم خم کرتے ہوئے اپنا ہاتھ آستین سے باہر نکالا تاکہ اسکو کاٹ دیا جائے۔

مدعی را تاب خاموشی نماند آیہ بالعدل والاحسان خواند

یہ منظر دیکھ کر مدعی کو یارائے ضبط نہ رہا فوراً اس نے یہ آیت پڑھی ان اللہ یأمر بالعدل والاحسان اور کہا کہ میں نے اس کو معاف کر دیا۔

یہ واقعہ تو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کا نہیں بہر حال اسلام کے عادلانہ نظام میں وہ راحت و آرام ہے کہ ہم و شما کی عقلیں اس کا تصور بھی نہیں کر سکتیں۔ کتاب الخراج قاضی ابو یوسف میں ایک روایت نقل کی گئی ہے اس سے اس کا کچھ اندازہ ہم لگا سکتے ہیں کہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسلام کے قانون کی ایک دفعہ اگر نافذ ہو جائے تو اس کا اتنا فائدہ ہے کہ کسان کی مرضی کے مطابق ایک ماہ بارش سے اتنا فائدہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اسلام کے عادلانہ قانون کو نافذ کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے تاکہ اس راحت کو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ سکیں۔

آہ
شیخ نذیر احمد مرحوم
ڈیرہ والے
شیخ اللہ بخش مرحوم

ادارہ جامعہ رشیدیہ [illegible] مخلص ساتھیوں اور فعال رضا کاروں سے محروم ہو گیا۔
شیخ اللہ بخش مرحوم مدرسہ کے قدیم معاونین [illegible] مخصوص احباب میں سے تھے۔
شیخ نذیر احمد مرحوم ڈیرہ والے ایک [illegible] کا رکن اور حضرت مہتمم صاحب کے خصوصی معتمد تھے
اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں [illegible] جگہ عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے۔
ہمارے قریبی [illegible] بھائی شیخ محمود صاحب کا جوان سال بیٹا جلی [illegible] کا شکار ہو گئے
[illegible] اللہ تعالیٰ مرحوم کی بخشش فرمائے۔ آمین
مدرسہ میں تمام حضرات کے لئے ایصال ثواب و قرآن خوانی کی گئی اور طلباء و اساتذہ [illegible] سب کے غم میں برابر کا شریک ہے۔ اور تعزیت کرتا ہے۔

شمع ہدایت

شانِ اولیاء اللہ

تحریر: مرزا وحید بیگ ظفر

بُرے افعال اچھے افعال یا اعمال کو فروغ کرتے رہتے ہیں مگر نیکیاں برائیوں کو فروغ نہیں کرتیں۔ تصوف کہتا ہے کہ برائیاں اور گناہ استغفار سے دور ہوتے ہیں مگر استغفار کا یہ مطلب نہیں کہ ایک مرتبہ گناہ کیا اور استغفار کر لیا اور سمجھ لیا کہ دوبارہ اس گناہ کی تکرار میں استغفار کی ضرورت نہیں رہی۔ استغفار کا مطلب گناہ سے تائب ہونا ہے۔ اور حتی کو ایسے منفی جذبات پر قابو پانا ہے تاکہ دوبارہ اس سے یہ سرزد نہ ہوں۔ ولی ان راہوں کو متعین کرتا ہے اور مبتدی کی راہنمائی کرتا ہے۔ اور اسکو بتاتا ہے کہ ایسے مقاموں سے کیونکر گذرنا ہے۔

فکرنو، کو بار آور (FERTELIZE) کرنے کیلئے ضروری ہے کہ انسان خاموشی اختیار کرے۔ انسان بہت باتیں کرنیکا عادی ہے جہاں باتیں زیادہ ہوتی ہیں وہاں عمل ناپید ہوتا ہے۔ کیونکہ فکر موجود نہیں اور لطف تو یہ ہے کہ جو لوگ باتیں زیادہ کرتے ہیں وہ یہی سمجھتے ہیں کہ ہم باتیں زیادہ نہیں کرتے! خاموشی سے فکر محرک ہوتا ہے اور وجود انسانی میں بلندی آتی ہے اور جوں جوں وجود میں بلندی آتی ہے انسان بیدار ہوتا چلا جاتا ہے اور دوسرے لوگوں کو بھی اپنے فکر سے بیدار کرتا چلا جاتا ہے یہی کام اولیاء کرام کا ہے یہ طبقہ بیدار اشخاص کا ہے۔ وہ بیدار لوگ تھے جو اوروں کو بھی بیدار کرتے تھے۔ ؎ خفتہ را خفتہ کے کند بیدار۔

خالق کائنات نے جس طریقے سے انسان کو تخلیق کیا ہے اس سے بہتر اس کی تخلیق ہونا ناممکن تھی۔ مگر اسکا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ خالق کائنات اس سے بہتر مخلوق کو تخلیق ہی نہیں دے سکتے تھے۔ حاشا وکلا قرآن کریم خود اس بات کا شاہد ہے کہ اس کائنات میں انسان سے بہتر مخلوق موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کے بعد سب سے بہتر شخصیت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو تخلیق فرمایا گیا جن کا ثانی نہ اس کائنات عالم میں پیدا کیا گیا اور نہ ہی تا قیام قیامت پیدا کیا جائیگا۔ مگر ہم جیسے انسان جو آپکو احسن تقویم سمجھ کر اشرف المخلوقات بن بیٹھے ہیں۔ احسن تقویم کا مطلب اشرف المخلوقات ہونا نہیں۔ یہ کس قدر بڑا دھوکہ ہے انسان کا دعویٰ علم کے زور پہ ہے حقیقت یہ ہے کہ انسان کو بہترین جسمانی اور ذہنی ترتیب پر بنا کر نامکمل چھوڑ دیا گیا ہے کہ وہ بتدریج اپنے شعور کو بیدار کر کے اپنے وجود کو بلند کرے اور تکمیل تک پہنچائے۔ اس نے علم اور وجود کا ساتھ ساتھ جاری رہنا ہے اور عمل اور فکر اس وجود اور علم کے ہمراہ ہیں اور ایک ساتھ ان سب کا نشوونما ہونا ہے۔ انکی تفصیل کا متقاضی ہے۔ ظواہر سے متعرض ہے۔ علم عمیق کا متلاشی ہے۔ ان دونوں کے امتزاج سے شعور کو بیداری نصیب

ہوتی ہے۔ انسان کے اندر یہ خاصہ نمودار نہیں ہوتا ہم ایک دوسرے کو بھی نہیں سمجھ سکتے اسی بیداری کے لئے علم لدنی کو ضروری سمجھا گیا ہے۔ علم لدنی کو ہم علم باطن بھی کہہ سکتے ہیں مگر اس سے ESOTERIC KNOWLEDGE کا مفہوم سمجھ آجائے۔ اس علم باطن سے علم تصوف پیدا ہوا ہے جس کی تلقین کے لئے اولیاء کرام کا طبقہ وجود میں آیا۔

اب ایک اہم چیز جو ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ فکر کی تخلیق کیونکر ہوتی ہے؟ مادی دنیا میں کسی بھی تخلیق کے لئے مشین کی ضرورت ہوتی ہے۔ انسان کو بھی مشین سے تشبیہ دی گئی ہے مگر انسان مشین نہیں بلکہ ایک مکمل کارخانہ ہے جس کے اندر سینکڑوں قسم کی مشینیں کام کرتی ہیں۔ ہر مشین کے لئے ایک تقسیم کار ہے اور اس میں ہمہ تن مصروف ہے اس کے لئے کوئی لمحہ بھی آرام کا نہیں۔ یہ مشینیں کئی رفتاروں سے کام کر رہی ہیں دل کی دھڑکن اس کارخانہ کا گھڑیال ہے جس کی ٹک ٹک سے آپ تمام مشینوں کے کام کی رفتار کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ ان تمام مشینوں کے اندر مختلف قسم کے تیل یا لعاب ان کی حرکت میں امداد دے رہے ہیں یہ سب مختلف تیل یا لعاب ایک ہی خون سے پیدا ہو رہے ہیں۔ فتبارک اللہ احسن الخالقین۔ اور ہر مشین کی ضرورت کو یہ پورا کئے جا رہے ہیں۔ ان کی دھار سب کو علیحدہ علیحدہ راس آتی ہے کہیں کوئی تیل بدلنا نہیں پڑتا خود بخود صاف ہوتا چلا جاتا ہے (ثم فتبارک اللہ) کیا یہ ضروری نہیں ہے کہ انسان اپنے اس کارخانہ کی مشینوں سے واقفیت حاصل کرے! جب تک وہ ان سے واقف نہ ہوگا وہ ان کا صحیح مصرف نہیں سمجھ سکتا اور ان کو اعتدال پر نہیں لا سکتا اس کا علم غور و فکر سے پیدا ہوتا ہے اور کچھ مطالعہ سے۔ اس کو غور و فکر کی نئی راہیں تلاش کرنا ہوں گی پھر وہ ملاحظہ کرے گا کہ ہر مشین ایک نئی صنعت تیار کرتی چلی جاتی ہے جو ایک نئے فکر کی تخلیق کا موجب ہوتی ہے۔ ان تمام کے مجموعی افکار سے فکر تو تخلیق پاتا ہے جس سے انسان بیدار ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ یہ بات شاید سمجھنا مشکل ہو مگر ذاتی مشاہدہ سے یہ راز کھل سکتا ہے اسی لئے کہا گیا ہے کہ: وفی انفسکم افلا تبصرون۔ اور یہ جو فکر تخلیق پاتا ہے تو یہ انسان کے مختلف مراکز کے مابین ایک رابطہ قائم کر دیتا ہے جونہی یہ رابطہ یا تعلق قائم ہوا انسان بیدار ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ انسان کو جو چیز سُلاتی ہے وہ یہی قطع تعلق ہے ان مراکز کا آپس میں رابطہ منقطع ہوا انسان پر غنودگی طاری ہو گئی اور وہ سو گیا۔ انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد اولیاء کرام رحمہم اللہ اجمعین کو انسان کی بیداری کے لئے نامزد کیا گیا۔ اور ان سے کشف و کرامات کا ہونا ضروری بھی نہیں۔ اولیاء اللہ کی کشف و کرامات کا ذکر کیا گیا ہے مگر یہ ایک ایسی بات ہے جس پر خود کبھی صاحب کشف نے زور نہیں دیا اور ہمیں سزاوار نہیں کہ ہم بھی اس کو بیجا اہمیت دیں۔ انسان کا قاعدہ ہے کہ محیر العقول حادثات کا متلاشی رہتا ہے اس کو انہیں ایک عجیب قسم کی دلچسپی محسوس ہوتی ہے اور وہ ہاتھ دھو کر ان کے پیچھے پڑ جاتا ہے مگر یہ کسی کی بیداری کا پیمانہ نہیں اور نہ ہی اولیاء کرام کے لئے ضروری ہے کہ وہ صاحب کشف و کرامات ہوں بلکہ بعض دفعہ تو ان کو یہ بھی پتہ نہیں ہوتا کہ ان سے کشف صادر ہو رہا ہے۔ لہٰذا ایسی باتوں کی طرف زیادہ توجہ نہیں دینا چاہئیے۔

اصل بات ان کی تعلیمات ہیں اور اگر یہ انسان میں تغیر پیدا کر دیں تو یہ ان کا سب سے بڑا معجزہ ہے۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں:

حقیقت ایک ہے گو مختلف ہیں تعبیریں — فسانہ ہے نہ فسوں لَا اِلٰہ اِلَّا اللہ

اسلامی معاشرہ

اسلام میں عورت کا مقام

از: مولانا عبدالحق صاحب صدر نظام العلماء حیدرآباد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل پوری رُوئے زمین پر عورت کو گناہ کا مجسمہ سمجھا جاتا تھا اور بھیڑ بکری سے زیادہ وقعت نہ دی جاتی تھی۔ ہندوستان میں عورت اگر بیوہ ہو جاتی تو اسکو اپنے شوہر کیساتھ آگ کی چتا پر جلنا ہوتا اور جو قبیلے میں عورت کو مرد کے ساتھ جلنے پر مجبور نہ کرتے تھے اس کی زندگی بھی اجیرن ہو جاتی تھی۔ اسکو منحوس سمجھا جاتا تھا اور ساری زندگی عذاب میں گذر جاتی تھی۔ بیوہ کی شادی جائز نہ سمجھتے تھے۔ عرب میں بھی عورت کی زندگی بدترین تھی۔ بعض قبیلے لڑکی کو زندہ دفن کر دیتے تھے۔ عورت جب لڑکی کو جنم دیتی تو سمجھتی کہ بیٹی نہیں سانپ ہے۔ عورت کو فقط نفسانی خواہشات کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا ازواج کی تعداد پر کوئی پابندی نہ تھی۔ ولی جس کے پلے باندھ دیتا۔ عورت کی اجازت ضروری نہیں تھی۔ بحیثیت مال اس کی کوئی قدر نہیں تھی۔ خاوند کے فوت ہونے پر بیٹوں میں وراثت کی طرح تقسیم کر دی جاتی تھی۔ مرد اگر ناراض ہوتا تو طلاق دے دیتا اور رجوع کرتا پھر طلاق دے دیتا۔ تعداد طلاق کا کوئی تعین نہ تھا۔ عورت کو نہ تو خود اچھی طرح رکھتے اور نہ ہی کسی دوسری جگہ نکاح کی اجازت ہوتی۔ عورت ایسا بد قسمت جانور تھا کہ اس پر رحم کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا تھا۔ عورت کیساتھ جو فطری عوارض ہیں یعنی حیض و نفاس تو اس کے ساتھ ایسا برتاؤ کیا جاتا کہ ایک برص و جذام کے مریض کیساتھ بھی نہیں کیا جاتا لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ رحمۃ العالمین بن کر آئے تھے دنیا کی کایا پلٹ دی گئی۔ دنیا کو انسانیت کا سبق سکھلایا گیا۔ مقام آدمیت سے روشناس کرایا گیا جو لوگ پتھروں اور لکڑی کو معبود سمجھتے تھے۔ آگ دیوتا۔ جل دیوتا۔ سانپوں اور دریاؤں کی پوجا کرتے تھے کہیں شمس و قمر کی پوجا کی جاتی تھی تو کہیں آگ کو خدا سمجھا جاتا تھا۔ چھوٹے اور بڑے کا فرق انسانی معاشرے میں فتنہ و فساد کا باعث تھا۔ بادشاہ کا قول قانون کا درجہ رکھتا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کو اپنے مقام سے روشناس کرایا۔ اور بقول ڈاکٹر اقبالؒ:

ع یہ جہاں ہے تیرے لئے تو نہیں جہاں کے لئے

انسان کو سمجھایا گیا کہ تو خلیفۃ اللہ فی الارض ہے۔ اس کائنات کو تیرے لئے خالق حقیقی نے پیدا کیا ہے اور تجھے اپنی عبادت کے لئے وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبادت کا مفہوم سمجھایا کہ زندگی فقط رب جانا ہی سمجھا جاتا نہ ہو۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کرنے کے طریقے اپنی زندگی کا بہترین اسوہ حسنہ عمل کر کے دُنیا کے سامنے پیش کیا اور آقا و غلام کا فرق ختم کیا کہ جو خود کھاؤ غلام کو کھلاؤ جو خود پہنو غلام کو پہناؤ۔ اور دُنیا کو یہ سبق دیا کہ دنیا میں

ہر انسان آزاد پیدا ہوا ہے۔

عورت کے حقوق اسلام میں عورت کی چار حیثیتیں ہیں: ۱۔ ماں ۲۔ بیٹی ۳۔ بہن ۴۔ بیوی

ماں کو اسلام نے اتنی بلندی عطا کی کہ مرد کو کہا گیا کہ جنت ماں کے قدموں تلے ہے اور حکم دیا کہ ماں کے ساتھ ادب سے پیش آئیں اور ان کے سامنے اُف تک نہ کریں۔ جب ضعیف ہو جائیں تو ان کی خدمت نہایت ہی ادب سے کریں اور باقاعدہ جائیداد سے وارث قرار دیا گیا۔ بیٹی کی حیثیت میں وراثت کے علاوہ اس کی پرورش اور تعلیم و تربیت کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس کو بیٹی عطا فرمائے اور وہ شخص محبت و پیار سے اس کی پرورش کرے اور اس کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگشت شہادت اور اس کے ساتھ والی انگلی اٹھا کر فرمایا کہ جنت میں میرے ساتھ اس طرح ہوگا۔ بہن کے لئے بھی اسی طرح شفقت و محبت سے پیش آنے کی ہدایت فرمائی۔ بیوی کو دورِ جہالت کی طرح بے زبان نہیں رکھا گیا جب تک عورت بخوشی قبول نہ کرے نکاح نہیں ہو سکتا۔ عورت کی رضامندی کو نکاح کی شرط قرار دیا گیا۔ بیوی کا نان نفقہ رہائش و آرام سب کا ذمہ دار مرد کو ٹھہرایا گیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے بہتر مرد وہ ہے جو اپنے اہل بیت کے لئے خوش اخلاق ہو۔ فرمایا کہ بیویوں کو اپنی حیثیت کے مطابق اچھا کھانا اچھا پہننا اچھی رہائش مہیا کرنا مرد پر فرض ہے اگر مرد بیوی کے حقوق ادا نہیں کرتا مریجا کوتاہی کرتا ہے اور طلاق بھی نہیں دیتا تو عورت ایسے مرد سے خلع کا حق استعمال کر کے جدا ہو سکتی ہے۔ دورِ جہالت کی لاتعداد طلاقوں پر خطِ تنسیخ کھینچتے ہوئے تین طلاقوں کی حد مقرر کر دی گئی ہے۔ یہ ڈر کہ تین طلاقوں کے بعد بیوی سے ہمیشہ کے لئے جدا ہونا ہوگا طلاق سے گریز کریگا۔ تعدادِ ازواج پر پابندی لگا دی گئی۔ فقط چار شادیوں کی اجازت دی گئی وہ بھی مشروط کہ اگر سب سے انصاف کا برتاؤ کر سکو۔

ایک صحابی سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس شکایت لیکر آیا کہ میری بیوی گستاخ ہے اور مجھ سے تلخ کلامی کرتی ہے حضرت عمرؓ کے دروازے پر پہنچا تو سیدنا عمرؓ کی اہلیہ کی آواز آرہی تھی اور حضرت عمرؓ سے بلند آواز سے بول رہی تھیں۔ صحابی نے دروازے پر دستک دی۔ حضرت عمرؓ باہر آئے تو صحابی نے عرض کیا میں تو اپنی بیوی کی شکایت لیکر آیا تھا۔ درِ دولت پر حاضر ہوا تو آپ کی اہلیہ کی آپ سے بلند آواز باتیں کرنے کی آواز آرہی تھی۔ سیدنا حضرت عمرؓ نے فرمایا وہ میرے بچوں کی پرورش کرتی ہے۔ میری خدمت کرتی ہے اس لئے ہم پر بھی فرض ہے کہ ان کی کچھ باتیں برداشت کریں۔

غرضیکہ اسلام نے ماں، بیٹی، بہن، بیوی چاروں حیثیتوں سے عورت کو باعزت مقام عطا فرمایا لیکن اسلام سے قبل عورت جس طرح بے باکانہ زندگی گزارتی تھی جس سے معاشرے میں زنا کو فروغ تھا اور یہ فعل ایسے معاشرے کے لئے بگاڑ کا باعث ہے اسلئے عورت کو جہاں مردوں کے برابر حقوق دیئے وہاں کچھ معاشرتی پابندی بھی لگائی ہے۔

خواتین کیلئے فرمانِ الٰہی "اور مومن عورتوں سے کہو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کیا کریں اور اپنی آرائش (یعنی زیورات) کو ظاہر نہ ہونے دیں مگر جو اس میں سے کھلا رہتا ہو اور اپنے سینوں

پر اوڑھنیاں اوڑھے رہا کریں اور اپنے خاوند، باپ، خسر، بیٹوں اور بھائیوں، بھتیجوں، بھانجوں اور اپنی ہی قسم کی عورتوں، لونڈیوں غلاموں نیز ان خدام کے جو عورتوں کی خواہش نہ رکھتے ہوں یا ایسے لڑکوں جو عورتوں کے پردے کی چیز سے واقف نہ ہوں غرض ان لوگوں کے سوا کسی پر اپنی زینت اور سنگھار کے مقامات کو ظاہر نہ ہونے دیں۔ اور پاؤں ایسے طور پر زمین پر نہ ماریں کہ جھنکار کانوں تک پہنچے اور ان کا پوشیدہ زیور معلوم ہو جائے۔ اور مومنو! سب خدا کے آگے توبہ کرو تاکہ فلاح پاؤ۔

(پ ۱۸ سورۃ النور آیت ۳۱)

عورتوں پر اپنے باپوں سے (پردہ نہ کرنے پر) کوئی گناہ نہیں اور نہ اپنے بیٹوں سے اور نہ اپنے بھائیوں سے اور نہ اپنے بھتیجوں سے اور نہ اپنے بھانجوں اور نہ اپنی (قسم کی) عورتوں سے اور نہ لونڈیوں سے اور اے عورتو! خدا سے ڈرتی رہو بیشک خدا ہر چیز سے واقف ہے۔

(پ ۲۲ سورۃ الاحزاب آیت ۵۵)

اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مسلمان عورتوں سے کہدو کہ (باہر نکلا کریں تو) اپنے چہروں پر چادر لٹکا (کر گھونگھٹ نکال) لیا کریں اور یہ امر ان کے لئے موجب شناخت (و امتیاز) ہوگا تو کوئی ان کو ایذا نہ دے گا۔ اور خدا بخشنے والا مہربان ہے۔

(پ ۲۲ الاحزاب آیت ۵۹)

اور اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور جس طرح (پہلے) جاہلیت کے دنوں میں اظہار تجمل کرتی تھیں اس طرح زینت نہ دکھاؤ اور نماز پڑھتی رہو اور زکوٰۃ دیتی رہو اور خدا اور رسول کی فرمانبرداری کرتی رہو۔

(پ ۲۲ الاحزاب آیت ۳۳)

اور کسی مومن مرد اور مومن عورت کو حق نہیں ہے کہ جب خدا اور اس کا رسول کوئی امر مقرر کر دیں تو وہ اس کام میں اپنا بھی کچھ اختیار سمجھیں اور جو کوئی اپنے خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے وہ صریح گمراہ ہو گیا۔ (پ ۲۲ الاحزاب آیت ۳۶)

مندرجہ بالا آیات پر غور فرمائیں کہ اسلام کس طرح کا معاشرہ قائم کرنا چاہتا ہے۔ جس معاشرے میں زنا عام ہو جائے وہ جلد ہی تباہ ہو جاتا ہے اور خاندانی نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔ آج مغرب اور یورپی اقوام اسی حال سے دوچار ہیں اور کھلا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے کہ عورت کو آزادی دینے کے کیا اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔ اسلام میں مخلوط معاشرے کی کہیں گنجائش نہیں ہے۔

اب ایک ایک آیت پر غور فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ حکم فرماتے ہیں کہ مومن عورتوں سے کہو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ یہ بات قابل غور ہے کہ نگاہیں جب چار ہوتی ہیں تو اس کا سیدھا اثر قلب پر پڑتا ہے اور گناہ کی طرف رغبت ہوتی ہے یہی نگاہیں شیطان کا زہریلا تیر ہے جو مرد و عورت کے دلوں پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مرد و عورت دونوں پر نگاہیں نیچی کرنے کی پابندی عائد کی ہے۔ اور پھر عورت کو حکم دیا جا رہا ہے کہ اپنی آرائش کو ظاہر نہ ہونے دے اور اپنے سینوں پر اوڑھنیاں اوڑھے رکھا کریں۔ یہ حکم ہر وقت کا ہے اور گھر کا ہے کیونکہ اسلام نے محرم اور غیر محرم کی تقسیم کی اور تفصیل سے حکم صادر فرمایا ہے کہ جن سے نکاح نہیں ہو سکتا یعنی محرم ہیں فقط ان کے سامنے چہرہ کھول سکتی ہیں۔ اس پر غور فرمائیں کہ حکم دیا جا رہا ہے کہ اپنی قسم کی عورتوں او بنی اخوانهن او نسائهن اوپر آیت مبارکہ میں جہاں محرم رشتے ہیں کے سامنے اپنا چہرہ کھول سکتی ہیں یہ حکم بھی لاگو ہو رہا ہے کہ غیر عورت یا یہودیہ یا عیسائیہ عورت کے سامنے اپنا چہرہ کھول سکتی ہیں۔ تو مطلب صاف واضح ہے کہ مسلمان

عورت کے لئے ان عورتوں سے بھی پردہ کا حکم ہے جو بے پردہ آزاد گھومنے والیاں ہیں اور پارہ ۲۲ سورۃ الاحزاب میں ہے کہ ولا ابناء اخوانهن ولا ابناء اخواتهن کا حکم فرمایا ہے۔ جب چچازاد، پھوپھی زاد، خالہ زاد اور دیور سب پردے کے احکام واضح ہیں تو دیگر لوگوں کے سامنے بے پردہ ہونے کی کہاں اجازت ہے۔ اللہ تعالیٰ واضح حکم فرماتے ہیں: اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں، بیٹیوں اور مسلمان عورتوں سے کہو کہ باہر نکلا کرو تو اپنے چہرے پر چادر لٹکا کر گھونگھٹ نکال لیا کریں یعنی اگر باہر مجبوری گھر سے نکلنے کی ضرورت پڑ جائے تو باپردہ ہو کر نکلا کرو۔ شریف اور باحیا عورت کی یہی پہچان ہے۔ اور پھر حکم دیا گیا ہے کہ اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور دورِ جاہلیت کی طرح اظہارِ تجمل نہ دکھاتی پھرو۔ نماز پڑھو روزے رکھو زکوٰۃ دیتی رہو اور خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری کرتی رہو۔ اور آگے چل کر اسی سورت کی آیت ۳۶ میں واضح فرمان ہے کہ خدا اور اس کے رسول کے فرمان کے بعد مومن مرد اور عورت کو کوئی اختیار نہیں رہتا کہ وہ اپنی مرضی کرے جو اپنی مرضی پر چلے گا وہ خدا اور رسول کا نافرمان اور گمراہ ہے

اسلام میں مخلوط معاشرے کی ہرگز گنجائش نہیں

مندرجہ بالا احکامات کے بعد پوری اسلامی زندگی میں کہیں بھی عورت کو بے لگام آزادی نہیں دی گئی۔ نص قطعی کے بعد اسکا انکار صریحاً کفر ہے ایک شخص نماز نہیں پڑھتا لیکن نماز کی فرضیت کا قائل ہے تو وہ فاسق تو ہے کافر نہیں لیکن اگر نماز کی فرضیت ہی کا منکر ہے تو قطعاً کافر ہے۔ حج فرض اور ایک اہم عبادت ہے اور اس کی ادائیگی کے لئے بھی عورت کسی نامحرم کیساتھ سفر نہیں کر سکتی چہ جائیکہ وہ سیر و سیاحت یا دنیاوی اغراض کے لئے تنہا و غیر محرم کیساتھ سفر کرے۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے کیا۔
فرمایا: وہ واقعہ قابلِ غور ہے کہ حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ دربارِ نبوی میں حاضر ہوتے ہیں تو آپ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے فرماتے ہیں کہ پردہ میں ہو جاؤ۔ حضرت ام سلمہؓ عرض کرتی ہیں کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ تو نابینا ہے تو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اگر وہ نابینا ہے تو تم تو نابینا نہیں ہو۔ حالانکہ سورۃ الاحزاب سے یہ ثابت ہے کہ ازواجِ مطہرات کا تزکیہ نفس ہو چکا تھا جس کی جگہ تطہیر ہو چکی تھی تو یہ امتِ مسلمہ کے لئے سبق تھا کہ نابینا سے پردہ کیا جائے قرآن مجید اور حدیثِ رسولؐ سے غیر محرم سے پردہ کے احکام تو ملتے ہیں لیکن اس کے برعکس کوئی ثبوت نہیں ہے۔

غلط استدلال

اس دور کے مغرب زدہ احساس کمتری میں مبتلا مردوں اور عورتوں کا استدلال یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں عورتیں جہاد میں شریک ہوتی تھیں اور مجاہدین کو پانی پلاتیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں اس لئے موجودہ دور میں انکو مطلقاً ہر کام کی اجازت ہے حالانکہ خود انہی احادیث سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ عورتوں کی ذمہ داریاں مردوں سے مختلف ہیں یعنی وہ جہاد میں شرکت کرنے کے واسطے نہیں بلکہ پانی پلانے اور زخمیوں کی مرہم پٹی کے لئے شرکت کرتی تھیں۔ بلکہ مرہم پٹی میں بھی امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ یہ مرہم پٹی بھی ان کے محارم اور خاوندوں کی ہوتی تھی۔
امام ابن الہمامؒ فرماتے ہیں کہ جہاد میں دوا دارو اور پانی پلانے کے لئے بوڑھی عورتوں کو لیجاتے تھے عورتیں باقاعدہ شدید لڑائی میں شرکت نہیں کرتی تھیں اور نہ بلاضرورت اجنبیوں کو مرہم پٹی کرتی تھیں بلکہ اوّل تو بہر صورت اپنے رشتہ

خاوندکو مرہم پٹی کرتی تھیں اور اگر کسی اجنبی کی مرہم پٹی کرتی ہوتی تھیں تو احتیاط کا پہلو ملحوظ رکھا جاتا تھا۔ اگر اجازت عام ہوتی تو امام ابن الہمام بوڑھیوں کی قید نہ لگاتے۔ اور امام نووی جو حدیث کے مشہور امام ہیں محارم و خاوند کی قید نہ لگاتے۔

اسماء بنت یزید انصاریہ حضرت معاذ بن جبل کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی کہ مجھے عورتوں کی ایک جماعت نے اپنا نمائندہ بناکر بھیجا ہے جو سب کی سب وہی کہتی ہیں جو میں کہنے کو آئی ہوں اور سب کی وہی رائے ہے جو میں کہنے آئی ہوں۔ عرض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے رسول بناکر بھیجا ہے ہم آپ پر ایمان لائیں اور آپ کی پیروی کی لیکن ہم عورتوں کا حال یہ ہے کہ ہم پردوں کے اندر رہنے والی ہیں۔ ہمارا کام یہ ہے کہ مرد ہم سے اپنی خواہش نفس پوری کرلیں اور ہم ان کے بچے لادے لادے پھریں۔ مرد جمعہ، جماعت، جنازہ اور جہاد ہر چیز کی حاضری میں ہم سے آگے سبقت لے جاویں۔ وہ جب جہاد میں جاتے ہیں تو ہم ان کے گھر بار کی حفاظت کرتی ہیں اور ان کے بچوں کو سنبھالتی ہیں تو کیا اجر میں بھی ہم کو ان کے ساتھ حصہ ملے گا؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی یہ فصیح و بلیغ تقریر سن کر صحابہؓ کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور فرمایا کیا تم نے اس سے زیادہ بہتر کسی عورت کی تقریر سنی ہے جس نے اپنے دین کی بابت سوال کیا ہے؟ تمام صحابہؓ نے قسم کھا کر اقرار کیا کہ نہیں۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسماءؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا اے اسماء میری مدد کرو۔ اور جن عورتوں نے تمکو اپنا نمائندہ بناکر بھیجا ہے انکو میرا یہ جواب پہنچادو کہ تمہارا اچھی طرح خانہ داری کرنا اپنے شوہروں کو خوش رکھنا اور ان کے ساتھ سازگاری کرنا مردوں کے ان سارے کاموں کے برابر ہے جو تم نے بیان کئے ہیں۔ حضرت اسماءؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات سن کر خوشی خوشی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتی ہوئی واپس چلی آئیں۔

اسلام میں فریضۂ جہاد اصلاً و اوّلاً مردوں کے لئے مخصوص ہے اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو براہ راست جنگ میں حصہ لینے کا حکم نہیں دیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم جہاد کو سب سے افضل نیکی سمجھتی ہیں تو کیا ہم جہاد نہ کریں؟ آپ نے فرمایا نہیں، بلکہ تمہارے لئے سب سے افضل جہاد مقبول حج ہے۔ دوسری بخاری شریف میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں جہادکن الحج (تمہارا جہاد حج ہے)

اُمِ ورقہ کے متعلق روایت ہے کہ انہوں نے "بدر" میں شرکت کی اجازت چاہی تو آپ نے انکو اجازت نہ دی۔ وہ قرآن کی حافظہ تھیں۔ انہوں نے اس بات کی اجازت مانگی کہ انکو تعلیم قرآن کے لئے اپنے گھر میں عورتوں کو جمع کرنے کی اجازت دیدی جائے آپ نے ان کو اجازت دیدی۔

ایک شخص نے حضرت رابعہ بصریہ رحمہا اللہ سے بطور طنز کہا کہ عورت نبی نہیں ہوئی۔ انہوں نے برجستہ فرمایا ٹھیک ہے ہم نبی ہوا نہیں کرتیں بلکہ نبی جنا کرتی ہیں۔ مردم گری اور انسانیت سازی عورت کا ایک عظیم الشان منصب تھا۔ جس نے جنت ماؤں کے قدموں تلے رکھدی۔ جب پاکستان میں پہلی دفعہ ویمنز نیشنل گارڈ کی تشکیل کی گئی تو ملتان میں ایک جگہ لڑکیوں کی پریڈ ہورہی تھی۔

راہگذر بھی اس پریڈ کو دیکھ رہے تھے۔ پریڈ سکھانے والا ایک فوجی تھا اس نے ایک لڑکے سے کہا تمہاری چھاتی اوپر کو ابھری ہوئی نہیں ہے سینہ کیوں ہے۔ چھاتی اوپر کو کرو۔ سننے والوں میں سے ایک نے شام کو امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ صاحبؒ کو بتایا۔ آپ رونے لگ گئے۔ بات کو قاسم باغ ملتان میں جلسہ تھا آپ نے دوران تقریر یہ واقعہ سامعین کو بتایا۔ خود بھی روئے اور سامعین کو بھی رلایا۔ آپ نے فرمایا ان کا کام مجاہد بننا نہیں مجاہد بننا ہے۔

ایک سبق آموز قصہ

والیٔ افغانستان امان اللہ خان کے پڑدادا دوست محمد خان ۲۵ سال کی عمر میں غزنی سے انگریزوں سے جنگ لڑ رہے تھے کئی دن گذر گئے۔ جنگ کی کوئی خبر نہیں آرہی تھی والدین پریشان تھے۔ ان دنوں میں تار ٹیلیفون۔ وائرلیس وغیرہ کا انتظام نہ تھا۔ ایک شام کو دوست محمد خان کے والد گھر آئے کہ میں نے اڑتی ہوئی خبر سنی ہے کہ دوست محمد نے میدان جہاد سے فرار کیا اور دشمن نے تعاقب کر کے اسکو قتل کر دیا ہے۔ دوست محمد کی والدہ نے کہا نہیں یہ خبر غلط ہے اور کسی دشمن کی اڑائی ہوئی ہے میں اس خبر کو تسلیم نہیں کرتی۔ رات تشویش میں گذر گئی۔ دوست محمد خان کے والد صبح ہوتے ہی باہر چلے گئے۔ دوپہر کو واپس گھر آئے تو پھر اپنی بیوی سے کہا کہ اب تو میں نے خبر سنی ہے کہ ہمارا بیٹا کامیاب ہوا ہے اور میدان جہاد میں فتح حاصل کی ہے اور مال غنیمت کے ساتھ واپس آرہا ہے تو بیوی نے کہا یہ خبر درست ہے۔

دوست محمد کے والد نے کہا کہ کل کی بھی اڑتی خبر تھی اور آج کی بھی تم نے کیسے کل کی خبر کو غلط کہا اور آج کی خبر کو درست سمجھا؟ تو انہوں نے کہا کہ جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے کسی غیر محرم کی نگاہ میرے چہرے پر نہیں پڑی اور جب میں تمہاری بیوی بن کر آئی اور دوست محمد میرے پیٹ میں آیا میں ہر وقت باوضو رہتی تھی اور جب دوست محمد خان پیدا ہوا تو میں نے اسکو کبھی بھی بے وضو دودھ نہیں پلایا جس بچے کی پرورش میں نے اس طرح کی ہو وہ میدان جہاد میں شہید تو ہو سکتا ہے مفرور نہیں ہو سکتا اسلئے میں نے کہا تھا کہ یہ خبر غلط ہے۔

حضرت مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ سے مناظرہ

حضرت مولانا قاضی احسان احمد صاحب شجاع آبادیؒ ملتان سے بہاولپور خاص تشریف لا رہے تھے۔ گاڑی میں ایک مغرب زدہ تعلیمیافتہ نوجوان نے آپ سے پردہ کی بحث چھیڑ دی اور آج کل کے دور کی ترقی یافتہ نئی روشنی کے پردہ دہ لوگوں کے دلائل شروع کر دیئے کہ عورت بھی انسان ہے اسکو بھی مرد کی طرح آزاد ہونا چاہیئے۔ آدھی آبادی کو گھروں میں مقید کرنا کہاں کا انصاف ہے۔ قاضی صاحب مرحوم نے قرآن و حدیث سے دلائل دیئے لیکن وہ نوجوان بحث اور ہٹ دھرمی پر اڑا رہا اور یہ کہتا رہا کہ مرد کو اپنے نفس پر قابو رکھنا چاہیئے کسی دوسری عورت کو دیکھ کر اس کا دل کیوں مچلے گا وغیرہ وغیرہ۔

قاضی صاحبؒ نے ساتھ رکھا ہوا تھیلا اٹھایا اور اس میں سے ایک لیموں نکال کر اسکو کاٹنے لگے اور ٹیڑھی آنکھ سے اس نوجوان کو دیکھتے رہے جب لیموں کاٹنے لگا تو اس نوجوان نے لبوں پر زبان پھیری اور منہ میں پانی بھر آیا۔ قاضی صاحبؒ نے فرمایا لیموں میں کاٹ رہا ہوں آپ کے منہ میں پانی کیوں بھر آیا۔ اس نوجوان نے کہا کہ حضرت لیموں چیز ہی ایسی ہے قاضی صاحب مرحوم

بگڑ گئے اور ہوش میں آگئے، اور فرمایا لیموں میرا ہے میں کاٹ رہا ہوں آپ کے منہ میں پانی کیوں بھر آیا ہے۔ صاحب نفس پر قابو رکھئے
جب آپ دو پیسے کے لیموں کے لئے نفس پر قابو نہیں پا سکتے تو عورت اور بے پردہ بنی ٹھنی عورت جو مرد کی سب سے زیادہ کمزوری ہے
اس کو دیکھ کر کیسے اپنے نفس اور دل پر قابو رکھ سکو گے۔

غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے مرد و عورت کو بحیثیت انسان تو ایک جیسے حقوق دیئے ہیں مگر ان کا دائرہ کار جدا رکھا ہے۔ عورت کے
ذمہ انسانیت گری ہے اسکی گود میں نبی، صحابہ، امام، ولی، بزرگان دین اور دنیا کی نامور ہستیاں پرورش پاکر رہبر انسانیت بنیں
اگر عورت اپنے اس منصب کو چھوڑ کر مردوں کیساتھ دفتروں میں کلبوں میں اور جم خانوں میں کارخانوں میں کام کرتی پھرے گی تو پھر انسانیت
گری کا کام کون کرے گا یہی وجہ ہے کہ جب سے مغرب کی تقلید میں عورتیں اپنے منصب سے ہٹ گئی ہیں تو دنیا سے انسانیت
مفقود ہوتی جا رہی ہے۔

اِسلام کیا ہے

ہم آج تک یہی سمجھتے رہے ہیں کہ اسلام کتاب اللہ و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ قرآن مجید
متن ہے تو اسوۂ رسول تشریح ہے۔ اس سے ہٹ کر اسلام کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ قرآن کہتا ہے اپنی
نگاہیں نیچی رکھو اور اپنی آرائش ظاہر نہ ہونے دو لیکن اب ہمارا نیا اسلام ڈھالا جا رہا ہے (جیسا کہ موجودہ مغرب زدہ خواتین کہتی ہیں کہ
یہ آزادی ہم کو اسلام نے دی ہے) کہ عورت کلبوں میں، اداروں میں دفتروں میں چراغ محفل بنا اسلام ہے۔ اسلام نے محرم اور غیر محرم کی تقسیم
کی کہ عورت اپنا چہرہ فقط محرم کے سامنے کھول سکتی ہے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دیور سے پردے کے متعلق پوچھا گیا تو آپ
نے فرمایا کہ دیور تو موت ہے۔ قرآن مجید نے تو یہ حکم دیا ہے کہ وقرن فی بیوتکن اپنے گھروں میں قرار پکڑو۔ لیکن آج کیا نقشہ پیش
کیا جا رہا ہے کہ عورت بن ٹھن کر تنہا دنیا کا سفر کرتی پھرتی ہے اور یہ بھی کہتی پھرتی ہے کہ ہم کو اسلام نے یہ حق دیا ہے۔

قرآن مجید یہ کہتا ہے کہ عورت کو بامر مجبوری اگر گھر سے باہر نکلنا بھی پڑے تو اپنے چہروں پر چادر لٹکا لیا کریں اور اپنی زینت
کو ظاہر نہ ہونے دیں یدنین علیہن من جلابیبہن شریعت مقدسہ نے بامر مجبوری کامل ستر پوشی و حیاداری کی
شرط کیساتھ باہر نکلنے کی اجازت دی تھی اب اسکو جاذب نظر نیم عریاں لباس اور بیباک نگاہوں کے ساتھ دفتروں، ہوٹلوں
پارکوں سینماؤں اور سڑکوں پر گشت کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ عورت کی آواز بھی پردہ ہے جب اسکو بلند آواز
میں قرآن پاک پڑھنے کی اجازت نہیں۔ وہ امامت نہیں کر سکتی، تو پھر اسکو غیر محرموں کی محفلوں میں بن سنور کر جانے کی کس اسلام نے
اجازت دی ہے۔ عورت کے لئے حکم ہے کہ اس کے لئے بہتر ہے کہ صحن کی بجائے کمرے میں اور اگر بالکل پردے میں
نماز پڑھے گی تو زیادہ اجر ملے گا۔ اور اگر پس پردہ بات کرنے کی ضرورت بھی پڑ جائے تو اپنی فطری نسوانی آواز میں بات کرنے سے
بھی منع فرمایا ہے۔ اکبر الہ آبادی مرحوم فرماتے ہیں:

بے پردہ مجھ کو آئیں نظر چند بیبیاں　　اکبر یہ دیکھ غیرت قومی میں گڑ گیا
پوچھا جو ان سے پردہ تمہارا وہ کیا ہوا　　کہنے لگیں کہ عقل پہ مردوں کے پڑ گیا

ریشم کا وہ زریں و زرتار برقعہ — چھیلا وہ رنگین و طرح دار برقعہ
سہ غیر بیباک و بیکار برقعہ — جو اپنے ملیں تو حیادار برقعہ
اُٹھائے ہوئے برقعہ سبے پردہ آنا — جو اپنے ملیں تو اُٹی کرکے چھپانا

لباس اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے یٰبنی آدم قد انزلنا علیکم لباسا یواری سوءٰتکم وریشا ولباس التقوی ذلک خیر ذلک من ایٰت اللہ لعلھم یذکرون۔ (الاعراف آیت ۲۶)

"اے بنی آدم ہم نے تم پر پوشاک اُتاری کہ تمہارا ستر ڈھانکے اور (تمہارے بدن کو) زینت (دے) اور جو پرہیزگاری کا لباس ہے وہ سب سے اچھا ہے۔ یہ خدا کی نشانیاں ہیں تاکہ لوگ نصیحت پکڑیں۔"

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آیت نمبر ۲۷ اور ۲۸ کا ترجمہ بھی قارئین کی نظر کر دیا جائے:

"اے بنی آدم دیکھنا کہیں شیطان تمہیں بہکا نہ دے جس طرح تمہارے ماں باپ کو بہکا کر، بہشت سے نکلوا دیا اور اُن سے ان کے کپڑے اُتروا دیئے تاکہ ان کے ستر ان کو کھول کر ان کو دکھا دے۔ وہ اور اس کے بھائی تم کو ایسی جگہ سے دیکھتے رہتے ہیں جہاں سے تم ان کو نہیں دیکھ سکتے۔ ہم نے شیطانوں کو انہی لوگوں کا رفیق بنایا ہے جو ایمان نہیں رکھتے۔" (الاعراف آیت ۲۷)

"اور جب کوئی بے حیائی کا کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے بزرگوں کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے اور خدا نے بھی ہم کو یہی حکم دیا ہے۔ کہہ دو کہ خدا بے حیائی کے کام کرنے کا ہرگز حکم نہیں دیتا بھلا تم خدا (کی) نسبت ایسی بات کیوں کہتے ہو جس کا علم نہیں۔" (الاعراف آیت ۲۸)

مرد کو ناف سے گھٹنے تک ڈھانپنا ہر حالت میں فرض ہے اور عورت پاؤں کے ناخن سے لیکر سر کی چوٹی تک سراپا ڈھانپنے کی چیز ہے۔ عورت وہ ہے جو بالکل ڈھکی چھپی ہو، مستور وہ ہے جو سراپا ستر میں ہو۔ لباس کا مطلب ستر، آرائش اور زیب و زینت بھی ہے۔ ولباس التقوی ذلک خیر کا مطلب تو یہی ہے کہ لباس وہ ہو جس سے نظر بد سے بچنا اور عزت و عصمت کی حفاظت اور خوف خدا ہو۔ لیکن آج کل لباس کا مطلب جسم کی نمائش رہ گیا ہے۔ وہ لباس جس سے جسم کا خدوخال ظاہر ہو لباس میں شمار نہیں ہو سکتا۔ عورت جوان سنور کر تنگ بھڑکیلا لباس پہن کر باہر نکلتی ہے تو اس کا دل خطرناک بیماری میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ نہ دیکھنے والے بھی اسکو ضرور دیکھیں اور اس کے حُسن کی تعریف کریں۔ وہ برقعہ جو تنگ ہو اور بھڑکیلا ہو وہ بھی پردے میں شمار نہیں ہو سکتا۔

حکومت سے ایک سوال کوئی شخص اگر راستے میں کانٹے بکھیر دے کہ راہ گیروں کے پاؤں زخمی ہوں یا ان کے کپڑے کانٹوں سے الجھیں تو دنیا کا کوئی بھی انسان اسکو معاف کرنے کو تیار نہیں ہوگا۔ اس حرکت کو ناجائز اور انسان کو تکلیف دینے کا باعث سمجھیں گے۔ حالانکہ جس کو کانٹا چبھے گا بدن تو زخمی ہوگا۔ لیکن جب عورت نیم عریاں یا چست لباس

جس سے اسکے جسم کا ہر عضو ابھر کر ظاہر ہوتا ہو باہر نکلے گی تو کتنوں کے روح زخمی ہوں گے۔ کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جب عورت بن سنور کر گھر سے باہر نکلتی ہے تو سو شیطان اس کے ساتھ ہوتے ہیں۔ اور فرمایا کہ جو عورت خوشبو لگا کر گھر سے باہر نکلے وہ زانیہ ہے۔ شیطان نے ایسا دھوکہ دیا ہے کہ ذہنوں میں تو یہ ہے کہ لباس پہنا ہوا ہے لیکن حقیقتاً جسم سارا ننگا ہے کیونکہ جسم سارا جھلک رہا ہے۔ تنگ اتنا ہے کہ جسم کا سارا حصہ خصوصاً وہ حصہ جس کا ڈھانپنا نہایت ضروری ہے وہ عورت نظارگی دے رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ شیطان کے اس شر سے محفوظ رکھے۔

حکومت اگر معاشرے کو اسلامی نہج پر لانا چاہتی ہے اور اس میں مخلص ہے تو مخلوط معاشرہ مخلوط تعلیم کو ختم کرنا ہوگا عورت کے گھر میں رہ کر جو فرائض انجام دینے تھے۔ انسانیت کی جو تعلیم اس نے اپنے گھر میں دینی تھی اس سے اسکو ہٹا کر اور مردوں میں بٹھا کر غلط استعمال کر دیا ہے تو اس سے بے راہ روی تو بڑھ سکتی ہے (اور بڑھ رہی ہے) اسلامی معاشرہ نہیں بن سکتا۔ جو عورت گھر میں رہ کر اپنے باپ، بھائی، خاوند، اولاد کی خدمت نہیں کر سکتی لیکن ہوائی جہازوں میں، ہسپتالوں میں اور دفتروں میں غیر محرم کی خدمت بجا لاتی ہے۔ باپ بھائی اور خاوند کی خدمت کو تو غلامی سمجھا جائے لیکن چند ٹکوں کے لئے باہر بدنگاہی کا شکار ہوتی پھرے تو اسکو اسلام کا دیا ہوا حق سمجھتی ہے۔ خرد کا نام جنون، جنوں کا نام خرد۔

عورت کو کیا مانگنا چاہیئے

عورت کو پوری قوت و شدت سے اپنا جائز حق جو اسکو اسلام نے دیا ہے وہ ہے وراثت کا حق۔ ماں، بیٹی، بہن اور بیوی کی حیثیت سے مانگنا چاہیئے اور اگر اسکو جائز وراثت مل جائے تو عورت کا اقتصادی مسئلہ احسن طریقے سے حل ہو جاتا ہے اور اسکو کارخانوں، دفتروں میں چکر کاٹنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ بیوی کی حیثیت سے اس کا نان نفقہ سب خاوند پر ہے۔

ملتِ اسلامیہ کیلئے قابلِ غور بات

اسلام میں عورت کی چار حیثیتیں ہیں۔ ماں، بہن، بیٹی، بیوی۔ پانچویں قسم اسلام میں کہیں نہیں ہے۔ بیوی وہ ہے جو جائز طریقے سے نکاح میں آ جائے اس کے بعد مسلمان کے لئے یہ حکم ہے کہ اپنے سے بڑی عمر کی عورت کو ماں کی طرح سمجھے ہم عمر کو بہن کی طرح اور چھوٹی کو بیٹی کی طرح اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ فلموں ڈراموں میں عورت کو مختلف روپ میں ناچنا گانا پڑتا ہے اور کبھی کسی کی بیوی یا محبوبہ بننا پڑتا ہے اور اکثر یہ ہوتا ہے کہ ایک ڈرامے میں ماں ہے تو دوسرے میں محبوبہ دکھاتے ہیں۔ تو کیا وہ مسلمان اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مستحق ہو سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ آج عالم اسلام مختلف مصائب میں مبتلا ہے۔

ادھر ہم اسلامی معاشرے کی رٹ لگا رہے ہیں اور رات دن اسلام اسلام کی تسبیح پڑھ رہے ہیں لیکن عملی قدم ایک بھی نہیں۔ اگر اسلامی معاشرہ بنانا ہے تو قرآن و سنت کے مطابق نظام تعلیم مقرر کرنا ہوگا۔ بچپن سے بچوں کو اسلامی تعلیم اور اخلاق حسنہ سے روشناس کیا جائیگا ہر استاد اور ہر استانی جس کا طرز عمل اور علم اسلام کے مطابق نہ ہو فوراً اسکو سکول و کالج سے علیحدہ کیا جائے۔ بچپن سے جب تعلیم و تربیت اسلامی نہج پر ہوگی تو تب جا کر ڈاکٹر، انجینئر، وکیل، جج اور

انتظامی امور کو سنبھالنے والے بنیں گے تو معاشرہ خود بخود اسلامی ڈھانچے میں ڈھلتا چلا جائیگا۔ فی الحال تو جو نظام تعلیم چل رہا ہے اس کی مثال تو اس طرح ہے کہ کسی کا برتن چولہے پر رکھا ہوا ہے نیچے تیز آگ جل رہی ہے اوپر سے ہم پنکھا چلا کر اس کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اسکولوں کالجوں میں مخلوط اور غیر اسلامی تعلیم ملنی شروع ہو۔ بالکل یہاں غیر اسلامی ہو سکتے ہیں۔ استعداد کے انجینئر، ایکٹریس، گلوکاروں کی کھیپ تیار کی جارہی ہے۔

تمباکو، پیاز اور چاول وغیرہ کی فصل حاصل کرنے کے لئے پہلے پنیری کاشت کی جاتی ہے۔ اسی طرح ہمارے ٹیلیویژن نے ایک بچوں کا پروگرام شروع کر رکھا ہے۔ اس میں چھوٹے چھوٹے معصوم بچے اور بچیاں گانا گاتی ہیں۔ بظاہر وہ قومی گیت کے نام پر قوم کو بیوقوف بنایا جاتا ہے حقیقتاً وہ گلوکار اور گلوکاراؤں کی پنیری ہے اس پنیری سے اچھی خاصی فصل تیار ہو چکی ہے اور آج الا ماشاء اللہ ملک کی مشہور گلوکاراؤں میں ہوتا ہے۔ جو بچی آج طبلے کی تھاپ پر اور ہارمونیم کی تان پر گائے گی وہ کب اچھی بیٹی، اچھی بہن، اچھی بیوی اور اچھی ماں بنے گی۔ اور کیا وہ گلوکار بنیں گی یا عالم، فاضل، مجاہد اور پاکستان میں کر انسانیت گری کا کام کریں گی۔ کیا قوم کے ننھے بچیوں کو گانا بجانا سکھا کر اسلامی معاشرہ بنایا جارہا ہے اور کیا یہ اقبال کے شاہین بنیں گے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ اقبال کی روح کو تڑپایا جارہا ہے۔ اقبال نے تو ایک ہی شعر میں قوم کے عروج و زوال کا نقشہ یوں کھینچا ہے:

آ تجھ کو بتاؤں میں تقدیر امم کیا ہے — شمشیر و سناں اول طاؤس و رباب آخر

اقبال مرحوم نے تو قوم کو سبق دیا کہ اگر مومن مجاہد فی سبیل اللہ ہے تو قوم کو عروج حاصل ہوگا جیسے کہ اسلام کی تاریخ بتاتی ہے کہ جب قوم کا رجحان طاؤس و رباب سے دل بہلانے کا ہو گیا تو یہ قوم کو قعر ذلت میں لے جائیگا۔ افسوس ہے کہ یوم اقبال پر اسی شعر کو ساز پر گایا جاتا ہے اور اس طرح علامہ اقبال کو ہدیہ عقیدت پیش کیا جاتا ہے۔

آخری بات عورت کی عزت اسی میں ہے کہ وہ بحیثیت۔ بیوی۔ بیٹی۔ بہن اور ماں چہار دیواری خانہ میں گھر کی ملکہ بن کر وقار و شرافت سے بلند مقام حاصل کرے اور انسانیت کی تعمیر کرکے معاشرے کو اسلامی بنانے میں اپنا اہم کردار ادا کرے کیونکہ دنیا میں جتنے بڑے لوگ ہوئے ہیں وہ عورت کی تربیت کے ہی مرہون منت تھے نہ کہ شمع محفل بن کر دوسروں کے ہاتھوں میں کھلونا بن کر رہ جائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سمجھ عطا فرمائے۔ احکام خدا اور فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل پیرا ہونے میں ہی ہماری دنیا و آخرت کی بھلائی ہے۔

فاضل حبیب اللہ رشیدی مدیر "الرشید" و مہتمم ادارہ جامعہ رشیدیہ
زیارت حرمین شریفین و حج کیلئے سعودی عرب تشریف لیجا چکے ہیں۔

شمع ختم نبوت کے پروانے مجاہد ملت

حضرت مولانا فاضل حبیب اللہ رشیدی مدیر الرشید ناظم اعلیٰ جامعہ رشیدیہ عمرہ و حج اور زیارات حرمین شریفین کے سفر سعودی عرب جاتے ہوئے کراچی میں چند دن قیام فرمایا۔ مجلس تحفظ ختم نبوت کے ترجمان ہفت روزہ "ختم نبوت" کراچی کی کارکردگی اور رسالہ کی افادیت سے متاثر ہو کر اپنے قیمتی تاثرات کو قلمبند کیا جو کہ رسالہ "ختم نبوت" کراچی میں چھپے۔ قارئین "الرشید" کے استفادہ کی خاطر ہدیہ کیا جاتا ہے۔ (ادارہ)

دُعا و دعوت الرشید

تیرا فیض ہے عام دنیا پہ ساقی — شرابِ حقیقت سے سرشار کر دے

محبت سے، غیرت سے کر ہم کو واقف — تو خوابیدہ مسلم کو بیدار کر دے

مسلماں تو بُت شکن ہے ازل سے — بُتِ قادیاں کو بھی مسمار کر دے

تو ختم نبوت کا اقرار کر لے — بروزی برازی سے انکار کر دے

تو کر غرق ان کم تر بینوں کا بیڑا — مگر بیڑا اِسلام کا پار کر دے

مقابل خلیفہ کے جور و ستم ہیں — نگاہِ مسلماں کو تلوار کر دے

اِلٰہی مسلماں کو دیں کا رضا کار کر دے

دل و جاں سے اخیار و احرار کر دے

ماہنامہ
الرشید

چرمہائے قربانی

اور

طلبہ جامعہ رشیدیہ

○ جامعہ رشیدیہ رجسٹرڈ ساہیوال ملک وملت کے فوقانی جامعات میں ایک مثالی تربیت گاہ ہے۔ جامعہ طلبہ کی تعداد کے لحاظ سے سرفہرست ہے۔ جامعہ کے مہمان خانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں چار سو سے پانچ سو تک طلبہ زیر تعلیم و تربیت ہیں۔

○ جامعہ طلباء کے نقد وظائف اور جملہ معاشی اخراجات از قسم ملبوسات، خوراک، کتب سٹیشنری، معالجہ وغیرہ کا کفیل ہے اور یہ تمام اخراجات عامۃ الناس اور مخیر حضرات کے عطیات و صدقات، زکوٰۃ و عشر اور چرمہائے قربانی سے پورے کئے جاتے ہیں۔

○ عید قربان کے موقع پر طلبہ جامعہ رشیدیہ کو یاد رکھیں اور قربانی کی کھال جامعہ پہنچا کر دوہرے اجر کے مستحق بنیں۔ جامعہ کے طلبہ چرمہائے قربانی کے اولین مستحق اور بہترین مصرف ہیں۔ کھال اور دیگر اشیا بغیر رسید جامعہ کسی کو قطعاً اور ہرگز نہ دی جائے۔

خادم رشیدیہ: (پیرجی) عبدالعلیم ناظم جامعہ رشیدیہ
جی۔ ٹی روڈ ساہیوال

بیادگار : حضرت مولانا حافظ مفتی فقیر اللہ رحمہ اللہ رائپوری بانی جامعہ رشیدیہ

الرشید

شمارہ ۱۲ — ذوالحجہ سنہ ۱۴۰۲ھ

جلد ۱۰ — اکتوبر سنہ ۱۹۸۲ء

مدیر اعلیٰ — فاضل حبیب اللہ

مدیر مسئول و ناشر — عبدالرشید ارشد

سالانہ چندہ : -/۲۴ روپے
فی شمارہ : -/۲ روپیہ

مقام اشاعت — ۳۲ ۔ سی شاہ عالم مارکیٹ لاہور

خطاط — حزب اللہ خالد

پرنٹر — منہاج الدین اصلاحی
شرکت پرنٹنگ پریس نسبت روڈ لاہور

آئینہ مضامین

حبیب اللہ رشیدی

راشدات

مسئلہ قربانی پر ایک نظر

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب دامت برکاتہم

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ماعمل ابن آدم من عمل یوم النحر احب الی اللہ من اہراق الدم وانہ لیأتی یوم القیامۃ بقرونہا واشعارہا واظلافہا وان الدم لیقع من اللہ بمکان قبل ان یقع بالارض فطیبوا بہا نفسا۔ (ترمذی - ابن ماجہ)

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی عمل بقرہ عید کے دن خدا تعالیٰ کو خون بہانے سے زیادہ عزیز نہیں، اور وہ قربانی قیامت کے دن اپنے سینگوں اور بالوں اور کھروں سمیت آئے گی اور بے شک خون قربانی کا زمین پر گرنے سے پہلے ہی جناب الٰہی میں مقبول ہو جاتا ہے پس خوش کرو اس قربانی کے ساتھ اپنا دل۔"

مسئلے کی شرح سے پہلے ایک اصول سمجھ لیجئے اور یہ اصول جس طرح تکوینی ہے اسی طرح تشریعی بھی ہے۔ وہ یہ کہ خدا تعالیٰ نے اس کائنات کا ذرہ ذرہ دو چیزوں سے ملا کر بنایا ہے۔ ایک روح ایک جسم یعنی ایک چیز کی ایک روح ہے اور ایک جسم یعنی ہر چیز کی ایک صورت ہے ایک اس کی حقیقت ہے۔ ایک اس کی ہیئت ہے اور اس کی ماہیت ہے۔ یا یوں کہیے کہ ایک اس کا ظاہری حصہ ہے اور ایک باطنی۔ بغرض تمام انسان کل حیوانات، نباتات، جمادات کی جہاں ایک صورت ہے وہاں اسکی ایک حقیقت بھی ہے ایک اس کا بدن بھی ہے اور ایک اس کی روح بھی ہے اور ہر بدن میں خدا تعالیٰ نے اسکے مناسب روح ڈالی ہے جب حق تعالیٰ کی توجہ کائنات کی طاقتوں اور بدن بننے کی طرف متوجہ ہوئی تو یہی اصول مدنظر تھا۔

جب یہ بات سمجھ میں آگئی تو ساتھ ہی ساتھ یہ بھی سمجھ لیجئے کہ اس کائنات کی کوئی بھی چیز باقی نہیں رہ سکتی۔ جب اس کا بدن اور روح ملے ہوئے نہ ہوں۔ گویا بدن کی بقا موقوف ہے روح پر اور روح کی بقا بدن پر۔ اگر اپنے بدن کو توڑ پھوڑ کر خستہ و خراب کر دیا یا وہ خود ہی قدرتی طور پر خراب ہو گیا اور اس میں سکت باقی نہ رہی تو پھر اس میں روح نہیں ٹھہرتی بلکہ پرواز کر جاتی ہے۔ اس [illegible] روح کو سنبھالے رکھتا ہے۔

[illegible] انسان [illegible] روح [illegible] ہے [illegible] اس جسد کے ساتھ رہ سکتی ہے [illegible] تو روح بھی نہ رہے گی یہ نہ ہو گا کہ بدن کے ایک جز کو ختم کر دیں تو اس کی روح کسی دوسرے جز میں پہنچ جائے گی

مثلاً آنکھ ہے اس کی روح قوتِ بینائی ہے اگر آنکھ پھوڑ دی جائے تو یہ نہیں ہوتا کہ دیکھنے کی قوت ناک میں آجائے بلکہ یہ قوت باقی ہی نہیں رہتی۔ اسی طرح ناک ہے اس میں سونگھنے کی قوت ہے وغیرہ۔

غرضیکہ خداوند تعالیٰ نے جسقدر قویٰ پیدا کئے ہیں ان میں قوت اور روح کو پیدا کر دی ہے اور یہ دونوں مل کر کائنات کا حصہ بنتے ہیں۔ اگر دونوں کو الگ الگ کر دیا جائے تو اسی حقیقت کو موت کہتے ہیں اور اس حقیقت سے کائنات کی تمام اشیاء ختم ہو جاتی ہیں۔ ایک دوسرا اصول اور سمجھ لیجئے جو اسی سے متعلق ہے کہ بدن کے اندر جو قوتیں چھپی ہوئی ہیں ان کی پہچان ان ابدان ہی کے ذریعے کی جاتی ہے مثلاً قوتِ بینائی کی شناخت آنکھ سے کی جاتی ہے اور قوتِ سامعہ کی کان سے۔ غرض یہ صورتیں ان قوتوں کے تعارف کا ایک ذریعہ ہیں اگر یہ صورتیں نہ ہوں تو یہ تعارف ختم ہو جائے۔ اس اصول کا حاصل یہ ہوا کہ بدن ذریعہ ہے روح کی پہچان کا۔

اب تیسرا اصول اور سمجھ لیجئے کہ اگر روح تک آپ کوئی اثر پہنچانا چاہیں تو وہ بدن ہی کے ذریعے پہنچ سکتا ہے۔ اس عالم میں براہِ راست روح کو متاثر کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں۔ مثلاً اگر آپ روح پر گرمی کا اثر کرنا چاہیں تو بدن کو آگ کے سامنے لے جائیں گے جب بدن کو آگ کی تپش پہنچے گی تو پہلے بدن گرم ہو جائے گا اس کے بعد روح کو گرمی پہنچے گی اور اگر ٹھنڈک پہنچانا چاہیں تو آپ بدن پر پانی ڈالیں گے یا اس پر برف ملیں گے یا وضو کریں گے وغیرہ وغیرہ۔ غرض ہر تاثیر کے لئے بدن ذریعہ ہے بغیر بدن کے اثرات نہیں پہنچ سکتے۔

تو اب تین اصول معلوم ہوئے کہ بدن سے تین کام لئے جاتے ہیں۔ اول روح کے قیام و قرار کا، دوسرے روح کے تعارف کا اور پہچان کا، اور تیسرے تاثیر کا اور یہ تینوں باتیں اس قدر ظاہر ہیں کہ ان پر کسی دلیل کے قائم کرنے کی ضرورت نہیں، اور یہ تینوں اصول جس طرح تکوینی ہیں اسی طرح تشریعی بھی ہیں۔ یعنی اعمال شرعیہ میں بھی ایک صورت ہے۔ ایک روح اور بغیر صورت کے روح کا باقی رہنا ناممکن ہے۔ اسی طرح اگر روح تک کوئی اثر پہنچانا چاہیں تو وہ صورت ہی کے ذریعے پہنچ سکتا ہے۔ اس کی مثالوں سے شریعت بھری پڑی ہے۔

مثال کے طور پر وضو کو لیجئے کہ اس کی ایک صورت ہے ایک روح۔ اس کی صورت تو وہ خاص ہیئت اور افعال ہیں۔ جو انسان وضو کرنے کے وقت اختیار کرتا ہے یعنی ایک خاص طریقے سے بیٹھ کر اعضاء کا دھونا وغیرہ اور یہی ہیئت اس کے تعارف کا ذریعہ ہے چنانچہ آپ وضو کر رہے ہوں تو ہر شخص آپ کو دیکھ کر پہچان لیگا کہ آپ وضو کر رہے ہیں کھانا نہیں کھا رہے کیونکہ کھانے کی ہیئت اور ہے۔ اور ایک اس کی روح ہے یعنی طہارت حاصل کرنا تاکہ انسان اسکے بعد اللہ کے حضور حاضری کے قابل ہو سکے اور ایک اس کی تاثیر ہے یعنی وہ خاص قسم کا انشراح جو انسان کے قلب میں وضو کے بعد پیدا ہوتا ہے اور یہ طہارت اور انشراح بغیر وضو کی صورت اختیار کئے کسی طرح بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔

اسی طرح غسل کی ایک صورت ہے یعنی تمام جسم کو دھونا اور ایک اس کی روح ہے یعنی طہارت اور صفائی اور اس کی تاثیر

اور اسکی تاثیر فرح وانبساط ہے۔ اب اگر کوئی شخص تمام عمر غسل نہ کرے تو اسکو فرح وانبساط کی وہ خاص کیفیت کبھی نصیب نہ ہوگی۔ الغرض ہر چیز کی رُوح حاصل کرنے کے لئے اسکی صورت کا اختیار کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح آپ نماز کو لیجئے کہ اس کی صورت نیت باندھ کر کھڑے ہونا اور رکوع وسجود وغیرہ ادا کرنا ہے اور اسکی رُوح خدا تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنا اور اپنی عبدیت اور بندگی کا اظہار کرنا ہے تو اگر آپ نماز کی ہیئت اختیار نہ کریں تو بندگی کی یہ خاص صورت کبھی بھی حاصل نہ ہوگی اسی طرح زکوٰۃ اور روزہ وغیرہ عبادات ہیں کہ ہر ایک کی رُوح اور صورت ہے۔

تو یہ جو قربانی ہے اس کی بھی ایک صورت ہے اور ایک رُوح۔ صورت تو جانور کا ذبح کرنا ہے اور اس کی حقیقت ایثار نفس کا جذبہ پیدا کرنا ہے۔ تقرب الی اللہ ہے تو ظاہر ہے کہ یہ روح بغیر جانور کو ذبح کئے کیسے حاصل ہو سکتی ہے۔ یہ بات پہلے معلوم ہو چکی ہے کہ ہر صورت میں اس کے مطابق رُوح ڈال جاتی ہے نماز میں نماز کی رُوح، زکوٰۃ میں زکوٰۃ کی رُوح اور قربانی میں قربانی کی رُوح ڈال جاتی ہے۔ غرض خدا نے اس کی جو صورت مقرر کر دی ہے وہی اختیار کرنا پڑے گی، تب وہ رُوح اس میں ڈال جائے گی، اگر وہ کسی چیز کی قربانی طلب کریں تو قربانی دینی ہوگی۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ :

"یعنی تم خیر کامل کبھی نہ حاصل کر سکو گے یہاں تک کہ اپنی پیاری چیز خرچ نہ کرو گے"

اور محبوب چیز مال ہوتا ہے مال سے بھی زیادہ عزیز جانور ہوتا ہے کیونکہ جاندار ہونے کی وجہ سے اس سے زیادہ محبت ہوتی ہے کیونکہ اگر سامان ضائع ہو جائے تو دوسری گھڑ کر بنا سکتا ہے۔ بخلاف جاندار کے اگر فنا ہو گیا تو دوسرا نہیں ملتا اور یہ مال تو ایسی چیز ہے کہ فنا ہو کر ہی نفع پہنچاتا ہے۔

مثلاً اگر کسی کے پاس ایک کروڑ روپیہ رکھا ہوا ہے تو وہ بیکار ہے، اس سے کوئی نفع نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ اسے خرچ نہ کرے تو جب دنیوی منافع اسکو خرچ کئے بغیر نہیں مل سکتے تو رضائے حق جو اعلیٰ ترین نفع ہے وہ کیسے محبوبات کی قربانی کئے حاصل ہو سکتی ہے؟ اور محبوبات کیا ہیں؟ جان ومال اولاد آبرو اور غیرت وغیرہ۔ چنانچہ ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ :

یعنی بیشک اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی جان اور مال کو جنت کے بدلہ میں خرید لیا۔

غرض ان میں سے آپ کو ہر چیز لٹانی ہوگی تب کہیں بندگی کا اظہار ہوگا۔ درحقیقت جنت تو ایمان کے بدلے میں ملے گی اور اعمال تو ایمان کی شناخت کا ذریعہ ہیں جیسے اگر سونا خرید لیا جائے تو اس کو کسوٹی پر گھِس کر دیکھا جاتا ہے اگر کھرا ہے تو اس کی قیمت ادا کرتے ہیں ورنہ نہیں۔ تو اس جگہ قیمت سونے کی ہوتی ہے ان لکیروں کی نہیں ہوتی جو کسوٹی پر چڑھ جاتی ہیں۔ بس اسی طرح آخرت کے بازار میں جنت کے عوض میں ایمان کی قیمت ادا کرنا ہوگی اور ہمارے یہ اعمال ان لکیروں کی طرح ہمارے ایمان کی پختگی کی علامت ہے۔

تو اب یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ دُنیا میں جس طرح ہر چیز کی بقا کے لئے صورت کی ضرورت ہے اسی طرح اعمالِ شرعیہ کی رُوح کی بقا کے لئے ان کے جسم اور صورت کی ضرورت ہے۔ اگر کوئی شخص کہے کہ اعمال میں اصل تو رُوح ہے اسلئے رُوح کو لے لو اور صورت کو چھوڑ دو تو اسکو چاہیئے کہ یہ عمل اپنے اوپر جاری کرلے پہلے اپنے بدن کو ختم کردے اور خودکشی کرلے کہ میں تو بس اپنی رُوح کو باقی رکھوں گا ورنہ اگر خود بغیر صورت کے نہیں رہ سکتے تو پھر اعمالِ شرعیہ میں آخر کیوں یہ عمل جاری کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ شروع میں معلوم ہو چکا ہے کہ کائنات میں جس طرح مجموعہ بدن کے لئے مجموعہ رُوح ہے اسی طرح ہر چیز کی رُوح بھی ہے۔ جیسے آنکھ میں قوتِ بینائی اس کی رُوح ہے وغیرہ اسی طرح سارے مجموعہ اعمال کی روح ہے اور پھر ہر ہر عمل کی علیحدہ علیحدہ روح ہے اور اسی رُوح کا نام تقویٰ ہے۔ چنانچہ قربانی کے متعلق ارشاد ہے:

لن ینال اللہ لحومہا ولا دماءہا ولکن ینالہ التقویٰ منکم۔

"یعنی خدا تعالیٰ کو قربانی کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا لیکن تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔"

تو قربانی کی رُوح بھی تقویٰ ہی ہے ـــــ سو اگر کوئی یہ کہے کہ جب قربانی سے تقویٰ مقصود ہے تو پھر قربانی کی کیا ضرورت ہے بلکہ تقویٰ اختیار کرلو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ پھر سارے اسلام کو چھوڑ کر بس تقویٰ ہی اختیار کرلو کیونکہ روزہ کے متعلق ارشاد ہے:

کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون۔

تو روزہ کا حاصل بھی تقویٰ ہے۔ نماز کے متعلق ارشاد ہے

ان الصلوٰۃ تنھیٰ عن الفحشاء والمنکر نماز بے حیائی اور بُرے کاموں سے روکتی ہے۔

پھر ارشاد ہے کہ: لیس البر ان تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب ولکن البر من اٰمن باللہ والیوم الاٰخر والملٰئکۃ والکتٰب والنبیین واٰتی المال علیٰ حبہ ذوی القربیٰ والیتٰمیٰ والمساکین و ابن السبیل والسائلین وفی الرقاب واقام الصلوٰۃ واٰتی الزکوٰۃ والموفون بعھدھم اذا عاھدوا والصابرین فی البأساء والضراء وحین البأس اولٰئک الذین صدقوا واولٰئک ھم المتقون۔

"سارا کمال اسی میں نہیں کہ تم اپنا منہ مشرق کو کرلو یا مغرب کو لیکن کمال تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ پر یقین رکھے اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور کتب پر اور پیغمبروں پر اور مال دیتا ہو اللہ کی راہ میں رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں کو اور مسافر کو اور سوال کرنے والوں کو اور گردن چھڑانے والوں کو جو نماز کی پابندی رکھتا ہو اور زکوٰۃ بھی ادا کرتا ہو اور جو اشخاص اپنے عہدوں کو پورا کرنیوالے ہوں جب عہد کریں اور وہ لوگ مستقل رہنے والے ہوں تنگدستی اور بیماری میں اور قتال میں یہ لوگ ہیں جو سچے ہیں اور یہی لوگ ہیں جو متقی ہیں۔"

لیجئے سارے اسلام کا حاصل تقویٰ رہ گیا۔ اس لئے سب کو چھوڑ کر تقویٰ اختیار کرلیجئے لیکن یہ بالکل غلط ہے اس لئے کہ جس طرح ہر ہر چیز کی رُوح علیحدہ ہے اسی طرح ہر عبادت کا تقویٰ جداگانہ ہے۔ تو جو تقویٰ گوشت پوست کے لئے

پہنچتا ہے اور حاصل ہوتا ہے وہ کسی دوسری عبادت سے کیسے حاصل ہو سکتا ہے۔ مثلاً زید کی روح کو گدھے کے قالب میں کر دیا جائے تب بھی وہ زید نہیں بنے گا بلکہ گدھا ہی رہے گا۔ اسی طرح صدقہ صدقہ ہی رہے گا قربانی کا قائم مقام اسے کیسے کہ تو دنیا میں تو بغیر صورت کے چارہ نہیں اس لئے قربانی کرنی ہی پڑے گی ہاں آخرت میں پہنچ کر آپ قربانی نہ کریں کیونکہ صورت ضروری نہیں لیکن دنیا میں اگر آپ نے اعمال کی صورت کو ترک کر دیا تو یقین رکھیئے کہ آپ نے اس کی روح کو بھی فنا کر دیا۔ اسی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: الایمان سر والاسلام علانیۃ

اور چونکہ قربانی کا قائم مقام صدقہ اور کوئی عبادت نہیں اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

: ما عمل ابن آدم من عمل یوم النحر احب الی اللہ من اہراق الدم

بقر عید کے روز سب سے زیادہ محبوب قربانی ہے۔

تو اس روز سوائے اس عمل کے دوسرا عمل کیسے اس کا قائم مقام ہو سکتا ہے اور حدیث شریف میں ہے کہ صحابہ کرامؓ نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ قربانی کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا: تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت۔ صحابہ کرامؓ نے استفسار کیا کہ اس میں ہمارا کیا فائدہ ہے؟ آپ نے فرمایا: قربانی کے ہر بال کے بدلے نیکی ملے گی۔

قربانی کی حقیقت

اصل میں قربانی کی حقیقت تو یہ تھی کہ عاشق خود اپنی جان کو خدا تعالیٰ کے حضور میں پیش کرتا مگر خدا تعالیٰ کی رحمت دیکھئے کہ انکو یہ گوارا نہ ہوا اس لئے یہ حکم دیا کہ تم جانور کو ذبح کرو ہم یہی سمجھیں گے کہ تم نے آپ کو قربان کر دیا چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے خواب کے ذریعے بشارت دی کہ آپ اپنے اکلوتے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کی قربانی پیش کریں۔ اب دیکھئے یہ حکم اول تو اولاد کے بارے میں دیا گیا اور اولاد بھی کیسی اور فرزند بھی ناخلف بلکہ نبی معصوم ایسے بچہ کو قربان کرنا بڑا مشکل کام ہے حقیقت میں انسان کو اپنی قربانی پیش کرنا آسان ہے مگر اپنے ہاتھ سے اپنے کو ذبح کرنا بڑا مشکل کام ہے مگر حکم خداوندی تھا اس لئے آپ نے بیٹے کی محبت کو پس پشت ڈال کر حکم خداوندی کے آگے سر جھکا دیا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو لیکر منیٰ کے سفر میں تشریف لے آئے اور فرمایا کہ بیٹا مجھے خدا تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ تم کو ذبح کر دوں حضرت اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا افعل ما تؤمر یعنی آپ کو جو حکم ہوا وہ ضرور کیجئے۔ اگر میری جان کی ضرورت ہے تو ایک جان کیا ہزار جانیں بھی ہوں تو نثار ہیں چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رسیوں سے ان کے ہاتھ پاؤں باندھے اور چھری تیز کی۔ اب بیٹا خوش ہے کہ میں خدا کی راہ میں قربان ہو رہا ہوں۔ اُدھر باپ خوش ہے کہ میں اپنی قربانی پیش کر رہا ہوں چنانچہ حکم خداوندی کی تعمیل میں اپنے بیٹے کی گردن پر چھری چلائی تو چھری کند ہو گئی اور اسوقت حکم ہوا قد صدقت الرویا انا کذلک نجزی المحسنین۔ یعنی بیشک آپ نے خواب سچا کر دکھایا ہم نیکوکاروں کو اسی طرح جزا دیا کرتے ہیں۔ اور اب ہم اس کے عوض جنت سے ایک مینڈھا بھیجتے ہیں اور تمہارے بیٹے کی جان کے عوض ایک دوسری جان کی قربانی مقرر کرتے ہیں۔ وہاں سے گئے، مینڈھا یا بکری وغیرہ قربانی کے لئے فدیۃً مقرر ہو گیا اس سے معلوم ہوا کہ قربانی کا اصل مقصد جان کو پیش کرنا

اسلام کا عظیم الشان رُکن

مولانا محمد یوسف لدھیانوی

حج اسلام کا عظیم الشان رکن ہے۔ اسلام کی تکمیل کا اعلان حجۃ الوداع کے موقع پر ہوا اور حج ہی سے ارکانِ اسلام کی تکمیل ہوتی ہے احادیث طیبہ میں حج وعمرہ کے فضائل بہت کثرت سے ارشاد فرمائے گئے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے:
"جس نے محض اللہ کی رضا کے لئے حج کیا۔ پھر اس میں نہ کوئی فحش بات کی اور نہ نافرمانی کی وہ ایسا پاک صاف ہو کر آتا ہے جیسا ولادت کے دن تھا۔"

ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ سب سے افضل عمل کونسا ہے؟ فرمایا اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسولؐ پر ایمان لانا۔ عرض کیا گیا اس کے بعد فرمایا حج مبرور۔ (بخاری ومسلم)

ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک عمرہ کے بعد دوسرا عمرہ درمیانی عرصہ کے گناہوں کا کفارہ ہے اور حج مبرور کی جزا جنت کے سوا کچھ اور ہو ہی نہیں سکتی۔ (بخاری ومسلم) ایک اور حدیث میں ہے کہ پے درپے حج وعمرے کیا کرو کیونکہ یہ دونوں فقر اور گناہوں کو اس طرح صاف کر دیتے ہیں جیسے بھٹی لوہے اور سونے چاندی کے میل کو صاف کر دیتی ہے اور حج مبرور کا ثواب صرف جنت ہے۔ (ترمذی، نسائی، مشکوٰۃ ص۲۲۲)

حج عشقِ الٰہی کا مظہر ہے اور بیت اللہ شریف مرکز تجلیاتِ الٰہی ہے اس لئے بیت اللہ شریف کی زیارت اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالی میں حاضری ہر مومن کی جان تمنا ہے۔ اگر کسی کے دل میں یہ آرزو چٹکیاں نہیں لیتی تو سمجھنا چاہیئے کہ اس کے ایمان کی جڑیں خشک ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص بیت اللہ تک پہنچنے کے لئے زادِ راہ رکھتا تھا اس کے باوجود اس نے حج نہیں کیا تو اس کے حق میں کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ یہودی یا نصرانی ہو کر مرے۔ (ترمذی)

ایک اور حدیث میں ہے کہ جس شخص کو حج کرنے سے نہ کوئی ظاہری حاجت مانع تھی، نہ سلطان جابر اور نہ بیماری کا عذر تھا تو اسے اختیار ہے کہ خواہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر۔ (دارمی)

ذرائع مواصلات کی سہولت اور مال کی فراوانی کی وجہ سے سال بہ سال حجاج کرام کی مردم شماری میں اضافہ ہو رہا ہے لیکن بہت ہی رنج وصدمہ کی بات ہے کہ حج کے انوار وبرکات مدھم ہوتے جا رہے ہیں اور جو فوائد وثمرات حج پر مرتب ہونے چاہئیں وہ نہیں ہو رہے

اُمت محروم ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بہت تھوڑے بندے ایسے رہ گئے ہیں جو فریضۂ حج کو اس کی شرائط و آداب کی رعایت کرتے ہوئے ٹھیک ٹھیک بجا لاتے ہوں ورنہ اکثر حاجی صاحبان اپنا حج غارت کر کے "نیکی برباد گناہ لازم" کا مصداق بن کر آتے ہیں نہ حج کا صحیح مقصد ان کا مطمح نظر ہے نہ حج کے مسائل و احکام سے انہیں واقفیت ہے، نہ یہ سیکھتے ہیں کہ حج کیسے کیا جاتا ہے اور نہ پاک مقامات کی عظمت و حرمت کا پورا لحاظ کرتے ہیں۔ بلکہ اب تو ایسے مناظر دیکھنے میں آرہے ہیں کہ حج کے دوران محرمات کا ارتکاب ایک فیشن بن گیا ہے اور یہ اُمت گناہ کو گناہ ماننے کو بھی تیار نہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ظاہر ہے کہ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام سے بغاوت کرتے ہوئے جو حج کیا جائے وہ انوار و برکات کا کس طرح حامل ہو سکتا ہے اور رحمت خداوندی کو کس طرح متوجہ کر سکتا ہے۔

سب سے پہلے تو حکومت کی طرف سے درخواست حج پر فوٹو چسپاں کرنے کی شرط لگا دی گئی ہے اور غضب پر غضب اور ستم بالائے ستم یہ کہ پہلے پردہ نشین عورتیں اس قید سے آزاد تھیں لیکن نفاذ اسلام کے جذبے نے اب ان پر بھی فوٹو کی پابندی عائد کر دی ہے۔

پھر حجاج کرام کی تربیت کے لئے حج فلمیں دکھائی جاتی ہیں۔ جس عبادت کا آغاز فوٹو اور فلم سے ہو اسکا انجام کیا کچھ ہوگا یہ ہر کوئی سمجھ سکتا ہے اور پڑھے لکھے حاجی صاحبان بزعم خود حج فلمیں دیکھ کر حج کرنا سیکھ جاتے ہیں اس لئے نہ انہیں مسائل حج کی کسی کتاب کی ضرورت کا احساس ہوتا ہے اور نہ کسی عالم سے مسائل سمجھنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ نتیجہ یہ کہ جس کے جی میں جو آتا ہے کرتا ہے۔

حاجی صاحبان کے قافلے گھر سے رخصت ہوتے ہیں تو پھولوں کے ہار پہننا پہنانا گویا حج کا لازمہ ہے کہ اس کے بغیر حاجی کا جانا ہی معیوب ہے چلتے وقت خشیت تقویٰ، حقوق کی ادائیگی، معاملات کی صفائی اور سفر شروع کرنے کے آداب کا اہتمام ہونا چاہئے اسکا دُور دُور کہیں نشان نظر نہیں آتا گویا سفر مبارک کا آغاز ہی آداب کے بغیر محض نمود و نمائش اور ریاکاری کے ماحول میں ہوتا ہے۔

اب ایک عرصے سے صدر مملکت گورنر یا اعلیٰ حکام کی طرف سے جہاز میں حاجی صاحبان کو الوداع کہنے کی رسم شروع ہوئی ہے اس موقع پر بینڈ باجے، فوٹو گرافی اور نعرہ بازی کا سرکاری طور پر اہتمام ہوتا ہے۔ غور فرمائیے کہ یہ کتنے محرکات کا مجموعہ ہے:

سفر حج کے دوران نماز باجماعت تو کیا ہزاروں میں کوئی ایک آدھ حاجی ایسا ہوتا ہوگا جس کو اس کا پورا پورا احساس ہو کہ اس مقدس سفر کے دوران کوئی نماز قضا ہونے نہ پائے ورنہ حجاج کرام تو گھر سے نمازیں معاف کر کے چلتے ہیں اور بہت سے وقت بے وقت جیسے تیسے پڑھ لیتے ہیں مگر نمازوں کے اہتمام کی ان کے نزدیک بھی کوئی خاص اہمیت نہیں بلکہ بعض تو حرمین شریفین پہنچ کر بھی نمازوں کے اوقات میں بازاروں کی رونق دوبالا کرتے ہیں۔ قرآن کریم میں حج کے سلسلہ میں جو اہم ہدایت دی گئی ہے وہ یہ ہے:

"حج کے دوران نہ فحش کلامی ہو، نہ حکم عدولی اور نہ لڑائی جھگڑا۔"

اور احادیث طیبہ میں بھی حج مقبول کی علامت یہی بتائی گئی ہے کہ وہ فحش کلامی اور نافرمانی سے پاک ہو۔ لیکن حاجی صاحبان میں بہت کم لوگ ایسے ہیں جو ان ہدایات کو پیش نظر رکھتے ہوں اور اپنے حج کو غارت ہونے سے بچاتے ہوں۔ گانا بجانا اور داڑھی منڈانا بلا کسی اختلاف کے گناہ کبیرہ اور حرام ہے۔ لیکن حاجی صاحبان نے ان کو گویا گناہوں کی فہرست سے خارج کر دیا ہے۔ حج کا سفر ہو یا ہے

اور بڑے اہتمام سے ڈاڑھیاں صاف کی جاتی ہیں اور ریڈیو و ٹیپ ریکارڈ سے نغمے سنے جاتے ہیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اس نوعیت کے بیسیوں گناہ کبیرہ اور ہیں جن کے حاجی صاحبان عادی ہوتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں جاتے ہوئے بھی انکو نہیں چھوڑتے۔ حاجی صاحبان کی یہ حالت دیکھ کر ایسی اذیت ہوتی ہے جس کے اظہار کے لئے موزوں الفاظ نہیں ملتے۔

اسی طرح سفر حج کے دوران عورتوں کی بے حجابی بھی عام ہے بہت سے مردوں کے ساتھ عورتیں بھی دوران سفر برہنہ سر نظر آتی ہیں اور غضب یہ ہے کہ بہت سی عورتیں شرعی محرم کے بغیر سفر حج پر جاتی ہیں اور جھوٹ موٹ کسی کو محرم لکھوا دیتی ہیں۔ اس سے جو گندگی پھیلتی ہے وہ "اگر گویم زبان سوزد" کے مصداق ہے۔

جہاں تک اس ارشاد کا تعلق ہے کہ حج کے دوران لڑائی جھگڑا نہیں ہونا چاہیئے اسکا منشا یہ ہے کہ اس سفر میں کیونکہ ہجوم بہت ہوتا ہے اور سفر بھی طویل ہے اس لئے دوران سفر ایک دوسرے سے ناگواریوں کا پیش آنا اور آپس کے جذبات کے تصادم کا ہونا یقینی ہے اور یہی اس سفر کی سب سے بڑی کرامت ہے۔ اس کا حل یہی ہو سکتا ہے کہ ہر حاجی اپنے رفقاء کے جذبات کا احترام کرے دوسرے کی طرف سے اپنے آئینہ دل کو صاف و شفاف رکھے اور اس راستے میں جو ناگواری بھی پیش آئے اُسے خندہ پیشانی سے برداشت کرے خود اسکا پورا اہتمام کرے کہ اسکی طرف سے کسی کو ذرا بھی اذیت نہ پہنچے اور دوسروں سے جو اذیت انکو پہنچے اس پر کسی ردِ عمل کا اظہار نہ کرے۔ دوسروں کے لئے اپنے جذبات کی قربانی دینا اس سفر مبارک کی سب سے بڑی سوغات ہے اور اس دولت کے حصول کے لئے بڑے مجاہدہ و ریاضت اور بلند حوصلہ کی ضرورت ہے اور یہ چیز اہل اللہ کی صحبت کے بغیر نصیب نہیں ہوتی۔

عازمین حج کی خدمت میں بڑی خیر خواہی اور نہایت دل سوزی سے گذارش ہے کہ اپنے اس مبارک سفر کو زیادہ سے زیادہ برکت و سعادت کا ذریعہ بنانے کے لئے مندرجہ ذیل معروضات کو پیش نظر رکھیں۔

چونکہ آپ محبوب حقیقی کے راستہ میں نکلے ہوئے ہیں اسلئے آپ کے اس مقدس سفر کا ایک ایک لمحہ قیمتی ہے اور شیطان آپکے اوقات ضائع کرنے کی کوشش کرے گا۔ چنانچہ ایک حدیث کا مضمون ہے کہ "شیطان اپنے شریر لشکر کو اس پر مامور کرتا ہے کہ حاجیوں کے راستہ میں بیٹھ کر انکو راہ سے بے راہ کریں"

جس طرح سفر حج کے لئے ساز و سامان اور ضروریات سفر مہیا کرنے کا اہتمام کیا جاتا ہے اس سے کہیں بڑھ کر حج کے احکام و مسائل سیکھنے کا اہتمام ہونا چاہیئے اور اگر سفر سے پہلے اس کا موقع نہیں ملا تو کم از کم سفر کے دوران اس کا اہتمام کر لیا جائے کہ کسی عالم سے ہر موقع کے مسائل پوچھ پوچھ کر ہر موقع پر اس سے متعلقہ حصہ کا مطالعہ خوب غور سے کرتے رہنا چاہیئے۔ کتابیں یہ ہیں۔

۱۔ فضائل حج (از حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ) ۲: آپ حج کیسے کریں۔ از مولانا محمد منظور نعمانی۔ ۳: معلم الحجاج: [illegible]

اس مبارک سفر کے دوران تمام گناہوں سے پرہیز کریں اور عمر بھر کے لئے گناہوں سے بچنے کا عزم کریں اور اسکے لئے حق تعالیٰ شانہ سے خصوصی دعائیں بھی مانگیں یہ بات خوب اچھی طرح ذہن میں رہنی چاہیئے کہ حج مقبول کی علامت ہی یہ ہے کہ حج کے بعد آدمی کی

زندگی میں دینی انقلاب آجائے جو شخص حج کے بعد بھی بدستور فرائض کا تارک اور ناجائز کاموں کا مرتکب ہے اسکا حج قبول نہیں۔
آپ کا زیادہ سے زیادہ وقت حرم شریف میں گذرنا چاہیئے اور سوائے اشد ضرورت کے بازاروں کا گشت قطعاً نہیں ہونا چاہئے۔ دُنیا کا ساز و سامان آپکو سستا، اچھا بلکہ اپنے وطن میں بھی مل سکتا ہے لیکن حرم شریف سے میسر آنیوالی سعادتیں آپکو کسی دوسری جگہ میسر نہیں آئیں گی۔ وہاں خریداری کا اہتمام نہ کریں خصوصاً وہاں سے ریڈیو، ٹیلیویژن ایسی چیزیں لانا بہت ہی افسوس کی بات ہے کہ کسی زمانے میں حج و عمرہ اور کھجور اور آب زمزم حرمین شریفین کی سوغات تھی اور اب ریڈیو ٹیلیویژن ایسی ناپاک اور گندی چیزیں حرمین شریفین سے بطور تحفہ لائی جاتی ہیں۔
چونکہ حج کے موقع پر اطراف و اکناف سے مختلف مسلک کے لوگ جمع ہوتے ہیں اس لئے کسی کو کوئی عمل کرتا ہوا دیکھ کر وہ عمل شروع نہ کردیں بلکہ یہ تحقیق کریں کہ آیا یہ عمل آپ کے حنفی مسلک کے مطابق صحیح بھی ہے یا نہیں؟ یہاں بطور مثال دو مسئلے ذکر کرتے ہیں۔ ایک یہ کہ نماز فجر سے بعد اشراق تک اور نماز عصر کے بعد غروب آفتاب تک دوگانہ طواف پڑھنے کی اجازت نہیں اسی طرح مکروہ اوقات میں بھی اسکی اجازت نہیں لیکن بہت سے لوگ دوسروں کی دیکھا دیکھی پڑھتے رہتے ہیں۔ دوسرا مسئلہ یہ کہ احرام کھولنے کے بعد سر کا منڈوانا افضل ہے ایسے لوگوں کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار دُعا فرمائی ہے اور قینچی یا مشین سے بال اُتروانا بھی جائز ہے۔ احرام کھولنے کے لئے کم از کم چوتھائی سر کا صاف کرانا یا کترنا ضروری ہے اس کے بغیر احرام نہیں کھلتا۔ لیکن بے شمار لوگ جن کو صحیح مسئلہ کا علم نہیں وہ دوسروں کی دیکھا دیکھی کانوں کے اُوپر سے چند بال کٹوا لیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ انہوں نے احرام کھول لیا حالانکہ اس سے ان کا احرام نہیں کھلتا اور کپڑے پہننے اور احرام کے منافی کام کرنے سے ان کے ذمہ دم واجب ہو جاتا ہے۔ الغرض صرف لوگوں کو دیکھ دیکھ کر کوئی کام نہ کریں بلکہ اہلِ علم سے مسائل کی خوب تحقیق کر لیا کریں۔

معاونین غیر ملکی احباب کیلئے

- جامعہ رشیدیہ رجسٹرڈ ساہیوال کا کوئی نمائندہ یا سفیر یا کارکن کہیں بھی متعین نہیں۔ اس لئے کسی صاحب کو چندہ نہ دیا جائے۔ جامعہ کی رسید مصدقہ مطبوعہ پاکستان ضرور ملاحظہ فرمائیں۔
- ہمارے علم میں یہ بات آئی ہے کہ بعض حضرات اندرون و بیرون ملک خصوصاً برطانیہ میں جامعہ رشیدیہ کے نام پر چندہ وصول کرتے ہیں لہٰذا احباب ہرگز کسی کو چندہ نہ دیں بلکہ جامعہ رشیدیہ کا حساب و کتاب "حبیب بینک غلہ منڈی ساہیوال" میں چلتا ہے۔ اس واسطے سے براہ راست رقم جامعہ میں پہنچ سکتی ہے۔

● جامعہ کا اکاؤنٹ ۳۹۴ حبیب بینک غلہ منڈی ساہیوال ہے

فضائل و مسائل قربانی

ترتیب: قاری محمود احمد صاحب مدرس جامعہ رشیدیہ ساہیوال

فضائل: قربانی کرنا بڑا ثواب ہے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قربانی کے دنوں میں قربانی سے زیادہ کوئی چیز اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔ ذبح کرتے وقت خون کا جو قطرہ زمین پر گرتا ہے زمین پر پہنچنے سے پہلے ہی اللہ کے دربار میں مقبول ہو جاتا ہے۔ اور فرمایا قربانی کے جانور پر جتنے بال ہوتے ہیں ہر بال کے عوض ایک ایک نیکی لکھی جاتی ہے یہ ثواب قربانی کے دنوں کے علاوہ ذبح کرنے سے نہیں ملتا۔

قربانی کے ایام میں قربانی کی بجائے جانور کی قیمت خیرات کرنے سے ثواب ہرگز نہیں ملتا۔ لہٰذا ہر صاحب نصاب پر اپنی طرف سے ایک قربانی کرنا واجب ہے۔ اور باوجود استطاعت کے قربانی نہ دینے والا لعنت وعید کا مستحق ہے جیسا کہ حدیث میں ارشاد فرمایا گیا کہ جو شخص قربانی کرنے کی گنجائش رکھے اور قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ میں نہ آئے۔ بلکہ محبت و احسان کا ثبوت تو یہ ہے کہ گنجائش والا ایک قربانی سرکار دوعالم خاتم الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اور ایک ایک اپنے ماں باپ کی طرف سے بھی دیا کرے۔

مسائل: ○ ذی الحجہ کی نویں تاریخ کی نماز فجر سے تیرھویں تاریخ کی نماز عصر تک ہر فرض نماز کے سلام پھیرنے کے بعد مرد پر بلند آواز سے اور عورت پر آہستہ آہستہ آواز سے ایک ایک مرتبہ تکبیر تشریق کہنا واجب ہے جو درج ذیل ہے:

اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد۔

○ قربانی کے تین دن ہیں: دسویں، گیارھویں، بارھویں تاریخ۔ مگر پہلے دن قربانی کرنا افضل ہے پھر دوسرے، پھر تیسرے دن۔

○ رات کو قربانی کرنا جائز ہے لیکن پسندیدہ اور بہتر نہیں

○ قربانی کے جانور یہ ہیں: بکری، بھیڑ، دنبہ، ان کی قربانی ایک ایک آدمی کی طرف سے ہو سکتی ہے۔ گائے، بھینس، اونٹ کی قربانی میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں۔ بکرا، چھترا، دنبہ ایک سال، گائے دو سال اور اونٹ پانچ سال سے کم نہ ہوں، ورنہ قربانی جائز نہیں

○ اپنی قربانی کو خود ذبح کرنا بہتر ہے اگر خود ذبح کرنا نہیں جانتا تو دوسرے سے ذبح کراتے وقت خود وہاں کھڑے ہونا بہتر ہے

○ قربانی کے وقت کوئی نیت زبان سے پڑھنا ضروری نہیں۔ اگر صرف دل میں خیال کر لیا کہ میں قربانی کرتا ہوں اور زبان سے

کچھ نہیں کہا صرف بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کر دیا تب بھی قربانی درست ہے، لیکن اگر دعائے ماثورہ جو آگے آ رہی ہے، پڑھے گا تو بہتر ہے اور ثواب زیادہ ہے۔

○ قربانی کرتے وقت جانور کو قبلہ رخ لٹا کر یہ دعا پڑھے: إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَّمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ۝ اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ۔ پھر بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کرنے کے بعد یہ دعا پڑھے اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْهُ مِنِّي كَمَا تَقَبَّلْتَ مِنْ حَبِيبِكَ مُحَمَّدٍ وَّخَلِيلِكَ إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِمَا الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ۔

○ بہتر یہ ہے کہ قربانی کا گوشت ایک تہائی غریبوں اور مسکینوں پر صدقہ کرے ایک تہائی اپنے دوستوں کو دے اور ایک تہائی اپنے لئے اور اپنے اہل بچوں کے لئے رکھ لے۔ جس شخص کا کنبہ بہت ہو یا اور کوئی ضرورت ہو تو تمام گوشت خود خرچ کر سکتا ہے البتہ فروخت نہیں کر سکتا۔

○ کسی گائے میں سات آدمی شریک ہوئے تو گوشت وزن سے تقسیم کیا جائے اندازے سے تقسیم نہ کریں لیکن اگر کسی طرف گوشت کے ساتھ پائے اور کھال کو بھی شریک کر دیا گیا تو جس طرف پائے یا کھال ہو اسطرف اگر گوشت کم ہو تو درست ہے چاہے جتنا کم ہو۔ اور جس طرف گوشت زیادہ تھا اگر اس طرف پائے اور کھال شریک کئے تو سود ہوگا اور گناہ ہوگا۔

○ جس شخص کے ذمہ قربانی واجب نہ تھی مگر اس نے قربانی کی نیت سے کوئی جانور خریدا تو اس کے ذمہ اس کی قربانی کرنا واجب ہوگی، اسکو فروخت نہیں کر سکتا۔ اگر قربانی کے دن گزر گئے اور اس نے جانور ذبح نہ کیا تو زندہ جانور کو اللہ واسطے محتاجوں کو دے دینا چاہیئے، غنی اور منت ماننے والے کا بھی یہی حکم ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کسی پر قربانی واجب تھی لیکن قربانی کے تینوں دن گذر گئے اور اس نے قربانی نہیں کی تو ایک بکری یا بھیڑ کی قیمت خیرات کر دے اور اگر بکری خریدی تھی تو وہی بکری بعینہٖ خیرات کر دے۔ اسی طرح کسی شخص نے قربانی کرنے کی منت مانی پھر وہ کام پورا ہو گیا تو اب قربانی کرنا واجب ہے چاہے مالدار ہو یا نہ ہو۔

○ اگر قربانی کا جانور گم یا چوری ہو گیا، اس لئے دوسرا خریدا، پھر وہ پہلا بھی مل گیا۔ تو اگر امیر آدمی کو ایسا اتفاق ہوا تو ایک ہی جانور کی قربانی اسپر واجب ہوگی اور اگر غریب آدمی کو ایسا اتفاق پیش آیا تو اس پر دونوں کی قربانی کرنا واجب ہوگی۔

○ جس جانور کے سینگ پیدائشی نہ ہوں اسکی قربانی درست ہے لیکن اگر جڑ سے اکھڑ گیا تو درست نہیں۔ اتنا کمزور جانور ہو کہ اس کی ہڈیوں میں مغز بھی نہ رہا ہو اسکی قربانی درست نہیں۔ خصی جانور کی قربانی جائز ہے۔ جس جانور کا تہائی سے زیادہ کان یا تہائی سے زیادہ دم کٹی ہوئی ہو اس کی قربانی درست نہیں۔ اور جس جانور کے دانت بالکل نہ ہوں اس کی قربانی

بھی درست نہیں۔ البتہ اگر تھوڑے سے گر گئے اور زیادہ باقی رہے ہے تو جائز ہے۔

○ قربانی کی کھال کا مسئلہ یہ ہے کہ کھال کا مُصلّٰی یا مشک یا ڈول وغیرہ بنا کر خود بھی استعمال کر سکتا ہے البتہ اسکی قیمت کو خود استعمال کرنا جائز نہیں، اور کسی کارِ خیر مثلاً تعمیرِ مسجد یا کشتی دواخانہ وغیرہ میں بغیر تملیک شرعی کے صرف کرنا بھی جائز نہیں۔ اسی طرح کھال یا اسکی قیمت کسی معاوضہ میں دینا جیسے کہ امام اور مؤذن کو بسبب اسکی امامت اور اذان کے دینا بھی درست نہیں، بلکہ اس کا مصرف وہی ہے جو مصرف زکوٰۃ کا ہے۔ کسی غریب کی تملیک کر دینا ضروری ہے۔

سب سے افضل یہ ہے کہ اپنے مستحق رشتہ دار کو دے کیونکہ اس میں ایک تو صدقہ کا ثواب ملے گا اور ایک رشتہ داروں کیساتھ اچھا سلوک کرنے کا ثواب ملے گا۔ یا دینی مدارس کے مسافر طالب علموں کو دے کیونکہ اس میں بھی دوہرا ثواب ملے گا ایک صدقہ کا اور ایک اشاعتِ علمِ دین کا۔ طالبانِ علمِ دین کی خاطر مدارت کرنے اور ان کے ساتھ ہر قسم کا سلوک کرنے کا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید کے ساتھ امر فرمایا ہے۔ چنانچہ ترمذی شریف میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے پاس علمِ دین کے طلبہ دور دراز کے علاقوں سے اونٹوں اور سواریوں کے جگر مار کر مدینہ طیبہ آئیں گے تو آپ لوگ انہیں مرحبا اور خوش آمدید کہنا۔

○ سُنّت یہ ہے کہ نمازِ عید کے لئے نمازی ایک راستہ سے جائے اور دوسرے راستہ سے واپس آئے اور راستہ میں بُلند آواز سے تکبیر کہتا جائے۔

○ نمازِ عید الاضحیٰ کی نیت قبلہ رُو ہو کر اسطرح کرے کہ میں دو رکعت نمازِ عید الاضحیٰ واجب مع زائد چھ تکبیروں کے پیچھے اس امام کے پڑھتا ہوں۔ یہ نیت کر کے ہاتھ کانوں تک اُٹھا کر اللہ اکبر کہتا ہوا زیرِ ناف ہاتھ باندھ لے۔ اور سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ پڑھے۔ پھر دونوں ہاتھ کانوں تک اُٹھائے اور اللہ اکبر کہہ کر دونوں ہاتھ کھلے چھوڑ دے پھر تیسری مرتبہ کانوں تک ہاتھ اُٹھا کر اللہ اکبر کہتے ہوئے ہاتھ باندھ لے پھر امام تعوذ و تسمیہ اور قرأت پڑھ کر رکوع کرے۔ دوسری رکعت کے لئے جب کھڑے ہوں تو امام پہلے قرأت پڑھے اور رکوع سے پہلے ہاتھ چھوڑ کر کے پھر چوتھی تکبیر کہکر رکوع کرے۔

○ سلام پھیرنے کے بعد اپنی جگہ پر بیٹھا رہے اور خاموشی سے خطبہ سُن کر اُٹھے۔ خطبہ کے اندر اُٹھ جانا گناہ ہے۔

○ بقر عید کی نماز سے پہلے کھانا سُنّت کے خلاف ہے۔ بہتر یہ ہے کہ نمازِ عید کے بعد اپنی ہی قربانی میں سے کھائے۔

فاضل حبیب اللہ رشیدی مُدیر الرشید و مہتمم ادارہ جامعہ رشیدیہ زیارت حرمین شریفین و حج کیلئے سعودی عرب تشریف لیجا چکے ہیں۔

قسط سوم

علمِ حدیث پر عصرِ حاضر کی جدید تحقیق

حضرت مولانا علامہ خالد محمود ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر

مولانا احمد رضا خاں کا نظریہ حدیث

حیران نہ ہوں کہ آج ایک مقلد کا نظریۂ حدیث کیسے زیرِ بحث آگیا مولانا احمد رضا خاں صاحب مقلد تھے اور مقلد پیرو ہوتا ہے۔ کسی مستقل نظریے کا بانی نہیں ہوتا۔ سو سوال پیدا ہوتا ہے کہ "مولانا احمد رضا خاں کا نظریہ حدیث" یہ کیسے عنوان بن گیا؟ وجہ اس کی یہ ہے کہ مولانا گو اپنے دعوے میں مقلد تھے مگر اپنی فکر اور رائے میں اجتہاد سے کام لیتے تھے۔ اس بات نے اُنہیں اسوقت کے دیگر علماءِ حنفیہ سے اکثر علیحدہ کر رکھا تھا۔ مولانا کے مداح جناب مسعود احمد صاحب لکھتے ہیں:

"اگرچہ مجتہد فی الشرع یا مجتہد مطلق تو نہیں لیکن آپ کی تحریروں میں اجتہاد کا رنگ جھلکتا ہے"۔ [1]

اس اجتہادی رنگ نے مولانا کو نہ صرف اپنے دَور کے علماء کے بلکہ بہت سے پچھلے علماءِ اسلام کے بھی لامقابل کھڑا کر دیا تھا۔ محقق علی الاطلاق علامہ ابن ہُمام، ابوحنیفہ الثانی علامہ ابن نجیم، علامہ شامی، علامہ طحطاوی کون نہیں جس سے آپ نے اختلاف نہ کیا ہو بلکہ اگر کوئی ایسا عالم نکلے جس سے آپ نے اختلاف نہ کیا ہو تو واقعی ایک نئی تحقیق ہوگی۔

ان اختلاف نے مولانا احمد رضا خاں کو ایسے موڑ پر لا کھڑا کیا تھا کہ وہ ایک مستقل دین و مذہب کے بانی سمجھے گئے۔ مولانا کو خود بھی اس کا علم تھا چنانچہ وصیت کی کہ میرے دین و مذہب پر چلو۔ یہ آپ کا آخری پیغام تھا۔

"میرا دین و مذہب جو میری کتب سے ظاہر ہے اس پر مضبوطی سے قائم رہنا ہر فرض سے اہم فرض ہے اللہ توفیق دے"۔ [2]

ان حالات میں ضروری ہوا کہ ہم مولانا کے نظریے حدیث کا بھی جائزہ لیں۔ علمِ حدیث پر عصرِ حاضر کی جدید تحقیق میں طلبہ کے لئے مطالعہ کا ایک نیا باب ہے تاہم اس سے ان کے مذہب والوں کو بھی فائدہ پہنچے گا۔ وہ اپنے امام کے اصول نئے سرے سے مدوّن کر سکیں گے اور دوسرے علماء بھی ان کے ایک نئے نظریۂ حدیث سے آشنا ہو سکیں گے۔

مولانا احمد رضا خاں کا تلمذ حدیث

مولانا احمد رضا خاں نے دینی تعلیم مرزا غلام قادر صاحب اور اپنے والد مولانا نقی علی خاں صاحب سے حاصل کی تھی کسی مدرسہ میں باقاعدہ نہ پڑھا تھا۔ بریلی میں اسوقت

---

[1] اعلیٰحضرت کا فقہی مقام ص ۱۱

[2] وصایا شریف ص ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ

مصباح التہذیب مدرسہ تو تھا لیکن وہ علماء دیوبند کے زیر اثر چلا گیا تھا اور بریلی میں بس انہی کی بات چلتی تھی۔ ایک مدرسہ اشاعت العلوم ۱۳۱۱ھ میں قائم ہوا تھا وہ بھی رفتہ رفتہ دیوبند کے اثر میں چلا گیا۔ ان حالات میں مولانا احمد رضا خاں حدیث پڑھتے تو کہاں پڑھتے؟ نمازیں تک تو ان لوگوں نے گھروں میں پڑھنی شروع کر دی تھیں۔

بہرحال جو کچھ ہو سکا آپ نے مرزا صاحب اور اپنے والد صاحب سے پڑھا اور اپنی معلومات کو خوب وسعت دی تاہم تعلیم میں بہت سی کمزوریاں رہ گئیں پھر مولانا کو کسی مدرسہ میں حدیث پڑھانے کا بھی موقع نہ ملا جس سے فن کو جلا ملے۔ ان کے معتمد خاص مولانا ظفیر الدین لکھتے ہیں:

"اعلیحضرت نے چونکہ باضابطہ کسی مدرسہ میں مدرس بن کر نہیں پڑھایا"[1]

انہوں نے تعلیم حدیث کا انداز نہ کہیں پڑھنے میں دیکھا تھا نہ پڑھانے میں۔ ایک دفعہ شوق ہوا کہ مطالعہ کر کے کہیں حدیث پڑھائیں۔ انہیں یہ تک معلوم نہ تھا کہ حدیث پڑھنے اور پڑھانے کے لئے استاذ اور تلامذہ کس انداز سے بیٹھتے ہیں۔ یورپ کے تعلیمی اداروں میں استاد کھڑے ہو کر لیکچر دیتا ہے مولانا نے بھی کھڑے کھڑے حدیث پڑھائی۔ فرق یہ رکھا کہ یہاں شاگرد بھی کھڑے کرا دیئے۔ علماء نے دورہ حدیث کی یہ شکل کہیں نہ دیکھی ہوگی۔ مفتی احمد یار صاحب گجراتی لکھتے ہیں:

"اعلیحضرت قدس سرہ کتب حدیث کھڑے ہو کر پڑھایا کرتے تھے دیکھنے والوں نے ہم کو بتایا کہ خود بھی کھڑے ہوتے اور پڑھنے والے بھی کھڑے ہوتے تھے"[2]

کسی نے درست کہا تھا ان المرء اذا اتیٰ علیٰ غیرہ فنہ آتی بالعجائب۔ جب انسان اس موضوع پر آئے جو اس کا فن نہیں تو اس سے عجیب و غریب حرکتیں ظاہر ہوتی ہیں۔

مولانا احمد رضا خاں کا نظریہ حدیث

اس میں شک نہیں کہ مولانا احمد رضا خاں حدیث کو شرعاً حجت سمجھتے تھے انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے عقیدت تھی۔ اسی عقیدت کا اثر تھا کہ جہاں بھی کوئی قول یا عمل انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے ملتا وہ اسے حدیث سمجھنے لگتے۔ انہوں نے کبھی ضرورت ہی محسوس کی کہ حدیث کی کوئی سند بھی ہونی چاہیئے اور راویوں کا حال معلوم کرنا اور سند میں اتصال یہ بھی لائق توجہ امور ہیں۔ انہیں کوئی بات حدیث کے نام سے کہدی جائے تو انہیں مان لینا ان کے نزدیک بہت آسان تھا۔

ابتدائی اصطلاحات سے ناواقفی

کسی حدیث کا صحیح نہ ہونا اپنے مفہوم میں کئی احتمال رکھتا ہے مثلاً یہ کہ ۱۔ وہ حدیث حسن یا ضعیف ہو صحیح نہ ہو۔ ۲۔ وہ حدیث صحیح لذاتہ نہ ہو صحیح لغیرہ ہو۔ ۳۔ وہ حدیث ایک سند سے صحیح نہ ہو کسی اور سند سے صحیح ہو۔ ۴۔ سند کے اعتبار سے صحیح ہو لیکن متن کے اضطراب یا شذوذ کے باعث

---

[1] حیات اعلیحضرت ص ۲۱۲　　[2] جاء الحق ص ۲۵۱

ممکن نہ ہو وغیر ذالک من الاحتمالات یہ پہچاننا کہ کس پہلو سے حدیث کو غیر صحیح کہا جارہا ہے عام لوگوں کا کام نہیں ایسے فنِ حدیث کے ماہرین ہی جان سکتے ہیں۔

جو کتابیں موضوع حدیثوں پر لکھی گئی ہیں جیسے موضوعات کبیر، تذکرۃ الموضوعات، المصنوع فی احادیث الموضوع وغیرہ ان میں کسی روایت کے بارے میں لایصح، لایثبت، لم یصح یا لم یثبت لکھا ہو تو اس سے عام طور پر مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ حدیث بے اصل ہے۔ بصورت دیگر اس کی سند کی نشاندہی ضروری ہوتی ہے۔ سو بغیر کسی حوالے کے صرف لم یصح کہدیں تو مراد یہی ہوتی ہے کہ اس کی اصل نہیں ملی۔ اب اس سے یہ مراد لینا کہ اس میں صرف درجہ صحت کی نفی ہے درجہ حسن کی نفی نہیں۔ یہ اسی طالب علم کا کام ہوسکتا ہے جو کبھی درس حدیث میں نہ بیٹھا ہو۔ اس قسم کے اطلاقات جب دوسری عام کتابوں میں ملیں وہاں تو اس کا یہی معنی مراد ہوگا کہ اس خاص درجے کی نفی مراد ہے۔ لایصح سے درجہ حسن یا درجہ ضعیف کی نفی مراد نہیں لیکن ان کتابوں میں جو موضوع احادیث پر لکھی گئیں وہاں اس وضاحت کے بغیر لایصح کے الفاظ ہی بتلاتے ہیں کہ یہ حدیث بے اصل ہے۔

بے سروپا باتیں کہنے اور سند کی پرواہ نہ کرنے میں مولانا احمد رضا خاں اسقدر معروف تھے کہ علماء بدایوں جو اکثر باتوں میں آپ کے ہم خیال تھے وہ بھی آپ کی اس خصوصیت کے معترف تھے۔ مولانا معین الدین اجمیری صدر مدرس اجمیر شریف اعلیحضرت کی سائنس خصوصیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں؛

"اعلیحضرت سے جب کچھ نہیں بن پڑا تو بادہوائی باتیں شروع کر دیتے ہیں جن کی سند تو درکنار اس کے مواد کا بھی اندراج اپنے رسائل میں نہیں کرتے اور پھر نہایت کشادہ دلی کے ساتھ ایسی بے بنیاد بات کو ایسے پیرایہ میں ظاہر فرماتے ہیں کہ جیسے یہ تمام دُنیا کے نزدیک مسلّم ہے۔"[1]

حدیث معتبر بہ اور حدیث معتبر میں فرق

اردو میں حدیث معتبر اسے کہتے ہیں جس کا اعتبار کیا جاسکے اور پر اعتماد ہوسکے لیکن فن حدیث میں حدیث معتبر بہ اس حدیث کو کہتے ہیں جو اصول حدیث میں ذکر کردہ اعتبار کے کام میں لائی جاسکے اسے بطور حجت پیش نہیں کیا جاسکتا۔ اس سے فقط اعتبار ہی کا کام لیا جاتا ہے۔ کتب رجال میں آپ کو یہ جگہ جگہ ملے گا۔ یعتبر بہ ولا یحتج بہ (اس سے اعتبار کا کام تو لیا جائے لیکن اسے حجت نہ سمجھا جائے) مگر مولانا احمد رضا خاں صحیح اور حسن کی طرح حدیث معتبر کو بھی حدیث کی کوئی قسم سمجھتے تھے۔

فضائل اعمال میں احادیث معتبرہ بالاجماع کافی ہیں اگرچہ صحیح بلکہ حسن بھی نہ ہوں[2]

پیشتر اس کے کہ اس تعبیر کی فنی واقفیت کا جائزہ لیا جائے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اصول حدیث میں ذکر کردہ اعتبار ایک مستقل موضوع کے طور پر سمجھ لیا جائے۔ تدریب الراوی میں پندرھویں نوع کے ذیل میں اس موضوع کا تعارف اس عنوان

---

[1] تجلیات انوار المعین ص۱۵ مطبوعہ ۱۸۹۵ء　　[2] اعلیحضرت کا فقہی مقام ص۲۲

"معرفۃ الاعتبار والمتابعات والشواھد ھذا امور یتداولھا اھل الحدیث" [1]

مولانا احمد رضا خاں کا علم حدیث

مولانا احمد رضا خان کا علم زیادہ تر مطالعہ کی پیداوار تھا۔ باقاعدہ تعلیم نہ ہونے کی وجہ سے ذہن میں وہ پختگی نہ آئی تھی جو راسخ العلم علماء میں ہوتی ہے وسعت مطالعہ کے باوجود تنقیح علم کی کوئی جھلک ان میں نظر نہیں آتی تھی۔ یہ حقیقت ہے کہ علم کا اعتبار اسوقت ہوتا ہے جب علماء سابقین اور فضلاء و ماہرین سے تعلیم کے دوران زیادہ سے زیادہ استفادہ کے مواقع میسر آئیں اور انبیاءؑ کی یہ وراثت محض مطالعہ سے نہیں تعلیم کی راہ سے نصیب ہوئی ہو۔ شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

لیس العلم المعتبر الا الماخوذ من الانبیاء وورثتھم علی سبیل التعلم [2]

ترجمہ: علم لائق اعتبار وہی ہے جو انبیاء علیہم السلام اور ان کے وارثین سے پڑھنے پڑھانے کے طریقے سے حاصل ہو۔

اس کمزوری کے باوجود مولانا احمد رضا خاں کسی جدید نظریۂ حدیث کے بانی نہ تھے اصولاً آپ اسی نظریۂ حدیث پر تھے جو علماء حدیث کا مسلک ہے۔ مگر اس لئے کہ نہ برابر کے علماء کے ساتھ کبھی بیٹھ کر پڑھا اور نہ کبھی علماء فن سے معرکے دیکھے۔ فہم اصول میں ایسی ایسی غلطیاں کھا گئے کہ ان کی علمی حیثیت ان کی وفات کے ساتھ ہی ختم ہو گئی اور آپ کے بارے میں پچپن سال تک وہی تاثر باقی رہا جس کا مرثیہ جناب مدنی میاں نے ماہنامہ المیزان بمبئی کے احمد رضا نمبر میں ان لفظوں میں کیا ہے:

"افسوس کہ ہم امام احمد رضا کی بارگاہ میں ۵۵ برس کے بعد ۵۵ کتابیں بھی پیش نہ کر سکے۔ اب تک جو کچھ لکھا وہ چند اوراق سے زیادہ نہیں.... یہ تلخ حقیقت تسلیم کیجئے کہ امام احمد رضا خاں کا علمی حلقوں میں اب تک صحیح تعارف نہ کرایا جا سکا جدید تعلیم یافتہ طبقہ تو امام احمد رضا کو جانتا ہی نہیں [3]

تاہم اس سے انکار نہیں کہ ان کا نظریہ حدیث اصولاً وہی تھا جو جمہور علماء حدیث کا ہے گو اس میں بھی انہوں نے بعض بڑی راہیں کھولی ہیں۔ حدیث احاد اگرچہ تمام شرائط صحت کی جامع ہو ظن ہی کا فائدہ دیتی ہے اور معاملہ اعتقاد میں ظنیات کا کچھ اعتبار نہیں۔

مولانا علی قاری منح الروض الازہر میں فرماتے ہیں: "الاحاد لا تفید الاعتماد فی الاعتقاد" احادیث احاد دربارۂ اعتقاد ناقابل اعتماد۔ دوسرا درجہ احکام کا ہے کہ ان کے لئے اگرچہ اتنی قوت درکار نہیں پھر بھی حدیث کا صحیح لذاتہ یا لغیرہ یا حسن لذاتہ یا کم از کم لغیرہ ہونا چاہیئے۔ جمہور علماء یہاں حدیث ضعیف نہیں سنتے۔ تیسرا مرتبہ فضائل و مناقب کا ہے یہاں باتفاق علماء ضعیف حدیث بھی کافی ہے [4]

اس بیان کے آخری جزو کہ "فضائل و مناقب میں باتفاق علماء ضعیف حدیث بھی کافی ہے" کی تفصیل کرتے ہوئے

---

[1] تدریب الراوی ص ۱۵۱/۱۵۲ [2] فتح الباری جلد ا ص ۱۶۱ [3] ماہنامہ المیزان احمد رضا نمبر ص ۲ [4] فتاوی رضویہ ص ۲۵۱/۲۸

خانصاحب لکھتے ہیں:

"مثلاً کسی حدیث میں ایک عمل کی ترغیب آئی ہے کہ جو ایسا کریگا اتنا ثواب پائیگا یا کسی صحابی یا نبی کی خوبی بیان ہوئی کہ انہیں اللہ عزوجل نے یہ مرتبہ بخشا یہ فضل عطا کیا تو ان کے مان لینے کو ضعیف حدیث بھی بہت ہے"[1]

مولانا کی یہ عبارت بہت مجمل ہے ہم اس کی کچھ تفصیل کرتے ہیں:

خانصاحب کا پہلا جملہ یہ ہے: "مثلاً کسی حدیث میں ایک عمل کی ترغیب آئی کہ جو ایسا کریگا اتنا ثواب پائے گا"

اس میں دو باتیں ہیں۔ ایک ثبوت عمل، دوسرے فضیلتِ عمل۔ یہ بات کچھ آسان ہے کہ ضعیف حدیث فضیلتِ عمل میں قبول کر لی جائے کہ عمل تو اپنی جگہ مضبوط دلیل سے ثابت تھا لیکن اس کی یہ فضیلت ضعیف حدیث سے بھی قبول کر لی جائے مثلاً جمعہ کا ثبوت مضبوط اور قطعی دلائل سے موجود ہے۔ اب اس کی فضیلت میں کوئی ضعیف حدیث بھی آئے تو اسے قبول کیا جاسکے گا اس صورت میں فضائلِ اعمال کی یہ ضعیف حدیثیں موجبِ رغبت تو ہوئیں لیکن مثبتِ عمل نہ ٹھہریں۔ اس عمل کا ثبوت پہلے سے قرآن مجید یا صحیح حدیث میں موجود تھا۔ ظاہر ہے کہ اس طرح ضعیف حدیث کو قبول کرنے میں کوئی اصولی اعتراض نہ قائم ہو سکے گا۔

مولانا نے اپنے نظریۂ حدیث میں یہ تیسرا امر تبرعاً ذکر کیا ہے لیکن افسوس کہ اس کا مطلب وہ خود نہ سمجھ پائے انہوں نے سمجھا کہ ضعیف حدیث نہ صرف کسی فضیلت کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہے بلکہ کسی خاص عمل کو ثابت کرنے کے لئے بھی اس حدیث میں پوری اہلیت موجود ہے حالانکہ کسی عمل کا ثابت کرنا اور کسی عمل کو کسی وقت سے خاص کرنا ایک حکم شرعی کا ثابت کرنا ہے اور اسکا موضوع احادیث احکام ہیں نہ کہ احادیث فضائل۔

مولانا احمد رضا خاں اگر یہ وضاحت کر دیتے کہ ثبوتِ عمل اور فضیلتِ عمل میں فرق ہے۔ ثبوتِ عمل کے لئے قوی حدیث کی ضرورت ہے اور فضائلِ اعمال میں ضعیف حدیث بھی کافی ہے تو اس سے بہت سی بدعات رک جاتیں جن کے لئے ان کے پیرو ضعیف بلکہ بالکل بے اصل روایات کا حوالہ دے کر فارغ ہو جاتے ہیں۔

احکام میں علماء حدیث بہت محتاط رہے ہیں اور ثبوت عمل میں وہ کسی غیر پختہ بات کو تسلیم نہیں کرتے۔ مولانا احمد رضا خاں خود لکھتے ہیں:

"امام احمد کی روش معلوم ہے کہ احادیث فضائل میں نرمی فرماتے ہیں نہ احادیث احکام میں"[2]

ثبوت عمل اور ثبوتِ فضیلت میں فرق نہ کرنے کے باعث مولانا اور ان کے پیروؤں نے صدہا وہ اعمال اسلام میں داخل کر لئے جن کا سرے سے کوئی پختہ ثبوت نہ تھا۔ ان اعمال کے ساتھ جو فضیلت ذکر کی گئی تھی اسے ذکر کر کے یہ حضرات کہنے لگے کہ فضائلِ اعمال میں ضعیف حدیثیں قابلِ قبول ہیں۔ وہ یہ سمجھے کہ ضعیف حدیث سے فضیلت اسی عمل کی لی جا سکتی ہے جس کا اپنا وجود

---

[1] فتاویٰ رضویہ جلد ۲ صفحہ ۴۶۱ [2] فتاویٰ رضویہ جلد ۲ صفحہ ۴۴۴

کسی قوی حدیث سے ثابت ہو۔ پھر ان بدعات نے یہاں تک فروغ پکڑا کہ ان کے سہارے ایک نیا مکتبِ فکر مسلمانوں میں آ پیدا ہوا۔ اور ضعیف تو درکنار پھر وہ روایات بھی جو بالکل بے اصل تھیں یا نہایت مجہول قسم کے راویوں کی پیداوار تھیں ان کے ہاں چلنے لگیں اور خانصاحب انکو ضعیف حدیث کے لائق قبول ہونیکا وہ سبق پڑھا چکے تھے کہ اب ان کے ہاں حدیث کی تحقیق کرنا گویا کوئی مسئلہ ہی نہ رہا تھا۔

ذرا آگے چلئے اور خانصاحب سے ضعیف حدیث پر عمل کرنے کی دوسری مثال سُنیئے :

"کسی نبی یا صحابی کی خوبی بیان ہوئی کہ انہیں اللہ عزوجل نے یہ مرتبہ بخشا یہ فضل عطا کیا تو ان کے مان لینے کو ضعیف حدیث بھی بہت ہے"۔ [1]

یاد رکھئے کہ خانصاحب نے یہ مثال احادیث فضائل کے بیان میں دی ہے وہ احادیث عقائد اور احادیث احکام کو پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ اور اب تیسرے درجہ میں احادیث فضائل کو بیان کر رہے ہیں یہاں انہوں نے انبیاء کرام اور صحابہ کرام کے مرتبہ و شان کی بحث کی ہے۔ اب اس سے معاً ایک سوال پیدا ہوتا ہے :

خانصاحب کی مُراد اگر یہ ہے کہ شانِ انبیاء و شانِ صحابہ عقائد کا جزو نہیں صرف فضائل کا ایک پہلو لئے ہے اور اس کے لئے ضعیف حدیث بھی کافی ہے تو یہ خود ایک گستاخی ہے۔ کوئی مسلمان یہ تسلیم نہ کرے گا کہ انبیاء کرام علیہم السلام سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے فضائل و کمالات اور مراتب و درجات عقائد کا موضوع نہیں صحابہ کے مقامات بھی عقائد کا موضوع نہیں ہیں محض فضیلت عمل کے درجہ میں ہیں کہ ان کے مان لینے کو ضعیف حدیث بھی بہت ہے۔

اور اگر خانصاحب کی مُراد یہ ہے کہ انبیاء اور صحابہ ہیں تو عقائد کا موضوع لیکن ان عقائد کے ثابت کرنے کے لئے قرآن پاک اور قوی احادیث ضروری نہیں ان کے لئے ضعیف حدیث سے بھی کام چل جاتا ہے تو یہ وہ غلط نظریہ ہے جسے خانصاحب اپنے بیان کردہ نظریہ حدیث میں ہی رد کر چکے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں :

"حدیث احاد اگرچہ تمام شرائط صحت کی جامع ہو ظن ہی کا فائدہ دیتی ہے اور معاملہ اعتقاد میں ظنیات کا کچھ اعتبار نہیں۔۔۔۔۔ جمہور علماء یہاں ضعیف حدیث نہیں سُنتے تھے"۔ [2]

اس بیان کی رُو سے اثبات عقائد کے لئے صحیح حدیث بھی کافی نہیں۔ کیونکہ خبر واحد کا عقائد میں اعتبار نہیں۔ اعتقاد کا معاملہ بہت اہم ہے اس کے لئے قطعی دلائل کی ضرورت ہے ظنی دلیل کا کچھ اعتبار نہیں ہوتا ظاہر ہے کہ یہاں ضعیف حدیث کا کیا اعتبار ہوگا مگر افسوس کہ خانصاحب نے مقامات و مناقب میں فرق کئے بغیر ضعیف حدیث کو شانِ انبیاء اور شانِ اصحاب میں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کیا کیا مرتبے بخشے اور کیا کیا فضیلتیں عطا کیں کافی سمجھ لیا۔

---

[1] فتاوٰی رضویہ ص۱۵۱
[2] ایضاً ص۱۵۱

علم سے اس سے بڑا مذاق شاید ہی تاریخ علم میں کبھی کیا گیا ہو۔
خانصاحب نے یہ کہہ کر جہلاء کے لئے بے سروپا عقائد اور بے سروپا اعمال کا کتنا بڑا دروازہ کھول دیا ہے۔ یہ بات اب ڈھکی چھپی نہیں ؎ یہ راز کوئی اب راز نہیں سب اہل گلستاں جان گئے ہر شاخ پہ الّو بیٹھا ہے انجام گلستاں کیا ہوگا۔

بہر حال مولانا احمد رضا خاں لکھتے ہیں :

"کسی نبی یا صحابی کی خوبی بیان ہوئی کہ انہیں اللہ عزّوجل نے یہ مرتبہ بخشا یہ فضل عطا کیا تو ان کے مان لینے کو ضعیف حدیث بھی بہت ہے" [1]

اصول حدیث کو نہ سمجھنے کا نتیجہ

جب ضعیف حدیث فضیلت اعمال کے ساتھ ثبوت اعمال میں بھی کافی سمجھی جانے لگی اور انبیاء کرام اور اولیاء اللہ کے مقامات اور کمالات کے سلسلہ میں ضعیف حدیثیں عقائد کی بنیاد بننے لگیں تو پھر خانصاحب اور ان کے پیروؤں کے ہاں سند کی صحت و قوت کا کوئی معیار باقی کیسے رہ سکتا ہے۔ اب چاہیں تو صحیح بخاری اور صحیح مسلم جیسی کتابوں پر بھی برسنے لگیں اور چاہیں تو جہالت ان کے ہاں سرے سے کوئی وجہ طعن ہی نہ رہے۔ مولانا احمد رضا خاں اسی خیال میں ڈوبے ایک جگہ لکھ گئے ؛

"نزاع اس میں ہے کہ جہالت سرے سے وجوہِ طعن سے بھی ہے یا نہیں" [2]

واہ دیکھئے کس پیرایۂ ستم میں جہالت کی تائید فرمادی۔ اب آپ ہی بتائیں جن لوگوں کے نزدیک جہالت میں بھی کوئی عیب نہ ہو وہ جہالت پہ نازاں نہ ہوں گے تو کس بات پر سر افتخار اٹھائیں گے۔ بہر حال خانصاحب نے ایک موقع پر یہ بھی کہہ دیا؛

"اگرچہ حدیث موضوع ہو فعل سے تو ممانعت نہیں ہو سکتی" [3]

ان باتوں کو پڑھنے والے عوام اس منطقی فرق میں تو نہ جا سکیں گے کہ کسی فعل کو کسی حدیث موضوع کی وجہ سے جائز کرنے اور اسے اپنی اباحت اصلیہ پر قائم رکھنے میں فرق ہے۔ وہ تو اسی پر نازاں ہوں گے کہ لو (من گھڑت حدیث) بھی کوئی تجرۂ ممنوعہ نہ رہا کہ اس سے ہر پہلو سے بچنا ہی ہے ——— پھر نتیجہ کیا رہے گا یہ آپ خود سوچ لیں۔ ہم جو کہیں گے تو شکایت ہوگی۔ حالات پھر یہاں تک پہنچے کہ خانصاحب کے پیرو پھر صحیح بخاری پر بھی برس پڑے اور جس طرح وہ علماء دیوبند پر بے ادبی کا فتویٰ لگاتے تھے اسی طرح انہوں نے امام بخاریؒ پر بھی بے ادبی اور گستاخی کا فتویٰ لگا دیا۔

دارالاشاعت علوم رضویہ ڈیجکوٹ روڈ فیصل آباد نے مولانا احمد رضا خاں، حامد رضا خاں، نعیم الدین مرادآبادی، نظام الدین ملتانی کے فتوے یکجا "انوار شریعت" کے نام سے شائع کئے ہیں۔ اس میں ہے ؛

"امام بخاری نے تو صحابہ کرام، رسول علیہ السلام کی سخت توہین کی ہے وھو ھذا باب قول الرجل للرجل اخساء بخاری مطبع احمدی صفحہ ۹۱۱۔ یعنی یہ باب ہے قول رجل کا واسطے رجل کے اخساء پس یہاں رجل اوّل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں

---

[1] فتاوٰے رضویہ جلد ۲ صفحہ ۲۲۹ [2] ایضاً صفحہ ۲۳۶ [3] ایضاً صفحہ ۲۹۵ سطر ۹

اور رجل دوم سے مراد ابن صیاد ہے۔ باب قول الرجل مرحبا۔ یعنی یہ باب ہے قول الرجل مرحبا۔ بخاری مطبوعہ ایضاً ۱۱۲۔ اس جگہ بھی رجل سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ سوم باب ماجاء فی قول الرجل ویلک یعنی یہ باب ہے قول میں رجل کے ویلک بخاری مطبوعہ صفحہ ۹۱۰ یہاں بھی رجل سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ باب قول الرجل للشیء لیس بشیء بخاری مطبوعہ ایضاً ۹۱۱ اس مقام پر بھی رجل سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ پس اب دیکھئے کہ بخاری کی متعدد جگہوں میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں لفظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ کہا بلکہ بجائے اس کے لفظ رجل کا جو کہ عوام الناس کے حق میں بولا جاتا ہے کس کشادہ پیشانی سے بے دھڑک استعمال کیا گیا ہے کہ جو ہر حالت میں سخت افسوس کے قابل ہے۔ بخاری پرست سب جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مثل ایک آدمی جانتے ہیں اس کا ماخذ یہی کتاب بخاری ہو تو تعجب نہیں ہے" الخ [۱] پھر لکھتے ہیں:

" ذرا مہربانی فرما کر بیان کر دیں کہ بدوں کتاب اللہ کے کونسی کتاب علم حدیث میں ہے جس میں حدیثیں مناولی اور نامعقول باتیں درج نہیں" [۲] اس کا معنی اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں بھی موضوع اور من گھڑت حدیثیں موجود ہیں مستشرقین یورپ مدت سے یہی راگ الاپ رہے تھے۔ لیجئے اب مسلمانوں کا بھی ایک طبقہ اپنے اس ذخیرۂ حدیث کو ناقابل اعتماد کہنے لگا ـــــــ بہرحال ان لوگوں نے تو یہاں تک لکھ دیا:

" تم بخاری وغیرہ کتب حدیث صحاح ستہ کو ضائع کر دو تاکہ غیر مذاہب ان کو دیکھ کر حملہ نہ کریں" [۳]

؎ دل کے پھپھولے جل اٹھے سینے کے داغ سے — اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

یہ ان دوستوں کے ہاں صحیح بخاری کا حال ہے۔ اب تھوڑا سا حال صحیح مسلم کا بھی سن لیجئے۔ مولانا احمد رضا خاں لکھتے ہیں:

" دوسرے درجہ کی حدیث کو حسن کہتے ہیں یہ باآنکہ صحیح نہیں۔ پھر بھی اس میں کوئی قباحت نہیں ہوتی ورنہ حسن ہی کیوں کہلاتی۔ فقط اتنا ہوتا ہے کہ اس کا پایہ بعض اوصاف میں اس مرتبہ سے جھکا ہوتا ہے۔ اس قسم کی بھی سیکڑوں حدیثیں صحیح مسلم وغیرہ کتب صحاح میں بالکل عند التحقیق بعض صحیح بخاری میں بھی ہیں" [۴]

خانصاحب اگر صحیح مسلم کی یہ سیکڑوں حدیثیں جو ان کے خیال میں صحیح نہ تھیں اگر نشان کر دیتے تو علم حدیث میں ایک نیا باب کھلتا مگر کیا کریں وہ تو یہ کہہ کر بس ہو گئے:

" مجہول کی تین قسمیں ہیں اول مستور جس کی عدالت ظاہری معلوم اور باطنی کی تحقیق نہیں۔ اس قسم کے راوی صحیح مسلم شریف میں بکثرت ہیں" [۵]

یہ راگ کس بات کے لئے ہو رہا ہے؟ کیا اس لئے کہ یورپ کے مستشرقین کی ان کوششوں کو کامیاب بنایا جائے

---

[۱] انوارِ شریعت جلد ۱ صفحہ ۲۲۷ مطبوعہ ۱۳۹۰ھ [۲] ایضاً صفحہ ۲۲۷ [۳] ایضاً صفحہ ۲۳۰ [۴] فتاویٰ رضویہ ج ۱۱ ص ۲۳۸ [۵] ایضاً ص ۲۳۹

جو وہ علم حدیث کو ناقابلِ اعتماد ثابت کرنے کے لئے کر رہے ہیں یا یہ کوشش محض اسلئے ہے کہ گمنام راویوں کی حدیث لینے میں بریلویوں پر کوئی اعتراض نہ کیا جا سکے اور مولانا احمد رضا نے ضعیف حدیث سے کام لینے کا جو دروازہ کھولا ہے اس میں زیادہ سے زیادہ درویشی داخل ہو سکیں۔ ہم سر دست اس میں محاکمہ نہیں کرتے تاہم یہ بات کہے بغیر ہم نہیں رہ سکتے کہ محدثین کے ہاں یہ بات کہ راوی مشہور اور عادل ہو بڑا وزن اور وقار رکھتی ہے حلقہ محدثین کوئی خانقاہ نہیں کہ جہاں کوئی اپنے آپ کو جتنا مٹائے زیادہ دولت پائے۔ فن حدیث کی کتابیں اور ہیں اور خانقاہی درویشوں کے اسرار اور۔

حضرت ابو طالب مکی کی کتاب قوت القلوب فی معاملۃ المحبوب اس دوسرے موضوع پر ہے فن حدیث پر نہیں۔

مگر مولانا احمد رضا خاں کا نظریہ حدیث دیکھئے اور ان کے ذوقِ حدیث کی داد دیجئے:

گمنام راویوں کی حدیث لینا

بعض وہ باتیں جن کے سبب راویوں کو ضعیف اور ان کی حدیثوں کو غیر صحیح کہہ دیا جاتا ہے فقہاء اور اولیاء کے نزدیک باعث ضعف وجرح نہیں ہوتیں جیسے راوی کا مجہول ہونا، اس لئے کہ ائمہ نے گمنامی پسند کی کہ خود شرع مطہر نے اس کی ترغیب فرمائی [1]

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مولانا احمد رضا خاں اپنے نظریۂ حدیث میں محدثین کے قواعد پر نہیں چلے ان کا ذوق اس بات میں درویشانہ رہا ہے کہ جس شخص نے کوئی بات کہہ دی انہوں نے اسے مان لیا کہ اس میں کوئی حرج نظر نہیں آیا تھا۔ ایک مقام پر تو آپ کھل کر کہہ گئے:

اللہ تعالیٰ اسے وہ ثواب عطا کرے ـــــــ اگرچہ جو حدیث اسے پہنچی حق نہ ہو۔ ابن حبان کی حدیث میں یہ لفظ ہیں کان منی او لم یکن چاہے وہ حدیث مجھ سے ہو یا نہ ہو۔ ابن عبد اللہ کے لفظ یوں ہیں وان کان الذی حدثہ کاذباً اگرچہ اس حدیث کا راوی جھوٹا ہو [2]

اس کا مطلب واضح ہے کہ جھوٹے راویوں کی روایات قبول کرنے میں مولانا احمد رضا خاں کی درویشانہ قبا ایک بڑی حیرت افزا زنبیل ہے جس کے نیچے بہت کچھ چھپایا ہے اور چھپایا جا سکتا ہے۔

درویشوں سے حدیث کی تصحیح لینا

مولانا احمد رضا خاں لکھتے ہیں:

بہت احادیث جنہیں محدثین کرام اپنے طور پر ضعیف و نامعتبر ٹھہرا چکے علماء قلب، عرفائے رب، ائمہ عارفین سادات مکاشفین قدسنا اللہ باسرارہم الجلیلۃ ونور قلوبنا بانوارہم الجمیلۃ انہیں مقبول و معتمد بتاتے اور بصیغ جزم وقطع حضور پرنور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت فرماتے اور ان کے علاوہ بہت وہ احادیث تازہ لاتے جنہیں علماء اپنے زیر دفاتر میں کہیں نہ پاتے۔ ان کے یہ علوم الٰہیہ بہت ظاہر بینوں کو نفع دینا درکنار الٹے باعث طعن ووقیعت

---

[1] فتاوٰی رضویہ جلد ۲ ص ۴۳۶ [2] ایضاً ص ۴۵۶

وجرح واہانت ہوجائے [1]

خانصاحب کی یہ عبارت خانصاحب کے نظریہ حدیث کی واضح ترجمانی ہے کہ وہ نہ محدثین کا ذوق رکھتے تھے نہ قواعد حدیث ان کے لئے کوئی بنیادی اہمیت رکھتے تھے۔ پیروں فقیروں کے کشف اور باطنی سلسلوں سے وہ کسی حدیث کی تائید یا تردید میں اٹھتے تھے۔ ان میں تتبع علم کی شان نہ تھی۔ نہ وہ اپنی کسی بات میں قواعد علم کے پابند تھے جو کہدیا وہ مہر ہوگیا اور پھر خانصاحب اس پر ڈٹ گئے۔ آخر خانصاحب جو تھے! کوئی روایت سامنے آئے وہ قبول ہے نہ سند کے کسی انقطاع سے اس پر کوئی فرق پڑتا ہے، نہ کسی راوی کا مجہول ہونا ان کے ہاں جرح بنتا ہے۔ خود لکھتے ہیں:

"ہمارے ائمہ کرام اور جمہور علماء کے نزدیک تو انقطاع سے صحت وحجت ہی میں کچھ خلل نہیں آتا" [2]

پھر فرماتے ہیں:

"سبحان اللہ! جب انتہا درجہ کی شدید جرحوں سے موضوعیت ثابت نہیں ہوتی تو صرف جہالت راوی یا انقطاع سند کے سبب موضوع کہدینا کیسی جہالت اور عدل وعقل سے انقطاع کی حالت ہے" [3]

یہ تو جرح نہ کرنے کا حال ہے جو روایت بھی سامنے آئے موفی جی کو قبول ہے لیکن اگر جرح کرنے پر آجائیں تو صحابی کو بھی نہ چھوڑیں حالانکہ صحابہ نسب کے سب عدول تھے۔ محدثین کے ہاں جرح ان کی طرح راہ نہیں پاتی تھی۔

ابن الاثیر الجزری (۶۳۰ھ) لکھتے ہیں:

والصحابۃ یشارکون سائر رواۃ فی جمیع ذلک الا فی الجرح والتعدیل فانہم کلہم عدول لایتطرق الیہم الجرح لان اللہ عزوجل ورسولہ زکاہم وعدلاہم وذلک مشہور لا محتاج لذکرہ [4]

ترجمہ: اور صحابہؓ ان تمام باتوں میں باقی راویوں کے ساتھ برابر کے شامل ہیں ماسوائے جرح وتعدیل کے کہ یہ سب کے سب عادل ہیں جرح کو انہیں راہ نہیں ملتی کیونکہ اللہ اور رسول برحق نے ان کو تزکیہ یافتہ بتلایا ہے ان کی تعدیل کی ہے اور یہ بات اتنی واضح ہے کہ اس کے ذکر تک کی ضرورت نہیں۔

حضرت عبدالرحمٰن القاری (۸۰ھ) رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی تھے ۲ھ میں پیدا ہوئے حضرت عمرؓ کے مشہور عامل تھے۔ آپ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث سننا ثابت نہیں۔ صغار صحابہ میں سے تھے تاہم اس سے انکار نہیں کہ آپ علماء مدینہ میں نہایت اونچا مقام رکھتے تھے۔ شیخ الاسلام علامہ بدرالدین العینی لکھتے ہیں:

قال ابن معین ہو ثقۃ وقیل لہ صحبۃ [5] ابن معین کہتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے اور یہ کہا گیا ہے کہ آپ صحابی ہیں۔

---

[1] فتاویٰ رضویہ جلد ۲ ص ۲۵۹ [2] ایضاً ص ۲۳۶ [3] ایضاً ص ۲۴۱
[4] اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ جلد ۱ ص ۲ [5] عینی علی البخاری جلد ۱۱ ص ۱۲۶

خطیب تبریزی (۷۴۳ھ) لکھتے ہیں:

یقال انہ ولد علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولیس لہ منہ سماع ولا سماع و لا روایۃ وعدہ الواقدی من الصحابۃ[1]

حضرت عبدالرحمٰن القاری کی اکابر صحابہؓ سے روایات کتب حدیث میں عام موجود ہیں۔ صحیح بخاری میں ہے:

عن عروۃ بن الزبیر عن عبد الرحمٰن بن عبد القاریؓ انہ قال خرجت مع عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ لیلۃ فی رمضان الی المسجد فاذا الناس اوزاع متفرقون یصلی الرجل لنفسہ ویصلی الرجل و یصلی بصلوتہ الرھط فقال عمر انی اری لو جمعت ھؤلاء علی قاری واحد لکان امثل ۔ ۔ ۔ قال عمر نعمت البدعۃ ھذہ[2]

ترجمہ: عروہ بن زبیر حضرت عبدالرحمٰن بن عبدالقاری سے روایت کرتے ہیں کہ میں رمضان کی ایک رات حضرت عمرؓ کیساتھ مسجد کی طرف گیا ۔ ۔ ۔ الخ

اب صحابی رسول حضرت عبدالرحمٰن القاری رضی اللہ عنہ پر مولانا احمد رضا خاں کی جرح سنئے معلوم ہوتا ہے ان کے ہاں صحابہ جرح سے بالا نہ تھے۔ آپ لکھتے ہیں:

ایک بار عبدالرحمٰن قاری کہ کافر تھا اپنے ہمراہیوں کے ساتھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹوں پر آپڑا چرانے والے کو قتل کیا اور اونٹ لے گیا۔

مولانا نے صحابی رسول کو کافر کہنے پر ہی اکتفا نہیں کی انہیں گالی بھی دی ہے۔ حضرت سلمہ بن الاکوع کو محمدی شیر کہتے ہوئے عبدالرحمٰن قاری کو سؤر اور شیطان (معاذ اللہ) کہہ ڈالا۔ لکھتے ہیں:

"اس نے کشتی مانگی انہوں نے قبول فرمائی اس محمدی شیر (سلمہ بن الاکوع) نے خوک شیطان (عبدالرحمٰن قاری) کو ڈھیر کر مارا[3]

اب آپ ہی بتائیں کہ جب مولانا احمد رضا خاں صحابی رسول پر بھی جرح کرنے سے نہیں چوکتے بلکہ کھلم کھلا انہیں کافر کہا تو آج کا سنجیدہ النسان اگر مولانا احمد رضا خاں سے دوری اختیار کرنے میں راحت محسوس کرتا ہے تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ مولانا احمد رضا خاں کے معتقد خاص مدنی بیان لکھتے ہیں:

آج کا سنجیدہ النسان اسطرف رُخ کرتے جھجکتا ہے عام طور پر امام احمد رضا کے متعلق مشہور ہے کہ کافر المسلمین ہے[4]

---

[1] الاکمال فی اسماء الرجال ص ۶۰۹ [2] صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۶۹ مشکوٰۃ ص ۱۱۵ [3] ملفوظات مولانا احمد رضا خاں حصہ ۴ ص ۳۴
[4] ماہنامہ المیزان احمد رضا نمبر ص ۳۹

(باقی آئندہ)

تذکرہ اسلاف

برصغیر پاک و ہند کا عظیم عاشقِ رسول خطیب

اسلام کا عظیم فرزند بطلِ حریت

امیر شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری نور اللہ مرقدہٗ

ماسٹر محمد عمر ——— خان گڑھ

"میں اُن سؤروں کا ریوڑ بھی چرانے کو تیار ہوں جو برٹش امپریلزم کی کھیتی کو ویران کرنا چاہیں، میں ان چیونٹیوں کو شکر کھلانے کے لئے تیار ہوں جو صاحب بہادر کے تلووں کو کاٹ کھائے"

"میں کچھ نہیں ایک فقیر ہوں اپنے نانا کی سُنّت پر مرمٹنا چاہتا ہوں۔ اگر کچھ چاہتا ہوں تو صرف یہ کہ اس ملک سے انگریز کا انخلاء۔ دو ہی خواہشیں میری زندگی میں ہیں۔ ایک یہ کہ میرا ملک آزاد ہو جائے یا پھر میں حق کی پاداش میں تختۂ دار پر لٹکا دیا جاؤں۔ میں اُن علماء کا پرچم لئے پھرتا ہوں جو ۱۸۵۷ء میں فرنگیوں کی تیغِ بے نیام کا شکار ہوئے تھے خدائے ذوالجلال کی قسم! مجھے اس کی کچھ پرواہ نہیں کہ لوگ میرے بارے میں کیا کہتے ہیں۔ لوگوں نے پہلے ہی کب کسی سرفروش کے بارے میں راست بازی سے سوچا ہے۔ وہ شروع سے تماشائی ہیں اور تماشا دیکھنے کے عادی ہیں"

"میں اس سرزمین میں مجدد الف ثانیؒ کا سپاہی ہوں، شاہ ولی اللہؒ اور اس کے خاندان کا نمک خوار ہوں سید احمد شہیدؒ کی غیرت کا نام لیوا ہوں۔ شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی جرأت کا پانی دیوا ہوں، ان پانچ مقدسوں ہائے سازش کے پابہ زنجیر مسلمانوں اُمت کے لشکر کا ایک ادنیٰ سا غلام ہوں جنہیں حق کی پاداش میں عمر قید اور موت کی سزائیں دی گئیں۔ میرے جگر گوشوں میں خون نہیں آگ دوڑ رہی ہے۔ ہاں ہاں میں انہی کی نشانی ہوں، انہی کی صدائے بازگشت ہوں۔ میں علی الاعلان کہتا ہوں میں محمد قاسم نانوتویؒ کا علم لیکر نکلا ہوں، میں نے شیخ الہندؒ کے نقشِ قدم پر چلنے کی قسم کھا رکھی ہے، میں زندگی بھر اُسی راہ پر چلتا رہا ہوں اور چلتا رہوں گا۔ میرا اسکے سوا کوئی مؤقف نہیں میرا ایک ہی نصب العین ہے وہ یہ کہ برطانوی سامراج کی لاش کو کفنانا اور دفنانا"

یہ تھے وہ تاریخی الفاظ جو آج سے تقریباً بیس سال پہلے ایک مردِ قلندر کی زبانِ مبارک سے نکلے تھے۔ جو برصغیر پاک و ہند کے لاکھوں نہیں کروڑوں انسانوں کے دلوں کے بے تاج بادشاہ تھے جسے ملتِ اسلامیہ امیر شریعت کے لقب سے یاد کرتی ہے۔ مغلیہ سلطنت کے زوال کے چونتیس سال گذر چکے تھے۔ سید ضیاء الدین بخاریؒ حسنی کے گھر ایک عظیم فرزند کی ولادت ہوئی جس نے فرنگی حکمرانوں کی دیواروں پر تحریکِ آزادی کی شمع کو استقدر فروزاں کیا جس سے فرنگی اقتدار کا

محل خاکستر ہو گیا۔

امیر شریعت کا عظیم اعزاز شاہ جی کو مارچ ۱۹۳۰ء میں ان کی مذہبی و سیاسی خدمات کے صلہ میں فخر الاماثل خاتم المحدثین آیت من آیات اللہ سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری قدس سرہ نے انجمن خدام الدین لاہور کے سالانہ جلسہ میں ہزاروں علماء کی موجودگی میں دیا۔ اس عظیم اعزاز کے بعد حضرت علامہ کشمیری نور اللہ مرقدہٗ خود بھی بیعت ہوئے، دیگر ہزاروں علماء نے آپ کے دست حق پرست پر بیعت کی جن میں مولانا ظفر علی خانؒ، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ، مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ اور مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ سر فہرست تھے۔ ناموس رسالت کی حفاظت اور مسئلہ تحفظ ختم نبوت کے لئے جب بھی نازک وقت آیا امیر شریعتؒ سینہ سپر ہو کر قائدانہ وار آگے بڑھے۔

قرآن سے عشق، انگریز سے نفرت شاہ جی کے خمیر میں رچی بسی ہوئی تھی۔ قرآن حکیم کی تلاوت سے معلوم ہوتا تھا جیسے آیات قرآنی کا نزول ہو رہا ہے۔ آپ کی تلاوت کے سننے کے لئے غیر مسلم مذاہب کے لوگ بھی دلچسپی لیتے تھے۔

۲۶ اپریل ۱۹۴۶ء رات گیارہ بجے اردو پارک دہلی میں پانچ لاکھ کے عظیم اجتماع میں شاہ جیؒ نے آخری تاریخی تقریر کی تو اس میں برطانوی مشن کے سربراہ ہند لارڈ پیتھک لارنس، مولانا ابو الکلام آزاد، پنڈت جواہر لال نہرو شامل تھے۔ مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ کی زیر صدارت یہ جلسہ تھا۔ ٹھیک بارہ بجے شاہ جیؒ نے قرآن مجید کی تلاوت شروع کی تو لاکھوں انسانوں کے عظیم اجتماع میں ہُو کا عالم طاری تھا۔ جب تلاوت ختم ہوئی تو پنڈت جواہر لعل نہرو نے مجمع میں سے اٹھتے ہوئے کہا میں تو بخاری کا قرآن سننے آیا تھا میں معذرت کیساتھ اجازت چاہتا ہوں۔ برطانوی مشن کی آمد کے باعث میں زیادہ مصروف ہوں۔

شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ کو قرآن مجید وراثت میں ملا تھا۔ جانشین امیر شریعت سید ابو ذر بخاری مدظلہ راوی ہیں وہ فرماتے ہیں ہمارے دادا جان سید حافظ ضیاء الدین بخاریؒ نے فرمایا میں تیرے والد (امیر شریعتؒ) کے ساتھ اکثر قرآن مجید کی تلاوت کا مقابلہ کرتا تھا۔ ہم دونوں اکثر اوقات قرآن حکیم دو رکعتوں میں ختم کر لیتے تھے۔ شاہ جی فرماتے تھے کہ میں اکثر ظہر اور عصر کے درمیان کے قلیل وقت میں قرآن حکیم ختم کر لیا کرتا تھا۔

حکومت برطانیہ کی قیادت میں ہندوستان میں مرزائیت ایک ایسی اسلام دشمن تحریک تھی جس کا مقصد ہندوستان میں مسلمانوں میں نئی نبوت کا سوانگ رچا کر تفرقہ پیدا کر کے اجنبی راج کو سنبھالا دیا جا سکے لیکن شاہ جیؒ کی دور رس عقابی نگاہ نے اس پس منظر کو فوراً تاڑ لیا چنانچہ اس کے مکمل استیصال کے لئے شاہ جی نے جس پامردی کے ساتھ جہادِ عظیم شروع فرمایا وہ رہتی دنیا تک یاد رہیگا۔ مرزائیت کو اقلیت قرار دلانے کے لئے شاہ جیؒ نے صرف ایمان کامل تقویٰ کو زادِ راہ بنا کر اس سنگلاخ وادی میں قدم رکھا۔ اس منزل کا ہر موڑ گواہی دے گا کہ اس مرد قلندر حق گو و حق بین کے پائے استقلال میں ذرہ بھر بھی کوئی طاغوتی طاقت جنبش نہ دے سکی۔ امیر شریعتؒ اکابر کے نزدیک ملہم من اللہ تھے۔ میں تو یہاں کہوں گا کہ نصرت

آپ کی باتیں عطاءِ الٰہی تھیں بلکہ آپ کا سارا وجود عطاءِ الٰہی تھا جس کی ذات کے مقابلے میں برصغیر پاک و ہند کے بڑے بڑے فتنے خس و خاشاک کی طرح بہہ جاتے۔ ہندوستان کا چپہ چپہ اس بات کا شاہد ہے اور منبر و محراب اس بات کے گواہ ہیں۔ بتان چین صنم کدۂ ہند میں اللہ اکبر کی صدا اور ظلمت کدۂ ہند میں مسلمانوں کے لئے مینارۂ نور تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آپ کو بے انتہا عشق تھا وفور جذبات میں آکر فرماتے:

"ختم نبوت کی حفاظت میرا جزو ایمان ہے جو شخص بھی اس ردا کی چوری کرے گا جی نہیں چوری کا حوصلہ بھی کرے گا میں اس کے گریبان کی دھجیاں بکھیر دوں گا۔ میں اپنے میاں کے سوا کسی کا نہیں، نہ اپنا نہ پرایا، میں حضورؐ کا ہوں حضورؐ میرے ہیں۔ جن کے حسن و جمال کی رب کعبہ نے قسمیں کھا کھا کر آراستہ کیا ہو میں اس کے حسن و جمال پر نہ مر مٹوں تو لعنت ہے اس پر جو ان کا نام تو لیتے ہیں لیکن سارقوں کی خیرہ چشمی کا تماشا دیکھتے ہیں۔"

امیر شریعتؒ حق کی پاداش میں تقریباً نو سال جیل میں رہے۔ اس عرصہ قید و بند میں بان بُنا، گندم پیسی، مونج کوٹی مگر آپ کے پائے استقلال میں ذرہ بھر بھی جنبش نہ آئی اور بعض سزائیں تو عمر قید یا سزائے موت بھی تھیں۔ مگر اکمل الانسانوں ہزاروں علماء اور کئی پاکباز مقدس ہستیوں کی دعائیں شاملِ حال تھیں جس سے آپ مختلف مقدمات کے بعد کامیابی سے باہر نکل آئے۔ مشہور کیس بغاوت کی سماعت شروع ہوئی امیر شریعت پابندِ سلاسل تھے جیل ہی سے بانی خانقاہ سراجیہ قطب دوراں حضرت مولانا ابوالسعد خانؒ کو پیغام بھیجا کہ آپ میری رہائی کی دعا فرمائیں اور یہی پیغام حضرت مولانا خلیفہ غلام محمد دین پوریؒ کو بھی بھجوایا چنانچہ ان پر دو اکابرین کی خصوصی توجہات اور دعاؤں سے امیر شریعت نہ صرف رہا ہوئے بلکہ بعد ازاں بھی ساز شوں پر مبنی مقدمات سے بھی نجات پائی۔ بقیۃ السلف حضرت مولانا عبداللہ درخواستی مدظلہٗ حج پر تشریف لے گئے۔ مدینہ منورہ میں قیام کے دوران آپ کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت درخواستی کو فرمایا "میرے بیٹے سید عطاء اللہ شاہ کو میرا سلام کہنا اور کہنا خدا تعالیٰ آپ کو قادیانیوں پر غالب فرمائیں گے۔"

حضرت درخواستی مدظلہٗ کراچی سے سیدھے ملتان تشریف لائے اور یہ پیغام دے کر پھر خانپور تشریف لے گئے خانگاہ میں مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ تشریف لائے دورانِ درس فرما رہے تھے "مجھے ان مقدس پاکباز ہستیوں کی قبروں کا بذریعہ کشف علم ہوا جو حضرت ہجویریؒ سے بھی زیادہ درجات کے مالک ہیں مگر اس کا علم پہلے امیر شریعت کو ہوا بعد میں مجھے ہوا۔ امیر شریعت وقت کے بہت بڑے ولی اللہ ہیں یہ چیز کسی بینا کو معلوم ہو سکتی ہے اندھے کو نہیں۔ میں ان کی مذہبی خدمات کے پیش نظر ان کا بہت احترام کرتا ہوں اور ان کی صحت کے لئے شب و روز دعا گو ہوں۔" مہتمم دارالعلوم دیوبند قاری محمد طیب صاحب فرماتے ہیں:

"ہر مرید اپنے شیخ کا اور ہر شاگرد اپنے استاد کا عاشق ہوتا ہے لیکن سید عطاء اللہ شاہ صاحب کی وفات کی خبر حضرت رائے پوریؒ (جو امیر شریعت کے شیخ تھے) کو ملی تو حضرت شیخ بے اختیار رو پڑے اور رونے میں آوازیں نکل گئیں۔ جس کا شیخ اپنے مرید کی موت پر پھوٹ پھوٹ کر روئے اس کی محبوبیت کی کیا انتہا ہو سکتی ہے۔"

ایفاءِ عہد

سید ابوذر بخاری مدظلہ

تمناؤں کا مرکز اک سفینہ — سمندر کا تموج قہرمانی
وہ ساحل کا سکون اسکی متانت — وہ صحراء میں تپش کی حکمرانی
وہ میقاتِ یلملم اور احرام — وہ لبیک و درود و رجز خوانی
وہ بن کھیتی کا خطۂ ارضِ بکہ — وہ کعبہ کی جلال آگیں نشانی
خوشا دیوانگی در طوفِ کعبہ — زہے بوسیدنِ سنگِ جنانی
رَمَل اظہارِ سرگرمیٔ عشاق — وہ شانِ اضطباعِ مسلمانی
حطیم و بابِ کعبہ پر دعائیں — وہ فیضِ عام اور رکنِ یمانی
وہ جدول نور کی میزابِ رحمت — سوادِ کعبہ کی وہ ضوء فشانی
وہ رونا اور لپٹنا ملتزم سے — وہ شوقِ وصلِ حسنِ لامکانی
وہ ربّ البیت سے فریادِ ہجراں — حضوری اور مخاطب یارِ جانی
گلوگیری وہ آوازوں میں رقت — ندامت اور اشکوں کی روانی
وہ عشاقِ ازل کی جاں نثاری — وہ محبوبِ ابد کی دل ستانی
وہ لرزاں ہاتھ اور دامن کسی کا — وہ ترساں چہرے اور آنکھوں میں پانی
مصلّیٔ براہیمی میں سجدے — مبارک اقتداءِ نیک بانی
وہ تشنوں کی پیاس اور سوزِ باطن — وہ زمزم اسکی وہ فیضاں رسانی
ازل کے عہد کی تجدیدِ دائم — نہیں موجِ بقاء در بحرِ فانی
صفا مروہ پہ مجنونانہ گردش — وہ حیرانی میں ذوقِ کامرانی
شِعب اور بوقبیس و دارِ ارقم — یہاں پوشیدہ ہے حق کی نشانی
وہ عرفات و منیٰ وہ مظہرِ عشق — وہ مزدلفہ کی شب زریں سہانی
وہ خیف و نمرہ میں عجز و تعبّد — وہ مشعر میں وقوفِ بے مکانی

وہ ظہر و عصر کی تکبیر یکجا — وہ مغرب اور عشاء کی ہمعنانی
رقیب رُوسیہ کی نامرادی — وہ رمیِ جمرہ وجہ شادانی
وہ قربانی وہ اک شکرانۂ وصل — وہ حلق و قصر اور پھر میزبانی
کفن عشاق کا اب ہوگیا ترک — یہ ملبوس رضا شد میہمانی
غلامی اور آقائی کے منظر — وہ باقی اور یہ مخلوق فانی

کہاں ہم اور کہاں یہ نکہتِ گل
نسیم صبح تیری مہربانی

نعت شریف بحضور صلی اللہ علیہ وسلم

والیِ کونینؐ کیسا نام اعلیٰ آپؐ کا — قلب کو ٹھنڈک ملی جب [illegible] آپؐ کا
روضۂ اقدس پہ ہو آداب سے میری حاضری — گر دعا مقبول ہو، جاؤں گا صدقہ آپؐ کا
احمدِ مرسل محمد مصطفیٰ محبوبِ کل — دو جہانوں کے لئے کافی ہے سایہ آپؐ کا
میں بھی دیکھوں اپنی آنکھوں سے ریاض الجنۃ کو — سن رہا ہے یہ صدا اک نام لیوا آپؐ کا
آپؐ ہیں ختم الرسل یٰسین و طٰہٰ یا نبیؐ — دی شہادت پتھروں نے پڑھ کے کلمہ آپؐ کا
میں بھی مجبوروں اور بے بسوں آکر [illegible] کو — کر رہا ہے التجا یہ اک دیوانہ آپؐ کا
میرے دل کی سب کی سب تاریکیاں کافور ہوں — رحمتہ للعالمینؐ دیکھوں جو روضہ آپؐ کا
محسنِ انسانیتؐ اے پیکرِ علم و ہنر — تیرے پاکستان میں طیبہ کو شیدا آپؐ کا

بقعۂ نور شرمگیں ہے دیکھ کر انجم ہے
مرکزِ انوار ہے وہ شہرِ طیبہ آپؐ کا

اتحاد — اسلام کی خاطر

اسلامی جمہوریہ پاکستان کو اسوقت اتفاق و اتحاد اور یک جہتی کی جتنی ضرورت ہے شاید اس سے پہلے کبھی نہ تھی اس کی وجہ یہ ہے کہ پاکستان بننے کے بعد جس قدر حکومتیں بھی برسر اقتدار آئیں وہ اسلام کا نام لیکر اسلامیان پاکستان کے جذبات سے کھیل کر فائدہ تو اٹھاتی رہیں لیکن عملاً انہوں نے پوری قوم کو اسلام سے دور ہی رکھا۔ اللہ کا شکر ہے کہ ہمارے موجودہ حکمران اپنے زبان و دل سے اسلام کی خدمت کرنا چاہتے ہیں، وہ اخلاص کیساتھ اسلام کو اس ملک کا نظام زندگی بنانا چاہتے ہیں اور وہ بتدریج اس کے نفاذ کی طرف قدم بڑھا رہے ہیں۔

اسلام کسی ایک شخص کا اجارہ نہیں یہ ہر شخص کا شخصی معاملہ ہے اور پوری ملت کا اجتماعی معاملہ بھی۔ اس لئے ہمارے ہر فرد کو اپنے طور پر اپنی زندگی میں بغیر کسی جبر و کراہ کے اپنانا چاہیئے اور اجتماعی زندگی میں حکومت جب بھی کوئی ایسا حکم نافذ کرے جو اسلامی اقدار کو برپا کرنے والا ہو تو اس معاملے میں حکومت کیساتھ پورا پورا تعاون کرنا چاہیئے۔ ہمارے تمام اداروں اور تنظیموں کو چھوڑ کر سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے نمونے کو پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ کفر کے غلبے اور غیر اسلامی نظام حیات کے باعث ماضی میں ہمارے اندر جو خامیاں راہ پا گئی تھیں ہمیں ان میں ہر خامی کو اب دور کرنا چاہیئے جو اسلامی اصولوں سے متضاد ہو۔ اسوقت پوری ملت کو حرکت میں آنا چاہیئے تاکہ اسلامی انقلاب ہر گھر ہر محلے اور ہر شہر میں دیکھنے والی آنکھوں کو نمایاں طور پر نظر آئے۔ اس کے لئے حکومت کے کسی حکم کا انتظار کرنے کی ضرورت نہیں۔ مشہور برائیاں اور مشہور نیکیاں کسے معلوم نہیں۔ برائیوں کو ترک کرنے کے لئے جرأت ایمانی کی ضرورت ہے اور نیکیوں کو اختیار کرنے کے لئے بھی ویسی ہی جرأت ایمانی درکار ہے۔ فرداً فرداً ہر شخص کو انفرادی برائیاں ترک کر کے نیکیوں کی طرف رجوع کرنا چاہیئے اور اجتماعی سطح پر ہر ادارے اور ہر تنظیم کو اجتماعی منکرات کو کسی قانونی حکم کا انتظار کئے بغیر اپنے اندر سے نکال پھینکنا چاہیئے اور اجتماعی معروفات کو رائج کرنا چاہیئے۔

اس کام کے لئے جہاں ہم حکومت سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ جلد از جلد سابق حکومتوں کی پھیلائی ہوئی برائیاں ایک ایک کر کے ختم کرے گی، غیر اسلامی قوانین کو اسلامی قوانین کے نفاذ سے بدلے گی، عدالتوں اور تعلیمگاہوں میں اسلام کو جلوہ گر کرے گی، سود کا خاتمہ کر کے نئے اقتصادی نظام کے نفاذ کی طرف قدم بڑھائے گی، شراب، زنا، چوری، ڈاکہ اور ہر قسم کی بدی کا سد باب کرے گی وہاں ہم معاشرے کے ذی شعور افراد اور سماجی و دینی تنظیموں کے قائدین سے بھی توقع رکھتے ہیں کہ وہ گذشتہ

غیر اسلامی طریقوں سے اجتناب کریں گے، ہر بات اور ہر کام اسلامی تعلیمات کو سامنے رکھ کر کریں گے۔ ان کی مخالفت بھی اسلام کی خاطر ہوگی اور ان کی حمایت بھی اسلام کی خاطر ہوگی۔ وہ اپنی صفوں کے اندر کمزور کردار کے افراد کو گھسنے نہیں دیں گے بلکہ ان کی پوری تربیت کرکے انہیں ان کا جائز مقام دیں گے۔ نظامِ اسلام کا قیام ایک عظیم کام ہے۔ اس کے واسطے افراد کو بھی عظیم حوصلے اور مضبوط ایمان کی ضرورت ہوتی ہے ان کے قائدین کو جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ اور صحابہ کرام کی زندگیاں اپنے سامنے رکھنی چاہئیں۔

جس وقت قائدین عوام اور حکومت نفاذِ اسلام کی جدوجہد میں متحد ہوکر کام کریں گے تو ان کا یہ اتحاد کفری طاقتوں کو پسند نہیں۔ کفر کی یہ طاقتیں عیسائی ہوں یا یہودی، ہندو ہوں یا دہریے سب کو یہ اتحاد ناپسند ہے۔ اب جبکہ پاکستان میں اسلام کو نعرے کے طور پر نہیں بلکہ ایک نظامِ حیات کے طور پر نافذ کرنے کی سنجیدہ کوششیں ہو رہی ہیں یہ طاقتیں جانتی ہیں کہ پاکستان اس سے ایک مربوط و مضبوط ملک بن جائے گا، پاکستان کی طاقت عالمِ اسلام میں ایک نئی رُوح دوڑا دے گی۔ اور یہی بات ہے جو نہ بھارت کو پسند ہے نہ روس کو نہ امریکہ کو اور نہ اسرائیل کو اور یہ طاقتیں پاکستان کو اس قدر طاقتور دیکھنا ہرگز پسند نہ کریں گی اور اس طاقت کو نقب لگانے کی ناپاک کوششیں کریں گی۔ وہ پاکستان میں نظامِ اسلام کے قیام کی جدوجہد کو ہر طرح سبوتاژ کرنے کی کوشش کریں گی۔ اس سے ہمیں چوکنا رہنے کی ضرورت ہے۔ اپنی صفوں میں انتشار کی ہر کوشش کو فی الفور دبانے کی ضرورت ہے اور اسلام کی خاطر اور اللہ کے دین کو سربلند کرنے کی خاطر ملت کو سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جانے کی ضرورت ہے۔ قوم کو اپنے اندر اتحاد برقرار رکھنا چاہیئے اور پوری قوم کو حکومت کے ساتھ ہر اچھے کام میں تعاون کرنا چاہیئے اور جہاں کہیں بُرائی نظر آئے اسے متحد ہوکر دبانے کی کوشش کرنی چاہیئے اس طرح پاکستان صحیح معنوں میں پاکستان بنے گا۔ لہٰذا عالمِ اسلام اس وقت پاکستان کی طرف نظریں جمائے ہوئے ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عالمِ اسلام کی توقعات پر پورا اترنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

(المستاسم)

نقد و تبصرہ
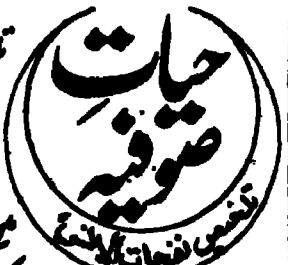
کتاب: ماہتاب عرب

تصنیف لطیف: مولانا عاشق الٰہی میرٹھی ۔ ناشر: ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان۔ قیمت ۲۲/۵۰ روپے آفسٹ پیپر

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہر دور میں عشق و محبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت لازوال سے مالامال سیرت نگاروں نے طبع آزمائی فرمائی اور جذبہ عشق کا اظہار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف و کمالات، محاسن و محامد اور خصائل و شمائل پر اپنے انداز میں سپرد قلم کیا۔ یہ ذخیرہ عربی زبان میں ہے لیکن اردو زبان کا دامن بھی اس سے خالی نہیں۔ زیر نظر کتاب "ماہتاب عرب" میں جس طرز بیان و استدلال کو مصنف موصوف نے اختیار فرمایا ہے وہ ایک عجیب انمول ہے جس سے کتاب کی انفرادی اور امتیازی حیثیت عیاں ہوتی ہے۔ مثال مشہور ہے۔ "دریا بحباب اندر" یہ مثال اس کتاب پر کس طرح صادق آتی ہے اس کے مطالعہ سے بخوبی اندازہ ہو جائیگا۔ "ماہتاب عرب" کے مصنف بھی عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی قلبی دولت سے دامن بھرے ہوئے ہیں جس کی ترجمانی قلم و قرطاس سے کی ہے۔ الا ما ویتر شح بما فیہ ۔ مصنف موصوف حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری قدس سرہ کے خلیفہ راشد اور مدرسہ مظاہر العلوم کے سرپرستوں میں سے ہیں حدیث کی بہت بڑی کتاب "جمع الفوائد" بھی انہی کی مرتب کردہ ہے علاوہ ازیں "تذکرۃ الرشید" اور "تذکرۃ الخلیل" بھی انہی کی تصنیف لطیف ہے۔ (ادارہ)

مقام مسرت

مقام مسرت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانان پاکستان کو اسلامی جمہوریہ پاکستان میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے بعد قادیانیوں کی اس کوشش کو کہ سپریم کونسل سے اس فیصلہ کو کالعدم کروایا جائے اور اپنے آپکو مسلمان ثابت کرنے کی سعی ناتمام کے مقابلہ میں عالمی عدالت میں بھی واضح کامیابی عطا فرمائی اور قادیانیوں کو شکست فاش کا سامنا کرنا پڑا۔

نتائج امتحانات سالانہ

وفاق المدارس العربیہ پاکستان

رول نمبر	نام	ولدیت	نمبر حاصل کردہ	درجہ	رول نمبر	نام	ولدیت	حاصل کردہ نمبر	درجہ
۱	دار العلوم اکوڑہ خٹک				۱۹	خیر اللہ	عبدالحکیم	۳۰۱	وسطیٰ
۱	احمد چراغ دین	محمود تاج الدین	۳۳۶	وسطیٰ	۲۲	دین محمد	شیخ امام الدین	۳۰۶	〃
۲	احمد رحمت شاہ	مولوی نعیم شاہ	۲۴۴	[illegible]	۲۳	روح اللہ حقانی	حسین گل	۲۴۰	اولیٰ
۳	امام محمد	دین محمد	۲۷۱	اولیٰ	۲۴	سردار علی	عبدالمجید	۳۱۳	وسطیٰ
۴	امین اللہ	مولوی عبدالجبار	۲۵۰	〃	۲۵	سخی مرجان	یاسین	۲۹۱	اولیٰ
۵	احسان الرحمٰن	مولوی سراج گل	۳۵۶	وسطیٰ	۲۶	سید سلام شاہ	مولوی سید شاہ	۳۱۹	وسطیٰ
۶	احمد حسن	مولوی محمد حسن	۲۹۶	اولیٰ	۲۷	سمیع الحق	مولوی غلام احمد	۳۱۲	〃
۷	امیر حمزہ	فیض محمد خان	۲۴۹	[illegible]	۲۸	شیر علی خان	حاجی حیات خان	۳۱۰	〃
۸	انیس الرحمٰن	مولانا محمد رحمٰن	۳۴۲	وسطیٰ	۲۹	شمس الدین	محمد امین	۲۶۸	اولیٰ
۹	امان اللہ	مولانا محمد اسحاق	۳۰۱	〃	۳۰	شہزادہ	صاحب دین	۲۹۳	〃
۱۰	اختر سعید	کرامت شاہ	۳۹۱	علیا	۳۱	صاحب خان	علم خان	۲۸۷	〃
۱۱	انعام الرحمٰن	مولوی حافظ جعفر گل	۲۹۸	اولیٰ	۳۲	قاری عبدالجلیل	حاجی حلیم گل	۳۰۸	وسطیٰ
۱۲	تحسین اللہ	عبدالرزاق	۲۶۵	〃	۳۳	عبدالصمد	مولوی دادکرم	۲۶۲	[illegible]
۱۳	حسین احمد	مولانا مفتی محمد فرید	۳۰۷	وسطیٰ	۳۴	عجب نور	گلزاد	۲۷۱	اولیٰ
۱۴	حبیب اللہ	رحیم اللہ	۳۲۹	〃	۳۵	محمد حمید اللہ	مولانا سید تیمور شاہ	۳۵۴	وسطیٰ
۱۵	حمد اللہ	مولانا شریف خان	۲۵۹	[illegible]	۳۶	عصمت اللہ	مولانا عبدالخالق	۲۸۹	اولیٰ
۱۷	خان محمد نیازی	حاجی شیر خان	۳۲۴	وسطیٰ	۳۷	محمد ایوب	محمد حنیف	۲۸۴	〃
۱۸	خلیق الرحمٰن	مولوی عبدالرحمٰن	۳۱۵	〃	۳۸	عبدالرحمٰن	مولوی محمد حیات	۲۵۰	[illegible]

رول نمبر	نام	ولدیت	حاصل کردہ نمبر	درجہ
۴۰	عبدالسلام	محمد عالم	۲۶۸	اولیٰ
۴۲	عبدالاحد	مولانا محمد علی	۳۱۲	وسطیٰ
۴۳	عبدالصمد	عبدالسلام	۳۰۶	"
۴۴	عبدالرحمن	مولوی محمد ایوب	۳۱۷	"
۴۵	فرید اللہ	مولوی حمید اللہ	۲۹۸	اولیٰ
۴۶	فیض اللہ	مولوی بلوچ خان	۲۴۴	"
۴۷	فقیر نواز	حاجی عبدالدار	۲۵۴	"
۴۹	فضل ربی	مولوی احمد جان	۲۸۵	"
۵۰	فضل امین	حکمت شاہ	۲۵۶	ضمنی ترقی
۵۱	فضل غفار شاہ	دلبر شاہ	۲۸۱	اولیٰ
۵۲	فرید الحق	شمس الحق	۳۲۹	وسطیٰ
۵۴	گل جمال صابر	اکبر علی خان	۲۷۴	اولیٰ
۵۵	گل محمد	گل خان	۲۸۴	"
۵۶	گل باچا	فضل الرحمن	۲۹۴	"
۵۷	گلاب خان	نواب خان	۲۴۰	ضمنی ترقی
۵۸	گلزار احمد	خادم شاہ	۲۸۰	"
۵۹	گل فرید شاہ	زرشن شاہ	۲۴۹	اولیٰ
۶۱	محمد سلیمان	عزیز الرحمن	۲۸۷	"
۶۲	محمد جمال	گلدار شاہ	۳۰۳	وسطیٰ
۶۳	محمد یوسف	محمد سورک	۳۲۰	"
۶۴	محمد زمان	حاجی امان اللہ	۲۶۶	اولیٰ
۶۵	محمد عبداللہ	بہادر	۲۶۲	ضمنی ترقی
۶۶	محمد سردار خان	محمد یسین	۳۱۰	وسطیٰ
۶۷	محمد حنیف	محمد حسین	۳۲۶	"
۶۸	معراج الدین	مولانا سندری	۲۵۵	اولیٰ
۶۹	محمد سعید	مولوی نور محمد	۳۶۴	علیا
۷۰	مظہر الدین	محمد امین	۳۳۸	وسطیٰ
۷۱	محبوب اللہ	حاجی سیف الرحمن	۳۴۳	علیا
۷۲	قاضی محمد راشد الحسینی	قاضی محمد زاہد الحسینی	۳۰۹	وسطیٰ
۷۳	محمد سرور	سردار	۲۹۴	اولیٰ
۷۴	محمد طاہر	محمد سند	۳۸۰	علیا
۷۵	محمد افضل	سید افضل	۲۸۹	اولیٰ
۷۶	مصباح الدین	مولوی احمد الدین	۳۶۲	علیا
۷۷	محمد قاسم	مولانا میاں داد	۲۷۲	اولیٰ
۷۸	محمد طاہر	محمد عنایت اللہ	۳۲۰	وسطیٰ
۷۹	محمد عزیز	محمد خان	۲۵۱	ضمنی ترقی
۸۰	محمد حسن	حاجی عبدالحنان	۳۳۵	وسطیٰ
۸۱	محمد انور	محمد رحمن	۲۷۲	اولیٰ
۸۲	سید مبارک خان	مولوی سید وزیر	۳۳۴	وسطیٰ
۸۳	حاجی محمود	مولوی فقیر محمد	۳۳۱	"
۸۵	محمد داؤد خان	شیر ولی	۲۸۱	اولیٰ
۸۶	فیضان الرحمن	مولوی عمر خان	۲۵۹	"
۸۷	محمد ظاہر شاہ	فضل منان	۲۹۰	"
۸۸	محمد مختار	آغا محمد	۳۰۱	وسطیٰ
۸۹	مسعود جان	بخت منیر	۲۶۱	اولیٰ
۹۰	محمد آصف	محمد عارف	۳۵۹	وسطیٰ
۹۲	نور الباری	نور الحق	۲۸۲	اولیٰ
۹۳	نور الحق	عبدالحق	۳۴۳	وسطیٰ

رولنمبر	نام	ولدیت	حاصل کردہ نمبر	درجہ
۹۴	نصیب خان	راستہ میر	۲۷۶	اعلیٰ
۹۵	وزیر محمد	صدائے نظر	۳۳۴	وسطیٰ
۹۶	ولی محمد حقانی	سید حبیب	۲۶۱	اعلیٰ
۹۷	یار محمد قندھاری	حاجی نظر محمد	۳۴۰	وسطیٰ
۹۸	حافظ محمد صدیق	عبدالواقف	۳۱۱	″
۹۹	حبیب الرحمٰن	عبدالجلیل	۲۶۳	اعلیٰ
۱۰۱	اشرف علی	حکیم خان	۳۰۵	وسطیٰ
۱۰۲	عبدالحق	محمد خان	۳۰۴	″
	دارالعلوم سرحد پشاور			
۱۰۳	عبدالوکیل	عبدالسلام	۲۵۵	اعلیٰ
۱۰۴	سید جلال الدین	سید جمال الدین	۲۹۹	″
۱۰۵	عبدالرحیم	طالب جان	۲۵۸	″
۱۰۷	بہادر خان	حاجی خان	۲۴۶	″
۱۰۸	رحمت حسین	غلام حسین	۲۶۲	″
۱۰۹	فیض الرحمٰن	سید رحیم شاہ	۲۸۵	″
۱۱۰	خلیل الرحمٰن	قاضی عبداللطیف	۲۷۹	″
۱۱۱	شمس الرحمٰن	سعید الحق	۲۷۵	″
۱۱۲	فضل وہاب	فضل الرحمٰن	۳۰۵	وسطیٰ
۱۱۳	شفیق الرحمٰن	برہان الدین	۳۱۳	″
۱۱۴	سراج الاسلام	سید گل	۲۴۳	اعلیٰ
۱۱۵	جمال سید	محبت خان	۲۸۹	″
۱۱۶	فضل الرحمٰن	عبدالمجید	۲۸۷	″
۱۱۷	سید فیض اللہ	سید فیض محمود شاہ	۲۷۶	″

رولنمبر	نام	ولدیت	نمبر	درجہ
۱۱۸	مختار احمد	غلام احمد	۲۹۸	اعلیٰ
۱۱۹	شبیر احمد	مشرف خان	۲۹۰	″
	دارالعلوم اسلامیہ چارسدہ			
۱۵۰	عبدالصمد	عبدالمالک	۳۴۴	وسطیٰ
۱۵۱	عبدالرؤف	گل اکبر	۲۵۹	اعلیٰ
۱۵۳	میاں محمد	گل محمد	۲۸۴	″
۱۵۸	محمد اسرائیل	حفیظ الدین	۲۶۸	″
۱۵۹	روح الامین	قدرت شاہ	۲۴۹	مشروط کامیاب
۱۶۰	ساجد اللہ	فضل غنی	۳۳۹	وسطیٰ
۱۶۱	سید محمد مبارک شاہ	سید محمد یعقوب شاہ	۳۱۰	″
۱۶۳	سنگ جان	محبر گل	۲۶۶	اعلیٰ
۱۶۴	شمس الزمان	سعید الرحمٰن	۳۶۰	علیا
۱۶۶	محب اللہ	اعوذ باللہ	۲۷۱	اعلیٰ
	مرکزی دارالقراء ٹکمنڈلی پشاور			
۱۶۷	محمد اسحاق	نور عالم	۲۸۵	اعلیٰ
۱۷۱	ناصر خان	ابراہیم	۲۴۵	″
۱۷۲	رحمٰن الدین	عبدالستار	۳۳۸	وسطیٰ
۱۷۳	محمد کریم	فضل حکیم	۲۵۲	مشروط کامیاب
۱۷۴	عبدالولی	محمد شعیب	۲۴۰	″
۱۷۶	میاں گل	سخی	۲۵۰	″
۱۷۷	عبدالصمد	جمال الدین	۲۸۳	″
۱۷۸	عبدالوہاب	عبدالغفار	۲۷۶	اعلیٰ

رول نمبر	نام	ولدیت	نمبر	درجہ
۱۷۹	محمد خان	محمد اللہ	۲۴۰	[illegible]
۱۸۰	امیر نواب	محمد اکرم	۲۴۰	״
۱۸۲	احمد گل	محمد خان	۲۴۰	״
۱۸۴	محمد سعادت اللہ	محمد ہاشم	۲۷۳	اعلیٰ
۱۸۵	عبد الغفور	بابا جان	۲۴۰	״
۱۸۶	محمد جان	سید اجان	۳۲۶	وسطیٰ
۱۹۱	مرلوالدین	راشد دین	۲۶۴	اعلیٰ
۱۹۳	عمر لنان	سراج خان	۲۴۰	״
۱۹۴	سید حامد اللہ ہاشمی	عبد اللہ جان	۲۶۴	״
۱۹۵	عبید الغفور	نیاز محمد	۲۷۹	״
۱۹۷	حبیب الرحمن	عبد الرحمن	۲۹۱	״
۱۹۰	سید اکبر حسین	غیرت بیگ	۲۴۳	״
۱۹	عین الدین	غوث الدین	۲۴۳	״
۲۲۰	محمد طاہر شاہ	سید غفور شاہ	۲۷۹	״
۲۰۱	داؤد محمد	نیک محمد	۲۹۸	״
۲۰۲	مشتاق احمد	محمدی گل	۲۶۴	״
	حمایت الاسلام علمی کنڈر خیل			
۲۰۳	سید سکندر شاہ	سید نذیر شاہ	۲۵۳	اعلیٰ
۲۰۵	یاسین گل	رحیم الدین	۲۵۶	״
	دار العلوم عربیہ ـ ٹل			
۲۰۹	علاؤ الدین	شاہ محمد	۲۵۷	اعلیٰ
[illegible]	محمد حنیف	سید گل شاہ	۲۸۳	״

رول نمبر	نام	ولدیت	نمبر	درجہ
۲۱۳	عبد العظیم	محمد امین	۲۴۵	اعلیٰ
۲۱۶	گل محمد	غلام سخی	۲۴۰	״
۲۱۸	عبد العزیز	محمد	۲۵۵	״
۲۲۰	محمود خان	اکبر خان	۲۷۵	״
	جامعۃ العلوم الاسلامیہ زرگری			
۲۲۵	غلام حقانی	غلام رحیم	۲۵۶	اعلیٰ
	انجمن تعلیم القرآن کوہاٹ			
۲۲۹	غوث ناظم	عزیز خان	۳۰۰	وسطیٰ
۲۳۰	عبد القیوم	رئیس خان	۳۰۸	״
۲۳۱	ظاہر شاہ	سید رسند شاہ	۲۷۸	اعلیٰ
۲۳۲	محمد جبرائیل	بہیش گل	۲۵۲	״
۲۳۳	محمد خان	عبد الحکیم	۲۹۷	״
۲۳۴	گل انار	فیض محمد	۲۵۰	״
۲۳۵	محمد شاہ	صنعت شاہ	۲۴۶	״
۲۳۶	محمد رسول	حکیم گل	۳۱۰	وسطیٰ
۲۳۷	جان میر خان	عبد المیر خان	۲۴۷	[illegible]
۲۳۸	محسن شاہ	فقیر گل	۳۰۲	وسطیٰ
۲۳۹	عبد الباری	محمد کریم	۳۲۹	״
۲۴۰	نعمت اللہ	عثمان	۲۷۹	اعلیٰ
۲۴۲	سید محمد	گل خان	۳۰۹	وسطیٰ
۲۴۳	حضرت خان	سمندر	۲۵۹	اعلیٰ
۲۴۵	میاں خان	حاجی بازی	۳۱۶	وسطیٰ

رول نمبر	نام	ولدیت	نمبر	درجہ
۲۴۷	مختار الدین	فضل الرحمٰن	۳۳۸	وسطیٰ
۲۵۰	محمد نواز	خان گل	۳۰۸	؍
	دار العلوم مٹہ	(سوات)		
۲۵۱	احمد سعید	نعمت اللہ	۳۳۳	وسطیٰ
۲۵۲	عبد الشکور	غلام احمد	۳۳۹	؍
۲۵۳	حبیب النبی	قورسم	۳۳۳	؍
۲۵۴	احمد ولی	احمد علی	۲۷۷	مستحق رعایت
۲۶۰	محمد امین	عنایت اللہ	۲۵۱	اعلیٰ
۲۶۱	محمد زمان	عبد الرزاق	۲۸۵	؍
۲۶۲	غلام حق	عبد المجید	۳۳۰	وسطیٰ
۲۶۳	عارف خان عالم یار	یار محمد	۲۵۲	اعلیٰ
۲۶۵	عبد الصبور	غلام احمد	۲۹۳	؍
۲۶۶	عبد القہار	محمد زمان	۲۹۵	؍
۲۷۰	فضل غنی	احمد حی	۳۴۷	وسطیٰ
۲۷۳	عزیز الرحمٰن	عبد اللہ	۲۷۹	اعلیٰ
	اشاعت القرآن	(حضرو)		
۲۷۵	عبد الخالق	عبد الصمد	۳۱۲	وسطیٰ
۲۷۶	محمد فاروق	محمد معروف	۲۷۲	اعلیٰ
۲۷۷	محمد عبد اللہ	محمد جہانگیر	۲۸۷	؍
۲۸۰	عبد العزیز	محمد سعید	۳۴۴	؍
۲۸۲	محمد زبیر	عبد الرب	۳۴۷	وسطیٰ
۲۸۳	عبد الستار	محمد یعقوب	۲۸۳	اعلیٰ
۲۸۴	حبیب الرحمٰن	محمد علی	۲۹۷	اعلیٰ
۲۸۵	عمر حیات	سونا خان	۳۴۹	وسطیٰ
۲۸۷	محمد فرید الدین	عبد المجید	۲۹۸	مستحق رعایت
۲۸۸	محمد حنیف	محمد اسماعیل	۲۶۶	اعلیٰ
	معراج العلوم	بنوں		
۲۸۹	اول خان	عبد اکبر خان	۳۱۵	وسطیٰ
۲۹۰	عبد الرحیم	عبد الحکیم	۲۸۵	اعلیٰ
۲۹۱	امام یوسف	شاہ یوسف	۲۷۲	؍
۲۹۲	احمد خان	قلندر خان	۲۴۷	؍
۲۹۳	محمد راحمن شاہ	امیر جہان شاہ	۳۲۱	وسطیٰ
۲۹۴	محمد رحمٰن	مولوی گل رحمٰن	۳۱۲	؍
۲۹۵	محمد نواز	میرکبوت	۲۹۲	اعلیٰ
۲۹۶	میر ولی شاہ	زر گل شاہ	۳۰۰	وسطیٰ
۲۹۷	عبید اللہ	محمد نواز	۳۰۳	؍
۲۹۸	سید محمد شاہ	سیبک	۲۴۰	اعلیٰ
۲۹۹	اصل محمد	نیاز گل	۳۲۲	وسطیٰ
۳۰۰	سعد اللہ	مسعود	۲۹۴	اعلیٰ
	مظاہر العلوم	تاجی خیل		
۳۰۳	جمعہ خان	سلطان	۲۶۹	مستحق رعایت
۳۰۴	امیر علی خان	کابل خان	۳۵۱	وسطیٰ
۳۰۵	قطب خان	سید اکرم خان	۲۵۹	مستحق رعایت
۳۰۶	عبد بادشاہ	خان زمان	۳۱۳	وسطیٰ

رول نمبر	نام	ولدیت	نمبر	درجہ	رول نمبر	نام	ولدیت	نمبر	درجہ
۳۰۷	شاہ زرخان	محمد خان	۳۵۴	وسطیٰ	۳۳۵	محمد حنیف	واحد بخش	۳۶۸	علیا
۳۰۸	احمد دین	سدے خان	۲۹۶	اولیٰ	۳۳۶	محمد اختر	چندرو خان	۲۹۸	اولیٰ
جامعہ علوم الاسلامیہ کراچی					۳۳۷	عبد الودود	عبد الصادق	۳۳۸	وسطیٰ
					۳۳۸	محمد عمر قریشی	مولانا دوست محمد	۳۶۸	علیا
۳۱۵	فیض الرحمٰن	عبد اللہ جان	۳۵۳	وسطیٰ	۳۳۹	محمد اسرائیل	محمد اسماعیل	۳۳۷	وسطیٰ
۳۱۶	محمد سرور	محمد شفیع	۳۸۳	علیا	۳۴۰	برہان الدین	امر الدین	۳۱۲	״
۳۱۷	سید محمد جمیل	سید محمد گل	۳۲۵	وسطیٰ	۳۴۱	عبد الرحمٰن	مفتی محمد صدیق	۳۶۸	علیا
۳۱۸	عبد القیوم	مولانا عبد الخالق	۳۷۱	علیا	۳۴۲	فضل الرحمٰن	الٰہی بخش	۳۴۱	وسطیٰ
۳۱۹	محمد اکرم سلیم	مولانا شمروز	۳۵۲	وسطیٰ	۳۴۳	حبیب اللہ	قربان محمد	۳۹۳	علیا
۳۲۰	محمد مقدس	عبد الرحیم مقدس	۳۲۷	״	۳۴۴	محمد مسلم	عبد المنان	۳۱۸	وسطیٰ
۳۲۱	حقیق الرحمٰن	مولانا بخت جمال	۳۱۵	״	۳۴۵	نذیر الاسلام	امداز میاں	۳۷۶	علیا
۳۲۲	محمد ادریس رحیمی	مولانا محمد یونس	۳۵۴	״	۳۴۶	محمد امین	احمد	۳۵۰	وسطیٰ
۳۲۳	محمد رحیم	حاجی ولی محمد	۲۸۸	اولیٰ	۳۴۸	عبد الحفیظ	محمد عمر	۳۴۶	״
۳۲۴	سعید احمد سعید	مولانا محمد یوسف	۲۲۴	״	۳۴۹	عبد الوہاب	عبد الشریف	۳۴۷	״
۳۲۵	نور اللہ	گل رحمان	۳۱۸	وسطیٰ	۳۵۰	نعمت اللہ	مولانا صاحب اللہ	۳۴۸	״
۳۲۶	امین الحق	مولانا صالح محمد	۳۱۶	״	۳۵۱	آدم باوا	کانشو	۳۷۵	علیا
۳۲۷	حافظ سردار احمد	محمد یعقوب	۳۵۰	״	۳۵۲	محمد طیب	غوث محمد	۳۵۳	وسطیٰ
۳۲۸	فتح محمد	شاہ محمد	۳۴۰	״	۳۵۳	حامد نبی	شیخ ملکامحن	۳۲۹	״
۳۲۹	الطاف حسین شاہ	نور علی شاہ	۳۷۷	علیا	۳۵۴	تاج محمد	محمد اسماعیل	۳۳۸	״
۳۳۰	فخر الحسن	مولوی محمود الحسن	۳۵۵	وسطیٰ	۳۵۵	محمد شبیر	الحاج میر الحسنی	۲۷۶	اولیٰ
۳۳۱	تاج اللہ	مولوی احمد نبی	۳۴۸	״	۳۵۶	عبد الجبار	تاج محمد	۳۱۰	وسطیٰ
۳۳۲	سید احمد	امیر اصغر	۳۱۲	״	۳۵۷	محمد اسلم	امیر زمان	۳۵۲	״
۳۳۳	محمد عثمان	عبد الشکور	۳۳۴	״	۳۵۸	اعجاز احمد	احمد بخش	۴۰۸	علیا
۳۳۴	عبد المتین	عبد السلام	۳۸۶	علیا	۳۵۹	خلیل اللہ	سید نبی	۳۷۶	״

رولنمبر	نام	ولدیت	نمبر	درجہ	رولنمبر	نام	ولدیت	نمبر	درجہ
۳۶۰	عبدالمجید	عبدالعزیز	۳۵۵	وسطیٰ	۳۸۴	عبدالمتین	ملک ربنواز	۳۱۶	وسطیٰ
۳۶۱	محمد رضا	محمد سعدی	۴۰۵	علیا	۳۸۵	نظام الحق	تحسین الدین	۲۲۵	سنن ترمذی
۳۶۲	فخرالدین	شیر خان	۳۸۷	〃	۳۸۶	فضل الرحمٰن	خداداد	۳۳۳	وسطیٰ
۳۶۳	مشک عالم	امیر قلم	۳۲۰	وسطیٰ	۳۸۷	انیس الرحمٰن	شفیق الرحمٰن	۲۵۰	اولیٰ
۳۶۴	امیر احمد	حاجی عظمت	۳۶۹	علیا	۳۸۸	یوسف	عبدالرحمٰن	۳۴۹	وسطیٰ
۳۶۵	محمد موسیٰ	محمد یوسف	۳۴۳	وسطیٰ	۳۸۹	محمد افضل	رحمت اللہ	۳۶۱	علیا
۳۶۶	محمد ایوب	امیر داد	۳۳۳	〃	۳۹۰	محمد شاہ	محمد یونس	۳۶۴	〃
۳۶۷	مطیع اللہ	سونا خان	۳۶۴	علیا	۳۹۱	عبدالکبیر	سراج الدین	۳۹۱	〃
۳۶۸	عبدالوہاب	عبدالشافی	۲۶۱	اولیٰ	۳۹۲	انیس احمد	محمد دین	۳۵۳	سنن ترمذی
۳۶۹	محمد طیب	مولانا نذیر احمد	۴۵۰	علیا	۳۹۳	حسین احمد	عبدالحی	۳۱۳	وسطیٰ
۳۷۰	نور کمال	دولت خان	۳۴۵	وسطیٰ	۳۹۴	درخشں بشرالکریم	دادرغ	۲۸۲	سنن ترمذی
۳۷۱	عبدالرؤف	گل حبیب	۴۰۷	علیا	۳۹۵	عبدالسمیع	زردول	۲۷۰	اولیٰ
۳۷۲	محمد فاروق	حاجی بدرالدین	۳۶۳		۳۹۶	محمد ابراہیم	مولانا محمد	۳۶۶	علیا
۳۷۳	محمد صلاح	عبداللہ	۳۶۸	〃	۳۹۷	امین اللہ	عبدالرحمٰن	۳۱۱	وسطیٰ
۳۷۴	حسین احمد	محمد اسحاق	۳۱۲	وسطیٰ	۳۹۸	حبیب اللہ	سید عالم	۲۸۵	اولیٰ
۳۷۵	محمد اسماعیل	عید محمد	۳۱۲	〃	۳۹۹	ذوالفقار احمد	نیاز احمد	۳۰۴	وسطیٰ
۳۷۶	حبیب اللہ	محمد قاسم	۳۷۱	علیا	۴۰۰	نور اشرف	مولوی عبدالغنی	۳۶۶	علیا
۳۷۷	غلام حیدر	محمد کریم	۳۶۱	〃	۴۰۱	انور شاہ	اول میاں	۲۹۱	اولیٰ
۳۷۸	قاضی ظہورالدین	محمد نذیر	۳۸۱	〃	۴۰۲	محمد جمیل	مفتی ابوالفضل	۳۵۵	وسطیٰ
۳۷۹	عبداللہ	عبدالستار	۳۳۷	وسطیٰ	۴۰۴	محمد ادریس	آدم نبی	۲۵۲	سنن بخاری
۳۸۰	محمد مراد	لشکر خان	۳۱۳	〃	۴۰۵	محمد واجد علی	فاروق علی	۳۱۰	وسطیٰ
۳۸۱	محمد عبدالرحمٰن	محمد سلیمان	۳۶۰	علیا		**جامعہ دارالفیوض کندکوٹ**			
۳۸۲	امداد اللہ	مفتی محمد عثمان	۳۳۸	وسطیٰ					
۳۸۳	شاہ محمد	ولی محمد	۳۳۷	〃	۴۰۸	دین محمد	محمد رمضان	۲۴۹	اولیٰ

رول نمبر	نام	ولدیت	نمبر	درجہ
	جامعہ رشیدیہ ـ ساہیوال			
۵۸۰	محمد یونس	محمد صابر	۴۱۲	علیا
۵۸۱	محمد عثمان	ظفر الرحمن	۳۴۲	وسطیٰ
۵۸۲	شبیر احمد	حاجی عمرا خان	۲۹۶	اولیٰ
۵۸۳	سعید الرحمن	عبد الرحیم	۳۳۹	وسطیٰ
۵۸۴	امان اللہ	احسان احمد	۳۶۵	علیا
۵۸۵	ممتاز احمد	غلام محمد	۲۶۳	اولیٰ
۵۸۸	محمد شفیع	نور محمد	۲۹۷	"
۵۸۹	ظہور احمد	غلام محمد	۲۵۷	متنی ترمذی
	مظہر العلوم ـ کراچی			
۴۱۱	سعید الرحمن	خلیل الرحمن	۲۹۴	اولیٰ
۴۱۲	محمد ایاز	عزیز الرحمن	۲۰۸	متنی بخاری
۴۱۵	غلام محمد	عبد الرحمن	۲۵۸	"
۴۱۶	سید امین	عبد المجید	۲۹۸	اولیٰ
۴۱۸	محمد شریف	محمد	۳۰۵	وسطیٰ
	ارشاد العلوم ـ خیرپور			
۴۱۹	محمد ادریس	محمد قاسم	۳۷۱	علیا
۴۲۰	عبد العزیز	علی شیر	۲۵۷	متنی بخاری
	شمس الہدیٰ کراب جیل			
۴۲۱	عطاء اللہ	عبد اللہ خان	۳۵۵	وسطیٰ

رول نمبر	نام	ولدیت	نمبر	درجہ
۴۲۲	عبد اللہ	محمد سرنل	۲۷۶	اولیٰ
	جامعہ فاروقیہ کراچی			
۴۲۳	ضیاء الدین	شیر گرامی خان	۲۸۳	اولیٰ
۴۲۴	سرفراز احمد	نیاز احمد	۲۶۴	متنی
۴۲۶	نور الٰہی	محمد صادق	۳۶۴	علیا
۴۲۷	محمد یسین	میاں ولی محمد	۳۶۸	"
۴۲۸	درویش	شیر محمد	۳۱۴	وسطیٰ
۴۲۹	محمد اکبر	پیر محمد	۳۱۹	"
۴۳۰	مرغوب حسین	یعقوب اسماعیل	۳۳۵	"
۴۳۱	محمد اسلم	محمد منیر	۳۰۴	"
۴۳۲	عبد الخالق	عبد الستار	۳۰۴	"
۴۳۳	عبد الصمد	پیر محمد	۳۰۶	"
۴۳۴	عبد الرحیم	محمد امیر	۳۰۸	علیا
۴۳۵	حیدر علی	ابراہیم	۳۸۵	"
۴۳۷	سید احمد	سید محمود	۳۳۹	وسطیٰ
۴۳۸	کریم گل	مصبر صاحب	۳۵۹	"
۴۳۹	سرفراز	حضرت زمان	۳۴۴	"
۴۴۰	عنایت اللہ	رحمن اللہ	۴۱۱	علیا
۴۴۱	محمد صادق	صاحب شاہ	۳۵۹	وسطیٰ
۴۴۲	محمد اسلام	غلام محمد	۳۲۰	"
۴۴۳	فتح محمد	آخر داد	۳۲۵	"
۴۴۴	عبد الصمد	محمد امین	۲۸۲	اولیٰ

باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں۔

ترتیب : [illegible] صاحب

ارشاداتِ حقانی، بزبانِ محبوبِ سبحانیؒ

محبوب سبحانی سیدنا و مرشدنا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس وعظ درحقیقت انوار و برکات کی مجلس ہوتی تھی جو کچھ فرماتے تھے قلوب اس سے متاثر ہوتے تھے۔ حضرت اقدسؒ کے یہ مواعظ ایک مجموعہ کی شکل میں جو کہ "الفتح الربانی" کے نام سے موسوم ہے دستیاب ہیں جو آج کل تشنگان حق کے لئے چشمۂ آب حیوان (حیات) سے کم نہیں۔ اس میں سے کچھ اقتباس ہدیہ قارئین الرشید ہیں۔

واللہ یہدی الیٰ سبیل الرشاد

- ایمان والا قلب "کیوں" اور "کس طرح" نہیں جانتا۔ وہ نہیں جانتا کہ "بلکہ" کیا ہے۔ اسکا قول تو "ہاں" ہے۔
- اپنے "بیدار" ہونے کو موت کے بعد کے لئے نہ چھوڑو کہ اس وقت بیدار ہونا تم کو مفید نہ ہوگا۔
- قلب گویا پرندہ ہے بدن کے "پنجرہ میں" موتی ہے ڈبہ میں، مال ہے صندوق میں، پس اعتبار پرندہ کا ہے "پنجرہ" کا نہیں، اعتبار موتی کا ہے ڈبہ کا نہیں، اعتبار مال کا ہے صندوق کا نہیں۔
- اوّل اپنے نفس کو نصیحت کرو اس کے بعد دوسرے کے نفس کو نصیحت کرو۔
- جب توحید گھر کے دروازے پر ہو اور شرک گھر کے اندر تو یہی نفاق ہے۔
- افسوس تجھ پر کہ تیری زبان تقویٰ پکارتی ہے اور دل فاجر بن رہا ہے، زبان شکر کرتی ہے اور دل اعتراض کر رہا ہے۔
- جب تم توبہ کرو تو چاہیئے کہ تمہارا ظاہر بھی توبہ کرے اور باطن بھی، توبہ حکومت کی کایا پلٹ دیتی ہے۔
- یوں سمجھو کہ تمہاری عمر میں صرف یہی ایک دن باقی رہ گیا ہے۔ پس آخرت کے لئے تیار رہو۔
- جو شخص اہل فلاح کو نہیں پہچانتا وہ فلاح نہیں پاتا۔
- مخلوق کے دروازہ کو بند کرو اور اپنے اور خدا کے درمیان کے دروازے کو کھول لو۔
- تنگ حالی کا مقابلہ صبر سے کرو اور خوشحالی کا شکر سے۔
- قلب کی زندگی اس میں ہے کہ مخلوق (کے خیال) سے نکل جائے اور حق تعالیٰ کے ساتھ قائم ہو جائے۔
- افسوس کہ تمہاری زبان مسلمان ہے مگر دل مسلمان نہیں، قول مسلمان ہے مگر فعل مسلمان نہیں۔
- تمہارا علم تم کو پکار رہا ہے کہ میں تم پر حجت ہوں۔
- اپنی آرزو کم کرو زہد پاؤ گے، سارا زہد تمناؤں کا کم کرنا ہی ہے۔